طالب دعا زوہیب حسن عطاری

خوشخبری

مسلک اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات۔۔۔

بد مذہبوں کے باطلہ عقائد اور ان کے رد۔۔۔

اہلسنت پر کیئے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل

کتب و رسائل، آڈیو ویڈیو بیانات اور والپیپر حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat

طالب دعا زوہیب حسن عطاری

مترجم و شارح ـــــــــ	علامہ محمد لیاقت علی رضوی
باہتمام ـــــــــ	ملک شبیر حسین
سن اشاعت ـــــــــ	جنوری 2017ء
سرورق ـــــــــ	اے ایف ایس ایڈورٹائزر 0322-7202212
طباعت ـــــــــ	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ ـــــــــ	روپے

شبیر برادرز®
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

تنبیہ

ہمارا ادارہ شبیر برادرز کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

ترتیب

مقدمہ وضریہ

امام اعظم ابوحنیفہ اور علم الکلام کا بیان

امام الائمہ، سراج الامہ، کاشف الغمہ، سرتاج المحدثین، رئیس الفقہاء، حاکم الحفاظ فی الحدیث امام اعظم امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام علماء ومجتہدین کے سردار، ماہرین حدیث کے امام، عابدین وزاہدین کے سردار اور تمام خوبیوں کے جامع، جو ایک بہترین انسان، بہترین محاسن اور فضائل کے حامل تھے اپنے وقت کے عالم تھے جو کہ نہ صرف فقہ بلکہ حدیث، تفسیر، لغت اور دیگر تمام رائج علوم وفنون کے ماہر تھے امام اعظم نے دین کا علم سیکھا اور مسائل کو قرآن وحدیث سے ڈھونڈا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہ اور اس کے اصول وضوابط، نیز حدیث وتفسیر کے ضوابط وضع کیے اور ان کے مطابق مسائل کو بیان کیا اور فقہی مسائل کو قرآن وسنت کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی اور اپنے شاگردوں میں بھی یہی صلاحیتیں پیدا کیں اور فقہ کے عنوان سے اسلامی قوانین کا ایسا مجموعہ تیار کیا جس نے بعد میں آنے والوں کے لئے قرآن وسنت پر عمل کرنا آسان کر دیا احناف کے لاکھوں مسائل کا ایک ایک جزیہ شاہد ہے کہ احناف کتاب اللہ اور سنت رسول تو بہت بعید ہے خبر واحد اور حدیث ضعیف پر بھی عمل کرتے ہیں امام اعظم نے اسلامی دفعات کا جو مجموعہ تیار کیا اس میں تقریباً 11,83,000 مسائل کا حل لکھا۔ (عنایہ شرح ہدایہ: 1/7 خطبۃ الکتاب)

عام طور پر تالیف یا تصنیف، لوگ اسے ہی قرار دیتے ہیں جو مؤلف یا مصنف نے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہو حالانکہ یہ خیال درست نہیں کیونکہ اگر کسی کی تقاریر یا درس کو سن کر کوئی دوسرا آدمی لکھے تو یہ اسی مقرر یا مدرس کی ہی تالیف کہلائے گی پھر دور سابق میں تصنیف کا وہ طریقہ نہ تھا جو آج ہے بلکہ اس دور میں محدثین اپنی تحقیقات املاء کرواتے تھے ظاہر ہے کہ املاء کرانے والا شخص جو کچھ لکھوائے گا۔ وہ اسی کی تالیف کہلائے گی اور اس بات کا اعتبار نہ کیا جائے تو بہت ساری کتب کا انتساب ان کے مصنفین یا مؤلفین کی طرف غلط قرار پائے گا مثلاً موطاء امام مالک، صحیفہ ہمام بن منبہ، مصنف عبدالرزاق، مسند شافعی، مسند احمد، فتح الباری شرح بخاری وغیرہ یہ سب املاء کروائی گئیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ساری دنیا جانتی ہے کہ انہوں نے متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں مگر کچھ کم فہم قسم کے لوگ یہ تاثر دیتے نظر آتے ہیں کہ ان کی کوئی کتاب نہیں اور اگر کوئی دلیل پیش کریں تو اس کی سند مانگتے ہیں اور سند پیش کر دی جائے تو یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اس میں فلاں راوی ضعیف ہے آپ نے فقہ کے علاوہ علم الکلام کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف فرمائیں جن میں ان فرقوں کے مقابلے میں اہل سنت وجماعت کے موقف کو واضح فرمایا یہ بات کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب نہیں معتزلہ کی اڑائی

بات ہے۔

چنانچہ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں۔

هذا كلام المعتزلة ودعواهم انه ليس له في علم الكلام له تصنيف .

یہ معتزلہ کی بات ہے اوران کا دعویٰ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام کی کوئی کتاب نہیں ہے۔(الجواہر المضیہ :2/461)

اس کی وجہ یہ تھی معتزلہ یہ چاہتے تھے کہ اس قسم کی افواہوں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مزعومات کے لئے استعمال کرسکیں

(1)علامہ بیاضی نے اشارات المرام میں علم کلام کے موضوع پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جن تصانیف کی نشاندہی کی ہے وہ یہ ہیں لکھتے ہیں۔

(املاء ها على اصحابه من الفقه الاكبر والرسالة والفقه الابسط وكتاب العالم والمتعلم والوصية)

امام اعظم نے اپنے اصحاب سے یہ کتاب املاء کروائیں:(1)الفقہ الاکبر(2)الرسالہ(3)الفقہ الابسط(4)کتاب العالم والمتعلم(5)اورالوصیہ:(اشارات المرام:ص 21)

(2)صاعد بن محمد بن احمد استوائی النیسابوری نے بھی اپنی کتاب(الاعتقاد)میں انہی 5 کتب کی نشاندہی کی ہے جن کا دور 343ہجری سے 432ہجری کا ہے لکھتے ہیں:(رسائل الامام ابی حنیفۃ الخمس، وہی:(1)الفقہ الاکبر(2)الفقہ الابسط(3)العالم والمتعلم(4)الوصیۃ(5)رسالۃ)(الاعتقاد النیسابوری:ص 85،86)

(3)اسی طرح محمد بن عبدالرحمٰن الخمیس نے اپنی کتاب(اصول الدین عند الامام ابی حنیفۃ)میں ان پانچ کتب کی نسبت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف کرتے ہوئے ان کے راویوں کی بھی نشاندہی کی ہے لکھتے ہیں۔

<u>ينسب الى الامام ابى حنيفة الكتب التالية:</u>

1- الفقه الاكبر برواية حماد بن ابى حنيفة.

2- الفقه الاكبر برواية ابى مطيع البلخي، ويسمى بالفقه الابسط.

3- العالم والمتعلم برواية ابى مقاتل السمرقندى.

4- رسالة الامام ابى حنيفة الى عثمان البتى برواية ابى يوسف.

5- الوصية برواية ابى يوسف. (اصول الدین عند الامام ابی حنیفۃ:ص115 مطبوعہ سعودی عرب)

اسی طرح انہوں نے فقہ اکبراورفقہ الابسط دونوں کی شرح بھی فرمائی ہے جس کا نام یہ ہے:

(الشرح الميسر على الفقهين الابسط والاكبر المنسوبين لابى حنيفة)

جس میں انہوں نیفقہ الابسط کی سند لکھی ہے وہ یہ ہے

(روی الامام ابو بکر بن محمد الکاسانی عن ابی بکر علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی قال اخبرنا ابو المعین میمون بن محمد بن مکحول النسفی اخبرنا عبد اللہ الحسین بن علی الکاشغری الملقب بالفضل قال اخبرنا ابو مالک نصران بن نصر الختلی عن علی بن الحسن بن محمد الغزال عن ابی الحسن علی بن احمد الفارسی حدثنا نصیر بن یحیی الفقیہ قال سمعت ابا مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی یقول)

(الشرح المیسر علی الفقہین الابسط والاکبر المنسوبین لابی حنیفہ: ص76)

(4) علامہ بزازی لکھتے ہیں

(یہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ علم کلام مین امام ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف نہیں ہے الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم میں نے خود علامہ شمس الدین کی ارقان فرمودہ دیکھی ہیں ان پر لکھا ہوا تھا کہ یہ امام اعظم کی تصانیف ہیں) (مناقب کردری: 1/108)

(5) علامہ علی بن محمد البزدوی الحنفی لکھتے ہیں:

(وقد صنف ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ فی ذلک کتاب الفقہ الاکبر ..... وصنف کتاب العالم والمتعلم وکتاب الرسالۃ)

ترجمہ: اور تحقیق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ الاکبر تصنیف کی اور کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الرسالہ تصنیف کی۔

(اصول البزدوی: ص3)

(6) علامہ زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

(علم کلام میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ علمی سرمایہ امت کو وراثت میں ملا ہے (الفقہ الاکبر) اس کی سند یہ ہے (علی بن احمد الفارسی عن نصیر بن یحییٰ عن ابی مقاتل عن عصام بن یوسف عن حماد بن ابی حنیفۃ (الفقہ الابسط) اس کی سند یہ ہے (ابو زکریا یحییٰ بن مطرف عن نصیر بن یحییٰ عن ابی مطیع البلخی عن ابی حنیفۃ) (العالم والمتعلم) اس کی سند یہ ہے (الحافظ احمد بن علی عن حاتم بن عقیل عن الفتح بن ابی علوان ومحمد بن یزید عن الحسن بن صالح عن ابی مقاتل عن ابی حنیفۃ) (الرسالۃ) اس کی سند یہ ہے (نصیر بن یحییٰ عن محمد بن سماعۃ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ) (الوصیۃ) اس کی سند کا سلسلہ بھی یہی ہے)۔

(مقدمہ اشارات زاہد الکوثری: ص5)

الفقہ الابسط کے راوی ابو مطیع بلخی کی توثیق پیش خدمت ہے تا کہ کوئی وسوسہ ڈالنے والا آپ کے دل میں شک نہ ڈال سکے۔

تعارف الحکم بن عبد اللہ ابو مطیع بلخی:

(1) صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی متوفی: 764ھ لکھتے ہیں:

الحكم بن عبد الله ابو مطيع البلخيّ الفقيه، صاحب كتاب الفقه الاكبر. تفقّه بابي حنيفة، وولي قضاء بلخ. وكان بصيراً بالراى، وكان ابن المبارك يعظّمه .

ترجمہ: الحکم بن عبداللہ ابو مطیع بلخی فقیہ فقہ اکبر کے راوی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ حاصل کیا اور بلخ کے قاضی اور اہل الرائے میں بصیرت والے تھے۔ (الوافی بالوفیات:4/307)

(2) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أبو مطيع له المنة على جميع أهل الدنيا : ترجمہ: ابو مطیع کا ساری دنیا کے لوگوں پر بہت احسان ہے

(1) تاریخ بغداد 8/220 (2) تاریخ الاسلام للذہبی 13/159

(3) علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وكان فقيها بصيرا بالراى: وكان بصيرا بالراى علامة كبير الشان،

آپ فقہاء میں سے تھے اور اہل بصیرت میں بڑے صاحب بصیرت تھے۔

(1) تاریخ بغداد بشار: 1/121 (2) میزان الاعتدال 1/574 رقم 2181

(4) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(وكان ابن المبارك يعظمه ويجله لدينه وعلمه) حضرت عبداللہ بن مبارک ان کے دین اور علم کی وجہ سے ان کی تعظیم اور بڑائی کے قائل تھے۔

(1) لسان المیزان ج 2 ص 334 (2) میزان الاعتدال 1/574 رقم 2181

(5) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: وکان بصیرا بالرای علامۃ کبیر الشان:

ترجمہ: اہل رائے میں آپ بڑے صاحب بصیرت تھے اور بڑی شان والے علامہ تھے

(1) لسان المیزان ج 2 ص 334 (2) میزان الاعتدال 1/574 رقم 2181

(6) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

قال محمد بن فضيل وقال حاتم قال مالك بن انس لرجل من اين انت قال من بلخ قال قاضيكم ابو مطيع قام مقام الانبياء:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کسی آدمی سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے جواب دیا بلخ سے آیا ہوں جس کے جواب میں امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: تمہارے قاضی ابو مطیع انبیاء کے قائم مقام ہیں۔

(1) تاریخ بغداد 8/223 (2) تاریخ الاسلام للذہبی 13/159

(7) ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وذكر المنذرى عن ابن عيينة . . . . قال: وقال ابو مطيع: كان عندنا ثقة.

ترجمہ: امام منذری نے ابن عیینہ سے ذکر کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ابو مطیع ثقہ ہے۔

(الایضاح والتبیین ص137)

(8) عبداللہ بن حسین الموجان لکھتے ہیں: ابو مطيع البلخي عنه، وهو امام مُعْتَمَدُ النقلْ عن ابی حنيفة:
ترجمہ: ابو مطیع بلخی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرنے میں اعتماد والا ہے۔ (الرد الشامل علی عمر کامل: جز12/3)

(9) ابو المؤید محمد بن محمد الخوارزمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: وكان ابو مطيع حافظاً متقناً: ترجمہ: اور ابو مطیع ہمارے نزدیک حافظ متقن ہے (جامع المسانید للخوارزمی: 2/54)

(10) احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: قد مر انه ابو مطيع البلخي تلميذ الامام وحجته الامر بها في الحديث: ترجمہ: بے شک ابو مطیع بلخی شاگرد امام ابوحنیفہ حدیث میں حجت ہے۔

(حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص209)

(11) علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں: وقال محمد بن عبداللہ بن نمیر: كان شيخا صالحا صدوقا:
ترجمہ: محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ وہ شیخ صالح صدوق تھے۔ (تہذیب الکمال: 8/521)

(12) علامہ ذہبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:
قال ابن معین: صدوق. ترجمہ: ابن معین نے فرمایا: صدوق ہے۔ (العبر فی خبر من غبر: 1/258)

(13) شمس الدین ابو المعالی محمد بن عبدالرحمٰن بن الغزی فرماتے ہیں:
ابو مطيع البلخي: الحكم بن عبد الله، الامام الحبر الفقيه، صاحب ابی حنيفة ومصنف الفقه الاكبر.
ترجمہ: ابو مطیع بلخی حکم بن عبداللہ امام الحبر الفقیہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ اکبر کے راوی ہیں۔

(دیوان الاسلام: ص81)

(14) عبدالحئی بن احمد بن محمد العکری الحنبلی فرماتے ہیں:
ابو مطيع الحكم بن عبد الله البلخي الفقيه صاحب ابی حنيفة وصاحب كتاب الفقه الكبر . . . .ولی قضاء بلخ وحدث عن ابن عوفا وجماعة قال ابو معين ثقة:
ترجمہ: ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی فقیہ صاحب ابی حنیفہ اور صاحب فقہ اکبر ہیں اور بلخ کے قاضی تھے اور ابن عوفا سے اور ایک جماعت سے روایت کی، ابو معین فرماتے ہیں کہ ثقہ ہیں۔ (شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: 1/357)

(15) ابو حاتم فرماتے ہیں: وقال ابو حاتم محله الصدق:
ترجمہ: ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ سچے ہیں۔ (شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: 1/357)

(16) وہو ابو مطیع البلخی - ثقۃ. ترجمہ: یہ ابو مطیع بلخی ثقہ ہے۔ (ارشیف ملتقی اہل الحدیث-4: ج69/65)

(17) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کتاب العبر میں فرماتے ہیں کہ امام ابوداود کہا کرتے تھے:

عن كتاب العبر للذهبى عن ابى داود وبلغنا انه من كبار الامارين بالمعروف والناهين عن المنكر

ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ابو مطیع امر معروف اور نہی منکر کرنے کے بہت اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔

(1) العبر فی خبر من غبر: 1/258 (2) حاشیہ لسان المیزان: 2/335

(18) علامہ خلیلی امام ابو مطیع بلخی کے ساتھ علماء کی ناراضگی سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال الخليلى فى الارشاد كان على قضاء بلخ وكان الحفاظ من اهل العراق وبلخ لا يرضونه:

ترجمہ: ابو مطیع بلخی منصب قضا پر فائز تھے اور عراق و بلخ کے حفاظ حدیث آپ سے راضی نہ تھے۔

(لسان المیزان تحقیق ابوغدہ: 3/248)

جو شخص امر معروف اور نہی منکر کا عادی ہو اور اس میں وہ حاکم وقت کی بھی پرواہ نہ کرتا ہو اور ہو بھی حنفی اس کو برداشت کرنا آسان کام نہیں تھا اس لئے لوگوں نے ان کے بارے میں رنگارنگ باتیں پھیلانا شروع کر دیں، یہ عادت اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ ایسا ہوتا رہا ہے اور یہ سب حسد اور تعصب کا کرشمہ ہے

(19) شوذب کے نزدیک ابو مطیع کا مقام:

(حدثنا عمران بن الربيع ابو نهشل البلخى قال دخلت مع حمويه بن خليد العابد على شوذب بن جعفر سنة الرجفة فقال شوذب لحمويه رايت الليلة ابا مطيع فى المنام فكانى قلت ما فعل بك فسكت حتى الححت عليه فقال ان الله قد غفر لى وفوق المغفرة)

ترجمہ: شوذب اپنے ساتھی حمویہ سے کہتے ہیں ایک رات میں نے خواب میں ابو مطیع کو دیکھا گویا کہ میں ان سے پوچھ رہا ہوں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا معاملہ ہوا؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے اصرار کیا تو آپ نے جواب دیا بے شک اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے اور بہت اونچی بخشش فرمائی ہے۔ (تاریخ بغداد: 8/223)

ابو مطیع بلخی پر محدثین نے کچھ جرحیں بھی نقل کی ہیں جو کہ مبہم اور غیر مفسر ہیں اور ایسی جرحیں اصول حدیث کی روشنی میں قابل قبول نہیں ہوتیں۔

(وهذا تقديم للتعديل على الجرح لان الذى ذكرناه محمول على ما اذا كان الجرح غير مفسر السبب فانه لا يعمل به)

(1) الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب: ص 101 (2) صیانہ صحیح مسلم من الاخلال والغلط: ص 96 (3) توجیہ النظر: 2/550

اعتراض: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو مطیع سے روایت کرنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے جنت اور دوزخ دونوں پیدا کئے گئے ہیں اور عنقریب دونوں فنا ہو جائیں گے۔ (تاریخ بغداد 8/235)

جواب: یہ الزام سنی سنائی بات پر مبنی ہے اور ہے بھی سراسر غلط، کاش امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تک ابو مطیع کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ کتاب پہنچی ہوتی جس میں وہ اس عقیدہ کا خود رد کرتے ہیں اور ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔

(قال انهما تفنيان بعد دخول اهلهما فيهما فقد كفر بالله تعالىٰ لانه انكر الخلود فيهما)

(الفقہ الابسط ص 157 حکم من کذب بالخلق او انکر معلوماً من الدین بالضرورۃ)

نوٹ: یہ عقیدہ جہمیہ کا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جنت میں جنتی اور جہنم میں جہنمی ایک وقت تک رہیں گے پھر یہ فنا ہو جائیں گیں۔

جس طرح امام ابوحنیفہ نے مرجئیوں کا رد کیا تو مخالفین نے انہیں ہی مرجئی قرار دے دیا بالکل اسی طرح ابو مطیع بھی جہمیوں کے خلاف تھے لہٰذا مخالفین نے انہیں ہی جہمی قرار دے دیا حالانکہ وہ اس عقیدے کا رد کرتے ہیں مزید تفصیل دیکھنے کے لئے ملاحظہ کیجئے (کتاب الفقہ الابسط مترجم: ص 72)

اگر صرف کسی کو مرجئی یا جہمی کے الزام کے سبب ضعیف قرار دیا جائے تو صحیح بخاری میں کتنے ہی ایسے راوی ہیں کہ جن پر مرجئی، جہمی، قدری، ناصبی، شیعہ، خارجی ہونے کا الزام ہے تو کیا ان کو کوئی ضعیف کہہ کر رد کرتا ہے اگر نہیں تو صرف یہی الزام کسی حنفی پر لگا کر رد کرنا کیا معنی رکھتا ہے تسلی کے لئے صحیح بخاری کے ان رواۃ کی تعداد بتائے دیتا ہوں۔

(1) صحیح بخاری کے مرجئی رواۃ کی تعداد 16 ہے۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی)

(2) صحیح بخاری کے ناصبی رواۃ کی تعداد 4 ہے۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی)

(3) صحیح بخاری کے رافضی وشیعہ رواۃ کی تعداد 29 ہے۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی)

(4) صحیح بخاری کے قدری رواۃ کی تعداد 23 ہے۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی وکتاب المعارف، میزان الاعتدال)

(5) صحیح بخاری کے خارجی رواۃ کی تعداد 4 ہے۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی)

(6) صحیح بخاری کے جہمی رواۃ کی تعداد 4 ہے۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ایک تحریف شدہ قول اور اس کی حقیقت

کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ آسمان میں ہے یا زمین میں تو امام صاحب نے فرمایا وہ شخص کافر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ عرش پر مستوی ہوا۔۔۔الخ

حالانکہ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب یہ قول تحریف شدہ ہے اور صریح طور پر ان پر جھوٹ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اصل قول یہ ہے کہ

(قال ابو حنیفة من قال لا اعرف ربی فی السماء او فی الارض فقد کفر و کذا من قال انه علی العرش ولا ادری العرش افی السماء او فی الارض)

ترجمہ: ابومطیع بلخی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا جس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرا رب آسمان پر ہے یا زمین پر تو اس نے کفر کیا، اسی طرح جو کہتا ہے کہ اللہ عرش پر ہے لیکن مجھے پتہ نہیں ہے کہ عرش آسمان پر ہے یا زمین پر تو یہ بھی کافر ہے۔ (الشرح المیسر علی الفقہین الابسط والاکبر المنسوبین لابی حنیفة: ص135 تحقیق محمد بن عبدالرحمٰن خمیس)

ابومطیع کی کتاب کے یہ الفاظ امام بیاضی الحنفی رحمہ اللہ کے نسخے میں صرف اس قدر ہیں اور امام فقیہ ابواللیث سمرقندی کے نسخے میں یہ الفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى، پھر اگر وہ شخص کہے میں اس آیت کو مانتا ہوں لیکن مجھے پتہ نہیں کہ عرش آسمان پر ہے یا زمین پر تو اس بات سے بھی اس نے کفر کیا،، اور دونوں نسخوں کے متنوں میں وجہ کفر بیان نہیں کیا گیا کہ ایسا شخص کیوں کافر ہے، تو امام بیاضی اور فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہم اللہ دونوں نے اس کا بیان کردیا کہ دراصل اس دوسری بات کا مرجع بھی پہلی بات کی طرف ہے کیونکہ جب وہ اللہ کو عرش پر مان کر کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ عرش آسمان پر ہے یا زمین پر تو اس کا بھی وہی مطلب ہوا جو پہلی عبارت کا ہے کہ اللہ آسمان پر ہے یا زمین پر تب ایسے شخص نے اللہ کے لیے مکان کا عقیدہ رکھا اور اللہ کو مکان سے پاک قرار نہیں دیا، اور ایسا کہنے والا اللہ کو اگر آسمان پر مانتا ہے تو زمین پر نفی کرتا ہے اور زمین پر مانتا ہے تو آسمان پر نفی کرتا ہے اور یہ بات اللہ کے لیے حد کو بھی مستلزم ہے۔

اور اسی طرح فقیہ ابواللیث سمرقندی اور بحوالہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ حل الرموز میں ملک العلماء شیخ عزالدین بن عبدالسلام الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قول اللہ جل جلالہ کے لیے مکان ثابت کرنے کا وہم دیتا ہے تو اس بات سے یہ شخص مشرک ہوگیا یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ازل سے ہے اگر اللہ کے وجود کے لیے مکان لازم ہے تو یقیناً یہ مکان ازل سے ماننا پڑے گا اور اس طرح ایک سے زائد قدیم ذات ماننا پڑیں گے جو کہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول تھا اس سے کچھ آگے چل کے وہ خود ہی اس بات کا جواب دیتے ہیں: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

قلت ارایت لو قیل این اللہ تعالی فقال یقال له کان اللہ تعالی و لا مکان قبل ان یخلق الخلق و کان اللہ تعالی و لم یکن این و لا خلق کل شیء .

جب تم سے کوئی پوچھے کہ اللہ (کی ذات) کہاں ہے تو اسے کہو کہ (اللہ وہیں ہے جہاں) مخلوق کی تخلیق سے پہلے جب کوئی جگہ و مکان نہیں تھا صرف اللہ موجود تھا۔ اور وہی اس وقت موجود تھا جب مکان مخلوق نام کی کوئی شے ہی نہیں تھی۔ (الشرح المیسر علی الفقہین الابسط والاکبر المنسوبین لابی حنیفة ص161 (2) العالم والمتعلم ص57)

لہٰذا آج کل جو غیر مقلدین امام صاحب کے اس قول میں الفاظ کے ملاوٹ کے ساتھ معنی میں بھی تحریف کر کے اس کا

مطلب اپنی طرف موڑتے ہیں وہ بالکل غلط اور امام صاحب کی اپنی تصریحات کے خلاف ہے اور جس ملاوٹ اور لفظی تحریف کی بات ہم نے کی اس کی تفصیل یہاں ذکر کرتے ہیں۔

اوپر امام صاحب کا قول ابو مطیع کی روایت سے ہم نے بیان کر دیا کہ وہ کس قدر الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور اس کی تشریح فقیہ ابواللیث اور امام عزالدین بن عبدالسلام کے ارشادات کے مطابق بلاغبار واضح نظر آتی ہے لیکن غیر مقلدین میں ایک شخص جن کو یہ لوگ شیخ الاسلام ابو اسماعیل الہروی الانصاری صاحب الفاروق کے نام سے جانتے ہیں اور ان کی کتابوں میں الفاروق فی الصفات اور ذم الکلام شامل ہیں جن میں یہ جناب اشاعرہ کو مسلم بلکہ اہل کتاب بھی نہیں سمجھتے اور ان کے ذبیحے حرام اور ان سے نکاح بھی حرام کہتے ہیں۔

اور یہ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ کے وفات سنہ 373ھ کے سو سال بعد آئے ہیں اور انہوں نے اسی روایت میں اپنی طرف جو الفاظ چاہے اپنی طرف سے بڑھا دیے حتیٰ کہ ساری بات کا مفہوم ہی بگاڑ دیا اور کلام کا رخ اپنے مطلب کی طرف پھیر دیا چنانچہ ان جناب نے اس عبارت کو اس طرح روایت کیا

(قَالَ سَالت اَبَا حنيفَة عَمَّن يَقُول لَا اعرف رَبِّي فِي السَّمَاء اَوفِي الاَرْض فَقَالَ قد كفر لِاَن الله تَعَالٰى يَقُول (الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) وعرشه فَوق سمواته:فَقلت اِنَّه يَقُول اَقُول على الْعَرْش اسْتَوٰى وَلَكِن قَالَ لَا يدْرِي الْعَرْش فِي السَّمَاء اَو فِي الاَرْض قَالَ اِذا انكر انه فِي السَّمَاء فقد كفر)

کیا،،، اس عبارت میں انہوں نے لان الله يقول الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى وعرشه فوق سموته کی تعلیل (یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رحمٰن نے عرش پر استواء کرلیا، اور اس کا عرش آسمانوں کے اوپر ہے) اور یہ الفاظ: فاذا انكر انه في السماء فقد كفر کی تعلیل (یعنی جب اس شخص نے انکار کرلیا کہ وہ آسمان پر ہے تو اس نے کفر کیا) یہ دونوں باتوں کو انہوں نے اس عبارت میں اپنی طرف سے بڑھا دیں جس کی وجہ سے مفہوم بظاہر تجسمی معنی کی طرف مائل ہوتا نظر آرہا ہے حالانکہ اصلی عبارت اور امام صاحب کی دیگر تصریحات سے امام صاحب کا مسلک اہل سنت کا ہی مسلک ہونے میں واضح ہے، تو یہاں پر کفر کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس شخص نے اللہ کو آسمان پر ماننے سے انکار کر دیا اس لیے کافر ہے،، بلکہ یہ الفاظ تو الہروی نے اپنی طرف سے بڑھا دیے اور ان الفاظ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اصل عبارت میں، اور کفر کی وجہ وہی ہے جو امام ابواللیث نے الہروی سے سو سال پہلے بیان کیا اور امام عزالدین بن عبدالسلام نے بھی بیان کیا کہ دراصل یہ بات اللہ کے لیے مکان وجگہ ثابت کر رہا ہے اس لیے یہ کفر ہے۔

اور تعجب یہ ہے کہ یہ شخص ابو اسماعیل الہروی ان حضرات کے ہاں بہت بڑے پائے کے ہیں جبکہ ان کے اپنے ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان کا مسلک اپنے مجموع الفتاویٰ میں کلام الٰہی کے بارے میں یہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے ہاں اللہ کا کلام

نازل ہوکر مصحف میں حلول ہوگیا والعیاذ باللہ اور ساتھ میں جناب کی یہ عجیب منطق بھی نقل فرمائی ہے کہ یہ وہ والی حلول نہیں جو ممنوع ومضر ہے

(وَطَائِفَةٌ اَطْلَقَتُ الْقَوْلَ بِاَنَّ كَلَامَ اللّٰهِ حَالٌّ فِي الْمُصْحَفِ كَاَبِي اسْمَاعِيلَ الْاَنْصَارِيِّ الهروى الْمُلَقَّبِ بِشَيْخِ الْاِسْلَامِ وَغَيْرِهِ وَقَالُوا: لَيْسَ هٰذَا هُوَ الْحُلُولُ الْمَحْذُورُ الَّذِى نَفَيْنَاهُ . بَلْ نُطْلِقُ الْقَوْلَ بِاَنَّ الْكَلَامَ فِي الصَّحِيفَةِ وَلَا يُقَالُ بِاَنَّ اللّٰهَ فِي الصَّحِيفَةِ اَوْ فِي صَدْرِ الْاِنْسَانِ كَذَالِكَ نُطْلِقُ الْقَوْلَ بِاَنَّ كَلَامَهُ حَالٌّ فِي ذَالِكَ دُونَ حُلُولِ ذَاتِهِ)

ترجمہ: ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ایک گروہ نے یہ بات بھی کہی ہے کہ اللہ کا کلام مصحف میں حلول ہوگیا ہے جیسا کہ ابواسماعیل الہروی جو کہ شیخ الاسلام کے لقب سے جانے جاتے ہیں وغیرہ، یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وہ حلول نہیں ہے جو محذور ہے اور جسے ہم نے نفی کیا ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام صحیفہ میں ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ صحیفہ میں ہے یا انسان کے سینے میں ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اس کا کلام اس میں (یعنی مصحف یا صحیفے میں) حلول ہوگیا ہے لیکن اللہ کی ذات حلول نہیں ہوئی۔ (مجموع الفتاویٰ:29412/)

سبحان اللہ اگر یہی کلام کوئی بھی اہل سنت کا معتقد خدانخواستہ کہہ دیتا تو کیا اس کو کوئی شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب کرتا؟ تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ابومطیع سے امام صاحب کی اس بات کی روایت کو اگر ابواسماعیل الہروی کی من گھڑت زیادتی کے بغیر نقل کیا جائے تو اس میں کوئی خرابی نہیں اور کلام کا مفہوم مکان کی نفی میں واضح ہے خصوصاً جب امام صاحب کے باقی ارشادات کی روشنی میں اس کو قوی قرائن مل جاتے ہیں

اور اسی کلام کو ابن قیم نے ان الفاظ کی زیادتی سے نقل کیا ہے(لانه انكر ان يكون فى السماء لانه تعالىٰ فى اعلى عليين) یعنی یہ شخص اس لیے کافر ہے کہ اس نے اللہ کو آسمان پر ماننے سے انکار کردیا، کیونکہ اللہ اعلیٰ علیین میں ہے حالانکہ قرآن وسنت میں کہیں بھی اللہ کو اعلیٰ علیین میں نہیں کہا گیا تو یہ سب تصرفات جناب ابواسماعیل الہروی کی تحریف کردہ ہیں اور ان سے امام ذہبی رحمہ اللہ نے (العلو) میں اور امام ابن قیم نے (اجتماع الجیوش الاسلامیہ: ص267) میں ان کو اسی طرح نقل کرلیا اسی طرح اسماعیل الہروی کے بعد آنے لوگوں نے اسی کا حوالہ دے کر اسی قول کو نقل کیا ہے جب بنیاد ہی اس قول کی درست نہیں تو اس من گھڑت قول کی بناء پر کسی کو مطعون کرنا درست نہیں، حالانکہ یہ اسماعیل الہروی خود اللہ تعالیٰ کے کلام کے حوالے مطعون ہے جیسا کہ اوپر ہم نے حوالے کے ساتھ بتایا اس تمام بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس من گھڑت بات کی بنا پر ابو مطیع کو مطعون کرنا صرف تعصب ہے اور تعصب کی جرح مردود ہے اسی طرح محدثین بلاتحقیق اس بات کو نقل کرتے رہے اور ابو مطیع کو ضعیف قرار دیتے رہے ہم نے اس حقیقت کو واضح کردیا ہے ایک انصاف پسند آدمی کے لئے بات واضح ہوگئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حق واضح ہوجانے کے بعد اس کو قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔

مصنف کا تعارف

نام ونسب

نعمان نام، ابوحنیفہ کنیت اور امام اعظم آپ کا لقب ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے شجرۂ نسب کے سلسلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسلِ فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ہمارے پردادا ثابت بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی، اللہ نے یہ دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ عجمی النسل تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس میں رئیسِ شہر کو مرزبان کہتے ہیں جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا کا لقب تھا۔

اکثر مؤرخین فرماتے ہیں کہ آپ ۸۰ھ میں عراق کے دارالحکومت کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت وہاں صحابہ میں سے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ موجود تھے، عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی اور حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔

یہ وہ عہد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) ان میں سے چند بزرگ بھی موجود تھے جن میں سے بعض امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے آغازِ شباب تک زندہ رہے۔ مثلاً انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص تھے اور ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ تک زندہ رہے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے۔ جس کی سند میں کچھ نقصان نہیں۔ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا حافظ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا تھا۔

جائے ولادت

کوفہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مولد ومسکن ہے، اسلام کی وسعت وتمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اصل عرب کی روز افزوں ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو جو اس

وقت حکومتِ کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں اقامت گزیں تھے، خط لکھا: مسلمانوں کے لئے ایک شہر بساؤ جوان کا دارالہجرت اور قرارگاہ ہو سعد رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی زمین پسند کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لئے جو وہاں جا کر آباد ہوئے روزینے مقرر کر دیئے۔ چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق رضی اللہ عنہ کوفہ کو رمح اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب یعنی خدا کا علم، ایمان کا خزانہ، عرب کا سر، کہنے لگے۔ اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے تھے الی رأس الاسلام، الی رأس العرب۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو دارالخلافہ قرار دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہزار پچاس اشخاص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے تھے، وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث وروایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث وروایت کی درسگاہ بنا ہوا تھا۔

بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک حدیث میں نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو کان الا یمان عند الثریا لاتناله العرب لتناوله رجل من ابناء فارس ۔ (مسلم)

اگر ایمان ثریا ستارہ کے پاس بھی ہو اور عرب اس کو نہ پا سکتے ہوں تو بھی اس کو ایک فارسی آدمی پالے گا۔

جلیل القدر عالم وحافظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے قطعی طور پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مراد لیتے ہیں اس لئے کہ کوئی بھی فارس کا رہنے والا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برابر علم والا نہیں ہو سکا۔

شکل وصورت

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوسط قد، حسین وجمیل، فصیح وبلیغ اور خوش آواز تھے، دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوبصورت داڑھی، عمدہ کپڑے، اچھے جوتے، خوشبودار اور بھلی مجلس والے رعب دار آدمی تھے۔ آپ کی گفتگو نہایت شیریں، آواز بلند اور صاف ہوا کرتی تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔ مزاج میں ذرا تکلف تھا۔ اکثر خوش لباس رہتے تھے، ابومطیعان رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن ان کو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جن کی قیمت کم از کم چار سو درہم رہی ہوگی۔

بچپن کا زمانہ

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا زمانہ نہایت پرآشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف، خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذاہب اور علم؛

فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے۔
خلیفہ عبدالملک نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ اس زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ ولید شام میں، حجاج عراق میں، عثمان حجاز میں، قرہ مصر میں، واللہ تمام دنیا ظلم سے بھری تھی۔
ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج بھی مرگیا۔ ولید نے بھی وفات پائی۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے مسندِ خلافت کو زینت دی جس کی نسبت مؤرخین کا بیان ہے کہ خلفاء بنوامیہ میں سب سے افضل تھا۔ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ مرتے دم تحریری وصیت کی کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تخت نشیں ہوں۔ سلیمان نے وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مسند خلافت پر بیٹھے جن کا عدل و انصاف اور علم و عمل معروف و مشہور ہے۔
غرض حجاج و ولید کے عہد تک تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہونے کی نہ رغبت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی اس لئے خز (ایک خاص قسم کے کپڑے) کا کارخانہ قائم کیا اور حسنِ تدبیر سے اس کو بہت کچھ ترقی دی۔

تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ

سلیمان کے عہدِ خلافت میں جب درس و تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو آپ کے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی، حسنِ اتفاق کہ ان ہی دنوں میں ایک واقعہ پیش آیا جس سے آپ کے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔
امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دن بازار جارہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ جو کوفہ کے مشہور امام تھے، ان کا مکان راہ میں تھا، سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے بلالیا اور پوچھا کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میرا مطلب یہ نہ تھا۔ بتاؤ تم پڑھتے کس سے ہو؟ انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کسی سے نہیں۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں، تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ یہ نصیحت ان کے دل کو لگی اور نہایت اہتمام سے تحصیلِ علم پر متوجہ ہوئے۔

علمِ کلام کی طرف توجہ

علمِ کلام زمانۂ مابعد میں اگر چہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہوگیا۔ لیکن اس وقت تک اس کی تحصیل کے لئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں۔ قدرت نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں۔ رگوں میں عراقی خون اور طبیعت میں زور اور جدت تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فن میں ایسا کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن بحث کرنے میں ان سے جی چراتے تھے۔
تجارت کی غرض سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا جو تمام فرقوں کا دنگل اور خاص کر خارجیوں کا مرکز تھا۔ اباضیہ، صفریہ، حشویہ

وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے۔ بعد میں انہوں نے قانون میں منطقی استدلال اور عقل کے استعمال کا جو کمال دکھایا اور بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے میں جو شہرت حاصل کی وہ اسی ابتدائی ذہنی تربیت کا نتیجہ تھا۔

علم فقہ کی تحصیل کا پس منظر

شروع شروع میں تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمِ کلام کے بہت دلدادہ رہے لیکن جس قدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا ان کی طبیعت رکتی جاتی تھی خود ان کا بیان ہے کہ آغازِ عمر میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا، کیونکہ مجھ کو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہی باتوں پر ہے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہ ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے۔ حالانکہ ان باتوں کی حقیقت ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ ان کی توجہ جس قدر تھی، فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علمِ کلام میں مصروف ہیں ان کا طرز عمل کیا ہے۔ اس خیال سے اور بھی بے دلی پیدا ہوتی کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا تمغہ امتیاز تھا۔

اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آ کر طلاق کے سلسلے میں مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب خود تو بتا نہ سکے۔ عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ جن کا حلقۂ درس یہاں سے قریب ہے جا کر پوچھے، یہ بھی کہہ دیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھ سے کہتی جانا۔ تھوڑی دیر کے بعد آئی اور کہا کہ حماد نے یہ جواب دیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھ کو سخت حیرت ہوئی اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقۂ درس میں جا بیٹھا۔

حماد رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی

حماد رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے مشہور امام اور استادِ وقت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص تھے، حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اس وقت کوفہ میں انہی کا مدرسہ مرجعِ عام سمجھا جاتا تھا۔ اس مدرسۂ فکر کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد ان کے شاگرد شریح رحمۃ اللہ علیہ، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ اور مسروق رحمۃ اللہ علیہ اس مدرسہ کے نامور ائمہ ہوئے جن کا شہرہ اس وقت تمام دنیائے اسلام میں تھا۔ پھر ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد حماد رحمۃ اللہ علیہ تک اس کی امامت پہنچی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انہی پر رہ گیا تھا۔ ان وجوہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کے لئے انہی کو منتخب کیا۔ ایک نئے طالب علم ہونے کی وجہ سے درس میں پیچھے بیٹھتے۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں اس کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دے دیا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ خود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں

دس برس تک حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں ہمیشہ حاضر ہوتا رہا اور جب تک وہ زندہ رہے ان کی شاگردی کا تعلق کبھی نہیں چھوڑا۔ انہی دنوں حماد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہتا تھا انتقال کر گیا تو وہ مجھے اپنا جانشین بنا کر بغرض تعزیت سفر پر روانہ ہو گئے۔

چونکہ مجھ کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے، تلامذہ اور اربابِ حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاط کے لئے ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینہ کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے تو میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے، ان میں سے انہوں نے بیس غلطیاں نکالیں، باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ حماد رحمۃ اللہ علیہ جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑوں گا۔

متعدد طریق سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قرأت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھی جن کا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے اور انہیں کی قرأت کے مطابق قرآن حفظ کیا۔

حدیث کی تحصیل

حماد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائلِ فقہ میں مجتہدانہ تحقیق جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ لہٰذا کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ بچا جس کے سامنے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زانوئے شاگردی تہ نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھیں ہوں۔ ابو المحاسن شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ان کے شیوخِ حدیث کے نام گنائے ہیں، ان میں ترانوے (۹۳) شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ لوگ کوفہ کے رہنے والے یا اس اطراف کے تھے۔ اور ان میں اکثر تابعی تھے۔

مکہ کا سفر

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضروری تھا جو علومِ مذہبی کے اصل مراکز تھے۔ جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مکہ پہنچے۔ درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ جو فنِ حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمت سے مستفید ہوئے، ان کی الگ الگ درسگاہ قائم تھی۔ ان میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی تھے جو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمت میں رہے اور ان کی فیضِ صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، ابو درداء رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء بن رباح کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں؟ بڑے بڑے ائمہ حدیث

مثلاً اوزاعی، زُہری رحمۃ اللہ علیہ، عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ انہی کے حلقۂ درس سے نکل کر استاد کہلائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ روز بروز امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت وطباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اوراس کے ساتھ استاد کی نظر میں آپ کا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ جب حلقۂ درس میں جاتے تو عطاء اوروں کو ہٹا کر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ تک زندہ رہے اس مدت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہے اور مستفید ہوئے۔

عطا رحمۃ اللہ علیہ کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی سند لی۔ ان میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خصوصیت سے کیا جا سکتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد تھے۔ انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تعلیم وتربیت کی تھی یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد وفتویٰ کا مجاز کر دیا تھا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کا جاننے والا عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے فرمایا: ہاں! عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ۔

مدینہ کا سفر

اسی زمانہ میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرار گاہ تھی۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات اشخاص علم فقہ وحدیث کے مرجع بن گئے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو اشخاص زندہ تھے سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اور سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ سلیمان حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ میں سے تھیں، غلام تھے۔ اور فقہاء سبعہ میں فضل وکمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے تھے۔ آپ نے وہاں کے فقہاء ومحدثین سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ

امام ابوحفص کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کے شمار کرنے کا حکم دیا۔ حکم کے مطابق شمار کئے گئے تو ان کی تعداد چار ہزار تک پہنچی۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں اخیر میں لکھ دیا ہے وخلقٌ کثیرٌ۔ حافظ ابوالمحاسن شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تین سوانیس (۳۱۹) شخصیتوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گروہِ کثیر سے استفادہ کیا جو بڑے بڑے محدث اور سند و روایت کے مرجعِ عام تھے۔ مثلاً امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ، سلمہ بن کہیل رحمۃ اللہ علیہ، ابو اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ، سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ، محارب بن ورثاء رحمۃ اللہ علیہ، عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ، اعمش رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ہم مختصراً آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص شیوخ کا ذکر کر رہے ہیں جن سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مدتوں استفادہ کیا ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تحصیلِ علم کی رغبت دلائی تھی۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی تھیں۔ مشہور ہے کہ پانسو صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ واللہ! یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے۔

سلمہ بن کہیل رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث اور تابعی تھے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول تھا کہ کوفہ میں چار اشخاص سب سے زیادہ صحیح الروایت تھے: منصور رحمۃ اللہ علیہ، سلمہ بن کہیل رحمۃ اللہ علیہ، عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو حصین رحمۃ اللہ علیہ۔

ابو اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ کبارِ تابعین میں سے تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اڑتیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کو بالمشافہ روایت حاصل ہے۔

محارب رحمۃ اللہ علیہ بن ورثاء نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو محارب رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح دوں۔

عون رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ معزز و مشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔ بڑے بڑے ائمۂ حدیث مثلاً سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد تھے۔ خلیفہ منصور ان کا احترام کیا کرتا تھا۔ ان کے جنازہ کی نماز بھی منصور نے ہی پڑھائی تھی ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

اعمش رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے مشہور امام تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملے تھے اور عبداللہ بن اوفی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث سنی تھی۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد ہیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن سرخس رضی

اللہ عنہ وابوالطفیل رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں ان میں ایک ہیں۔ اس خصوصیت میں ان کو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی نقد و واقفیتِ اختلاف و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ کوئی شخص ان باتوں میں ان کے برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔

شعبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فن حدیث میں ان کو امیر المومنین کہا ہے۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا امام ابوحنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا۔ غائبانہ ان کی ذہانت و خوبیٔ فہم کی تعریف کرتے تھے۔ ایک بار امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا تو کہا جس یقین کے ساتھ میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ روشن ہیں۔

یحیٰ بن معین (جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں) سے کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔ بصرہ کے اور شیوخ جن سے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثیں روایت کیں۔ ان میں عبدالکریم بن امیہ رحمۃ اللہ علیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول رحمۃ اللہ علیہ زیادہ ممتاز ہیں۔

استاذ کی عزت

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو طلبِ علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے۔ ان کے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس طرح مؤدب بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسرِ شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اس کو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قدر

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ ان کا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کی تحقیق کے لئے خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لا کر اپنے برابر بٹھایا۔

عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جو مکہ کے مشہور محدث تھے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہوتے ہوئے حلقۂ درس میں اور کسی کی طرف خطاب نہیں کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کا نہایت احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی منقول ہے کہ میں

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث میں حاضر تھا۔ایک بزرگ آئے جن کی انہوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ان کے جانے کے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟ یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کی تھی،وہ اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

علمی ترقی کا ایک سبب

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو ایسے بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں جن کا ابھی تذکرہ گزرا۔اور جن شہروں میں ان کو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ،بصرہ،مکہ اور مدینہ،یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں وہاں کی ہوا میں سرایت کر گئی تھیں۔علماء سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونے کا شوق امام رحمۃ اللہ علیہ کی خمیر میں داخل تھا۔ساتھ ہی ان کی شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے استفادہ،ملاقات،مناظرہ کی غرض سے خود ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

تاریخ بغداد کے حوالہ سے شیخ ابو زہرہ لکھتے ہیں۔ایک روز امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ منصور کے دربار میں آئے وہاں عیسیٰ بن موسیٰ بھی موجود تھا اس نے منصور سے کہا یہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم دین ہیں۔

منصور نے امام صاحب کو مخاطب ہو کر کہا۔۔۔۔۔نعمان! آپ نے علم کہاں سے سیکھا؟ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے،نیز شاگردانِ علی رضی اللہ عنہ سے اور تلامذۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے۔منصور بولا آپ نے بڑا قابلِ اعتماد علم حاصل کیا۔(حیات حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

سلسلۂ تدریس وافتاء

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص استاد حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔چونکہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فقہ کا دار و مدار انہی پر رہ گیا تھا ان کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا لہٰذا تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ مسندِ درس کو مشرف فرمائیں۔اس وقت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چالیس سال تھی بنا بریں جسم وعقل میں کامل ہونے کے بعد آپ نے مسندِ درس کو سنبھالا۔

ابوالولید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے ان کے پاس وہ سب کچھ پایا جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں ملا اور نہ ہی ان کے ہم عمروں میں چنانچہ لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آ گئے اور غیروں کو چھوڑ دیا۔

انہی دنوں میں امام صاحب رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کھود رہے ہیں۔ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ نا قابلیت کی طرف اشارہ ہے۔امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ علمِ تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے انہوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تسکین ہو گئی اور اطمینان کے ساتھ

درس وافتاء میں مشغول ہو گئے۔

درس کے اوقات

معمول تھا صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے، دور دور سے استفتا آئے ہوتے۔ ان کے جواب لکھتے۔ پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی، بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر گھر آتے گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سورہتے۔ نمازِ عصر کے بعد کچھ دیر تک درس وتعلیم کا مشغلہ رہتا۔ باقی دوستوں سے ملنے ملانے، بیماروں کی عیادت، تعزیت اور غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشاء تک رہتا۔ نمازِ عشاء پڑھ کر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات رات بھر نہ سوتے۔

درس کی وسعت

اول اول حماد رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی درسگاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقہ میں آملیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود ان کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ، امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ان سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے۔

ابن ابی لیلیٰ، شریک، ابن شبرمہ آپ کی مخالفت کرنے لگے اور آپ کی عیب جوئی میں لگ گئے معاملہ اس طرح چلتا رہا مگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات مضبوط ہوتی گئی۔ امراء کو آپ کی ضرورت پڑنے لگی اور خلفاء نے آپ کو یاد کرنا اور شرفاء نے اکرام کرنا شروع کر دیا۔ آپ کا مرتبہ بڑھتا چلا گیا شاگردوں کی زیادتی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ مسجد میں سب سے بڑا حلقہ آپ کا ہوتا اور سوالوں کے جواب میں بڑی وسعت ہوتی۔ لوگوں کی توجہ آپ کی طرف ہوتی گئی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے مصائب میں ہاتھ بٹانے لگے، لوگوں کا بوجھ اٹھانے لگے اور ایسے ایسے کام کرنے لگے جن کو کرنے سے دوسرے لوگ عاجز تھے۔ اس سے آپ کو بڑی قوت ملی الغرض تقدیرِ خداوندی نے آپ کو سعید و کامیاب کیا۔

اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو ان کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو۔ جن جن مقامات کے رہنے والے ان کی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار ممکن نہیں لیکن جن اضلاع وممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں: مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، مصر، یمن، یمامہ، بغداد، اصفہان، استر آباد، ہمدان، طبرستان، مرجان، نیشاپور، سرخس، بخارا، سمرقند، کس، صغانیاں، ترمذ، ہرات، خوارزم، سبستان، مدائن، حمص وغیرہ۔ مختصر یہ کہ ان کی استادی کے حدود خلیفۂ وقت کی حدودِ حکومت سے کہیں زیادہ تھے۔

پھر تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں بڑے بڑے امام ہوئے، بڑے بڑے علماء آپ کی صحبت میں حاضر ہوئے۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ، وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ، یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ، حفص بن غیاص رحمۃ اللہ علیہ، ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ، داود الطائی رحمۃ اللہ

علیہ جیسے محدثین اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ، زفر رحمۃ اللہ علیہ، حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقہاء پیدا ہوئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کو علمِ حدیث وفقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ کے نامور شاگردوں کا ذکر آئندہ باب میں تلامذہ وتصنیفات کے عنوان سے آرہا ہے۔

وفات اور کفن دفن، عہدۂ قضا سے انکار

خطیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ یزید بن عمر بن ہبیر، والیٔ عراق نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے قبول نہیں کیا تو اس نے ایک سو دس کوڑے لگوائے۔ روزانہ دس کوڑے لگواتا جب بہت کوڑے لگ چکے اور امام صاحب اپنی بات یعنی قاضی نہ بننے پر اڑے رہے تو اس نے مجبور ہو کر چھوڑ دیا۔

ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب قاضی ابن لیلیٰ کا انتقال ہو گیا اور خلیفہ منصور کو اطلاع ملی تو اس نے امام صاحب کے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا منصور نے غصہ میں آ کر کہا تم جھوٹے ہو امام صاحب نے کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں عہدۂ قضاء کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص کبھی قاضی نہیں مقرر ہو سکتا۔

ایک سازش

خلیفہ ابوجعفر منصور نے دارالخلافہ کے لئے بغداد کا انتخاب کیا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے کے لئے کوفہ سے بغداد بلوایا تھا کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ابرہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منصور کے خلاف بصرہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیا تھا امام صاحب ابرہیم کے علانیہ طرفدار تھے ادھر منصور کو خبر دی گئی کہ امام ابو حنیفہ ان کے حامی ہیں اور انہوں نے زرِ کثیر دے کر ابراہیم کی مدد بھی کی ہے۔

خلیفہ منصور کو امام صاحب سے خوف ہوا۔ لہٰذا ان کو کوفہ سے بغداد بلا کر قتل کرنا چاہا مگر بلا سبب قتل کرنے کی ہمت نہ ہوئی اس لئے ایک سازش کر کے قضا کی پیشکش کی۔ امام صاحب نے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معذرت کر دی کہ مجھ کو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں، میں عربی النسل نہیں ہوں، اس لئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہو گی، درباریوں کی تعظیم کرنی پڑے گی اور یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

وفات

منصور نے قاضی القضاۃ کے عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے امام صاحب کو اس وقت قید کر ڈالا۔ لیکن ان حالات میں بھی اس کو ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ امام صاحب کی شہرت دور دور تک پہنچی ہوئی تھی۔ قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبولِ عام کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ کر دیا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلۂ تعلیم بھی برابر قائم رہا۔

امام محمد نے جو فقہ کے دستِ بازو ہیں قید خانہ ہی میں ان سے تعلیم پائی۔ ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید کی حالت میں بھی رہا جس کی آخری تدبیر یہ کی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوادیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی اور اپنے رب سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وصال فرمایا تب آپ کی عمر مبارک ۷۰ سال تھی، وفات کے وقت حماد کے سوا ان کے کوئی اولاد موجود نہ تھی۔

کفن دفن

ان کے مرنے کی خبر جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد امڈ آیا۔ حسن بن عمارہ نے جو قاضی شہر تھے غسل دیا، نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ، بڑے عابد، بڑے زاہد تھے، تم میں تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں۔

غسل سے فارغ ہوتے ہوئے لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نمازِ جنازہ میں کم وبیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اس پر بھی آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا۔ یہاں تک کہ چھ بار نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش مبارک دفن ہو سکی۔ لوگوں کا یہ حال تھا کہ تقریباً بیس دن تک آپ کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کی تھی کہ خیزران میں دفن کیے جائیں۔ کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں مغضوب نہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی جو عادل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت فیاض بھی تھا اس نے ان کی قبر کے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا جو مشہدِ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا کوئی اولاد نہ تھی۔ حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدرِ بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ سو درہم نذر کیے۔ بڑے ہوئے تو خود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم وفضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیز گاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ چار بیٹے چھوڑے عمر، اسمٰعیل، ابوحیان اور عثمان۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ نے علم وفضل میں نہایت شہرت حاصل کی۔ چنانچہ مامون الرشید نے اُن کو عہدۂ قضا پر مامور کیا جس کو انہوں نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کو رخصت کرنے کو نکلا اور سب لوگ اُن کے جان ومال کو دعائیں دیتے تھے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی اور خدا

کے فضل سے علم فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل اُن کی میراث میں چلا آتا ہے۔

اظہارِ افسوس!

اس وقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے۔ جن میں بعض خود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ سب نے ان کے مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے۔ ابن جریج مکہ میں تھے، سن کر کہا انا للہ بہت بڑا علم جاتا رہا۔ شعبہ بن الحجاج نے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے، نہایت افسوس کیا اور کہا کوفہ میں اندھیرا ہوگیا۔ اس واقعہ کے چند روز کے بعد عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کو بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر گئے اور رو کر کہا: ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! خدا تم پر رحم کرے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد رحمۃ اللہ علیہ مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے افسوس تم نے اپنے برابر تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا۔

ایک دن امام شافعی نے صبح کی نماز امام ابو حنیفہ کی قبر کے پاس ادا کی تو اس میں دعائے قنوت نہیں پڑھی جب ان سے عرض کیا گیا تو فرمایا اس قبر والے کے ادب کی وجہ سے دعاء قنوت نہیں پڑھی۔

حافظ الحدیث و بانی فقہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بڑے حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چار ہزار محدثین سے حدیث پڑھی ہے ان میں سے بعض شیوخِ حدیث تابعی تھے اور بعض تبع تابعی۔ اسی لئے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار محدثین کے طبقۂ حفاظ میں کیا ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے خود ان سے سیکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں۔ مؤطاء امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، کتاب الآثار، کتاب الحج جو عام طور پر متداول ہیں ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں۔

غور کر لیجئے کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے علمِ حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو، جس نے کوفہ کے مشہور شیوخِ حدیث سے حدیثیں سیکھیں ہوں، جو حرمِ محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیلِ حدیث کرتا رہا ہو، جس کو مکہ و مدینہ کے شیوخ نے سندِ فضیلت دی ہو، جس کے اساتذۂ حدیث عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ، نافع بن عمر رحمۃ اللہ علیہ، عمر بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، محارب بن ورثار رحمۃ اللہ علیہ، اعمش کوفی رحمۃ اللہ علیہ، امام باقر رحمۃ اللہ علیہ، علقمہ بن مرثد رحمۃ اللہ علیہ، مکحول شامی رحمۃ اللہ علیہ، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابو اسحٰق السبیعی رحمۃ اللہ علیہ، سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ، منصور المعتمر رحمۃ اللہ علیہ، ہشام بن عروہ رحمہم اللہ وغیرہ ہوں جو فنِ روایت کے ارکان ہیں اور جن کی روایتوں سے بخاری و مسلم مالا مال ہیں، وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا؟

اس کے ساتھ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں پر غور کرو یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں، عبد الرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ جن کی جامع کبیر سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فائدہ اٹھایا ہے، یزید بن ہا

رون جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے، وکیع بن الجراح جن کی نسبت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے حفظِ اسناد و روایت میں میں نے کسی کو انکا ہم عصر نہیں دیکھا، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو فن حدیث میں امیر المومنین تسلیم کیے گئے ہیں، یحیٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ جن کو علی بن المدنی رحمۃ اللہ علیہ (استاد بخاری) منتہائے علم کہتے ہیں۔

یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں ان کے دامنِ فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب سے ان کو فخر و ناز تھا، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ (تہذیب التہذیب) وکیع رحمۃ اللہ علیہ اور یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی زائدہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہلاتے تھے۔ کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے؟ انہیں تمام خصوصیات اور وجوہات کی بنا پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔

مسانید امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

ایسی سترہ مسانید ہیں جن میں محدثین نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کو جمع کیا اور وہ درجہ ذیل ہیں۔

1-تخریج حافظ محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث الحارثی بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ 2-خریج حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد رحمۃ اللہ علیہ۔ 3-تخریج ابوالحسن محمد بن مظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ۔ 4-تخریج حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ 5-تخریج حافظ قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری رحمۃ اللہ علیہ۔ 6-تخریج حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ 7-تخریج ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن جیش من سماعات حسن بن زیاد الؤلؤی صاحبِ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ 8-تخریج قاضی ابوالحسن عمر بن حسن اشنانی رحمۃ اللہ علیہ۔ 9-تخریج ابوبکر احمد بن محمد بن خالد بن حلی کلاعی رحمۃ اللہ علیہ۔ 10-تخریج حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی رحمۃ اللہ علیہ۔ 11-تخریج بعض محدثین از امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ۔ 12-تخریج بعض محدثین از امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ۔ 13-تخریج بعض محدثین از حماد بن ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ 14-تخریج امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (الآثار)۔ 15-تخریج ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام رحمۃ اللہ علیہ (مناقب)۔ 16-تخریج حافظ ابوبکر بن المقری رحمۃ اللہ علیہ۔ 17-تخریج حافظ ابو علی البکری رحمۃ اللہ علیہ۔

علامہ محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ دمشقی نے ان سب مسندوں کی سندیں بھی ذکر فرمائی ہیں جس کے لئے اصل کتاب عقود الجمان کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (تذکرۃ النعمان)

مترجم وشارح کا تعارف

اسم

ابوعبدالرحمٰن محمد لیاقت علی رضوی قادری حنفی اشعری ماتریدی محمدی ہے۔آپ ضلع بہاولنگر کے ایک مشہور گاؤں چک ستیکا میں پیدا ہوئے یہ گاؤں دریائے ستلج کے کنارے پاکستان بننے سے بھی پہلے صدیوں سے آباد ہے۔تقسیم ہند سے قبل یہاں تھوڑی آبادی میں ہندو گھرانے بھی موجود تھے جو عام طور پر تجارت کے شعبہ سے وابستہ تھے۔اس کے بعد تعلیمی حالات کے بارے میں مصنف خود لکھتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم

اس گاؤں میں ایک دوکاندار جس کا نام غلام محمد گاذر (مرحوم) تھا وہ خاندان کے اعتبار سے کلالہ تھے اور دوکان کے کاروبار کے ساتھ بچوں کو دو یا تین کلاسوں تک فی سبیل اللہ تعلیم بھی دیتے تھے۔سب سے پہلے استاذ وہی ہیں جن سے مصنف نے بسم اللہ پڑھتے ہوئے تعلیمی زندگی کا آغاز کیا۔

یہ استاذ صاحب پڑھانے اور مار پیٹ کی سختی میں بہت مشہور تھے۔البتہ ان کی تعلیم میں سختی کے سبب بھی پختگی اور مضبوطی تھی جو شخص ان سے تین کلاسز پڑھ جاتا وہ اچھی خاصی اُردو زبان کو سمجھ بھی جاتا اور بولنا بھی اس کے لئے آسان تھا۔مصنف نے ان سے صرف پہلا قاعدہ پڑھا۔(اللہ تعالیٰ اس مرحوم استاذ گرامی کی بخشش فرمائے آمین)

اس کے بعد کلاس اول سے پرائمری تک اپنے گھر کے قریبی گاؤں بونگہ احسان بی بی کے گورنمنٹ پرائمری سکول میں تعلیم حاصل کی یہاں پر اس وقت صرف دو اساتذہ کرام جناب محترم ماسٹر نور محمد صاحب (مرحوم) اور جناب محترم ماسٹر ممتاز احمد صاحب پڑھایا کرتے تھے۔یہ دونوں اساتذہ طلباء کو نہایت محنت سے پڑھاتے تھے اور اس سکول میں آ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی شخص اپنے دوسرے گھر میں آ گیا ہے۔خاص طور ماسٹر ممتاز احمد صاحب نہایت محنت اور شفقت سے طلباء پڑھاتے اور اچھی تربیت بھی کرتے تھے۔انہی اساتذہ کی اچھی تعلیم وتربیت کے سبب مصنف نے پرائمری کلاس کے سالانہ امتحانی سنٹر میں اول پوزیشن حاصل کی۔

اس کے بعد مصنف نے کلاس ششم کی تعلیم کے حصول کے لئے گورنمنٹ ہائی سکول ماڑی میاں صاحب واقع عارف والہ روڈ بہاولنگر میں داخلہ میں لیا۔جہاں ششم کلاس کی مختصر تعلیم یعنی تعلیمی شوق میں پہلے جیسا ربط نہیں رہا۔اساتذہ کے مزاج

مختلف کیونکہ حصول تعلیم میں متعلم کا معلم کے ساتھ ہم مزاج ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تاہم عدم اطمینان کے باعث صرف ایک ہی کلاس یہاں پڑھی۔

اس کے بعد سکول جب گرمی کی چھٹیاں ہوئیں تو مصنف کو قرآن مجید اچھی طرح سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ جس کے لئے آپ کے ماموں زاد بھائی غلام یٰسین جو اس وقت فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے رہنمائی کی کہ ہمارے گاؤں سے کچھ فاصلے پر دربار عالیہ حضرت خواجہ محمد دین علیہ الرحمہ ہے جہاں پر مولانا مظہر احمد سنتوی صاحب جو جامعہ نعیمیہ لاہور کے فاضل ہیں اور درس نظامی پڑھاتے ہیں۔ لہٰذا مصنف ان کے ساتھ اس مدرسے میں گئے جہاں پر مولانا صاحب کریمہ سعدی پڑھا رہے تھے۔ دوران اسباق اچھی باتیں ونصائح سے متاثر ہوئے اور قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ کتابیں پڑھنے کے لئے بھی تیار ہوئے۔ تاہم وہاں کے مقامی ائمہ مساجد کو یہاں درس نظامی پڑھانا اچھا نہ لگا پس استاذ گرامی نے درس نظامی کو ترک کر کے صرف حفظ وناظرہ پڑھانا شروع کیا۔ تو مصنف نے پہلے ہی دن ایک رکوع پہلے ٹائم اور ایک رکوع دوسرے ٹائم یاد کر کے سنانا شروع کیا۔ محض چند دنوں میں دو پارے سے زائد حفظ کر لیا۔ اس پر بھی مقامی ائمہ نے تحفظات کا شکار کیا۔ اصل ان کا مقصد تھا کہ اس ادارے میں علماء کا حفاظ کی کوئی نئی کھیپ تیار نہ ہو۔ لہٰذا مصنف سے حفظ بھی چھڑوا دیا گیا۔

اس کے بعد مصنف کچھ دن پریشان اور عدم اطمینان کی صورت حال کا شکار رہے۔ ان دنوں ایک مجذوب ٹائپ شخص جو دربار نور شاہ کے پاس بطور مجاور بن کے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ میری تعلیم کے لئے دعا کرتا تھا۔

اسی دوران بہاولنگر کے قریب ایک گاؤں ٹوبہ قلندر شاہ میں ایک محفل میلاد کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں علامہ حامد سعید کاظمی شاہ صاحب کا خطاب تھا۔ وہ سنا تو دل میں عالم دین بننے کا مزید شوق پیدا ہوا اسی طرح مناظر اسلام علامہ سعید احمد اسعد صاحب شیخ الحدیث جامعہ امینیہ رضویہ فیصل آباد کے بیانات سننے کے بعد مزید شوق پختہ ہوا۔

تاہم اس کے بعد استاذ محترم مولانا مظہر احمد سنتوی صاحب نے عید الاضحیٰ کے بعد جامعہ نعیمیہ لاہور میں داخل کروا دیا۔ یہاں پر خوراک وپانی کی عدم موافقت کے سبب مصنف بیمار ہو گئے۔ اور ایک ہفتہ یا دس دنوں کے بعد واپس گھر چلے گئے۔ اور تعلیمی سال کے ضائع ہونے کے خوف سے پریشان رہے۔ تاہم اس پریشانی کے حل کے لئے ایک اور دینی ادارے جامعہ مہریہ چک نمبر 105/6R میں پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ وہاں پر اس وقت تین اساتذہ کرام جو بڑی محنت وخلوص سے پڑھاتے تھے۔ جن کے اسماء یہ ہیں جناب محترم مولانا منور حسین صاحب، شیخ الحدیث علامہ مفتی اختر صاحب اور شیخ الحدیث والفقہ علامہ عبد اللطیف صاحب دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ جن سے مصنف درس نظامی سال اول کی کتب پڑھیں۔

اس مدرسہ کے مہتمم اعلیٰ ایک ولی کامل تھے۔ جن کا اسم گرامی پیر طریقت، رہبر شریعت پیر سید صبغت اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمہ جن کی سیرت وکردار دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ یاد آ جاتا تھا۔ مصنف اس

ادارے میں شوق سے تقریر کر لیتے تھے۔ اس پر قبلہ پیر صاحب خوش ہوتے اور دعا دیتے تھے۔ جس سے دل کو بڑا سکون ملتا تھا۔ قبلہ پیر صاحب کے وصال کے بعد ان کی نماز جنازہ میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ جس میں علماء ومشائخ کی ایک کثیر تعداد تھی۔ ضلع بہاولنگر ہارون آباد میں یہ ایک تاریخی نماز جنازہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

سال ختم ہونے کے بعد پھر مصنف کا شوق تھا کہ جامعہ نعیمیہ لاہور میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کی جائے تاہم ایک خوف تھا کہ پتہ طبیعت وہاں کے رہن سہن اور خوراک دپانی کو نہ مانے تو کیا بنے گا۔ تاہم ایک حل تلاش کرنے کے لئے کہ اللہ کے کسی نیک بندے سے دعا کرائی جائے۔ اس مقصد کے لئے مصنف چک پیر شاہ جو پورا گاؤں پیروں کے نام سے ملسوپ ہے۔ وہاں کے معروف بزرگ پیر طریقت رہبر شریعت پیر سید ولی محمد شاہ علیہ الرحمہ کے ہاں حاضر ہوئے اس وقت یہ پیر صاحب اپنے گھر میں موجود تھے اور وہاں پر گھر کا کوئی ضروری کام کروا رہے تھے۔

یاد رہے یہ پیر صاحب درس نظامی فقیہ اعظم مولانا نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ سے پڑھے تھے۔ اور محدث بصیر پوری کے ہم زمانہ بزرگ تھے۔ ان کی خدمت میں دعا کے لئے کہا۔ تو انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور علم دین کے حصول کی فرمائی۔ ان بزرگوں کا جب وصال ہوا تو ان کی نماز ہ جنازہ بھی اس وقت یعنی تقریبا1997/98ء کے اعتبار سے ضلع بہاولنگر کی تاریخ میں ایک تاریخی جنازہ تھا حد نگاہ تک لوگوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔ اور آج کل چک پیر شاہ میں ان کا بہت بڑا آستانہ اور مزار پر انوار موجود ہے۔

اس کے بعد1995/96ء کے دوران مصنف جامعہ نعیمیہ لاہور میں درس نظامی کی تعلیم کے حصول کے لئے آئے۔ اور یہاں پر باقاعدہ تعلیم کو حاصل کیا۔ یہاں حسب ذیل اساتذہ کرام سے درس نظامی کی مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

(۱) مولانا ڈاکٹر راغب حسین نعیمی صاحب (ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ) ان سے نور الایضاح پڑھی۔

(۲) مولانا کلیم فاروقی صاحب ان سے ترجمہ قرآن پڑھا۔

(۳) مولانا علامہ حافظ صابر صاحب، ان سے ہدایۃ النحو پڑھی۔

(۴) مولانا ڈاکٹر سلیمان قادری صاحب، ان سے مراح الارواح پڑھی۔

(۵) مولانا علامہ حاجی امداد اللہ نعیمی صاحب سے علم الصیغہ پڑھا۔

(۶) مولانا علامہ ڈاکٹر عارف حسین نعیمی صاحب سے اصول شاشی پڑھی۔

(۸) مولانا علامہ محبوب احمد چشتی صاحب سے، قدوری، ہدایہ اولین، مجموعہ منطق پڑھی۔

(۹) استاذ الاساتذہ جامع المعقول والمنقول مدقق اصول، محقق فروع حضرت علامہ غلام نصیر الدین نصیر چشتی گولڑوی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور سے، نور الانوار، شرح ملا جامی، مشکوۃ، ہدایہ اخرین، شرح عقود رسم المفتی، سلم العلوم، قطبی، دروس

البلاغہ،مناظرہ رشیدیہ،اصول حدیث کی کتاب نخبۃ الفکر،اصول تفسیر کی کتاب الفوز الکبیر مختصر المعانی اور بعض مسائل نحویہ،فقہیہ اور دیگر مسائل وفنون وغیرہ سے متعلق بہت سے دلائل واصول سیکھے ہیں۔ ہمارے ایک کلاس فیلو جن کا نام امتیاز تھا وہ افریقہ سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے مکمل درس نظامی کورس کیا ہوا تھا لیکن وہ ہمارے ساتھ صرف شرح ملا جامی قبلہ استاذ گرامی سے پڑھا کرتے تھے۔جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے شہادۃ العالیہ کیا ہوا ہے اس کے باوجود آپ شرح ملا جامی پڑھ رہے ہیں تو وہ فرماتے کہ میں جب پاکستان آیا تو میں نے کراچی،ملتان سمیت کئی مدارس کو چیک کیا لیکن شرح ملا جامی پڑھانے کا جو تحقیقی انداز واسلوب قبلہ استاذ گرامی کا ہے وہ مجھے ملک پاکستان میں اور کہیں سے نہ ملا۔لہٰذا اس لئے میں نے اس کتاب کو یہاں سے پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔آپ کئی کتابوں کے مصنف،مترجم،شارح اور تدریس کے ملک العلماء ہیں۔

(۱۰) استاذ العلماء محقق اہل سنت حضرت علامہ مولانا مفتی ابوالمطیع محمد انور القادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو کہ شیخ الحدیث الفقہ ہیں آپ سے میں نے سراجی،ترمذی شریف،اور التوضیح التلویح پڑھی ہے۔آپ جامع المنقول والمعقول ہیں۔آپ کا منفرد انداز یہ ہے کہ علم کے سمندر کو آسان الفاظ کا جامہ پہنا کر کوزے میں بند کر دیتے ہیں۔

(۱۱) حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی صاحب علیہ الرحمہ جو شہید پاکستان ہیں۔آپ سے میں نے مقامات حریری،ہدایہ اولین،کتاب النکاح وغیرہ،سنن ابوداؤد وسنن نسائی شریف پڑھیں ہیں۔میرے یہ استاذ گرامی نہ صرف مدرس تھے بلکہ محسن اہل سنت تھے،تنظیم المدارس پاکستان کے ناظم اعلیٰ تھے۔پاکستان میں اہل سنت کی ترجمانی کرنے میں قائد ملت اسلامیہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ کے بعد قبلہ ڈاکٹر صاحب تھے۔خوارج جو جہنمی کتے ہیں آپ نے ان کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔آپ کتنے بے باک لیڈر تھے کہ دشمنان اسلام طالبان کی دھمکیوں کے باوجود کوئی سیکورٹی نہ لی بلکہ یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے کہ جو رات قبر میں آنی ہے اس نے تو آنا ہے۔لیکن قوم کو بتانا ضروری ہے کہ یہ نام نہاد اسلام کے ٹھیکیدار اصل میں اسلام کے دشمن،خوارج جہنمی کتے،یہود ونصاریٰ کے ایجنٹ ہیں۔لہٰذا ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۲) حضرت علامہ مفتی محمد عبداللطیف جلالی نقشبندی صاحب دامت برکاتہم العالیہ آپ شیخ الحدیث والفقہ ہیں۔آپ علم میں علامہ تفتازانی نظر آتے ہیں۔اور زہد وتقویٰ میں ولی کامل کے اوصاف سے متصف رہتے تھے۔درس نظامی کی منتہی کتب کو پڑھانے کا محققانہ انداز آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔آپ بھی جامع المنقول ہیں لیکن عقلی علوم میں آپ کا ثانی کوئی نہیں ہے۔آپ سے میں نے بخاری شریف،تفسیر بیضاوی،کافیہ،شرح تہذیب،شرح عقائد نسفی اور المطول پڑھی ہیں۔

(۱۳) حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالعلیم سیالوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ آپ بھی شیخ الحدیث والفقہ ہیں۔ آپ مفتی اعظم پاکستان ہیں اس وقت آپ کو باون سال درس نظامی پڑھاتے ہوئے ہیں۔آپ کے ہزاروں شاگرد محقق علماء،پروفیسرز اور مختلف شعبہ جات میں عہدوں پر فائز ہیں۔آپ نے اپنی زندگی کو علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا ہے۔آپ سے میں نے صحیح مسلم،ہدایہ اخیرین،شرح معانی الآثار پڑھی ہیں۔

(۱۴) شیخ عراقی یہ محقق مدرس تھے۔ جو عربی زبان میں تدریس کرتے تھے۔ آپ کا تعلق عراق سے تھا اس لئے شیخ عراقی کہلاتے تھے۔ آپ سے میں نے حدیث کی کتاب مؤطا امام مالک پڑھی ہے۔ آپ سے میں نے مسئلہ پوچھا تھا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ احناف نے لکھا کہ سورۃ فاتحہ کو پیشاب سے بھی لکھیں تو شفاء ہوگی۔ تو انہوں نے مجھے اس مسئلہ کو صحیح پس منظر میں سمجھایا تھا کہ اس میں سورت فاتحہ کی فضیلت کا پہلو بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ اس کے اتنے فوائد ہیں۔ یہ معنی نہیں ہے کہ اس کو پیشاب سے لکھنا جائز ہے۔ جبکہ غیر مقلدین محض وہم پرست ٹولہ ہے۔ جن کو عبارت پڑھنا سمجھنا بھی نہیں آتی وہ لوگوں کو دین کیا بتاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی غیر مقلدین کی گمراہیوں سے متعلق ایک مضبوط لیکچر دیا۔

یہاں درس نظامی کے ساتھ ساتھ لاہور بورڈ سے میٹرک، ایف اے، فاضل عربی۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ ایم اے۔ اسلامیات اچھی پوزیشن میں پاس کیا ہے اور A.T.T.C. کا ڈپلومہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے کیا ہے۔

جامعہ نعیمیہ سے 2003ء میں سند فراغت حاصل کرنے کے بعد جامعہ نعیمیہ کی شاخ جامعہ شہابیہ اچھرہ میں تین سال تک درس نظامی کی کتب کافیہ، قدوری، مرقات، نورالایضاح، علم الصیغہ، ہدایۃ النحو، نحومیر، اور باقی تمام ابتدائی نصابی کتابیں پڑھائی ہیں۔ اس کے بعد جامعہ فاروقیہ رضویہ علامہ اقبال ٹاؤن میں، شرح ملا جامی، نورالانوار، ہدایہ وغیرہ کتب کی تدریس کی سعادت حاصل رہی۔

اس کے بعد ایک سال جامعہ شیخ الاسلام سبزہ زار کالونی لاہور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ اور اس وقت آپ جامعہ فاروقیہ رضویہ عمر بلاک اقبال ٹاؤن میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

2001ء میں عقائد کے موضوع پر ''حسام الایمان'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سوانح پر ایک مضبوط و مستند رسالہ لکھا ہے۔ اور مختلف مضامین روزنامہ ''نوائے وقت'' اور ''ماہنامہ نوائے انوار مدینہ میں سلسلہ وار شائع ہوتے ہیں۔ جبکہ موجودہ کتب حسب ذیل ہیں:

(۱) قواعد فقہیہ

یہ کتاب فقہ حنفی کے دوسو سے زائد قواعد فقہیہ پر مشتمل ہے۔ جو علامہ ابن نجیم مصری کی الاشباہ والنظائر کی طرز پر ہے لیکن ہر قاعدہ فقہیہ کا مأخذ قرآن وسنت اور اجماع وغیرہ سے بیان کیا گیا ہے۔

(۲) شرح ہدایہ

یہ کتاب فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ جو تقریباً آٹھ صدیوں سے درس نظامی کا نصاب اور معرکۃ الاراء مسائل فقہیہ، دلائل فقہیہ، قواعد فقہیہ، جزئیات فقہیہ پر مشتمل ہے۔ اُردو زبان میں اس کا ترجمہ و مستند دلائل کے ساتھ اس کی شرح کی گئی ہے۔ جو پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۳) شرح قدوری مع مذاہب اربعہ

یہ کتاب امام قدوری کی کتاب قدوری جو متون اربعہ از فقہ حنفی شمار کی جاتی ہے۔اس کا ترجمہ وشرح احادیث کی روشنی میں اور فقہی مذاہب اربعہ کی وضاحت کی گئی ہے۔یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

(۴) شرح نور الایضاح

یہ کتاب علامہ ابوالحسن مصری کی کتاب نور الایضاح جو عبادات پر مشتمل ہے اس کا ترجمہ وشرح جس میں مسائل فقہیہ کے موافق احادیث کو ذکر کیا گیا ہے۔یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔

(۵) تفسیر مصباحین اُردو ترجمہ شرح تفسیر جلالین

یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی اور امام جلال الدین محلی علیہما الرحمہ دو بزرگوں کی لکھی ہوئی عربی تفسیر کا اُردو ترجمہ وشرح ہے۔جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۶) شرح ابوداؤد (۸ جلد)

کتب حدیث میں قوت وشہرت کے اعتبار سے طبقہ ثانیہ کے مرتبے کی کتاب امام ابوداؤد کی سنن کا اُردو ترجمہ اور شرح کی گئی ہے۔ اور یہ کتاب ۸ مبسوط جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۷) شرح سنن نسائی (۶ جلد)

کتب حدیث میں قوت وشہرت کے اعتبار سے طبقہ ثانیہ کے مرتبے کی کتاب امام نسائی کی سنن کا اُردو ترجمہ اور شرح کی گئی ہے۔اور یہ کتاب ۶ مبسوط جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۸) شرح سنن ابن ماجہ (۶ جلد)

کتب حدیث میں قوت وشہرت کے اعتبار سے طبقہ ثالثہ کے مرتبے کی کتاب امام ابن ماجہ کی سنن کا اُردو ترجمہ اور شرح کی گئی ہے۔ اور یہ کتاب ۶ مبسوط جلدوں پر مشتمل ہے۔یہ کتاب پاکستان اور بھارت سے بھی شائع ہوتی ہے۔

(۹) شرح انتخاب حدیث (۵ جلد)

تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے نصاب کے مطابق طالبات کے نصاب صحاح ستہ کی اُردو زبان میں تشریح کی گئی ہے۔اور اس میں صرف نصابی کتب وابواب شامل ہیں۔اور یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۱۰) شرح ریاض الصالحین (۴ جلد)

مشہور زمانہ محدث امام نووی کی کتاب ریاض الصالحین جس کا شہرہ شرق وغرب تک اہل اسلام میں پھیلا ہوا ہے اس کتاب کی شرح

کی گئی ہے۔ جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۱۱) شرح اصول شاشی (ایک جلد)

ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیوں اور مدارس کے نصاب میں شامل اصول فقہ کی بنیادی اور اہم کتاب اصول شاشی کا اُردو ترجمہ اور شرح ہے۔

(۱۲) شرح ہدایۃ النحو (ایک جلد)

علم نحو کے موضوع پر بنیادی قوانین نحویہ پر مشتمل یہ ایک اہم کتاب ہے۔ جو کافیہ کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ یہ بھی نصابی کتاب ہے اس کا اُردو ترجمہ اور شرح کی گئی ہے۔

(۱۳) بہار ایمان (ایک جلد)

اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات پر نہایت آسان اور مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ جس میں دلائل کے ذریعے اہل سنت وجماعت کے عقائد و معمولات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱۴) مصباح البلاغہ اُردو ترجمہ وشرح دروس البلاغہ (ایک جلد)

عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کے موضوع سے متعلق ایک اہم اور بنیادی کتاب دروس البلاغہ کا اُردو ترجمہ اور شرح ہے۔ یہ کتاب بھی پاکستان اور انڈیا سے بھی شائع ہوتی ہے۔

(۱۵) تذکرہ انبیاء وصالحین (ایک جلد)

عام لوگوں کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے جس میں انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام، صحابیات، اولیائے کرام، نیک عورتوں کے اور تاریخ دنیا کے دیگر انتہائی نصیحت آموز واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی ایک جلد پر مشتمل ہے۔

(۱۶) مسند خلفائے راشدین (ایک جلد)

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم سے روایت شدہ احادیث کا مجموعہ ہے جس کا نام مسند خلفائے راشدین ہے۔ یہ حدیث شریف کی کتاب ہے جو ایک جلد میں ہے۔ اس کی تخریج بھی کی گئی ہے۔

(۱۷) شرح صحیفہ ہمام بن منبہ (ایک جلد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد حضرت ہمام بن منبہ علیہ الرحمہ کا صحیفہ حدیث ہے جس کا اُردو میں ترجمہ اور شرح اور تخریج کی گئی ہے۔

(۱۸) شرح فقہ اکبر (ایک جلد)

حضرت امام اعظم، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مشہور کتاب جو علم الکلام کے موضوع پر ہے اور جس میں اہل سنت وجماعت کے عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ اور شرح کی گئی ہے۔

(۱۹) شرح بخاری شریف

(تین جلد مطبوعہ بقیہ دس جلدیں تقریباً غیر مطبوعہ ہیں)۔ اس کتاب پر ابھی کام جاری ہے۔

(۲۰) شرح آثار سنن (ایک جلد)

امام اور محدث المحقق المولانا محمد بن سبحان صدیقی علیہ الرحمہ کی کتاب ہے۔ جس میں احادیث کو بیان کیا گیا ہے یہ کتاب حدیث میں شرح معانی الآثار کی طرز پر ہے اور اس کتاب کو پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فقہ حنفی کی حدیث کے ساتھ کس قدر گہری موافقت ہے۔ اور غیر مقلدین کے جاہلانہ پروپیگنڈے تار تار ہو جائیں گے۔ مصنف نے اس کی اُردو شرح کی ہے جو ایک جلد میں ہے۔

مفتی محمد اکبر ساقی

(استاذ التفسیر جامعہ فاروقیہ رضویہ اقبال ٹاؤن لاہور)

مقدمہ

عقیدہ کے معنی اور مفہوم

عقیدے کی لغوی تعریف: عقیدہ دراصل لفظ "عقد" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو باندھنا، جیسے کہا جاتا ہے "اعتقدت کذا" (میں ایسا اعتقاد رکھتا ہوں) یعنی میں نے اسے (اس عقیدے کو) اپنے دل اور ضمیر سے باندھ لیا ہے۔

لہٰذا عقیدہ: اس اعتقاد کو کہا جاتا ہے جو انسان رکھتا ہے، کہا جاتا ہے: "عقیدۃ حسنۃ" (اچھا عقیدہ)، یعنی: "سالمۃ من الشک" (شک سے پاک عقیدہ)، عقیدہ درحقیقت دل کے عمل کا نام ہے، اور وہ ہے دل کا کسی بات پر ایمان رکھنا اور اس کی تصدیق کرنا۔

عقیدہ کی شرعی تعریف

اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یومِ آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھنا، اور انہیں ارکانِ ایمان بھی کہا جاتا ہے۔

شریعت دو اقسام میں تقسیم ہوتی ہے: عقائد اور اعمال

عقائد: عقائد ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق کیفیتِ عمل سے نہیں ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی عبادت کے وجوب کا اعتقاد رکھنا، اسی طرح تمام مذکورہ ارکانِ ایمان کا اعتقاد رکھنا، اور یہ "اصل" (بنیاد/جڑیں) بھی کہلاتے ہیں۔

اعمال: اعمال کا تعلق کیفیتِ عمل سے ہے، مثلاً نماز، زکوۃ، روزہ اور دیگر عملی احکامات، یہ "فروع" (شاخیں) بھی کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ (فروع/شاخیں) ان عقائد (اصل/جڑوں) کی صحت یا فساد پر قائم ہوتے ہیں۔

لہٰذا صحیح عقیدہ ہی وہ بنیاد ہے جس پر دین قائم ہوتا ہے، اور اس کی درستگی پر ہی اعمال کی صحت کا دارومدار ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (الکہف:110)

جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر:65)

یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے) کے تمام نبیوں (کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ * أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر:2-3)

پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے۔ یہ اور اس مفہوم کی دیگر آیاتِ کریمہ جو کہ بہت زیادہ ہیں، اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اعمال اسی وقت مقبول ہوں گے جب وہ شرک سے پاک ہوں، کی اولین ترجیح عقیدے کی اصلاح رہی۔ پس سب سے پہلے وہ اپنی o اسی لیے تمام رسولوں قوموں کو اس بات کی دعوت دیتے رہے کہ صرف اکیلے اللہ کی عبادت جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی کی عبادت ترک کی جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل:36)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (کی عبادت) سے بچو

اور ہر رسول جب بھی اپنی قوم سے مخاطب ہوئے تو فرمایا:

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف: 59)

اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں۔

یہی بات نوح، ہود، صالح، شعیب، اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں سے فرمائی۔

بعثت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک لوگوں کو توحید اور عقیدے کی اصلاح کی دعوت دیتے رہے، اس لیے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ (حقیقی) داعیان اور مصلحین نے ہر زمانے میں انبیاء کرام (علیہم السلام) کے اسی نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ وہ توحید اور عقیدے کی اصلاح کی دعوت سے اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں، اس کے بعد دین کے دیگر احکامات کی پیروی کا حکم دیتے ہیں۔

عقیدہ اور ایمان کے معنی ومفہوم کا بیان

خلاصہ یہ ہے کہ اسلاف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عمل کو ایمان کے دوسرے معنی کے لحاظ سے ایمان کا رکن بتایا

اور اگر ایمان کے ساتھ اعمال نہ پائے جائیں تو پہلے معنی کے لحاظ سے اس پر ایمان کے باقی رہنے کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ ایمان اس کے سینہ میں موجود ہے (ایسا شخص) بالآخر دوزخ سے چھٹکارا پائے گا اگرچہ اس کے پاس ایمان کے ساتھ اعمال نہ ہوں۔ ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہو تو ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن ایمان سے مراد طاعتیں ہوں تو ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے۔ ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہو تو اس معنی کے لحاظ سے ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور اگر ایمان سے مراد طاعتیں اور عبادتیں ہوں تو ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عبادتیں تصدیق کی تکمیل کرتی ہیں تو ہر وہ حدیث جو ایمان کے نہ بڑھنے اور نہ گھٹنے پر دلالت کرتی ہو تو اس سے مراد ایمان کامل ہوتا ہے جس میں اعمال داخل ہیں۔

ایمان اور اسلام مفہوم میں الگ ہیں لیکن مصداق میں ایک ہیں۔ دوسری بحث اس بارے میں ہے کہ ایمان اور اسلام دو الگ چیزیں ہیں یا دونوں ایک ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حق یہ ہے کہ ایمان اور اسلام میں لفظی اختلاف ہے کیونکہ اول (یعنی ایمان اور اسلام کا الگ الگ ہونا) لغت پر موقوف ہے، اور ثانی (یعنی ایمان اور اسلام کا ایک ہونا) شریعت پر منحصر ہے، تحقیق یہ ہے کہ ایمان اور اسلام مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن دونوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ ایمان شرعی میں تصدیق قلبی اور اقرار لسانی داخل ہیں اور عمل کمال ایمان کی شرط ہے۔

ہدایۃ المسالک فی حل تفسیر المدارک میں لکھا ہے کہ ایمان شرعی سے مراد تصدیق قلبی مع اقرار لسانی ہے اور عمل اس میں داخل نہیں بلکہ اس سے خارج ہے اور کمال ایمان کی شرط ہے۔

اور جمیع احناف جو امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو ہیں ان کے پاس یہی راجح ہے، البتہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اشاعرہ یعنی شافعی حضرات نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ اقرار زبانی ایمان کا مشروط رکن ہے۔ پس جو شخص دل سے تصدیق کرے اور بغیر عذر کے زبان سے اقرار نہ کرے وہ عند اللہ مومن نہیں اور وہ حضرات جن کے پاس اقرار زبانی ایمان کا رکن ہے ایسا شخص دوزخی ہوگا۔

امام فخر الاسلام اور شمس الائمہ اور اکثر فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے البتہ وہ حضرات جن کے پاس اقرار زبانی ایمان کا رکن نہیں، ایسا شخص ان کے پاس مومن تو ہے اور اللہ تعالی کے پاس دنیاوی احکام میں غیر مومن ہے، یہ صورت منافق کے برعکس ہے (کیونکہ منافق عند اللہ کافر رہتا ہے لیکن عند الناس مومن) شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ یہ اختلاف اسی صورت میں ہے کہ آدمی گفتگو کر سکتا ہو، اور اس کا اقرار نہ کرنا انکار کی وجہ سے نہ ہو، مگر ایک شخص جس نے دل سے تصدیق کر لی لیکن اس کو زبان سے اقرار کرنے کا وقت نہ مل سکا تو سب اس بات پر متفق ہیں کہ بالاتفاق وہ مومن ہوگا، شرح مقاصد کی عبارت سے یہی واضح ہوتا ہے۔

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے کہ وہ شخص جو اقرار شہادت پر قادر نہ ہو سکا باوجودیکہ اس سے تصدیق قلبی ثابت ہوئی وہ مومن نہیں ہے کہنا ضعیف ہے، ہاں اس کو اتنا وقت ملا کہ اس میں وہ اقرار کر سکتا تھا اور اس سے

اقرار کا مطالبہ بھی کیا گیا اور اس نے انکار کیا تو ایسا شخص باتفاق مومن نہیں بلکہ وہ عناد وسرکشی کی وجہ سے کافر ہی ہوگا۔
اقرار زبانی کن معنوں میں ایمان کا رکن ہے الغرض اس تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقرار زبانی ایمان کا ایک اور رکن ہے مگر یہ یاد رہے کہ اصل ایمان تو دل سے تصدیق ہی کا نام ہے، یہ ایک واضح بات ہے کہ زبان خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہے اس لئے ایمان کا زبان سے اقرار ایمان کے دل میں ہونے یا نہ ہونے کی دلیل ہوگی، اس لحاظ سے یہ صحیح ہے کہ اقرار زبانی ایمان کا ایک ایسا رکن ہے جو بعض حالات میں ساقط ہوسکتا ہے، لہٰذا حالت اختیاری میں اقرار جزء ایمان قرار دیا جائیگا اور جبر واکراہ کے نہ ہونے کی حالت میں اقرار کا نہ ہونا تصدیق کے نہ ہونے کی دلیل ہوگا، الغرض اقرار زبانی کا اس طرح رکن ہونا اس بات کے خلاف نہیں کہ ایمان کی حقیقت تصدیق ہی ہے اور جن حضرات کے پاس اقرار ایمان کا رکن ہے وہ اصل انہی معنوں میں ہے۔

جمہور محدثین کے نزدیک عمل کمال ایمان کا جزء ہے۔ جمہور محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک عمل ایمان کا جزء ہے اس طرح جیسا کہ ہاتھ انسان کا جزء ہے تو جس طرح ہاتھ کی نفی سے ایمان کی نفی نہیں ہوسکتی بلکہ ایک نقص اور عیب ہوگا بالکل اسی طرح عمل کی نفی سے ایمان کی نفی نہیں ہوسکتی، مختصر یہ کہ عمل کمال ایمان کا جزء ہے البتہ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک عمل ایمان کا جزء اصلی ہے اور عمل کے نہ ہونے سے ان پاس ایمان باقی نہیں رہتا۔

ایمان اسلام تصدیق اقرار اور عمل کے مباحث کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ایمان سے مراد اگر تصدیق ہو تو اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی، اور ایمان سے مراد اگر تصدیق اقرار اور عمل تینوں چیزیں ہوں تو اس میں عمل کے لحاظ سے کمی اور زیادتی ہوگی لیکن ایمان کی کمی اور زیادتی معنی اول یعنی صرف تصدیق کے لحاظ سے اس اعتبار سے ہوگی کہ جس شئے پر ایمان لایا گیا ہے اس شئے میں زیادتی یا کمی ہوئی نہ کہ نفس ایمان میں۔
مذکورہ مباحث کے لحاظ سے آیات اور احادیث میں تطبیق ممکن ہے ان تفصیلات سے بحمد اللہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی وہ آیتیں اور حدیث کی وہ روایتیں جن سے ایمان کا گھٹنا اور بڑھنا ظاہر ہوتا ہے ان سب آیتوں اور حدیثوں میں جمع اور تطبیق ممکن ہے اور یہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں اور اس میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے وہ نزاع لفظی کی حد تک ہے، اس لئے خوب سمجھو اور غور کرو۔

اعتقادی اور عملی:

اعتقاد اصل ہے، عمل فرع ہے۔ صحیح اعتقاد کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں جبکہ عملِ صالح کے بغیر نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالی کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرما دیں اور چاہیں تو قانونِ عدل سے سزا دیں۔ عقیدہ ایک بھی خراب ہو تو اسلام کی ساری عمارت خراب ہو جاتی ہے۔

اِنَّ الْعَقَائِدَ كُلَّهَا اُسٌّ لِاِسْلَامِ الْفَتٰى اِنْ ضَاعَ اَمْرٌ وَّاحِدٌ مِّنْ بَيْنِهِنَّ فَقَدْ غَوٰى

تمام عقائد انسان کے اسلام کی بنیاد ہیں، اگر ان میں سے ایک چیز بھی ضائع ہوجائے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

خشت اول چوں نهد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

ترجمہ: اگر معمار پہلی اینٹ کو ٹیڑھا رکھے تو دیوار ثریا ستارے تک ٹیڑھی جاتی ہے۔

فائدہ: شریعت کے بنیادی اجزاء دو ہی ہیں؛ عقائد اور اعمال۔ ایک تیسری چیز خلق ہے، یہ دراصل نظریات کا حصہ ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ اعمال ہوتے ہیں، گویا خلق نظریات سے الگ نہیں اور شریعت کے اجزاء کو دو میں تقسیم کرنا اس معنیٰ میں درست ہے۔

خلق کی تعریف

باطن کی وہ کیفیت جو انسان کو عمل پر برانگیختہ کرے اسے خلق کہتے ہیں۔ اگر کیفیت اچھی ہو تو اعمال اچھے اور اگر کیفیت بری ہو تو اعمال بھی برے۔

مثالیں: حیاء باطنی کیفیت ہے جو کہ خلق ہے اور غضِ بصر اس کا نتیجہ ہے، جو کہ عمل ہے۔

: سخاوت باطنی کیفیت ہے جو کہ خلق ہے اور انفاق اس کا نتیجہ ہے، جو کہ عمل ہے۔

: شجاعت باطنی کیفیت ہے جو کہ خلق ہے اور قتال اس کا نتیجہ ہے، جو کہ عمل ہے۔

فائدہ: جس علم میں عقائد سے بحث ہوا سے علم العقائد کہتے ہیں اور جس میں اعمال اور احکام سے بحث ہوا سے علم الفقہ کہتے ہیں۔

عقیدہ اور عمل میں فرق

فرق نمبر: عقیدہ اصل ہے اور عمل فرع ہے، جو فرق اصل اور فرع میں ہے وہ عقیدہ اور عمل میں ہے۔ چنانچہ عقیدہ کی مثال عدد کی ہے جو اصل ہے اور عمل کی مثال صفر کی ہے جو کہ فرع ہے۔ عدد اور صفر میں چند فرق ہیں۔

: عدد ایک بھی ہو تو قیمتی ہے اور صفریں دس بھی ہوں تو قیمت کچھ بھی نہیں۔

: ایک عدد کے ساتھ صفر لگاؤ تو دس، دو صفریں لگاؤ تو سو اٰخ، عدد آیا تو صفر کی قیمت بن گئی اور صفر کے آنے سے عدد کی قیمت بڑھ گئی۔ تو عقیدہ آنے سے عمل کی قیمت بنتی ہے اور عمل آنے سے عقیدہ کی قیمت بڑھتی ہے۔

: صفر کو دائیں کی بجائے عدد کے بائیں جانب لگائیں تو قیمت نہیں بڑھتی، اسی طرح عمل کی قیمت بھی اس وقت ہوتی ہے جب اپنے مقام پر ہو، اگر مقام بدل جائے تو عمل بے قیمت ہوجاتا ہے۔ مثلاً دعاء اگر نماز جنازہ کے فوراً بعد مانگیں تو بے قیمت ہے اور اگر دفن کے بعد قبر پر مانگیں تو مقبول ہے، کیونکہ اپنے مقام پہ ہے۔

عقیدہ کا محل دل اور اعمال کا محل بدن ہے، جو فرق دل اور بدن میں ہے وہی عقیدہ اور عمل میں ہے اور یہ دو فرق ہیں:

جو چیز جتنی قیمتی ہو اس کے رکھنے کا محل بھی اتنا محفوظ ہوتا ہے اور جو اس سے نسبتاً کم ہو اس کے رکھنے کا محل بھی نسبتاً کم

محفوظ ہوتا ہے۔ عقیدہ چونکہ زیادہ قیمتی تھا اس کا محل دل کو بنایا، عمل نسبتاً کم قیمتی تھا اس کا محل اعضاء بدن کو بنایا۔

اعضاء جسم میں سے بعض کٹ جائیں تو بندہ زندہ رہتا ہے اور قلب کے بعض اجزاء کٹ جائیں تو بندہ مر جاتا ہے، اسی طرح اگر کچھ اعمال چھوٹ جائیں تو بندہ با ایمان ہوتا ہے اگرچہ فاسق ہے، لیکن اگر بعض عقائد ختم ہو جائیں تو ایمان ختم ہو جاتا ہے اور بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

فائدہ: علم العقائد کا نام علم الکلام بھی ہے، یا تو اس وجہ سے کہ علم الکلام میں زیادہ تر بحث کلام باری تعالیٰ سے ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ علم الکلام میں جب بھی کسی مسئلہ پر بحث ہوتی ہے تو متکلمین کہتے ہیں اَلْکَلَامُ فِیْ کَذَا

ائمہ علم الکلام

مشہور ائمہ علم الکلام دو ہیں:

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، 260 ہجری میں پیدا ہوئے، بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا بعد میں ان کی والدہ کا نکاح مشہور معتزلی ابوعلی جُبّائی (م 303ھ) سے ہو گیا۔ آپ نے فن مناظرہ اور علم الکلام ابوعلی جُبّائی کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا لیکن نہایت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہونے کی وجہ سے معتزلہ کی رکیک اور بعید از عقل تاویلات کی وجہ سے مسلک اہل السنّت وجماعت کو قبول کیا اور تاحیات عقائد اہل السنّت وجماعت کے اثبات اور معتزلہ کی تردید میں دلائل دیتے رہے۔ فروع میں امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ تین سو (300) کے قریب کتب تصنیف فرمائیں جیسا کہ امام الزرکلی رحمۃ اللہ علیہ نے الاعلام 69/5 میں ذکر کیا ہے۔ چند مشہور کتب یہ ہیں:

الفصول، الموجز، کتاب في خلق الاعمال، کتاب فی الاستطاعة، کتاب کبیر فی الصفات، کتاب فی جواز روية الله بالابصار، کتاب فی الرد علی المجسمة، مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین، کتاب فی الروية، مختصر مدخل الی الشرح والتفصیل وغیرہ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 324 ہجری میں انتقال فرمایا۔

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ ماوراء النہر سمرقند کے ایک گاؤں ماترید میں پیدا ہوئے۔ معتزلہ کا شدت کے ساتھ رد کرنے کی وجہ سے ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض وہ افکار جن کا دفاع کرنا ادلہ شرعیہ کی روشنی میں مشکل تھا، کی اصلاح فرمائی اور معتزلہ کی تردید اور اہل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔ فروع میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ تاویلات اہل السنۃ والجماعۃ کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کتب تصنیف فرمائیں،

جن میں کتاب التوحید، کتاب رد اوائل الادلة للکعبی، کتاب بیان وھم المعتزلة، کتاب المقالات، کتاب ردو عید الفساق للکعبی، کتاب ردتھذیب الجدل، کتاب رد الاصول الخمسہ للباھلی، کتاب رد الامامة لبعض الروافض، کتاب الرد علی اصول القرامطة، کتاب الجدل وغیرہ شامل ہیں۔ آپ محدث زمانہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ 333 ہجری میں وفات پائی۔

فائدہ: اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مابین لگ بھگ تیس یا پینتیس مسائل میں اختلافات ہیں، ان میں سے اکثر اختلافات نزاع لفظی کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً:

1: امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صفت تکوین، صفت قدرت کے تحت داخل ہے اور امام ابومنصور رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صفت تکوین مستقل ایک صفت ہے۔

2: اشعری رحمۃ اللہ علیہ تکفیرِ اہلِ قبلہ سے احتراز کرتے ہیں جبکہ ماتریدیہ اس کے قائل ہیں۔

3: اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی طرف سے کوئی چیز قبیح نہیں ہوتی اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو عقل انتہائی قبیح سمجھے وہ اللہ تعالی کی جانب سے نہیں ہوتی۔

4: اشاعرہ کے ہاں اللہ تعالی کا فعل معلل بالغرض نہیں ہوتا جبکہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کبھی کبھی تفضلاً مصلحت کی رعایت فرماتا ہے۔

5: اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایسا فعل جس میں حکمت و مصلحت ہو مثلاً رسولوں کا بھیجنا وغیرہ اس کا صدور اللہ تعالی کی جانب سے واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالی کی طرف سے قبیح چیز ہوتی ہی نہیں سب خیر و مصلحۃ ہوتی ہے تو وجوب کیسا؟ جبکہ ماتریدیہ (تفضلاً) وجوب کے قائل ہیں۔ (النبراس شرح شرح العقائد ص22)

فرقہ معتزلہ کی ابتداء:

حضرت امام حسن بصری (م ۱۱۰ ھ) کی درس گاہ کے ایک شاگرد واصل بن عطاء (م 131 ھ) نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا) ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، تو امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

هٰذَا الرَّجُلُ قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا

(یہ شخص ہم سے جدا ہوگیا) اب جو شخص اس کی اتباع کرتا وہ خود کو معتزلی کہتا اور معتزلی کا معنی یہ لیتا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے باطل عقائد سے الگ ہیں۔ اسی وجہ سے تفسیرِ کشاف کے مصنف جار اللہ زمخشری نے اپنی کنیت ابوالمعتزلہ رکھی۔ (النبراس مع شرح العقائد ص20)

عقائد کی اقسام:

جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں مذکور ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

1: جو دلائل قطعیہ نقلیہ سے ثابت ہوں۔ان کی تین قسمیں ہیں:

i-جن کا ثبوت قرآن کریم کی ظاہری عبارت سے ہو جیسے جنت، جہنم وغیرہ۔

ii-جن کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنقل تواتر ہو، خواہ تواتر لفظی ہو جیسے ختم نبوت یا تواتر معنوی ہو جیسے عذاب قبر وغیرہ۔

iii-جن کا ثبوت اجماع امت سے ہو جیسے خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

2- جو دلائل عقلیہ سے ثابت ہوں، اگرچہ ان کی تائید دلائل نقلیہ سے بھی ہو، جیسے ثبوت باری تعالیٰ، ثبوت نبوت، مسئلہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام وغیرہ۔

3- جو اخبار آحاد یا قرآن وحدیث سے بطریقِ استنباط ثابت ہوں جیسے قرآن کریم کا قدیم ہونا، فرشتوں پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت اور کراماتِ اولیاء کا برحق ہونا وغیرہ۔

عقیدہ نمبر 1: توحید باری تعالیٰ:

توحید باری تعالیٰ کے متعلق تین باتیں قابل فہم ہیں۔

1-ذاتِ باری تعالیٰ 2: صفاتِ باری تعالیٰ 3: اسماءِ باری تعالیٰ

1-ذاتِ باری تعالیٰ:

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں پانچ بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہے۔

:اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔(سورۃ اخلاص:۱)

اوّل وآخر ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ (سورۃ حدید:2)

فائدہ: اول سے مراد حقیقی اول ہے جس کے لئے ابتداء نہیں اور آخر سے مراد حقیقی آخر ہے جس کے لئے انتہاء نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے کیونکہ اگر قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عدم سے وجود میں آنے کے لیے وہ کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ ملی ہے تو وجود ملا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں۔

(اَللّٰـهُ تَعَالٰی) لَيْسَ بِجِسْمٍ وَّلَا جَوْهَرٍ وَّلَا عَرَضٍ وَّلَا طَوِيْلٍ وَّلَا عَرِيْضٍ وَّلَا يَشْغَلُ الْاَمْكِنَةَ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَّلَا جِهَةٌ مِّنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ ۔(دفع شبہ التشبیہ لامام ابن الجوزی ص 107)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کران کو بھر سکتا ہے

اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہاتِ ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ موجود بلا مکان ہے

سوال: مماتی بدعقیدہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ کی صفت حیی میں شراکت لازم آتی ہے کہ نبی بھی زندہ اور اللہ بھی زندہ۔

جواب: شراکت لازم نہیں آتی، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور اللہ کی حیات میں دو فرق ہیں۔

نبی کی حیات ازلی نہیں ہے، ابدی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے اور یہ ابدی حیات جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہوگی۔

نبی کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جبکہ اللہ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے۔ یاد رہے یہ انقطاع صرف آن واحد کے لئے تھا اس کے بعد عالم برزخ وآخرت میں دائمی حیات اتصالی کے ساتھ جلوہ فرما ہوتے ہیں۔

علم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔(سورۃ آل عمران: 29)

اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

قدرت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔(سورۃ بقرہ: 20)

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

فائدہ: قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات ومحالات کے ساتھ نہیں، کیونکہ واجب ومحال میں اپنے ماسوئی کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی جیسے سورج ہر چیز کو گرم کرتا ہے مگر وہ سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون، جولائی میں دوپہر بارہ بجے بھی ٹھنڈا ہی رہتا ہے۔

فائدہ: واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود عقلاً لازم اور عدم محال ہو، جیسے ذات وصفاتِ باری تعالیٰ اور محال وہ ہے جس کا وجود عقلاً ناممکن ہو جیسے اجتماع نقیضین۔

ارادہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۔(سورۃ بروج: 16)

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

سمع: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔(سورۃ بقرہ: 256,224)

اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بصر: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ ۔(سورۃ ملک: 19)

بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

کلام: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰمُوْسٰى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ۔(سورۃ اعراف: 144)

اے موسیٰ! میں نے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔

فائدہ: کلام اللہ تعالی کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ ازل سے قائم ہے جسے کلامِ نفسی کہتے ہیں اور کلام اصل میں کلامِ نفسی ہی ہوتا ہے، کلامِ لفظی اس کلامِ نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَاِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيْلًا

کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کی اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔

کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ وحروف کا لباس بھی قدیم ہے، ہاں البتہ مخلوق کا اس کو قراۃ وکتابت کرنا حادث ہے۔

صفات فعلیہ: جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو سکے لیکن اس کا تعلق اللہ کے غیر کے ساتھ ہو جیسے احیاء، اماتت، اهداء، اضلال، اعزاز، اذلال وغیرہ۔

فائدہ 1: صفات باری تعالی قدیم ہیں جیسے ذات باری تعالی قدیم ہے۔ مثلاً جب مخلوق نہیں تھی اللہ تب بھی خالق تھے اللہ کا خالق ہونا وجودِ مخلوق پر موقوف نہیں البتہ مخلوق کا وجود اللہ تعالی کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ صفت خلق کا وجود اور ہے اور اس کا ظہور اور یعنی صفت خلق کا وجود مخلوق کے موجود ہونے سے پہلے تھا البتہ اس کا ظہور مخلوق کے وجود کے ساتھ ہوا ہے۔

فائدہ 2: صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے عین کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو غیر کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لئے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لئے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لئے نہیں کہ اللہ تعالی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

متشابہات کی اقسام:

1: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔

2: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (سورۃ حدید: 4)

فائدہ: المعنی سے لغوی معنی اور المراد سے مراد شرعی مراد ہے۔

لغوی واصطلاحی معنی کا مطلب

لغوی معنی: لفظ کا اصلی معنی جو اہل زبان مراد لیتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: لفظ کا وہ معنی جو اہل زبان یا اہل علاقہ یا اہل فن مراد لیتے ہیں۔ مثلاً اَطْوَلُ یَدًا کا لغوی معنی لمبے ہاتھ والا ہوتا ہے، لیکن اہلِ زبان اس سے وصفِ سخاوت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ

عنہن سے فرمایا:

اَسْرَعُکُنَّ بِیْ لِحَاقاً اَطْوَلُکُنَّ یَدًا (صحیح مسلم: ج2 ص 291 باب فضائل زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: میری وفات کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہوگی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔

اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں ممتاز تھیں۔

فائدہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر صفتیں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں تین موقف ہیں۔

متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف

اَلتَّفْوِیْضُ مَعَ تَنْزِیْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَنْ مُّشَابَہَۃِ الْمَخْلُوْقَاتِ

یعنی یہ کلمات صفات متشابہات ہیں، ان کلمات متشابہات کا معنی ہمیں معلوم نہیں، ہم ان کے معانی و مفاہیم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ید، عین، ساق وغیرہ صفات ثابت ہیں مگر مخلوق وغیرہ کی مشابہت سے پاک ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَمَا ذَکَرَ اللّٰہُ فِی الْقُرْآنِ مِنْ ذِکْرِ الْوَجْہِ وَالْیَدِ وَالْعَیْنِ فَھُوَ لَہ صِفَاتٌ وَلَا یُقَالُ اِنَّ یَدَہ قُدْرَتُہ اَوْ نِعْمَتُہ لِاَنَّ فِیْہِ اِبْطَالَ الصِّفَۃِ وَھُوَ قَوْلُ اَھْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰکِنْ یَدُہ صِفَتُہ بِلَا کَیْفٍ ۔

(الفقہ الاکبر مع الشرح ص 37,36)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو وجہ، ید اور عین کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ید سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

موقف نمبر 2: متاخرین اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجہ ظن میں کرتے ہیں۔

سوال: صفات میں تاویل تو معتزلہ کا قول ہے جیسا کہ امام صاحب سے الفقہ الاکبر میں منقول ہے۔

جواب: معتزلہ درجۂ یقین میں جبکہ متاخرین درجۂ ظن میں تاویل کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1: متقدمین اور متاخرین کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مووّل کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے جبکہ متاخرین اہل السنۃ معنی مؤول کو درجہ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: متاخرین نے یہ موقف عوام الناس کو اہلِ بدعت (مجسمہ) کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کیا، کیونکہ اہلِ بدعت (مجسمہ) ظاہر الفاظ سے عوام کو دھوکا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کو ثابت کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابن الہمام

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هٰذَا التَّاوِيْلُ لِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرَادَ وَلَا يُجْزَمَ بِاِرَادَتِهٖ (المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام ص48 الاصل الثامن)

ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے عوام کی فہم کو عقیدہ جسمیت سے بچانے کے لئے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

فائدہ نمبر 3: بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متاخرین سے ہی نہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین سے بھی ثابت ہے۔ جیسے:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ

کا معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عَنْ شِدَّةٍ فرماتے تھے۔

(فتح الباری: ج13 ص524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ)

فائدہ نمبر 4: سلف سے مراد 300 ہجری کے آخر تک کے محققین ہیں۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَالْحَدُّ الْفَاصِلُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَاَخِّرِ هُوَ رَاْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِاَةٍ۔

(میزان الاعتدال للامام الذہبی: ج1 ص48، مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: متقدمین و متاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

موقف نمبر 3: غیر مقلدین کا موقف ہے کہ ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ ص177 تا 183)

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

1: اَللّٰهُ الصَّمَدُ (سورۃ اخلاص: 2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کہتے ہیں: (اَلَّذِیْ) لَا يَحْتَاجُ اِلٰى اَحَدٍ وَ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ كُلُّ اَحَدٍ

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

2: متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ، ن وغیرہ۔

معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔(سورۃ حدید:4)

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیۃ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیۃ لازم آئے گی جبکہ متشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزم باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

3: معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ ید جو کہ اسم جنس ہے کا معنی جارحہ ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر ید اللہ سے بھی یہی معنی مراد ہو تو اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔

4: ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہے۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو چیز مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

5: اگر صفات کے لئے کیفیات ثابت کردی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم لازم آئے گا کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَہ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَۃٍ وَّلَا ھَیْئَۃٍ فَاِنَّ الصُّوْرَۃَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّۃَ وَھِیَ عَنِ اللّٰہِ وَعَنْ صِفَاتِہٖ مَنْفِیَّۃٌ ۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اس کیفیت کی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے نفی کی گئی ہے۔

اشکال: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب استواء کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْھُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ ۔

(شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العز ج1 ص188 الرد علی الجہمیۃ لابن مندہ: ص104)

ترجمہ: استواء معلوم ہے کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے لہٰذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: یہ مقولہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہی نہیں۔ (التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات ج2 ص151)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاسماء والصفات ج2 ص150 اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج13 ص498 باب و کان عرشہ علی الماء میں بسند جید امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن وھب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا:

يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ ! اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى كَيْفَ اسْتِوَاءُهٗ؟

اے ابوعبداللہ! رحمٰن عرش پر مستوی ہے اس کا استواء کیسے ہے؟

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آ گیا۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ لَا يُقَالُ كَيْفَ؟ وَكَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوْعٌ

رحمٰن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا)

اسی طرح امام ابوبکر بیھقی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے فرمایا:

اَمِرُّوْهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ

ترجمہ: یہ احادیث جیسے آئی ہیں ویسے بیان کرو کیفیت کے بغیر۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیھقی ج2 ص198، فتح الباری لابن حجر ج13 ص498 باب وکان عرشہ علی الماء)

تو امام مالک سے مروی درج بالا روایات میں کیف کی باقاعدہ نفی ہے۔

اشکال: جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب: علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے دفع شبہ التشبیہ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر اپنے الٰہ کو سمجھتے نہیں تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے عرض کیا تھا۔

اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (سورہ اعراف 138)

کہ ہمارے لئے بھی معبود بنایئے جس طرح ان کے معبود ہیں اور مشرکین کے سوال اللہ تعالیٰ کیا ہے؟ کے جواب میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ

فرمادیجئے! دیجئے! اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔

اگر اس وقت ان کلمات کو ذکر کیے بغیر کہا جاتا:

اَللّٰـهُ لَيْسَ بِـجِسْمٍ وَّلَا جَوْهَرٍ وَّلَا عَرْضٍ وَّلَا طَوِيْلٍ وَّلَا عَرِيْضٍ وَّلَا يَشْغُلُ الْاَمْكِنَةَ وَّلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَّلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتَّةِ ۔

(اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرسکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے) تو عام آدمی سمجھ نہ سکتا۔

(دفع شبہ التشبیہ للامام ابن الجوزی: ص107)

مسئلہ استواء علی العرش

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک استواء علی العرش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور قرآن مجید میں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَاَمَّا الْاِسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا كَانُوْا لَا يُفَسِّرُوْنَهُ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص150)

ترجمہ: رہا استواء کا مسئلہ تو ہمارے متقدمین حضرات نہ اس کی تفسیر کرتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی کلام فرماتے تھے۔

جبکہ غیر مقلدین کے ہاں استواء علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حساً فوق العرش ہونا مراد ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ موجود بلا مکان ہے

اگر کوئی شخص سوال کرے اَيْنَ اللّٰهُ؟ (اللہ کہاں ہے؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے: هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا مَكَانٍ کہ اللہ تعالیٰ بغیر مکان کے موجود ہیں۔ یہ اہل السنّت و جماعت کا موقف ونظریہ ہے جس پر دلائل عقلیہ ونقلیہ موجود ہیں:

هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا مَكَانٍ یہ تعبیر اہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلبہ کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ بلا مکان موجود ہے کہہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے یا اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

اہل السنۃ کے دلائل:

آیاتِ قرآنیہ:

1: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ:115)

مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

2: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (سورۃ البقرۃ:186)

جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

فائدہ: عرش بعید ہے کیونکہ ہمارے اوپر سات آسمان ہیں، ان پر کرسی ہے، کرسی پر سمندر ہے، سمندر کے اوپر عرش ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی ج2 ص145)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ .: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .: وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ .

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ .(النساء:108)

ترجمہ: وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جب کہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں۔

4: اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود:61)

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔

5: وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ (سبا:50)

ترجمہ: اور اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا بہت قریب ہے۔

6: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (سورہ واقعہ:85)

تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

7: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورہ ق:16)

ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

8: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورہ حدید:4)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

9: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا

أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا (سورۃ المجادلہ ۷)

ترجمہ: کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

10: ءَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ (سورۃ ملک ۱۶)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ تعالی) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا۔

اعتراض: جب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں معیت کا ذکر ہے تو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس سے معیت علیہ مراد

ہے مثلاً وَهُوَ مَعَكُمْ ای عِلْمُهٗ مَعَكُمْ

، اور اس پر دلیل یہ ایسی آیات پیش کرتے ہیں:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ الآیۃ(الحج:70)

جواب: اولاً..... معیت علیہ لازم ہے معیت ذاتیہ کو، جہاں ذات وہاں علم، رہا غیر مقلدین کا

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ

وغیرہ کی بناء پر یہ کہنا کہ اس سے علم مراد ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں ذات کی نفی کہاں ہے؟ بلکہ اثباتِ علم سے تو معیتِ ذاتیہ ثابت ہوگی بوجہ تلازم کے۔

ثانیاً غیر مقلدین سے ہم پوچھتے ہیں کہ جب اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یا یَدُ اللّٰہِ جیسی آیات کو تم ظاہر پر رکھتے ہو، تاویل نہیں کرتے تو یہاں وَہُوَ مَعَکُم (جس میں ہو ضمیر برائے ذات ہے) جیسی آیات میں تاویل کیوں کرتے ہو؟

احادیث مبارکہ:

1: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ نُخَامَةً فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّىْ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ حِيْنَ انْصَرَفَ: اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ اَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهٖ فِي الصَّلٰوةِ .

(صحیح البخاری ج1 ص104 باب هل يلتفت لامر ينزل به الخ صحیح مسلم ج1 ص207 باب النهی عن البصاق فی المسجد الخ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قبلہ (کی جانب) میں کچھ تھوک دیکھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے آگے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس کو صاف کر دیا۔ اس کے بعد جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جب کوئی شخص نماز میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے لہذا

کوئی شخص نماز میں اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے۔

2: عَنِ ابْنِ عُمَر رضی الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِہٖ خَارِجًا اِلٰی سَفَرٍ کَبَّرَ ثَلَاثًا قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَه مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَنَا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ الحدیث۔

(صحیح مسلم جص باب استحباب الذکر اذا رکب دابۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور (سواری) کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یا اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی پرہیزگاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی لمبائی کو ہم پر تھوڑا کر دے۔ یا اللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے گھر میں۔

3: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ: یَاابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ: اَمَاعَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَّه لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَہٗ؟

(صحیح مسلم ج2 ص318 باب فضل عیادۃ المریض، صحیح ابن حبان ص189، رقم الحدیث 269)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

4: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ ۔ (جامع الترمذی ج2 ص14 باب ما جاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ: تم زمین والوں پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے، غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ صرف عرش پر ہے، اس سے باطل ہو گیا۔

5: عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: مَنِ اشْتَکٰی مِنْکُمْ شَیْئًا اَوِ اشْتَکَاہُ اَخٌ لَّہٗ فَلْیَقُلْ: رَبُّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُکَ اَمْرُکَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِکَ وَ شِفَاءً مِّنْ شِفَائِکَ عَلٰی ھٰذَا الْوَجْعِ فَیَبْرَاُ۔

(سنن ابی داؤد ج2 ص187 باب کیف الرقی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا بھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے اللہ! تیرا نام پاک ہے اور تیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔ تو پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتا رہے۔

6: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ: بَعَثَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْیَمَنِ بِذُھَیْبَةٍ فِیْ اَدِیْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِھَا قَالَ فَقَسَمَھَا بَیْنَ اَرْبَعَةِ نَفَرٍ بَیْنَ عُیَیْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَاَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَیْدِ الْخَیْلِ وَالرَّابِعِ اِمَّا عَلْقَمَةَ وَاِمَّا عَامِرِ بْنِ الطُّفَیْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِہٖ کُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِھٰذَا مِنْ ھٰؤُلَاءِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: اَلَا تَاْمَنُوْنِیْ وَاَنَا اَمِیْنُ مَنْ فِی السَّمَاءِ یَاْتِیْنِیْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً الحدیث

(صحیح بخاری ج2 ص624 باب بعث علی بن ابی طالب الخ صحیح مسلم ج1 ص341 باب اعطاء المؤلفۃ ومن یخاف الخ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں تھوڑا سا سونا بھیجا جس کی مٹی اس سونے سے جدا نہیں کی گئی تھی (کہ تازہ کان سے نکلا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور چوتھے علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح وشام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ عرش پر ہے اس سے باطل ہوگیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں:

لَوْ اَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ . (جامع الترمذی ج2 ص165 تفسیر سورۃ حدید)

ترجمہ: اگر تم ایک رسی زمین کے نیچے ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جائے گی۔

فائدہ: رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا دلیل ہے کہ ذات باری تعالیٰ صرف عرش پر نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

8: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَہٗ سَمِیْعًا قَرِیْبًا وَّھُوَ مَعَکُمْ .

(صحیح مسلم: ج2 ص346 باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ: اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے و غائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔

فائدہ:

اگر قرب سے مراد قرب علمی ہوتا تو قریباً کہنے پر اکتفاء ہو جاتا لیکن وَھُوَ مَعَکُم فرما کر قربِ ذاتی کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اسی طرح اگر مراد صرف قربِ وصفی ہوتا تو اَصَمَّ کے بعد وَلا غَائِبًا نہ فرماتے۔

9: حضرت عبداللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

فَمَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: اَنْ یَّعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُمَا کَانَ .

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج4 ص95، 96 باب لا یاخذ الساعی ... شعب الایمان للبیہقی ج3 ص187 باب فی الزکوۃ)

ترجمہ: آدمی کے اپنے نفس کا تزکیہ کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان یہ یقین بنا لے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

10: عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اَفْضَلَ الْاِیْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ . (المعجم الاوسط للطبرانی ج6 ص287 رقم الحدیث 8796)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو یہ یقین بنا لے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

تاریخ علم الکلام

کون نہیں جانتا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک سے پہلے دنیا کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، انسانیت میں انتشار

وافتراق تھا نفرت وعداوت تھی تمام اعمال رذیلہ موجود تھے عقائد واخلاق کا کوئی ضابطہ نہ تھا عبد ومعبود کا صحیح رشتہ ٹوٹ چکا تھا، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے خزاں رسیدہ انسانیت بہار کے ہم آغوش ہوئے ،قلوب انسانی کی ویران کھیتیاں لہلہا اٹھی انسانیت نے سر اٹھایا، واخلاق واعمال کی پاکیزگی عقائد حقہ کی پختگی اور عبادات وطاعات کی لذت سے کائنات کا ذرہ ذرہ آشنا ہوگیا۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانثار اصحاب بھی پورے کائنات انسانی کے لیئے آپ کی سیرت وکردار کامل ومکمل نمونہ تھے، لیکن صحابہ کرام کا مبارک دور گذرنے کے بعد حالات مختلف ہوئے ،

اموی دور خلافت کے اخیر میں علم وفن کی خدمت کے نام پر غیر دینی علوم کا ترجمہ شروع ہوا، فلاسفہ کی ایک جماعت نے عبرانی اور قبطی زبانوں سے ہیئت وکیمیا کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا، اسی طرح ارسطو کے کچھ رسائل کو اور فارسی زبان کی بعض کتب کو عربی میں منتقل کیا گیا،

پھر جب اسلام کو وسعت حاصل ہوء اور ایرانی، قبطی، یونانی وغیرہ اقوام حلقہ بگوش اسلام ہوئیں تو انہوں نے مسائل عقائد میں نکتہ آفرینیاں اور بال کی کھال نکالنا شروع کردی، اسلامی عقائد کا جو حصہ ان کے قدیم عقیدہ سے کسی درجہ میں ملتا جلتا نظر آیا تو قدرتی طور پر انہوں نے اسی رنگ میں اس کی تشریح پسند کی، پہر عقل ونقل کی بحث نے اس خلیج کو اور وسیع کیا، یہ سلسلہ چل ہی رہا کہ اموی خلافت کی جگہ دولت عباسیہ نے لے لی اور اس نے دوسری مختلف زبانوں کے ساتھ حکمت وفلسفہ یونان کا سارا ذخیرہ عربی میں منتقل کر کے مسلمانوں میں پھیلا دیا،

یونانی فلسفہ کے پھیلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات میں کمزوری کے ساتھ ساتھ باہم مذہبی اختلاف اور گروہ بندی کا دروازہ بھی کہل گیا، جس کے نتیجہ میں الحاد وزندقہ نے بال وپر نکالنے شروع کردیئے،

اب تک عقائد سے متعلقہ مسائل کو ذہن نشین کرنے کا جو فطری طریقہ کتاب وسنت کی بنیاد پر قائم تھا حکمت وفلسفہ کی موشگافیوں اور کچھ دیگر انسانی اصطلاحات وقواعد رواج پا جانے کے بعد علماء امت کی نظر میں کچھ زیادہ موثر نہیں رہا،

اس طرح کے حالات وماحول میں جب کہ شکوک وشبہات اور الحاد وزندقہ وگمراہی کے پاوں جمنے شروع ہوچکے تھے، چنانچہ خلیفہ مہدی جو (ہہ) میں تخت نشین ہوا اس کے دور خلافت میں ملحدین وزنادقہ کی رد میں کتب لکھوانے کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور حکومت کی سرپرستی میں ایسی چند کتب لکھی گئیں یہ "علم کلام" کی پہلی بنیاد تہی جو مسلمانوں میں قائم ہوء، پھر حالات کے پیش نظر دن بدن اس کام کی اہمیت بڑہتی ہی گئی،

حتیٰ کہ علماء اسلام کی ایک مخصوص جماعت مجبور ہوء کہ وہ اپنے آپ کو اس کام لیئے وقف کردیں،

لہذا مامون الرشید نے ایسے علماء کی بڑہ چڑہ کر حوصلہ افزاء کی، اور حکومت وقت کی حوصلہ افزاء دیکھ کر علماء کا ایک ذہین طبقہ معقولات کی تحصیل میں ہمہ تن مشغول ہوگیا اور اس فن میں انہوں نے مہارت تامہ حاصل کی،

لیکن ان علماء میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو "مسلک اعتزال" سے وابستہ تھے کیونکہ حکومت وقت کا مزاج ومسلک بھی یہی معتزلہ والا تھا انہی علماء کی کدوکاوش نے (علم کلام) کو ایک خاص فن کا درجہ دیا اور انہوں نے ہی اس فن کی جمع وتدوین کی،
علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ

ثم طالع بعد ذالك شيوخ المعتزلة كتب الفلاسفة حين فسرت ايام المامون فخلطت مناهجها مناهج الكلام وأفردتها فنا من فنون العلم وسميتها باسم الكلام، (الملل والنحل ج1 ص32)

یعنی "معتزلہ" کے اکابر نے فلاسفہ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا اور اس طرح کلام وفلسفہ کی مختلف راہیں ایک ہوگئیں اور ایک نیا فن (علم کلام) کے نام سے ایجاد ہوا،

علم کلام کی وجہ تسمیہ (یہ نام کیوں رکھا گیا)؟

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ

اما لأن اظهر مسئلة تكلموا فيها وتقابلوا عليها هي مسئلة الكلام فسمي النوع باسمها وأما لمقابلتهم الفلاسفة في تسميتهم فنا من فنون علمهم بالمنطق والمنطق والكلام مترادفان

(الملل والنحل ج1 ص33)

علم کلام کا اہم ترین موضوع بحث اللہ تعالی کا کلام ہی تھا، اسی وجہ سے اس فن کا نام (علم کلام) رکھا گیا الخ

(تاریخ الفرقۃ المعتزلہ)

معتزلہ کا سردار وپیشوا ابوالہذیل علاف تھا اور اس نے اس فن میں بہت سی کتب بھی لکھیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

ابو الهذيل العلاف شيخ المعتزلة ومُصنف الكتب الكثيرة فى مذاهبهم كان خبيث القول فارق اجماع المسلمين ورد نص كتاب الله وجحد صفات الله تعالى عما يقول علوا كبيرا وكان كذاباً أفاكاً مات سنة سبع وعشرين ومأتين .(لسان المیزان ص413 ج5)

ابوالہذیل العلاف مُعتزلہ فرقہ کے شیوخ میں سے تھا جس نے اعتزال کے رنگ میں ڈوبی ہوء بہت سی کتب لکھیں، یہ پہلا شخص ہے جس نے نصوص قطعیہ کا انکار کیا صفات باری تعالی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، جھوٹا، لغوگو، اور بدترین خلائق انسان تھا۔

علامہ شہرستانی نے بھی یہی بات لکھی ہے

فكان ابو الهذيل العلاف شيخهم الاكبر وافق الفلاسفة وأبدع بدعا فى الكلام والارادة وأفعال والقول بالقدر والآجال والأرزاق .(الملل والنحل ج1 ص33)

ابوالہذیل العلاف مُعتزلہ فرقہ معتزلہ کا سب سے بڑا شیخ تھا فلاسفہ کا موافق تھا
افعال عباد، ارادہ، تقدیر، رزق، تمام مسائل میں امت کے قطعی نظریات سے صاف پھر گیا تھا۔
حافظ ذہبی نے بھی اپنی کتاب (سیر اعلام النبلاء) میں تقریبا یہی بات لکھی ہے

ابـو الهـذيـل الـعلاف ورأس المعتزلة أبو الهذيل محمد بن الهذيل البصرى العلاف صاحب التـصانيف الذى زعم أن نعيم الجنة وعذاب النار ينتهي بحيث ان حرمات أهل الجنة تسكن وقـال حتـى لا ينطقون بكلمة وأنكر الصفات المقدسة حتى العلم والقدرة وقال هما الله وأن لـمـا يـقدر الله عليه نهاية وآخرا وأن للقدرة نهاية لو خرجت الى الفعل فان خرجت لم تقدر على خلق ذرة أصلا وهذا كفر والحاد • (سیر أعلام النبلاء، ابوالہذیل العلاف)

اور فرقہ معتزلہ کا بانی و موسس واصل بن عطاء البصری تہا،
پھر اس کے بعد ابوالہذیل حمدان بن الہذیل العلاف ہے جو شیخ المعتزلۃ، ومقدم الطائفۃ، ومقرر الطریقۃ، والمناظر کے القاب سے معروف ہے، اس نے مذہب الاعتزال عثمان بن خالد الطویل سے بطریق واصل بن عطاء کے حاصل کیا۔
(الشہرستانی: الملل والنحل ج 1 ص 64)

اور (فرقة الهُذيلية.) اسی کی طرف منسوب ہے۔
اسی طرح ابراہیم بن یسار بن ہانء النظّام نے کتب فلاسفہ کا بکثرت مطالعہ کیا اور فلاسفہ کا کلام معتزلہ کے کلام کے ساتھ ملایا اور (فرقۃ النظامیۃ) اسی کی طرف منسوب ہے۔ (الشہرستانی: الملل والنحل ج 1 ص 64)
اسی طرح معمر بن عباد السلمی ہے جس کی طرف (فرقة المعمرية.) منسوب ہے۔
اسی طرح عیسیٰ بن صُبیح المکی بابی موسیٰ الملقب بالمردار اس کو راہب المعتزلۃ کہا جاتا تھا (فرقة المردارية) اس کی طرف منسوب ہے•
اسی طرح ثمامۃ بن اشرس النمیری یہ آدمی بادشاہ المأمون اور المعتصم اور الواثق، کے عہد میں (قدریۃ) فرقہ کا سربراہ تھا، اور اس کے فرقہ کو (الثمامیۃ) کہا جاتا ہے•
اسی طرح ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ فرقہ معتزلۃ کے بہت بڑے لکھاری تھا اور کتب فلاسفہ سے خبردار اور ادب و بلاغت میں ماہر تھا (الجاحظية) فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔
اسی طرح ابوالحسین بن ابی عمر الخیاط ہے جو بغداد کا معتزلی ہے (الخياطية)
اسی کی طرف منسوب ہے۔
اسی طرح القاضی عبدالجبار بن احمد بن عبدالجبار الہمدانی یہ متاخرین معتزلہ میں سے تھا اور اپنے زمانہ کے بہت بڑا

شیوخ المعتزلۃ میں تھا اور مذہب معتزلہ کے اصول وافکار وعقائد کو بڑا پھیلایا، اور معتزلہ کا بڑا مشہور مناظر تھا۔

حاصل کلام یہ کہ (فرقۃ معتزلۃ) کے کل بائیس بڑے فرقے بن گئے تھے، ہر فرقہ سب کی تکفیر کرتا تھا، ان فرقوں کی پوری تفصیل میں نے لکھ دی ہے،

اجمالی طور پر ان کے اسماء درج ذیل ہیں

((الواصلية، والعمرية، والهذيلية، والنظامية، والأسوارية، والمعمرية، والاسكافية، والجعفرية، والبشرية، والمردارية، والهشامية، والتمامية، والجاحظية، والحايطية، والحمارية، والخياطية، واصحاب صالح قبة، والمويسية، والشحامية، والكعبية، والجبابية، والبهشمية المنسوبة الى ابى هاشم بن الحبالي.)(البغدادي: الفرق بين الفرق ص 104)

جس علم کی تدوین کے بنیادی ارکین میں میں ابوالہذیل العلاف جیسے لوگ شامل ہوں تو پھر اس کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ کیسے ہوں گے؟

پھر اس فن کے لیئے جو اصول وضوابط نافذ کیئے گئے وہ اسلام کے اصل نہج سے کتنے دور ہوں گے؟

علماء اسلام نے بعد میں معتزلہ کے رواج دیئے ہوئے نظریات کو مٹانے کی کوشش کی لیکن جو خمیر معتزلہ ڈال چکے تھے وہ مکمل طور پر پاک نہ ہوسکا، لہٰذا قدیم علم کلام میں کی کتب میں اس طرح مباحث بکثرت موجود ہیں، پھر اس فلسفیانہ طرز استدلال ونظریہ نے جو نقصان پہنچایا وہ بالکل ظاہر ہے، حتی کہ آج بھی آزاد طبع لوگ معتزلی نظریات کو قبول کر لیتے ہیں،

بہر حال علم کلام ترقی کرتا رہا،

علم کلام کی تاریخ کے سلسلہ میں

علامہ شہرستانی جیسا مستند وذمہ دار آدمی رقمطراز ہے کہ

اما رونق علم الكلام فابتداء ه من الخلفاء العباسية هارون والمامون والمعتصم والواثق والمتوكل واما انتهائه فمن صاحب ابن عباد وجماعة من الديالمة(الملل والنحل ج 1 ص 39)

علم کلام کی ابتداء خلفاء عباسیہ خصوصا ہارون اور مامون کے دور میں ہوئی،

اور معتصم، واثق، متوکل کے عہد سلطنت میں بھی اس فن کو عروج حاصل ہوا، اور پھر یہ فن صاحب بن عباد اور دیالمہ کے وقت میں انتہاء حدود میں داخل ہوگیا۔

ان گھمبیر حالات میں جس کی سرسری جھلک گزشتہ سطور میں آپ نے ملاحظہ کی کہ معتزلہ اور ذیلی گمراہ فرقوں کے نظریات پھیلتے جارہے تھے۔

اللہ تعالی نے ملت محمدیہ کی ہدایت وراہنماء ایسے رجال وافراد کو منتخب کیا جنہوں نے دین حنیف اور عقائد حقہ کی حفاظت

وحمایت وصیانت کا کام بڑے اعلی درجات اور منظم طریقہ سے انجام دیا، اور ملحدین وزنادقہ وفرق ضالہ کے اوہام ونظریات کا ادلہ وبراہین کے بھرپور رد کیا، اور معتزلہ اور دیگر فرق ضالہ کے انتشار کے بعد اللہ تعالی نے شیخ ابوالحسن الاشعری اور شیخ ابی المنصو رالماتریدی کو پیدا کیا، لہٰذا ان دونوں بزرگوں نے عقائد اہل سنت کی حفاظت وحمایت کا کام بڑی محنت شاقہ کے ساتھ شروع کیا۔

اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے عقائد کی حفاظت وصیانت کا ذمہ اٹھایا

اور اپنے زبان وقلم سے دلائل نقلیہ وعقلیہ سے اس کا اثبات کیا، اور مستقل کتب وتالیفات میں عقائد اہل سنت کو جمع کیا، اور ساتھ ساتھ معتزلہ اوران سے نکلنے والے دیگر فرق ضالہ کے شبہات ونظریات کا بڑے زور وشور سے رد کیا، لہٰذا اس کے بعد تمام اہل سنت اشعری یا ماتریدی کہلانے لگے،

اور یہ نسبت اس لیئے ضروری تھا تا کہ دیگر فرق ضالہ سے امتیاز وفرق واضح رہے

،لہٰذا اس کے بعد ان دوائمہ کے منہج پر چلنے لوگ اہل سنت کہلائے۔

ترجمۃ الامام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ

ابوالحسن علی بن اسماعیل بن ابی بشر اسحاق بن سالم بن اسماعیل بن عبد اللہ بن موسیٰ بن بلال بن ابی بُردۃ عامر ابن صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی موسیٰ الاشعری.

تاریخ ولادت ووفات

آپ کی ولادت (260ھ) میں ہوء بعض نے (270ھ) بتایا، اور آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے بعض نے (333ھ) بعض نے (326ھ)

بعض نے (330ھ) بغداد میں آپ فوت ہوئے مقام (الکرخ اور باب البصر ۃ) کے درمیان مدفون ہوئے،

ابتداء حیات میں آپ نے مذہب اعتزال ابی علی الجبائی معتزلی سے پڑھا اور ایک مدت تک اسی پر رہے، پھر آپ نے مذہب اعتزال سے توبہ کیا اور بالکلیہ طور پر اس کو خیر باد کہ دیا، اور بصرہ کی جامع مسجد میں جمعہ کے

دن کرسی ومنبر پر چڑھ کر بآواز بلند ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ اے لوگو جس نے مجھے پہچانا اس نے مجھے پہچانا اور جس نے مجھے نہیں پہچانا میں اس کو اپنی پہچان کراتا ہوں لہٰذا میں فلان بن فلان قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا، اور یہ کہ اللہ تعالی رویت آخرت میں آنکھوں کے ساتھ نہیں ہوسکتی، اور یہ کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اور اب میں مذہب اعتزال سے توبہ کرتا ہوں اور میں معتزلہ کے عقائد پر رد کروں گا اور ان کے عیوب وضلالات کا پردہ چاک کروں گا، اور میں نے اللہ تعالی سے ہدایت طلب کی اللہ تعالی نے مجھے ہدایت دی، اور میں اپنے گزشتہ تمام نظریات کو اس طرح اتارتا ہوں جس یہ کپڑا اتارتا ہوں، پھر اس کے بعد بطور مثال اپنے جسم پر جو چادر تھا اس اتار کر پھینک دیا، پھر لوگوں کو وہ کتابیں دیں جو مذہب اہل

الحق اہل السنہ کے مطابق تالیف کیں۔

امام الاشعری کے تلامذہ

ایک کثیر مخلوق نے آپ سے استفادہ کیا، بڑے بڑے اعلام الامۃ اکابر العلماء نے آپ کے مسلک کی اتباع کی اور نصرۃ عقائد اہل السنۃ میں آپ کے اصول کو اپنایا، اور آپ کے تلامذہ کی تعداد و تذکرہ علماء امت نے مستقل طور پر آپ کے سوانح میں کیا،

قاضی القضاۃ الشیخ تاج الدین ابن الامام قاضی القضاۃ تقی الدین السبکی الشافعی نے اپنی کتاب (طبقات الشافعیۃ) میں ایک خاص فصل میں آپ کا تذکرہ کیا،

اور امام سبکی الشافعی نے آپ کے ترجمہ کی ابتداء ان الفاظ میں کی۔

شیخنا وقدوتنا الى الله تعالى الشيخ ابو الحسن الاشعرى البصرى شيخ طريقة اهل السنة والجماعة وامام المتكلمين وناصر سنة سيد المرسلين والذاب عن الدين والساعى فى حفظ عقائد المسلمين سعيًا يبقى اثره الى يوم يقوم الناس لرب العالمين، امام حبر وتقى بر حمى جناب الشرع من الحديث المفترى وقام فى نصرة ملّة الاسلام فنصرها نصرًا مؤزرًا وما برح يدلج ويسير وينهض بساعد التشمير حتى نقّى الصدور من الشُّبه كما ينقى الثوب الابيض من الدنس ووقى بانوار اليقين من الوقوع فى ورطات ما التبس فلم يترك مقالاً لقائل وازاح الاباطيل، والحق يدفع ترهات الباطل "

اسی طرح مؤرخ الشام اور حافظ الحدیث الشیخ ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عساکر نے الشیخ ابی الحسن الاشعری کی مناقب و مؤلفات و سوانح پر مستقل کتاب لکھی۔

اور دیگر تمام علماء امت نے بھی اپنی کتب میں آپ کا تذکرہ کیا، اور سب نے آپ کو اہل سنت کا امام قرار دیا،

المؤرخ الحافظ ابن العماد الحنبلی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا

الامام العلامة البحر الفهامة المتكلم صاحب المصنفات، ثم قال: "وممّا بيض به وجوه اهل السنة النبوية وسود به رايات اهل الاعتزال والجهمية فابان به وجه الحق الابلج، ولصدور اهل الايمان والعرفان اثلج، مناظرته مع شيخه الجبائى التى قصم فيها ظهر كل مبتدع مرائى " اهـ شذرات الذهب (2/ 303، 305).

امام شمس الدین بن خلکان نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

صاحب الاصول، والقائم بنصرة مذهب اهل السنة، واليه تنسب الطائفة الاشعرية، وشهرته

تغنی عن الاطالة فی تعریفه " (اھ۔وفیات الاعیان (/3 284، 286)
امام ابوبکر بن قاضی شہبۃ نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا
الشیخ ابو الحسن الاشعری البصری امام المتکلمین وناصر سنة سید المرسلین، والذاب عن الدین" ا۔ھ۔(طبقات الشافعیة (/1 113).
علامہ یافعی شافعی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا
الشیخ الامام ناصر السنة وناصح الامة، امام الائمة الحق ومدحض حجیج المبدعین المارقین، حامل رایة منهج الحق ذی النور الساطع والبرهان القاطع "
(ا۔ھ۔مراۃ الجنان (/2 298).

علامہ القرشی الحنفی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا
صاحب الاصول الامام الکبیر والیه تنسب الطائفة الاشعریة"
(الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ /54421، 154)

علامہ الاسنوی الشافعی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا
هو القائم بنصرة اهل السنة القامع للمعتزلة وغیرهم من المبتدعة بلسانه وقلمه، صاحب التصانیف الکثیرة، وشهرته تغنی عن الاطالة بذکره (طبقات الشافعیة (/1 47).
خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اسلام کے اقوال وآراء تعریف وتوصیف الامام الاشعری اورالامام ابومنصور الماتریدی کے متعلق بیان کروں تو ایک مستقل کتاب تیار ہوجائے، بطور مثال چند ائمہ کے اقوال ذکر کردیئے تاکہ ان جاہل لوگوں کو ہدایت ہوجائے، جو جہلاء کی اندھی تقلید میں امت مسلمہ کے کبار ائمہ پر لعن طعن کرتے ہیں، جب ان جہلاء کی اپنی حالت یہ ہے کہ الف باء سے واقف نہیں۔

مؤلفات الامام ابوالحسن الاشعری

آپ کی کتب وتالیفات بہت زیادہ ہیں، بطور مثال چند کتب کا ذکر کرتا ہوں

۱- ایضاح البرهان فی الرد علی اهل الزیغ والطغیان.
2- تفسیر القرءان، وهو کتاب حافل جامع.
3- الرد علی ابن الراوندی فی الصفات والقرءان.
4- الفصول فی الرد علی الملحدین والخارجین عن الملّة.
5- القامع لکتاب الخالدی فی الارادة.

6- كتاب الاجتهاد فى الاحكام.

7- كتاب الاخبار وتصحيحها.

8 -تاب الادراك فى فنون من لطيف الكلام.

9- كتاب الامامة.

10-التبيين عن اصول الدين.

11- الشرح والتفصيل فى الرد على اهل الافك والتضليل.

12- العمد فى الرؤية.

13- كتاب الموجز.

14- كتاب خلق الاعمال.

15- كتاب الصفات، وهو كبير تكلم فيه على اصناف المعتزلة والجهمية.

16- كتاب الرد على المجسمة.

17- اللمع فى الرد على اهل الزيغ والبدع.

18-النقض على الجبائى.

19- النقض على البلخى.

20- جمل مقالات الملحدين.

21- كتاب فى الصفات وهو اكبر كتبه نقض فيه اراء المعتزلة وفند اقوالهم وابان زيغهم وفسادهم.

22-ادب الجدل.

23- الفنون فى الرد على الملحدين.

24- النوادر فى دقائق الكلام.

25- جواز رؤية الله تعالى بالابصار.

26- كتاب الابانة.

ترجمۃ الامام ابومنصور الماتریدی

- ھوابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی،

ماتریدی نسبت ہے ماترید کی طرف اور یہ سمرقند ماوراء النہر میں ایک مقام کا نام ہے، اور امام ابومنصور الماتریدی کو بھی علماء امت نے "امام الہدی" و "امام المتکلمین" و "امام اہل السنہ" وغیر ذلک القابات سے یاد کیا،

آپ کی تاریخ ولادت کے متعلق کوئی متعین تاریخ تو نہیں ملتی مگر علماء کرام نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت عباسی خلیفہ المتوکل کے عہد میں ہوئی، اور آپ کی ولادت الامام ابی الحسن الاشعری سے تقریبا بیس سال قبل ہوئی ہے،

اور آپ نے جن مشائخ سے علم حاصل کیا ان سب کی سند الامام الجلیل الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان سے جا ملتی ہے،

اور آپ علوم القرآن الکریم واصول الفقہ وعلم الکلام والعقائد کے بے مثال ومستند امام ہیں، اور آپ کی پوری زندگی حمایۃ الاسلام ونصرۃ عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ سے عبارت ہے، اور آپ بالاتفاق اہل السنۃ والجماعۃ کے امام جلیل محافظ العقائد اہل السنۃ، وقاطع الاعتزال والبدع قرار پائے، معتزلہ اور دیگر فرق ضالہ کا اپنی مناظرات ومحاورات میں اور تصنیفات وتالیفات میں بھرپور رد وتعاقب کیا، اور تمام عمر عقائد اہل السنۃ کی حفاظت وصیانت وتبلیغ وتشہیر کی۔

مؤلفات الامام ابو منصور الماتریدی

آپ کے کئی مؤلفات ہیں جن کا تذکرہ علماء امت نے آپ کے ترجمہ میں کیا ہے
جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں

1- کتاب "التوحید"

2- کتاب "المقالات"

3- کتاب "الرد علی القرامطۃ"

4- کتاب "بیان وہم المعتزلۃ"

5- کتاب "رد الاصول الخمسۃ لابی محمد الباہلی"

6- کتاب "اوائل الادلۃ للکعبی"

7- کتاب "رد کتاب وعید الفساق للکعبی"

8- کتاب "رد تہذیب الجدل للکعبی"

9- کتاب "الجدل"

10- وکتاب "ماخذ الشرائع فی اصول الفقہ"

11- کتاب "شرح الفقہ الاکبر"

12- کتاب "تاویلات اہل السنۃ"

بعض نسخوں میں اس کتاب کا نام "تاویلات الماتریدی فی التفسیر" ہے،

الامام عبد القادر القرشی المتوفی سنۃ 775ھ اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس فن میں لکھی گئی

پہلی کتابوں میں سے کوئی کتاب اس کے برابر بلکہ اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتی۔
اس کتاب کے مقدمہ کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے
"قال الشیخ الامام الزاهد علم الدين شمس العصر، رئيس اهل السنة والجماعة ابو بكر محمد بن احمد السمرقندی رحمه الله تعالى: ان كتاب التاويلات المنسوب الى الشيخ الامام ابی منصور الماتريدی رحمه الله كتاب جليل القدر، عظيم الفائدة فی بيان مذهب اهل السنة والجماعة فی اصول التوحيد، ومذهب ابی حنيفة واصحابه رحمهم الله فی اصول الفقه وفروعه على موافقة القران." ا.ه.
صاحب "کشف الظنون" نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے اورالشیخ علاء الدین بن محمد بن احمد نے اس کو جمع کیا ہے،
حاصل یہ کہ بطور مثال آپ کے علمی میراث کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ کی، اور جیسا کہ میں گزشتہ سطور میں عرض کر چکا ہوں کہ ان دو جلیل القدر ائمہ اہل سنت کے ترجمہ وسوانح وکمالات وکارناوں پر مستقل کتب موجود ہیں،
یہاں تو اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ مقصود ہے، تاکہ ایک صالح متدین آدمی کے علم میں اضافہ ہو اور اس کے دل میں ان جلیل القدر ائمہ اہل سنت کا احترام وعظمت زیادہ ہو جائے، اور جو شخص جہل کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے ان پر لعن طعن کرتا ہے اس کی اصلاح ہو جائے۔

الامام الماتریدی کی تاریخ وفات

صاحب کتاب "کشف الظنون" نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی وفات (332ھ) میں ہوء ہے، دیگر کء مورخین نے سنہ وفات (333ھ) بھی لکھی ہے،
علامہ عبداللہ القرشی نے بھی "الفوائد البھی ة" میں سنہ وفات (333ھ) بتاء ہے، اور آپ کی قبر سمرقند میں ہے،

امت مسلمہ کے کبار محدثین ومفسرین وفقہاء وائمہ اشعری وماتریدی ہیں

بطور مثال چند کا تذکرہ پیش خدمت ہے
1 - الامام الحافظ ابوالحسن الدارقطنی رحمہ اللہ تعالی،
(تبیین کذب المفتری 255، السیر 17/558، اثناء ترجمۃ الحافظ ابی ذر الہروی، وتذکرۃ الحفاظ 3/1104).
2 - الحافظ ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ تعالی، صاحب حلیۃ الاولیاء،
الامام الاشعری کے متبعین میں سے ہیں، (تبیین کذب المفتری 246، الطبقات الکبری للتاج السبکی 3/370).
3 - الحافظ ابوذر الہروی عبد بن احمد رحمہ اللہ تعالی، (گزشتہ حوالے اور، الطبقات الکبری للتاج السبکی 3/370).

4 - الحافظ ابو طاہر السلفی رحمہ اللہ تعالی، (الطبقات 3/372)

5 - الحافظ الحاکم النیسابوری رحمہ اللہ تعالی صاحب المستدرک علی الصحیحین،

اپنے زمانہ کے امام اہل الحدیث ہیں کسی تعارف محتاج نہیں ہیں،

اور علماء امت کا اتفاق ہے کہ امام حاکم ان بڑے علم والے ائمہ میں سے ایک ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالی نے دین متین کی حفاظت کی، (تبیین کذب المفتری ص 227).

6 - الحافظ ابن حبان البستی رحمہ اللہ تعالی صاحب الصحیح وکتاب الثقات وغیرہا، الامام الثبت القدوۃ امام عصرہ ومقدم اوانہ

7 - الحافظ ابو سعد ابن السمعانی رحمہ اللہ تعالی، صاحب کتاب الانساب. (الطبقات 3/372)

8 - الامام الحافظ ابو بکر البیہقی رحمہ اللہ تعالی صاحب التصانیف الکثیرۃ الشہیرۃ

9 - الامام الحافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالی

10 - الامام الحافظ الخطیب البغدادی رحمہ اللہ تعالی، (التبیین ص 268).

11 - الامام الحافظ محی الدین یحیٰی بن شرف النووی محی الدین رحمہ اللہ تعالی،

امام نووی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، دنیا کا کون سا حصہ ایسا ہے جہاں آپ کی کتاب ریاض الصالحین اور کتاب الاذکار اور شرح صحیح مسلم نہیں ہے؟؟

12 - شیخ الاسلام الامام الحافظ ابو عمرو بن الصلاح رحمہ اللہ تعالی

13 - الامام الحافظ ابن ابی جمرۃ الاندلسی مسند اہل المغرب رحمہ اللہ تعالی

14 - الامام الحافظ الکرمانی شمس الدین محمد بن یوسف رحمہ اللہ، صاحب الشرح المشہور علی صحیح البخاری

15 - الامام الحافظ المنذری رحمہ اللہ تعالی صاحب الترغیب والترہیب.

16 - الامام الحافظ الابی رحمہ اللہ تعالی شارح صحیح مسلم.

17 - الامام الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالی،

امام حافظ ابن حجر کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں،

18 - الامام الحافظ السخاوی رحمہ اللہ تعالی.

19 - الامام الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالی.

20 - الامام القسطلانی رحمہ اللہ تعالی شارح الصحیح.

21 - الامام الحافظ المناوی رحمہ اللہ تعالی

خلاصہ کلام یہ کہ اگر اشاعرہ وماتریدیہ علماء امت کی صرف اسماء کو بھی جمع کیا ہے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، مذکورہ بالا ائمہ میں اکثر شافعی المسلک ہیں، اس کے بعد احناف، مالکیہ، حنابلہ، کے تمام حفاظ حدیث وائمہ اسلام جو کہ اشاعرہ وماتریدیہ ہیں ان کا تذکرہ ہماری بس سے باہر ہے، کیونکہ علماء اسلام کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جنہوں نے عقائد واصول میں الامام ابوالحسن الاشعری اور الامام ابو منصور الماتریدی کی اتباع کی، یہاں سے آپ ان جاہل لوگوں کی جہالت وحماقت کا اندازہ بھی لگالیں، جو یہ کہتے ہیں کہ اشعری وماتریدی تو گمراہ ہیں (معاذ اللہ) کیا اتنے بڑے کبار ائمہ گمراہوں لوگوں کی اتباع کرنے والے تھے؟

بس جہالت اور اندھی تقلید کی زندہ مثالیں کسی نے دیکھنی ہو تو وہ فرقہ جدید نام نہاد اہل حدیث میں شامل عوام وخواص کو دیکھ لے، کوئی کسی شخص یا کسی مسئلہ کے بارے علم نہیں ہوتا لیکن ضد وتعصب واندھی تقلید میں اس کو پھیلاتے جاتے ہیں، اور دلیل یہ ہوتی ہے کہ فلاں شیخ صاحب سے سنا ہے۔

اب اگر اس جاہل شیخ کی غلطی کوئی ظاہر کر بھی دے پھر بھی یہ بے وقوف لوگ اس جاہل شیخ کی دم نہیں چھوڑتے، اور جواب بزبان حال وقال یہی دیتے ہیں کہ خبر دینے والا بڑا پکا ہے، آخر ایسی ضد وجہالت کا علاج کس کے پاس ہے؟؟

ابوعبدالرحمٰن محمد لیاقت علی رضوی عفی عنہ

بسم اللہ الرَّحمٰن الرَّحِیم

ایمان کے اصولوں کا بیان

بَیَان اصُول الْاِیمَان

یہ بحث ایمان کے اصول کے بیان میں ہے۔

ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل کا بیان

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ایمان امن سے ماخوذ ہے اور امن کا معنی ہے: نفس کا مطمئن ہونا اور خوف کا زائل ہونا امن امانت اور امان اصل میں مصادر ہیں امان انسان کی حالت امن کو کہتے ہیں انسان کے پاس جو چیز حفاظت کے لیے رکھی جائے اس کو امانت کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے۔

(آیت) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ (الانفال: ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

نیز قرآن مجید میں ہے۔

(آیت) اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ (الاحزاب: ۷۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی۔

اور قرآن مجید ہے:

(آیت) وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: ۹۷)

ترجمہ: اور جو حرم میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔

یعنی وہ دوزخ سے بے خوف ہو گیا یا وہ دنیا کی مصیبتوں سے بے خوف ہو گیا اس کا معنی ہے کہ حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا نہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

ایمان کا استعمال کبھی اس شریعت کو ماننے کے لیے کیا جاتا ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے اس استعمال کے مطابق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

(آیت) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ (البقرہ: ۶۲)

ترجمہ: بے شک اسلام قبول کرنے والے یہودی عیسائی اور ستارہ پرست:

ایمان کے ساتھ ہر اس شخص کو متصف کیا جاتا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں داخل ہو درآں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرتا ہو۔

اور کبھی ایمان کا استعمال بر سبیل مدح کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ذہن کا بہ طور تصدیق حق کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور اس کا تحقق دل کے ماننے زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء کے عمل کرنے سے ہوتا ہے اس اعتبار سے ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

(آیت) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ ط لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ ط (الحدید: ۱۹)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اپنے رب کی بارگاہ میں صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔

تصدیق بالقلب اقرار باللسان اور عمل بالارکان میں سے ہر ایک پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تصدیق بالقلب پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

(آیت) اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ (المجادلہ: ۲۲)

ترجمہ: وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا۔

دل میں صرف تصدیق ہوتی ہے اس لیے اس آیت سے مراد صرف تصدیق ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ایمان کا اطلاق تصدیق پر کیا گیا ہے۔

(آیت) وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ ○ (یوسف: ۱۷)

ترجمہ: اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں

اور اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

(آیت) وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ ط (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (تحویل قبلہ سے پہلے تمہاری پڑھی ہوئی) تمہاری نمازوں کو ضائع کر دے۔

جب جبرائیل (علیہ السلام) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کے صحیفوں اس کے رسولوں قیامت اور ہر اچھی اور بری چیز کو تقدیر کے ساتھ وابستہ ماننا ایمان ہے اس حدیث میں چھ چیزوں کے ماننے پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم، اور حدیث کی دوسری مشہور کتابوں میں ہے۔ (المفردات ص ۲۶-۲۵ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

ایمان تصدیق ہے علامہ زمخشری نے اساس میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور اہل علم میں سے اہل لغت وغیرہ کا اسی پر اتفاق ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے کہ ایمان کا حقیقی معنی تصدیق ہے اور کشاف میں لکھا ہے کہ کسی شخص پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کو تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھا جائے بعض محققین نے کہا ہے کہ ایمان کا معنی تصدیق ہو تو یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی اذعان (ماننا اور قبول کرنا) ہو تو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی اعتراف ہو تب بھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے ازہری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس امانت پر امین بنایا ہے اس میں صدق کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے، اگر بندہ جس طرح زبان سے تصدیق کرتا ہے اسی طرح دل میں بھی تصدیق کرے تو وہ مومن ہے اور جو صرف زبانی اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت کو ادا نہیں کر رہا وہ منافق ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا منافق ہوگا یا جاہل (علامہ زبیدی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ کبھی صرف زبانی اقرار پر بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

(آیت) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (المنافقون: ۳)

ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر (ظاہر) کیا تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔

اور اس آیت میں بھی زبانی اظہار پر ایمان کا اطلاق ہے:

(آیت) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (النساء: ۱۳۷)

ترجمہ: بے شک جو لوگ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے پھر (زبان سے) ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے۔

زجاج نے کہا ہے: کبھی ایمان کا اطلاق اظہار خشوع پر کیا جاتا ہے اور کبھی شریعت کے قبول کرنے پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں اس پر اعتقاد رکھنے اور دل سے اس کی تصدیق کرنے پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے امام راغب نے کہا ہے کہ ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا نام ہے اور کبھی بہ طور مدح حق کی تصدیق کرنے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں ایمان تصدیق اقرار اور عمل سے متحقق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا معنی ہے: مخلوق کو ظلم سے امن دینے والا یا اپنے اولیاء کو عذاب سے امن میں رکھنے والا منذری نے ابو العباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں سے اپنے رسولوں کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور وہ امتیں انبیاء کی تکذیب کریں گی اور اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے انبیاء کی تصدیق کریں

گے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی تصدیق کرے گا اور اسی تصدیق کی وجہ سے اللہ کا نام مومن ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب سے امان میں رکھے گا اس وجہ سے وہ مومن ہے یہ علامہ ابن اثیر (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۱۲۵ امطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

ایمان کی تعریف کو قرآن کریم نے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے صرف دو لفظوں میں پورا بیان کر دیا ہے لفظ ایمان اور غیب کے معنی سمجھ لئے جاویں تو ایمان کی پوری حقیقت اور تعریف سمجھ میں آ جاتی ہے۔

لغت میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے اسی لئے محسوسات و مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے مثلاً شخص سفید کپڑے کو سفید یا سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے ایمان لانا نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بناء پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول کو بغیر مشاہدہ کے محض رسول کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے لفظ غیب لغت میں ایسی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے جو بدیہی طور پر انسان کو معلوم ہوں، اور نہ انسان کے حواس خمسہ اس کا پتہ لگا سکیں یعنی نہ وہ آنکھ سے نظر آئیں نہ کان سے سنائی دیں، نہ ناک سے سونگھ کر یا زبان سے چکھ کر ان کا علم ہو سکے اور نہ ہاتھ سے چھو کر ان کو معلوم کیا جا سکے،

قرآن میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور ان کا علم بداہت عقل اور حواس خمسہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بھی آ جاتی ہیں تقدیری امور جنت و دوزخ کے حالات، قیامت اور اس میں پیش آنیوالے واقعات بھی، فرشتے، تمام آسمانی کتابیں اور تمام انبیاء سابقین بھی جس کی تفصیل اسی سورۃ بقرہ کے ختم پر اٰمَنَ الرَّسُوْلُ میں بیان کی گئی ہے گویا یہاں مجمل کا بیان ہوا ہے اور آخری آیت میں ایمان مفصل کا،

تو اب ایمان بالغیب کے معنے یہ ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایات و تعلیمات لے کر آئے ہیں ان سب کو یقینی طور پر دل سے ماننا شرط یہ ہے کہ اس تعلیم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونا قطعی طور پر ثابت ہو جمہور اہل اسلام کے نزدیک ایمان کی یہی تعریف ہے۔ (عقیدہ طحاوی عقائد نسفی وغیرہ)

لفظِ ایمان بابِ افعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنیٰ میں دو مشہور اقوال ہیں: ۱ اکثر اہل لغت کا کہنا ہے کہ ایمان کا لغوی معنیٰ تصدیق ہے، وہ اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ ازہری کہتے ہیں:

اتفق اهل العلم من اللغوية وغيرهم ان الايمان معناه التصديق ۔

لغوی اور دوسرے اہل علم کا اتفاق ہے کہ ایمان کا معنیٰ تصدیق ہے۔(تہذیب اللغۃ: 513/5)
اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:
(وَمَآ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ)(یوسف: 17)
(یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا) کہ آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں، حالانکہ ہم سچے ہیں۔

یہاں ایمان بمعنیٰ تصدیق ہے۔
ا سلف صالحین کے نزدیک ایمان لغت میں دو معانی کے لیے آتا ہے:
(الف) جب با کے ساتھ ہو تو تصدیق کے معنیٰ میں ہوتا ہے، جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:
(آمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ)(البقرة: 275)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں نے رب کی طرف سے اپنی طرف نازل ہونے والی کلام کی تصدیق کی۔
(ب) جب لام کے ساتھ متعدی ہو تو پھر بات ماننے کی معنیٰ میں ہوتا ہے، جیسے
(وَمَآ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا) (یوسف: 17) اور (فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ)(العنکبوت: 24) میں ہے۔
سلف صالحین نے ایمان کو صرف تصدیق کے ساتھ خاص کرنے کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایمان میں اگرچہ تصدیق بھی شامل ہے، لیکن وہ صرف تصدیق کا نام نہیں، بلکہ اقرار و طمانیت بھی اس میں شامل ہے، ان کا استدلال درج ذیل تین طرح سے ہے:

(ا) لفظ ایمان با اور لام دونوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، جبکہ لفظِ تصدیق یا تو خود ہی متعدی ہوتا ہے یا با سے۔
(ب) ایمان میں امن، تصدیق اور امانت، تین معانی پائے جاتے ہیں، جبکہ تصدیق میں امن اور امانت کے معانی موجود نہیں۔

(ج) ایمان صرف خبرِ غائب کے بارے میں استعمال ہوتا ہے، سورج طلوع ہو گیا، تو اس کے لیے لفظِ ایمان نہیں، بلکہ تصدیق مستعمل ہو گا، کیونکہ وہ غائب نہیں رہا، اس کے برعکس لفظِ تصدیق غائب و حاضر دونوں طرح کے امور کے لیے استعمال ہو جاتا ہے۔
(د) ایمان کی ضد کفر ہے اور اس میں صرف تکذیب نہیں ہوتی، بلکہ یہ عام ہے، بسا اوقات حقیقت جانتے ہوئے بھی مخالفت کی جاتی ہے، یہ بڑا کفر ہے، جبکہ تصدیق کی ضد صرف تکذیب ہے۔
اس تقابل سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں، بلکہ یہ کچھ اور چیزوں کو بھی شامل ہے۔
اللہ کی کلام اور شریعت خبر اور امر دو چیزوں پر مشتمل ہے، خبر کے لیے تصدیق اور امر کے لیے انقیاد ظاہری ضروری ہے،

جب خبر کو تصدیق اور امر کو اطاعت کے ذریعے قبول کیا جائے، تب اصل ایمان حاصل ہوتا ہے۔

اگر اہل لغت کی طرح ایمان کو صرف تصدیق کہا جائے تو ایمان کا ایک جزو حاصل ہوگا، دوسرا رہ جائے گا۔

واضح رہے کہ ابلیس کا کفر تصدیق نہ کرنے کی وجہ سے نہ تھا، اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو سن کر اس حکم کی تکذیب نہیں کی، بلکہ ظاہری اطاعت سے انکار کیا تھا، اس تکبر کی وجہ سے وہ کافر قرار پایا۔

ایمان کو صرف تصدیق قرار دینے کے نقصانات

متاخرین میں سے بہت سارے لوگ اس مسئلہ میں پھسل گئے ہیں اور یہ سمجھ لیا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ ابلیس اور فرعون نے تکذیب نہیں کی یا یہ تکذیب صرف زبانی تھی، دل سے انہیں معلوم تھا، تو پریشان ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگ اگر سلف صالحین کی بتائی ہوئی راہ پر چل پڑیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے، یعنی اللہ و رسول اور ان کی تعلیمات کی دل سے تصدیق، زبان سے ان کا اقرار اور اعضاء سے عمل بجالانا ہے۔

تصدیق و انقیاد میں سے کوئی چیز رہ جائے تو ایمان نہیں رہتا، اگر تصدیق موجود ہے، لیکن تکبر و عناد ظاہری انقیاد سے مانع ہے تو بھی ایمان نہیں، جیسے ابلیس کا کفر تکذیبی نہیں، بلکہ استکباری ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کا کفر جہالت کی وجہ سے تکذیبی ہے، جبکہ یہودی جانتے بوجھتے اسلام کی ماتحتی سے انکاری ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا ایک گروہ آیا، آپ سے کچھ سوالات پوچھے، آپ نے ان کے جواب دے دیے، تو کہنے لگے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے آپ کا اتباع نہیں کیا۔ (مسند احمد: 239/4، سنن نسائی: 4083، جامع ترمذی: 2833، 3144 وقال: حسن صحیح، ابن ماجہ: 3705، وسندہ صحیح) **وقال الحاکم: هذا حديث صحيح لا نعرف له علة بوجه من الوجوه** ۔ (المستدرک: ر) ووافقہ الذہبی

ثابت ہوا کہ ایمان کے لیے تصدیق کے ساتھ ساتھ ظاہری اطاعت بھی اعمال کی صورت میں ضروری ہے، ورنہ ابلیس کا کفر کیسا؟

3 اہل لغت نے اس آیت (وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا) (یوسف: 17)

میں ایمان کا معنٰی جو تصدیق کیا ہے، وہ صحیح نہیں، کیونکہ سلف صالحین نے اس کی تفسیر اقرار سے کی ہے، نیز یہ تفسیر تصدیق سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ لفظِ ایمان جب لام کے ساتھ متعدی ہو تو اقرار کے معنٰی میں ہوتا ہے نہ کہ تصدیق کے معنٰی میں، اس معنٰی میں تب ہوتا ہے، جب خود بخود متعدی ہو یا با کے ساتھ متعدی ہو۔

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا بیان

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جمہور متکلمین کے نزدیک صرف تصدیق بالقب کا نام ایمان ہے۔

(۲) امام ابومنصور ماتریدی (رحمۃ اللہ علیہ) کا مذہب ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے اور اقرار اجراء احکام مسلمین کے لیے شرط ہے۔ یہ دونوں تعریفیں نفس ایمان کی ہیں۔

(۳) امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک ایمان کے دو جز ہیں اقرار اور تصدیق لیکن اکراہ کے وقت اقرار ساقط ہوسکتا ہے۔

(۴) ائمہ ثلاثہ اور محدثین کے نزدیک ایمان کے تین جز ہیں تصدیق اقرار اور اعمال صالحہ لیکن اعمال کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے بلکہ فاسق ہو جاتا ہے یہ تعریف ایمان کامل کی ہے۔

(۵) معتزلہ میں سے واصل بن عطاء ابوالہذیل اور قاضی عبدالجبار کا یہ نظریہ ہے کہ تصدیق اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور اعمال میں واجب اور مستحب داخل ہیں اور عمل کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا، عمل کی نفی سے وہ ایمان سے خارج ہوگیا اور تکذیب نہ کرنے کی وجہ سے وہ کفر میں داخل نہیں ہوا۔

(۶) ابوعلی جبائی معتزلی اور ابوہاشم معتزلی کا یہ مسلک ہے کہ فقط اعمال واجبہ کا نام ایمان ہے باقی تفصیل حسب سابق ہے۔

(۷) نظام معتزلی کا مذہب ہے: جس کام پر وعید ہے اس کے ترک کرنے کا نام ایمان ہے۔

(۸) خوارج کا مذہب ہے: تصدیق اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور انسان معصیت کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے خواہ معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

(۹) کرامیہ کا یہ قول ہے کہ فقط زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے۔

(۱۰) غیلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی کا یہ نظریہ ہے کہ اقرار بہ شرط معرفت کا نام ایمان ہے۔

(۱۱) جہم بن صفوان کا یہ نظریہ ہے کہ فقط معرفت بالقبل کا نام ایمان ہے۔

(۱۲) مرجۂ کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمالا کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایمان کی تعریف

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ ایمان کسی چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت زہری فرماتے ہیں "ایمان کہتے ہیں عمل کو" ربیع بن انس کہتے ہیں۔ یہاں ایمان لانے سے مراد ڈرنا ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں۔ یہ سب اقوال مل جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زبان سے، دل سے، عمل سے، غیب پر ایمان لانا اور اللہ سے ڈرنا۔ ایمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے اصولوں پر، ایمان لانا شامل ہے اور اس اقرار کی

تصدیق عمل کے ساتھ بھی کرنا لازم ہے۔

میں کہتا ہوں لغت میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو، قرآن میں بھی ایمان اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا حدیث (یومن باللہ ویومن من للمومنین) یعنی اللہ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔

یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ آیت (وَمَآ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ) 12۔ یوسف:17) یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اس طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ جیسے فرمایا آیت (اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) 26۔ الشعراء:227) ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ اعتقاد قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعی امام احمد اور امام ابوعبیدہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا۔ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور حدیثیں بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری شریف کی شرح میں نقل کر دی ہیں۔ فالحمد للہ۔

بعض نے ایمان کے معنی اللہ سے ڈر خوف کے بھی کیے ہیں۔ جیسے فرمان ہے آیت (اِنَّ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ) 67۔ الملک:12) جو لوگ اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا آیت (من خشی الرحمٰن بالغیب) الخ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرے اور جھکنے والا دل لے کر آئے۔ حقیقت میں اللہ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے۔ جیسے فرمایا آیت (اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا) 35۔ فاطر:28) جو بندے ذی علم ہیں صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایماندار ہونا ظاہر کریں لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال اور جگہ اس طرح بیان ہوا ہے آیت (اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ) 63۔ المنافقون:1) یعنی منافق جب تیرے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ ہماری تہہ دل سے شہادت ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بالغیب حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں در آنحالیکہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

غیب کا لفظ جو یہاں ہے، اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت پر، جنت دوزخ پر، ملاقات اللہ پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر، ایمان لانا ہے۔ قتادہ ابن دعامہ کا یہی قول ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر اصحاب سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت، دوزخ وغیرہ۔ وہ امور جو

قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو کچھ آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔
حضرت ابوذر فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے۔ عطا ابن ابورباح فرماتے ہیں اللہ پر ایمان لانے والا، غیب پر ایمان لانے والا ہے۔

اسماعیل بن ابوخالد فرماتے ہیں اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں مراد ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں اس لئے کہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب پر مشتمل ہے اور ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہ کے فضائل بیان ہورہے ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہی تھا لیکن اللہ کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپ نے الم سے لے کر مفلحون تک آیتیں پڑھیں۔

(ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ۔ مستدرک۔ حاکم)

امام حاکم اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں۔ مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے۔ ابوجمع صحابی سے ابن محریز نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ فرمایا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناتا ہوں، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا، ہمارے ساتھ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ پر اسلام لائے، آپ کے ساتھ جہاد کیا، آپ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے، مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے۔ صالح بن جبیر کہتے ہیں کہ ابوجمعہ انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے۔ رجاء بن حیوہ رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے، جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں چھوڑنے کو ساتھ چلے، جب الگ ہونے لگے تو فرمایا تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے۔ سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ضرور سناؤ۔ کہا سنو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم دس آدمی تھے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے، ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی۔ آپ نے فرمایا تم ایسا کیوں نہ کرتے؟ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے، وحی الٰہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہورہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا افضل ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے دو گتوں کے درمیان یہ کتاب پائیں گے، اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے، یہ لوگ اجر میں تم سے گنے ہوں گے۔ اس حدیث میں "وجادہ" کی قبولت کی دلیل ہے جس میں محدثین کا اختلاف ہے۔
میں نے اس مسئلہ کو بخاری شریف میں خوب واضح کر دیا ہے بعد والوں کی تعریف اسی بنا پر ہورہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا اسی حیثیت کی وجہ سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ ایک اور

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ سے پوچھا تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل
ہے، انہوں نے کہا، فرشتے۔ فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں، لوگوں نے پھر کہا انبیاء، فرمایا وہ
ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔

کہا پھر ہم نے فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ
افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں
گے۔ اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابو حاتم رازی انہیں منکر الحدیث بتاتے ہیں لیکن اسی کے مثل ایک اور حدیث ضعیف
سند ہے۔ مسند ابو یعلی تفسیر ابن مردویہ مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے اور حاکم اسے صحیح بتاتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک
سے بھی اسی کے مثل مرفوعا مروی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے
اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف
کی طرف منہ کر لیا ہے ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی کی دو رکعتیں
ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف ادا کیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر
ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔ (تفسیر جامع البیان، ابن ابی حاتم رازی، ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ ایمان تصدیق، اقرار اور عمل کا نام ہے جس کی تصدیق میں خلل ہو وہ
منافق ہے جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں خلل ہو وہ فاسق ہے وہ دوزخ کے دائمی عذاب سے
نجات پالے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا امام رازی نے کہا: اس مسلک پر یہ قوی اشکال ہے کہ جب اعمال ایمان کا جز
ہیں اور جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے تو بے عمل شخص مومن کیسے ہوگا؟ اور وہ کیسے مسلک پر یہ قوی اشکال ہے جب اعمال
ایمان کا جز ہیں اور جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے تو بے عمل شخص مومن کیسے ہوگا؟ اور وہ کیسے دوزخ سے خارج اور جنت
میں داخل ہوگا؟ اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ شارع کے کلام میں ایمان کبھی اصل ایمان کے معنی میں ہوتا ہے اور اصل ایمان
میں اعمال کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس سے ملاقات پر اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لاؤ
اور اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے
روزے رکھو۔ (صحیح مسلم)

اور کبھی شارع کے کلام میں ایمان ایمان کامل کے معنی میں ہوتا ہے جس میں اعمال داخل ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آپ نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا زکوۃ ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے خمس ادا کرنا۔ (صحیح مسلم)

پہلی حدیث میں ایمان اصل ایمان یا نفس ایمان کے معنی میں ہے اور اس دوسری حدیث میں ایمان ایمان کامل کے معنی میں ہے اور جن احادیث میں اعمال کی نفی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور جن احادیث میں عمل کی نفی کی باوجود ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہے اس کی مثال یہ ہے:

جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں ایمان کامل کی نفی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جس شخص نے بھی لا الہ الا اللہ کہا پھر اسی پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو! آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں نفس ایمان مراد ہے: خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس کا رجوع ایمان کی تفسیر کی طرف ہے اور ایمان کا کون سا معنی منقول شرعی ہے اور کون سا معنی مجاز ہے اس میں اختلاف ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس ایمان کی وجہ سے دوزخ میں دخول سے نجات ملتی ہے وہ ایمان کامل ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور جس ایمان کی وجہ سے دوزخ کے خلود سے نجات ملتی ہے وہ نفس ایمان ہے اس میں اہل سنت کا اتفاق ہے اور خوارج اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ سلف اور امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو اعمال کو ایمان کا جز کہا ہے اس ایمان سے ان کی مراد ایمان کامل ہے نہ کہ نفس ایمان یا اصل ایمان مراد ہے اور جب وہ کسی بے عمل یا بدعمل شخص پر مومن کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نفس ایمان ہوتی ہے نہ کہ ایمان کامل وہ کہتے ہیں کہ اس شخص میں ہر چند کہ ایمان کامل نہیں ہے لیکن وہ نفس ایمان کی وجہ سے نجات پا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۱۰۴۔۱۰۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر ۱۳۴۸ھ)

مومن ہونے کے لیے فقط جاننا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے۔

علامہ بدرالدین عینی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں: ایمان کی تعریف میں جو تصدیق بالقلب معتبر ہے اس سے مراد علم معرفت اور جاننا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق

کرنا اور آپ کو مخبر صادق ماننا ہے کیونکہ بعض کفار بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانتے تھے لیکن وہ مومن نہیں تھے قرآن مجید میں ہے؛

(آیت) الذین اتینھم الکتب یعرفونه کما یعرفون ابنآء ھم (البقرہ: ۱۴۶)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے حکایت کی ہے انہوں نے فرعون سے فرمایا:

(آیت) قال لقد علمت ما انزل ھؤلآء الا رب السموت والارض بصآئر، وانی لاظنك یفرعون مثبورا ۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۲)

ترجمہ: موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: یقیناً تو جانتا ہے کہ ان (چمکتی ہوئی نشانیوں) کو آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی اتارا ہے جو آنکھیں کھولنے والی ہیں اور اے فرعون! میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی رسالت کا کفار اور فرعون کو علم تھا، اس کے باوجود وہ کافر تھے اور وہ مومن نہیں تھے نیز اس سے واضح ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لیے صرف جاننا کافی نہیں ہے ماننا ضروری ہے یعنی اپنے قصد اور اختیار سے مخبر کی طرف صدق کو منسوب کرے اور اسے اس کی دی ہوئی خبروں میں صادق قرار دے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۰۵۔۱۰۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

ہم نے ذکر کیا تھا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیق بالقلب ہے اس پر محققین نے حسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

(آیت) اولئك کتب فی قلوبھم الایمان ۔ (المجادلہ: ۲۲)

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرمادیا۔

(آیت) قالوا امنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم ۔ (المائدہ: ۴۱)

ترجمہ: انہوں نے اپنے منہ سے کہا: ہم ایمان لائے ہیں، حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔

(آیت) قالت الاعراب امنا، قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ۔ (الحجرات: ۱۴)

ترجمہ: دیہات کے لوگوں نے کہا: ہم ایمان لائے آپ فرمائیں: تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو: ہم نے اطاعت کیا ہے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

ان آیات میں ایمان کا محل قلب کو قرار دیا ہے اور قلب میں تصدیق ہوتی ہے اقرار کا محل زبان اور اعمال کا تعلق باقی

اعضاء سے ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

صرف اقرار باللسان کے ایمان نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

(آیت) ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین (البقرہ: ۸)

ترجمہ: اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں

زبان سے اقرار کے باوجود ان لوگوں کو اس لیے مومن نہیں قرار دیا گیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق نہیں کی تھی نیز قرآن مجید میں ہے:

(آیت) اذا جآءك المنفقون قالوا نشھد انك لرسول اللہ، واللہ یعلم انك لرسولہ واللہ یشھد ان المنفقین کذبون (المنافقون)

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں

ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات دلیل ہیں:

(آیت) ان الذین امنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنت الفردوس نزلا: (الکھف: ۱۰۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے جنت الفردوس کی مہمانی ہے

اس آیت میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں اصل تغایر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں اور ایمان میں داخل نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ایسی بہت آیات ہیں:

(آیت) من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ۔ (النحل: ۹۷)

ترجمہ: جس نے نیک عمل کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اس آیت میں اعمال کو مشروط اور ایمان کو شرط قرار دیا ہے اور مشروط شرط سے خارج ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اور اسی نہج پر یہ آیات ہیں:

(آیت) ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مؤمن فاولئك یدخلون الجنۃ ۔ (النساء: ۱۲۴)

ترجمہ: اور جس نے نیک کام کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

(آیت) ومن یعمل من الصلحت وھو مؤمن فلا یخف ظلما ولا ھضما (طٰہٰ: ۱۱۲)

ترجمہ: اور جس نے نیک کام کیے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کو ظلم کا خوف ہوگا نہ کسی نقصان کا

(آیت) واصلحوا ذات بینکم، واطیعوا اللہ ورسوله ان کنتم مؤمنین (الانفال: ۱)

ترجمہ: اور اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو بہ شرطیکہ تم مومن ہو

قرآن مجید میں مرتکب کبیرہ پر بھی مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اگر نیک اعمال ایمان کا جز ہوتے تو معصیت کبیرہ کرنے والے پر مومن کا اطلاق نہ کیا جاتا۔

(آیت) یایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی (البقرہ: ۱۷۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر ان کا بدلہ فرض کیا گیا ہے جن کو ناحق قتل کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور اس آیت میں قاتل پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(آیت) وان طآئفتن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما ۔ (الحجرات: ۹)

ترجمہ: اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کرادو۔

جب دو جماعتیں قتال کریں گی تو ان میں سے ایک حق پر اور دوسری باطل پر ہوگی اور اس آیت میں دونوں جماعتوں پر مومنوں کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(آیت) وتوبوا الی اللہ جمیعا ایه المؤمنون ۔ (النور: ۳۱)

ترجمہ: اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔

توبہ معصیت پر واجب ہوتی ہے۔ اس آیت میں مومنین کو توبہ کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ معصیت ایمان کے منافی نہیں ہے اور اسی نہج پر یہ آیت ہے:

(آیت) یایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبة نصوحا ۔ (التحریم: ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشہاد

ائمہ ثلاثہ محدثین اور دیگر اسلام جن کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے انہوں نے بہ کثرت احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے بعض احادیث یہ ہیں:

امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے ساٹھ اور کچھ حصے ہیں اور حیاء بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان

اور ہاتھ (کے ضرر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کر دے۔

(صحیح بخاری ج۱ص۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ کو ادا کریں، اور جب وہ یہ کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے ماسوا اس کے جو اسلام کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج۱ص۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا معنی جانتے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آپ نے فرمایا: یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔

(صحیح بخاری ج۱ص۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

ان احادیث میں ایمان کے متعدد اجزاء بیان کئے گئے ہیں اور جو شخص ان اجزاء میں سے کسی جز پر عمل کو ترک کرے گا اس کا ایمان اس شخص سے کم ہوگا جو ان تمام اجزاء پر عمل کرے گا۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کا جواب

مذکورہ الصدر آیات اور احادیث سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اگر اعمال کم ہوں گے تو ایمان زیادہ ہوگا۔

ان تمام آیات اور احادیث کا جواب یہ ہے کہ تمام آیات اور احادیث ایمان کامل پر محمول ہیں اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں، اور نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں اور ان آیات اور احادیث میں نفس ایمان بالاتفاق مراد نہیں ہے۔

امام رازی نے کہا: یہ بحث لفظی ہے کیونکہ اگر ایمان سے مراد تصدیق ہو تو وہ کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا اور اگر اس سے مراد عبادات ہوں تو وہ کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے پھر امام نے کہا: عبادات تصدیق کی تکمیل کرتی ہیں اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا، ان سے مراد اصل ایمان اور نفس ایمان ہے اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے ان سے مراد ایمان کامل ہے جس میں اعمال داخل ہیں۔

بعض متاخرین نے یہ کہا ہے: حق یہ ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے خواہ ایمان تصدیق اور اعمال کا مجموعہ ہو یا فقط تصدیق کا نام ہو کیونکہ تصدیق بالقلب وہ اعتقاد جازم ہے جو قوت اور ضعف کو قبول کرتا ہے کیونکہ جس شخص کو ہم قریب سے دیکھتے ہیں اس کی ہمیں اس سے زیادہ تصدیق ہوتی ہے جس کو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ حق یہ ہے کہ تصدیق دو وجہوں سے کمی اور زیادتی کو قبول کرتی ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تصدیق

کیفیت نفسانیہ ہے جیسے خوشی غم اور غصہ وغیرہ کیفیات نفسانیہ ہیں اوران میں قوت ضعف اور کمی اور زیادتی ہوتی ہے اسی طرح تصدیق میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتو لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام افراد امت کا ایمان برابر ہو اور یہ اجماعا باطل ہے اور دوسری وجہ سے تصدیق تفصیلی، کیونکہ انسان کو جس جس چیز کے متعلق علم ہوتا جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لے کر آئے ہیں، اس کا ایمان اس کے ساتھ متعلق ہوتا جائے گا اور ایمان زیادہ ہوتا جائے گا۔

بعض علماء نے اس تفصیل میں یہ کہا ہے کہ پہلے انسان اجمالی طور پر تمام شریعت پر ایمان لاتا ہے پھر جیسے جیسے اس کو احکام شرعیہ کی تفصیل کا علم ہوتا جاتا ہے وہ ان سب پر ایمان لاتا جاتا ہے اور یوں اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ زیادہ غور وفکر کرنے اور کثرت دلائل سے ایمان زیادہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صدیقین اور علماء راسخین کا ایمان دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تشکیک اور مغالطہ آفرینی سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ا ص ۱۰۹۔۱۰۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

ایمان شرعی کا بیان

امام قرطبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ ایمان شرعی ہے جس کی طرف حدیث جبریل میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جب جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: مجھے ایمان کے متعلق بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب، رسل، آخرت کے دن پر ایمان لائے اور خیر وشر کی تقدیر پر ایمان لائے۔ جبریل امین نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ (آگے مکمل حدیث ذکر کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: کوئی مومن ایمان بالغیب سے افضل ایمان نہیں لایا۔ پھر یہ آیت پڑھی: الذین یؤمنون بالغیب ۔

میں کہتا ہوں۔ قرآن حکیم میں ہے وما کنا غائبین (اعراف) (اور نہ تھے ہم ان سے غائب)۔

اور فرمایا: الذین یخشون ربھم بالغیب (انبیاء:49) (جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کی ذات آنکھوں سے غائب ہے، اس دنیا میں وہ دیکھی نہیں جاتی لیکن نظر واستدلال کے اعتبار سے غائب نہیں۔ یعنی وہ ایمان لاتے ہیں کہ ان کا رب قادر ہے وہ اعمال پر جزا دے گا، وہ اپنی خلوتوں میں بھی اس سے ڈرتے ہیں جہاں وہ لوگوں سے غائب ہوتے ہیں کیونکہ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر آگاہ ہے۔ اس اعتبار سے آیات متفق ہوجاتی ہیں اور ان میں تعارض نہیں رہتا۔ الحمدللہ۔

بعض علماء نے فرمایا: الغیب سے مراد لوگوں کے ضمائر اور قلوب ہیں بخلاف منافقین کے۔ یہ عمدہ قول ہے۔ شاعر نے کہا:

وبالغیب آمنا وقد کان قومنا یصلون للاوثان قبل محمد

ہم دل سے ایمان لائے جبکہ ہماری قوم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے۔۔۔کی عبادت کرتی تھی۔
(تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد:

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ایک بحث یہ ہے کہ آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ لغت میں اسلام کا معنی ہے: انقیاد (اطاعت) اور اذعان (ماننا اور تسلیم کرنا) اور اسلام کا شرعی معنی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اللہ کی اطاعت کرنا کلمہ شہادت پڑھنا واجبات پر عمل کرنا اور ممنوعات کو ترک کرنا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو نماز قائم کرو زکوۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اسلام کا اطلاق دین محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر بھی کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں: دین یہودیت دین نصرانیت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران: ۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

ذاق طعم الاسلام من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا ۔

جس شخص نے اللہ کو رب مان لیا اور اسلام کو دین مان لیا اس نے اسلام کا ذائقہ چکھ لیا۔

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام متغائر ہیں اور یہی صحیح ہے اور بعض محدثین متکلمین اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام شرعا مترادف ہیں علامہ خطابی نے کہا: ایمان اور اسلام مطلقاً متحد یا متغائر نہیں ہیں کیونکہ مسلم بعض اوقات مسلم ہوتا ہے اور بعض اوقات مسلم نہیں ہوتا (یعنی بعض اوقات اسلام کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور بعض اوقات نہیں کرتا) اور مومن ہر وقت مومن ہوتا ہے (یعنی ہر وقت انقیاد باطن کرتا ہے) لہذا ہر مسلم مومن ہوتا ہے اور ہر مومن مسلم نہیں ہوتا۔

ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استسلام اور انقیاد (اطاعت) ہے بسا اوقات انسان ظاہر میں اطاعت گزار ہوتا ہے اور باطن میں اطاعت گزار نہیں ہوتا اور کبھی باطن میں صادق ہوتا ہے اور ظاہر میں اطاعت گزار نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے جیسا کہ بعض فضلاء نے اس کی تصریح کی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ کبھی ایمان بغیر اسلام کے ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنی عقل سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور کسی نبی کی دعوت پہنچنے سے پہلے اللہ کے وجود اس کی

وحدت اور اس کی تمام صفات کی تصدیق کرے اسی طرح کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان لے آئے اور اقرار اور عمل کرنے سے پہلے اچانک مرجائے تو یہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے کیونکہ اس نے باطنی اور ظاہری اطاعت نہیں کی اور منافقین ظاہری اطاعت کرتے تھے اور باطنی اطاعت نہیں کرتے تھے تو وہ مسلم تھے مومن نہیں تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور بعد کے مسلمان مومن بھی ہیں اور مسلم بھی ہیں لہٰذا ایمان اور اسلام مفہوما متغائر اور مصداقا متحد ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: ایمان اور اسلام واحد ہیں کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد ہے یعنی احکام کو قبول کرنا اور ماننا اور یہ ایمان کی حقیقت ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی ان آیات سے ہوتی ہے:

(آیت) فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فماوجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین

(الذاریات: ۳۶-۳۵)

ترجمہ: اس بستی میں جو مومنین تھے ہم نے ان سب کو نکال لیا تو ہم نے اس میں مسلمین کے ایک گھر کے سوا (اور کوئی گھر) نہ پایا۔

اگر اسلام ایمان کا غیر ہو تو اس آیت میں مومنین سے مسلمین کا استثناء صحیح نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص مومن ہے اور مسلم نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے ایمان اور اسلام کے اتحاد سے ہماری یہی مراد ہے (یعنی ان دونوں کا مصداق واحد ہے خواہ مفہوم متغائر ہو) اور مشائخ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو مصداق کے لحاظ سے واحد اور مفہوم کے لحاظ سے متغائر مانتے ہیں، جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں اس کے اوامر اور نواہی کی تصدیق نہیں کرے گا انقیاد متحقق نہیں ہوگا اس لیے ایمان اسلام سے مصداق کے لحاظ سے الگ نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ۔ (الحجرات: ۱۴)

ترجمہ: دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے آپ فرمائیں: تم ایمان نہیں لائے ہاں! یہ کہو کہ ہم اسلام لائے (مطیع ہوئے ہیں)۔

اس آیت میں ایمان کے بغیر اسلام کے تحقق کی تصریح ہے ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ شریعت میں جو اسلام معتبر ہے وہ ایمان کے بغیر متحقق نہیں ہوتا اور اس آیت میں اسلام کا شرعی معنی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی تم ظاہری اطاعت کر رہے ہو باطنی اطاعت نہیں کر رہے جیسے کوئی شخص بغیر تصدیق کے کلمہ شہادت پڑھ لے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم کو استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں دلیل ہے اسلام اعمال کا نام ہے نہ کہ تصدیق قلبی کا اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اسلام سے مراد اسلام کے ثمرات اور اس کی علامات ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے وفد سے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ فقط اللہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا: یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔ (بخاری)

اس حدیث میں بھی ایمان سے مراد ایمان کی علامات اور اس کے ثمرات ہیں:

ایمان لانے کی فضیلت سے متعلق احادیث و آثار کا بیان

(۱) امام ابن جریر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت ھدی للمتقین سے (اللہ تعالیٰ) نے ان لوگوں کی تعریف اور ان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا لفظ آیت اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (یعنی جو غیب پر ایمان لاتے ہیں)

(۲) ابن اسحاق اور ابن جریر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیب کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا۔

(۳) امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لفظ آیت اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے مراد عرب کے مؤمنین ہیں پھر فرمایا اور ایمان سے مراد تصدیق ہے اور غیب سے مراد جو کچھ جنت اور دوزخ کے کاموں میں سے بندوں سے غائب ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا اس کی تصدیق اہل کتاب یا اس علم کی وجہ سے جو ان کے پاس ہے۔ اور لفظ آیت وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ اہل کتاب کے مؤمن مراد ہیں پھر دونوں فریقوں کی جمع کرتے ہوئے فرمایا لفظ آیت اولئک علی ھدی کہ یہ لوگ ہدایت پر ہیں۔

(۴) امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے مراد ہے (ایمان لانا) اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر اس کی جنت اور اس کی دوزخ پر اور آخرت کے دن پر اور اس کی ملاقات پر اور موت کے بعد زندگی پر۔

ایمان بالغیب کا مطلب

(۵) عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

سے مراد ہے ایمان لاؤ تم موت کے بعد اٹھنے پر، حساب پر، جنت اور دوزخ پر اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق کرو جو اس نے اس قرآن میں وعدے فرمائے۔

(۶) امام الطستی نے اپنے مسائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نافع بن ارزق نے ان سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ کے بارے میں بتایئے تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد ہے جو چیز غائب ہے جنت اور دوزخ کے معاملے میں سے۔ انہوں نے پھر کہا کیا عرب کے لوگ اس معنی کو جانتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! کیا تو نے ابو سفیان بن حرث کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا؟

وبالغیب امنا وقد کان قومنا یصلون الاوثان قبل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: کہ ہم غیب پر ایمان لائے اور ہم ایسی قوم تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔

(۷) امام ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مندہ اور ابو نعیم ان دونوں نے معرفۃ الصحابہ میں تویلہ بنت اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ظہر اور عصر کی نماز بنی حارثہ کی مسجد میں پڑھی ہم نے مسجد ایلیا (یعنی بیت المقدس) کی طرف رخ کیا۔ ہم نے دو سجدے کئے تھے کہ ہمارے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت الحرام کا (نماز میں) رخ فرمالیا ہے یہ سن کر مرد عورتوں کی جگہ پر لوٹ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ پر لوٹ گئیں پھر ہم نے باقی دو رکعتیں ادا کیں اس حال میں کہ ہم بیت الحرام کی طرف رخ کئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

(۸) سفیان بن عینیہ، سعید بن منصور، احمد بن منیع، نے اپنی سند میں ابن ابی حاتم، ابن الانباری نے المصاحف میں، حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور ابن مردویہ نے حرث بن قیس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ کے نزدیک اس چیز کا بھی حساب کیا جائے گا جو تم نے ہم سے سبقت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے سے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہارے ایمان لانے کا حساب کیا جائے گا۔ اگرچہ تم نے ان کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسولت کا امر بالکل واضح تھا۔ اس شخص کے لئے ہے جس نے آپ کو دیکھا اور اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ایمان غیب لانے والے سے افضل ایمان والا نہیں ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ لفظ آیت الٓمّٓ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ۔

(۹) البزار، ابو یعلی، المرھبی نے فضل العلم میں حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ اہل ایمان میں سے افضل کس کا ایمان ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح سے ہے اور یہ حق ہے ان کے لئے کہ وہ ایمان لائیں کوئی چیز ان کو ایمان لانے سے نہیں روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مرتبہ عطا فرمایا جو ان کو

مرتبہ عطا فرمانا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! انبیاء کا ایمان افضل ہوگا؟ جن کو اللہ تعالیٰ نے رسالت اور نبوت کے ساتھ نوازا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اسی طرح سے ہے اور یہ حق ہے ان کے لئے کہ وہ ایمان لائیں کوئی چیز ان کے ایمان لانے سے نہیں روکتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مرتبہ عطا فرمایا جو ان کو مرتبہ فرمانا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر شہید کا ایمان افضل ہوگا؟ جو انبیاء کے ساتھ شہید ہوئے۔ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح سے ہے۔ اور یہ حق ہے ان کے لئے کہ وہ ایمان لائیں۔ اور کوئی چیز ان کو ایمان لانے سے نہیں روکتی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیاء کرام کے ساتھ شہادت سے نوازا۔ بلکہ ان کے علاوہ اور لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا مردوں کی پشتوں میں وہ قومیں جو میرے بعد آئیں گی مجھ پر ایمان لائیں گی حالانکہ مجھے نہیں دیکھا ہوگا اور میری تصدیق کریں گے حالانکہ مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ پائیں گے لٹکے ہوئے کاغذ کو یعنی اللہ کی کتاب کو سو عمل کریں گے جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہوگا۔ سو یہی لوگ اہل ایمان میں سے افضل ایمان لانے والے ہیں۔

(۱۰) حضرت حسن بن عروہ نے اپنے مشہور حزب میں بیہقی نے دلائل میں اصبہانی نے الترغیب میں۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مخلوق میں سے تمہارے نزدیک کس کا ایمان زیادہ اچھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا اور کیا ہے ان کے لیے وہ ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں صحابہ نے عرض کیا انبیاء کا (ایمان اچھا ہے) آپ نے فرمایا اور کیا ہے۔ ان کے لئے وہ ایمان نہ لاتے حالانکہ وحی ان پر نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے پھر عرض کیا کہ ہم (ایمان میں اچھے ہیں) آپ نے فرمایا اور کیا ہے تم کو کہ تم ایمان نہ لاتے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ خبردار! بلاشبہ میرے نزدیک ایمان میں سے سب اچھے وہ لوگ ہیں۔ جو تمہارے بعد ہوں گے پائیں گے صحیفہ (یعنی اللہ کی کتاب) کو اور ایمان لائیں گے جو کچھ اس میں ہے۔

(۱۱) امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کچھ پانی ہے؟ صحابہ کرام ایک مشکیزہ لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس پانی پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا اور اپنی انگلیوں کو کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان موسیٰ (علیہ السلام) کے عصا کی طرح پانی ابلنے لگا آپ نے فرمایا اے بلال! لوگوں کو وضو کے لیے بلاؤ۔ سب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان وضو کرنے لگے۔ اور ابن مسعود نے پینے کا ارادہ کیا جب سب نے وضو کرلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی پھر آپ لوگوں سے باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ اور فرمایا اے لوگو! مخلوق میں سے ایمان کے اعتبار سے کون اچھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا فرشتے! آپ نے فرمایا کہ فرشتے کیوں ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ اللہ کے حکم کو دیکھ رہے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا پھر انبیاء کا ایمان سب سے اچھا ہے۔ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا انبیاء کیوں ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں اس وحی کو جو آسمان سے اترتی ہے لوگوں نے پھر عرض کیا کہ آپ کے صحابہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

صحابہ کیوں ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں اس کو جس کو وہ دیکھتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن لوگوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے اچھے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے جو مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ مجھے نہیں دیکھیں گے اور میری تصدیق کریں گے حالانکہ مجھے نہیں دیکھیں گے وہ میرے بھائی ہیں۔

(۱۲) امام اسماعیل نے اپنی معجم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کس کا ایمان زیادہ پسندیدہ ہے؟ کہا گیا فرشتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس طرح وہ ایمان نہ لائیں گے حالانکہ وہ تو آسمان میں ہیں اور اللہ تعالیٰ سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔ پھر کہا گیا انبیاء کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس طرح وہ ایمان نہ لائیں حالانکہ ان کے پاس وحی آتی ہے صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارا ایمان (سب سے اچھا ہے) آپ نے فرمایا کس طرح حالانکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور اس کے رسول تمہارے درمیان موجود ہے لیکن ایک قوم ہے جو میرے بعد آئے گی۔ مجھ پر ایمان لائے گی۔ حالانکہ مجھے نہیں دیکھے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ لوگ میرے بھائی ہیں اور تم میرے اصحاب ہو۔

(۱۳) البزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کون سی مخلوق کا ایمان زیادہ اچھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا فرشتے کیسے ایمان نہ لاتے؟ صحابہ نے پھر عرض کیا نبیوں کا آپ نے فرمایا نبیوں کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ لیکن لوگوں میں سب سے اچھا ایمان ان کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے اور وحی پر مشتمل کتاب کو پائیں گے اس پر مسند ایمان لائیں گے۔ اور اس کی تابعداری کریں گے سو لوگوں میں سے یہی لوگ زیادہ اچھے ایمان والے ہیں۔

(۱۴) ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کاش میں اپنے بھائیوں سے ملاقات کرتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے ساتھی آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں (تم میرے بھائی ہو) لیکن تمہارے بعد ایک قوم ایسی آئے گی تمہارے ایمان کی طرح جو مجھ پر ایمان لائے گی اور تمہاری تصدیق کی طرح تصدیق کرے گی اور تمہاری مدد کی طرح مدد کرے گی۔ اے کاش کہ میں اپنے بھائیوں سے ملاقات کرتا۔

بعد میں ایمان لانے والوں کی فضیلت

(۱۵) امام ابن عساکر نے الاربعین السباعیۃ میں ابو یزید کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کاش کہ میں اپنے بھائیوں سے ملاقات کرتا؟ صحابہ میں سے ایک صحابی نے عرض کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ تم میرے اصحاب ہو۔ اور میرے بھائی وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے نہ دیکھا ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لفظ آیت

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔

(۱۶) امام احمد، دارمی، الباوردی، ابن قانع نے معجم الصحابہ میں بخاری نے تاریخ میں طبرانی اور حاکم نے ابو جمعہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی قوم ہم سے زیادہ اجر والی ہے؟ ہم آپ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کی تابعداری کی۔ آپ نے فرمایا تمہیں ایمان لانے سے کس چیز نے روکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درمیان موجود ہیں۔ تمہارے پاس آسمان سے وحی آتی ہے بلکہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے ان کے پاس کتاب دو تختوں کے درمیان، وہ اس پر ایمان لائیں گے اور جو کچھ اس کتاب میں ہوگا اس پر عمل کریں گے وہ لوگ تم سے زیادہ اجر والے ہوں گے۔

(۱۷) امام ابن ابی شیبہ، ابن ابی عمر، احمد اور حاکم نے ابو عبدالرحمٰن جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس درمیان کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک دو سوار نمودار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں شخص کندی قبیلہ سے ہیں یا مذحج قبیلہ سے یہاں تک کہ جب وہ آئے تو وہ دونوں مذحج قبیلہ سے تھے۔ ان میں سے ایک آپ کے قریب ہوا تاکہ آپ سے بیعت کرے جب اس نے آپ کا ہاتھ پکڑا تو کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے بتایئے جو شخص آپ پر ایمان لائے آپ کی تابعداری کرے اور آپ کی تصدیق کرے تو اس کے لیے کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے لئے خوشخبری ہے اس شخص نے آپ کے ہاتھ مبارک کو چھوا اور چلا گیا پھر دوسرا آدمی آیا اور آپ کے ہاتھ مبارک کو پکڑا تاکہ آپ سے بیعت کرے کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے بتایئے جو شخص آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کرے اور آپ کی تابعداری کرے حالانکہ اس نے آپ کو نہیں دیکھا آپ نے فرمایا اس کے لئے خوشخبری ہے۔ پھر خوشخبری ہے پھر اس آدمی نے آپ کے ہاتھ مبارک کو چھوا اور چلا گیا۔

(۱۸) امام الطیالسی اور احمد اور بخاری نے تاریخ میں الطبرانی اور حاکم نے ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور سات مرتبہ خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے نہیں دیکھا۔

(۱۹) امام احمد، ابن حبان نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا پھر آپ نے فرمایا خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ اور خوشخبری ہے پھر خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے نہیں دیکھا۔

بن دیکھے ایمان لانے پر بشارت

(۲۰) امام طیالسی اور عبد بن حمید نے نافع رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے

پاس آ کر کہنے لگا اے ابوعبد الرحمٰن کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا؟ انہوں نے فرمایا ہاں! کہنے لگا آپ کے لیے خوشخبری ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی بات کی خبر نہ دوں جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا انہوں نے کہا ضرور بتائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے نہیں دیکھا۔

(۲۱) امام احمد ابو یعلی اور طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے لایا اور سات مرتبہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے نہیں دیکھا۔

(۲۲) امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے میری امت میں سے وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے ایک ان میں سے اس بات کو پسند کرے گا کہ میرے رؤیت (یعنی دیکھنے) کو اپنی اہل وعیال اور اپنے مال کے بدلہ میں خریدے۔ (تفسیر در منثور، سورہ بقرہ، بیروت)

ایمان سے متعلق بعض عقلی ونقلی ابحاث کا بیان

لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی کسی چیز کو سچا جاننا اور یقین کرنا اور یہ امن سے مشتق ہے کہ گویا ایمان لانے والے نے جس پر وہ ایمان لایا ہے اس کو مخالفت اور تکذیب سے امن میں کر دیا اور شرع میں ایمان ان چیزوں کا صدق دل سے یقین کرنا ہے کہ جن کا دینی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہو، یعنی قرآن مجید کی ظاہر عبارت یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی سے جو بات ثابت ہو اس پر یقین کرنا جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کریمہ علم وقدرت اور ملائکہ اور آسمانی کتابیں اور انبیاء اور مرنے کے بعد حساب وکتاب جزا وسزا کو برحق ماننا۔

پھر اس ایمان کے دو مرتبہ ہیں:

ایمان اجمالی: ایمان اجمالی کو مجملاً بلا تفصیلِ جزئیات دین محمدی کو برحق سمجھنا، جس کا خلاصہ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا ہے۔

ایمان تفصیلی: دوسرا ایمان تفصیلی کہ جس قدر امور شرح سے یقیناً ثابت ہیں اور جو باتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں ہر ایک کو برحق ماننا جس چیز پر ایمان اجمالی یا تفصیلی میں ایمان لانا ضرور ہے جو اس پر ایمان نہ لاوے گا انکار یا تکذیب کرے گا، کفر شرعی ثابت ہوگا کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ دراصل ایمان حقیقی تصدیق قلبی کا نام ہے۔ جیسا کہ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے کس لیے کہ ایمان کی ماہیت میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ صرف تصدیق ہے اور اس پر دلائلِ نقلیہ یہ ہیں۔ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَان اور وَكَتَبَ فِي قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَان اور وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ ان آیات میں ایمان کو قلب سے متعلق کیا گیا ہے اور قلب کا کام محض تصدیق ہے اور یہ بھی

آیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔اس آیت میں اعمال صالحہ کا عطف ایمان پر کیا گیا اور معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ نفس ایمان کا جزو نہیں بلکہ وہ صرف تصدیق ہے اور بہت سی جگہ اہل معاصی کو مومن بھی کہا ہے۔وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ۔ جس سے معلوم ہوا کہ برے اعمال سے نفس ایمان زائل نہیں ہوتا۔البتہ ترتیب احکام شرعیہ کے لیے زبان سے اقرار کرنا بھی شرط ہے اور کمال ایمان کے لیے اعمال صالحہ بھی ضروری ہے۔

بس جو شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہو اور زبان سے اقرار بھی اور اس کے ساتھ اعمال صالحہ بھی عمل میں لاتا ہو وہ بالاتفاق مومن کامل قرار دیا جائے گا کیونکہ تصدیق بالجنان اقرار باللسان عمل بالارکان سب پائے گئے اور جو دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اعمال اس کے خراب ہیں تو وہ جمہور اہل سنت کے نزدیک مومن فاسق ہے اور خوارج کے نزدیک کافر ہے اور معتزلہ بلکہ شیعہ کے نزدیک کافر تو نہیں بلکہ ایمان سے خارج ہے کیونکہ اس کے نزدیک اعمال صالحہ نفس ایمان کا جزو ہیں،مگر یہ زیادتی اور تعصب ہے اور ادلہ شرعیہ کے مخالف۔ ہاں ایمان کامل کا جزء اعمال صالحہ ہیں۔ پس اگر اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو ایمان کامل نہ ہوگا نہ یہ کہ نفس ایمان بھی نہ ہوگا اور جس کے دل میں تصدیق نہ ہوگی تو وہ کافر ہے اور اگر دل میں تصدیق نہ ہونے پر ظاہری اقرار بھی ہے تو اس کافر کو عرف شرع میں منافق کہتے ہیں۔اب یہ تصدیق خواہ اس کو تقلید سے حاصل ہو(اس کو ایمان تقلیدی کہتے ہیں)یا تحقیق سے(اور اس کو ایمان تحقیقی کہتے ہیں)اور خواہ یہ تحقیقی استدلالی ہو یا کشفی سب صورتوں میں محققین کے نزدیک ایمان معتبر ہوگا۔

یہ بحث کہ ایمان کم و زیادہ بھی ہوتا ہے یا نہیں اور اس قسم کی دیگر ابحاث محض نزاع لفظی ہیں ان کے بیان کرنے سے بجز اس کے سامع کا دماغ پریشان ہو اور کچھ نتیجہ نہیں۔

بالغیب: یہ غاب یغیب کا مصدر ہے غائب کی جگہ اس کو مبالغۃً استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ خفی چیز ہے کہ جو نہ حواس سے معلوم ہو نہ بداہۃً عقل اس کی مقتضی ہو۔اس کی دو قسم ہیں ایک وہ غیب کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں مراد ہے،وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ کہ خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا،البتہ اس قسم کے غیب کی قلب(محض حکم الٰہی کی وجہ سے)اجمالاً تصدیق کر سکتا ہے۔

دوسرا وہ کہ جس کے لیے دلائلِ عقلیہ باآواز بلند گواہی دے رہے ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور جزاء و سزا کا دن وغیرہ ذلک اس میں شک نہیں کہ پورا انقیاد اور کمال اطاعت بندہ کا جب ہے کہ وہ انبیا علیہم السلام کے فرمانے سے ان چیزوں پر بھی ایمان لا دے کہ جو اس کے مشاہدے سے باہر ہیں اور جن کے مشاہدہ کی اس کو طاقت نہیں ورنہ آنکھ سے دیکھی ہوئی اور ہاتھ سے ٹٹولی ہوئی اور زبان سے چکھی ہوئی چیز کی تو ہر شخص تصدیق کرتا ہے اور یہی حکمت ہے کہ نزع کے وقت کا(جبکہ بندہ کو اس عالم غائب کی چیزیں ملائکہ اور دوزخ و جنت دکھائی دینے لگیں)ایمان قبول نہیں اور اس کو ایمان یاس

کہتے ہیں اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم آیندہ آنے والوں کے ایمان کی زیادہ قدر دانی کرتے تھے، چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے کہ ایک روز حارث بن قیس نے جماعت صحابہ میں بیان کیا کہ اے صحابہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نہایت حسرت وافسوس ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک اضافی بہ نسبت مخلوق یعنی بعض اشیاء بعض بندوں سے مخفی ہیں، وہی چیزیں بعض دوسروں کے سامنے ہیں، جیسا کہ ایک گھر یا شہر کے رہنے والے کے سامنے اس گھر یا شہر کی چیزیں حاضر اور دور دراز کے شخص کے نزدیک جس نے ان کو نہ کبھی دیکھا نہ سنا، غیب یا غائب ہے۔ اسی طرح عالم ملکوت کی اشیاء ملائکہ یا مجردات یا ارواح طیبات حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام پر کسی وقت اشیاء حاضر اوروں کی نسبت جن کے نزدیک یہ اشیاء غائب ہیں۔ عام ہے کہ کبھی اس عالم ناسوت میں وہ ظہور کریں گی، جیسا کہ آنے والے واقعات مخبر صادق کے فرمان کے مطابق جس کو پیشین گوئی کہتے ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے اس حصہ میں غیب دانی سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع اولیاءِ کرام بمقتضائے مصلحتِ الٰہیہ بہرہ ور ہوئے ہیں۔

دوم غیب مطلق جس کو غیب الغیب بھی کہتے ہیں جبروت ولاہوت کے اسرار و دیگر اشیاء ان کا خزانہ اس کے پاس ہے اس میں سے جس مخصوص بندہ کو جس قدر چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے حصہ دیتا ہے اس پر بھی بقول مخبر صادق ایمان لانا واجب ہے۔

دیدار سے مشرف نہ ہوئے، ہائے اس دولت سے محروم رہ گئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ صحیح مگر ایک نعمت سے ہم محروم رہ گئے وہ تم کو نصیب ہے وہ یہ کہ تم بے دیکھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ خدائے تعالیٰ کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دیکھ لیا اس کے نزدیک آپ کی نبوت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی۔ ایمان تمہارا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لائے۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سفر میں صبح کے وقت ایک بار قافلہ میں وضو کو پانی نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھونڈوایا تو ایک آدمی کے پاس صرف ایک برتن میں قدرے پانی نکلا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنی انگلیاں ڈال دیں تو وہ فوارے کی طرح جوش مارنے لگا، بلال کو حکم دیا کہ پکارو سب آکر وضو کرلیں، سینکڑوں صحابہ نے وضو کیا اور خوب پیٹ بھر کر پانی پیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ تمام مخلوقات میں سے کس کا ایمان عجب تر ہے؟ لوگوں نے کہا ملائکہ کا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہیں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں وہ کیونکر ایمان نہ لاتے۔ لوگوں نے پھر عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ صدہا معجزات دیکھتے ہیں، ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے، البتہ عجب ان کا ایمان ہوگا جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور میرا نام سن کر صدق دل سے ایمان لائیں گے، وہ میرے بھائی ہیں اور تم اصحاب۔

ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن تم نے

ان آنکھوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں پھر اس نے کہا تم نے اپنی زبان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا تم نے اپنے ہاتھوں کو حضرت کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔

یہ سن کر وہ شخص حضرت کے شوق میں زار زار رونے لگا اور ایک حالت وجد اس پر طاری ہوگئی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میں تجھ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خوشحالی ہے اس کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس سے بھی زیادہ خوشحالی ہے اس کو کہ جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا۔ یہ روحانی جذبہ جواب تک چلا آتا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

عقیدہ توحید کی فرضیت کا بیان

اصل التَّوحید وَمَا یَصح الِاعتِقَاد عَلَیہِ یجب ان یَقُول آمَنت بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتہ وَکتبہ وَرُسُلہ والبعث بعد المَوت وَالقدر خَیرہ وشرہ من اللہ تعَالٰی والحساب وَالمِیزَان وَالجنَّة وَالنَّار وَذٰلِکَ کُله حق ۔

یہ اصل توحید کے بیان میں ہے اور ایسے مسائل توحید جن پر اعتقاد رکھنا صحیح ہے اور واجب ہے کہ وہ شخص یہ کہے کہ میں ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولان گرامی پر اور موت کے بعد زندہ ہونے پر اور اچھی بری تقدیر جو اللہ کی طرف سے ہے۔ اور میں حساب، میزان اور جنت ودوزخ پر یقین رکھتا ہوں اور یہ سب چیزیں برحق ہیں۔

ایمان کے بنیادی ارکان کی وضاحت درج ذیل آیات سے ہوتی ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُولِهٖ وَالْکِتَابِ الَّذِی نَزَّلَ عَلٰی رَسُولِهٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیٓ اَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِیدًا۝ (النساء، 136:4)

اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر جو اس نے (اس سے) پہلے اتاری تھی ایمان لاؤ، اور جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو بیشک وہ دور دراز کی گمراہی میں بھٹک گیا۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنزِلَ اِلَیهِ مِن رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُونَ کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلَآئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرہ، 285:2)

وہ رسول اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہل ایمان بھی، سب ہی (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

علاوہ ازیں متفق علیہ حدیث میں جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل امور پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے۔

فرشتوں پر ایمان

"ملائکہ" یعنی فرشتے ایک پوشیدہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والی مخلوق ہیں، ان میں "ربوبیت" اور "الوہیت" کی کوئی خصوصیت موجود نہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا فرمایا ہے اور ان کو اپنے تمام احکام پوری طرح بجالانے اور انہیں نافذ کرنے کی قدرت وقوت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ عِندَهُ لا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لا يَفْتُرُونَ ۝

ترجمہ: اور اسی کا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو اس کے ہاں ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں رات اور دن تسبیح کرتے ہیں سستی نہیں کرتے۔ (سورۃ الانبیاء، آیت 19-20)

فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی صحیح تعداد کوئی نہیں جانتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قصہ معراج والی حدیث میں ہے: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان پر "بیت المعمور" پر پہنچے تو دیکھا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جو اس میں ایک بار (نماز پڑھ کر) چلا جاتا ہے دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتا، یعنی پھر کبھی اس کی واپسی کی نوبت نہیں آتی۔"

(صحیح بخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیہم، حدیث: 3207، وصحیح مسلم، الایمان، باب الاسراء برسول اللہ، حدیث: 164)

فرشتوں پر ایمان لانا چار امور پر مشتمل ہے۔

فرشتوں کے وجود پر ایمان

جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم ہیں ان پر ایمان مفصل اور جن فرشتوں کے نام معلوم نہیں ان سب پر اجمالا ایمان لانا۔

فرشتوں کی جن صفات کا ہمیں علم ہے ان پر ایمان لانا جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

میں نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھا۔ان کے چھ سو پر تھے اور انہوں نے افق کو بھر رکھا تھا۔یعنی پوری فضا پر چھائے ہوئے تھے۔(مسند احمد:1/407، 412، 460۔)

کبھی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل وصورت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے متعلق معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا تو وہ ان کے پاس ایک عام انسان کی شکل میں آئے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔وہ ایک ایسے شخص کی شکل میں آئے تھے کہ ان کے کپڑے انتہائی سفید اور سر کے بال غیر معمولی طور پر سیاہ تھے اور ان پر سفر کے آثار بھی نہیں تھے، صحابہ میں سے کوئی بھی انہیں نہیں پہچانتا تھا۔وہ اپنے گھٹنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے۔انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام، ایمان، احسان، قیامت کی گھڑی اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب دیتے رہے۔پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

هذا جبريل اتاكم يعلمكم دينكم

یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔" (صحیح مسلم، الایمان، باب الایمان ما ھو؟ وبیان خصالہ، حدیث: 9، 10)

اسی طرح وہ فرشتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہم السلام کے پاس بھیجا تھا وہ بھی انسان ہی کی شکل میں آئے تھے۔

فرشتوں کے ان اعمال پر ایمان لانا جو ہمیں معلوم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دیتے ہیں، مثلاً اللہ عزوجل کی تسبیح کرنا اور دن رات مسلسل بغیر تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے اس کی عبادت کرنا وغیرہ۔بعض فرشتے مخصوص اعمال کے لیے مقرر ہیں۔جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جبریل امین

اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے پر مامور ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ساتھ انہیں اپنے نبیوں اور رسولوں کے پاس بھیجا ہے۔

میکائیل

ان کے ذمہ بارش اور نباتات (یعنی روزی) پہنچانے کا کام ہے۔

اسرافیل

قیامت کی گھڑی اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت صور پھونکنے پر مامور ہیں۔

موت کا فرشتہ

موت کے وقت روح قبض کرنے پر مامور ہے۔

مالک

یہ فرشتہ داروغہ جہنم ہے۔

جنین پر مامور فرشتے

اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو شکم مادر میں جنین (بچے) پر مامور ہیں، چنانچہ جب انسان ماں کے رحم میں چار ماہ کی مدت پوری کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی موت، اس کے عمل اور اس کے بد بخت یا سعادت مند ہونے کو احاطہ تحریر میں لاتا ہے۔

بنی آدم کے اعمال کی حفاظت پر مامور فرشتے

ہر شخص کے اعمال کی حفاظت اور انہیں لکھنے کے لیے دو فرشتے مقرر ہیں جن میں سے ایک انسان کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب رہتا ہے۔

مُردوں سے سوال کرنے پر مامور فرشتے

جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت سوال کرتے ہیں۔

کتابوں پر ایمان لانا

رسولوں پر ایمان لانا

یوم آخرت پر ایمان لانا

تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان لانا۔ (بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبریل، 1:27، رقم:50)

وحدت اور وجود کے معنی و مفہوم کا بیان

وحدت کا لفظی معنیٰ ہے ایک اور وجود کا معنیٰ ہے ہست یا ہونا جس کا متضاد نیست ہے۔ اس لیے وحدۃ الوجود سے مراد وجود کا اکیلا پن ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک وجود سے مراد وہ چیز ہے جو موجود ہے۔ انہوں نے اس کی تین قسمیں بنائی ہیں۔

واجب الوجود

ممکن الوجود

ممتنع الوجود۔

واجب الوجود ایسے وجود کو کہتے ہیں جو اپنے ہونے اور قائم رہنے میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو۔ یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، اس کے علاوہ کوئی اور ذات واجب الوجود نہیں ہے۔

ممکن الوجود ایسے وجود کو کہتے ہیں جو موجود ہونے میں کسی کا محتاج ہو اور اس کو قائم رہنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت ہو۔ کائنات اور اس میں موجود تمام مخلوقات ممکن الوجود ہیں، یہ وجود تو ہیں لیکن کامل درجہ کا وجود نہیں ہیں۔

ممتنع الوجود ایسا وجود ہے جو نہ تو از خود ہو اور نہ ہی موجود ہونے میں کسی کا محتاج ہو۔ ایسا وجود پوری کائنات میں نہیں ہے۔

لہٰذا باقی دو قسم کا وجود رہ گیا: واجب الوجود اور ممکن الوجود۔ چونکہ کامل درجہ کا وجود صرف ایک ہی ہے جو کہ واجب الوجود ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے اس لیے صوفیاء نے وحدۃ الوجود کا نظریہ پیش کیا جس کے مطابق حقیقی معنوں میں کامل وجود صرف ایک ہی ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے اور باقی تمام موجودات ممکن الوجود ہیں۔

عقیدہ وحدت الوجود اور دیوبندی اکابر

وحدت الوجود کا معنیٰ:

ضامن علی جلال آبادی نے ایک زانیہ عورت کو کہا: "بی تم شرماتی کیوں ہو؟ کرنے والا کون اور کرانے والا کون؟ وہ تو وہی ہے" استغفر اللہ (تذکرۃ الرشید ج2 ص 242)

اس ضامن علی کے بارے میں رشید احمد گنگوہی نے مسکرا کر فرمایا: "ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے" (ایضاً ص 242)

تمام موجودات کو اللہ کا وجود خیال کرنا اور وجود ماسوا کو محض اعتباری سمجھنا، جیسے قطرہ حباب، موج اور قعر وغیرہ سب کو پانی معلوم کرنا۔ (حسن اللغات فارسی اُردو ص: 941)

صوفیوں کی اصطلاح میں تمام موجودات کو اللہ کا وجود ماننا اور ماسوا کے وجود کو محض اعتباری سمجھنا۔

(علمی اُردو لغت، تصنیف وارث سرہندی ص (1551)

حاجی امداد اللہ حنفی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے؛ موصوف برصغیر میں وحدت الوجود کے نظریے کو برصغیر کے احناف میں پھیلانے کے حوالے سے سرفہرست ہیں، حاجی امداد اللہ (مہاجر مکی) نے لکھا ہے:

" نکتہ شناسا مسئلہ وحدت الوجود حق وصحیح ہے۔ اس مسئلے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ فقیر ومشائخ فقیر اور جن لوگوں فقیر سے بیعت کی ہے، سب کا اعتقاد یہی ہے، مولوی قاسم مرحوم ومولوی رشید احمد ومولوی یعقوب، مولوی احمد حسن صاحب ہم فقیر کے عزیز ہیں اور فقیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ (شمائم امدادیہ ص 32 وکلیات امدادیہ ص 218)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے بارے میں اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ "حضرت صاحب کے وہی عقائد ہیں جو اہل

حق کے ہیں"(امداد المشتاق ج5 ص 270)

حاجی امداد اللہ صاحب لکھتے ہیں: اس مرتبے میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچا تا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں"(کلیات امدادیہ ضیاء القلوب ص 35،36)

حاجی صاحب مزید لکھتے ہیں: اور اس کے بعد اس کو ہو ہو ہو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہو جانا چاہیے کہ خود مذکور (اللہ) ہو جائے۔(کلیات امدادیہ ص:18)

حاجی امداد اللہ حنفی دیوبندی کا عقیدہ دوسری جگہ پر ملاحظہ فرمائیں: وہ کہتا ہے: خدا کو خدا کہنا توحید نہیں ہے، خدا کو دیکھنا توحید ہے۔(کلیات امدادیہ:220)

اسی طرح ایک جگہ موصوف رقم طراز ہیں: معلوم شد کہ در عابد و معبود فرق کردن شرک است
یعنی معلوم ہوا کہ عابد (مخلوق) اور معبود (خالق) میں فرق کرنا شرک ہے،(کلیات امدادیہ)

رشید احمد گنگوہی نے اللہ پاک کو مخاطب کرتے ہوتے ہوئے لکھا ہے:"یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے۔ جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں۔ تیرا ظل ہے۔ تیرا ہی وجود ہے، میں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں اور جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے"۔ استغفر اللہ (مکاتب رشیدیہ ص 10 وفضائل صدقات حصہ دوم ص (556)

دیوبندی لوگ بلا شک و شبہ پکے وحدت الوجودی ہیں، ان کے تمام اکابرین اس عقیدہ پر متفق تھے۔ عبدالحمید سواتی دیوبندی لکھتے ہیں:

علمائے دیوبند کے اکابر مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا مدنی اور دیگر اکابر مسئلہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔

(مقالات سواتی، حصہ اول، ص ۳۷۵)

خلاصہ یہ ہے کہ دیوبندی اکابر اس وحدت الوجود کے قائل ہیں جس میں خالق و مخلوق، عابد و معبود، اور خدا اور بندے کے درمیان فرق مٹا دیا جاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی اور وجد کی کیفیت

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ وجد کی کیفیت میں تھے۔ اس کیفیت میں انہوں نے برملا خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ میں خدا ہوں اور میری عبادت کرو۔ جب صبح ہوئی آپ کی یہ کیفیت زائل ہو چکی تھی۔ لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا تھا جو کہ درست نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر دوبارہ میں ایسا دعویٰ کروں تو تم میرے جسم میں چھریاں پیوست کر دینا۔ اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک ہے لیکن میں تو جسم کا حامل ہوں۔ لہٰذا تم مجھے قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرنا۔ مریدوں نے آپ کے حکم کے مطابق چھریوں کا بندوبست کر لیا اور وقت بھی جلد آیا جب آپ دوبارہ اسی کیفیت کا شکار ہوئے اور دوبارہ وہی دعویٰ دہرایا بلکہ اس سے بھی سخت انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ کیوں خدا کو زمین و آسمان

میں ڈھونڈتے ہو وہ تو میرے جبے میں ہے اسی میں تلاش کرو۔ میرے جبے میں ماسوائے خدا کچھ نہیں ہے لہٰذا مرید ان پر چھریوں سے حملہ آور ہوئے اوران پر پے درپے چھریوں کے وار کئے ،لیکن جو مرید بھی ان کے جسم میں چھری پیوست کرتا زخم اس کے اپنے جسم پر لگتا اور بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کسی بھی قسم کے زخم سے محفوظ و مامون رہے۔ یہ واقعہ رات کو پیش آیا تھا صبح کے وقت جب یہ واقعہ دیگر لوگوں کے علم میں آیا تب سینکڑوں لوگ آپ کے آستانے پر حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کے لباس میں کسی فرد واحد کا جسم پنہاں نہیں ہے بلکہ دونوں جہاں آباد ہیں۔ اگر یہ انسانی جسم ہوتا تو چھریوں کے پے درپے حملوں سے زخموں سے چور ہو جاتا۔

تفسیر نعیمی میں خلاصہ تفسیر کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ درج ہے کہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کی تجلی مخلوق پر نہیں پڑی اوران کو کسی معنی سے مخلوق کے لیے استعمال نہیں کر سکتے جیسے: واجب الوجود۔ معبود۔ خالق۔ قدیم ،اور بعض کے نزدیک رحمان بھی۔۔۔۔ الیٰ اخرہ

جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں، مفتی صاحب علیہ الرحمہ ایک خاص سیاق وسباق کے تحت بغرضِ تفہیم نفسِ مسئلہ کو سہل انداز میں بیان فرما رہے ہیں، نہ کہ مدار الوہیت کی تعریف بمطابق کتب عقائد پیش کرنے کا التزام۔ دیکھیے، جاء الحق میں جن چار کو بیان فرمایا ان میں معبود ہونے کا ذکر نہیں، جبکہ تفسیر نعیمی میں یہ مذکور۔ اس (استحقاق عبادت) کے بغیر جاء الحق میں چار کا عدد یوں پورا ہو رہا ہے کہ قدیم ہونے کے ساتھ نہ مرنے کو علیحدہ سے ذکر کیا، حالانکہ جو ذات ازلی ہو، وہی ابدی بھی ہوتی ہے، جیسا کہ المعتقد المنتقد کے صفحہ 40 پر ہے

اور رہا ثانی الذکر (یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے قدم وبقاء کا ثبوت دلیل عقلی سے) تو یہ اس دلیل سے کہ اگر وہ قدیم نہ ہوگا تو محدث کا محتاج ہوگا۔ اب اگر وہ محدث قدیم ہے تو وہی ہماری مراد ہے، ورنہ ہم یہی کلام محدث حادث کے متعلق نقل کریں گے اوراسی طرح کرتے رہیں گے۔ اب اگر تسلسل بیحد ونہایت ہو تو اس سے کسی محدث کا اصلاً حاصل نہ ہونا لازم آئے گا، لیکن حصول محدث بالبداہت ثابت ہے۔ تو ضروری ہوگا کہ یہ سلسلہ ایک ایسے موجد کی طرف منتہی ہو جس کے لیے کوئی ابتدا نہ ہو، تو اس کا قدیم ہونا لازم ہوگا۔ اور جب اس کا قدیم ہونا ثابت، تو اس کا معدوم ہونا محال، اس لیے کہ بقا کے لیے قدیم ہونا ملزوم ہے۔ اس لیے کہ قدیم واجب الوجود ہے۔ اوراگر اس ذات پر عدم جائز ہو تو یہ پلٹ کر جائز الوجود ٹھہرے گی۔ حالانکہ دلیل سے اس کے قدم اوراس کے وجود کا وجوب ثابت ہو گیا، لہٰذا اس کا معدوم ہونا محال ہے۔

اس سے قبل صفحہ 38 پر ہے۔ وجود باری تعالیٰ واجب ہے یعنی عقلاً وشرعاً بذاتہ لازم وضروری ہے۔ بذاتہ کا مطلب ہے کہ وہ اپنے مقتضاء ذات سے موجود ہے نہ کہ کسی علت سے، تو ازلاً وابداً قابل عدم نہیں جیسا کہ ممتنع الوجود بذاتہ اصلاً وجود کا قابل نہیں اور وہی محال ہے۔

یعنی قدیم ہونے اور نہ مرنے کو الگ سے ذکر کرنا محض سمجھانے کے لیے ہے، ورنہ جو قدیم ہے وہی باقی ہے۔ اور

المعتقد المنتقد کے مطابق قدیم واجب الوجود ہے۔ اس اعتبار سے واجب الوجود کا ذکر قدم و بقاء کو شامل ہوا۔ باقی رہی تخلیق، تو المعتقد المنتقد کی عبارت کے مطابق واجب الوجود وہ ہے جو اپنے مقتضاء ذات سے موجود ہو، نہ کہ کسی علت سے، جبکہ مخلوق اپنے مقتضاء ذات سے موجود نہیں ہوتی بلکہ اپنے وجود کے لیے محتاج ہوتی ہے کسی موجد کی۔ اور خالق یا موجد وہ ہے جو قدیم ہو، اور قدیم واجب الوجود ہے۔ گویا واجب الوجود ہونا تخلیق کو بھی شامل۔ یوں جاء الحق اور تفسیر نعیمی کی نقل کردہ عبارات میں واجب الوجود ہونا اور معبود ہونا اپنی جامعیت کے اعتبار سے دیگر مذکورات کے محاصر۔

آپ نے مزید لکھا واجب کا مفہوم اس طرح ہے کہ اسکا وجود ایجاد غیر کا ثمر نہیں بلکہ ذاتی ہے۔ قدیم کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مسبوق بالعدم نہیں ہے۔

المعتقد المنتقد کی عبارت دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

اگر وہ قدیم نہ ہوگا تو محدث کا محتاج ہوگا۔ اب اگر وہ محدث قدیم ہے تو وہی ہماری مراد ہے، ورنہ ہم یہی کلام محدث حادث کے متعلق نقل کریں گے اور اسی طرح کرتے رہیں گے۔ اب اگر تسلسل بیحد و نہایت ہو تو اس سے کسی محدث کا اصلاً حاصل نہ ہونا لازم آئے گا، لیکن حصول محدث بالبداہت ثابت ہے۔ تو ضروری ہوگا کہ یہ سلسلہ ایک ایسے موجد کی طرف منتہی ہو جس کے لیے کوئی ابتدا نہ ہو، تو اس کا قدیم ہونا لازم ہوگا۔ اور جب اس کا قدیم ہونا ثابت، تو اس کا معدوم ہونا محال، اس لیے کہ بقا کے لیے قدیم ہونا ملزوم ہے۔ اس لیے کہ قدیم واجب الوجود ہے۔ اور اگر اس ذات پر عدم جائز ہو تو یہ پلٹ کر جائز الوجود ٹھہرے گی۔

یہاں دونوں اصطلاحات کے مفہوم پر بحث نہیں۔ میری گزارش صرف اتنی ہے کہ جب واجب الوجود کا ذکر بطور معیار الوہیت آ گیا، تو یہ قدم و بقاء و تخلیق کو شامل ہوگا، الگ سے انہیں بطور خاص معیار الوہیت شمار کرنے کی حاجت نہیں رہے گی، البتہ بطور صفات ان کا ذکر انفرادی طور پر کرنا دوسری بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان

وحدانية الله تعالٰى

وَاللهُ تَعَالٰى وَاحِدٌ لَا من طَرِيقِ الْعَدَدِ وَلٰكِن من طَرِيقِ انه لَا شريك لَهٗ لم يلد وَلم يُولد وَلم يكن لَهٗ كفوا احد لَا يشبه شَيْئًا من الْاَشْيَاء من خلقه وَلَا يُشبههُ شَيْء من خلقه لم يزل وَلَا يزَال باسمائه وَصِفَاته الذاتية والفعلية

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے نہ کہ عدد کے اعتبار سے بلکہ اس اعتبار سے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ تو اس کو کسی نے جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور اس کو کوئی ہمسر نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں سے

کسی کے مشابہ نہیں اور نہ ہی اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ وہ اپنے اسماء اور صفات ذاتیہ وفعلیہ میں ہمیشہ سے ہے جو کبھی بھی ختم ہونے والا نہیں۔

توحید کا لغوی معنی

توحید وحدت سے بنا ہے جس کا معنی ہے: ایک کو ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا۔ ائمہ لغت نے توحید کی تعریف اس طرح کی ہے:

التوحيد تفعيل من الوحدة، وهو جعل الشيء واحداً، والمقصود بتوحيد الله تعالى اعتقاد انه تعالى واحد في ذاته وفي صفاته وفي افعاله، فلا يشاركه فيها احد ولا يشبهه فيها احد.

توحید الوحدۃ سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس سے مراد کسی چیز کو ایک قرار دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں واحد و یکتا ہے ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ۔

توحید کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

شریعت کی اصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور جملہ اوصاف و کمالات میں یکتا و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں، کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔

۱۔ امام ابوجعفر الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ (321ھ) عقیدۂ توحید کی تشریح کرتے ہوئے اس کے شرعی و اصطلاحی مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

نقول في توحيد الله معتقدين بتوفيق الله: اِن الله وَاحِدٌ لا شريك له . ولا شيء مثله ولا شيء يعجزه، ولا الٰه غيره، قديم بلا اِبتداءٍ، دائم بلا انتهاءٍ. لا يفنى ولا يبيد. ولا يكون الا ما يريد. لا تبلغه الاوهام ولا تدركه الافهام. ولا يشبهه الانام، حَيّ لا يموت، قيوم لا ينام. خالق بلا حاجة. رازق بلا مؤنة، مميت بلا مخافةٍ، باعث بلا مشقةٍ. مازال بصفاته قديمًا قبل خلقه لم يزدد بكونهم شيئًا لم يكن قبلهم من صفته. وكما كان بصفاته ازلياً كذالك لا يزال عليها ابديًا، ليس بعد خلقِ الخلق استفادَ اِسم الخالق، ولا باحداثه البرية استفاد اِسم البارء. له معنىٰ الربوبية ولا مربوب، و معنى الخالق ولا مخلوق. وكما انه محي الموتىٰ بعد ما احيا استحق هذا الاسم قبل احيائهم كذالك استحق اسم الخالق قبل انشائهم. ذالك بانه على كل شيءٍ قدير، وكل شيءٍ اليه فقيره، وكل امر عَليه يسير لا يحتاج الىٰ شيءٍ، ليس كمثله شيء

وهو السميع البصير. خلق الخلق بعلمه وقدر لهم اقدارًا وضرب لهم اٰجالاً. ولم يخف عليه شيء قبل ان يخلقهم. وعلم ما هم عاملونَ قبل ان يخلقهم. وامرهم بطاعته ونهاهم عن معصيته. وكل شيءٍ يجري بتقديره ومشيئته، ومَشيئته تنفذ. لا مشيئة للعباد اِلَّا مَا شاءَ لهم، فما شاء لهم كان وما لم يشا لم يكن. يهدي من يشآءُ ويعصم ويعافي فضلًا، ويضل من يشآءُ ويخذلُ ويبتلي عدلا. وكلهم يتقلبون في مشيئته بين فضله وعدله. وهو متعال عن الاضدادِ والانداد، لارادّ لقضاءِه ولا معقب لحكمه ولا غالب لامره. اٰمنا بذالك كله وايقنا ان كلا من عنده.

ہم اللہ رب العزت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے اُسی کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و یگانہ ہے اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شے اُس کی مثل نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو کمزور اور عاجز نہیں کر سکتی، اُس کے سواء کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ قدیم ہے جس کے وجود کے لئے کوئی ابتداء نہیں، وہ زندۂ جاوید ہے جس کے وجود کے لئے کوئی انتہاء نہیں۔ اُس کی ذات کو فنا اور زوال نہیں۔ اُس کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اُس کی حقیقت فکرِ اِنسانی کی رسائی سے بلند ہے اور اِنسانی عقل وفہم اُس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ ازل سے زندہ ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہوگی اور ہمیشہ سے قائم رہنے والا ہے جو نیند سے پاک ہے۔ وہ بغیر کسی حاجت کے خالق ہے، وہ بغیر کسی محنت کے رازق ہے۔ بغیر کسی خوف و خطر کے وہ موت دینے والا ہے۔ وہ بغیر کسی مشقت کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنی صفاتِ کاملہ سے متصف تھا۔ اُس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہیں کی جو اُسے پہلے سے حاصل نہ تھی۔ جس طرح ازل میں وہ صفاتِ اُلوہیت سے متصف تھا اُسی طرح ابد تک بلاکم و کاست اِن سے متصف رہے گا۔ اُس نے اپنے لئے خالق اور باری کا نام مخلوقات اور کائنات کی پیدائش کے بعد حاصل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ربوبیت کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی جب کوئی مربوب یعنی پرورش پانے والا نہ تھا اور اُسے خالق کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی جب کسی مخلوق کا وجود ہی نہ تھا۔ جس طرح وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا انہیں زندہ کرنے کے بعد کہلایا حالانکہ وہ انہیں زندہ کرنے سے پہلے بھی اِس نام کا مستحق تھا اسی طرح مخلوق کی ایجاد سے پہلے بھی وہ خالق کے نام کا مستحق تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، ہر چیز اُس کی محتاج ہے، ہر امر کا کرنا اس پر آسان ہے اور وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اُس نے مخلوق کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے، اُس نے مخلوق کے لئے ہر ضروری چیز کا اندازہ اور مقدار پہلے سے مقرر اور متعین کر دی ہے اور اُس نے اُن کی موت کے اوقات مقرر کر

دیئے ہیں۔مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اُس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں تھی، اُسے ان کی تخلیق سے قبل ہی علم تھا کہ یہ لوگ (پیدا ہونے کے بعد) کیا کریں گے۔اُس نے انہیں اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی و سرکشی سے منع کیا۔ہر چیز اُس کی مشیت اور تقدیر کے مطابق چلتی ہے اور اسی کی مشیت وارادہ نافذ ہوتا ہے۔بندوں کی (اپنی) کوئی مشیت وارادہ نہیں ہوتا مگر جو وہ ان کے لئے چاہے پس جو وہ ان کے لئے چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے نہیں ہوتا۔وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت کی توفیق دیتا ہے، نافرمانی سے بچاتا ہے اور معاف کرتا ہے، اور وہ جسے چاہے اپنے عدل کی بناء پر گمراہ کرتا ہے، رسوا ٹھہراتا ہے اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔تمام لوگ اُس کی مشیت کے اندر اُس کے فضل اور عدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔نہ کوئی اُس کا مدِ مقابل ہے اور نہ کوئی شریک۔اُس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اُس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں اور کوئی اس کے امر پر غالب آنے والا نہیں۔ہم اِن تمام باتوں پر ایمان لا چکے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُس کی طرف سے ہے۔(ابوجعفر الطحاوی، العقیدۃ الطحاویۃ:9-11)

2۔امام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (324ھ) توحید کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المتفرد بالتوحيد، المتَمَجِّد بالتمجيد، الذى لا تَبْلُغُه صفاتُ العبيد، وليس له مثل ولا نَديد، وهو المبدى المعيد، الفعَّالُ لما يريد، جلَّ عن اتخاذ الصاحبة والابناء، و تقدس عن ملامسة النساء، فليست له عَثَرةٌ تُقال، ولا حَدٌّ يضرَب له فيه المثالُ، لم يَزَل بصفاته اولًا قديرًا، ولا يَزَال عالمًا خبيرًا، سبق الاشياء عِلْمُهُ، و نفذت فيها ارادتُهُ، ولم تعزُب عنه خفيَات الامور، ولم تغيّره سوالفُ صروف الدهور، وَلَمْ يَلْحَقْه فى خَلقِ شىءٍ مما خلق كَلال ولا تعبٌ، وَلا مَسَّهُ لُغوبٌ ولا نَصَبٌ، خَلَقَ الاشياء بقدرته، و دبَّرها بمشيئته، وقهرها بجبروته، وذلّلها بعزته، فذلَّ لعظمته المتكبّرون، واستكان لعز ربوبيته المتعظّمون، وانقطع دون الرسوخ فى علمه الممترون، و ذلّت له الرقاب، و حارت فى ملكوته فِطَنُ ذوى الالباب، وقامت بكلمته السمٰوات السبع، واستقرت الارض المهاد، وثبتت الجبال الرواسى، وجرت الرياحُ اللواقحُ، وسار فى جو السماء السحابُ، وقامت على حدودها البحارُ، وهو الله الواحد القَهّار يخضعُ له المتعزّزون، و يخشع له المترفّعون، ويدين طوعًا و كرهًا له العالمون.

اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ذات ہے جو توحید کے اعتبار سے یکتا ہے، تمجید کے اعتبار سے قابلِ تعریف ہے، اس ذات کو بندوں کی صفات نہیں پا سکتیں، اس کا کوئی مثل اور نظیر نہیں، وہی ہر چیز کی ابتداء کرنے والا ہے اور اس کو اصل حالت پر لوٹانے والا ہے، وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر دینے والا ہے، وہ بیوی اور بیٹے رکھنے سے بلند و برتر ہے، وہ

عورتوں کے میل ملاپ سے پاک ہے، اس کی کوئی ایسی لغزش نہیں جسے ختم کیا جا سکے (یعنی اس کے تمام افعال لغزشوں سے پاک ہیں) اور نہ ہی اس کی کوئی ایسی حد ہے جس کی مثال دی جا سکے، وہ اپنی صفات کے ساتھ اوّل سے ہی قادر ہے، وہ ہمیشہ عالم اور خبیر رہا ہے، اس کا علم کل اشیاء سے پہلے ہے اور اس کا ارادہ اُن میں نافذ ہے، پوشیدہ امور میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں، گردشِ زمانہ نے ان میں کچھ تغیر نہیں کیا، کسی چیز کو بھی تخلیق کرنے میں اسے مشقت اور تھکان نہیں ہوئی، نہ ہی اسے کوئی کمزوری اور تکلیف پہنچی، اس نے تمام اشیاء کو اپنی قدرت سے تخلیق کیا، اپنی مشیت سے ان کی تدبیر کی، اپنی طاقت سے ان پر غالب رہا۔ اپنی قوت سے ان کو تابع کیا، پس متکبرین اس کی عظمت کے سامنے جھک گئے، اس کی ربوبیت کی عزت کے سامنے بڑے بڑے عاجز ہوئے، اس کے علمِ راسخ کے آگے شک کرنے والے ختم ہو گئے، اس کے لئے گردنیں خم ہو گئیں، عقلمندوں کی عقل و دانش اس کی بادشاہی میں متحیر ہو گئیں، اس کے کلمہ کے سبب ساتوں آسمان قائم ہوئے، فرشِ زمین نے قرار پایا، بلند و بالا پہاڑ وجود میں آئے، آندھیاں چلیں، آسمانی فضا میں بادل چلنے لگے، سمندر اپنی حدود میں قائم ہوئے، وہی اللہ واحد و یکتا ہے، زبردست ہے جس کے سامنے طاقتور جھکتے اور بلند رتبہ رکھنے والے انکساری کرتے ہیں اور عالم طوعاً و کرہاً (پسند و ناپسند سے) اس کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔ (ابوالحسن الاشعری، الابانۃ عن اصول الدیانۃ: 7)

3۔ امام غزالی (505ھ) عقیدۂ توحید کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

انـه فـي ذاتـه واحـدٌ لا شريكَ له، فَرِدٌ لا مَثِيلَ له، صَمَدٌ لا ضِدَّ له، منفرد لا نِدَّ له، وانه واحدٌ قديمٌ لا اوَّلَ لهُ، ازلِيٌّ لا بِدايَةَ له، مُستَمِرُّ الوجُود لا آخرَ له، ابَدِيٌّ لا نِهايَةَ له، قَيُومٌ لا انقِطَاعَ له، دَائِمٌ لا انصِرامَ له، لم يزل موصوفًا بنعُوت الجلال، لا يُقْضَى عليه بالانقِضَاء، والانفِصَال، بتَصَـرُّم الآبـاد وانـقِـرَاض الآجال، بل هو الاوَّلُ والآخِرُ، والظاهِرُ والباطنُ، وهو بكل شيء عَلِيْمٌ.

التنزيه:

وانه ليس بِجِسْمٍ مُصَوَّر، ولا جَوْهَر محدود مقدر، و انه لا يُماثِل الاجسامَ، لا في التقدير ولا في قبول الانقِسام، و انه ليس بجوهر ولا تَحلُّه الجواهرُ، ولا بِعَرَضٍ ولا تحله الاعراضُ، بل لا يُـمـاثِـلُ مـوجُـوْدًا ولا يـماثله موجودٌ، ليس كمثله شيءٌ ولا هو مِثْلُ شيءٍ، و انه لا يحده الـمـقدارُ، ولا تَحْوِيه الاقطارُ، ولا تُحِيطُ به الجِهاتُ، ولا تكتَنِفُه الارضُون ولا السمواتُ، و انـه مُستَـوى عـلـى الـعـرشِ على الوجه الذى قَالَه، وبالمعنى الذى ارادَهُ، استواءً منزها عن الـمُـمَـاسَّة والاستِقْرَار، والتَّمَكُّن والحُلُول والانتِقَال، لا يَحملُه العَرشُ، بل العرشُ و حَمَلَتُه

مَحمُولُون بِلُطف قُدرتِه، و مَقهُورون فی قبضته، وهو فوق العرش والسّماء، وفوق كُلّ شیء الی تخُومِ الثَّرَی، فَوقیةً لا تزیده قُربًا الی العرشِ والسماء، کما لا تزیده بُعدًا عن الارض والثری، بل هو رَفِیعُ الدرجات عن العرش والسماء، کما انه رَفِیعُ الدرجات عن الارض والثری، وهو مع ذلك قَرِیبٌ من کل مَوْجُوْدٍ، وهو اقربُ الی العبد من حَبْلِ الْوَرِیْدِ، وهو علی کُلِّ شَیءٍ شَهِیْدٌ، اذا لا یماثل قُربُه قُربَ الاجسام، کما لا تُماثِل ذَاتُهُ ذاتَ الاَجْسام، و انه لا یَحُلّ فی شیءٍ ولا یَحُلّ فیه شیء، تَعالَی عن ان یَحْوِیه مکانٌ، کما تَقَدَّس عن ان یَحُدَّه زمانٌ، بل کان قَبلَ ان خُلِقَ الزمانُ والمکانُ، وهو الآن علی ما عَلَیه کَانَ، و انه بائِنٌ عن خَلْقِه بصفاته، لیس فی ذاته سِوَاه، ولا فی سِوَاه ذاتُه، و انه مُقَدَّسٌ عن التَّغییْرِ والانتقال، لا تَحِلُّه الحوادثُ، ولا تَعتَرِیه العَوَارِضُ، بل لا یزال فی نَعُوْتِ جلاله مُنَزَّهًا عن الزوال، و فی صفات کَمَالِه مُسْتَغْنِیاً عن زیادة الاستکمال، و انه فی ذاته معلومُ الوجود بالعقول، مَرئِی الذات بالابصار، نِعمَةً منه وَلُطفًا بالابرار فی دارِ القَرار، واتماما منه للنَّعِیم بالنظر الی وَجْهِه الکریم.

بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے جس کی مثل کوئی نہیں، بے نیاز ہے جس کی ضد نہیں، منفرد ہے جس کی مانند کوئی نہیں، وہ ایسا واحد اور قدیم ہے جس کا اوّل کوئی نہیں، وہ ازل سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کا کوئی آخر نہیں، وہ ابدی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہے جس میں کوئی انقطاع نہیں، وہ جلالت کی صفت سے متصف رہا ہے، مدتوں کے خاتمہ اور زمانوں کی ہلاکت کے باعث اس فنائیت اور انجام کے سبب اس کے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا، بلکہ وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

(غزالی، قواعد العقائد: 50-54)

ہر عیب اور نقص سے پاک ذات

بیشک وہ کوئی جسم نہیں جس کی تصویر کشی کی جائے (وہ جسم سے پاک ہے)، نہ ہی وہ محدود جوہر ہے، جس کا اندازہ کیا جا سکے۔ وہ اجسام سے مماثلت نہیں رکھتا نہ ہی مقدار میں اور نہ ہی قبولِ تقسیم میں، وہ جوہر نہیں ہے اور نہ ہی جواہر اس میں حلول کر سکتے ہیں۔ اور وہ عرض نہیں ہے نہ ہی اعراض اس میں حلول کر سکتے ہیں (وہ جوہر و عرض سے پاک ہے)، بلکہ وہ کسی موجود کے مماثل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی موجود اس کے مماثل ہو سکتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کے مثل ہے، مقدار اس کی حد بندی نہیں کر سکتی، اطراف اسے سمیٹ نہیں سکتے، جہات اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں، سب آسمان اور زمینیں اس کو گھیر نہیں سکتے (وہ مکان و جہت سے پاک ہے)، وہ اسی طرح اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا اس نے فرمایا، اس

معنی کے ساتھ جس کا اس نے ارادہ کیا، اس کا یہ استواء فرمانا چھونے سے، قرار پکڑنے سے، تمکن وحلول اور انتقال سے منزہ ہے، عرش اس کو نہیں اٹھاتا، بلکہ عرش اور اس کو اٹھانے والے اس کی لطفِ قدرت کے سبب اٹھے ہوئے ہیں اور اس کے قبضۂ قدرت میں بے بس ہیں، وہ عرش وسماء سے بلند ہے اور تحت الثریٰ تک ہر چیز پر فوق اور برتر ہے، یہ بلندی اس کے عرش اور آسمان تک کے قرب میں کچھ اضافہ نہیں کرتی جس طرح کہ وہ زمین و پاتال تک سے اُسے دور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ عرش وسماء سے بلند مرتبہ ہے جس طرح کہ وہ زمین وثریٰ سے بلند مرتبہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر موجود سے قریب ہے، وہ بندے کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، کیونکہ اس کا قرب اجسام کے قرب جیسا نہیں ہے، جس طرح کہ اس کی ذات اجسام کی ذاتوں جیسی نہیں ہے، بے شک وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرسکتی ہے وہ اس سے بلند ہے کہ مکان اسے گھیر سکے، جس طرح وہ اس سے پاک ہے کہ زمانہ اس کا احاطہ کر سکے، بلکہ وہ زمان ومکان کی تخلیق سے پہلے تھا، وہ اب بھی اپنی اسی ازلی صفت پر قائم ہے، وہ اپنی مخلوق سے اپنی صفات کے اعتبار سے جدا ہے، اس کی ذات میں اس کے علاوہ کوئی نہیں اور نہ اس کے غیر میں اس کی ذات ہے، وہ تغیر وانتقال سے پاک ہے، حوادث اس میں داخل اور عوارض اس کو لاحق نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ اپنی صفاتِ جلال میں پاک رہے گا اور اپنی کمال کی صفات میں وہ قبولِ اضافہ سے مستغنی ہے، عقل ودانش کے سبب وہ اپنی ذات میں وجودِ معلوم ہے، آنکھوں سے دکھائی دینے والی ذات ہے، دارِ آخرت میں یہ اس کی طرف سے نعمت اور نیکوکاروں کے لئے انعام ہوگا اور اس کی طرف سے اس نعمت کا اتمام وکمال اس کے حسین و جمیل چہرے کی زیارت پر ہوگا۔

4۔امام عمر بن محمد النسفی (537ھ) مفہوم توحید کے بیان میں لکھتے ہیں:

والمحدِث للعالم هو الله تعالى الواحد القديم الحيُّ القادر العليم السميع البصير الشائي المريد ليس بعرض، ولا جسم، ولا جوهر ولا مصوَّر، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعِّض، ولا متجزٍّ، ولا متركب، ولا متناه، ولا يُوصف بالمَاهية، ولا بالكيفية، ولا يتمكن في مكان، ولا يجري عليه زمان ولا يشبهه شيء، ولا يخرج عن علمه و قدرته شيء.

وله صفات ازلية قائمة بذاته وهي لا هو ولا غيره.

عالم کو سب سے پہلے وجود عطا کرنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، جو کہ واحد ہے، قدیم ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے، جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، چاہنے والا ہے، ارادہ کرنے والا ہے، وہ عرض نہیں ہے نہ جسم، نہ جوہر ہے نہ اس کی شکل وصورت، نہ محدود ہے نہ معدود (جس کو شمار کیا جاسکے)، نہ حصوں کی شکل میں ہے نہ جزء کی صورت میں، نہ مرکب ہے نہ متناہی، نہ اسے ماہیت کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے نہ ہی کیفیت کے ساتھ، وہ نہ کسی مکان میں متمکن ہے نہ ہی کوئی زمانہ اس پر جاری ہے، کوئی چیز

بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی، اور کوئی چیز بھی اس کی قدرت اور اس کے علم سے خارج نہیں (ہر چیز اس کے احاطے میں ہے لیکن اس کی ذات ہر چیز سے ماوراء ہے)۔

اس کی صفات ازلی ہیں جو اس کی ذات سے قائم ہیں اور یہ صفات نہ ہی وہ (ذاتِ باری تعالیٰ) ہے اور نہ ہی اس کا غیر ہیں۔(نسفی، العقیدۃ النسفیۃ:2)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق منقول ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص کے زُہد و تقویٰ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی کہ وہ جانتا تک نہیں ہے کہ گناہ کیا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے آدمی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا امکان بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ تُعرَفُ الاشیاء باضدادہا (یعنی اشیاء کی صحیح معرفت اُن کی اضداد کی پہچان سے ہوتی ہے) کے اُصول کے تحت عقیدۂ توحید کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ شرک اور اُس کی جملہ اقسام کو سمجھا جائے۔ توحید خدائے واحد کو لاشریک اور یکتا و یگانہ ماننے کا نام ہے اور کسی کو اس کا ساجھی، حصہ دار یا برابر کا شریک ٹھہرانے کا نام شرک ہے۔

شرک کا لُغوی معنی

لفظِ شرک شرکت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں اوروں کو شریک مانا جائے۔

صاحبِ لسان العرب لکھتے ہیں:

الشِّـرْكَةُ والشَّرِكةُ سواءٌ: مخالَطَةُ الشريكين. يقـال: اشترَكنا بمعنى تشاركنا، وقد اشترك الرّجلانِ و تشاركا و شاركَ احدهُما الآخر.

شِرْکَۃٌ اور شَرِکَۃٌ کا معنی دوشریکوں کا ایک چیز میں ملنا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ ہم شریک ہوئے یعنی آپس میں ہماری شراکت ہوئی اور دو شخص باہم شریک ہوئے یعنی دونوں میں شراکت ہوگئی اور ایک دوسرے کے ساتھ شریک بن گیا۔(ابن منظور، لسان العرب، 448:10)

ائمہ علم الکلام کے مطابق شرک کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم

ائمہ علم الکلام اور ائمہ لغت نے شرک کا شرعی و اصطلاحی مفہوم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

1۔ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية، بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام.

مجوس کی طرح کسی کو واجب الوجود سمجھ کر الوہیت میں شریک کرنا یا بتوں کی پوجا کرنے والوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھنا، اشراک کہلاتا ہے۔(تفتازانی، شرح عقائد نسفی:61)

۔صاحبِ لسان العرب علامہ ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں:

واشرك باللّٰه: جَعَلَ له شَرِيكاً فى مُلْكه، تعالى الله عَنْ ذالِك، والشرك ان يجعل لله شريكا فى ربوبيته، تعالى الله عن الشركاءِ والاندادِ، لان الله وَحْدَه لا شَرِيْكَ له وَلَا نِدّ له ولا نَدِيْد.

جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس نے کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے ملک اور سلطنت میں شریک بنا دیا جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، اور شرک کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شریکوں اور ہمسروں سے پاک ہے، ۔۔۔ کیونکہ وہ ذات واحد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی نظیر اور نہ مثل۔ (ابن منظور، لسان العرب، 449:10)

ہمارے عہد میں جہاں اور تصوراتِ دین خلط ملط اور گڈ مڈ ہوئے وہاں بنیادی عقائد اِسلام بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ایمانیات کے باب میں توحید اور شرک کے ضمن میں بہت سے ابہام و التباس، مغالطے اور وساوس در آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے بہت سی غلط فہمیاں اور عجیب و غریب قسم کے شکوک و شبہات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کیے ہیں۔ اِس لئے امت میں شدید ٹکراؤ اور اُلجھاؤ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاں فکری وحدت اور تصوراتی واضحیت کا سخت فقدان پایا جاتا ہے جسے دور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ اِس کتاب میں اِسی بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ عمل اگر کمزور ہو تو اِس کا علاج آسان ہے لیکن جب عقیدہ میں طرح طرح کے ابہام اور التباس پیدا کر دیئے جائیں تو پھر فکری وحدت کا برقرار رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

امتِ مسلمہ شرک سے محفوظ ہے

اُمتِ مسلمہ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے لئے یہ خوشخبری دی ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی اصل آزمائش مال و زر کی حرص و ہوس سے ہوگی لیکن یہ شرک میں مبتلا نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ باقی بگاڑ اور نقائص اپنی جگہ گھمبیر کیوں نہ ہوں مجموعی طور پر اُمت مسلمہ شرک سے محفوظ ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ . ثُمَّ صَعِدَ الْمِنبَرَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ. فَقَالَ: اِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ. وَاِنَّ عَرْضَه كَمَا بَيْنَ اَيْلَةَ اِلَى الْجُحْفَةِ. اِنِّيْ لَسْتُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ. وَلٰكِنِّيْ اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا، وَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِكُوْا، كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ.

قَالَ عُقْبَةُ: فَكَانَتْ اٰخِرَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ.

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر آپ نے منبر پر رونق افروز ہو کر اس طرح

نصیحت فرمائی جیسے کوئی زندوں اور مردوں کو نصیحت کر رہا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور اس حوض کا عرض اتنا ہے جتنا مقام اَیلہ سے لے کر جحفہ تک کا فاصلہ ہے، مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ تو نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت کرو گے اور ایک دوسرے سے لڑ کر ہلاک ہو گے۔

(مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ، 4:1796، رقم:2296)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری بار منبر پر دیکھا تھا۔

یہ بات ذہن نشین رکھنے والی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر معروف صحابء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ حدیث دراصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ کی روایت ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ، کوئی باقاعدہ وعظ اور خطاب منبر پر نہیں فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ روایت اور بھی اہمیت اختیار کر جاتی ہے اور اس میں بیان کیے گئے مضامین کی حجیت مزید مسلم ہو جاتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خدشہ ظاہر نہیں فرمایا، اس کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ کوئی فرد شرک نہیں کرے گا بلکہ من حیث الکل شرک جیسے ظلم عظیم سے امت محفوظ رہے گی۔

توحید و شرک کے باب میں چند اہم نکات

اُمتِ مسلمہ کی اکثریت جو سوادِ اعظم ہے اور جس کے شرک و گمراہی سے اعتقادی طور پر محفوظ ہونے کی ضمانت خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے۔ ستم یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں بعض گروہوں کی طرف سے امتِ مسلمہ کی اکثریتی جماعت پر شرک کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی فتنہ ہے جس نے اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اِس لئے ضرورت اِس امر کی ہے کہ توحید اور شرک کی حقیقت کو شرحِ صدر کے ساتھ سمجھنے کے لئے چند ضروری نکات کو ذہن نشین کر لیا جائے۔

1۔ توحید اور شرک دونوں ایک دوسرے سے متضاد اور مخالف تصورات ہیں۔ توحید ہر اُس چیز کی نفی کرتی ہے جو شرک ہے لہٰذا توحید اور شرک دو اصطلاحات ہیں، دو واضح عقیدے اور دو الگ الگ تصور ہیں جو آپس میں متقابل اور متخالف ہیں۔ اگر کوئی موضوع، کوئی عقیدہ یا عمل توحید ہے تو شرک اس کی عین نفی ہوگی مثلاً توحید سے مراد دن ہو تو رات شرک کہلائی گی، اگر توحید کی علامت ٹھنڈک ہو تو حرارت عین شرک ہوگی، توحید کی علامت طہارت ہو تو شرک عین نجاست ہوگی، توحید کی علامت نور ہو تو شرک عین تاریکی و ظلمت ہوگی۔ اِسی طرح اگر توحید کی علامت جنت ہے تو شرک عین جہنم ہے گویا توحید کا تضاد شرک ہے اور شرک کا تضاد توحید۔

2۔ غلط فہمی کی بناء پر بعض اوقات کسی ناجائز فعل کو بھی شرک تصور کر لیا جاتا ہے، اِسی جہالت نے بہت سی اُلجھنوں کو پیدا

کیا ہے۔ توحید اور شرک آپس میں دو متضاد و متقابل تصورات ہیں جن کا آپس میں اتحاد اور اشتراک اسی طرح ناممکن ہے جس طرح ایمان اور کفر کا اتحاد ناممکن ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ شرک کی اصطلاح کو کبھی بھی عمومی رنگ نہ دیا جائے، نہ ہی اس کا اطلاق بے دریغ کر کے فتویٰ بازی کا بازار گرم کیا جائے۔

3۔ ازروئے شرع کسی بھی چیز کے بارے میں رائے کا اظہار کرتے ہوئے اچھی ہے یا بری، جائز ہے یا ناجائز ایسے الفاظ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ملحوظِ خاطر رکھی جاتی ہے کہ ہر ناجائز عمل اسی طرح شرک نہیں ہوتا جس طرح ہر جائز عمل کو عینِ توحید نہیں کہتے۔ شرک کا مرتکب دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ جبکہ کسی ناجائز اور حرام عمل کا مرتکب فاسق و فاجر تو بن جاتا ہے لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں بعض لوگ جھٹ سے شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی واضح اکثریت پر مشتمل طبقے کا نام بھی مشرک رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر ردِ عمل میں اسی طرح کے سخت فتاویٰ کا صادر ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ شرک و بدعت کے فتوے ہر کسی کو اتنی تیزی سے کفر کی وادی میں دھکیلے چلے جا رہے ہیں کہ سوسائٹی میں کسی بھی شخص کے اسلام اور ایمان پر باقی ہونے میں شک ہونے لگتا ہے لہٰذا یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ شرک توحید کی عین ضد ہے یہ بلاواسطہ عقیدۂ توحید کو رد کرنے کا نام ہے اور شرک کا مرتکب محض گنہ گار اور گمراہ نہیں بلکہ بے دین اور ایمان کے دائرے سے یکسر خارج ہوتا ہے۔

4۔ جب ایمانیات کے باب میں کسی خاص عمل یا عقیدہ پر شرک کا فتویٰ ناگزیر ہو جائے تو فتویٰ صادر کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اُس عقیدہ یا عمل سے توحید کی کون سی قسم پر زد پڑی ہے اور کس درجے کی نفی اور بطلان ہوا ہے اس پر مستزاد یہ بھی ثابت کرنا لازمی ہے کہ وہ عقیدہ یا عمل شرک کی کون سی قسم اور درجہ کے تحت آتا ہے گویا توحید اور شرک کی قسم، نوع اور فرع کا بھی تقابل میں متعین کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

5۔ ہر چیز کا شرعاً ایک مثبت پہلو ہوتا ہے اور ایک منفی مثلاً فرض ایک مثبت عمل ہے جس کے برعکس اسی درجے کا حامل ایک منفی عمل ہے جسے حرام کہتے ہیں۔ کسی کام کے کرنے کے حکم میں مثبت طلب ہوتی ہے اور نہ کرنے کے حکم میں منفی طلب۔ لہٰذا شریعت ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ فلاں کام کریں اور فلاں کام نہ کریں۔ پس احکام شریعت کی ہر دو سمت کی برابر درجہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ مثبت اور منفی پہلو دونوں طرف ایک ہی سطح کے ہوں اور اہمیت کے اعتبار سے ان میں ایک ہی طرح کی قوت کارفرما ہو۔ چنانچہ مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کے جو نتائج اور عواقب برآمد ہوں گے وہ یکساں طاقت کے ہوں گے۔ اب کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ ہر اُس چیز کو جو ازروئے شرع ناپسندیدہ ہو اُس کو حرام کے پلڑے میں ڈال دے۔ ممکن ہے کہ وہ مکروہ تو ہو حرام نہ ہو۔ مکروہ میں ناپسندیدگی پائی جاتی ہے مگر حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جیسے شریعت میں ہر جائز عمل فرض نہیں اسی طرح ہر ناپسندیدہ عمل کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ مثبت طلب کا بلندترین درجہ فرض کہلاتا ہے اور منفی طلب کا بلندترین درجہ حرام۔ جبکہ شرک اس حرام سے بھی اونچا درجہ ہے اس لئے کہ وہ امرِ فقہ نہیں امرِ عقیدہ ہے۔

6۔ کتب اُصول فقہ میں احکامِ شریعت کی درجہ بندی کا نظم بیان کیا گیا ہے۔ راقم کی کتاب الفقہ الاکبر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ توحید اور شرک کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہاں تمثیلاً خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ مثبت طلب میں احکام کا پہلا درجہ فرض، اس کے بعد واجب پھر سنت مؤکدہ، پھر سنت غیر مؤکدہ اور اُس کے بعد مستحب کا درجہ ہے۔ اس کے برعکس منفی طلب میں حرام کو فرض کے مقابل اور مکروہ تحریمی کو واجب کے مقابل رکھا گیا ہے۔ جب کہ اساءت، سنت مؤکدہ کے مقابل ہے۔ چوتھے درجے میں مکروہ تنزیہی آتا ہے جو سنت غیر مؤکدہ کے مقابل ہے اور پانچویں درجے میں خلافِ اولیٰ (Uncommendable) ہے یہ مستحب کے مقابل ہے پھر اس کے بعد مثبت طلب اور منفی طلب دونوں میں مشترکہ مباح یا جائز کا درجہ ہے۔ اِن فقہی احکام کو درج ذیل متقابل ترتیب میں رکھ کر بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

احکامِ امر (طلبِ فعل) احکامِ نہی (ترکِ فعل)

1۔ فرض 1۔ حرام

2۔ واجب 2۔ مکروہ تحریمی

3۔ سنت مؤکدہ 3۔ اساءت

4۔ سنت غیر مؤکدہ 4۔ مکروہ تنزیہی

5۔ مستحب 5۔ خلافِ اولیٰ

6۔ مباح 6۔ مباح

اس درجہ بندی کے مطابق امر کے پانچ اور اس کے مقابلے میں نہی کے بھی پانچ درجے ہیں۔ جب کہ مباح دونوں طرف مشترک ہے۔ یہاں پانچ مدارجِ امر کے مقابلے میں نہی کے بھی پانچ ہی مدارج ہیں اور اس کے بعد مباح کو صوابدیدی درجہ میں رکھا گیا ہے جس میں نہ ثواب ہے اور نہ عتاب وعذاب بلکہ ایسے کاموں کو ہر کسی کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

7۔ فتویٰ صادر کرنا بہت بڑی، نازک اور اہم ذمہ داری ہے۔ ہر عالم اور فاضل بھی مفتی کے منصب پر فائز نہیں ہوتا کیونکہ کفر وشرک کا فتویٰ کسی کے ایمان کا فیصلہ ہے۔ اِس باب میں بڑی حزم واحتیاط اور لیاقت و دیانت درکار ہے کیونکہ ازروئے شرع اگر ایک چیز ناجائز اور حرام بھی ہو تو اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ شرک بھی ہو۔ گویا محض ممنوع اور حرام ہونے کی وجہ سے کسی فعل کو شرک نہیں کہا جاسکتا۔ حرام قرار دیتے ہوئے بھی یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اِس میں خلافِ شرع کس درجے کا منع ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ منع کے بھی کئی درجے ہیں، کجا یہ کہ اُسے شرک کہا جائے حالانکہ شرک تو کفر کی آخری حد ہے۔

اِس علمی اور اعتقادی غلطی کی مثال روزمرہ زندگی سے اِس طرح دی جاسکتی ہے کہ کسی کو ہلکا سا زکام ہو اور کوئی نیم حکیم اُسے ٹی بی کا نام دے دے۔ کسی کو محض Infection ہو اور کوئی ڈاکٹر اُسے کینسر (Cancer) قرار دے دے۔ بجا ہے کہ یہ

دونوں امراض نقصان دہ ہیں مگر اِس نقصان سے بڑھ کر یہ عمل کہیں زیادہ نقصان دِہ یہ بات ہے کہ غلط تشخیص کے ذریعے اُس مرض کو بڑھا چڑھا کر کچھ کا کچھ بنا دیا جائے۔ لہٰذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ علم الاحکام کو ذہن نشین رکھا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی عقیدہ و عمل کو شرک قرار دینے سے پہلے یہ تعین کیا جائے کہ اس کے ذریعہ جس عقیدہ و عمل کی نفی ہو رہی ہے کیا وہ عینِ توحید ہے بھی یا نہیں؟ کسی عمل کے شرک ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ توحید کی نفی کرے۔ اگر عین توحید کی نفی ثابت نہ ہو تو پھر وہ عمل ممنوع ہوتے ہوئے بھی شرک نہیں بن سکتا، اس پر شرک کا نہیں کوئی اور حکم صادر ہوگا۔

8۔ اسلام میں عقیدہ کی بلند ترین مثبت سطح ایمان کی ہے جس کے مقابلے میں اِسی درجے کی منفی سطح کفر کی ہے۔ گویا مؤمن کے مقابلہ میں کافر ہوگا فاسق و فاجر کو درجہ مؤمن کے مقابل میں نہیں لایا جائے گا۔ کیونکہ فاسق، فسق کے باوجود دائرہ ایمان ہی میں رہتا ہے۔ اسی طرح اگر بحیثیت ایک مسلمان عقیدہ کی بلند ترین سطح توحید پر فائز ہے تو اس کے مقابلے میں کفر کے سب سے اونچے درجہ کا نام شرک ہے۔ چنانچہ اس ضابطہ کی رو سے صرف موحد مشرک کے مقابلہ میں ہوگا نہ کہ فاسق اور گنہ گار کے مقابلہ میں، کیونکہ فاسق اور گنہگار، گناہ کے باوجود موحّد رہتا ہے اور دائرہ ایمان یا عقیدۂ توحید سے خارج تصور نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ شرک کو فرض، واجب اور سنت کے مقابلے میں بھی نہیں رکھا جا سکتا، نہ کسی حرام کو شرک سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی فرض اور سنت کی نفی کو شرک گردانا جا سکتا ہے۔ فرض کے منافی کوئی اقدام حرام تو ہو سکتا ہے لیکن جب تک اس سے عقیدہ توحید پر زد نہ پڑے اسے شرک کے زمرے میں نہیں لایا جا سکتا۔ اِسی طرح کسی کو یہ حق بھی نہیں کہ کسی اساءت، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ یا مباح امر کو اٹھا کر شرک کے درجے تک لے جائے۔

یاد رہے کہ شرک صرف اس وقت وجود میں آتا ہے جب توحید کی واضح نفی کی جائے کیونکہ یہ بات حتمی طور پر طے شدہ ہے کہ توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی واضح نفی کے بغیر دوسرا اَمر ثابت نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس سے دین و شریعت کا سارا نظام اُلٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا۔ کسی شخص کا ایک فتویٰ دوسرے کے ایمان کو بلا جواز کفر بنا دے گا جو سراسر ظلم اور احکامِ الٰہی کے خلاف نہ صرف بغاوت ہے بلکہ دین کے ساتھ حد درجہ زیادتی اور اسے بازیچۂ اطفال بنا دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ شرک کو ناقابلِ رد قطعی دلائل سے ثابت کیا جائے۔

9۔ ایمان اور توحید کی نفی ثابت کرنے کے لئے یہ تعین کرنا لازمی ہے کہ توحید کے جس درجہ کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس کا شمار حقوق اللہ میں ہونا چاہیے اور یہ حق جس کی خلاف ورزی ہوئی کوئی عام یا مشترک حق نہ ہو بلکہ خالصتاً بلا شرکتِ غیرے اللہ کا حق ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ حق محض اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے حوالے سے ثابت کی جائے اور اس میں اختصاص پایا جائے نہ کہ اشتراک۔ یعنی شرک کا حکم لگانے میں اس امر کو طے کرنا ضروری ہے کہ وہ حق جس کا کسی غیر کے لئے اثبات ہو رہا ہے خصوصی طور پر بلا اشتراک اللہ کا ہی حق تھا اور وہ صفت بلا شرکت غیرے اللہ کی ہی صفت تھی۔ اگر کسی ایسی صفت، فعل اور اسم کو جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے ثابت کر دیا جائے تو اس پر شرک کا حکم لگایا جا سکے گا

ورنہ نہیں۔ کسی عمومی صفت کا خالق اور مخلوق میں اشتراک شرک نہیں ہوتا اس میں اس بات سے فرق واقع ہو جاتا ہے کہ اس کا اطلاق دونوں جگہ مختلف معانی کے تناظر میں ہوا ہے اور اس کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ ظاہری طور پر دونوں یعنی خالق و مخلوق کی صفات کے بیان میں استعمال کیا جانے والا لفظ ایک ہی ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی معنویت اور ہوتی ہے اور مخلوق کے لئے اور۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شرک محض الفاظ کے اشتراک کے ذریعے وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ جب تک معنوی طور پر کسی عمل یا صفت کا مفہوم، دائرہ کار، حقیقت اور اطلاق مختلف رہے اس وقت تک وہ اشتراک خواہ اسمی ہو، فعلی ہو یا صفتی، منافِ توحید نہیں ہوتا، اِس لئے وہ باعث شرک بھی نہیں بنتا مثلاً سمیع، بصیر، کریم، علیم، رؤوف، رحیم، ولی اور مولٰی جیسے اسماء و صفات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لئے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور بعض ملائکہ کے لئے بلکہ عام انسانوں کے لئے بھی مشترک استعمال ہوئے ہیں۔

جو شخص کسی کے عمل کو توحید کے منافی خیال کرتے ہوئے اس پر شرک کا الزام عائد کر رہا ہے جب تک وہ قرآن و سنت کے دلائل اور شواہد سے اس امر کو حتمی طور پر توحید کے منافی ثابت نہیں کر دیتا اُس وقت تک کسی عمل اور خیال کو مشرکانہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کسی عمل کو بغیر ثبوت کے محض توحید کی نفی اور شرک نہیں گردانا جا سکتا۔

10۔ اس مقام پر وجہ شرک کو سمجھنا اور مدارِ شرک کو متعیّن کرنا از بس ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والشرك ان يثبت بغير الله سبحانه و تعالى شيئاً من صفاته المختصة به.

شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے ثابت کی جائے۔

(شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر: 27)

ائمۂ کلام کے نزدیک خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ مایوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ (یعنی جو صفت جس کا خاصہ ہو اسی میں پائی جائے اور اس کے غیر میں نہ پائی جائے) لہٰذا صفاتِ خاصہ کا علی الاطلاق غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ شرک کا مدار محض اشتراک نہیں بلکہ مدارِ شرک چار باتوں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود سمجھا جائے۔

اس کے مستحقِ عبادت ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔

اللہ رب العزت کی صفاتِ خاصہ مثلاً علم بالذات، علم بالقدرت، ایجاد و قدرتِ ذاتیہ اور اختیارِ ذاتی میں سے کوئی صفت کسی غیر کے لئے ثابت کی جائے۔

صفاتِ خداوندی جیسے اس کی شان کے لائق ہیں بعینہ اسی طرح کا اعتقاد غیر کے لئے ثابت کیا جائے۔ خواہ وہ لمحہ بھر کے لئے ہی کیوں نہ ہو شرک کہلائے گا۔

11۔ صفاتِ مشترکہ جو خالق و مخلوق کے مابین مشترک ہیں مدارِ شرک کی اساس کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت پر ہے ان کے اطلاق کے وجوہ خالق کے لئے اور معنی میں ہیں اور مخلوق کے لئے اور معنی میں۔ صفاتِ خداوندی قائم بالذات ہیں، ذاتی ہیں، غیر محدود ہیں، قدیم ہیں، واجب ہیں اور اُس کی شانِ الوہیت کے لائق ہیں اور مخلوق کے لئے وہی صفات محدود ہیں، متناہی ہیں، ممکن ہیں، حادث ہیں اور ان کی شانِ مخلوقیت کے لائق عطائی ہیں۔ شرک کا مدار نہ تو کمیت پر ہے اور نہ توقیت پر، بلکہ کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت پر ہے یعنی صفاتِ خداوندی جس کیفیت و ماہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں انہیں اسی کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت کے ساتھ غیر کے لئے بھی ثابت کیا جاسکے جب بھی اور جس وقت بھی ثابت کیا جائے گا شرک ہوگا خواہ وہ ثبوت لمحہ بھر کے لئے ہی ہو ورنہ نہیں کیونکہ صفاتِ الوہیت حقیقت و اصلیت اور کیفیت میں من کل الوجوہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ خالق اور مخلوق دونوں کے لئے وجوہِ اثبات الگ الگ ہیں ایک جیسے نہیں۔ صفاتِ مشترک میں صرف ظاہری اشتراک ہوتا ہے مثلاً ولایت صفاتِ مشترکہ میں سے ہے۔ اِس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ہے، جبرائیل امین علیہ السلام کے لئے بھی ہے اور صالحین کے لئے بھی۔ یہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

ولایتِ الٰہی، ولایتِ رسول، ولایتِ جبرئیل اور ولایتِ صالحین کا معنی، شان، کیفیت، ماہیت، اصلیت و حقیقت اور اطلاق کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہے۔ ولایتِ الٰہی جس معنی اور شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، اسی معنی اور شان کے ساتھ غیر اللہ کے لئے لمحہ بھر بھی ثابت نہیں ہوسکتی۔ یہی حال علم، رحمت، حیات، سمع و بصر اور کلام جیسی دیگر صفاتِ مشترکہ کا ہے۔ وہ خالق کے لئے بھی ثابت ہیں اور مخلوق کے لئے بھی، مگر جس شان، حقیقت اور معنویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اگر اسی شان اور حقیقت و معنویت کے ساتھ مخلوق کے لئے ثابت نہیں اگر ایسا مان لیا جائے تو شرک واقع ہو جائے گا۔

اس کے برعکس اگر یہ شانیں، مختلف حقیقت اور مختلف معنی میں دونوں کے لئے تسلیم کی جائیں تو ہرگز شرک نہ ہوگا بلکہ اسے عین توحید کہا جائے گا۔ جس کی رو سے اللہ بھی ولی ہے، بندہ بھی ولی ہے۔ اللہ بھی علیم ہے، بندہ بھی علیم۔ اللہ بھی صاحبِ حیات ہے، بندہ بھی صاحب حیات۔ اللہ بھی کریم و رحیم ہے، بندہ بھی کریم و رحیم۔ اللہ بھی سمیع و بصیر ہے، بندہ بھی سمیع و بصیر۔ اللہ بھی صاحب کلام ہے اور بندہ بھی صاحب کلام مگر ان کا معنوی اطلاق مختلف ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مدارِ شرک کمیت پر نہیں بلکہ کیفیت و حقیقت پر ہے۔ اس لئے صفاتِ مشترکہ میں حقیقی اور مجازی یا ذاتی اور عطائی کی تقسیم زیادہ بلیغ اور معنی خیز ہے اس کے برعکس عادی و غیر عادی یا ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب وغیرہ کو مدارِ شرک بنانا محض الحھاؤ اور التباس پیدا کرنے کا موجب ہے۔

12۔ ہمیں توحید اور شرک کے باب میں ذاتِ حق اور اِس کے اسماء، صفات اور افعال کی صحیح معرفت حاصل کرنی

چاہیے کہ کہاں شانِ اختصاص ہے، کہاں انعام اشتراک ہے اور کہاں فیضِ انعکاس۔ کسی جگہ پر اس کی توحید، شانِ الوہیت کے ساتھ عدمِ شراکت کی آئینہ دار ہوتی ہے اور کسی جگہ شانِ ربوبیت کے ساتھ اپنے مربوب میں نیابت ومظہریت کا جلوہ دکھاتی ہے۔ کسی جگہ اس کی عظمت تنہاء ویکتا ہوتی ہے اور کسی جگہ خود مائل بہ عطا۔ وہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَانٍ کے جلوے میں بھی ہوتا ہے اور فِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ کے نظارے میں بھی۔ وہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے رنگ میں بھی ہے اور مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ کے ڈھنگ میں بھی۔ وہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ کی شان میں بھی ہے اور أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ کی آن بان میں بھی۔ وہ بعید از وہم وگمان بھی ہے اور قریب از رگِ جاں بھی۔ وہ ورائے مکان ولامکاں بھی ہے اور جلیسِ حلقۂ بندگان بھی، وہ مستغنی از حلف ویمین بھی ہے اور خود مُقسِم دیارِ امین بھی، وہ ذاکر بھی ہے مذکور بھی، طالب بھی ہے مطلوب بھی، محب بھی ہے محبوب بھی۔ وہ تنہا سزاوارِ صلوٰۃ بھی ہے اور خود کسی کا صلوٰۃ خواں بھی حتیٰ کہ وہ خود سلام بھی ہے اور سلام بھیجنے والا بھی۔ الغرض وہ جس سے جو معاملہ چاہے کر دے وہ مالک اور قادرِ مطلق ہے، توحید اس کا حق خالص ہے اور شرک اس کی نفی کامل، سو اس باب میں کسی بھی حتمی فیصلہ سے قبل اس کے سارے فیصلوں کو نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ اس لاعلمی میں یہ احتمال رہے گا کہ کہیں ہم دفاعِ توحید کے زعم میں انکارِ ربوبیت نہ کر بیٹھیں اور ردِ شرک کے جوش میں انکارِ محبوبیت نہ کر بیٹھیں۔

توحید اور شرک کی متقابل اَقسام

توحید فی الرُّبوبیت۔۔۔شرک فی الرّبوبیت

توحید فی الالوہیت۔۔۔شرک فی الالوہیت

توحید فی الاسماء والصفات۔۔۔شرک فی الاسماء والصفات

توحید فی التحریم۔۔۔شرک فی التحریم

توحید فی الاحکام۔۔۔شرک فی الاحکام

عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اِن دونوں کی متقابل اقسام کو سمجھا جائے جن کو محققین نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ وہ خطباء، مقررین اور طلباء جو اپنے علم وفن کے میدان میں طاق اور ماہر نہیں ہوتے مگر بزعمِ خویش خود کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں اپنے عقائد کے باب میں فکری واعتقادی واضحیت Clarity نہیں رکھتے۔ لہٰذا وہ بہت سے اُمور خلط ملط اور گڈمڈ کر دیتے ہیں اور ایسی ایسی چیزوں کو زیرِ بحث لاتے ہیں جن کا تعلق نہ عقیدۂ توحید سے ہوتا ہے اور نہ شرک سے۔ ایسے لوگ خود بھی فکری اُلجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں اور دوسروں کی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی نہیں کر سکتے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ عقائد کے باب میں صحیح تصورات کو سمجھا جائے۔ اُمتِ مسلمہ کے جو افراد بلاوجہ مسلمانوں کی واضح اکثریت سوادِ اعظم پر فتویٰ لگا کر ان کو مشرک وبدعتی گردانتے ہیں اور انہیں دائرۂ اِسلام سے بیک جنبشِ لب خارج کر دیتے ہیں ان کے نقطۂ نظر میں توازن واعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ملتِ اِسلامیہ کے اندر افتراق، انتشار اور خلفشار کی جو فضا

پائی جاتی ہے اسے ختم کیا جاسکے۔ آئندہ صفحات میں توحید اور شرک کی اقسام کا اجمالی تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ اس سے یہ امر بخوبی نکھر کر سامنے آجائے گا کہ کسی چیز پر شرک کا اطلاق تب ہوگا جب اس کے ذریعے توحید کی اُس قسم کی نفی ہوگی جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہو۔

توحید کی اقسام

ائمہ عقائد و کلام نے توحید کی مندرجہ ذیل پانچ اقسام بیان کی ہیں:

توحید فی الرُّبوبیت

توحید فی الألوہیت

توحید فی الاسماء والصفات

توحید فی التحریم

توحید فی الاحکام

ذیل میں ان پانچوں کی مختصر اوضاحت پیش کی جارہی ہے۔

1۔توحید فی الرُّبوبیت

توحید فی الرُّبوبیت کو توحیدِ اثبات کہتے ہیں۔ درحقیقت توحید فی الربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واجبُ الوجود ہونے پر اور اُس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان لایا جائے اور اِس امر کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک رب اور پروردگار ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ توحید کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، پروردگار اور مدبر الامور جاننے اور ماننے سے عبارت ہے۔

2۔توحید فی الألوہیت

توحید فی الالوہیت کو توحیدِ عبادت بھی کہتے ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، صرف اسی کی ذات اِس قابل اور لائق ہے کہ اِس کی عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا کہ اُس کی پرستش کی جائے۔

3۔توحید فی الاسماء والصفات

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے واحد اور یکتا ہے اسی طرح اسماء وصفات اور افعال کے اعتبار سے بھی واحد اور یکتا ہے۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس بے مثل ہے اسی طرح اس کے خاص اسماء وصفات اور افعال میں بھی کوئی اس کا شریک ومثیل نہیں۔

4۔توحید فی التحریم

توحید فی التحریم سے مراد یہ ہے کہ نذر یعنی منت اور تحریمات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہیں۔

5۔توحید فی الاحکام

اِس سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ احکامِ شریعت کو مانا جائے جنہیں اُس نے بذریعہ وحی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اُمت کو عطا کیے۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ احکام بھی اللہ رب العزت ہی کے عطا کردہ تصور ہوں گے کسی اور کے اقوال کو قرآن وسنت جیسی حجت نہیں مانا جائے گا۔

اِن پانچوں اقسام کے تفصیلی فہم کے لئے ان کی مزید تقسیم بھی کی گئی ہے۔جس کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

1۔توحید فی الربوبیت کی اقسام

اس کی مندرجہ ذیل دواقسام ہیں:

(1)توحید فی الذات

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے،کوئی اس کا شریک اور ہمسر نہیں۔اس کی بیوی نہیں، اِس کے والدین اور اولاد نہیں جیسا کہ سورہ اخلاص میں بیان کیا گیا ہے۔

(2)توحید فی الخلق و الایجاد

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق اور مالک بالذات ہے اور اُس کی خالقیتِ مطلقہ میں کوئی شریک نہیں۔

2۔توحید فی الالوہیت کی اقسام

اِس کی مندرجہ ذیل چار اقسام ہیں:

(1)توحید فی العبادت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا حقدار اور کوئی نہیں صرف وہی ذات ہے جو عبادت کی مستحق ہے۔

(2)توحید فی القدرت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق،شہنشاہِ کل اور متصرف علی الاطلاق اور قادر بالذات ہے۔

(3)توحید فی الدُعا

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا وتنہا حقدار ہے کہ جملہ دعائیں،التجائیں اور مناجات اُس سے کی جائیں۔شدائدو

مصائب میں صرف اور صرف اُسی پر توکل کیا جائے۔ حقیقی مستجاب الدعوات اُسی کی بارگاہ ہے۔

(4) توحید فی العلم

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اس کا علم بالذات، بالقدرت، کلی اور وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ کی شان کا حامل ہے۔

3۔ توحید فی الاسماء والصفات کی اقسام

اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

(1) توحید فی الاسماء

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں کوئی شریک نہیں وہ اپنے ناموں میں بھی واحد و یکتا ہے۔

(2) توحید فی الصفات

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(3) توحید فی الافعال

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص افعال میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ وہ تدبر فی الامور میں واحد، یکتا و یگانہ ہے۔

4۔ توحید فی التحریم کی اقسام

توحید فی التحریم کی تین اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

(1) توحید فی التحریمات

توحید فی التحریمات سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کئے گئے بعض مقامات، مہینے، قربانی کے جانور، نذر و نیاز، حلف اور احکام کی حلت و حرمت کو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مختص سمجھا جائے۔

(2) توحید فی النذور

اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کردہ قربانیوں اور منتوں میں توحید کا معنی یہ ہے کہ منت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح نذر، صدقہ اور خیرات بطور عبادت صرف اللہ کے لئے ہے کسی اور کے لئے نہیں۔

(3) توحید فی الحلف

اللہ تعالیٰ کے نام پر اُٹھائی جانے والی قسم اور حلف میں توحید یہ ہے کہ شرعی حلف صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اسی پر احکامِ شرعی مرتب ہوں گے۔

5۔توحید فی الاحکام کی اقسام

توحید فی الاحکام کی دو قسمیں ہیں:

(1) توحید فی الحکم الکونی

اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فرمان جو کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری ہوا۔

(2) توحید فی الحکم الشرعی

اس سے مراد شارع کا وہ خطاب ہے جس سے کوئی شرعی مسئلہ معلوم ہو جائے۔

شرک کی اقسام

ائمہ عقائد اور اُصولیین نے جس طرح توحید کی اقسام بیان کی ہیں اِسی طرح اِس کے مدِ مقابل شرک کی اقسام بھی بیان کی ہیں۔توحید کی طرح شرک کی بھی پانچ اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

شرک فی الربوبیت شرک فی الألوہیت شرک فی الاسماء وصفاتشرک فی التحریم شرک فی الاحکام

1۔شرک فی الربوبیت

اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور اس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان نہ لانا توحیدِ ربوبیت میں شرک ہے۔

2۔شرک فی الألوہیت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی غیر کو اُس کی عبادت میں شریک مانا جائے۔

3۔شرک فی الاسماء والصفات

توحید فی الاسماء والصفات کے برعکس کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء وصفات میں شریک سمجھنا شرک فی الاسماء و الصفات ہے۔

4۔شرک فی التحریم

اِس سے مراد یہ ہے کہ نذر یعنی منت اور دیگر تحریمات جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہیں انہیں یا اِن کے مماثل تحریمات کو غیر کے لئے ثابت کیا جائے۔

5۔شرک فی الاحکام

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اُمتِ مسلمہ کو جو احکام وتعلیمات عطا فرمائی ہیں وہی قابلِ عمل اور باعثِ نجات ہیں۔ اِن کے علاوہ کسی اور کے احکامات اور تعلیمات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت یا

اس کے مثل ماننا شرک فی الاحکام کہلاتا ہے۔درج بالا شرک کی پانچوں اقسام کی مزید تقسیم درج ذیل ہے۔

1۔شرک فی الربوبیت کی اقسام

توحید فی الربوبیت کی طرح شرک فی الربوبیت کی دو قسمیں ہیں:

(1) شرک فی الذات

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسروں کو اُس کا شریک ٹھہرانا، کسی کو اُس کا ثانی وہمسر ماننا اور اُس کے لئے بیوی، والدین اور اولاد کا عقیدہ رکھنا شرک فی الذات ہے۔

(2) شرک فی الخلق والایجاد

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو کائنات کا خالق اور مالک بالذات ماننا شرک ہے۔

2۔شرک فی الالوہیت کی اقسام

توحید فی الالوہیت کی طرح شرک فی الالوہیت کی چار اقسام ہیں:

(1) شرک فی العبادت

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود ماننا شرک فی العبادۃ ہے۔

(2) شرک فی القدرت

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو قادرِ مطلق اور حقیقی متصرف بالذات ماننا شرک فی القدرت ہے۔

(3) شرک فی الدعا

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دعائیں مانگنا اور اس پر دعاؤں کے قبول یا عدمِ قبول کا یقین رکھنا اور اس پر بالذات توکل کرنا شرک فی الدعا ہے۔

(4) شرک فی العلم

اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کو عالم بالذات، بالقدرت اور حقیقی معنی میں محیط بالکل سمجھنا شرک فی العلم ہے۔

3۔شرک فی الاسماء والصفات کی اقسام

توحید فی الاسماء والصفات کی طرح شرک فی الاسماء والصفات کی تین قسمیں ہیں:

(1) شرک فی الاسماء

اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں کسی اور کو شریک سمجھنا شرک فی الاسماء ہے۔

(2) شرک فی الصفات

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسروں کو اُس کی خاص صفات میں شریک ٹھہرانا شرک فی الصفات ہے۔

(3) شرک فی الافعال

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اُس کے خاص افعال میں شریک ٹھہرانا شرک فی الافعال ہے۔

4۔ شرک فی التحریم کی اقسام

شرک فی التحریم کی توحید فی التحریم کی طرح تین اقسام ہیں:

(1) شرک فی التحریمات

جو تحریمات خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں انہیں یا اُن کے مماثل تحریمات غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک فی التحریمات کہلاتا ہے۔

(2) شرک فی النذور

کفار و مشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے منتیں ماننا، کھیتی باڑی، کاروبار اور چوپایوں کے حصے بطور نذر و عبادت ماننا شرک فی النذور کہلاتا ہے۔

(3) شرک فی الحلف

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام کا شرعی حلف اُٹھانا اور اس کے توڑنے پر شرعاً کفارہ کو واجب سمجھنا جیسے کفار و مشرکین لات و عزیٰ اور ھبل و منات کے لئے قسم اُٹھاتے تھے۔ یہ شرک فی الحلف کہلاتا ہے۔

5۔ شرک فی الاحکام کی اقسام

توحید فی الاحکام کی طرح شرک فی الاحکام کی بھی دو قسمیں ہیں:

(1) شرک فی الحکم الکونی

اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فرمان جو اس نے کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری فرمایا اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک سمجھنا شرک فی الحکم الکونی ہے۔

(2) شرک فی الحکم الشرعی

شارع یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی طرح کسی اور کے اقوال کو قرآن و سنت جیسی حجت تسلیم کرنا شرک فی الحکم الشرعی ہے۔

ثبوتِ شرک کے لئے نفیء توحید کی بالصراحت ضرورت ہوتی ہے

توحیداور شرک کی مذکورہ بالا تقسیم کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ شرک کے ثبوت کے لئے توحید کی بالصراحت نفی لازم ہے کیونکہ شرک ایک واضح اور معین شرعی اصطلاح ہے جسے عمومی رنگ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔شرک کا حتمی اور قطعی فیصلہ کرنے کے لئے یہ تعین کرنا ضروری ہے کہ جس اَمر کو شرک کا نام دیا جا رہا ہے اُس کا اُلٹ عینِ توحید ہے۔شرک کوئی ایسی ٹوپی نہیں جسے اپنی صوابدید کے مطابق جس کے سر پر چاہیں رکھ دیں۔توحیداور شرک دو متقابل اور دو متضاد چیزیں ہیں یعنی ایک کی نفی کرنے سے دوسرے کا اِثبات ہوگا۔شرک ثابت کرنے کے لئے توحید کی نفی کرنا ہوگی اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ تعین کرنا بھی لازمی ہوگا کہ شرک کا توحید کے مقابلے میں کون سا درجہ ہے۔آیا یہ شرک،شرک فی الربوبیت ہے یا شرک فی الالوہیت یا شرک فی التحریم۔

اگر شرک فی الربوبیت ہے تو اِس کا تعین کر کے یہ واضح کیا جائے گا کہ یہ مندرجہ ذیل اقسام میں سے شرک کی کون سی قسم ہے: شرک فی الذات ہے یا شرک فی الصفات،شرک فی الافعال ہے یا شرک فی الاسماء۔جو شخص کسی پر شرک کا فتویٰ صادر کرے لیکن وہ مدعی،شرک کی قسم کا بالصراحت تعین نہ کر سکے کہ جس سے توحید کی کسی قسم کی نفی اور تضاد کو ثابت کیا جا سکے تو ایسے شخص کا الزامِ شرک باطل تصور کیا جائے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اقسامِ توحید کے باب میں عبادت کا کسی بھی معنی میں اللہ تعالٰی کے غیر کے لئے ثبوت بلا استثناء مجازی اور حقیقی،ہر دو معنی کے اعتبار سے شرک ہے۔البتہ مشترک صفت کا غیر اللہ کے لئے اِستعمال مجازاً جائز ہے۔حقیقی معنی میں اُس صفت کا اِثبات صرف اللہ تعالٰی کے لئے جائز ہے مخلوق کے لئے جائز نہیں۔عطائی معنی میں کسی مشترک صفت کا مخلوق کے لئے ثبوت تب شرک بنتا ہے جب وہ حق مخلوق کے لئے اُسی طرح ثابت کیا جائے جس طرح اللہ تعالٰی کے لئے۔یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ شرک کی تخصیص،شرک کی وضاحت،تعریف اور اقسام کی صحیح معرفت کی متقاضی ہے۔جب بھی شرک کی بحث ہوگی تو توحید فی الربوبیت،توحید فی الالوہیت اور توحید فی التحریم کی نفی اور اِن کا تضاد ثابت کرنا ہوگا۔اِن تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں کہ جس سے شرک ثابت ہو سکے۔(مبادیات عقیدہ توحید،ڈاکٹر طاہر القادری)

اللہ کی مثل کوئی چیز نہ ہونے کا بیان

الشوریٰ:۱۱ میں فرمایا:وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے،اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے،وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے،اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے،وہ ہر بات کو سننے والا،ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالٰی کی ذات اور صفات سے مماثلت کی نفی

اللہ تعالٰی نے انسانوں کی جنس میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں کی جنس سے بھی جوڑے بنائے،اس آیت میں فرمایا

ہے: یذرؤکم اس کا معنی ہے: وہ تم کو رحم میں پیدا کرتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ تم کو پیٹ میں پیدا کرتا ہے، الزجاج نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ تمہاری کثرت کرتا ہے اور تم کو زمین میں پھیلاتا ہے، تمہارے جوڑے بنائے تاکہ تمہاری نسل اور افزائش میں اضافہ ہو۔

اور فرمایا: اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے یعنی اللہ عزوجل اپنی عظمت اور کبریاء میں اور اپنے اسماء کی بلندی میں اور اپنی صفات کی برتری میں بے مثل اور بے نظیر ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مماثل نہیں ہے، ہر چند کو بعض صفات اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں بظاہر مشترک ہیں، مثلاً اس آیت میں فرمایا: هو السمیع البصیر اور انسان کے متعلق فرمایا فجعلنه سمیعا بصیرا (الدھر 2) لیکن انسان کی سماعت اور بصارت حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت قدیم ہے، انسان کی سماعت اور بصارت کا زوال ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت کا زوال ممتنع ہے۔ انسان بھی دوسروں پر رحم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق پر رحم فرماتا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں، تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۵۰۲، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۷، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰، المعجم الصغیر رقم الحدیث:۲۸۱، کنز العمال رقم الحدیث:۵۹۷۵، جامع المسانید والسنن مسند جریر ابن عبد اللہ رقم الحدیث:۱۵۸۷)

لیکن اللہ تعالیٰ بالذات اور بغیر واسطہ کے رحم فرماتا ہے اور لوگ بالعرض اور متعدد وسائط سے رحم کرتے ہیں، وہ بغیر کسی غرض اور بغیر کسی عوض کے رحم فرماتا ہے اور لوگ کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی عوض سے ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں ہے اور اس کے اسم (اللہ) کی مثل کوئی اسم نہیں ہے اور اس کی صفت کی مثل کوئی صفت نہیں ہے اور اس کے فعل کی مثل کسی کا فعل نہیں ہے۔ سمیع، بصیر، ید، عین، وجہ اور رحم وغیرہ لفظ ایک جیسے ہیں لیکن ان کے معانی اور مصداق میں متعدد جہات سے فرق ہے۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ لیس کمثله شیء کا لفظی معنی ہے اس کی مثل کے کوئی شیء مثل نہیں ہے، کیونکہ کاف کا معنی بھی مثل ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے مماثلت کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کی مثل مماثلت کی نفی ہے۔ اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس آیت میں کاف زائد ہے، بعض نے کہا: یہ کاف تاکید کے لیے ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عرب کے محاورہ کے موافق ہے، عرب کہتے ہیں: مثلك لا یبخل آپ جیسا شخص بخل نہیں کرتا اور مراد ہوتا ہے: آپ بخل نہیں کرتے، سو یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے۔

تفسیری نکات

کوئی چیز حق تعالیٰ کے مماثل نہیں

حق تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں اس لئے خدا کا ہاتھ ہمارے اور تمہارے ہاتھ جیسا نہیں ہے دیکھیے یہاں حق تعالیٰ نے لیس ھو کمثل شئ نہیں فرمایا کیونکہ حق تعالیٰ تو قدیم ہے اس میں یہ احتمال ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کا وجود کسی شیء کے وجود کی مماثلت پر قائم ہوا ہو اس لئے لیس ھو کمثل شیء کہنے کی ضرورت نہ تھی ہاں دوسری اشیاء حق تعالیٰ کے وجود سے متاخر ہیں ان میں یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ شاید ان میں سے کسی شی کا وجود یا صفت ذات حق تعالیٰ کے وجود یا ذات وصفات کی مثل بنائے گئے ہوں اس کی نفی فرمادی گو مماثلت طرفین سے ہوتی ہے اور جب ایک طرف سے مماثلت کی نفی ہوگی تو جانب آخر سے بھی نفی ہوگی اس لئے لیس کمثله شیء کا مفہوم لیس ھو کمثل شیء کے معنے کو بھی مسلزم ہے مگر پھر بھی جو صورت نفی تشبیہ کی قرآن میں ہے وہ اکمل ہے جس کا نکتہ میں نے بتلا دیا۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد محمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ ہجری لکھتے ہیں۔

اور ہے کہ مراد اس کی ذات جیسی کوئی شئ نہیں کیونکہ وہ کہا کرتے تھے۔ مثلك لا يبخل۔ اس سے ان کا مقصد اس کی ذات سے بخل کی نفی کرنا ہوتا تھا۔ پس کنایہ کے راستہ کو اختیار کر کے وہ اس میں مبالغہ پیدا کرتے کیونکہ جب وہ اس کی ایسے شخص سے نفی کرتے جو اس کے قائم مقام ہو تو وہ اس سے بالکل نفی کرتے۔ پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ باب الکنایات میں سے ہے تو ان اقوال میں فرق نہ رہا۔ لیس کا لله شیء اور لیس کمثله شیء البتہ کنایہ کا فائدہ تو اپنا ہے ہی گویا یہ دونوں عبارتیں ایک معنیٰ کو ادا کر رہی ہیں اور وہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مماثل کی نفی ہے۔ اور اسی طرح بل یداہ مبسوطتان۔ (المائدہ:۶۴) اس کا معنیٰ یہ ہے بلکہ وہ سخی ہے بغیر ہاتھ اور بسط کے تصور کے کیونکہ یہ جود کی تعبیر ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کو اس کے متعلق استعمال کرتے ہیں جس کے ہاتھ نہیں۔ پس اسی طرح اس کا استعمال ان کے لئے بھی ہے جن کی مثل ہے اور ان کے لئے جس کی کوئی مثل نہیں۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ (اور وہ ہر بات کو سننے والا) تمام مسموعات بغیر کان کے سننے والا ہے۔ الْبَصِيْرُ (دیکھنے والا ہے) تمام مرئیات کا بغیر آنکھ کی پتلی کے گویا ان دونوں کو ذکر کیا تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ اس کی کوئی صفت نہیں جیسا کہ اس کی کوئی مثل نہیں۔ (تفسیر مدارک تنزیل، شوریٰ، ۱۱، بیروت)

امام ابوعبداللہ قرطبی مالکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لیس کمثله شیء وھو السمیع البصیر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاف زائدہ تاکید کے لیے ہے یعنی اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ شاعر نے کہا: وصالیات ککما یؤثفین۔

یہاں کاف کو کاف پر داخل کیا گیا مقصود تشبیہ میں تاکید بیان کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مثل تاکید کے لیے زائد ہے یہ ثعلب کا قول ہے لیس کھوشی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فان امنوا بمثل مآامنتم به فقد اهتدوا (البقرہ:137) یہاں بھی مثل زائد ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قرات میں فان آمنوا بما آمنتم به فقداهتدوا اورابن حجر نے کہا:

وقتلی کمثل جذوع النخیل یغشام هم مطر منهمر

کتنے ہی مقتول ہیں جو کھجور کے تنوں کی طرح ہیں جنہیں موسلادھار بارش نے ڈھانپ رکھا ہے۔

شعر میں اصل کجذوع تھا۔ یہاں سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت کبریائی ملکوت اسماء حسنی صفات کی بلندی میں اپنی مخلوقات میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں جہاں تک ان اسماء کا تعلق ہے جن کو شرع نے خالق اور مخلوق دونوں کے لیے ذکر کیا ہے تو معنی حقیقی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں کیونکہ قدیم ذات کی صفات مخلوق کی صفات سے مختلف ہیں کیونکہ مخلوقات کی صفات اغراض واعراض سے جدانہیں ہوتیں جبکہ اللہ تعالیٰ غرض وعرض سے پاک ہے۔

بلکہ وہ ہمیشہ اپنی صفات واسماء کے ساتھ رہتا ہے جس طرح ہم نے اس کی وضاحت الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کی ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: لیس کمثلہ شیء کافی ہے۔ بعض علماء محققین نے فرمایا: توحید کا مطلب ہے ایسی ذات کو ثابت کرنا جو کسی ذات کے مسابہنہ ہو اور نہ ہی وہ صفات سے معطل ہو۔ واسطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ زائد بیان کیا ہے اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں اس کے اسم جیسا کوئی اسم نہیں اس کے فعل جیسا کوئی فعل نہیں اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں مگر لفظ میں موافقت ہوسکتی ہے ذات قدیمہ اس سے بالا ہے کہ اس کی صفت حادث ہو جس طرح یہ محال ہے کہ حادث ذات کی کوئی صفت قدیم ہو یہ اہل السنہ والجماعۃ کا مذہب ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ شوریٰ ۱۱، بیروت)

اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور فعلیہ کا بیان

الصِّفَات الذاتية و الفعلية

اما الذاتية فالحياة وَالْقُدْرَة وَالْعلم وَالْكَلَام والسمع وَالْبَصَر والارادة وَاما الفعلية فالتخليق والترزيق والانشاء والابداع والصنع وَغير ذَلِك من صِفَات الْفِعْل لم يزل وَلَا يزَال بصفاته واسمائه لم يحدث لَهُ صفة وَلَا اسْم

اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ، پس حیات، قدرت، علم، کلام، سماع، دیکھنا اور ارادہ ہے۔ جبکہ صفات فعلیہ جس طرح تخلیق، رزق دینا، کسی سابقہ مثل کے بغیر پیدا کرنا، اور بنانا اور صنعت وغیرہ جیسی صفات سے ہمیشہ موصوف ہے۔ لہٰذا اس کے اسماء میں سے کوئی بھی اسم اور صفات میں سے کوئی بھی صفت ایسی نہیں جو حادث ہو۔

شرح

2: صفات باری تعالیٰ: صفات کی دو قسمیں ہیں:

(۱): محکمات (۲): متشابہات

صفات محکمات: وہ ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ۔

صفات متشابہات: یہ وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات محکمات کی اقسام:

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: 1: صفات ذاتیہ 2: صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ:

جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف نہ ہو سکے اور یہ سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔

حیات: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (سورۃ بقرہ: 255)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی حیات ازلاً، ابداً وحیات کل شئی بہ مؤبداً ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا بیان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الجامع صحیح مع فتح الباری) کے باب صفة ابلیس وجنوده میں فرماتے ہیں (یحیٰ بن بکیر، لیث، عقیل، ابن شہاب، عروہ بن زبیر کی سند کے ساتھ) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان تم میں سے ایک کے پاس آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا، اس کو کس نے پیدا کیا حتی کہ وہ کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب کوئی آدمی یہاں تک پہنچ جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے (استغفار پڑھے) اور رک جائے پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری (مع فتح البخاری)

کتاب الاعتصام میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ سوال کرتے رہیں گے حتی کہ وہ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خالق کون ہے؟ امام مسلم نے صحیح مسلم (مع شرح النووی)

میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے جو قبل ازیں ہم صحیح بخاری کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں نیز انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث بھی ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ سوال کرتے رہیں گے حتی کہ وہ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو مخلوق کو پیدا فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ جو شخص اس طرح کی کوئی بات پائے تو وہ یہ کہے کہ

امنت باللہ ورسلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔

اس کے بعد امام مسلم نے اس حدیث کو کچھ دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے، آپ کی امت کے لوگ یہ کہتے رہیں گے کہ یہ کیا ہے، یہ کیا ہے حتیٰ کہ وہ بھی کہنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنے نفسوں میں کچھ ایسی باتیں پاتے ہیں کہ جنہیں زبان پر لانا بہت بڑا کام محسوس ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے یہ صورت حال پالی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جی ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے۔ پھر امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو محض (خالص) ایمان ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ان احادیث کے ذیل میں فرمایا ہے کہ جہاں تک ان احادیث کے معانی اور فقہ کا تعلق ہے تو ان میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ یہ تو صریح ایمان ہے یہ محض ایمان ہے۔ تو ان کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا ان باتوں کے زبان پر لانے کو بہت بڑا سمجھنا صریح ایمان ہے کہ اسے بڑا سمجھنا اور عقیدہ رکھنا تو بڑی دور کی بات ہے، شدت خوف کی وجہ سے اسے زبان پر لانے کو بھی بہت گراں سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان یقیناً مکمل اور تمام شکوک وشبہات سے پاک ہے، دوسری روایت میں اگرچہ اس بات کو بڑا سمجھنے کا ذکر نہیں ہے لیکن اس سے بھی مراد یہی ہے، یہ گویا پہلی روایت ہی کا اختصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

امام مسلم نے پہلی روایت کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ شیطان جب انسان کو گمراہ کرنے سے مایوس ہوجاتا ہے تو وہ اس کے دل میں وسوسے ڈال کر اسے پریشان کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب کہ وہ کافر کے پاس جیسے چاہتا ہے آتا جاتا ہے اور اس کل سلسلہ میں صرف وسوسہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ تو وہ جس طرح چاہتا ہے، کھیلتا ہے تو اس اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ وسوسہ کا سبب محض ایمان ہے یا یہ کہ وسوسہ ایمان کے خالص ہونے کی علامت ہے، چنانچہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایسا محسوس کرے تو وہ یہ کہے کہ

اٰمنت باللہ اور دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے اور اس وسوسہ سے رک جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس باطل خیال کو جھٹک دے اور اس کے ازالہ کے لئے اللہ کی طرف توجہ کرے۔ امام زری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم یہ دیا ہے کہ وسوسوں کو نظر واستدلال کے طریق سے باطل قرار دینے کی بجائے ان سے اعراض کر کے اور انہیں جھٹک کر دور کرنا چاہئے تو اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وسوسوں

کی دوقسمیں ہیں۔وہ جو مستقل نہیں ہیں اور نہ وہ شبہات کی پیداوار ہیں تو اس قسم کے وسوسوں کو اعراض اور روگردانی کے ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے، چنانچہ پہلی حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا اور اس طرح کی کفیت کو وسوسہ کا نام دیا جائے گا، گویا جب کسی اصل کے بغیر کوئی امر طاری ہو تو اسے دلیل پر غور وفکر کئے بغیر رد کر دیا جائے گا کہ اس کا کوئی اصل ہے ہی نہیں کہ اس کا جائزہ لیا جائے لیکن اس کے برعکس جو وسوسے شبہات کی پیداوار ہیں، انہیں باطل قرار دینے کے لئے نظر واستدلال ہی کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے اور اس سے رک جائے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب یہ وسوسہ پیدا ہو تو آدمی کو چاہئے کہ اس کے شر کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کے بارے میں غور وفکر سے باز رہے اور جان لے کہ یہ خیال باطل شیطانی وسوسہ ہے اور شیطان کی یہ کوشش ہے کہ وہ انسانوں کو گمراہ کر کے فتنہ وفساد میں مبتلا کر دیا لہٰذا وسوسہ کی طرف مائل ہونے سے فوراً اعراض کرنا چاہئے اور اسے ختم کرنے کے لئے اسے ذہن سے جھٹک کر آدمی کو چاہئے کہ کسی اور کام میں مشغول ہو جائے۔ (شرح صحیح مسلم از امام نووی)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس جواب کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا، جب یہاں تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور رک جائے۔ یعنی اس وسوسہ کو مزید جاری رکھنے سے رک جائے، اس کے ازالہ اور خاتمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور جان لے کہ اس وسوسہ کے ذریعے شیطان اس کے دین وعقل کو خراب کرنا چاہتا ہے لہٰذا کسی دوسری بات میں مشغولیت اختیار کر کے اسے ترک کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب شیطان وسوسہ ڈالے اور انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہوئے اس وسوسہ کو مزید وسعت دینے سے رک جائے، تو وسوسہ ختم ہو جاتا ہے۔ انسان کا انسان کے ساتھ معاملہ ہو تو اسے حجت وبرہان کے ساتھ خاموش کیا جاسکتا ہے کیوں کے انسان کے ساتھ کلام سوال وجواب کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ کلام محدود ہوتا ہے۔ اگر انسان صحیح اسلوب اختیار کرے اور صحیح دلیل پیش کرے تو مدمقابل جو انسان ہو وہ خاموش ہو جاتا ہے لیکن اس کے برعکس شیطان کے وسوسہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ انسان جب ایک دلیل دیتا ہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں دوسری دلیل پیش کرتا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ انسان حیران وپریشان ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ ذلک

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ شیطان کا یہ کہنا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا۔ یہ ایک بے معنی کلام ہے جس کا آخری حصہ پہلے کے مخالف ہے کیونکہ جو خالق ہو اس کیلئے یہ محال ہے کہ وہ مخلوق ہو۔ اس سوال کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس سے تسلسل لازم آتا ہے اور وہ محال ہے اور عقل نے یہ ثابت کیا ہے کہ محدثات کسی محدث کی محتاج ہیں اور اگر محدث بھی کسی اور محدث کا محتاج ہو تو وہ محدث نہ رہا بلکہ وہ بھی محدثات میں سے ہو گیا۔

علامہ خطابی نے یہاں جو شیطانی وسوسہ اور انسانی کلام میں فرق کیا ہے یہ محل نظر ہے کیونکہ صحیح مسلم میں جو حدیث ہشام بن عروۃ عن ابیہ کی سند سے ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ لوگ ہمیشہ سوال کرتے رہیں گے یہ اس مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جو شخص اس طرح کی کوئی بات پائے تو وہ یہ کہے کہ

امنت باللہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں تو اس حدیث میں اس بات میں غور وخوض کو جاری رکھنے سے منع فرمادیا ہے اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا کہ سائل بشر ہے یا کوئی اور۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے بارے میں مجھ سے دو آدمیوں نے پوچھا لیکن جب سوال ہی بے معنی تھا تو وہ جواب کا مستحق نہ تھا یا اس قسم کے وسوسہ سے رک جانا اسی طرح ہے جس طرح صفات وذات باری کے بارے میں غور وغوض سے روک دیا گیا ہے۔

علامہ مازری بیان کرتے ہیں کہ وسوسوں کی دو قسمیں ہیں (۱) جو مستقل نوعیت کے نہیں ہوتے اور نہ وہ شبہ کی پیداوار، انہیں اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ان سیر وگردانی کرلی جائے جیسا کہ حدیث میں ہے، اس قسم کے خیا کو وسوسہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (۲) وہ خیالات جو مستقل نوعیت کے ہوتے ہیں اور شبہات کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ نظر واستدلال سے کیا جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حکم یہ ہے کہ وسوسہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے اور کسی دوسرے کام میں مشغولیت اختیار کرلی جائے لیکن اس کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے کہ اس پر غور کیا جائے اور دلیل دی جائے کیونکہ اس بات کا علم کہ اللہ عزوجل اپنے موجد سے بے نیاز ہے، ایک ضروری امر ہے جس میں کسی قسم کے مناظرہ کو کوئی گنجائش نہیں اور پھر اس مسئلہ میں زیادہ سوچ بچار کرنے سے انسان کی حیرت میں اضافہ ہوگا اور جس کا یہ حال ہو اس کا علاج یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اسی کی ذات گرامی کے ساتھ وابستگی اختیار کرے۔ اس حدیث میں ایسے امور کے بارے میں کثرت سوال کی مذمت کا اشارہ بھی ہے، جن سے آدمی کو کوئی فائدہ نہ ہو اور وہ ان سے بے نیاز ہو، اس حدیث میں نبوت کی صداقت کی یہ دلیل بھی ہے کہ جن باتوں کے وقوع پذیر ہونے کی آپ نے پیش گوئی فرمائی، وہ واقع ہو کر رہیں۔

معرفت الٰہی کا مفہوم

معرفت کے لغوی معنی شناخت، پہچان، آگہی اور واقفیت کے ہیں۔ معرفت الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جانا جائے، اسے پہچانا جائے، اس سے واقفیت حاصل کی جائے۔ کسی بھی شخصیت کی پہچان یا تو اس کے ظاہری وجود کو دیکھ کر ہوتی ہے یا پھر اس سے متعلق کچھ خصوصیات کو پہچان کر۔ مثال کے طور پر ایک باپ اپنے بیٹے کو دیکھتا ہے تو شناخت کرلیتا ہے۔ دوسری جانب ایک بیٹی جب کھانا کھاتی ہے تو ماں ذائقے سے پہچان لیتی ہے کہ یہ کونسی بیٹی نے پکایا ہے۔ باپ کی شناخت ظاہری وجود کو دیکھ کر اور ماں کی معرفت بیٹی کی صفت کو دیکھ کر ہوئی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اللہ کی معرفت اس کے

ظاہری وجود کے ذریعے کم از کم اس دنیا میں تو ممکن نہیں۔ چنانچہ اسے کسی حد تک جاننے اور پہچاننے کا واحد ذریعہ اس کی وہ چند صفات ہیں جو انسان کے سمجھ میں آسکتی ہیں۔

لیکن صفات کی اس معرفت پر کچھ اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور ان کا تجزیہ ضروری ہے۔

معرفت کیوں ضروری ہے؟

پہلا سوال یہ ہے کہ آخر معرفت یا اللہ کو پہچاننا کیوں ضروری ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے یہ بات جان لینی چاہیے کہ کسی بھی شخصیت سے تعلق کی ابتدا اسے پہچاننے اور جاننے ہی سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر میں سقراط کو پسند کرتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس نے ہمیشہ صداقت اور حق کی تعلیم دی اور اس صداقت کی خاطر زہر کا پیالہ تک پی لیا لیکن اپنے اصولوں پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ سقراط کے بارے میں اس معلومات کی بنا پر میرا اس سے ایک قلبی تعلق ہے۔ لیکن وہ شخص جس نے سقراط کا صرف نام سن رکھا ہے اس کا نہ تو اس سے کوئی رشتہ ہے اور نہ ہی کوئی جذباتی وابستگی۔ اسی سے ملتا جلتا معاملہ اللہ کی معرفت کا ہے۔ اس دنیا میں ہر شخص اللہ کو کسی نہ کسی نام سے جانتا ہے لیکن اسے علم نہیں کہ خدا کی صفات کیا ہیں؟ چنانچہ اس کی یہ لاعلمی یا کم علمی اپنے خالق سے تعلق کی کمزوری اور بالآخر معدومیت کی سبب بن جاتی ہے۔ سقراط کو نہ جاننے کا تو کوئی نقصان نہیں لیکن اپنے خالق کو نظر انداز کر دینا منطقی طور پر کئی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے۔

کیا دیکھے بنا معرفت ممکن ہے؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کسی کو دیکھے بنا اس کی معرفت کس حاصل کی جاسکتی ہے؟ اس کی تفہیم کے لئے آپ ایک بچے کا تصور کریں جو پیدائش کے فوراً بعد اپنی ماں سے الگ کر کے کسی اور ملک بھیج دیا گیا ہو۔ لیکن وہاں اس کے سرپرست اسے مسلسل اس کی ماں کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں کہ اس کی ماں کیسی ہے؟، وہ کس طرح اسے یاد کرتی ہے؟، اس کی کیا عادات ہیں؟، وہ صبح وشام کیا کرتی ہے؟ وغیرہ۔ تو کیا بیٹا محض اس بنا پر اسے ماں تسلیم کرنے سے انکار کر دیگا کہ اس نے اسے دیکھا نہیں؟۔ وہ اپنی ماں کو دیکھے بنا اس کی صفات کو سمجھ سکتا، اس کے لمس کو محسوس کر سکتا، اس کی تڑپ دل میں لا سکتا اور اس کے تصور سے اپنے دل کو بہلا سکتا ہے۔ اللہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ ہم اسے دیکھے بنا اس کی صفات کو سمجھ کر اس کا عرفان حاصل کر سکتے ہیں۔

کیا صفات کی معرفت کافی ہے؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ آیا ذات کی بجائے محض صفات کی معرفت کافی ہے؟ ذات درحقیقت ظاہر کا نام ہے اور صفات اس کا ظہور ہیں۔ مثال کے طور پر ایک انسان کے پاوں، ہاتھ، آنکھیں اور کان وغیرہ ہوتے ہیں یہ اس کا ظاہری ڈھانچہ ہے۔ جب یہ انسان بولتا دیکھتا اور سنتا ہے تو یہ اس کی صفات کہلاتی ہیں۔ کسی بھی شخص سے تعلق کی ابتدا تو ظاہری شخصیت ہی سے ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ تعلق اس کی صفات سے ہی قائم ہوتا اور ارتقاء پذیر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ ایک

صاحب سے ملتے ہیں اور ان کی ظاہری شخصیت آپ کو پسند آتی ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بھلا آدمی ہے۔ کچھ دنوں بعد آپ کی ان سے دوستی ہوگئی۔ لیکن بعد میں علم ہوا کہ وہ صاحب تو فحش فلموں کے شوقین ہیں۔ آہستہ آہستہ آپ نے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر آپ دیکھیں تو تعلق کا خاتمہ ان کی ایک بری صفت کی بنا پر ہوا جبکہ ان کی ظاہری شخصیت ویسی ہی آب و تاب سے اپنی جگہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بھی ہمارا سارا تعلق اس کی صفت رحم و کرم، قدرت و عظمت، علم و حکمت اور خلاقی و ربوبیت کی بنا پر ہوتا ہے اس سے قطع نظر کے اس کی ذات کی ساخت کیا ہے؟

کیا نامکمل عرفان کفایت کرتا ہے؟

ایک اور سوال یہ ہے کہ کیا نامکمل عرفان سے کام چل سکتا ہے؟ درحقیقت اللہ کی ذات لامحدود ہے جو انسان کے حیطہ ادراک میں نہیں آسکتی۔ اللہ کی ذات تو دور کی بات ہے انسان خود اپنی ذات کو بھی کامل طور پر نہیں سمجھ پایا لیکن جتنی معلومات زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہیں انسان ان کو سمجھتا، استعمال کرتا اور زندگی گذارتا ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنی ذات کے کامل ادراک کے بغیر بھی معاملات کر سکتا ہے تو اللہ کے کامل عرفان کے بنا بھی یہ تعلق قائم ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ نے انسان کو عقل و فطرت اور وحی کے ذریعے وہ ضروری راہنمائی عطا کی ہے جو عبد و معبود کے رشتے کو قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔

معرفت کا طریقہ کیا ہے؟

اس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ کیا معرفت حاصل کرنے کا کوئی پراسرار یا خاص روحانی طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کو پہچاننے کا وہی ذریعہ معتبر ہوگا جس کی توثیق خود اللہ نے کی ہو۔ چنانچہ اللہ کے عرفان کا نظری مواد قرآن میں موجود ہے اور اس کی عملی تصویر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ثبت ہے۔ لہٰذا ہر مراقبے، چلہ کشی، جنگلوں کے ڈیرے، اوراد و وظائف کو قرآن و سنت کی کسوٹی سے گذرنا ہوگا خواہ وہ مشق کتنے ہی بڑے بزرگ کی بیان کردہ کیوں نہ ہوں۔

دوسرا حصہ: اللہ کی صفات اور ننانوے نام

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان کا واحد ذریعہ وہ صفات الٰہی ہیں جنہیں اس دنیا میں سمجھا جاسکتا ہے۔ ان صفات کو اہل مذہب ہی نے موضوع نہیں بنایا بلکہ فلسفیوں نے بھی ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ مثال کے طور پر افلاطون کہتا ہے کہ خدا کو کلیات کا علم ہے جزیات کا نہیں۔ اسی طرح دیگر اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے بھی خدا کی صفات کا ایک خاکہ ضرور تعمیر کیا۔ مثلاً اہل عرب کے مشرکین یہ کہتے تھے کہ اللہ نے کائنات تخلیق تو کردی لیکن اس نے اپنے اختیارات میں لات، منات، عزیٰ، ہبل اور دیگر بزرگ ہستیوں کو منتقل کر دیئے۔ یا ہندو خدا کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ انسان کی صورت میں اوتار بن کر اس دنیا میں آتا ہے وغیرہ۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو مذہب میں بگاڑ کی علمی وجہ اللہ کی صفات کی غلط تفہیم ہی ہے۔ انہی لوگوں کو سورہ اعراف میں تنبیہ کی گئی ہے۔

ترجمہ: "اور اللہ کے لئے تو صرف اچھے نام ہیں، اس کو انہی کے ساتھ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں

(صفات) کے ساتھ کج روی اختیار کر رتے ہیں۔اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں عنقریب اس کا بدلہ پالیں گے"۔

(الاعراف)

چنانچہ یہ لازم ہے کہ ان صفات کو سمجھنے اور انہیں متعین کرنے میں حد درجے احتیاط سے کام لیا جائے۔خوش قسمتی سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں اپنی صفات کا بڑا تفصیلی تعارف کروایا ہے۔لہٰذا کسی اور ذریعے کی جانب رجوع کرنے سے قبل اللہ کی قرآن میں بیان کردہ صفات کو سمجھنا ضروری ہے۔

صفاتِ الٰہی اور اسمائے حسنیٰ

لفظ "اللہ" خدائے بزرگ و برتر کا ذاتی نام ہے جبکہ الرحمٰن یا الرحیم وغیرہ اس کے صفاتی نام ہیں۔قرآن میں اللہ کے ناموں سے مراد یہی اللہ کی صفات ہیں۔ان صفات یا ناموں کو سمجھنا،ان کے ذریعے یاد کرنا،ان کے ذریعے اس سے تعلق قائم کرنا،اسے پکارنا،اس کے آگے جھکنا،اس مدد طلب کرنا ہی اصل میں دین کی بنیاد ہے۔

یہی حقیقت اس حدیث میں بیان ہوتی ہے۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں،جو شخص ان ناموں کو یاد کرلے،تو وہ جنت میں داخل ہوگا،احصیناہ کے معنی ہیں،،حفظناہ، (یعنی ہم نے اس کو یاد کرلیا) ہے"۔(صحیح بخاری:جلد سوم:حدیث نمبر2244)

یہی حدیث صحیح مسلم میں بھی بیان ہوئی ہے لیکن دونوں ائمہ یعنی امام مسلم اور امام بخاری نے ناموں کی فہرست نہیں دی ہے۔البتہ یہ فہرست ابن ماجہ،ترمذی اور دیگر حدیث کی کتابوں میں بیان ہوئی ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی حدیث سند کے اعتبار سے درست نہیں۔امام ترمذی اور صاحب ابن ماجہ و دیگر نے تحکیم میں اپنی بیان کردہ احادیث کو خود ہی ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔نیز جب ان احادیث میں بیان کردہ ناموں کی گنتی کی جاتی ہے تو یہ سے زیادہ نکلتے ہیں۔

جہاں تک بخاری و مسلم شریف کی احادیث کا تعلق ہے تو یہ اپنے محل کے اعتبار سے بالکل درست ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ ان احادیث میں "یاد کرنے" کے الفاظ نہیں بلکہ لفظ ہے "احصیناہ" جس کے معنی شمار کرنا ہوتے ہیں،چنانچہ اس سے مراد کوئی بھی ایسا شخص ہے جس نے اللہ کی بیان کردہ صفات کو شمار کیا،یاد کیا،ان پر ایمان لایا اور ان کے مطابق عمل کیا۔یہی مفہوم صاحب مشکوٰۃ نے بھی اس حدیث کی تشریح میں کچھ علماء کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف:جلد دوم:حدیث نمبر808)۔

جہاں تک ناموں کی حتمی گنتی کا تعلق ہے تو یہ نام نہ تو قرآن میں متعین طور پر بیان ہوئے ہیں اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں۔کچھ علماء جن میں امام رازی بھی شامل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ پانچ ہزار نام ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

امام نووی لکھتے ہیں کہ (ترمذی کی) اس حدیث (جس میں اللہ کے ننانوے ناموں کا ذکر ہوا ہے) میں اسماء کا حصر نہیں

ہیکہ یہی وہ ننانوے نام ہیں جن کو کسی نے گن لیا تو وہ جنت میں جائے گا اس کی وجہ ایک اور حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "میں تجھ سے ہر نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں (شرح صحیح مسلم جلد دوم، بحوالہ شرح صحیح مسلم از غلام رسول سعیدی۔ جلد سابع) ترمذی اور ابن ماجہ کی وہ روایات جن میں ننانوے ناموں کا ذکر ہے ان کے حتمی نہ ہونے کا ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ حافظ ابن حجر نے ان پر اتفاق نہیں کیا اور کچھ کمی وبیشی کے ساتھ ننانوے ناموں کی فہرست براہ راست قرآن سے اخذ کرنے کی کوشش کی (فتح الباری)۔ یہ ساری بحث مولانا منظور نعمانی کی معارف الحدیث جلد پانچ میں پڑھی جاسکتی ہے۔

چنانچہ ناموں کی تعداد پر اصرار ممکن نہیں۔ غالباً بخاری ومسلم کی احدیث میں کا ہندسہ کثرت کے بیان کے طور پر آیا ہے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث ہے کہ میں دن میں ۰ مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ تو یہاں ۰ کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ استغفار کرنا۔ اس بات کی تصدیق قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: " کہہ دو کہ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، سارے اچھے نام اسی کے ہیں" (بنی اسرائیل)

صفات کے تعین کے اصول

اللہ کی صفات کو متعین کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

پہلا اصول یہ ہے کہ اللہ کا کوئی بھی نام یا صفت اپنی نوعیت کے اعتبار سے اچھی ہونی لازمی ہے اور کوئی بھی بری صفت کو اللہ سے منسوب کرنا اللہ کی ذات کے لئے عیب ہے جو ممکن نہیں۔ یہی حقیقت سورہ اعراف میں بیان ہوئی ہے۔

"اور اللہ کے لئے تو صرف اچھے نام (صفات) ہیں" (سورہ اعراف)

دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ کا نام یعنی اسم تو "اللہ" ہے جبکہ دیگر ناموں کی حیثیت صفات کی ہے۔ چنانچہ اللہ کے صفاتی ناموں کی کسی مخصوص تعداد پر اصرار نامناسب ہے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں بیان ہوتا ہے۔ " کہہ دو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو سارے اچھے نام (صفات) اسی کے ہیں" (بنی اسرائیل)۔

۔تیسرا اصول یہ ہے کہ کسی صفت کو متعین طور پر اللہ کی صفت قرار دینے کے لئے کسی مستند ذریعہ کا ثابت ہونا لازمی ہے۔ اس مستند ذریعے کے بغیر استنباط سے اخذ کی گئی صفت پر بہر حال کلام ممکن ہے۔ سب سے مستند ذریعہ قرآن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی صفات بیان کی ہیں۔

ایک اور اصول یہ ہے کہ ہر صفت کا مفہوم متعین کرنے کا سب سے مستند ذریعہ چونکہ قرآن ہے چنانچہ قرآن کے سیاق سباق میں رہتے ہوئے صفت کی تفہیم بہتر ہے۔ پھر بعد میں اس کا اطلاق عام یا خاص کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ صفات مفرد بیان ہوئی ہیں جیسے عزیز، علیم اور حکیم وغیرہ چنانچہ ان کا اطلاق مفرد اور عمومیت کے ساتھ ہی بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ کچھ افعال خاص پس منظر کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جیسے "فالق الحب و النویٰ" (سورۃ انعام) قرآن کی ایک آیت ہے جس کا مطلب ہے " دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا"۔ اس آیت میں "فالق یعنی پھاڑنے والا" اللہ کا فعل بیان

ہوا ہے۔ چنانچہ اس فعل کو عام کر کے اللہ کو علی الاطلاق "پھاڑنے والا" نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اسے تخصیص کے ساتھ ہی بیان کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ گٹھلی اور دانے کا پھاڑنے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت ہے کہ "ام نحن الزارعون" (سورۃ الواقعہ) جس کا ترجمہ ہے کہ "یا ہم کھیتی اگانے والے ہیں"۔ اس میں زارع یعنی اگانے والا "اللہ کا فعل بیان ہوا ہے لیکن یہ ایک مخصوص معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح کچھ صفات کسی دوسری صفت کی خصوصیت کے طور پر بیان ہوئی ہیں مثال کے طور پر ایک جگہ بیان ہوتا ہے کہ اللہ شدید العقاب یعنی سخت بدلا لینے والے ہیں۔ تو یہاں اللہ کو شدید کی صفت سے منسوب کرنا نامناسب ہوگا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کے بعض افعال بیان ہوئے ہیں۔ ان افعال سے بھی اکثر لوگ صفت اخذ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ فرمائیں

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران)

ترجمہ: اور تو جسے چاہے عزت جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کی بنیاد پر اللہ کی مذل (ذلت دینے والا) یا معز (عزت دینے والا) کی صفتیں اخذ کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس کا ایک مخصوص پس منظر میں ہے جس کا اطلاق تعمیم کے ساتھ ہر جگہ نہیں کیا جا سکتا۔

آخری اصول یہ ہے ہر صفت کو الگ الگ سمجھنے کی بجائے صفات کی درجہ بندی اور بڑے گروپ بنالینا زیادہ مناسب ہے تاکہ بہت سی صفات میں مماثلت کی توجیہ ہو سکے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی تفہیم بھی آسان ہو جائے۔

تیسرا حصہ: صفات الٰہی کا بیان

اس مضمون میں صرف قرآن میں بیان کردہ وہ صفات الٰہی شامل کی گئی ہیں جو خود قرآن میں بطور صفت آئی ہیں۔ یعنی اس مضمون میں کوئی صفت استنباطی نہیں بلکہ براہ راست ایک صفت الٰہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ نیز اس میں وہ صفات بیان ہوئی ہیں جو تعمیم کے ساتھ علی الطلاق بیان کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح قرآن میں بیان کردہ صفات کو درجہ بندی کر کے پانچ بڑے زمروں یعنی گروپ میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

صفات کی گروہ بندی

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ تمام صفات کو ان کی نوعیت کے اعتبار سے پانچ بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پہلا گروہ صفات رحم الٰہی، دوسرا قدرت الٰہی، تیسرا علم الٰہی، چوتھا خلاق الٰہی اور پانچواں توحید الٰہی پر مشتمل ہے۔

رحم الٰہی

صفات رحم وکرم اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ انتہائی مہربانی، شفقت، رحم، نرم دلی اور سخاوت اور بخشش کا اظہار ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا، ان میں تقاضے پیدا کئے اور پھر ان تقاضوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اپنی رحمت، لطف اور کرم نوازی کا اظہار کیا۔ چنانچہ کبھی وہ مخلوق پر محبت اور شفقت نچھاور کرتا نظر آتا ہے تو کبھی مخلوق کی بات سنتا، ان کی غلطیوں تحمل سے پیش آتا، ان کی خطاؤں سے درگذر کرتا، نیکو کاروں کی قدر دانی کرتا اور اپنی حکمت کے تحت انہیں بے تحاشا نوازتا دکھائی دیتا دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک بندہ جب مشکل میں گرفتار ہوتا تو وہ اس کے لئے سلامتی بن جاتا، اسے اپنی پناہ میں لے لیتا، اس کی مشکلات کے سامنے چٹان بن جاتا، آگے بڑھ کر اس کی مدد کرتا اور گھٹا گھوپ اندھیروں میں ہدایت کا نور بن جاتا ہے۔ یہی لطف و کرم اللہ کا پہلا تعارف ہے جو انسان کو اس کے سامنے جھکاتا، اسکا احسان مند بناتا اور اسے شکر پر مجبور کرتا ہے۔

شفقت و مہربانی کی صفات

اس ذیلی گروپ کی مرکزی صفت اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ محبت، شفقت، نرم دلی اور مہربانی کا اظہار ہے۔ یہ اس کی شفقت اور محبت ہی ہے کہ وہ کھلاتا، پلاتا، سلاتا، جگاتا، اٹھاتا، بٹھاتا ہے۔ جب انسان گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے تو اسے ماں کا گہوارہ اور باپ کی شفقت فراہم کرتا ہے۔ جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ پاوں کو طاقت بخشتا اور ماحول کو سازگار بنا دیتا ہے۔ غرض وہ کسی لمحے انسان پر شفقت وعنایت کرنا نہیں بھولتا خواہ وہ اس کو ماننے والا ہو یا اس کا انکاری ہو۔ اس زمرے میں درج ذیل صفات آتی ہیں۔

الرحمٰن۔ اسم "اللہ" کے بعد یہ پہلی صفت ہے جو بڑی شدومد سے قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ رحمٰن کا مطلب ہے سراپا رحمت۔ یعنی اللہ اپنے بندوں کے لئے سرتا سر رحمت ہیں۔ ان کی رحمت، مہربانی اور عطا کا دریا بے انتہا جوش اور طاقت کے ساتھ ابل رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ کائینات کی ہر شے کو اپنا فیض پہنچا رہا اور اسے سیراب کر رہا ہے۔ یہ اسی رحمانیت کی بدولت ہے کہ رات انسان کے لئے آرام کا بچھونا فراہم کرتی، دن معاشی سرگرمیوں کے لئے حاضر خدمت ہو جاتا ہے۔

الرحیم۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے شفقت، مہربانی اور نرم دلی۔ یہ صفت بھی اپنے بنیادی مفہوم کے اعتبار سے رحمٰن کے قریب تر ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی تحقیق کے مطابق یہ رحمت کے استمرار، دوام اور پائداری کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی اللہ کا رحم اور شفقت کوئی ایک دن کا معاملہ نہیں کہ جوش آیا تو سب کچھ نچھاور کر دیا اور جب ولولہ ٹھنڈا ہوا تو ہاتھ روک لیا۔۔ بلکہ رحیم کی صفت رحمت کے دریا کے تسلسل کو ظاہر کرتی ہے۔ لہذا ایسا نہیں کہ سورج ایک دن اپنی حرارت فراہم کرتا اور دوسرے دن ٹھنڈا ہو جاتا ہے، یا رات کچھ عرصے تک نیند کا سامان مہیا کرتی اور پھر بے چینی باعث بن جاتی ہے یا ماں کی گود ایک وقت میں گہوارا اور دوسرے وقت میں انگارہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ لطف و کرم، مہربانی اور عنایتوں کا سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے جاری و ساری ہے اور جب تک اللہ چاہیں گے جاری رہے گا۔

الکریم: اس کے لغوی معنی کرم کرنے والا، نوازنے اور عطا کرنے والا، درگذر کرنے والا کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان

تمام ہی معنوں میں کریم ہیں۔

الودود: اس کا مطلب محبت کرنے والی ہستی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کرتے ہیں لہٰذا کوئی اگر ان سے مغفرت طلب کرے، ان کی جانب پلٹے، اپنی خطاؤں پر نادم ہو جائے تو اللہ بھی اس کی جانب توجہ کرتے، اسے اپنی محبت اور الفت کے پردے میں چھپالیتے اور اس پر اپنے جودوکرم کی بارش کر دیتے ہیں۔

الرؤوف۔ اس کے مفہوم میں مہربان، شفیق، ترس کھانے والی ذات شامل ہے۔

الشکور۔ مطلب بہت زیادہ قدر دان۔ یعنی اللہ تعالیٰ نیکوکاروں اور بھلائی کرنے والوں کے بڑے قدر دان ہیں۔

الحلیم۔ بڑا ہی بردبار۔ اسی لئے علانیہ نافرمانی بھی اس کو مجرمین کو فوری سزا پر آمادہ نہیں کرتی اور گناہوں کی وجہ سے اللہ ان کا رزق بھی نہیں روکتے۔

الحمید۔ اس سے مراد ممدوح، ستودہ، پسندیدہ اور قابل تعریف ہستی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انتہائی تعریف کے قابل اور پسندیدہ صفات کے حامل ہیں۔

الوھاب۔ بغیر غرض کے اور بغیر عوض کے خوب دینے والا۔ بندہ بھی کچھ بخشش کرتا ہے مگر اس کی بخشش ناقص اور ناتمام ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کامل تر ہے اور اس میں سب کچھ ہی داخل ہے۔

البر: احسان کرنے والا۔ اللہ کا وجود بخشنا، پالنا اور زندگی کی نعمتیں فراہم کرنا یقینی طور پر ایک احسان ہے۔

سلامتی و امن کی صفات

رحم کا ایک اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ مخلوق کو داخلی اور خطرات سے بچایا جائے، اسے پناہ دی جائے، اسے سکھ چین، آرام اور سکون فراہم کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر سکھ، چین اور راحت کا منبع ہے۔ لہٰذا آسمانی آفتیں ہوں یا زمینی تباہ کاریاں، نفس کی فتنہ انگیزیاں ہوں یا اور شریر شیاطین جن و انس کی کارستانیاں، ہر داخلی اور خارجی خطرے میں اللہ ہی لوگوں کو اپنی حکمت کے تحت سلامتی، امن اور تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ اس ذیلی گروپ میں درج ذیل صفات مذکور ہیں۔

السلام

اس کا مفہوم آسودگی، راحت، قرار، اطمینان، سکون اور آرام ہیں۔ ہماری زندگیوں میں سکون اطمینان اور قرار کا منبع اللہ ہی کی ذات ہے چنانچہ وہ سراسر سلامتی یعنی سکون اور راحت دینے والی ہستی ہیں۔

المؤمن

اس کا مطلب امان یا پناہ دینے والی شخصیت کے ہیں۔ چنانچہ شیطان کے حملوں سے بچنے کیلئے بندہ خدا کی پناہ طلب کرتا ہے۔ دنیاوی مصیبتوں اور پریشانیوں میں بھی اللہ کی رحمت کے دامن میں پناہ کا طالب ہوتا ہے اور آخرت میں حشر، جہنم اور خود اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے اللہ ہی سے امان طلب کرتا ہے۔

المھیمن
اس کے معنی ظلیل، نگران، محافظ، معتمد اور وکیل کے ہیں۔ یہ اپنے معنوں میں امان، پناہ دینے، مقدمہ لڑنے اور نگرانی کرنے سب کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مسلسل نگرانی کرتے، انہیں پناہ دیتے اور مشکلات میں مدد طلب کرنے پر ان کی وکالت کرتے ہیں۔

الصمد۔ پناہ کی چٹان، ایک مضبوط پناہ۔ پناہ کی ایک خوبی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ محفوظ ہو اور دوسری خوبی یہ کہ وہ مضبوط ہو۔ چٹان میں یہ دونوں خوبیاں ہوتی ہیں اور اگر وہ چٹان اللہ کی ہو تو اس کی کاملیت کا اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں۔

الولی۔ مددگار اور دوست رکھنے والا یعنی اہل ایمان کا محب اور ناصر۔

المولی۔ حامی و مددگا

المستعان۔ جس سے مدد مانگی جائے

النصیر۔ نصرت اور فتح دینے والا اور مدد کرنے والا۔ اللہ ہر مرحلے پر اپنی مخلوق کی مدد کرتے اور انہیں مصیبت سے نکالتے ہیں۔

عفو و درگذر کی صفات

رحم کا ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ مخلوق کی کوتاہیوں سے صرف نظر کیا جائے، نادم ہونے والوں پر شفقت کی نگاہ ڈالی جائے اور بخشش طلب کرنے والوں کو معاف کردیا جائے۔ اس ضمن میں درج ذیل صفات مذکور ہیں۔

العفو۔ اس کا مطلب درگذر کرنا، صرف نظر کرلینا

الغفار: اس کے لغوی معنی کا مطلب ڈھانک دینا، چھپالینا، مٹادینا ہے جبکہ اصطلاحی معنی بہت بخشنے گناہوں کو بخشنے والا۔

الغفور: بخشش کرنے والا

التواب: توبہ قبول کرنے والا، رجوع کرنے والوں پر متوجہ ہونے والا۔

د۔ ہادی کی صفات

اسی رحمت کا ایک اور تقاضا یہ ہے کہ مخلوق کو ہدایت فراہم کی جائے، حق کے متلاشی لوگوں کو راہ دکھائی جائے، علم کھوجنے والوں کو درست سمت دکھائی جائے۔ اس میں مندرجہ ذیل صفات آتی ہیں۔

النور۔ اللہ بذات خود ظاہر اور روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے۔ نور اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرتا ہو۔ آسمان و زمین سب ظلمت عدم میں چھپے ہوئے تھے۔ اللہ نے ان کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نور وجود عطا کیا۔ جس سے سب ظاہر ہوگئے۔ اس لئے وہ نور السموات والارض یعنی آسمان و زمین کا نور ہے۔

الھادی۔سیدھی راہ دکھانے اور بتانے والا کہ یہ راہ سعادت ہے اور یہ راہ شقاوت ہے اور سیدھی راہ پر چلانے والا بھی ہے۔

قدرت الٰہی

اللہ کی قدرت سے متعلق صفات کا احاطہ کرتا ہے۔قدرت کا مادہ القدر ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کی انتہا، طاقت و قوت، عزت اور وقار ہے جبکہ القدرۃ کا مفہوم فعل یا ترک فعل کی طاقت ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ہر کام کے کرنے پر قادر ہے۔نیز وہ ہر شے، فعل یا ارادے کو ایک متعین پیمانے کے مطابق پورا کرنے پر قادر ہے۔لیکن اس کا ہر کام اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے چنانچہ اس قسم کے لایعنی سوالات کی اس ضمن میں کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ کیا اپنے ہی جیسا کوئی پیدا کرنا پر قادر ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ کا بیان

صِفَات اللہ ازلیۃ

لم یـزل عَـالـما بِعِلْمِهِ وَالْعلم صفة فِي الْاَزَل وقادرا بقدرته وَالْقُدْرَة صفة فِي الْاَزَل ومتكلما بِكَلَامِهِ وَالْكَلَام صفة فِي الْاَزَل وخالقا بتخليقه والتخليق صفة فِي الْاَزَل وفاعلا بِفِعْلِهِ وَالْفِعْل صـفة فِـي الْاَزَل وَالْـفَـاعِـل هُـوَ الله تَعَالٰى وَالْفِعْل صفة فِي الْاَزَل وَالْمَفْعُول مَخْلُوق وَفعل الله تَعَالٰى غير مَخْلُوق ۔

اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ ہیں۔وہ ہمیشہ اپنے علم کے ساتھ عالم ہے اور علم اس کی صفت ازلی ہے۔اور وہ اپنی قدرت کے ساتھ قادر ہے اور صفت قدرت اس کی ازلی صفت ہے۔اور وہ ہمیشہ اپنے کلام کے ساتھ متکلم ہے اور کلام اس کی صفت ازلی ہے۔اور وہ اپنی صفت تخلیق کے ساتھ خالق ہے اور تخلیق کرنا یہ اس کی ازلی صفت ہے۔اور وہ اپنے فعل کے ساتھ فاعل ہے اور فعل اس کی صفت ازلی ہے۔کیونکہ فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے۔اور مفعول مخلوق ہے۔جبکہ اللہ کا فعل غیر مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور لامحدود ذاتی ہے

اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے۔اس کے حسب ذیل معانی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کا اقتدار تمام کفار کو محیط ہے، کوئی کافر اس کے حیطہ اقتدار سے باہر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سب کو فوراً ہلاک کر دے اور آپ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر فوراً عذاب نازل کر دے، سو آپ ان کی تکذیب کی وجہ سے نہ گھبرائیں، جب اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینا چاہے گا تو اس کو ایک پل بھی دیر نہیں لگے گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے احاطہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب آ پہنچی ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے اور ان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا بیان

قرآن کریم کے کسی مسئلہ سے متعلق بعض آیات کو لینا اور بعض کو ہاتھ ہی نہ لگانا وہ بددیانتی ہے جو توریت کے ساتھ یہودی علماء اور انجیل کے ساتھ عیسائی پادری کرتے رہے۔ جسے قرآن کریم میں تحریف اور کتاب اللہ کا انکار قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے کچھ علماء نے بھی وہی وطیرہ اپنایا ہوا ہے۔ اپنے مطلب کی بات لینا اور جو اپنے خلاف ہو اسے چھوڑ دینا۔ اس جرم کی سزا قرآن میں یہ بتائی گئی ہے۔ کہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت تر عذاب (البقرہ، 85:2) ایسے علماء کو عبرت پکڑنی چاہیے کہیں یہی انجام ان کا بھی نہ ہو۔ قرآن میں یہ سب کچھ بیان کرنے کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ ہم ایسی حرکت نہ کریں ورنہ انجام ان سے مختلف نہ ہوگا۔

علم غیب قرآن سے ثابت ہے

سورہ بقرہ کی ابتداء میں متقین یعنی پرہیزگار لوگوں کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی گئی:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ. (البقرہ، 3:2) جو غیب پر ایمان لاتے

وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لائیں۔ غیب اس پوشیدہ حقیقت کو کہا جاتا ہے جو نہ حواس خمسہ سے معلوم ہو نہ عقل سے معلوم ہو۔ اس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی پہلی شرط ہے۔ ایمان تصدیق کو کہا جاتا ہے۔ تصدیق علم کے بغیر نہیں ہو سکتی تو غیب پر ایمان کا مطلب ہوا غیب کی تصدیق۔ غیب کی تصدیق غیب کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ بغیر علم تصدیق کرنا جھوٹ ہے مثلاً اللہ کی ذات وصفات، ملائکہ، انبیاء، قبر، حشر نشر، قیامت، جنت اور جہنم کی تفصیلات وغیرہ وہ حقائق ہیں جو نہ حواس سے معلوم ہیں نہ عقل سے۔ ہر مسلمان صرف نبی کے بتانے سے ان پر ایمان لاتا ہے ہے مثلاً قبر میں پہلا سوال، دوسرا سوال، تیسرا سوال، منکر نکیر وغیرہ ان حقائق کو سچا یقین کرنا تصدیق ہے اور یہی ایمان ہے۔ ہر مسلمان ان حقائق کو جانتا بھی ہے اور دل سے حق سچ مانتا بھی ہے۔ یہ سب علم غیب ہے جو نبی کے ذریعے ہمیں ملا۔ اب اگر کوئی شخص نبی کے لئے ہی علم غیب نہ مانے تو وہ نبی کی بات اور دعوت کی تصدیق کیسے کرے گا؟ نبی ان حقائق کی خبریں دیں گے اور وہ کہے گا آپ کو غیب کا کیا پتہ؟ اور جس کے پاس علم غیب نہیں اس کی غیبی خبر کا کیا اعتبار؟ دیکھا آپ نے ایمان کے یہ دشمن کس طرح مسلمانوں کو ایمان سے محروم کر رہے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا:

عالم الغيب والشهادة۔ (الحشر، 59، 22)

یعنی جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ مخلوق سے پوشیدہ ہے۔ اللہ اس کو بھی جاننے والا ہے۔ اللہ سے کبھی کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی، نہ ہے، نہ ہوگی۔

وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ .(یونس،10: 61)

اور آپ کے رب (کے علم) سے ایک ذرہ برابر بھی (کوئی چیز) نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز ہے

قدیم زمانے سے نجومی، رمال، جفار، جادوگر، طوطے والا، کاہن، نام نہاد درویش اور جنوں والے ہر دور میں علم غیب کا دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ اکثر لوگ بیماری، بے روزگاری، معلومات شادی، کاروبار وغیرہ کے سلسلہ میں پریشان رہتے ہیں۔ گرتے کو تنکے کا سہارا اور وہ ان لوگوں سے رجوع کرتے ہیں۔ جو ان سے نذرانے وصول کر کے الٹے سیدھے جواب دیتے ہیں اور پر امید رکھتے ہیں۔ ایسا صدیوں سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقِ خدا کو ان چالاک شعبدہ بازوں سے بچانے کے لئے قرآن کریم میں فرمایا:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط (النمل، 27: 65

فرما دیجیے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں (از خود) غیب کا علم نہیں رکھتے۔

انبیاء کے لئے علم غیب کا ثبوت

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے انبیاء کرام بھی تو غیب کی باتیں بتاتے تیں تو ان کو بھی دوسروں کی طرح سمجھیں حالانکہ انبیاء کرام کی غیبی باتیں تو سو فیصد سچی ہوتی ہیں۔ اگر انبیاء کرام کی بتائی ہوئی باتیں حقیقت ہیں تو شاید انبیاء کرام خود غیب جان لیتے ہیں۔ ان کی باتیں حق سچ ہوتی ہیں۔ اس خیال کی نفی کرنے کے لئے رسول اللہ اور دیگر انبیاء سے بذات خود غیب دانی کی نفی کروائی۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ .(الانعام، 6: 50)

اور نہ میں اَز خود غیب جانتا ہوں

جب انبیاء کرام بھی خود بخود غیب نہیں جانتے تو آخر ان کے علم غیب کی بنیاد کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو غیب کا علم عطا کیا۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ۝

(النسا،4: 113)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌo (آل عمران، 3:179)

اور اللہ مسلمانوں کو ہرگز اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم (اس وقت) ہو جب تک وہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهٖ اَحَدًاo اِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاo (الجن، 72:26 ، 27)

(وہ) غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (اُنہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ یہ خاصہ نبوت اور معجزہ رسالت ہے)، تو بے شک وہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے اور پیچھے (علمِ غیب کی حفاظت کے لیے) نگہبان مقرر فرما دیتا ہے۔

نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍo (التکویر، 81:24)

اور وہ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں (مالکِ عرش نے ان کے لیے کوئی کمی نہیں چھوڑی)۔

علمِ غیب حدیث پاک سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رایت ربی عزوجل فی احسن صوره قال فیم یختصم الملاء الاعلی قلت انت اعلم قال فوضع کفه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدیی فعلمت ما فی السموات والارض وتلا وکذلك نری ابراهیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین.

(دارمی، ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ ص، 5/342، الرقم:3233)

میں نے اپنے عزت وجلال والے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عالم بالا کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی تو بہتر جانتا ہے پھر اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا پر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی، ہم یونہی دکھاتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت کہ وہ یقین والوں میں سے رہیں۔

دوسری روایت میں ہے

فتجلّى لی کلَّ شیءٍ وعرفتُ ۔(ترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب سورة، ص، الرقم: 3235)

سومیرے لئے ہر شے روشن ہوگئی اور میں نے ہر چیز پہچان لی۔

ہم نے قران وحدیث سے نبی کا علم الغیب آپ کے سامنے پیش کر دیا اور نفی کی آیات کی توجیہہ بھی کر دی۔اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کے کلام میں اختلاف نہیں ہوتا بشرطیکہ دل میں خوف خدا ہو اور آدمی پوری حدیث پر نظر رکھے۔بعض کو ماننا اور بعض کا انکار مومن کی شان نہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔

نبی کا معنی

عربی زبان میں نبی کا مطلب ہے۔غیب کی خبریں دینے والا اور ظاہر ہے کہ غیب کی خبر وہی دے گا جسے غیب کا علم ہوگا بغیر علم کے خبر جھوٹی ہوتی ہے جبکہ نبی کی خبر قطعی سچی ہوتی ہے۔عربی کی لغت کی معتبر کتاب المنجد میں ہے۔

والنبوہ الاخبار عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ الاخبار عن اللہ وما یتعلق بہ تعالی ۔(المنجد، 784)

نبوت کا مطلب ہے اللہ کی طرف سے الہام پا کر غیب یا مستقبل کی خبر دینا۔نبی کا مطلب اللہ اور اس کے متعلقات کی خبر دینے والا۔

النبی المخبر عن اللہ لانہ انباء عن اللہ عزوجل فعیل بمعنی فاعل.

(لسان العرب لابن منظور، الفریقی، 14: 9)

نبی کا معنی اللہ کی خبر دینے والا کیونکہ نبی نے اللہ کی خبر دی۔فعیل فاعل کے معنی میں۔

النباء (محرکہ الخبر) وھما مترادفان وفرق بینھما بعض وقال الراغب النباء خبر ذو فائدہ عظیمۃ یحصل بہ علم او غلبۃ الظن ولا یقال للخبر فی الاصل نباحتی یتضمن ھذہ الاشیاء الثلاثۃ ویکون صادقا و حقہ ان یعتری عن الکذب کالمتواتر و خبر اللہ وخبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و نتضمنہ معنی الخبر یقال انباتہ بکذا او لتضمنہ معنی العلم یقال انباتہ کذا والنبی المخبر عن اللہ فان اللہ تعالی اخبرہ عن توحیدہ واطلعہ علی غیبہ واعلمہ انہ نبیہ.

(تاج العروس شرح القاموس للزبیدی، 1:121)

نبا (حرکت کے ساتھ) اور خبر مترادف ہیں۔بعض نے ان میں فرق کیا ہے۔امام راغب کہتے ہیں نبا بڑے فائدے والی خبر ہے۔جس سے علم قطعی یا ظن غالب ہے جس سے علم قطعی یا ظن غالب حاصل ہو جب تک ان تین شرائط کو متضمن نہ ہو خبر کو نبا نہیں کہا جاتا اور یہ خبر سچی ہوتی ہے۔اس کا حق ہے کہ جھوٹ سے پاک ہو جیسے متواتر

اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر چونکہ نبا خبر چونکہ نبا خبر کے معنی کو مضمن ہوتی ہے۔اس لئے کہا جاتا ہے میں نے اسے خبر بتائی اور چونکہ معنی علم کو متضمن ہوتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ میں نے اسے یوں خبر بتائی۔ نبی اللہ کی طرف سے خبر دینے والا ، بے شک اللہ نے آپ کو اپنی توحید کی خبر دی اور آپ کو اپنے غیب پر اطلاع دی اور آپ کو آپ کا نبی ہونا بتایا۔

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ،نماز ،زکوۃ ،حج ،حج کے مہینے دن جگہ ،زکوۃ کی شرح وشرائط ،اور نماز (صلوۃ) کی شکل وصورت سب غیب تھا صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے ہمیں ان کی تفسیر وتشریح معلوم ہوئی۔ جو شخص نبی کے علم غیب کا انکار کرے وہ ان شرعی احکام کو قرآن یا لغت کی مدد سے ثابت کر کے دکھائے۔ قیامت تک نہیں کرسکتا۔ پھر یہ کہنے سے پہلے کہ نبی کو اللہ نے غیب کا علم نہیں دیا۔اس کے نتائج اور اپنی عاقبت پر نگاہ رکھے۔امت کو گمراہ نہ کرے۔ رہی یہ حقیقت کہ علم اللہ کی عطا سے ہے تو ہم ہزار بار اعلان کرتے ہیں کہ کسی مخلوق کی نہ ذات مستقل ہے نہ کوئی صفت،سب اللہ کی عطا وکرم سے ہے مگر جو ہے اسے تسلیم تو کرنا فرض ہے۔یہی ایمان ہے،یہی دیانت ہے۔

غیب کی لغوی تعریف

غیب کا معنی چھپنا، پوشیدہ ہونا وغیرہ۔(المنجد،892)

امام راغب فرماتے ہیں غیب مصدر ہے۔سورج آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو کہتے ہیں غابت الشمس سورج غائب ہو گیا۔

کل غائب عن الحاسه وعما يغيب عن علم الانسان بمعنى الغائب يقال للشیء غيب وغائب باعتباره بالناس لا بالله تعالى فانه لا يغيب عنه الشیء قوله عالم الغيب والشهادة اى ما يغيب عنكم وما تشهدونه والغيب فى قوله يومنون بالغيب ما لا يقع تحت الحواس ولا تقتضيه بداية العقول وانما يعلم بخبر الانبياء عليهم السلام وبدفعه يقع على الانسان اسم الالحاد ۔(مفردات راغب: 367)

جو چیز حاسہ سے غائب ہو اور جو کچھ انسانی علم سے چھپا ہو بمعنی غائب ہے۔کسی چیز کو غیب یا غائب لوگوں کے اعتبار سے کہا جاتا ہے نہ کہ اللہ کے اعتبار سے کہ اس سے تو کوئی چیز غائب نہیں اور فرمان باری تعالیٰ (عالم الغیب والشہادۃ) کا مطلب ہے جو تم سے غائب ہے اللہ اسے بھی جاننے والا ہے اور جو تم دیکھ رہے ہو اسے بھی اور (یومنون بالغیب) میں غیب کا معنی ہے جو کچھ حواس سے بھی معلوم نہ ہو اور عقلوں میں بھی فوراً نہ آئے اسے صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے بتانے سے جانا جاسکتا ہے جو اس کا انکار کرے اسے ملحد کہتے ہیں۔

شرح عقائد میں ہے:

وبالجملہ العلم بالغیب امر تفرد بہ اللہ تعالی لا سبیل للعباد الیہ الا باعلام منہ..

(شرح عقائد مع النبراس:572)

خلاصہ کلام یہ کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ بندوں کے لئے اس طرف کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے بتائے اور وہ وحی کے ذریعے بتاتا ہے جیسے نبی کا معجزہ یا الہام کے ذریعے جیسے ولی کی کرامت یا نشانات وعلامات سے جیسے استدلالی علم۔

قاضی ناصر الدین بیضاوی (متوفی 791ھ) فرماتے ہیں:

المراد بہ الخفی الذی لا یدرکہ الحس ولا یقتضیہ بداھہ العقل وھو قسمان لا دلیل علیہ وھو المعنی بقولہ تعالی وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو . وقسم نصب علیہ دلیل کالصانع وصفاتہ والیوم الاخر واحوالہ وھو المراد بہ فی ھذہ الایہ (یومنون بالغیب)

(تفسیر بیضاوی،7:1)

غیب سے مراد ہے وہ پوشیدہ چیز جسے حس معلوم نہ کر سکے اور نہ بداہت عقل چاہے اس کی دو قسمیں ہیں پہلی جس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور وہی مراد ہے اللہ کے اس فرمان میں عندہ مفاتح الغیب الخ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں صرف وہ جانتا ہے، دوسری جس پر دلیل قائم ہو جیسے صانع (خالق) اور اس کی صفات، یوم قیامت اور اس کے احوال اور یہی مراد اس آیہ کریمہ یومنون بالغیب میں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

ان الغیب ھو الذی یکون غائباً عن الحاسہ ثم ھذا الغیب ینقسم الی ما علیہ دلیل والی ما لیس علیہ دلیل فالمراد من ھذہ الایہ مدح المتقین بانھم یومنون بالغیب الذی دل علیہ الدلیل بان یتفکروا ویستدلوا فیومنوا بہ وعلی ھذہ یدخل فیہ العلم باللہ تعالی وبصفاتہ والعلم بالاخر والعلم بالنبوہ والعلم بالاحکام وبالشرائع فان فی تحصیل ھذہ العلوم بالاستدلال مشقہ فیصلح ان یکون سببا لاستحقاق الثناء العظیم .(تفسیر کبیر، 2: 27)

غائب وہ ہے جو حاسہ سے غائب ہو پھر یہ غیب دو قسم پر ہے ایک وہ جس پر دلیل قائم ہو دوسری وہ جس پر دلیل نہیں۔ اس آیہ کریمہ سے مراد متقیوں کی تعریف کرنا ہے کہ وہ اس غیب پر ایمان رکھتے ہیں جس پر دلیل قائم ہے کہ غور وفکر اور استدلال کرتے ہوئے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم، آخرت، نبوت اور احکام شرع کا علم شامل ہے کیونکہ ان علوم کو استدلال سے حاصل کرنے میں مشقت ہے لہٰذا بڑی مدح وثنا کا مستحق ہے۔

ایک سوال کا جواب

امام رازی ایک سوال قائم کرتے ہیں:

فان قيل اتقولون العبد يعلم الغيب ام لا؟ قلنا قد بينا ان الغيب ينقسم الى ما عليه دليل والى ما لا دليل عليه اما الذى لا دليل عليه فهو سبحانه وتعالى العالم به لا غيره واما الذى عليه دليل فلا يمتنع ان تقول نعلم من الغيب ما لنا عليه دليل ويفيد الكلام فلا يلتبس ۔

(تفسیر کبیر، 28:2)

اگر کہا جائے کیا تم یہ کہتے ہو کہ بندہ غیب جانتا ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر دلیل ہے اور دوسرا وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔ وہ جس پر کوئی دلیل نہیں وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا علم ہے، کسی اور میں یہ صفت نہیں پائی جاتی مگر جس پر دلیل قائم ہے سو کچھ مانع نہیں کہ ہم کہیں کہ ہم وہ غیب جانتے ہیں جس پر دلیل ہے۔ یہ کلام مفید ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی (متوفی 671ھ) فرماتے ہیں:

(يومنون) يصدقون، والايمان فى اللغه التصديق الغيب كل ما اخبر به الرسول مما لا تهتدى اليه العقول من اشراط الساعة وعذاب القبر والحشر والنشر والصراط والميزان والجنة والنار. (لاحکام القرآن للقرطبی، 1:114-115)

(ایمان لاتے ہیں یعنی) تصدیق کرتے ہیں۔ لغت میں ایمان کا مطلب ہے تصدیق غیب ہر شے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، جس کی طرف عقل رہنمائی نہ کر سکے مثلاً قیامت کی شرطیں، عذاب قبر، حشر ونشر، پل صراط، میزان، جنت وجہنم۔

امام قرطبی سورۃ الانعام کی آیت:59 عنده مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو کے تحت لکھتے ہیں:

فالله تعالى عنده علم الغيب وبيده الطرق الموصلة اليه، لا يملكها الا هو فمن شاء اطلاعه عليها اطلعه ومن شاء حجبه عنها ولا يكون ذلك من افاضته الا على رسله بدليل قوله تعالى وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبى من رسله من يشاء وقال عالم الغيب فلا يظهره على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول (الجامع لاحكام القرآن للقرطبی، 7: 3)

سو اللہ کے پاس غیب کا علم ہے (یعنی جو مخلوق سے پوشیدہ ہے اسے اللہ جانتا ہے) اور اسی کے ہاتھ میں غیب تک پہنچانے والے راستے ہیں۔ وہی ان کا مالک ہے سو جس کو ان پر اطلاع دینا چاہے اطلاع دیتا ہے اور جن سے پردے میں رکھنا چاہے پردے میں رکھتا ہے اور اس کی فیضان صرف رسول پر ہوتا ہے۔

منافقین کا علم

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ (آل عمران،179:3)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے۔

فان سنة الله جارية بانه لا يطلع عوام الناس على غيبه بل لا سبيل لكم الى معرفة ذلك الامتياز الا بالامتحانات مثل ما ذكرنا من وقوع المحن والافات حتى يتميز عندها الموافق من المنافق فاما معرفته ذلك على سبيل الاطلاع من الغيب فهو من خواص الانبياء فلهذا قال ولكن الله يجتبى من رسله من يشاء اى ولكن الله يصطفى من رسله من يشاء فخصهم باعلامهم ان هذا مومن وهذا منافق ويحتمل ولكن الله يجتبى من يشاء فيمتحن خلقه بالشرائع على ايديهم حتى يتميز الفريقان بالامتحان ويحتمل ايضا ان يكون المعنى وما كان الله ليطلعكم ليجعلكم كلكم عالمين بالغيب من حيث يعلم الرسول حتى تصيروا مستغنين عن الرسول بل الله يخص من يشاء من عباده بالرسالة ثم يكلف الباقين طاعة هولاءِ الرُّسُل. (تفسیر کبیر، 111:9)

اللہ کی سنت جاری ہے کہ عوام کو اپنے غیب پر اطلاع نہیں دیتا بلکہ تمہارے لئے اس امتیاز ایمان ونفاق کے سلسلہ میں بجز اس کے کوئی رستہ نہیں کہ امتحانات ہوں جیسے ہم نے ذکر کیا کہ آفات و آلام نازل ہوں تا کہ اس وقت موافق ومنافق میں تمیز ہو سکے۔ رہا اس پر خبردار ہونا علم غیب پر دسترس حاصل کر لے تو یہ نبیوں کا خاصہ ہے اسی لئے فرمایا لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے پھر خصوصی طور پر ان کو بتاتا ہے کہ یہ مومن ہے اور یہ منافق یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے پھر نبیوں کے ذریعے احکام شرع بھیج کر اپنی مخلوق کا امتحان لیتا ہے یہاں تک کہ اس جانچ سے دونوں جماعتیں ممتاز ہو جاتی ہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تم سب کو غیب پر اطلاع کر دے جیسے رسول کو علم غیب دیتا ہے کہ تم رسولوں سے بے نیاز ہو جاؤ بلکہ اللہ اپنے بندوں میں خاص کو رسالت سے سرفراز فرماتا ہے پھر باقیوں کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف بناتا ہے۔

امام فخر الدین رازی سورۃ التوبہ کی آیت: 82 کے تحت لکھتے ہیں:

والله تعالى كان يطلع الرسول عليه الصلوه والسلام على تلك الاحوال حالا فحالا ويخبره عنها على سبيل التفصيل وما كانوا يجدون فى كل ذلك الا الصدق فقيل لهم ان ذلك لو لم

یحصل باخبار اللہ تعالی والا لما اطرد الصدق فیه ولظهر فی قول محمد انواع الاختلاف والتفاوت فلما لم یظهر ذلك علمنا ان ذلك لیس الا باعلام اللہ تعالی.(تفسیر کبیر، 10: 196)

اللہ تعالیٰ منافقین کے تمام احوال پر نبی ں کو اطلاع دیتا رہا اور تفصیل بتاتا رہا اور وہ ان خبروں کو ہمیشہ سچ ہی پاتے۔ سوان سے کہا گیا کہ اگر یہ خبریں اللہ کے بتانے سے نہ ہوتیں تو اس میں سچائی کس طرح جمع ہو جاتی۔ محمد کی اپنی بات ہوتی تو اس میں اختلاف وتفاوت واضح ہوتا ہے۔ جب ایسا کبھی ظاہر نہیں ہوا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ محض اللہ کے بتانے سے ہے۔

فاغرض عنهم

والمعنی لا تهتك سترهم ولا تفضحهم ولا تذکرهم باسماء هم وَ لمّا امر اللہ بستر امر المنافقین الی ان یستقیم امر الاسلام.(تفسیر کبیر، 19510)

اس کا مطلب ہے کہ ان منافقین کی پردہ داری فرمائیں اور ان کے نام سرعام لے کر ان کو رسوا نہ کریں۔ اللہ نے منافقین کے معاملات کو چھپانے کا حکم دیا، یہاں تک کہ اسلام کا معاملہ درست اور مضبو ہو جائے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ

ولا یحیطون بشیئی من علمه الا بما شآء. اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

کے تحت لکھتے ہیں:

لا یعلمون الغیب الا عند اطلاع اللہ بعض انبیاء هم علی بعض الغیب کما قال عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احد الا من ارتضی من رسو ل .(تفسیر کبیر، 11:7

یعنی لوگوں کو غیب کا علم نہیں مگر ہاں جب کسی نبی کو اس نے کسی غیب کی اطلاع کر دی تو اس کو علم غیب حاصل ہو جاتا ہے جیسے فرمایا: وہ عالم غیب ہے اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر جس نبی کو اس کے لئے چن لے۔

تنقیح مسئلہ علم غیب

احتج اهل الاسلام بهذه الایة علی انه لا سبیل الی معرفة المغیبات الا بتعلیم اللہ تعالی وانه لا یمکن التوصل الیها بِعلم النجوم والکهانه والعرافة وَنظیرُه قوله تعالی و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو و قوله عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احد الا من ارتضی من رسول.

(تفسیر کبیر، 209:2)

تمام اہل اسلام نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ غیبی امور کی معرفت اللہ کے بتائے بغیر کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی، اسے علم نجوم، کہانت اور ماہرانہ نظر سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثال اللہ کا فرمان ہے اسی

کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور فرمان باری تعالیٰ ہے وہ غیب جاننے والا ہے۔
سوا اپنے غیب پر بجز اپنے پسندیدہ رسولوں کے کسی کو مسلط نہیں کرتا۔
وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ).
کے تحت لکھتے ہیں:

ان المراد اسماء كل ما خلق الله من اجناس المحدثات من جمع اللغات المختلفه التى يتكلم بها ولد ادم اليوم من العربية والفارسية والرومية وغيرها وكان ولد ادم عليه السلام يتكلمون بهذه اللغات فلما مات ادم تفرق ولده فى نواحى العالم تكلم كل واحد منهم بلغة معينة من تلك اللغات فغلب عليه ذلك اللسان فلما طالت المدة و مات منهم قرن بعد قرن نسوا سائر اللغات فهذا هو السبب فى تغير الالسنه فى ولد ادم عليه السلام. (تفسیر کبیر، 176:2)
مشہور بات یہی ہے کہ اسماء سے مراد تمام مخلوق کی اجناس واقسام کے نام ہیں ان مختلف زبانوں میں جن کو اولاد آدم آج تک استعمال کر رہی ہے مثلاً عربی، فارسی، رومی وغیرہ۔ اولاد آدم ان زبانوں میں گفتگو کرتی تھی جب آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی اور آپ کی اولاد دنیا کے کونے کونے ان زبانوں میں سے کسی ایک زبان میں بات کرنی شروع کر دی اور ان لوگوں پر وہی زبان غالب آ گئی جب مدت لمبی ہوگئی اور یکے بعد دیگرے قومیں رخصت ہوتی گئیں تو لوگ باقی زبانیں بھول گئے۔ یہی سبب ہے اولاد آدم میں مختلف زبانوں کے اختلاف۔
قال علما ونا وقد انقلبت الاحوال فى هذه الازمان باتيان المنجمين والكهان لاسيما بالديار المصرية فقد شاع فى روسائهم واتباعهم و امرائهم اتخاذ المنجمين بلّ لقد انخدع كثير من المنتسبين الفقه والدين فجاؤا الى هولاء الكهنه و العرافين فبهر جوا عليهم بالمحال و استخرجوا منهم الاموال فحصلوا من اقوالهم على السراب والال ومن اديانهم على الفساد والضلال وكل ذلك من الكبائر لقوله عليه السلام لم تقبل له صلاة اربعين ليله فكيف بمن اتخذهم وانفق عليهم معتمدا على اقوالهم روى المسلم رحمه الله عن عائشة رضى الله عنها قالت سَالَ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم اناسٌ عن الكهان فقال انهم ليسوا بشئى فقالوا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انهم يحدثون احيانا بشىء فيكون حقا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك الكلمة من الحق يخطفها الجنى فيقرها فى اذن وليه قر الدجاجه فيخلطون معها مائه كذبه واخرج البخارى ايضا من حديث ابى لاسود محمد بن عبدالرحمن عن عروه عن عائشه رضى الله عنها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول

ان الملائكة تنزل في العنان و هو السحاب فتذكر الامر قضي في السماء فتسترق الشياطين السمع فتسمعه فتوحيه الى الكهان فيكذبون معها مائة كذبة من عند انفسهم.(تفسیر قرطبی،4:7)

ہمارے علماء نے فرمایا اس زمانے میں حالات میں انقلاب آ گیا ہے۔لوگ نجومیوں اور کاہنوں کے پاس آتے ہیں خصوصاً مصر میں کہ ان کے رئیسوں، ان کے پیروکاروں اور ان کے امراء میں نجومیوں کی خدمات حاصل کرنا بہت عام ہے بلکہ بہت سے دین وفقہ کی طرف منسوب ہونے والے (علماء) بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔وہ ان کاہنوں (غیب کے دعویداروں) اور ماہروں، قیافہ شناسوں کے پاس آتے ہیں۔پھر یہ لوگ بڑے ناز و انداز سے ان کو محال باتوں کے ہونے کا اطمینان دلاتے اور ان سب سے مال نکالتے ہیں۔سو ان باتوں سے وہ سراب (دوپہر کو پانی کی طرح نظر آنے والی ریت) اور آل (دوپہر کو فضا میں چمکتے پانی کے قطرے) ہی حاصل کر سکتے ہیں یعنی صفر، ان کے مسلک سے فساد و گمراہی ہی مل سکتی ہے۔بہر حال یہ سب بڑے گناہ ہیں کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس آنے والے کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔تو کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو ان کے دامن سے وابستہ ان پر اپنے مال خرچ کرتے اور ان کی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے (ام المومنین حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے کاہنوں (بزعم خود غیب دان) کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاہن کچھ نہیں۔صحابہ نے عرض کیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں بسا اوقات سچی نکل آتی ہیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلمہ حق کوئی جن کہیں سے لے آتا ہے اور اسے اپنے دوست کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے تو پھر یہ لوگ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے بادل میں اتر کر کسی ایسی بات کا ذکر کرتے ہیں جس کا آسمانوں پر فیصلہ ہوا ہو۔شیطان چوری سے انہیں سن لیتے اور کاہنوں کو بتا دیتے ہیں جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا لیتے ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

قال الفراء ياتيه غيب السماء وهو شيء نفيس فلا يبخل به عليكم وقال ابو على الفارسي المعنى انه يخبر بالغيب فيبينه ولا يكتمه كما يكتم الكاهن ذلك ويمتنع من اعلامه حتى يا خذ عليه حلوانا.تفسير، (کبیر،74:31)

فراء نے کہا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمانی غیب آتا ہے جو نفیس چیز ہے۔پھر آپ اس کے عطا فرمانے میں تم سے بخل نہیں کرتے۔ابوعلی فارسی نے کہا مطلب یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب واضح طور

پر بتادیتے ہیں اور کاہن کی طرح چھپاتے نہیں جو مٹھائی لے کر بتاتا ہے۔ (وہ بھی غلط)۔
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ کے تحت لکھتے ہیں:

علم غیب کا مفہوم

المراد منه ان يظهر الرسول من نفسه التواضع لله والخضوع له والاعتراف بعبوديته حتى لا يعتقد فيه مثل اعتقاد النصارى في المسيح

مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر فرمائیں اور اپنی بندگی کا اعتراف فرمائیں تاکہ آپ کے بارے میں ایسے عقیدے نہ رکھے جائیں جیسے عیسائیوں نے مسیح ں کے متعلق گھڑے ہیں۔

القول الثاني

هذه الامور التي طلبتموها فلا يُمْكِمن تحصيلها الا بقدرة الله فكان المقصود من هذا الكلام اظهار العز والضعف وانه لا يستقل بتحصيل هذه المعجزات التي طلبتوها منه.

یہ ہے کہ جو مطالبے تم مجھ سے کر رہے ہو ان کو تو صرف اللہ کی قدرت سے حاصل کیا جاسکتا ہے پس اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ عاجزی و کمزوری کا اظہار کرنا اور یہ بتانا ہے کہ جن معجزات کا مطالبہ تم سرکار سے کرتے آئے ہو، وہ ان کو پورا کرنے میں مستقل قدرت نہیں رکھتے۔

القول الثالث

معناه انى لا ادعى كونى موصوفا بالقدره الائقه بالله تعالى وقوله (ولا اعلم الغيب) اى ولا ادعى كونى موصوفا بعلم الله تعالى وبمجموع هذين الكلامين حصل انه لا يدعى الالٰهيه.

(تفسیر کبیر، 231:12)

اس کی وضاحت میں یہ ہے کہ میں اس قدرت کے ساتھ موصوف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے۔ (لا اعلم الغیب) کا مطلب یہ ہے کہ اس صفت علم سے موصوف ہونے کا دعویدار ہی نہیں جز اللہ کی صفت خاصہ ہے دونوں باتوں کے مجموعے سے یہ مفہوم نکلا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا ہونے کا دعویٰ نہیں فرمارہے۔

لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین لوح محفوظ میں ہر چیز لکھنے کے تین فائدے ہیں:

انه تعالٰى انما كتب هذه الاحوال في اللوح المحفوظ لتقف الملائكه على نفاذ علم الله تعالى في المعلومات وانه لا يغيب عنه مما في السموات والارض شئى فيكون في ذالك عبرة تامه

كـامـلـه لـلـملائكه الموكلين باللوح المحفوظ لانهم يقابلون به ما يحدث في صحيفه هذا العالم فيجدونه موافقا له وثانيها يجوز ان يقال انه تعالى ذكر ما ذكر من الورقه والحبه تنبيها لـلمكلفين على امر الحساب واعلاما بانه لا يفوته من كل ما يصنعون في الدنيا شئى لانه اذا كـان لا يهـمـل الاحـوال التـي ليس فيها ثواب ولا عقاب ولا تكليف فبان لا يهمل الاحوال المشتمله على الثواب والعقاب اولى وثالثها انه تعالى علم احوال جميع الموجودات فيمتنع تغييرها عن مقتضى ذالك العلم والالزام الجهل. (تفسیر کبیر،11:13)

اللہ تعالیٰ نے یہ تمام حالات لوح محفوظ میں اس لئے لکھے ہیں کہ فرشتے اسے دیکھ کر معلوم کرلیں کہ مخلوق میں اللہ کے علم کے مطابق کیا کچھ کرنا ہے۔ اللہ سے تو زمین وآسمان کی کوئی شئے غائب نہیں۔ اس میں کامل وتام عبرت ہے۔ ان فرشتوں کے لئے جولوح محفوظ پر مقرر ہیں کہ وہ صحیفہ کائنات میں ہونے والے امور کالوح محفوظ میں لکھے گئے امور سے مقابلہ کرتے اور اس کے موافق پاتے ہیں۔ دوم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پتے اور دانے کالوح محفوظ میں ذکر کر کے مکلفین کو حساب وکتاب پر تنبیہ کی ہے اوران کو بتادیا کہ وہ دنیا میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ سے ذرہ بھر چھپا نہیں اس لیے کہ جب وہاں امور میں سستی نہیں کرتا جن کا ثواب و عذاب اور تکلیف سے کوئی تعلق نہیں تو ران امور کے لکھنے میں بطریق اولیٰ سستی نہیں کرتا جن کا تعلق ثواب د عذاب سے ہے۔ سوم اللہ تعالیٰ تمام موجودات کے حالات کو جانتا ہے تو اس کے علم کے خلاف ہونا محال ہے ورنہ اس کی جہالت لازم آئے گی تو جب اس نے تمام موجودات کے حالات پوری تفصیل سے لکھ دے۔ اب بھی ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی ورنہ جہالت لازم آئے گی۔

دور ونزدیک

يُنَادُونَهُمْ اَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلَى وَلَكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ اَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتَّى جَاءَ اَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ۝ (الحدید،14:57)

وہ (منافق) اُن (مومنوں) کو پکار کر کہیں گے: کیا ہم (دنیا میں) تمہاری سنگت میں نہ تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں لیکن تم نے اپنے آپ کو (منافقت کے) فتنہ میں مبتلا کر دیا تھا اور تم (ہمارے لیے برائی اور نقصان کے) منتظر رہتے تھے اور تم (نبوّتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام میں) شک کرتے تھے اور باطل امیدوں نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا، یہاں تک کہ اللہ کا امر (موت) آپہنچا اور تمہیں اللہ کے بارے میں دغاباز (شیطان) دھوکہ دیتا رہا۔

جنت آسمانوں سے بلندتر اور جہنم اسفل السافلین یعنی تمام مخلوق سے نیچ ترین جگہ ہے تب ان میں یہ مکالمہ کیسے ہوگا؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اذا یَدُلُّ علی ان البعد الشدید لا یمنع من الادراك . (تفسیر کبیر،226:29)

اس آیت کا مضمون اس بات پر دلیل ہے کہ بہت زیادہ دوری علم کے لئے مانع نہیں۔

ان اکثر ارباب الملل و النحل یسلمون وجود ابلیس ویسلمون انه هو الذی یتولی القاء الوسوسه فی قلوب بنی آدم ویسلمون انه یمکنه الانتقال من المشرق الی المغرب لأجل القاء الوساوس فی قلوب بنی آدم فلما سلموا جواز مثل هذا الحرکه السریعه فی حق ابلیس فلان یسلموا جواز مثلها فی حق اکابر الانبیاء کان اولی . (تفسیر کبیر،149:20)

اکثر اہل مذاہب ابلیس کا وجود مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اولاد آدم کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اولادِ آدم کے دلوں میں وسوسہ اندازی کے لئے اس کا مشرق سے مغرب تک منتقل ہونا ممکن ہے سو جب اس قسم کی تیز حرکت ابلیس کے لئے جائز مانتے ہیں تو اکابر انبیاء کے لئے بطریق اولیٰ جائز ماننا چاہیے۔

فان کان القول لمعراج محمد صلی اللہ علیه وسلم فی اللیله الواحده ممتنعا فی العقول کان القول بنزول جبریل علیه السلام من العرش الی مکة فی اللحظه الواحده ممتنعا ولو حکمنا بهذا الامتناع کان ذلك طعنا فی نبوه جمیع الانبیاء علیهم السلام. (تفسیر کبیر،148:20)

ایک رات میں معراج محمد صلی اللہ علیہ وسلم عقلاً محال ہے تو جبرائیل علیہ السلام کا عرش سے مکہ تک ایک آن میں اترنا بھی محال ہوگا۔ اگر ہم اس محال کا فیصلہ کرلیں تو تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر طعن ہوگا۔

تفسیر کی امہات کتب سے واضح ہوتا ہے کہ علم غیب کا عقیدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عقلی ونقلی دلائل سے ثابت ہے۔ جو کہ اہل سنت و جماعت اور تمام اسلام کا عقیدہ رہا ہے اور آج ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔

علم رسول کی وسعت ما کان و ما یکون کو شامل ہے

سوال: ہمیں ایک مسئلہ کی وضاحت درکار ہے۔ ہمارے علاقے کے علماء نے اس مسئلہ پر مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا ہے۔ عوام الناس پریشان ہیں۔ مسئلہ کسی کی سمجھ نہیں آ رہا۔ برائے مہربانی مسئلہ کا حل لکھیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان و ما یکون عطا کیا ہے یا نہیں؟ اس پر مبسوط جواب تحریر کر دیں۔

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

علم ما کان و ما یکون قرآن سے

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہوا اور ہوگا سب کا علم عطا فرمایا قرآن کریم میں ہے:

وَاَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاo

(النساء،4:113)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اعتراض کرنے والوں سے پوچھیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کیا نہیں جانتے تھے؟ جب فہرست بنا کر دیں تو یہ آیہ کریمہ پڑھ کر سنا دیں۔ کہ جو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانتے تھے وہ سب کچھ اللہ نے آپ کو بتا دیا اور سکھا دیا ہے۔ اس جاننے اور سیکھنے کے بعد بھی آپ پر غیب، غیب ہی رہا؟ پھر اس پڑھانے سکھانے کا کیا فائدہ اور اس اعلان خداوندی کا کیا مطلب؟ کیا معاذ اللہ، اللہ کے اعلان ایسے ہوتے ہیں جیسے انسانوں کے؟

دوسری جگہ قرآن میں فرمایا:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَاِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيمٌo (آل عمران،3:179)

اور اللہ مسلمانوں کو ہرگز اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم (اس وقت) ہو جب تک وہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔

سب جانتے ہیں کہ وجود، علم، حسن، قدرت، اختیار، اقتدار، بادشاہی، سننا دیکھنا، جزا و سزا دینا، رزق، صحت، بیماری دینا، کھلانا پلانا وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی ہیں۔ مخلوق کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کی دین ہے، اس کی عطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے بغیر نہ کسی کا وجود اپنا ہے نہ کوئی صفت، نہ کوئی فعل نہ حکم وغیرہ، اللہ کے دیئے ہوئے سے ہے۔ جو بھی مخلوق کے پاس ہے یہی حقیقت کبریٰ ہے۔ یہی ایمان ہے اور یہی اسلام کی بنیاد ہے۔ دونوں باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اوّل: یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام کمالات کا مالک ہے۔ باقی سب اس کی عنایت وعطا ہے۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو جو جتنا کمال دیا ہے اس پر بھی ایمان اسی طرح لایا جائے جس طرح پہلی حقیقت پر، کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے۔

چند مثالیں

اللہ مالک ہے، بادشاہ ہے، قرآن میں فرمایا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ (آل عمران، 26:3)

(اے حبیب! یوں) عرض کیجیے: اے اللہ! سلطنت کے مالک! تُو جسے چاہے سلطنت عطا فرمادے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تُو جسے چاہے عزت عطا فرمادے اور جسے چاہے ذلّت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بے شک تُو ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے۔

دیکھ لیجئے مالک الملک کس طرح اپنا ملک دے بھی رہا ہے اور چھین بھی رہا ہے۔

اللہ حلیم ہے، علیم ہے، رؤف ہے، رحیم ہے مثلاً

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ○ (البقرہ، 247:2)

اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔(البقرہ، 143:2)

بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ○ (الاسراء، 1:17)

بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اب ذرا غور سے دیکھیں یہی صفات اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کو عطا فرمائی ہیں:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۔(الصافات، 101:37)

پس ہم نے انہیں بڑے بُردبار بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ○ (الحجر، 53:15)

ہم آپ کو ایک دانش مند لڑکے (کی پیدائش) کی خوش خبری سناتے ہیں۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (التوبہ، 128:9)

مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا○ (الدھر، 2:76)

پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے۔

یہ سب عام انسانوں کی صفات بتائی گئی ہیں۔ پس قرآن کریم سے بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ ایک لفظ مخلوق کے لئے استعمال ہوا اور وہی لفظ کسی دوسری جگہ اللہ کے لئے استعمال ہوا۔ یہ اشتراک لفظی تو ہے معنوی و حقیقی اشتراک ہرگز نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کا دیا ہوا علم غیب ہے اور ساری کائنات سے زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم جو کچھ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ اللہ نے آپ کو بتا دیا جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۝ (النساء، 4:113)

اوراس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔

احادیث سے ثبوت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن صبح کی نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تاخیر سے تشریف لائے یوں لگتا تھا کہ سورج نکل آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے تشریف لائے تکبیر ہوئی، مختصر نماز پڑھائی، سلام پھیر کر باآواز بلند فرمایا اپنی جگہ بیٹھے رہو پھر ہماری طرف رخ انور پھیر کر فرمایا۔ میں تمہیں تاخیر کی وجہ بتاتا ہوں، میں رات کو اٹھا، وضو کر کے جو مقدر میں تھی نماز پڑھی، مجھے نماز میں اونگھ آ گئی دیکھا تو سامنے بہترین شکل وصورت میں میرا پروردگار تھا۔

فقال یا محمد قلت لبیك رب قال فیما یختصم الملاء الاعلی قلت لا ادری قالها ثلث قال فوضع کفه بین کتفی حتی وجدت بردَ اَنامِلَه بین ثدیی فتجلی لی کل شیء وعرفت الخ

(1۔ ترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب سورۃ ص، الرقم:3235 '2۔ احمد، ترمذی، امام بخاری نے صحیح کہا، مشکوۃ:72)

فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کی، پروردگار! حاضر ہوں۔ فرمایا: فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: مجھے معلوم نہیں۔ یہی بات تین بار فرمائی۔ فرمایا: میں نے دیکھا اس نے اپنا دست اقدس میرے دو شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی (انگلیوں سے مراد جو بھی ہے) پھر ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی الخ۔

حضرت حذیفہ بن یمان ص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے:

ما ترك شیئا یکون فی مقامه ذالك الی قیام الساعه الا حدث به حفظه من حفظه ونسیه من نسیه قد علمه اصحابی هولاء وانه لیکون منه الشیء قد نسیته فاراه فاذکره کما یذکر الرجل وجه الرجل واذا غاب عنه ثم اذا راه عرفه .(بخاری، الصحیح، کتاب القدر، باب وکان امر الله قدرا مقدورًا، (2435/6، الرقم 6230)2۔ مسلم، مشکوۃ:461

کوئی چیز نہ چھوڑی، قیامت تک ہونے والی ہر چیز بتا دی جس نے یاد رکھی، یاد رکھی اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ میرے ان ساتھیوں کو علم ہے، اس میں سے کوئی بات میں بھول جاتا ہوں پھر ہوتے دیکھتا ہوں تو یاد آ جاتی ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کا چہرہ پہچانتا ہے پھر وہ اس سے غائب ہو جاتا ہے پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں تلوار چلے گی تو قیامت تک نہ اٹھے گی اور قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین سے نہ مل جائیں یہاں تک کہ میری امت کے بعض گروہ بتوں کی عبادت کریں گے (جیسے گاندھی، نہرو، پٹیل کی یا آج امریکی سامراج کی) میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے۔

کلھم یزعم انہ نبی اللہ و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی لا تزال طائفہ من امتی علی الحق ظاھرین لا یضرھم من خالفھم حتی تاتی امر اللہ

(1۔ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، 4/432، الرقم: 2219، 2۔ابوداؤد، ترمذی، مشکوۃ: 465)

ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا، مخالف ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ قال لا تقوم الساعۃ حتی تَقْتَتِل فئتان عظیمتان تکون بینھما مقتلۃ عظیمۃ دعواھما واحدۃ الخ (بخاری، الصحیح، کتاب الفتن، باب خروج النار، 6/2605، الرقم: 6704)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دو بڑی جماعتیں جنگ نہ کریں اور ان میں بہت بڑی خونریزی ہوگی، دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا (یعنی اسلام) الخ۔

مومن تو ہوتا ہی وہ ہے جو یومنون بالغیب غیب پر ایمان لائے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیب کی باتیں بیان فرمائیں ان پر یقین کرے جو کہے کہ نبی کو غیب کا علم اللہ نے دیا ہی نہیں ہے وہ فرشتوں، قبر، قیامت، ذات باری تعالیٰ، جنت، جہنم، منکر نکیر، حور و غلمان وغیرہ پر یقین کیسے کرے گا؟ یہ حقائق تو صرف نبی نے بتائے، ماننے والے مسلمان اور شک کرنے والے یا انکار کرنے والے غیر مسلم کہلائے۔ نبی کا مفہوم ہی غیب بتانے والا ہے۔ دیکھو عربی لغت کی کوئی کتاب قرآن و سنت میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی۔ اللہ سب کو ہدایت دے۔

قرآن سے متعلق عقیدے کا بیان

القَوْلِ فِی الْقُرْآن

وَصِفَاتہ فِی الْاَزَل غیر محدثۃ وَلَا مخلوقۃ وَمن قَالَ اِنَّھَا مخلوقۃ اَو محدثۃ اَوْ وقف اَوْ شَكّ فیھِمَا فَھُوَ کَافِر بِاللّٰہِ تَعَالٰی واالقرآن کَلَام اللہ تَعَالٰی فِی الْمَصَاحِف مَکْتُوب وَفِی الْقُلُوب مَحْفُوظ وعَلی الالسن مقروء وعَلی النَّبی عَلَیْہِ الصَّلَاۃ وَالسَّلَام منزل ولفظنا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوق وکتابتنا لَہٗ مخلوقۃ وقراء تنا لَہٗ مخلوقۃ وَالْقُرْآن غیر

مَخْلُوق

قرآن کے بارے میں بیان

اور اس کی تمام صفتیں ازلی ہیں، حادث اور مخلوق نہیں ہیں، جو شخص صفات کو مخلوق یا حادث کہے یا اس کے متعلق اسے شک ہو وہ اللہ کا منکر ہے اور قرآن کتاب کی صورت میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے، قرآن پڑھتے وقت ہمارے اپنے الفاظ مخلوق ہیں اور ہماری کتابت اور تلاوت مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

شرح

بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔ (البروج:۲۱)

قرآن مجید کی فضلیت

یہ قرآن تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی سعادت اور دوسری قوم کی شقاوت کو بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ فلاں قوم کو فلاں قوم سے ضرر پہنچے گا، یہ قرآن شرف، کرم اور برکت میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اور لوگوں کو اپنے دین اور دنیا کی بھلائی میں جن احکام کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمام احکام اور ہدایات اس میں مذکور ہیں، یہ واحد آسمانی کتاب ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوئی ہے اسی زبان میں اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک اسی زبان میں محفوظ رہے گی، اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہیں ہوسکی اور نہ اس کی کسی سورت یا آیت کی اب تک کوئی نظیر لائی جاسکی اور نہ قیامت تک لائی جاسکے گی، قرآن مجید کے سوا اور کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جس کو اتنا زیادہ پڑھا جاتا ہو اور اس کو حفظ کیا جاتا ہو اور ہر سال اس کو نماز (تراویح) میں ذوق وشوق سے سنا اور سنایا جاتا ہو۔

البروج:۲۲ میں فرمایا: لوح محفوظ میں (مکتوب) ہے۔

لوح محفوظ کی تعریف میں اقوال مفسرین کا بیان

قرآن مجید میں لوح میں مکتوب ہے اور شیاطین کی دسترس سے محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: لوح سرخ یاقوت کی تختی ہے، اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور زیریں حصہ ایک فرشتہ کی گود میں ہے، اس کی کتابت نور ہے، اس کا قلم نور ہے، اللہ عزوجل ہر روز اس میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر فرماتا ہے، اور ہر نظر سے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کردیتا ہے، یعنی کسی کو فقیر بنا دیتا ہے اور کسی کو غنی بنا دیتا ہے، کسی کو زندہ کرتا ہے اور کسی کو موت عطاء کرتا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا لوح محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے۔

کہا گیا ہے کہ لوح محفوظ میں مخلوق کی تمام اقسام اور ان کے متعلق تمام امور کا ذکر ہے۔ اس میں ان کی موت کا، حیات کا، ان کے رزق کا، ان کے اعمال کا اور ان میں نافذ ہونے والے امور کا ذکر ہے، اور ان کے اعمال کے نتائج کا ذکر ہے اور وہی ام الکتاب ہے۔

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز لوح محفوظ میں لکھی، وہ یہ ہے: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، محمد میرے رسول ہیں، جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم کرلیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا کیا، میں نے اس کو صدیق لکھا ہے اور اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا اور جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا، وہ مجھے چھوڑ کر جس کو چاہے اپنا معبود بنالے۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ص ۲۵۷۔۲۵۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ لوح سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہاں فرمایا ہے: قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے اور ایک آیت میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ . فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ . (الواقعہ: ۷۸۔۷۷)

یہ قرآن کریم ہے۔ جو پوشیدہ کتاب میں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ لوح محفوظ اور کتاب مکنون سے مراد ایک ہی چیز ہو اور اس کے محفوظ ہونے کا یہ معنی ہو کہ فرشتوں کے غیر کے چھونے سے محفوظ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ . (الواقعہ: ۷۹) اس کو مطہرون کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ملائکہ مقربین کے سوا یہ اوروں سے محفوظ ہے، کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہوسکتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تغیر اور تبدل سے محفوظ ہو۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ لوح وہ چیز ہے جو فرشتوں کے لیے ظاہر ہوتی ہے اور وہ اس کو پڑھتے ہیں اور جب کہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد ہیں تو ان کی تصدیق واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۱۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قرآن کے کلام ہونے سے متعلق عقیدے کا بیان

وَمَا ذكره الله تَعَالٰى فِي الْقُرْآن حِكَايَة عَن مُوسَى وَغَيره من الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام وَعَن فِرْعَوْن وابليس فَإِن ذٰلِك كُله كَلَام الله تَعَالٰى إِخْبَارًا عَنْهُم وَكَلَام الله تَعَالٰى غير مَخْلُوق وَكَلَام مُوسَى وَغَيره من المخلوقين وَالْقُرْآن كَلَام الله تَعَالٰى فَهُوَ قديم لَا كَلَامهم وَسمع مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام كَلَام الله تَعَالٰى كَمَا فِي قَوْله تَعَالٰى (وكلم الله

مُوسَى تكليماوَقد كَانَ الله تَعَالٰی متكلما وَلم يكن كلم مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے حکایت کیا ہے اور جو فرعون وابلیس کا واقعہ حکایت کیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اوران سے اخبار ہے۔

اور پھر فرمایا، اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور دوسری مخلوقات کی کلام مخلوق ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے اور قدیمی ہے، نہ کہ لوگوں کا کلام۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے بول کر کلام کیا اور اللہ تعالیٰ ہی متکلم تھے اور موسیٰ علیہ السلام متکلم نہیں تھے۔

قرآن کے مخلوق نہ ہونے کا بیان

اور امام مالک بن انس سے کئی طرق سے ان لوگوں کی تردید منقول ہے جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل سے توبہ کرانی چاہیے، یہی امام مالک کا مشہور مذہب ہے، اسی پر آپ کے پیروؤں کا اتفاق ہے۔

اور امام احمد بن حنبل صلی اللہ علیہ وسلم سوان کا کلام قرآن مجید کے متعلق مشہور اور متواتر ہے، آپ کی تکلیف جو آپ نیقرآن کیبارے میں جہمیہ سے اٹھائیں مشہور رہیں اور امام شافعی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفص بنعمر دکو جو کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائلین میں سے تھا، کہا تھا، جب کہ اس نے امام شافعی سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اس کو ابن ابی حاتم نے الرد علی الجہمیہ میں روایت کیا ہے اور علی بن ابی طالب سے دوسندوں سے مروی ہے کہ خوارج نے جب ان کو صفین کے دن دو آدمیوں کے حکم تسلیم کرنے پر الزام دیا تو آپ نے فرمایا میں نے کسی مخلوق کو حکم تسلیم نہیں کیا، میں نے قرآن کو حکم تسلیم کیا ہے۔

عکرمہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک جنازہ میں تھے، جب میت لحد میں رکھی گئی تو ایک آدمی اٹھا اور کہنے لگا اے قرآن کیرب اس کو بخش دے تو عبداللہ بن عباس اس پر جھپٹے اور فرمایا ارے ٹھہر، اسی میں سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جو قرآن کی قسم اٹھالے اس پر ہر آیت کے بدلے ایک قسم ہے اور سفیان بن عینیہ نے کہا، میں نے عمرو بندینار سے سنا، آپ کہتے ہیں، میں ستر سال سے اپنے مشائخ اور دوسریلوگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اسی سیشروع ہوا اسی کی طرف لوٹے گا اور ایک روایت کے یہ لفظ میں قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے، حرب کرمانی نے سنداً عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ میں ستر سال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعد کے لوگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ اللہ خالق ہے اور قرآن کے سوا باقی ہرش ءمخلوق ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، اسی سے نکلا اور اسی کی طرف لوٹے گا، امام جعفر صادق سے مشہور ہے کہ لوگوں نے ان سے قرآن کے متعلق سوال کیا کہ وہ خالق ہے یا مخلوق؟ تو آپ نے فرمایا، نہ وہ خالق ہے نہ مخلوق، بلکہ وہ اللہ کا کلام ہے اور حسن بصری، ایوب سختیانی، سلیمان تیمی اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے اور احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ان جیسے دیگر ائمہ اور ان کے تبعین کے

اقوال قرآن کے متعلق مشہور ہیں بلکہ ائمہ سلف سے توان لوگوں پر کفر کا فتویٰ اوران سے توبہ کرنے کے اقوال بھی شہرت تک پہنچ چکے ہیں۔ اگر وہ توبہ کرے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے، یہ فتویٰ امام مالک بن انس اور طحاوی کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ، ابویوسف اورامام حسن بن شیبانی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

سو یہ بات صحابہ اورتابعین اور جمیع ائمہ مجتہدین سے ثابت ہوچکی ہے کہ قرآن شریف اللہ کا کلام ہے اور کلام اس کی صفت قدیمہ ہے اوراس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور غیر مکلوق ہے اور جو شخص اس کو مخلوق کہے سو وہ کافر ہے اور جس شخص کو زیادہ تحقیق منظور ہو وہ کتاب العلو امام ذہبی اور خلق افعال العباد امام بخاری کا اور متن فقہ اکبر کا اور کتاب الرد علی الجہمیہ للامام احمد بن حنبل کو دیکھ لے، واللہ اعلم بالصواب، اور اللہ کلام لفظی کے ساتھ کلام کرتا ہے، کلام نفسی کا سلف صالحین میں کہیں پتہ نہیں۔

(2) اور جو حضرت پر اللہ کا کلام اترا ہے، حقیقی ہے، مجازی نہیں اس واسطے کہ حقیقت اصل ہے اور مجاز فرع جب تک کوئی قرینہ قویہ صارفہ نہ پایا جائے حقیقت نہیں چھوڑی جاسکتی۔

دس ایسے دلائل ہیں جو قرآن مجید کے کلام اللہ اور غیر مخلوق ہونے کی دلیل ہیں، درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهِ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ)

ترجمہ: بیشک تمہارارب وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے، پھر دن رات کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے، سورج، چانداور تارے سب اسی کے حکم کے مطابق مسخر ہیں، وہی پیدا کرتا ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے، جہانوں کا پالنہار اللہ بہت ہی برکتوں والا ہے۔

(الاعراف:54)

یہ آیت دو اعتبار سے دلیل بنتی ہے:

اول: اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں "خلق" اور "امر" کے درمیان فرق کیا ہے، اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ "خلق" یعنی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عملی صفت ہے جبکہ "امر" (حکم دینا) اللہ تعالیٰ کی قولی صفت ہے، (اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ) دو عطف شدہ چیزیں اصولی طور پر باہمی غیر ہوتی ہیں ایک نہیں ہوتیں، بشرطیکہ اس سے متصادم قرینہ موجود نہ ہو، لیکن یہاں تو مذکورہ دونوں صفات میں فرق ہونے کے دلائل

موجود ہیں، جیسے کہ درج ذیل نکتے سے معلوم ہوتا ہے۔

دوم: تخلیق اللہ تعالی کے حکم سے ہی ہوتی ہے، جیسے کہ فرمانِ باری تعالی ہے:

(إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ)

ترجمہ: جب وہ کسی چیز (کو پیدا کرنے) کا ارادہ کرے تو اس کا حکم صرف اتنا ہوتا ہے: "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ (یٰسین 82)

اس آیت کریمہ میں لفظ "کُنْ" اللہ تعالی کا حکم ہے، اگر اللہ تعالی کا یہ کلام ہی مخلوق ہے تو اس کی تخلیق کے لئے ایک اور حکم ہونا چاہیے تھا، پھر اس ایک اور حکم کی تخلیق کیلئے ایک تیسرا حکم ہونا چاہیے تھا، اس طرح تو لا متناہی سلسلہ نکل پڑے گا جو کہ سراسر باطل ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے جہمی اور معتزلی لوگوں کا رد کرنے کے لئے اسی آیت کو دلیل کے طور پر استعمال کیا تھا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا تھا:

"اللہ تعالی کا فرمان ہے: (أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ) ترجمہ: وہی پیدا کرتا ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ (الاعراف۔54)

اس آیت میں اللہ تعالی نے "خلق" اور "امر" کے درمیان فرق کیا ہے" اس واقعہ کو حنبل نے "المحنہ" صفحہ: 53 میں نقل کیا ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ: فرمانِ باری تعالی: (أَتَى أَمْرُ اللَّهِ...) ترجمہ: اللہ تعالی کا حکم آ گیا (النحل: 1)

لہٰذا اللہ کا حکم اللہ کا کلام ہے جو کہ قدرت سمیت مخلوق نہیں ہے، تم کتاب اللہ کے حصوں کو ایک دوسرے سے متصادم مت سمجھو"

اس واقعہ کو حنبل نے "المحنہ" صفحہ: 54 میں نقل کیا ہے۔ امام احمد نے مسئلہ خلقِ قرآن کا جواب لکھتے ہوئے متوکل کو اپنے مراسلے میں کہا تھا کہ "اللہ تعالی کا فرمان ہے:

(وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ) (التوبہ: 6)

ترجمہ: اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے اللہ کا کلام سننے تک پناہ دو، پھر اس کی پر امن جگہ تک پہنچاؤ؛ یہ اس لیے کہ وہ ایسی قوم سے ہیں جو نہیں جانتے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے: (أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ) ترجمہ: وہی پیدا کرتا ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ (الاعراف: 54)

تو اللہ تعالی نے پہلے "خلق" یعنی تخلیق کا تذکرہ فرمایا، اور پھر "امر" یعنی حکم کا الگ سے ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ حکم دینا اور تخلیق دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

اسے امام احمد کے بیٹے صالح نے بیان کیا ہے اور ان کی یہ روایت "المحنہ" صفحہ: (121120) میں موجود ہے۔

امام احمد سے پہلے ان کے استاد امام، الحجہ، ثقہ الحافظ سفیان بن عیینہ ہلالی رحمہ اللہ نے ان آیات کو اسی مسئلے کی دلیل بنایا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"فرمانِ باری تعالی: (أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ) (الاعراف: 54) اس آیت میں "خلق" سے مراد اللہ تعالی کی مخلوقات ہیں، اور "امر" سے مراد قرآن کریم ہے"

اس اثر کو امام آجری نے "الشریعۃ" (ص: 80) میں جید سند کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے بیان کیا ہے۔

دوسری دلیل:

فرمانِ باری تعالی ہے: (الرَّحْمَنُ (1) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (2) خَلَقَ الْإِنْسَانَ ترجمہ: رحمن نے قرآن سکھایا اور انسان کی تخلیق فرمائی۔ (الرحمن: 1-3)

ان آیات میں اللہ تعالی نے علم اور تخلیق دونوں میں تفریق فرمائی ہے، چنانچہ قرآن اللہ تعالی کا علم اور انسان اللہ تعالی کی تخلیق ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا علم غیر مخلوق ہوا۔

اسی طرح فرمانِ باری تعالی ہے:

(قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ) (البقرة: 120)

ترجمہ: آپ کہہ دیں: بیشک اللہ تعالی کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے، اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی آپ کے پاس علم آجانے کے بعد بھی کی تو اللہ سے بچانے والا آپ کا کوئی والی اور مددگار نہیں ہوگا۔

تو اس آیت میں اللہ تعالی نے قرآن کریم کو علم سے تعبیر فرمایا؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی کی طرف سے قرآن مجید ہی ملا تھا، اللہ تعالی کا علم مخلوق نہیں ہے؛ اگر اللہ تعالی کا علم مخلوق ہوتا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالی علم کو پیدا کرنے سے پہلے -نعوذ باللہ- بے علم تھا، اللہ تعالی ایسی ہر قسم کی بات سے پاک اور اعلی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے معتصم کے دربار میں جہمیوں سے مناظرہ کرتے ہوئے یہی بات ذکر فرمائی تھی، چنانچہ اپنی روداد ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مجھے عبد الرحمن قزاز نے کہا: "پہلے اللہ تعالی تو تھا لیکن قرآن نہیں تھا"

میں نے الزامی جواب دیتے ہوئے کہا کہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالی تو تھا لیکن اللہ کا علم نہیں تھا!!

یہ سن کر عبد الرحمن قزاز خاموش ہوگیا؛ کیونکہ اگر وہ یہ کہہ دیتا کہ اللہ تعالی تو تھا لیکن علم نہیں تھا تو وہ کافر ہو جاتا"

اس واقعہ کو حنبل نے "المحنۃ" (ص: 45) میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کو یہ بھی کہا گیا: " کچھ لوگ یہ سن کر کہ: "(قرآن) اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے" کہتے ہیں کہ: "تم سے پہلے یہ بات کس نے کی ہے؟ اور تم قرآن کریم کو مخلوق کس دلیل کی بنا پر نہیں مانتے؟"

تو امام احمد نے کہا: دلیل فرمانِ باری تعالی ہے: (فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ)

ترجمہ: آپ کے پاس علم آجانے کے بعد جو بھی جھگڑا کرے (آل عمران: 61) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہیں آئی"

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ "قرآن کریم اللہ تعالی کا علم ہے، چنانچہ جو شخص اللہ تعالی کے علم کو مخلوق سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس اثر کو ابن ہانی رحمہ اللہ نے "المسائل" (154، 1532/) میں نقل کیا ہے۔

تیسری دلیل:

فرمانِ باری تعالی ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا

ترجمہ: آپ کہہ دیں: اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے روشنائی بن جائیں تو اللہ تعالی کی گفتگو ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں، چاہے ہم اتنی ہی روشنائی مزید ہی کیوں نہ لے آئیں۔ (الکہف: 109)

اسی طرح فرمانِ باری تعالی ہے:

(وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ)

ترجمہ: اور اگر زمین کے تمام درخت قلمیں اور سمندر روشنائی بن جائیں پھر مزید سات سمندر مہیا کیے جائیں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں، بیشک اللہ تعالی غالب اور حکمت والا ہے۔ (لقمان: 27)

یہاں اللہ تعالی نے واضح الفاظ میں - اور اللہ تعالی کی ہر بات حق ہے - فرمایا کہ اللہ تعالی کی گفتگو لامتناہی ہے، لہذا اگر اللہ تعالی کے پیدا کردہ سمندروں کو اللہ تعالی کی گفتگو لکھنے کے لئے روشنائی بنایا جائے، اللہ تعالی کے پیدا کردہ درختوں کو لکھنے کے لئے قلمیں بنایا جائے تو تمام سمندر ختم ہو جائیں، اور قلمیں گھس جائیں، لیکن اللہ تعالی کے کلمات ختم نہ ہوں۔

بلکہ ان آیات میں اللہ تعالی کے کلام کی عظمت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالی کا کلام اللہ تعالی کی صفت اور علم ہے، نیز کلام الہی کو مخلوق کی فانی گفتگو پر قیاس نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ اگر اللہ تعالی کا کلام مخلوق ہوتا تو سمندروں کا پانی ختم ہونے سے پہلے فانی ہو جاتا، لیکن فنا ہونا مخلوق کی صفت ہے، ذات باری تعالی یا صفاتِ الٰہیہ فنا نہیں ہو سکتیں۔

چوتھی دلیل:

قرآن میں مجید میں اللہ تعالی کے جو نام ذکر ہوئے ہیں مثال کے طور پر: (اللہ، الرحمٰن، الرحیم، العلیم، الغفور، الکریم ۔۔۔) دیگر اسماء بھی اللہ تعالی کے نام ہیں، اور یہ اللہ تعالی کے کلام سے تعلق رکھتے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالی اپنے یہ نام الفاظ و معانی سمیت خود ہی لکھے ہیں۔

نیز اللہ تعالی نے اپنی ذات کی تسبیح اور اللہ تعالی کے ناموں کی تسبیح میں یکسانیت بھی قرار دی ہے، جیسے کہ فرمایا:

(سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى)

ترجمہ: اپنے بلند و بالا پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کریں۔ (الاعلی:1)

اسی طرح اللہ تعالی کی ذات سے مانگنا یا اللہ تعالی کے اسماء سے مانگنے کو بھی یکساں قرار دیا اور فرمایا:

(وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا)

ترجمہ: اور اللہ تعالی کے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعے اللہ سے مانگو۔ (الاعراف:180)

اسی طرح اللہ تعالی کی ذات کا ذکر کرنا یا اللہ تعالی کے اسماء کا ذکر کرنا بھی یکساں قرار دیا اور فرمایا:

(وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا)

ترجمہ: اپنے رب کے نام کا ذکر صبح و شام کریں۔ (الانسان:25)

چنانچہ اگر مذکورہ بالا تسبیح، دعا اور ذکر کسی مخلوق کے لئے ہوتی تو یہ اللہ کے ساتھ کفر ہوتا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ "اللہ تعالی کا کلام مخلوق ہے"

اس دلیل کو ائمہ سلف صالحین کی ایک جماعت نے یہ ثابت کرنے کے لئے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید مخلوق نہیں ہے، ان سلف صالحین میں درج ذیل بڑے نام آتے ہیں:

- امام الحجہ سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ آپ کہتے ہیں کہ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اللّٰهُ الصَّمَدُ) کو مخلوق کہنے والا کافر ہے۔

اس اثر کو عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے "السنہ" میں (13) نمبر پر جید سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اما شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جو شخص اللہ تعالی کے ناموں میں سے کسی کی قسم اٹھائے اور پھر قسم پوری نہ کرے تو اسے کفارہ دینا ہوگا؛ کیونکہ اللہ تعالی کے اسمائے گرامی مخلوق نہیں ہیں، تاہم کعبہ اور صفا و مروہ کی قسم اٹھانے والے پر کفارہ نہیں ہے؛ کیونکہ یہ مخلوق ہیں جبکہ اللہ تعالی کے اسمائے حسنی مخلوق نہیں ہیں"

اس اثر کو ابن ابی حاتم نے "آداب الشافعی" (ص:193) میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالی کے اسمائے حسنی موجود ہیں، اور قرآن مجید اللہ تعالی کا علم ہے، چنانچہ قرآن کریم کو مخلوق کہنے والا شخص کافر ہے، لہذا اللہ تعالی کے اسماء کو بھی مخلوق کہنے والا بھی کفر کا مرتکب ہوتا ہے" انتہی

اس اثر کو امام احمد کے بیٹے صالح نے "المحنۃ" (ص:52،6766) میں نقل کیا ہے۔

پانچویں دلیل:

اللہ تعالی نے قرآن مجید کے نزول سے متعلق بتلایا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالی کی جانب سے نازل ہوا، جیسے کہ فرمانِ باری تعالی ہے:

(تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ)

ترجمہ: رب العالمین کی جانب سے ایسی کتاب کا نزول ہوا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ (السجدۃ:2)

(وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ) (الانعام:114)

ترجمہ: اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی۔

(قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ) (النحل:102)

ترجمہ: آپ کہہ دیں: کتاب کو روح القدس نے تیرے رب کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔

(یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ) اللہ تعالی نے جتنی بھی چیزیں نازل کی ہیں ان میں سے صرف اپنے کلام کو ہی اپنی جانب منسوب کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام کو خصوصیت حاصل ہے، چنانچہ کلام کا نازل ہونا بارش یا لوہے وغیرہ کے نازل ہونے کی طرح نہیں ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ان چیزوں کے نازل ہونے کے بارے میں خبر تو دی ہے لیکن انہیں اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا، لیکن اپنے کلام کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ کلام اللہ تعالی کی صفت ہے، اور صفت کو صرف موصوف کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے کسی اور کی طرف منسوب کرنا درست نہیں، لہذا اگر یہ صفت مخلوق ہوتی تو خالق سے جدا ہوتی بلکہ خالق کی صفت بننے کے لائق ہی نہ ہوتی؛ کیونکہ اللہ تعالی اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز اور مستغنی ہے، مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کے ساتھ اللہ تعالی متصف نہیں ہے۔

چھٹی دلیل:

خولہ بنت حکیم سلمیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: (جو شخص (دورانِ سفر) کسی جگہ پڑاؤ کرے اور کہے: "اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" (میں مخلوقات کے شر سے اللہ تعالی کے کامل ترین کلمات کی پناہ چاہتا ہوں) تو جب تک وہاں سے کوچ نہیں کر جاتا کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔

(مسلم:2708)

لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کے کلمات مخلوق ہوتے تو ان کی پناہ چاہنا شرک تصور ہوتا؛ کیونکہ مخلوق کی پناہ طلب کرنا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ غیر اللہ کی پناہ مانگنا شرک ہے، تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو واضح شرک کی تعلیم دیں، حالانکہ آپ تو خالص عقیدہ توحید لے کر آئے تھے!

تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔

نعیم بن حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں: "مخلوق کی پناہ طلب نہیں کی جا سکتی، ایسے ہی انسانوں، جنوں اور فرشتوں کی کلام کی پناہ مانگنا بھی ناجائز ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بعد کہتے ہیں: "اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے" (خلق افعال العباد" (ص:143)

ساتویں دلیل:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کلامِ الٰہی کو دیگر ہر کلام پر اتنا ہی بلند درجہ حاصل ہے جتنا اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوقات پر حاصل ہے) یہ حدیث حسن ہے، اسے عثمان دارمی رحمہ اللہ نے "الرد علی الجہمیہ" میں حدیث نمبر: (287، 340)، اور لالکائی نے حدیث نمبر: (557) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں سلف صالحین کے عقیدے -قرآن مخلوق نہیں ہے- کا دو انداز سے اثبات ہے:

پہلا انداز: اس میں کلام اللہ اور دیگر کلاموں میں تفریق بیان ہوئی ہے، ایک تو وہ کلام ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور دوسری مخلوق کی کلام جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، چنانچہ اس حدیث میں جو کلام اللہ کی صفت تھی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا جبکہ دیگر ہمہ قسم کے کلام کو عام رکھا گیا، تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کلام کے سوا تمام کلام اس میں شامل ہو جائیں، اس طرح ثابت یہ ہوا کہ اگر ساری کلام ہی مخلوق ہوتی تو ان دونوں کے مابین تفریق کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

دوسرا انداز: کلام اللہ اور دیگر کلاموں میں تفریق کی اور اس فرق کی ایسی نوعیت بیان کی گئی جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دیگر مخلوقات میں فرق ہے، اس طرح سے کلام الٰہی کا مقام و مرتبہ اور اوصاف وہی مقرر فرمائے جو ذات الٰہی کے مقام و مرتبے اور اوصاف والے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کلام مخلوق کا مقام و مرتبہ اور اوصاف مخلوق سے مناسبت رکھتے ہیں۔

اس انداز کو امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ نے "الرد علی الجهمية" (ص: 162 163) میں دلیل بنایا ہے، چنانچہ انہوں اسی طرح کی گفتگو کرنے کے بعد کہا: "اس حدیث میں یہ بیان ہوا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے؛ کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کی درجہ بندی میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق جیسا تفاوت ہو؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق کے درمیان پیدا ہونے والی تفریق ختم ہوسکتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کے درمیان تفریق کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے، بلکہ ختم کرنا تو دور کی

بات ہے اس فرق کو شمار کرنا ہی ممکن نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالی کے کلام کی فضیلت بھی مخلوقات کے کلام پر ایسی ہی ہے، لہذا اگر اللہ تعالی کا کلام بھی مخلوق ہوتا تو پھر دیگر تمام کلاموں میں اور کلامِ الٰہی میں ایسا فرق باقی نہیں رہتا جیسے کہ اللہ تعالی اور مخلوقات کے درمیان فرق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کا کلام اللہ تعالی کے کلام کے کروڑویں حصے کے برابر تو کیا اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، یہ بات خوب سمجھ لو؛ کیونکہ اللہ تعالی جیسا کوئی نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالی کے کلام جیسا کوئی کلام نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا کلام لا سکتا ہے۔

آٹھویں دلیل:

عقلی طور پر بالکل واضح اور صریح بات ہے کہ اگر اللہ تعالی کا کلام مخلوق ہوتا تو دو میں سے ایک صورت بنتی:

1- کلامِ الٰہی مخلوق ہونے کے باوجود اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔

2- کلامِ الٰہی مخلوق ہونے کے باوجود اللہ تعالی کی ذات سے الگ اور منفصل ہو۔

لیکن ہر دو صورت باطل اور سنگین ترین سے بڑھ کر بدترین کفر ہے۔

پہلی بات اس لیے کفر ہے کہ مخلوق، خالق کے ساتھ قائم ہو، اور یہ چیز تمام اہل سنت سمیت اکثر اہل بدعت کے ہاں بھی باطل ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی کو ہر اعتبار سے اپنی مخلوقات کی کوئی ضرورت نہیں وہ ان سے بالکل مستغنی ہے۔

دوسری بات اس لیے کفر ہے کہ اس سے اللہ تعالی کی صفتِ کلام کو معطل کرنا لازم آتا ہے؛ کیونکہ جیسے کہ پہلے گزرا ہے کہ صفت موصوف کے ساتھ ہی منسلک ہوتی ہے، موصوف سے جدا بالکل نہیں ہو سکتی، چنانچہ اگر صفت موصوف سے منسلک ہی نہ ہو تو پھر صفت اسی کی مانی جائے گی جس کے ساتھ منسلک ہے، جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ -نعوذ باللہ- اللہ تعالی کوئی کلام ہی نہیں فرما سکتا، اور یہ واضح ترین کفر ہے، جیسے کہ ہم پہلے دلائل کے ساتھ یہ چیز بیان کر چکے ہیں۔

نویں دلیل:

یہ بات آپ پہلے جان چکے ہیں کہ صفت کسی اور سے ملے بغیر بذاتہ خود قائم نہیں ہو سکتی، چنانچہ خالق کی صفت خالق کے ساتھ قائم ہوگی اور مخلوق کی صفت مخلوق کے ساتھ قائم ہوگی، لہذا حرکت، ٹھہراؤ، قیام، بیٹھنا، استطاعت، ارادہ، علم اور زندگی سمیت دیگر تمام صفات اگر کسی بھی چیز کی طرف منسوب ہوں تو یہ اسی کی صفات قرار پاتی ہیں، نیز صفات اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہیں، چنانچہ جب ان صفات کو مخلوقات کی جانب منسوب کیا جائے تو یہ اسی انداز سے مخلوق کی صفت قرار پائے گی جس انداز سے منسوب کی جائے گی، اور جو صفات خالق کی جانب منسوب ہوں گی تو وہ اسی انداز سے خالق کی صفات قرار پائیں گی جیسے خالق کی طرف منسوب ہوں گی، اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی طرف منسوب ہونے والی صفت مخلوق ہوگی، اور جب خالق کی جانب صفت منسوب کی جائے گی تو وہ مخلوق نہیں ہوگی۔

لہذا صفتِ کلام کا معاملہ بھی دیگر صفات والا ہے، یعنی اس کے لئے بھی موصوف کی ضرورت ہے، چنانچہ جس موصوف کی

صفت کلام کرنا ہوگی تو وہ اسی موصوف کی صفت سمجھی جائے گی کسی اور کی صفت نہیں ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر صفتِ کلام کو خالق کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ خالق کی صفت قرار پائے گی، اور اگر صفتِ کلام کو کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ اسی کی صفت ہوگی، دونوں میں فرق یہ ہوگا کہ خالق کی صفات خالق کی طرح غیر مخلوق ہوں گی اور مخلوق کی صفات مخلوق کی طرح مخلوق ہی ہوں گی۔

اس تفصیل کے بعد اللہ تعالی نے اپنی طرف صفتِ کلام کو منسوب اور قوتِ گویائی سے خود کو متصف کیا ہے تو اللہ تعالی کا کلام بھی مخلوق نہیں ہوگا؛ کیونکہ اللہ تعالی کا کلام اسی کے تابع ہے اور اللہ تعالی کی ذات مخلوق نہیں ہے، نیز صفات کے بارے میں گفتگو ذات کے بارے میں گفتگو سے تعلق رکھتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کلام مخلوق ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالی مخلوق چیز سے متصف نہیں ہوسکتا وہ اس سے پاک ہے، بلکہ تم خود بھی اللہ تعالی کے بارے میں یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالی حوادث (فنا ہونے والی اشیا) سے متصف نہیں ہوسکتا، اور تم اللہ تعالی کو ان سے مبرا اور پاک سمجھتے ہو، تو اس بنا پر آپ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اللہ تعالی کی طرف صفتِ کلام منسوب ہی نہ کرو، (اگر تم صفتِ کلام منسوب نہیں کروگے تو پھر) تم کتاب وسنت کے دلائل سمیت ان عقلی براہین کو مسترد کرنے کا ارتکاب کروگے جو اللہ تعالی کے لئے صفتِ کلام ثابت کرتے ہیں۔

لیکن انہوں نے اللہ تعالی کے کلام کو غیر مخلوق ماننے کی بجائے اس سے بھی بڑی بات کردی اور کہہ دیا کہ: "ہم اللہ تعالی کے لئے صفتِ کلام ثابت کرتے ہیں لیکن یہ کلام اللہ تعالی کا نہیں تھا بلکہ کسی اور چیز کی آواز تھی، چنانچہ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام سے جب گفتگو کی تو وہ درخت میں پیدا کی گئی گفتگو تھی اللہ تعالی کی نہیں تھی، اس طرح سے ہم اللہ تعالی کو حوادث سے پاک قرار دیتے ہیں"

تو ہم انہیں کہتے ہیں کہ تم نے (اس واقعہ میں) صفتِ کلام کو اس جگہ کی طرف منسوب کیا ہے جہاں سے آواز پیدا ہوئی تھی، اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ یہ آواز درخت کی تھی، گویا کہ درخت نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ: (يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) (اے موسی! میں ہی اللہ رب العالمین ہوں) ایسے تو درخت کی اس بات اور فرعون ملعون کی بات: (أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى) (میں تمہارا اعلی پروردگار ہوں) میں کوئی فرق نہیں ہے!! کیونکہ درخت کا کلام اللہ تعالی کی بجائے درخت کی صفت ہوئی، اسی طرح فرعون کا کلام فرعون کی صفت بنی، اور دونوں ہی یہاں پر ربوبیت کا دعوی کر رہے ہیں، اس سے تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ طریقہ کار بالکل غلط تھا کہ انہوں نے فرعون کی بات کو تو مسترد کردیا، لیکن درخت کی بات کو مان لیا!!

آپ ذرا غور کیجیے- اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے- کہ یہ کتنا صریح کفر ہے، اور بدعتی لوگ اس میں ملوث ہیں اور قرآنی

حقائق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ الٹا قرآنی مفاہیم کو تبدیل کرنے کے درپے ہیں۔

اس عقلی دلیل کو امام احمد رحمہ اللہ نے معتصم کی موجودگی میں جہمی اور معتزلی لوگوں کے خلاف ذکر کیا، آپ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔"یہ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پڑھیں، اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اپنے ہی بارے میں فرمایا: (وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى) (اور اللہ تعالی نے موسیٰ سے کلام کیا) تو یہاں پر اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محو گفتگو ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس میں موسیٰ علیہ السلام کی شان بھی عیاں فرمائی، پھر ساتھ ہی یہ لفظ بھی ذکر کیا: (تَكْلِيمًا) (جو کہ مفعول مطلق ہے) اور صفت کلام کی تاکید کے لئے لایا گیا، پھر اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کو مزید فرمایا: (إِنَّنِیْ أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا) (بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود برحق کوئی نہیں ہے) لیکن تم اس کا انکار کرتے ہو، چنانچہ اس طرح تو (إِنَّنِیْ کی) یائے متکلم کا مرجع غیر اللہ بنے گا، جس کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی مخلوق ربوبیت کا دعویٰ کر رہی ہے؟! لیکن حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی ہی پروردگار ہے"

اس واقعہ کو حنبل نے "المحنۃ" (ص:52) میں ذکر کیا ہے۔

دسویں دلیل:

اس عقیدے کے اثبات میں سلف صالحین کے چند اقوال یہ ہیں:-

تابعین میں سے بلند پایہ امام عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں:"میں ستر سالوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے بعد والوں کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں کہ: اللہ تعالی خالق ہے، اس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے، قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اللہ تعالی اس کے ساتھ گویا ہوا اور یہ کلام اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔"

اسی طرح عبد اللہ بن نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اور قرآن کریم کو مخلوق کہنا غلط جملہ ہے"

اس اثر کو صالح بن امام احمد نے "المحنۃ" (ص:66) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ربیع بن سلیمان امام شافعی کے ساتھی اور شاگرد "خلقِ قرآن" سے متعلق امام شافعی کا حفص الفرد کے ساتھ ہونے والا مناظرہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس نے امام شافعی سے (مسئلہ) پوچھا، تو امام شافعی نے دلیل دے دی (اور مسئلہ بتلا دیا)، پھر مناظرہ لمبا ہوتا گیا، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات کے دلائل دیئے کہ قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے، نیز انہوں نے حفص الفرد کو کافر قرار دے دیا"

ربیع کہتے ہیں کہ: "اس مجلس کے بعد میں حفص الفرد کو ملا تو وہ کہنے لگا کہ: شافعی تو مجھے مار دینے لگے تھے" اس اثر کو عبد الرحمن بن ابی حاتم نے "آداب الشافعی" (ص:195194) میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں:"میں نے اپنے والد اور ابو زرعہ رحمہما اللہ سے اہل سنت کے عقائد سمیت دیگر تمام علمائے

کرام کے نظریات کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا:

ہم نے حجاز، عراق، شام، یمن سمیت تمام علاقوں کے علمائے کرام کو ان عقائد پر پایا کہ: ایمان قول وفعل کا نام ہے جو کہ کم زیادہ بھی ہوتا ہے، نیز قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام ہے اور کسی اعتبار سے بھی مخلوق نہیں ہے۔اسے ابن طبری نے "السنہ" (1761/) میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

امام ابوقاسم ہبۃ اللہ بن حسن طبری لالکائی رحمہ اللہ نے اپنی عظیم کتاب: "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" میں ذکر کیا ہے کہ:

"یہ عقیدہ امت کے سابقہ ولاحقہ 550 علمائے کرام کا عقیدہ ہے، ان سب کا کہنا ہے کہ: قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے، اور قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے۔"

آپ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے علاوہ تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام پر مشتمل 550 سے بھی زائد علمائے کرام جن میں 100 کے قریب ائمہ کرام ہیں جن کی بات کو مستند سمجھا جاتا تھا اور ان کا مخصوص فقہی دائرہ تھا اپنے علاقوں اور وقت کے مختلف ہونے کے باوجود (اسی عقیدے کے قائل ہیں) اگر میں محدثین کے اقوال بھی ذکر کرنا شروع کروں تو ان کے ناموں کی تعداد کئی ہزاروں میں تک پہنچ جائے۔"السنہ" (493)

اللہ تعالی کی صفات اور مخلوقات کی صفات کے درمیان فرق ہونے کا بیان

وَقد كَانَ الله تَعَالَى خَالِقًا فِي الْأَزَل وَلم يخلق الْخلق فَلَمَّا كلم الله مُوسَى كَلمه بِكَلَامِهِ الَّذِي هُوَ لَهُ صفة فِي الْأَزَل وَصِفَاته كلهَا بِخِلَاف صِفَات المخلوقين يعلم لَا كعلمنا وَيقدر لَا كقدرتنا وَيرى لَا كرؤيتنا

وَيتَكَلَّم لَا ككلامنا وَيسمع لَا كسمعنا وَنحن نتكلم بالآلات والحروف وَالله تَعَالَى يتَكَلَّم بِلَا آلَة وَلَا حُرُوف والحروف مخلوقة وَكَلَام الله تَعَالَى غير مَخْلُوق وَهُوَ شَيْء لَا كالأشياء وَمعنى الشَّيْء الثَّابِت بِلَا جسم وَلَا جَوْهَر وَلَا عرض وَلَا حد لَهُ وَلَا ضد لَهُ وَلَا ند لَهُ وَلَا مثل لَهُ .

اور یقیناً اللہ تعالی ازل سے خالق تھا جبکہ ابھی اس نے مخلوق کا پیدا نہیں کیا تھا۔لہذا جب اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو اسی کلام کے جو ازل سے صفت ہے۔اور اس کی تمام صفات مخلوقات کے صفات سے جدا ہیں۔اس کا علم ہمارے علم جیسا نہیں اور اس کی قدرت ہماری قدرت جیسی نہیں ہے۔اور اس کا دیکھنا ایسا ہے جیسا ہمارے پاس نہیں۔اور اس کا کلام کرنا ہے لیکن ہمارے کلام کرنے جیسا نہیں ہے۔کیونکہ ہم کلام کرتے ہیں

آلات اور حروف کے ذریعے جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر آلہ وحروف کے کلام کرتا ہے کیونکہ حروف مخلوق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اور وہ ایسی چیز ہے جس طرح دوسری اشیاء نہیں ہیں۔ اور یہ شئے کا معنی ثابت ہے۔ جو بغیر کسی جسم، جوہر اور عرض کے ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں اور نہ کوئی ضد اور نہ کوئی مقابل اور نہ کوئی مثل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود اور قدیم ہونے کا بیان

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ (مشہور اور عظیم قبیلہ) بنو تمیم کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بنو تمیم کے لوگوں بشارت حاصل کرو، انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دین کی تعلیمات کی صورت میں) بشارت تو ہمیں عطا فرمادی، اب کچھ اور بھی عنایت فرمادیجئے۔ پھر کچھ دیر بعد یمن کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ (یمن کے لوگوں تم بشارت حاصل کرلو، بنو تمیم کے لوگوں نے تو بشارت حاصل نہیں کی، یمن والوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بشارت حاصل کی اور ہم اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی معلومات اور دینی شعور وفہم حاصل کریں، چنانچہ ہم آپ سے ابتدائے آفرینش اور مبداء عالم کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس (کائنات کے وجود میں آنے اور مخلوقات کی پیدائش) سے پہلے کیا چیز موجود تھی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صرف اللہ کی ذات موجود تھی (ازل الازال میں) اس کے ساتھ اور اس کے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا۔ (حدیث کے راوی حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہیں تک سن پایا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ عمران جاؤ اپنی اونٹنی کو تلاش کرو وہ بھاگ گئی ہے (یہ سنتے ہی میں اپنی اونٹنی کو تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور اب میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کاش میں اس وقت مجلس نبوی سے اٹھ کر نہ جاتا بھلے ہی میری اونٹنی جاتی رہتی۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 263)

اس موقع پر بنو تمیم کے جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کا مطمح نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتساب دین اور حصول معرفت سے زیادہ کوئی دنیاوی طلب وخواہش تھی، اس لئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بشارت حاصل کرو، یعنی مجھ سے ایسی چیز حاصل کرو اور وہ بات قبول کرو جو جنت کی نعمتوں اور دونوں جہان کی سعادتوں کے حصول کی بشارت کا موجب ہے جیسے دین کے عقائد واحکام سیکھنا اور مذہبی معلومات حاصل کرنا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ بشارت ہمارے سرآنکھوں پر، دینی عقائد واحکام سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہمیں تسلیم، لیکن اس وقت ہمارا اصل مقصد کچھ دنیاوی چیزوں کا حاصل کرنا ہے آپ تو ہماری وہ دنیاوی طلب وخواہش پوری فرمادیجئے پس ان لوگوں نے چونکہ فانی دنیا کو زیادہ اہم جانا اور اس کو مذہبی تعلیمات اور دینی فہم وشعور حاصل

کرنے پر کہ جو آخرت کے اجر وثواب اور دارین کی فلاح وسعادت کا باعث ہے، فوقیت دی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو ان کی عدم لیاقت اور یقین واعتماد میں ان کے ضعف وکمزوری پر محمول فرمایا اور از راہ غصہ ان کی طرف سے وہ بشارت کو قبول کیے جانے کی نفی فرمادی۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے لوگوں سے فرمایا کہ بنو تمیم کے لوگوں نے تو بشارت حاصل کی نہیں، تم ہی لوگ اس بشارت کو حاصل کرلو۔ بنو تمیم کے لوگوں کے بعد یمن کے لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ان کی نیت چونکہ بالکل اور سچی تھی اور ان کی آمد کا اصل مقصد ہی یہ پاک جذبہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دین کی باتیں سیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے اپنے عقیدہ وایمان کو تازگی بخشیں نہ کہ وہ دنیا کی چیز حاصل کرنے یا کسی پست مقصد کے لئے حاضر ہوئے تھے لہٰذا ان کو بشارت حاصل ہوئی طاعت وقبول کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ علم وعمل ان کا نصیب بنا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے جب کہ بنو تمیم کے لوگ دنیا طلبی کے چکر میں پڑکر ان سعادتوں اور نعمتوں سے محروم رہنے اور ان کی کم نظری اور پست ہمتی نہ ان کو نیچے گرا دیا اس سے معلوم ہوا کہ بندہ مؤمن کو ہمیشہ بلند نظر عالی ہمت اور پاک مقصد ہونا چاہے کیونکہ بلند نظری عالی ہمتی اور مقصد کی پاکی بڑے سے بڑے درجہ ومرتبہ کو پہنچا دیتی ہے اور دارین کی فلاح وسعادت سے نوازتی ہے۔

ایک بزرگ حضرت شیخ ابوالعباس مرصی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک دن حضرت امیر حمزہ کی تربت کی زیارت کے ارادے سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ایک شخص بھی ان کے ساتھ ہولیا جو وہ حضرت امیر حمزہ کے مقبرہ پر پہنچے تو خلاف معمول حضرت شیخ ابوالعباس کے لئے خاص طور پر مقبرہ کا دروازہ کھولا گیا وہ اندر داخل ہوئے اور تربت پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عالم غیب کے کچھ لوگوں کی ایک جماعت کسی بھی طرح کی کمی اور عیب سے پاک اپنے اجسام کے ساتھ موجود ہے حضرت شیخ ان کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ ساعت قبولیت ہے یہاں پروردگار سے جو کچھ بھی طلب کیا جائے حاصل ہوگا چنانچہ انہوں نے پروردگار سے دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کی دعا مانگی اور پھر از راہ ہم دردی اور شفقت اپنے ساتھی سے کہا کہ میرے عزیز اللہ تعالیٰ سے جو کچھ چاہتے ہو مانگ لو، کیونکہ یہ دعا کی قبولیت اور فضل ربی حاصل ہونے کا وقت ہے اس شخص نے بڑی پست ہمتی دکھائی اور ایک دینار کی دعا مانگی (کہ پروردگار مجھے ایک دینار عطا کردے) نہ تو اس نے آخرت کا کوئی ذکر کیا اور نہ جنت ودوزخ کے بارے میں کچھ عرض مدعا کیا۔ اس کے بعد وہ دونوں مقبرہ سے نکلے اور واپسی کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑے اور مدینہ شہر میں داخل ہوئے تو اہل مدینہ میں سے کسی نے اس شخص کے ہاتھ میں ایک دینار تھما دیا پھر شہر میں پہنچ کر وہ دونوں اس زمانے کے مشہور قطب وولی حضرت سید ابوالحسن شاذلی کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت شاذلی پر ان دونوں کا پورا قصہ منکشف ہوگیا انہوں نے بڑے تاسف کے ساتھ اس شخص سے کہا کہ ارے پست ہمت تجھے قبولیت دعا کا وقت نصیب ہوا اور تو نے ذلیل دنیا کا ایک حقیر ٹکڑا مانگنے پر اکتفا کیا؟ آخر تو نے ابوالعباس کی طرح عفو وعافیت کی دعا کیوں

نہیں مانگی یہ تو وہ نعمت ہے جو تجھے حاصل ہو جاتی تو تیری دنیا بھی تیرے قدموں میں آ جاتی اور تیری عاقبت بھی سنور جاتی صرف اللہ کی ذات موجود تھی یعنی جس طرح اس کی پاک ذات ابد الاباد تک رہنے والی ہے اسی طرح ازل الازال میں بھی صرف اسی کی ذات تھی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے موجود ہے۔

اور اس سے پہلے کسی بھی چیز کا وجود نہیں تھا، جس طرح اس کے لئے کوئی انتہا داختتام نہیں ہے اسی طرح اس کے لئے کوئی ابتداء نہیں ہے، اس کی ذات اور اس کا وجود تغیر وحدث سے پاک ومبرا ہے جو اس کے بندوں اور اس کی مخلوق کا خاصہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نہ پہلے کبھی اس کی ذات عدم میں تھی اور نہ آئندہ کبھی وہ عدم میں ہوگا کیونکہ جو ذات ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے قائم وباقی ہے اس کا عدم محال ہے۔ "اللہ تعالیٰ سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں تھا یہ پہلے جملہ کی وضاحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے تو اس واجب الوجود سے پہلے کسی اور چیز کے وجود کا تصور تک نہیں ہو سکتا اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق وموجد ہے اس لئے جو بھی چیز وجود میں آئی ہے اسے کے بعد اور اسے کی قدرت تخلیق سے وجود پذیر ہوئی ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا الخ، اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے عرش اور پانی کی تخلیق زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے ہوئی ہے نیز شروع میں عرش کے نیچے پانی کے علاوہ زمین وآسمان کی کوئی بھی چیز نہیں تھی پس عرش کا پانی پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی یہ مطلب نہیں ہے کہ عرش پانی کی سطح پر قائم تھا نیز اس پانی سے مراد وہ پانی نہیں ہے جو سمندروں اور دریاؤں میں موجود ہے بلکہ عرش کے نیچے کا وہ پانی قدرت ومشیت الٰہی کا مظہر کوئی اور ہی پانی تھا۔

ابن ملک نے مذکورہ جملہ کی تشریح میں لکھا ہے عرش پانی پر تھا پانی ہوا کی پشت پر تھا اور ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم تھی۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہم کہ عرش اور پانی کی تخلیق آسمان اور زمین کی تخلیق سے پہلے ہوئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پانی سے پیدا فرمایا اس طرح کہ پانی اپنی تجلی ڈالی، تو وہ موجیں مارنے لگا اور اس میں زبردست اتھل پتھل ہوئی جس کے سبب سے اس میں جھاگ پیدا ہوا اور وہ جھاگ جمع ہو کر اس جگہ قائم ہوا جہاں خانہ کعبہ ہے اور اس طرح زمین کا سب سے پہلا ٹکڑا عالم وجود میں آیا اور پھر اسی ٹکڑے سے چاروں طرف زمین پھیلائی گئی اور اس کائنات کا تختہ ارض قائم ہوا، پھر اس تختہ ارض پر پہاڑوں کو پیدا کیا گیا تا کہ زمین ہلنے اور ڈولنے نہ پائے اور پہاڑوں کے دباؤ سے ساکن وجامد رہے اور جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، سب سے پہلے جو پہاڑ پیدا کیا گیا وہ جبل ابوقبیس ہے نیز اس پانی میں تموج اور اضطراب سے دھوئیں کی شکل میں جو بخارات اوپر کی طرف بلند ہوئے ان سے آسمان پیدا ہوئے۔ اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہر چیز کے متعلق لوح محفوظ میں ہر وہ بات لکھ دی ہے جو اس کو پیش آنے والی ہے اور اسی کے مطابق دنیا میں ظہور ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کے لکھنے سے کیا مراد ہے؟ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حروف والفاظ پیدا فرمائے ہوں جو اس لوح محفوظ میں مرتسم ہو گئے ہوں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے

فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس حکم کے مطابق ہر چیز لوح محفوظ میں لکھ دی! یہ واضح رہے کہ لوح محفوظ میں ہر چیز کا لکھا جانا عرش کی بھی تخلیق سے پہلے ہو گیا تھا۔

روایت کے آخری الفاظ کے ذریعہ حضرت عمران ابن حصین نے اپنے تاسف کا اظہار کیا کہ وہ اپنی اونٹنی کے چکر میں پڑ کر ایسے موقع پر مجلس نبوی سے اٹھ گئے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا سلسلہ جاری تھا اور وہ آگے کے ملفوظات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکے صورت حال یہ ہوئی کہ حضرت عمران مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی اونٹنی دروازے کے باہر باندھ دی تھی، اس دوران کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یمن کے لوگوں کو اس کائنات کے ابتدائے آفرینش اور مبدء عالم کے بارے میں بتارہے تھے، کسی شخص نے آ کر حضرت عمران سے کہا کہ تمہاری اونٹنی کھل کر بھاگ گئی ہے جلدی جاؤ اور اس کو پکڑ دا اور وہ یہ سنتے ہی مجبوراً اٹھ گئے اور اپنی اونٹنی کو پکڑنے کے لئے چلے گئے پھر بعد میں پشیمان ہوئے کہ میں کیوں اٹھ گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت؛ اور ان حقائق وعلوم سے محروم رہ گیا جو اس وقت بیان فرمائے جارہے تھے۔

شرکت کی تعریف کا بیان

علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ اپنی کتاب شرح عقائدِ نسفی میں شرک کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔ کسی کو شریک ٹھہرانے سے مراد یہ ہے کہ مجوسیوں کی طرح کسی کو الٰہ (خدا) اور واجب الوجود سمجھا جائے یا بُت پرستوں کی طرح کسی کو عبادت کے لائق سمجھا جائے۔

شرک کی تعریف سے معلوم ہوا کہ دو خداؤں کے ماننے والے جیسے مجوسی (آگ پرست) مشرک ہیں اسی طرح کسی کو خدا کے سوا عبادت کے لائق سمجھنے والا مشرک ہوگا جیسے بُت پرست جو بتوں کو مستحقِ عبادت سمجھتے ہیں۔

شرک کی تین اقسام ہیں

(1)۔۔۔شرک فی العبادۃ (2)۔۔۔شرک فی الذات (3)۔۔۔شرک فی الصفات

(1) شرک فی العبادۃ سے مُراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مستحقِ عبادت سمجھا جائے۔

(2) شرک فی الذات سے مُراد ہے کہ کسی ذات کو اللہ تعالیٰ جیسا ماننا، جیسا کہ مجوسی دو خداؤں کو مانتے تھے۔

(3) شرک فی الصفات سے مراد کسی ذات وشخصیت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ جیسی صفات ماننا شرک فی الصفات کہلاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ جیسی صفات کسی نبی علیہ السلام میں مانی جائیں۔۔۔یا۔۔۔ کسی ولی علیہ الرحمہ میں تسلیم کی جائیں، کسی زندہ میں مانی جائیں۔۔۔یا۔۔۔ فوت شدہ میں، کسی قریب والے میں تسلیم کی جائیں۔۔۔یا۔۔۔ دور والے میں، شرک ہر صورت میں شرک ہی رہے گا جو نا قابلِ معافی جرم اور ظلمِ عظیم ہے۔

شیطان شرک فی الصفات کی حقیقت کو سمجھنے سے روکتا ہے اور یہاں اُمت میں وسوسے پیدا کرتا ہے لہٰذا قرآن مجید کی

آیات سے اس کو سمجھتے ہیں۔

1)۔۔۔اللہ تعالیٰ رؤف اور رحیم ہے:

القرآن: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر رؤف اور رحیم ہے۔

(سورۂ بقرہ، آیت143 پارہ2)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بھی رؤف اور رحیم ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر ہے، کہ۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ م بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں (بھاری) ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مومنوں پر رؤف اور رحیم ہیں۔ (سورۂ توبہ، آیت128 پارہ11)

پہلی آیت پر غور کریں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ رؤف اور رحیم اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں پھر دوسری آیت میں سرکارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف اور رحیم فرمایا گیا، تو کیا یہ شرک ہوگیا؟.....

اس میں تطبیق یوں قائم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر رؤف اور رحیم ہے جب کہ سرکارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی عطا سے رؤف اور رحیم ہیں لہٰذا جہاں ذاتی اور عطائی کا فرق واضح ہوجائے وہاں شرک کا حکم نہیں لگتا۔

(2)۔۔۔علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. تم فرماؤ اللہ کے سوا غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ (سورۂ نمل، آیت65 پارہ20)

جبکہ قرآن کریم ہی میں ذکر ہے کہ

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ: غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر صرف اپنے پسندیدہ رسولوں ہی کو آگاہ فرماتا ہے ہر کسی کو (یہ علم) نہیں دیتا۔ (سورۂ جن، آیت26/27 پارہ29)

علمِ غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پہلی آیت سے یہ ثابت ہوا مگر دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ رسولوں کو بھی عطا کیا ہے تو کیا یہ شرک ہوگیا؟.....

اس میں تطبیق یوں قائم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر عالم الغیب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول اللہ تعالیٰ کی عطا سے علمِ غیب جانتے ہیں لہٰذا جہاں ذاتی اور عطائی کا فرق واضح ہوجائے وہاں شرک کا حکم نہیں لگتا۔

3)۔۔۔مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہے: جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے، کہ

القرآن: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یہ اس لئے کہ مسلمانوں کا مددگار اللہ ہے۔ (سورۂ محمد، آیت11 پارہ26)

جبکہ قرآن کریم ہی میں ذکر ہے، کہ

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْ مِنِيْنَ: بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مومنین مددگار ہیں۔ (سورۂ تحریم، آیت 4 پارہ 28)

پہلی آیت پر غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پھر دوسری آیت میں جبریل اور اولیاء اللہ کو مددگار فرمایا گیا، تو کیا یہ شرک ہو گیا؟....

اس میں تطبیق یوں قائم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر مددگار ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام وراولیاء کرام، اللہ تعالیٰ کی عطا سے مددگار ہیں۔

جو ذات باری تعالیٰ عطا فرما رہی ہے اس میں اور جس کو عطا کیا جا رہا ہے ان حضراتِ قدسیہ میں برابری کا تصور محال ہے اور جب برابری ہی نہیں تو شرک کہاں رہا؟۔

خوب یاد رکھیں! کہ جہاں باذنِ اللہ اور عطائی کا فرق آ جائے وہاں شرک کا تصور محال اور ناممکن ہو جاتا ہے۔

اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم شرک پر متفق نہیں ہوگی

بخاری شریف میں ہے، کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا بیشک میں تمہارا سہارا اور تم پر گواہ ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اپنے حوضِ کوثر کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور بے شک مجھے یہ خطرہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم دنیا کے جال میں پھنس جاؤ گے۔

(بخاری شریف جلد اول، کتاب الجنائز، رقم الحدیث 1258 ص 545 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان

القَوْل فِي الصِّفَات

وَلَـه يَـد وَوَجـه وَنَفس كَمَا ذكره الله تَعَالٰى فِي الْقُرْآن فَمَا ذكره الله تَعَالٰى فِي الْقُرْآن مـن ذكـر الْـوَجْـه وَالْيَـد وَالـنَّـفس فَهُوَ لَهُ صِفَات بِلَا كَيفَ وَلَا يُقَال اِن يَده قدرته اَوْ نعْمَته لِاَن فِيهِ اِبْطَال الصّفة وَهُوَ قَول اهل الْقدر والاعتزال وَلَكِن يَده صفته بِلَا كَيفَ وغضبه وَرِضَاهُ صفتان من صِفَات الله تَعَالٰى بِلَا كَيفَ

اور اسی کے لئے ہاتھ، چہرہ، جان ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں چہرہ، ہاتھ اور نفس کو ذکر کیا ہے یہ وہ صفات ہیں جو بغیر کسی کیفیت کے ہیں۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا

ہاتھ اس کی قدرت ہے یا نعمت ہے۔ کیونکہ اس میں صفت کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ مذہب قدریہ یعنی منکرین تقدیر اور معتزلہ کا ہے۔ لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا یہ دونوں بھی صفات ہیں اور یہ بھی بلا کیف اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔

شرح

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقین کی صفات سے متصف نہیں کیا جاسکتا، اس کا غضب اور اس کی رضا بلا کیف اس کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں، اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا قول ہے۔

وہ غضبناک ہوتا ہے اور راضی ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا غضب اس کی عقوبت ہے، اور اس کی رضا اس کا ثواب ہے۔ اور ہم اس کو ویسے ہی متصف کریں گے جیسے اس نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے۔ وہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ اس نے جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے، اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے، وہ زندہ ہے، قادر ہے، سننے والا ہے، دیکھنےوالا ہے، عالم ہے، اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، اور اس کی مخلوق کے ہاتھ جیسا نہیں ہے۔ اور اس کا چہرہ اس کی مخلوق کے چہرے جیسا نہیں ہے۔ (5)

اور کہا کہ اس کے لئے ہاتھ اور چہرہ اور نفس ہے، جیسا کہ اللہ نے اسے قرآن میں ذکر کیا ہے، اور جس چیز کو اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے یعنی چہرہ اور ہاتھ اور نفس کا ذکر تو وہ بلا کیف اس کی صفات ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی قدرت یا نعمت ہے، کیونکہ اس صفت کا ابطال ہے، اور یہ منکرین تقدیر اور معتزلہ کا قول ہے۔ (6)

اور کہا کہ کسی کے لئے درست نہیں ہے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں کچھ بولے، بلکہ اس کو اسی وصف سے متصف کرے جس سے اس نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے، اور اس کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ نہ کہے، اللہ رب العالمین بابرکت اور بلند تر ہے۔ (7)

اور جب نزول الٰہی کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ بلا کیف نازل ہوتا ہے۔ (8)

اور امام محترم نے کہا: اللہ تعالیٰ اوپر کی جانب (توجہ کرکے) پکارا جائے گا، نیچے سے نہیں، کیونکہ نیچے ہونا ربوبیت اور الوہیت کے وصف سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ (8)

اور کہا کہ "وہ غصہ ہوتا اور راضی ہوتا ہے، مگر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا غصہ اس کی عقوبت ہے، اور اس کی رضا اس کا ثواب ہے"۔ (9)

اور کہا کہ "وہ اپنی مخلوق کی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے مشابہ نہیں، اور اپنی مخلوق کے بھی مشابہ نہیں۔ وہ اپنے ناموں اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا"۔ (11)

اور کہا کہ "اس کی صفات مخلوق کی صفات کے برخلاف ہیں۔ وہ جانتا ہے مگر ہمارے جاننے کی طرح نہیں۔ وہ قدرت رکھتا ہے مگر ہمارے قدرت رکھنے کی طرح نہیں۔ وہ دیکھتا ہے مگر ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں۔ وہ سنتا ہے مگر ہمارے سننے کی طرح نہیں وہ بولتا ہے مگر ہمارے بولنے کی طرح نہیں"۔(11)

اور کہا کہ "اللہ تعالیٰ کو مخلوقین کی صفات کے ساتھ متصف نہیں کیا جائے گا"۔(12)

اور کہا کہ "جس نے اللہ کو بشر کے معنوں میں سے کسی معنی کے ساتھ متصف کیا اس نے کفر کیا"۔(13)

اور کہا کہ "اللہ کی ذاتی اور فعلی صفات ہیں۔ ذاتی صفات: حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ ہیں۔ اور فعلی صفات یہ ہیں: پیدا کرنا، روزی دینا، موجود کرنا، بغیر سابقہ اور مادہ نمونہ کے کسی چیز کو وجود میں لانا، بنانا اور دیگر صفات فعل۔ اور وہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا"۔(14)

اور کہا کہ: "وہ اپنے فعل کے ساتھ ہمیشہ سے کرنے والا رہا ہے، اور فعل ازلی صفت ہے، اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے، اور فعل ازلی صفت ہے، اور مفعول مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق نہیں ہے"۔(15)

اور کہا کہ "جو شخص یہ کہے کہ میں اپنے رب کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ آسمان میں ہے یا زمین میں، اس نے کفر کیا۔ اور ایسے ہی وہ شخص بھی جو یہ کہے کہ وہ عرش پر ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ عرش آسمان میں ہے یا زمین میں"(16)

اور کہا کہ "اسی طرح اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، لیکن اس کی مخلوق کے ہاتھ کی طرح نہیں ہے"(18)

اور کہا کہ "بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ زمین میں نہیں، آسمان میں ہے۔

اس پر ان سے ایک آدمی نے کہا کہ: تو اللہ کا جو قول ہے کہ: (وَهُوَ مَعَكُمْ) (وہ تمہارے ساتھ ہے)

تو انہوں نے کہا کہ وہ ایسے ہی ہے جیسے تم کسی آدمی کو لکھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، حالانکہ تم اس سے غائب ہوتے ہو۔(19)

اور انہوں نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا تھا تب بھی وہ متکلم تھا"(20)

اور کہا کہ "وہ اپنے کلام کے ساتھ متکلم تھا اور کلام اس کی ازلی صفت ہے"(21)

اور کہا کہ "وہ کلام کرتا ہے، مگر ہمارے کلام کی طرح نہیں"(22)

اور کہا کہ: "موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا) (اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا)

اور اس نے جب موسیٰ علیہ السلام سے کلام نے کیا تھا تب بھی متکلم تھا"(23)

اور کہا کہ "قرآن اللہ کا کلام ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے"(24)

اور کہا کہ: "قرآن غیر مخلوق ہے" (25)

حوالہ جات:

(5) الفقہ الابسط ص 56. (6) الفقہ الاکبر ص 302. (7) شرح العقیدہ الطحاویہ (2/427) تحقیق ڈاکٹر عبداللہ ترکی، جلاء العینین ص 368. (8) عقیدہ السلف اصحاب الحدیث ص 42 طبع: دار السلفیہ، الاسماء والصفات بیہقی ص 456، کوثری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اور شرح العقیدہ الطحاویہ ص 245، تخریج البانی، شرح الفقہ الاکبر للقاری ص 60. (9) الفقہ الابسط ص 51. (10) الفقہ الابسط ص 56، کتاب کے محقق کوثری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ (11) الفقہ الاکبر ص 301. (12) الفقہ الاکبر ص 302. (13) الفقہ الابسط ص 56. (14) العقیدہ الطحاویہ بتعلیق البانی ص 25. (15) الفقہ الاکبر ص 301. (16) الفقہ الاکبر ص 301. (18) سورۃ الحدید: آیت نمبر 4. (19) الاسماء وصفات ص 429. (20) الفقہ الابسط ص 56. (21) سورۃ الحدید: آیت نمبر 4. (22) الاسماء والصفات (2/170) (23) الفقہ الاکبر ص 302. (24) الفقہ الاکبر ص 301. (25) الفقہ الاکبر ص 302

اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش اور غیر مقلدین کا نا قابلِ فہم مسلک

غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ اِسْتَوَیٰ عَلَی الْعَرْش اپنے حقیقی معنوں پر محمول ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پھر بیٹھا تخت پر اور عرش اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور اللہ تعالیٰ جہت بلندی سے متصف ہے۔ (وهو فی جهة الفوق، ومکانه العرش۔ (نزل الابرار، کتاب الایمان، ص:3، لاہور)

اسی طرح یَدْ، وجہ، ساق، سے اللہ تعالیٰ کے اعضا و جوارح مراد ہیں، تاہم ان کی کیفیت مجہول ہے۔ (وله وجه، وعین، وید، وکف، وقبضة، واصابع، وساعد، وذراع، وجنب، وحقو، وقدم، ورجل، وساق، وکیف کما تلیق بذاته (نزل الابرار من فقہ النبی المختار، کتاب الایمان، ص:3، لاہور)

اگر غیر مقلدین کے مذکورہ موقف و مسلک کو درست قرار دیا جائے تو ذات باری تعالیٰ کے لیے جسم تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا، کیوں کہ باری تعالیٰ کے لیے مکان وجہت اور اعضائے جارحہ (منہ، ہاتھ، پنڈلی) ثابت کرتے ہی جسمانیت کے تمام پہلو غیر شعوری طور پر پیدا ہو جاتے ہیں یا پھر یہ مسئلہ مبہم اور نا قابل فہم بن جاتا ہے۔

اس لیے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے لیے، چہرہ، ہاتھ، پنڈلی وغیرہ کے اثبات پر زور دیتے ہیں تو اس کے جو معنی انسانی ذہن میں متبادر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کی ذات نہ صرف جسم رکھتی ہے، بلکہ اعضا و جوارح سے بھی متصف ہے، لیکن پھر جب آپ کہتے ہیں ان اعضاءِ جوارحہ کی کیفیت مجہول ہے، اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی مانند نہیں، اس کا چہرہ ہمارے چہرے کی طرح نہیں تو پھر فیصلہ کن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نفی کا اطلاق کس سے متعلق ہے؟

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چہرے، ہاتھ، پنڈلی وغیرہ کے مدلولات ہی سے متصف نہیں؟ یا یہ کہ وہ ایک نوع کے اعضائے جارحہ تو رکھتا ہے، مگر یہ اعضائے جارحہ تمام ذی اعضا حیوانات سے مختلف ہیں؟

اگر پہلی صورت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے آپ الفاظ کے ہیر پھیر میں سرگرداں اور کسی نتیجے تک پہنچنے سے قاصر ہیں، کیوں کہ ایک چیز ثابت کر کے پھر اس کی نفی کر دینے سے کوئی واضح مفہوم سامنے نہیں آتا۔

اگر وہ دوسری صورت صحیح ہے تو پھر جسمانیت سے دامن بچانا محال ہے، اس لیے کہ آپ کی نفی کا اطلاق صرف ہیئت، شکل اور نوعیت پر ہوا ہے، جس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ید، وجہ، استوی علی العرش کے جسمانی مدلول تو ثابت ہیں، لیکن ہمارے ہاتھ، چہرے کے مقابلے میں بے نظیر ہیں۔

غیر مقلدین کے مسلک کی مذکورہ کیفیت دیکھ کر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا مسلک اہل سنت سے جدا اور نا قابل فہم ہے۔

(استوی علی العرش، وهذا الاصل معقود لبيان انه تعالیٰ غير مستقر علی مكان كما قدمه صريحاً فی ترجمة اصول الركن الاول، ونبه عليه مصانا بالجواب عن تمسك القائلين بالجهة والمكان، فان الكرامية يثبتون جهة العلو من غير استقرار علی العرش، والحشوية، وهم المجسمة، يصر حون بالاستقرار علی العرش وتمسكو بظواهرها منها قوله تعالیٰ: الرحمن علی العرش استوی (المسامرة شرح المسایرہ، الاصل الثامن: ص، 44، بیروت)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا (صفات متشابہات) میں تاویل سے پہلوتہی اختیار کر کے الفاظ کے ظاہری معنی کے درپے ہوجانے کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم کی آیات تضاد بیانی کا شکار ہیں۔

(وقد جمع فی هذه الاية بين استوی العرش وبين هو معكم، والاخذ بالظاهر من تناقض، فدل علی انه لا بدمن التأويل، والاعراض عن التاويل اعتراف بالتناقض) (احکام القرآن للقرطبی) کیوں کہ صفات متشابہات کے ظاہری معنی مراد لینے سے قرآن کی کئی آیات تضاد و تناقض کا شکار ہوتی نظر آتی ہیں مثلاً: ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (اعراف:54) اور وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ (الانعام:18)

کا ظاہری معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ حسی طور پر عرش پر بیٹھے ہیں اور جہت فوق میں ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل آیتوں کے ظاہری معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی عرش پر نہیں، بلکہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ (المائدہ:11) وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید:4) اِنَّنِیْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی (طٰہٰ:46) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا (المجادلہ:7)

اگر تاویل بدعت ہے تو پھر اس تعارض اور تناقض کا کیا حل؟

غیر مقلدین کا امام مالک رحمہ اللہ کے قول سے غلط استدلال

غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ صفات متشابہات کو حقیقی معنوں پر محمول کر کے اس کی کیفیت مجہول قرار دیتے تھے، چناں چہ ایک بار ان سے جب استویٰ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے واضح الفاظ میں فرمایا الاستواء غیر

مجہول یعنی لفظ استویٰ کی دلالت اپنے معنی ومراد (استقرار) پر واضح ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہیں البتہ اس استقرار کی کیفیت مجہول ہے۔(الاستواء غیر مجہول، والکیف غیر معقول، والایمان بہ واجب، والسوال عنہ بدعۃ روح المعانی، الاعراف،تحت آیۃ رقم:54)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس فریب استدلال سے پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ:

الاستواء غیر مجہول کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفت استوا (قرآن وحدیث) میں مذکور ہے۔یہ مطلب نہیں کہ اس کا معنی ومراد استقرار معلوم ہے۔

(لیس نصاً فی هذ المذهب لاحتمال ان یکون المراد من قوله: غیر مجهول، انه ثابت معلوم الثبوت لا ان معناه وهو الاستقرار غیر مجهول . (روح المعانی، الاعراف، تحت آیة رقم:54)

نیز امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا استوا کے متعلق صحیح قول وہ ہے جو سند صحیح کے ساتھ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری

(واخرج البیهقی بسند جید عن عبدالله بن وهب، قال: کنا عند مالك، فدخل رجل فقال: یا ابا عبدالله الرحمن علی العرش استوی کیف استوی؟ فاطرق مالك فاخذته الرحضاء ثم رفع راسه، فقال: الرحمن علی العرش استوی، کما وصف به نفسه، ولایقال کیف وکیف عنه مرفوع فتح الباری لابن حجر، باب وکان عرشه علی الماء 494/20)اور علامہ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الاسماء والصفات (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص:408) میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ایسا ہی مستوی ہے جیسے خود آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے **الرحمن علی العرش استوی** یعنی صرف صفت استوی کی نسبت باری تعالیٰ کے لیے ثابت کر کے اسے متشابہ المعنی قرار دیا۔

لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کے ایک معروف اور مستند قول کو نظر انداز کر کے ایک غیر معروف اور مبہم قول سے اپنے مطلب کا مفہوم اخذ کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

اہل السنّت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ جسم سے اور جسم کی تمام خصوصیات زمان ومکان اور حدود وجہت سے پاک اور منزہ ہے،لہٰذا ذات باری تعالیٰ کے حق میں کوئی لفظ بھی استعمال نہ کیا جائے جو جسم اور خاصہ جسم پر دلالت کرتا ہو،مثلاً لفظ این عربی میں مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے اور مکان جسم کا خاصہ ہے،لہٰذا ذات باری کے متعلق لفظ این سے استفسار جائز نہیں (مثلاً این اللہ؟ اللہ کہاں ہے؟)۔

چناں چہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر کیوں اور کیسے کا سوال اٹھانا ایسے ہی عبث ہے جیسے اللہ کے وجود پر کہاں اور کیسے کا سوال۔**(فلا یتوجه علی حکمه لم ولا کیف کما لا یتوجه علیه فی وجوده این وحیث)**(فتح الباری لابن حجر:1/441)

لیکن غیر مقلدین اور نام نہاد سلفیوں کے نزدیک عرش باری تعالیٰ کا مکان اور فوق باری تعالیٰ کی جہت ہے، دلیل مانگنے

پر فوراً مسلم شریف کی حدیث پیش کر دیتے ہیں، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے پوچھا این اللہ؟ (اللہ کہاں ہے؟) جواب میں باندی نے کہا فی السماء (آسمان میں ہے)۔ (قلت یا رسول الله افلا اعتقها قال: ائتني بها، فاتيته بها، فقال لها: اين الله؟ قالت: في السماء (صحیح مسلم باب تحریم السلام فی الصلاۃ، رقم الحدیث:1227)

غیر مقلدین اس حدیث سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا این سے اللہ کی ذات کے متعلق سوال فرمانا مکان الٰہی کے ثبوت پر واضح دلیل ہے، پھر باندی کے جواب فی السماء پر خاموش رہنا بلکہ اسے مومنہ قرار دے کر آزاد کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ باندی کا جواب درست تھا کہ اللہ تعالیٰ فی السماء یعنی جہت فوق میں ہے۔ مذکورہ حدیث کی چھان بین کرنے پر معلوم ہوا کہ غیر مقلدین نے جس حدیث کو بنیاد بنا کر اپنے عقیدے کی عمارت کھڑی کی ہے اس کو محدثین نے معلول اور شاذ قرار دیا ہے۔

1 چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص:422)

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے اضطراب کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وفي اللفظ مخالفة كثيرة کہ متن حدیث کے لفظ میں بکثرت اختلاف پایا جاتا ہے۔ (التلخیص الحبیر 443/3)

3 امام بزار رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کے اضطراب پر نشان دہی کرتے ہوئے یہی فرمایا کہ اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ (کشف الاستار:14/1)

4 علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث پر اضطراب کا حکم لگایا ہے۔ (حاشیہ الاسماء والصفات:344)

5 نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کتنے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن کسی سے بھی این کا سوال منقول نہیں ہے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سوال کا ایمان کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ فقط باندی کا امتحان لینا مقصود تھا کہ مشرک ہے یا موحدہ؟ (شرح السیوطی علی مسلم 217/2، رقم الحدیث:537)

خلاصہ یہ کہ ایک معلول اور شاذ روایت سے عقیدے کا استنباط نہیں کیا جا سکتا اور ایسی شاذ روایت کو بنیاد بنا کر اشاعرہ کو گم راہ اور بدعتی کہنا تو سراسر جہالت ہے یا تعصب۔ بالفرض اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا تو پھر این کا سوال ذات باری تعالیٰ کے مکان کے لیے نہیں، بلکہ منزلت اور مرتبہ کے لیے ہوگا، یعنی ہمارے اللہ کا مرتبہ کیا ہے؟ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام واوامر کا مکان کون سا ہے؟ (کذا فی شرح النووی علی مسلم 298/2، رقم الحدیث:836)

1 ایک یہ کہ تفسیر ظنی کی قطعیت کے مدعی ہو جاتے ہیں۔ (چناں چہ مسلک تفویض کو باطل قرار دیتے ہیں۔)

2 دوسری غلطی یہ ہے کہ جب تفصیل کرتے ہیں تو عنوانات موہمہ تکییف وتجسیم اختیار کرتے ہیں۔ (جسے کہ عرش کو اللہ تعالیٰ کا مکان اور فوق کو جہت قرار دینا اور ید وجہ سے اعضائے جوارح مراد لینا۔)

3 تیسری غلطی یہ کہ مسلک تاویل کو علی الاطلاق باطل کہہ کر ہزاروں اہل حق کی تضلیل کرتے ہیں، حالاں کہ اہل حق کے

پاس ان کے مسلک کی صحت کے لیے احادیث بھی بنا ہیں اور قواعد شرعیہ بھی۔ (گزشتہ صفحات میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔)

4 چوتھی غلطی یہ کہ تفسیر بالاستقرار کو تو سلف کے مسلک پر سمجھتے ہیں اور دوسری تفاسیر لغویہ کو تاویل خلف سمجھتے ہیں، حالاں کہ سب کا مساوی ہونا اوپر ظاہر ہو چکا ہے۔ (امداد الفتاویٰ 111/6)

صفات متشابہات اور فرقہ مجسمہ کا موقف

فرقہ مجسمہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ جسمانیت سے متصف ہے۔

مجسمہ کی عقلی دلیل

فرقہ مجسمہ کی عقلی دلیل تو یہ ہے کہ جب بھی دو موجود فرض کیے جائیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتے یا تو دونوں باہم متصل اور ملے ہوئے ہوں گے، اس اتصال اور ملاپ کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دونوں کے حدود واطراف آپس میں ملتے ہوں یا یہ کہ دونوں آپس میں تداخل اور حلول کیے ہوئے ہوں۔

یا دونوں ایک دوسرے سے منفصل اور جدا ہوں گے اور جہت میں ایک دوسرے کے مخالف سمت میں ہوں گے، اب ہمارے سامنے دو موجود ہیں، ایک عالم، دوسرا ذات باری تعالیٰ، ان دونوں میں مذکورہ بالا دو احتمال ہیں، پہلا احتمال اس لیے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ عالم میں حلول کیے ہوئے ہیں، نہ عالم اللہ تعالیٰ میں حلول کیے ہوئے ہے، کیوں کہ حال اور محل ہمیشہ ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کسی چیز کا احتیاج نہیں رکھتی لہٰذا دوسری صورت ہی متعین ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم سے منفصل اور جدا ہے اور اس کی جہتِ مخالف میں ہے اور جو چیز جہت میں ہوتی ہے وہ متحیز ہوتی ہے اور متحیز جسم ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جسم ہے۔

مجسمہ کی عقلی دلیل کا جواب

ذات باری تعالیٰ جسم کے عیب سے پاک ہے، کیوں کہ جسم ایسی چیزوں کے مجموعے کا نام ہے جو حدوث اور فنا کا تقاضا کرتی ہیں مثلاً ہیئت، مقدار، اجتماع وافتراق۔

باقی آپ نے جو دلیل اور حکم بیان کیا ہے وہ ان دو موجودات کے متعلق ہے جو حسی ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا وجود غیر محسوس ہے، اس پر محسوس والا حکم لگانا وہمی ہونے کی دلیل ہے، عقل ودانش کی دنیا میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، اہل علم اسے قیاس الغائب علی الشاہد سے تعبیر کرتے ہیں۔ (شرح العقائد النسفیۃ للتفتازانی، ص 46,45)

مجسمہ کی نقلی دلیل اور اس کا جواب

مجسمہ نقلی دلائل میں قرآن وحدیث کی وہ نصوص پیش کرتے ہیں جن کے ظاہری الفاظ باری تعالیٰ کے لیے جسمیت او رجہت وغیرہ پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً: وَجَاءَ رَبُّكَ (الفجر:22) (اور آیا تیرا رب)۔ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ

اسْتَوٰی(طٰہٰ:5) (وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا)۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:10) (اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے)۔

جواب واضح رہے کہ جب باری تعالیٰ کے جسم اور جہت وغیرہ سے پاک ہونے پر دلائل عقلیہ قائم ہوں تو پھر قاعدہ یہ ہے اگر کسی نص کے ظاہری الفاظ کسی ایسی چیز پر دلالت کریں جو خلاف عقل ہے تو اس نص کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوں گے، بلکہ ایسی نصوص متشابہات کہلاتی ہیں اور متشابہات کے متعلق اہل سنت و جماعت کا موقف گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

استوی:

لغت میں اسواء کا معنی ہے کسی چیز کا کسی چیز سے بلند ہونا۔ کسی چیز کا کسی چیز پر بیٹھنا۔ نیز اس کا معنی ہے کسی چیز کا قصد کرنا۔ کسی شئے کا معتدل ہونا، اللہ تعالیٰ کے استواء کا معنی ہے اس کی زات اور صفات کا ہر چیز سے بلند ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی شان کے لائق عرش پر جلوہ فرما ہونا۔

عرش

: بادشاہ کا تخت: گھر کی چھت کو بھی عرش کہتے ہیں۔ چھپر کو بھی عرش کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ اللہ کے عرش کی حقیقت کو کوئی شخص نہیں جانتا ہم صرف اس کا نام جانتے ہیں۔ ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ فلک اعلیٰ عرش ہے اور کرسی فلک الکوکب ہے۔ اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا: یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! آپ پر سب سے عظیم آیت کون سی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: آیۃ الکرسی! پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! سات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایک انگوٹھی کی طرح ہیں جو کسی جنگل کی زمین میں پڑی ہو۔ اور عرش کی کرسی پر فضیلت اس طرح ہے جیسے جنگل کی زمین کی فضیلت اس انگوٹھی پر ہے۔

(الاسماء والصفات، ج405، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت) (المفردات، ج2، ص429، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، 1418ھ)

قدیم فلاسفہ کا یہ قول تھا کہ آسمان نو ہیں اور ہر اوپر والا آسمان نچلے آسمان کو اس طرح محیط ہے جس طرح پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں۔ نواں آسمان فلک الافلاک ہے۔ تمام ثوابت (غیر متحرک ستارے) اس میں مرکوز ہیں۔ اور آٹھواں آسمان فلک اطلس ہے۔ پھر ہر آسمان میں سات سیاروں میں سے ایک سیارہ مرکوز ہے اور ان سیاروں کی یہ ترتیب ہے: زحل، مشتری، مریخ شمس، زھرہ، عطارد اور قمر، اور شریعت میں سرف سات آسمانوں کا ذکر ہے۔ جن علماء نے اطلاقات شرعیہ کو فلاسفہ کے اقوال کے مطابق کرنے کا قصد کیا انہوں نے کرسی کو آٹھوں آسمان اور عرش کو نواں آسمان قرار دیا۔ لیکن یہ عبث کوشش ہے کیونکہ فلاسفہ کے اقوال کسی یقینی دلیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ صرف ظن، تخمین، وہم اور قیاس پر مبنی ہیں۔ جبکہ وحی دلیل قطعی ہے۔ اس لیے وحی الٰہی کو یونانی فلسفیوں کے اقوال کے تابع کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ واضح رہے کہ قدیم فلسفہ یونان

اور چیز ہے اور سائنس اور چیز ہے۔ فلاسفہ کے نظریات ان کے عقلی اور وہمی دلائل پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ سائنس کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے۔ جس قدر ایجادات ہوئی ہیں، برقی آلات، برقی سواریاں، برقی ساز وسامان، ریڈیو، ٹی، وی، ٹیلی فون اور مختلف امراض ایلوپیتھک دوائیں اور طبی آلات اور شوگر، بلڈ پریشر اور کلسٹر ول ناپنے کے پیمانے۔ یہ سب سائنس کی بدولت حاصل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی چیز فلسفیوں کے اقوال سے حاصل نہیں ہوئی۔ سائنس دان اپنے حساب کتاب کے ذریعہ کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو فلاں وقت پر سورج یا چاند گرہن لگے گا اور اتنی دیر تک رہے گا اور فلاں فلاں ملک میں فلاں فلاں وقت پر نظر آئے گا اور فلاں فلاں ملک میں نظر نہیں ائے گا اور آج تک اس کے سر مو خلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح جب وہ چاند کی طرف راکٹ چھوڑتے ہیں تو بتا دیتے ہیں کہ اس کا آخری کیپسول جس میں خلا نورد ہوتے ہیں، وہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سمندر کے فلاں علاقہ میں گرے گا اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔

یہ سب کچھ ایک کمپیوٹرائزڈ نظام کے تحت ہو رہا ہے۔ اور یہ سب صحیح حساب وکتاب اور سائنس کا کرشمہ ہے۔ بعض لوگ جو فلسفہ اور سائنس کا فرق بھی نہیں جانتے، وہ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ پہلے سائنس دان کہتے تھے کہ سورج اور چاند ساکن ہیں اور اب کہتے ہیں کہ متحرک ہیں۔ اس لیے سائنس کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ کل کچھ کہتی ہے، آج کچھ کہتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ فلسفہ ایک نظریہ ہے اور سائنس تجربہ اور مشاہدہ ہے اور آج دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی سائنس کی بنیاد پر ہے۔ اور قرآن مجید کی کوئی تصریح سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی ارشاد جو صحیح سند سے ثابت ہو، سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ضعیف روایت سائنس کے خلاف ہو تو اس کا سبب اس متن کا ضعف نہیں ہے۔ بلکہ اس سند کا ضعف ہے۔ نیز ہم سائنس کے تابع ہو کر قرآن مجید کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ کل کچھ کہتی ہے، آج کچھ کہتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ فلسفہ ایک نظریہ ہے اور سائنس تجربہ اور مشاہدہ ہے اور آج دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی سائنس کی بنیاد پر ہے۔ اور قرآن مجید کی کوئی تصریح سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی ارشاد جو صحیح سند سے ثابت ہو، سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ضعیف روایت سائنس کے خلاف ہو تو اس کا سبب اس متن کا ضعف نہیں ہے۔ بلکہ اس سند کا ضعف ہے۔ نیز ہم سائنس کے تابع ہو کر قرآن مجید کی تفسیر نہیں کرتے بلکہ سائنس کے ذریعہ قرآن مجید کی حقانیت کا اظہار کرتے ہیں کہ جو بات اب سائنس سے ثابت ہوئی ہے، وہ بہت پہلے قرآن مجید نے بتا دی تھی۔ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ جو لوگ سائنس کے مخالف ہیں، وہ اپنی عام زندگی میں بلکہ عبادات میں بھی سائنسی ایجادات سے استفادہ کرتے ہیں۔ پٹرول کاروں، بسوں، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ بجلی کی روشنی اور پنکھوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف سے فائدہ اٹھاتے ہیں، مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور گھڑیوں کے حساب سے نماز پڑھاتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات سے یا گھڑیوں کے حساب سے سحر اور افطار کرتے ہیں۔ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور حج کے مہینوں کا علم بھی ریڈیو، ٹی وی اور

اخبارات کے ذریعہ ہوتا ہے اوران سب کا ثبوت سائنسی تحقیقات کا مرہون منت ہے۔ یا تو یہ لوگ اب سے ایک ہزار سال پہلے کے طور طریقوں کے مطابق زندگی بسر کریں یا پھر سائنس کے اصولوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دیں۔

یغشی اللیل النھار: وہ رات سے دن کو چھپالیتا ہے۔

حثیثا: حث کا معنی کسی کو برانگیختہ کرنا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ دن رات کو جلد طلب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اوراس کی وحدانیت پر دلیل: اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے احوال بیان فرمائے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلائل بیان فرمائے ہیں تا کہ ان دلائل میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا جائے اور توحید اور رسالت پر ایمان لانے سے ہی انسان کی آخرت بہتر ہوتی ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کسی فاعل مختار اور قادر پر موقوف ہے، کیونکہ ان کا اجسام مخصوصہ، صور مخصوصہ اور اوضاع مخصوصہ پر ہونا کسی مرجح اور مخصص کا تقاضا کرتا ہے، اوراس مرجح کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن اپنے وجود میں پھر کسی مخصص اور مرجح کا محتاج ہوگا اور قطعی تسلسل کے لیے ہمیں ایک واجب الوجود فاعل کو ماننا پڑے گا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے کیونکہ تعدد وجباء محال ہے اور یہ اس لیے محال ہے کہ اگر دو واجب الوجود فرض کیے جائیں تو نفس وجوب ان دونوں میں مشترک ہوگا۔ اور چونکہ اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے اس لیے ان میں ایک مابہ الامتیاز بھی ہوگا پس ان میں سے ہر ایک مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز سے مرکب ہوگا اور ہر مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ ان کو واجب فرض کیا تھا اور لازم آیا کہ یہ ممکن ہیں اور یہ خرابی تعدد وجباء ماننے سے لازم آئی۔ اس لیے واجب الوجود صرف ایک ہوگا دو نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہی خالق ہے اور وہ واحد ہے۔

زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی حکمت: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں بنایا ہے حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک لمحہ میں بھی بنا سکتا تھا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک حد اور مدت مقرر فرمائی ہے۔ سردیوں اور گرمیوں کے موسم بنائے لیکن یہ موسم بھی تدریجاً ظہور میں آتے ہیں۔ سخت سردی اچانک سخت گرمی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ تدریجاً سردی سے گرمی اور گرمی سے سردی کی طرف موسم کا انتقال ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کا عمل بھی اچانک وجود میں نہیں آتا۔ بلکہ نطفہ نو ماہ میں تدریجاً انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح نباتات کی روئیدگی ہے۔ کفار پر جو دنیا میں عذاب آئے، وہ بھی اچانک نہیں آئے۔ ان کو بار بار تنبیہ کی گئی ڈرایا گیا اور ہر طرح حجت پوری کرنے کے بعد ان پر عذاب بھیجا گیا جبکہ وہ فوری عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حد اور مدت مقرر کی ہے اور اسی سنت کے مطابق زمینوں اور آسمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں بنایا ہے۔ نیز جو چیز دفعتاً وجود میں آئے، اس کے متعلق یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید یہ اتفاقی حادثہ ہے اور جس چیز کو ایک معین مدت میں تدریجاً بنایا جائے، اس کو

اتفاقی حادثہ قرار دینا صحیح نہیں ہوگا بلکہ ہر ذی شعور یہ کہے گا کہ اس کو قادر اور حکیم نے ایک خاص منصوبہ اور خاص مصلحت سے بنایا ہے۔ سو زمینوں اور آسمانوں کا چھ دنوں میں بننا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ اس غالب اور قوی، زبردست علیم و حکیم اور قادر و قیوم کی حکمت اور قدرت کا ساختہ پراختہ ہے۔ اور اسمیں مخلوق کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہر کام اطمینان اور صحیح منصوبہ بندی سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو ایک لمحہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا اس کے باوجود اس نے چھ دنوں میں زمینوں اور آسمانوں کو بنایا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ تمام خلق ان ہی ایام میں مجتمع ہوئی اور ان ہی ایام میں حضرت آدم (علیہ السلام) پیدا کیے گئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے ہر دن ایام دنیا کی مقدار کے برابر تھا یا ہر دن میں ایک ہزار سال کا تھا، جیسا کہ مجاہد اور امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت ہے۔ بہرحال یوم السبت (ہفتہ کا دن) میں کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی کیونکہ یہ ساتواں دن ہے اور اس کا نام سبت رکھا گیا ہے جس کا معنی ہے قطع کرنا۔ پیدائش کا سلسلہ اس دن منقطع ہو گیا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج 7 ص 178، مطبوعہ دارالاندلس، بیروت)

چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا اضطراب اور معتبر حدیث کی تعیین: امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ المتوفی 396ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود نے نبی صلی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آ کر آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کے دن زمین کو بنایا اور منگل کے دن پہاڑوں کو بنایا اور ان میں نفع بخش چیزوں کو بنایا اور بدھ کے دن درخت، پانی، شہر، آباد اور بنجر زمین کو بنایا۔ یہ چار دن ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے: "قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین و تجعلون له اندادا ذلك رب العالمین۔ و جعل فیها رواسی من فوقها و بارك فیها و قدر فیها اقواتها فی اربعة ایام۔ سواء للسائلین: آپ کہیے بے شک تم ضرور اس کا کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک قرار دیتے ہو یہ ہے رب العالمین۔ اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت فرمائی، اور اس زمین میں (اس کے باشندوں کی) غذائیں چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں" (حم السجدہ: 9-10)

اور دوسری روایت میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے سب سے پہلے اتوار اور پیر دو دنوں میں زمین کو بنایا اور اس کے باشندوں کی روزی چار دنوں میں مقدر فرمائی۔ پہاڑ نصب کیے، دریا جاری کیے، درخت اگائے اور سمندر رواں کیے اور یہ منافع منگل اور بدھ دونوں میں بنائے۔ پھر یہ آیت پڑھی: "ثم استوی الی السماء وهی دخان فقال لها وللارض ائتیا طوعا او کرها قالتا اتینا طائعین۔ فقضٰهن سبع سموت فی یومین: پھر آسمان

کی طرف قصد فرمایا آنحالیکہ وہ دھواں تھا تو اسے اور زمین کو فرمایا تم دونوں حاضر ہو جاؤ خواہ خوشی سے خواہ ناخوشی سے، ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔ تو ان کو دو دنوں میں پورے سات آسمان بنا دیا"۔

حضرت ابن عباس نے فرمای: یہ دو دن جمعرات اور جمعہ ہیں۔

(کتاب العظمۃ، ص291-292، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل اور بدھ کو اس میں پہاڑ نصب کیے، دریا جاری کیے اور درخت اگائے اور جمعرات اور جمعہ کو آسمان بنائے اور ہفتہ کا دن فراگت کا تھا۔ یہود اس دن چھٹی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا تھا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے اس قول پر ناراض ہوئے اور آپ نے یہ آیت پڑھی:

"ولقد خلقنا السموات والرض وما بینهما فی ستة ایام و ما مسنا من لغوب. فاصبر علی ما یقولون و سبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب: اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ تو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجیے اور اپنے رب کی حمت کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے"

(کتاب العظمۃ، ص292، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کو دونوں میں زمین کو پیدا کیا اور اس میں منگل اور بدھ کو دو دنوں میں اس کے باشندوں کی روزی مقدر کی اور جمعرات اور جمعہ کو دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں (عصر اور مغرب کے درمیان) حضرت آدم کو عجلت سے پیدا کیا اور یہی وہ ساعت ہے جس میں قیامت واقع ہوگی۔ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی، ص383، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ نے اتوار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل کے دن پہاڑ بنائے اور دریا اور درخت بدھ کو بنائے اور پرندے، وحشی جانور، درندے، حشرات الارض اور آفت (مصیبت) جمعرات کو بنائی اور انسان کو جمعہ کے دن بنایا اور ہفتہ کے دن پیدا کرنے سے فارغ ہوگیا۔ (کتاب العظمۃ، ص293، مطبوعہ بیروت، 1414ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے ہفتہ کے دن مٹی (زمین) پیدا کی اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ نصب کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن ناپسندیدہ چیزیں پیدا کیں اور بدھ کے دن نور پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین میں جانور پیدا کیے، اور جمعہ کی آخری ساعت میں عصر اور مغرب کے درمیان آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم، المنافقین: 27(2789)6920۔ مسند احمد، ج3، رقم الحدیث: 8349۔ سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: 13557)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القطبی المتوفی 656ھ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: نور سے مراد اجسام نیرہ

ہیں مثلاً سورج، چاند اور ستارے اور یہ حدیث اس بات کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدھ کے دن تمام آسمانوں کو پیدا کیا کیونکہ یہ تمام سیارے آسمانوں میں ہیں اور ان کا نور اور روشنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں آسمانوں کی پیدائش کی تصریح نہیں ہے اور اس میں ہفتہ کے پورے سات دن ذکر کیے گئے ہیں اور اگر ان سات دنوں کے بعد کسی ایک دن میں آسمانوں کو پیدا فرمایا تو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش آٹھ دنوں میں قرار پائے گی اور یہ قرآن مجید کی تصریح کے خلاف ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے سلسلہ میں معتمد قرآن مجید کی یہ آیات ہیں: ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین (الایات) (حم السجدہ: 9-12)۔

(المعجم، ج 7، ص 343، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، 1417ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مسلم کی اس حدیث میں صرف زمین کی پیدائش سات دنوں میں ذکر کی گئی ہے جبکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ تصریح ہے کہ تمام زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش چھ دنوں میں کی گئی ہے اس لیے یہ حدیث صریح قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام بخاری اور دیگر حفاظ حدیث نے اس حدیث پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے اس کو کعب احبار سے سنا ہے یعنی یہ اسرائیلیات سے ہے اور حدیث مرفوع نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج 3، ص 178) زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش کے سلسلہ میں مضطرب اور متعارض احادیث وارد ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو ذکر کیا ہے۔ ان احادیث میں وہی حدیث معتبر ہے جو قرآن مجید کے مطابق ہے اور سورۃ حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ چار دنوں میں سے اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمینوں کو بنایا اور باقی دو دنوں میں پہاڑوں اور زمین کے باشندوں کی غذاؤں کے لیے دوسری چیزوں کو بنایا اور اس کے بعد دو دنوں میں آسمانوں کو بنایا اور اس کے موافق وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات، ص 383، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور امام محمد بن جعفر بن جریر متوفی 310ھ کی یہ روایت بھی قرآن مجید کے موافق ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور آپ سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل کو اس میں پہاڑ اور دیگر نفع آور چیزیں بنائیں اور بدھ کو درخت، دریا، شہر اور آباد اور ویران زمینیں بنائیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: بے شک تم ضرور اس کا کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک قرار دیتے ہو یہ ہے رب العالمین۔ اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت فرمائی اور اس زمین میں (اس کے باشندوں کی) غذائیں چار دنوں میں مقدر فرمائی جو مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں (حم السجدہ: 9۔10)۔ اور جمعرات کے دن اللہ نے آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کو، سورج کو، چاند کو اور فرشتوں کو پیدا کی اور جمعہ کے دن آخری تین ساعات میں سے پہلی ساعت میں ہر مرنے والے شخص کی موت پیدا کی، اور دوسری ساعت میں انسان کو نفع دینے والی چیزوں کی آفت پیدا کی اور تیسری اور آخری

ساعت میں آدم کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور ساعت کے آخر میں ابلیس کو جنت سے نکال دیا۔ یہود نے پوچھا: اے سیّدنا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ انہوں نے کہا: آپ نے ٹھیک بتایا ہے کاش! آپ اس بات کو مکمل کر دیتے! انہوں نے کہا: پھر (ہفتہ کے دن) اللہ نے آرام کیا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سخت غضب ناک ہوئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ تو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجیے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ (ق۔30-39)۔ (جامع البیان ج24، ص118-119، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، المستدرک، ج2، ص450-451۔ امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے، تلخیص المستدرک، ج2، ص450-451۔ الدر المنثور، ج7، ص14 طبع بیروت)

عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا موقف

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔

شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ متوفی 728ھ لکھتے ہیں: اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اپنی جو صفات بیان کی ہیں، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو آپ کی صفات بیان کی ہیں ان پر بغیر تحریف اور بغیر تکیف اور تمثیل کے ایمان لایا جائے (یعنی ان صفات کی کوئی تاویل نہ کی جائے نہ ان کی مخلوق کے ساتھ مثال دی جائے) بلکہ یہ ایمان رکھا جائے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ خود کو موصوف کیا ہے اس کی نفی نہ کیا جائے اور اللہ کے کلمات کو بدلا نہ جائے اور اس کے اسماء اور اس کی آیات کو بدلا نہ جائے۔ نہ ان کا کوئی معنی متعین کیا جائے اور نہ مخلوق کی صفات سے ان کی مثال دی جائے کیونکہ اللہ سبحانہ کا کوئی ہم نام ہے نہ اس کا کوئی کفو ہے، نہ کوئی اس کی مثیل اور نظیر ہے نہ اس کا مخلق پر قیاس کیا جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا قول سب سے زیادہ سچا ہے۔ ھر اس کے تمام رسول سچے ہیں، بہ خلاف ان لوگوں کے جو بغیر علم کے اللہ کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون. وسلام على المرسلين. والحمد لله رب العالمين: آپ کا رب عزت والا ہے آپ کا رب ہر اس عیب سے پاک ہے جو (کفار) بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر، اور تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے" (الصافات: 180-182)۔

رسولوں کے مخالفین اللہ کی جو صفات بیان کرتے تھے اللہ نے ان سے اپنی براءت فرمائی ہے اور رسولوں نے جو اللہ کی نقص اور عیب سے براءت بیان کی تھی ان پر سلام بھیجا ہے۔ (الی قولہ) اللہ سبحانہ کے لیے سمع اور بصر ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے (هو السميع البصير، (الی قولہ) اللہ کے لیے چہرہ ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام اور كل شيء هالك الا وجهه اور اللہ کے لیے دو ہاتھ ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

ما منعك ان تسجد لما خلقت بیدی اور اللہ کے لیے دو آنکھیں ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے: واصبر لحکم ربك فانك باعیننا اور اللہ کے لیے عرش پر استوا ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: الرحمن علی العرش استوی اور اس طرح کی سات آیتیں ہیں۔ (العقیدۃ الواسطیہ مع شرحہ ص 15-63 ملخصاً مطبوعہ دار السلام، ریاض 1414ھ)

اس کے بعد احادیث سے استدلال کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اللہ آسمان دنیا کی طرف اپنی شان کے لائق نازل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اللہ خوش ہوتا ہے اور ہنستا ہے کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمای: اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ کوشی ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی ایک کو گم شدہ اونٹنی کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اللہ ان دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اللہ کی ٹانگ اور قدم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جہنم میں لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا حتی کہ وہ کہے گی کیا اور زیادہ بھی ہیں حتی کہ رب العزت اس میں اپنی ٹانگ رکھ دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا۔ (بخاری ومسلم)۔ (العقیدۃ الواسطیہ ص 80-83 ملخصاً مع شرحہ مطبوعہ دار السلام ریاض 1414ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی ان عبارات کا بظاہر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ، آنکھیں دو ہاتھ، ٹانگ اور قدم ہے اور وہ عرش پر مستوی ہے۔ شرح العقیدۃ الواسطیہ میں لکھا ہے اس کا معنی ہے وہ عرش پر بلند ہے یا چڑھنے والا یا اس پر مستقر ہے۔ اللہ کی یہ صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں اور ان کی کوئی مثال نہیں ہے۔ ان صفات کی کوئی تاویل اور توجیہ کرنا جائز نہیں چونکہ ان صفات کا قرآن اور سنت میں ذکر ہے اس لیے ان کو اسی طرح ماننا لازم ہے۔ یہ بظاہر یہ عقیدہ اشاعرہ اور دیگر متقدمین کے عقیدہ کی مثل ہے لیکن شیخ ابن تیمیہ کے معاصر اور بعد کے چند علماء نے یہ کہا ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے ان اقوال سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جسمیت کا ماننا لازم آتا ہے اس بناء پر بعض علماء راسخین نے شیخ ابن تیمیہ کو گمراہ کہا اور بعض نے ان کی تکفیر کر دی۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین

حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، پیر، چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا تو اس نے کہا میں یہ نہیں جانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے اسی وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تحیز اور انقسام کا قائل ہے۔

(الدرر الکامنہ، ج 1، ص 154، مطبوعہ دار الجیل، بیروت)

علامہ احمد بن حجر ہیثمی مکی متوفی 974ھ لکھتے ہیں: ابن تیمیہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمیت، جہت، اور انتقال سے

موصوف ہے اور وہ عرش کے برابر ہے نہ چھوٹا نہ بڑا۔ اللہ تعالیٰ اس قبیح افتراء سے پاک ہے جو کہ صریح کفر ہے۔

(الفتاوی الحدیثیہ ص100، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، بہ مصر، 1356ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی 1014ھ لکھتے ہیں: شیخ عبداللہ انصاری حنبلی قدس سرہ نے شرح منازل السائرین میں شیخ ابن تیمیہ سے اس تہمت کو دور کیا ہے کہ وہ اللہ کے لیے جہت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے تھے اور انہوں نے شیخ مذکور سے تکفیر اور تضلیل کی نفی کی ہے ان کی عبارت یہ ہے:

شیخ ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کر کے اور ان کے معانی متبادرہ کے اعتقاد کی تلقین کر کے ان اسماء اور صفات کی حرمت کو محفوظ کیا ہے۔ کیونکہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء کا کیا معنی ہے؟ تو امام مالک نے پہلے سر جھکا کر غور کیا پھر کہا استواء معلوم ہے (کسی چیز پر مستقر ہونا یا کسی چیز پر بلند ہونا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی (کہ اللہ کس طرح عرش پر مستوی ہے) اور اس استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے۔ امام مالک نے اس کے معنی کے معلوم ہونے اور اس کی کیفیت کے انسانی عقل میں نہ آنے کے درمیان فرق کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا یہ جواب اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق تمام مسائل میں کافی شافی ہے۔ سمع، بصر، علم، حیات، قدرت، ارادہ، اللہ کا نزول، غضب، رحمت اور اس کا ہنسنا۔ ان تمام الفاظ کے معانی معلوم ہیں اللہ کے ساتھ ان کے اتصاف کی کیفیت انسان کی عقل میں نہیں آسکتی، کیونکہ کسی چیز کی کیفیت تب عقل میں آتی ہے جب اس کی ذات اور کنہ کا علم حاصل ہو چکا ہو۔ اور جب اس کی ذات غیر معلوم ہے تو اس کی صفات کی کیفیت کیسے عقل میں آسکتی ہے اور اس باب میں صحیح موقف یہ ہے کہ اللہ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور اس کے رسول نے جس صفت کے ساتھ اس کو موصوف کیا ہے اور ان صفات میں نہ کوئی تحریف کی جائے (بایں طور کہ از خود ان صفات کا کوئی معنی یا محمل بیان کیا جائے) نہ ان صفات کو معطل کیا جائے (یعنی ان کی نفی کی جائے) نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے (ان کی کوئی تاویل کی جائے) اور نہ ان کی کوئی مثال بیان کی جائے، بلکہ اللہ کے اسماء اور اس کی صفات کو ثابت کیا جائے اور ان سے مخلوقات کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ پس تمہارا صفات کو ثابت کرنا تشبیہ سے منزہ ہو اور تمہارا نفی کرنا تعطیل سے منزہ ہو۔ سو جس نے استواء کی حقیقت کی نفی کی، وہ معطل ہے اور جس نے مخلوقات کے مخلوقات پر استواء کے ساتھ تشبیہ دی، وہ مشبہ ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کے استواء کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ موحد ہے اور منزہ ہے۔ یہاں تک علامہ عبداللہ انصاری حنبلی کا کلام ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا اعتقاد اسلام صالحین اور جمہور متاخرین کے اعتقاد کے موافق ہے اور ان کی عبارت پر یہ طعن اور تشنیع صحیح نہیں ہے۔ ان کا یہ کلام بعینہٖ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موافق ہے جو انہوں نے الفقہ

الاکبر میں تحریر فرمایا ہے۔ (ہم عنقریب اس عبارت کو نقل کریں گے) اس سے معلوم ہو گیا کہ شیخ ابن تیمیہ پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جسم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (مرقات، ج 8، ص 251-252، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، 1390ھ)

نوٹ: شیخ ابن تیمیہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر مبارک زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے اس بنا پر شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کو ملا علی قاری رحمہ الباری نے شرح الشفاء علی نسیم الریاض، ج 3، ص 514 میں صحیح قرار دیا ہے اور ان کی یہ کتاب مرقات کے بعد کی تصنیف ہے۔ اس لیے مرقات میں جو انہوں نے شیخ ابن تیمیہ کو اس امت کا ولی کہا ہے، اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

علامہ محمد امین بن محمد المختار الجکنی الشنقیطی لکھتے ہیں: عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے معاملہ میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے ایک یہ کہ اللہ جل وعلا حوادث کی مشابہت سے منزہ ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا ہے ان صفات پر ایمان رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ اللہ کی صفات کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے لیے جس وصف کو ثابت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے لیے کسی وصف کو ثابت کیا، پھر شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس وصف کی یہ زعم کرتے ہوئے نفی کی کہ وہ وصف اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے تو اس نے اپنے آپ کو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ عالم قرار دیا۔ سبحانك هذا بهتان عظيم۔ اور جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کا وصف مخلوق کے اوصاف کے مشابہ ہے تو وہ مشبہ، ملحد اور گمراہ ہے اور جس نے اللہ جل وعلا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ثابت کیے ہوئے اوصاف کو اللہ کے لیے مانا جبکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ اوصاف، مخلوقات کی صفات کی مشابہت سے منزہ ہیں تو وہ مومن ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور جلال کو اور مشابہت خلق سے تنزیہ کو ماننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کو واضح فرما دیا ہے: "ليس كمثله شيء وهو السميع البصير: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے" (الشوریٰ: ۱۱)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے صفات کمال اور جلال کو ثابت فرمایا ہے اور مخلوق کے ساتھ مشابہت کی نفی فرمائی ہے۔ (اضواء البیان، ج 2، ص 272-273، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ 1408ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین احناف کا موقف

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ فرماتے ہیں: اللہ نہ جوہر نہ عرض ہے، نہ اس کی کوئی حد ہے نہ اس کا کوئی منازع ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی مثال ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے جو چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے، وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں اور یہ توجیہ نہ کیا جائے کہ ہاتھ سے مراد اس

کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس توجیہ میں اس کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے بلا کیف دو صفتیں ہیں۔

(الفقہ الاکبر مع شرحہ، ص36-37، مطبوعہ شرکہ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر1375ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی 861ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور یہ ایسا استواء نہیں ہے جیسا ایک جسم کا دوسرے جسم پر استواء ہوتا ہے کہ وہ اس سے مماس ہوتا ہے۔ یا اس کی محاذات (سمت) میں ہوتا ہے بلکہ جو استواء اس کی شان کے لائق ہو جس کو اللہ سبحانہ ہی زیادہ جاننے والا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ رہا یہ کہ استواء علی العرش سے مراد عرش پر غلبہ ہو تو یہ ارادہ بھی جائز ہے۔ البتہ اس ارادہ کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور واجب وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ البتہ اگر یہ کدشہ ہو کہ عام لوگ استواء سے وہی معنی سمجھیں گے کہ جو جسم کے لوازم سے ہے کہ اللہ عرش سے متصل ہے یا عرش کے مماس ہے یا عرش کی محاذات میں ہے تو استواء کو غلبہ سے تعبیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح کتاب اور سنت میں جو ایسے الفاظ ہیں جن سے جسمیت ظاہر ہوتی ہے مثلاً انگلی، قدم اور ہاتھ ان پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ انگلی اور ہاتھ وغیرہ اللہ کی صفت ہیں۔ ان سے مراد یہ مخصوص اعضاء نہیں ہیں بلکہ وہ معنی مراد ہے جو معنی اللہ کی شان کے لائق ہے اور اللہ سبحانہ ہی اس معنی کو زیادہ جاننے والا ہے اور کبھی ہاتھ اور انگلی کی تاویل قدرت اور قہر سے کی جاتی ہے اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا حجر اسود اللہ کا دایاں ہاتھ ہے اس کی تاویل کی جاتی ہے تا کہ عام لوگوں کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی جسمیت کی طرف نہ منتقل ہوں۔ اس تاویل سے یہ ارادہ بھی ممکن ہے لیکن اس پر جزم اور یقین نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے اصحاب (ماتریدیہ) کے قول کے مطابق یہ الفاظ متشابہات سے ہیں اور متشابہ کا حکم یہ ہے کہ اس دنیا میں ان کی مراد متوقع نہیں ہے۔ (مسایرہ مع شرح المسامرہ، ج1، ص31-36، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مکران)

واضح رہے کہ استواء اور ہاتھ وغیرہ کی علامہ ابن ہمام نے جو تاویل بیان کی ہے امام ابوحنیفہ اور دیگر اسلاف نے اس تاویل سے منع کیا ہے۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین شافعیہ کا موقف

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی 458ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ان صفات کو بیان کرنا جائز ہے جن پر کتاب اللہ دلالت کرتی ہو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت دلالت کرتی ہو، یا اس پر اس امت کے متقدمین کا اجماع ہو یا جس پر عقل دلالت کرتی ہو۔ مثلاً حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور اس کی مثل صفات ذاتیہ، اور مثلاً خلق کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا، معاف کرنا، سزا دینا اور ان کی مثل صفات فعلیہ اور جن صفات کا اثبات، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر سے ہوا، جیسے چہرہ، دو ہاتھ، آنکھ، یہ اس کی صفات ہیں۔ اور جیسے عرش پر مستوی ہونا اور آنا

اور نازل ہونا اور اس طرح دوسری اس کے فعل کی صفات۔ یہ صفات اس لیے ثابت ہیں کہ قرآن اور حدیث میں ان کا ذکر ہے، ان صفات کو اس طرح مانا جائے کہ ان صفات کی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(کتاب الاسماء والصفات، ص110-111) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سفیان ثوری نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن اوصاف کو اپنے لیے ثابت کیا ہے، ان کی فارسی یا عربی میں تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات، ص314، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں: کلبی اور مقاتل نے کہا استوی کا معنی ہے استقر (قرار پکڑا) ابوعبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے صعد (چڑھا)۔ معتزلہ نے کہا اس کا معنی ہے استولی (اللہ عرش پر غالب ہے) اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ کی صفت بلا کیف ہے۔ انسان کے لیے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا علم وہ اللہ عزوجل کے سپرد کردے۔ (اس کے بعد انہوں نے امام مالک سے سوال اور ان کا جواب لکھا ہے) سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن المبارک۔ اور دیگر علماء اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ آیت اور دیگر صفات کے متعلق آیات، آیات متشابہات میں سے ہیں ان کو اسی طرح بلا کیف (یعنی استواء کی کیفیت جانے بغیر) ماننا چاہیے۔

(معالم التنزیل، ج2 ص137-138، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین مالکیہ کا موقف

امام حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی 463ھ لکھتے ہیں: الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ:5) کی تفسیر میں امام مالک سے سوال کیا گیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے فرمایا: استوی کا معنی معلوم ہے (بلند ہے یا بیٹھا ہے) اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور تمہارا اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرا گمان ہے کہ تم بدعقیدہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔ ابن المبارک نے کہا رب تبارک وتعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:1145، الموطا، رقم الحدیث:214، مسند احمد، ج2 ص487)

اس قسم کے جو اطلاقات قرآن اور سنت میں ہیں ان کے متعلق علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی کیفیت کو جانے بغیر ان پر ایمان لانا حق ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ نازل ہوتا ہے اور کیفیت نزول کو بیان نہیں کرتے اور نہ کیفیت استواء کو بیان کرتے ہیں۔ عباد بن عوام سے شریک نے کہا: بعض لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس یہ احادیث ان ہی اسانید سے پہنچی ہیں جن اسانید سے نماز، زکوۃ، روزے اور حج

کے احکام کے متعلق احادیث پہنچی ہیں اور ہم نے اللہ عزوجل کو ان احادیث سے ہی پہچانا ہے امام شافعی نے فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت صرف اتباع ہے، اور بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ رب کے نزول کا معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت اور اس کی نعمت نازل ہوتی یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت تو رات اور دن کے ہر وقت میں نازل ہوتی ہے۔ اس میں رات کے آخری تہائی حصہ یا کسی اور وقت کی خصوصیت کا کیا دخل ہے؟ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اپنی رحمت سے دعا قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا: آدھی رات کے بعد۔ (مسند احمد، ج5،ص179)۔ اور ہمیشہ نیک لوگ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: والمستغفرین بالاسحار (آل عمران:17) رات کے پچھلے اٹھ کر استغفار کرنے والے (الاستذکار ج8،ص151-153، مطبوعہ موسسہ الرسالہ، بیروت، 1414ھ)

نیز امام ابن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی 463ھ لکھتے ہیں: ایوب بن صلاح مخزومی نے ہم سے فلسطین میں بیان کیا کہ ہم امام مالک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک عراق نے آپ کے پاس آ کر سوال کیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے غور کرنے کے بعد فرمایا: تم نے اس چیز کے متعلق سوال کیا ہے جو مجہول نہیں ہے اور تم نے اس کیفیت کے متعلق سوال کیا ہے جو عقل میں نہیں آ سکتی اور تم بدعقیدہ شخص ہو۔ پھر اس شخص کو آپ کی مجلس سے نکال دیا گیا۔ یحییٰ بن ابراہیم بن مزین نے کہا: امام مالک نے اس قسم کی باتوں میں بحث کرنے سے اس لیے منع فرمایا کیونکہ ان میں حد، صفت اور تشبیہ ہے اور اس میں نجات تب ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے ان اقوال پر توقف کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی صفت، چہرے اور ہاتھوں سے بیان کی ہے اور کشادہ کرنے اور استواء سے اپنی صفت بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فاینما تولوا فثم وجه الله: سو تم جس طرف بھی پھرو وہیں اللہ کا چہرہ ہے" البقرۃ(115)۔ "بل یداہ مبسوطتٰن: بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ (کھلے ہوئے) ہیں" (المائدہ:64)۔ "والارض جمیعا قبضته یوم القیامة والسموات مطویات بیمینه: قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے" (الزمر:67)۔ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى: رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہے" (طٰہٰ:5)۔

اس لیے مسلمان کو وہی کہنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرایا ہے اور اسی پر توقف کرنا چاہیے اور اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور اس کی تفسیر نہیں کرنی چاہیے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ کس طرح ہے کیونکہ اس میں ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قرآن مجید پر ایمان لانے کا مکلف کیا ہے اور ان کو اس کی ان آیتوں کی تاویل میں غور کرنے کا مکلف نہیں کیا جن آیتوں کا اس نے علم عطا نہیں کیا۔ (التمہید، ج7،ص152، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 1404ھ)

امام مالک نے عمر بن الحکم سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا: میری ایک باندی بکریوں کو چراتی تھی ایک دن ایک بکری گم ہوگئی میں نے اس کے متعلق اس سے پوچھا تو اس نے کہا اس کو بھیڑیا

کھا گیا۔ مجھے اس پر افسوس ہوا۔ میں بھی آخر انسان ہوں میں نے اس کو تھپڑ مار دیا، اور مجھ پر (پہلے سے) ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ کیا میں اس غلام کی جگہ اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا۔ آسمان میں۔ آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔ (الموطا رقم الحدیث: 1511، صحیح مسلم، صلوٰۃ، 33(537)179، سنن ابوداود رقم الحدیث: 930)

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس باندی سے جو سوال کیا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا: آسمان میں۔ تمام اہل سنت (اور وہ محدثین ہیں) اس پر متفق ہیں اور وہ وہی کہتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ (طہ:5)۔ اور اللہ عزوجل آسمان میں اور اس کا علم ہر جگہ ہے اور یہ قرآن مجید کی ان آیات سے بالکل ظاہر ہے: "ء امنتم من في السماء ان يخسف بكم الارض فاذا هي تمور: کیا تم اس سے بےخوف ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے تو وہ اس سے لرزنے لگے" (الملک:16)۔ "اليه يصعد الكلمِ الطيب والعمل الصالح يرفعه: پاک کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو اللہ بلند فرماتا ہے" (فاطر:10)۔ "تعرج الملائكة والروح اليه: فرشتے اور جبرئیل اسی کی طرف چڑھتے ہیں" (المعارج:4)۔ قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور ہم نے اپنی کتاب تمہید میں اس سے زیادہ بیان کیا ہے۔ (الاستذکار، ج23، ص167-168، طبع بیروت، 1414ھ)

ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے لیے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جہت نہیں ہے لیکن چونکہ علو اور بلندی کو باقی جہات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے اس لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا، اس کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بندوں کو اس کی ضرورت تھی تاکہ وہ دعا کے وقت حیران نہ ہوں کہ وہ کس کی طرف منہ کریں جیسے اس نے کعبہ کو پیدا کیا تاکہ لوگ عبادت کے وقت اس کی طرف منہ کریں۔ حالانکہ اللہ کا حقیقت میں گھر ہے نہ اس کو اس کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اس نے آسمان کو پیدا کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ اپنی دعاؤں میں کس طرف متوجہ ہوں۔

امام ابن عبدالبر مالکی اندلسی 463ھ فرماتے ہیں: معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ استواء کا مجازی معنی مراد ہے اور وہ ہے استولی یعنی اللہ عرش پر غالب ہے۔ یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پھر عرش کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تو ہر چیز پر غالب ہے اور کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور اللہ کے کلام کو اشہر اور اظہر وجوہ پر محمول کرنا لازم ہے جب تک کہ حقیقت پر محمول کرنے سے کوئی ایسا مانع نہ ہو جس کا مانع ہونا سب کے لیے واجب التسلیم ہو۔ اور اگر ہر مجاز کے مدعی کا ادعا مان لیا جائے تو پھر کوئی عبارت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے کلام میں جن الفاظ سے خطاب کیا ہے ان سے ان ہی معانی کا ارادہ کیا ہے جن معانی کا اہل عرب اپنے محاورات اور خطابات میں ان الفاظ سے ارادہ کرتے تھے، اور استواء

کا معنی اور مفہوم لغت میں معلوم ہے اور وہ ہے کسی چیز پر ارتفاع اور بلند ہونا اور کسی چیز پر قرار اور جگہ پکڑنا ابوعبیدہ نے استواء کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: "بلند ہوا" عرب کہتے ہیں استویت فوق الدابہ میں سواری کے اوپر بلند ہوا یا بیٹھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا: استواء کا معنی بلندی پر جگہ پکڑنا ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل آیات میں ہے: "لتستووا علی ظهوره ثم تذكروا نعمة ربكم اذا استويتم عليه: تا کہ تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھو اور جب تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھ جاؤ تو تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو" (الزخرف: 13)۔ "واستوت علی الجودی: اور کشتی جودی پہاڑ کے اوپر ٹھہر گئی" (هود: 44)۔ "فاذا استويت انت و من معك على الفلك: اور جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے اوپر بیٹھ جائیں" (المومنون: 28)۔

ہم عرش پر اللہ کے استواء کی کیفیت کو نہیں جانتے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو جیسے ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے بدنوں میں ہماری روحیں ہیں لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے بدن میں ہماری روح کس کیفیت سے ہے اور اس کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہماری روحیں نہ ہوں، اس طرح عرش پر اللہ کے استواء کی کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو۔

(التمہید، ج 7، ص 131-137 ملخصا و موضحا مطبوعہ المکتبہ القدوسیہ، لاہور، 1404ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متقدمین حنابلہ کا موقف: امام جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے کہا کہ استوی بمعنی استولی ہے۔ ائمہ لغت کے نزدیک یہ معنی مردود ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا عرب استوی کو استولی کے معنی میں نہیں پہچانتے، جس شخص نے یہ کہا اس نے بہت غلط کیا۔ استوی فلان علی کذا (فلاں شخص نے فلاں پر غلبہ پایا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ شخص اس سے بعید ہو اور وہ اس پر قادر نہ ہو۔ پھر بعد میں اس پر قدرت اور غلبہ حاصل کرے، اور اللہ عزوجل ہمیشہ سے تمام چیزوں پر غالب ہے۔ ہم ملحدہ کے صفات کو معطل کرنے سے اور مجسمہ کی تشبیہ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ (زاد المسیر، ج 3، ص 213، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1407ھ)

علامہ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی المتوفی 1188ھ لکھتے ہیں: حنبلیوں کا مذہب سلف صالحین کا مذہب ہے۔ وہ اللہ کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جن کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔ اور جن اوصاف کے ساتھ اس کے رسول نے اس کو موصوف کیا ہے، بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور تکییف اور تمثیل کے، اللہ کی ذات ذوات میں سے کسی ذات کے مشابہ نہیں اور اس کی صفات کمالیہ میں سے کوئی صفت ممکنات کی کسی صفت کے مشابہ نہیں ہے۔ قرآن مجید اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات وارد ہیں، ان کو اسی طرح قبول کرنا اور تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم اس کے وصف کی حقیقت سے عدول نہیں کرتے اور نہ اس کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور نہ اس کے اسماء اور صفات میں، اور جو کچھ اس باب میں وارد ہے اس میں کوئی زیادتی نہیں کرتے اور جو شخص اس صراط مستقیم سے انحراف کرے تم اس کو چھوڑ دو۔ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

(لوامع الانوار البہیہ، ج 1،ص 107، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1411ھ)

نیز علامہ سفارینی حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اسی وصف کے ساتھ موصوف کیا جائے گا جس وصف کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور جس وصف کے ساتھ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو موصوف کیا ہے۔ ہر وہ چیز جو نقص اور حدوث کو واجب کرتی ہو اللہ تعالیٰ اسے سے حقیقتاً منزہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے کمال کا مستحق ہے۔ سلف کا مذہب یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں غور نہیں کرنا چاہیے اور ان میں سکوت کرنا چاہیے اور ان کا علم اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ پوشیدہ چیز ہے جس کی تفسیر نہیں کی جائے گی اور انسان پر واجب ہے کہ اس کے ظاہر پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کر دے۔ ائمہ سلف مثلاً زہری، امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن اسد، عبداللہ بن المبارک امام احمد اور اسحاق سب یہی کہتے تھے کہ یہ متشابہات ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے لیے ان کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔

(لوامع الانوار البہیہ، ج 1،ص 96۔99، ملخصاً، مطبوعہ بیروت، 1411ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متاخرین کی آراء: امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستقر ہونا ممکن نہیں ہے اور اس پر متعدد عقلی دلائل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہو تو اس کی جو جانب عرش کے قریب ہوگی وہ جانب لازماً متناہی ہوگی اور جو چیز متناہی ہو وہ زیادتی اور کمی کو قبول کر سکتی ہے اور جو چیز زیادتی اور کمی کو قبول کر سکے وہ حادث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ اور اگر وہ جانب غیر متناہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ عرش بہر حال متناہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک جانب عرش سے مماس ہوگی اور ایک جانب فارغ ہوگی اور اس سے انقسام لازم آئے گا اور یہ بیان سابق سے محال ہے۔

امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستقر ہونے کو باطل قرار دینے کے لیے بارہ دلیلیں قائم کی ہیں۔ جو اکثر مشکل اور دقیق ہیں اور عام فہم نہیں ہیں۔ بہر حال ان کی ایک اور قدرے آسان دلیل یہ ہے:

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستقر ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہوگی یا مساوی ہوگی یا اصغر ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کی ذات کا بعض عرش پر مستقر ہوگا اور بعض اس سے زائد ہوگا اور اس سے اس کا منقسم ہونا لازم آئے گا اور اگر اللہ تعالیٰ عرش کے مساوی ہو تو اس کا متناہی ہونا لازم آئے گا کیونکہ عرش متناہی ہے اور جو متناہی کے مساوی ہو وہ متناہی ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اصغر ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا متناہی اور منقسم ہونا لازم آئے گا اور یہ تمام صورتیں بداہۃً باطل ہیں۔

(تفسیر کبیر، ج 5،ص 252-258، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1415ھ)

علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی 685ھ لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا امر بلند ہوا یا غالب ہوا اور

ہمارے اصحاب سے یہ منقول ہے کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس نے ارادہ کیا درآنحالیکہ وہ عرش پر استقرار اور جگہ پکڑنے سے منزہ ہے۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی، ج 3، ص 26، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، 1416ھ)

علامہ محمد بن یوسف المشہور بابن حیان اندلسی المتوفی 710ھ لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: اللہ عرش پر غالب ہے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے لیکن عرش چونکہ مخلوقات میں سب سے عظیم جسم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ عرش پر غالب ہونے کا ذکر فرمایا۔ امام جعفر صادق، حسن بصری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ سے یہ منقول ہے کہ استواء معلوم ہے (مستقر ہونا یا بلند ہونا) اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے۔ (مدارک التنزیل علی الخازن ج 2، ص 10، مطبوعہ پشاور)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 792ھ لکھتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کہ دین حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکان اور جہت منتفی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور باوجود اختلاف آراء اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور باوجود اختلاف آراء اور تفرق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے ماوراء ہے حتیٰ کہ جو چیز کسی سمت اور جہت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور ان کے عرف کے زیادہ قریب اور ان کو دین حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جہت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جوانب میں سب سے اشرف ہے اس لیے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا اور عقلاء اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اس لیے نہیں متوجہ ہوتے کہ ان کا انقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ کیونکہ تمام خیرات اور برکات اور انوار اور بارشیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔

(شرح المقاصد ج 4، ص 50-51، مطبوعہ منشورات الرضی، قم ایران، 1409ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: اکثر متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ سبحانہ کی جہت اور مکان سے تنزیہ ضروری ہے کیونکہ جو چیز مکان میں ہو اس کو حرکت اور سکون اور تغیر اور حدوث لازم ہے یہ متکلمین کا قول ہے۔ اور سلف اول رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے جہت کی نفی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور رسولوں نے بھی اس طرح فرمایا ہے اور سلف صالحین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً عرش پر مستوی ہے، البتہ ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ اس کے استواء کی حقیقت میں کیا کیفیت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، 7، ص 197، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، 1415ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: استوی کا معنی ہے بلند ہے۔ (اللہ عرش پر بلند ہے) اس بلندی سے وہ بلندی مراد نہیں ہے جو مکان اور مسافت کی بلندی ہوتی ہے، یعنی کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جو جگہ دوسری جگہوں سے بلند ہو بلکہ اس سے وہ بلندی مراد ہے جو اللہ کی شان کے لائق ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ سلف کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس کی ماد کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس کا ارادہ ہے درآنحالیکہ وہ استقرار اور جگہ پکڑنے سے منزہ ہے اور استواء کی تفسیر استیلاء (غلبہ پانے) سے کرنا باطل ہے۔ کیونکہ جو شخص اس کا قائل ہے کہ استواء کا معنی استیلاء ہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا غالب ہونا ہمارے غالب ہونے کی مثل ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ وہ ایسا غالب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ ابتداءً یہ کہے کہ وہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ (روح المعانی ج 8، ص 136، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی 1340ھ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: "پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے" صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں: یہ استواء متشابہات میں سے ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ کی اس سے جو مراد ہے حق ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ الہ علیہ نے فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول اور اس پر ایمان لانا واجب۔ حضرت مترجم قدس سرہ نے فرمایا: اس کے معنی یہ ہیں کہ آفرینش کا خاتمہ عرش پر جا ٹھہرا۔ واللہ اعلم باسرار کتابہ۔ (خزائن العرفان، ص 353، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۵۸)

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا بیان:

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کی کیفیت کا علم اس روایت سے ہوتا ہے:

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عیسیٰ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) جس وقت گھر میں داخل ہوئے تو ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص ایسا ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر کرے گا پھر فرمایا تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ میرے ساتھ جنت میں ہو تو ان میں سے ایک کم عمر نوجوان اٹھا آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ پھر دوبارہ سوال دہرایا پھر وہ جوان اٹھا اور کہا میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا ہاں تم ہی اس کے اہل ہو پھر اس پر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی شبہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو مکان کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا پھر یہود حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تلاش میں آئے انہوں نے حضرت عیسیٰ کے

مشابہ کو پکڑ لیا اور اس کو قتل کر دیا پھر اس کو سولی پر لٹکا دیا پھر ان میں سے بعض نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ ان کا انکار کیا اور ان کے تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان خود اللہ تھا جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے دوسرے فرقے نے کہا وہ ابن اللہ تھا جب تک چاہا ہم میں رہا اور جب چاہا آسمان پر چڑھ گیا اس فرقہ کا نام نسطوریہ ہے اور ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہ فرقہ مسلمان تھا پھر دونوں کافر فرقے اس پر غالب آ گئے اور اس کو قتل کر دیا پھر اس وقت سے دین اسلام کا چراغ بجھا رہا حتی کہ اللہ نے سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا اس حدیث کی حضرت ابن عباس تک سند صحیح ہے امام نسائی نے اس حدیث کو از ابو کریب از ابو معاویہ اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس کو متعدد اسلاف نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کس شخص پر میری شبہ ڈالی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۰۔۳۲۹ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

علامہ ابو الحیان عبداللہ بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہودیوں کے اس دعویٰ کا انکار ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی طرف اٹھا لیا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اب بھی دوسرے آسمان میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث معراج میں ہے اور وہ وہیں پر مقیم ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرنے کے لیے انہیں زمین پر نازل فرمائے گا اور وہ زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دیں گے جس طرح پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی اور زمین پر چالیس سال زندہ رہیں گے جس طرح انسان زندہ رہتے ہیں پھر اس طرح وفات پا جائیں گے جس طرح انسانوں کو موت آتی ہے قتادہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی طرف اٹھا لیا ان کو نور کا لباس پہنایا اور ان کے پر لگا دیئے اور ان کو کھانے پینے سے منقطع کر دیا اور وہ ملائکہ کے ساتھ عرش کا طواف کرنے لگے اور وہ ایسے انسان بن گئے جو ملکی سماوی اور ارضی تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور حکمت کا معنی کمال علم اور عزت کا معنی کمال غلبہ ہے اس صفت کے لانے میں یہ تنبیہہ ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو دنیا سے آسمانوں کی طرف اٹھانا اگرچہ بشر پر متعذر اور دشوار ہے لیکن میری حکمت اور میرے غلبہ کے سامنے اس میں کوئی دشواری نہیں ہے حکمت اور غلبہ کی یہ تفسیر بھی ہے کہ یہود نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو یہودیوں سے بچایا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے انہیں آسمان پر لے جائے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ تیس سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر وحی کی گئی اور تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں آپ کو اوپر اٹھا لیا گیا لہٰذا آپ کی نبوت کی مدت تین سال ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل (علیہ السلام) کو بھیجا انہوں نے حضرت عیسیٰ السلام کو چھت کے ایک سوراخ

میں داخل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سوار سے آسمان کی طرف اٹھالیا۔ (البحر المحیط ج ۴ ص ۱۲۹۔۱۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ علامہ ابوالحیان اندلسی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ لوقا کی انجیل میں بھی اس عبارت کی تائید ہے اور بعض حواریوں نے سولی کے واقعہ کے بعد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھا تو وہ ان کی روح کے متشکل ہونے کے باب میں ہے کیونکہ قدسیوں کی روح کو اس عالم میں تشکل اور تطور (یعنی روح کا مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر آنا) کی قوت حاصل ہوتی ہے خواہ ان کی ارواح کسی بلند مقام پر ہوں اور اس امت کے بکثرت اولیاء مختلف شکلوں میں آتے ہیں اور ان کی حکایات اس قدر زیادہ ہیں کہ حصر اور بیان سے باہر ہیں۔

(روح المعانی جز ۶ ص ۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابن تیمیہ کے افکار اور ان پر علماء امت کے تبصرے

شیخ احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اللہ تعالیٰ کے جہت کی آیات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں سورۃ النساء کی زیر تفسیر آیت بل رفعه الله اليه۔ (۱۵۸) سے بھی انہوں نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔ (شرح العقیدہ الواسطیہ ص ۶۵ مطبوعہ دار السلام ریاض۔

نیز لکھا ہے کہ قرآن کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی (مرتفع مستقر یا صاعد) ہونے کا ذکر ہے اور یہ آیات ان کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور ان میں سلطنت کا غلبہ کا معنی کرنا باطل ہے۔ (شرح العقیدہ الواسطیہ ص ۶۳)

علامہ تقی الدین ابوبکر حصنی دمشقی متوفی ۸۲۹ھ لکھتے ہیں:

ابوالحسن دمشقی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم ابن تیمیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے وعظ کیا اور استواء کی آیات کو بیان کیا اس نے کہا اللہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے جس میں یہاں بیٹھا ہوں یہ سن کر لوگ اس پر پل پڑے اور اس کی جوتیوں سے مرمت شروع کر دی اور اس کو بعض حکام تک پہنچایا انہوں نے اس کا علماء سے مناظرہ کرایا اس نے یہ آیت پیش کی (آیت) الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. علماء اس پر ہنسے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ قواعد علم کو جاری کرنے سے جاہل ہے پھر علماء نے اس پر یہ آیت پیش کی (آیت) اینما تولوا فثم وجه الله۔ البقرہ: ۱۱۵) تم اللہ حقیقۃ ہمارے ساتھ ہے اور اللہ عرش پر بھی حقیقۃ مستوی ہے اور یہ شخص نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی عداوت رکھتا تھا علماء نے اس کو مارنے اور اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا قاضی مالکی کے حکم سے اس کو اور اس کے بھائیوں کو قید کر دیا گیا اس کو قید کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اس نے کہا انبیاء علیہم السلام مثلاً نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے امام برہان الدین فزاری نے اس کے خلاف چالیس سطروں کا فتویٰ لکھا جس میں اس کو کافر قرار دیا اور شیخ شہاب الدین بن جہبل شافعی نے اور مالکی علماء نے بھی اس کی موافقت کی اور اس کے گمراہ بدعتی اور زندیق ہونے پر اتفاق کیا سلطان نے تمام قاضیوں کو جمع کیا اور قاضی القضاۃ بدر الدین بن جماعہ نے اس فتویٰ کو پڑھ کر اس پر مہر لگائی اور لکھا کہ اس قول کا قائل بدعتی اور گمراہ ہے اور حنفی اور حنبلی علماء نے اس فتویٰ کی موافقت کی لہٰذا اس کے کفر پر اجماع ہو گیا۔

(کتاب دفع شبہ من شبہ وتمرد ص ۴۵۔ ۴۱ ملخصا مطبوعہ دار الکتاب العربیہ حلب ۱۳۵۰ھ)

علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی المتوفی ۷۱۱ھ نے قصیدہ نونیہ میں ان مسائل کو جمع کیا ہے جس میں اشاعرہ کا اختلاف ہے اور بعض عقائد کی سنت کے مطابق تصحیح کی ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

کذب ابن فاعه یقول لجهله، الله جسم لیس کالجسمان .

زانیہ کے بیٹے نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ کہا کہ اللہ جسم ہے حالانکہ اللہ جسموں کی مثل نہیں ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۳۷۹ دار احیاء الکتب العربیہ)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ دمشق کا بہت بڑا عالم تھا لیکن اس کی عقل میں کمی تھی دمشق کے علماء کے اس پر اعتراض تھے اس کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے کہا ان اعتراضات کے جواب دو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ اور کوئی جواب نہیں دیا دوبارہ کہا دوبارہ اس نے یہی جواب دیا اس کو قاضی القضاۃ نے قید کر دیا میں نے دمشق کے قیام کے دوران ایک دن اس کے پیچھے جمعہ پڑھا یہ مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا دوران وعظ اس نے کہا اللہ آسمان دنیا سے اس طرح اترتا ہے یہ کہہ کر اس نے منبر سے اتر کر دکھایا پھر اس سے ابن الزہراء مالکی نے معارضہ کیا اور لوگوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی پگڑی گر گئی اور اس کا لباس پھٹ گیا۔ اس کو ایک حنبلی قاضی کے پاس لے گئے انہوں نے اس کو قید کرنے اور تعذیر لگانے کا حکم دیا۔ اس کے مردود اقوال میں سے یہ ہیں: اس نے کلمہ واحدہ سے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا قبر انور کی زیارت کرنے والے کے لیے نماز قصر کرنے کو ناجائز کہا مالک ناصر نے اس کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا اور یہ وہیں مر گیا۔

(رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۱۱۲۔ ۱۱۱ مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

امام ابو عبداللہ شمس الدین محمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی بہت بڑا عالم تھا اس کی تصانیف تین سو مجلدات کو پہنچتی ہیں یہ دمشق اور مصر میں کئی مرتبہ فتنہ میں پڑا اور مصر قاہرہ اسکندریہ اور قلعہ دمشق میں دو مرتبہ قید ہوا اور قلعہ دشمن میں ۷۲۸ھ ہجری میں فوت ہوا اس کے بہت سے متفردات ہیں اور ائمہ میں سے ہر ایک قول کو اخذ بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے (آسمان سے) نازل ہونے کی حدیث بیان کی پھر منبر کی دو سیڑھیوں سے اتر کر کہا جس طرح میں اترا ہوں اللہ اس طرح اترتا ہے اس وجہ سے یہ کہا گیا کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل ہے۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں

احمد بن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ پیر چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی

صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا تو اس نے کہا میں یہ نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے اس وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تحیز اور انقسام کا قائل ہے بعض علماء نے ابن تیمیہ کو زندیق قرار دیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مدد نہیں مانگنی چاہیے اس کے قول میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تنقیص ہے اور آپ کی تعظیم کا انکار ہے بعض علماء نے اس کو منافق قرار دیا کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا تھا کہ آپ نے سترہ مقامات میں خطاء کی اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وہ جہاں بھی گئے انہوں نے شکست کھائی انہوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہے اور ان کی جنگ حکومت کے لیے تھی دین کے لیے نہیں تھی نیز ابن تیمیہ نے کہا کہ حضرت عثمان مال سے محبت کرتے تھے حضرت ابوبکر کے متعلق کہا کہ وہ بوڑھے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ وہ بچپن میں اسلام لائے تھے اور بچپن کا اسلام لانا ایک قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتا۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

احمد بن تیمیہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا اور گمراہ کیا اور اندھا اور بہرہ کیا اور ذلیل کیا اس کی بڑے بڑے ائمہ نے تصریح کی ہے مثلاً مجتہد سبکی اور ان کے بیٹے تاج سبکی اور امام عز بن جماعہ اور ان کے معاصرین اور دیگر شافعی مالکی اور حنفی علماء اس شخص نے اکثر اکابر صوفیاء کو بدعتی کہا مثلاً عارف ابوالحسن شاذلی کو اور ابن عربی ابن الفارض ابن سبعین الحلاج حسین بن منصور کو اس کے معاصر تمام علماء نے اس کو فاسق اور بدعتی کہا بلکہ بہت علماء نے اس کو کافر کہا اس کے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا میں نے خود اس سے جامع الجبیل کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے سنا ہے اس نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا انہوں نے بہت سی غلطیاں کیں اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین سو سے زیادہ غلطیاں کیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جسمیت اور جہت اور منتقل ہونے کا قول کیا اور اس نے اللہ عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا ہے اور اس نے کہا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی اور انبیاء غیر معصوم ہیں اور یہ کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی وجاہت نہیں اور نہ آپ کے ساتھ توسل کیا جائے اور اس نے کہا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کے لیے سفر کرنا معصیت ہے اور اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عنقریب آپ کی شفاعت سے قیامت کے دن محروم ہوگا اور اس نے کہا کہ تورات اور انجیل کے الفاظ تبدیل نہیں ہوئے صرف معانی تبدیل ہوئے ہیں۔ ملخصاً (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۰۰۔۹۹ ملخصاً مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

علامہ ابن حجر مکی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: تم اپنے آپ کو ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزیہ کی کتابوں سے بچائے رکھنا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے دل اور اس کے کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۰۳ ملخصاً مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تفریط کی ہے کیونکہ اس نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے افراط کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ زیارت (قبر کریم) کا عبادت ہونا ضروریات دینیہ سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور ابن تیمیہ کی تکفیر کا قول صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار دینا بہ طریق اولی کفر ہوگا۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: اللہ کی جناب میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وسیلہ پیش کرنا مستحسن ہے اور سلف اور خلف میں سے ابن تیمیہ کے سوا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اس نے یہ بدعت کی اور وہ بات کہی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

مشہور دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں:

امام ابن تیمیہ کے علمی اختیارات و تفردات ہیں جو ان کے فتاویٰ کی چوتھی جلد کے ساتھ کتابی شکل میں منسلک ہیں اور فتاویٰ میں بھی موجود ہیں مثلاً یہ کہ سجدہ تلاوت کے لیے وضو ضروری نہیں۔ (فتاویٰ ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقیں صرف ایک ہی ہوتی ہیں ہے اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی اور یہ کہ ہر بڑے اور چھوٹے سفر میں قصر اور دوگانہ ضروری ہے (فتاویٰ ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ اگر کوئی شخص عمداً نماز چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں اور یہ کہ توسل درست نہیں اور استشفاء عند القبر جائز نہیں وغیرہ وغیرہ اور اسی قسم کے اختلافی مسائل کی وجہ سے ان کو حکومت وقت اور عوام اور علماء کی طرف سے خاصی دقت پیش آئی اور کئی مرتبہ قید و بند سے دوچار ہوئے مگر اپنے نظریات سے انہوں نے رجوع نہیں کیا اور تادم مرگ ان پر سختی سے کاربند اور مصر رہے۔ (ساع الموتی ص ۱۳۴-۱۳۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء)

اہلسنّت اشاعرہ و ماتریدیہ اور فرقہ سلفیہ کے درمیان اختلاف

اختلاف نمبر (۱) ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے مگر وہ اس پر ٹھہرا ہوا نہیں۔ اور ٹھہرنے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ وہیں ہونا اور اس کے علاوہ کہیں نہ ہونا۔

استوی کا اگرچہ لفظی ترجمہ و معانی و مفہوم استقرار یعنی ٹھہرنا ہوتا ہے نام نہاد سلفیوں نے اسی کا اثبات کیا ہے کیونکہ ان کا یہی عقیدہ تھا کہ اللہ بس عرش پر ہی ہے اور کہیں نہیں جبکہ اسلاف میں سے جمہور کا یہ عقیدہ نہیں تھا انہوں نے اسکا رد کیا ہے اور استویٰ علی العرش کو متشابہات سمجھ کر اسکا علم اللہ کے سپرد کیا ہے۔

جس طرح سے سلف نے اللہ کی ذات کے لئے جسم، جہت اور مکان کا انکار کیا ہے اسی طرح سلف نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے عرش پر یا کہیں اور ٹھہرنے کا بھی انکار کیا ہے۔

استوی کا مطلب غالب ہونا بھی ہوتا ہے برابر ہونا بھی ہوتا ہے

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (النساء95)
برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں

جس طرح سے ان دونوں معانی پر یا ایک معنی کی اللہ کے لئے تخصیص نہیں کی جاسکتی اسی طرح استوئ کے تیسرے معنی استقرار ٹھہرنا متمکن ہونا کی بھی نہیں کی جاسکتی۔

استوی سے غلبہ کی تخصیص کرنے والے کو صفات کا منکر کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی صفات کو اس کے سپرد نہیں کیا بلکہ اس کی مراد کو خود سے تعین کر لیا اسی طرح استوی کا معنی برابر ہونا بھی ہوتا ہے اگر اللہ کے لئے استوئ کے اسی معنی کی تخصیص کر لی جائے تو پھر کہنا پڑے گا کہ اللہ عرش کے برابر ہے جبکہ اللہ سب سے بڑا وہ کسی کے برابر نہیں سب اس کے آگے ذرہ کے برابر بھی نہیں اسی طرح اللہ کے لئے استوی سے ٹھہرنے کی تخصیص کرنے والا بھی صفت کا منکر ہوگا کیونکہ اس نے بھی اللہ کی مراد کو اس کے سپرد کرنے کی بجائے خود سے اس کی مراد کو تعین کر لیا۔

فرقہ سلفیہ وکرامیہ بھی ایسا ہی کرتا ہے استوئ سے ٹھہرنا تو لے لیتا ہے لیکن ساتھ میں استوی کا دوسری معنی جو کہ برابر ہونا بھی ہوتا ہے غالب ہونا بھی ہوتا اسے چھوڑ دیتا ہے اور اگر کوئی اسے اپنائے تو اسے یہ معتزلیہ کہتا ہے۔

اب بتائے معتزلیہ کا یہی جرم ہے کہ اس نے استوی کا معنی غلبہ لے کر اس پر بس کی اور گمراہ کہلایا مجسمیہ کا یہی جرم ہے کہ اس نے استوی کا معنی برابر ہونا لے کر اس پر بس کی اور گمراہ کہلایا تو سلفیہ کس کھیت کی مولی ہیں انہوں نے بھی استوی کا معنی استقرار ٹھہرنا لے کر اس پر بس کی ہے۔ مجرم تو تینوں ہیں۔

(i) مجتہد مطلق حضرت الامام الاعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (وفات 150ھ) فرماتے ہیں کہ

ونقر بان الله سبحانه وتعالى على العرش استوى من غير ان يكون له حاجة اليه واستقرار عليه

ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی عرش پر مُستوی ہوا لیکن وہ عرش کا محتاج نہیں اور نہ وہ عرش پر ٹھہرا ہے۔

(کتاب الوصیۃ (ص)، ضمن مجموعہ رسائل ابی حنیفۃ بتحقیق الکوثری (ص/2)، وملا علی القاری فی شرح الفقہ الاکبر (ص/75) عند شرح قول الامام: ولکن یدہ صفتہ بلا کیف)

(ii) القاضی ابوبکر محمد الباقلانی المالکی الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (وفات 403ھ) فرماتے ہیں کہ

ولا نقول ان العرش لهء اى الله قرار ولا مكان، لان الله تعالى كان ولا مكان، فلما خلق المكان لم يتغير عما كان. (الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا بجوز الجهل به (ص/65)

ہم یہ نہیں کہتے کہ عرش اللہ تعالی کا ٹھہرنا ہے یا مکان ہے کیونکہ اللہ تعالی تو اس وقت بھی موجود تھا جب مکان نہیں تھا، پھر جب اللہ تعالی نے مکان کو پیدا کیا تو وہ جیسا تھا (یعنی موجود بلا مکان) اب بھی ویسا ہی ہے

(iii) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (وفات 256ھ) کا بھی یہی عقیدہ ہے شارح بخاری (iv) علی بن خلف المالکی رحمۃ اللہ علیہ (449ھ) امام بخاری کے باب سے انکا عقیدہ لکھتے ہیں:

فلا يحتاج الى مكان يستقر فيه،

کہ ان کے نزدیک (اللہ) نہیں ہے مکان کا محتاج یا اس میں ٹھہرنے کا۔ (فتح الباری 13/416)

(v) وقال الفقيه الامام الشيخ ابواسحاق الشيرازی الشافعی (476ھ)

فی عقيدته ما نصه "وان استواء ه ليس باستقرار ولا ملاصقة لان الاستقرار والملاصقة صفة الاجسام المخلوقة، والرب عز وجل قديم ازلی، فدل علی انه كان ولا مكان ثم خلق المكان وهو علی ما عليه كان " اهـ (انظر عقيدة الشيرازی فی مقدمة كتابه شرح اللمع (1/101)

الفقیہ الامام الشیخ ابواسحاق الشیرازی الشافعی الاشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا استواء استقرار (کسی جگہ قرار پکڑنا اور ٹھہرنا) نہیں ہے اور مُلاصِقۃ (کسی چیز سے ملنا متصل ہونا) بھی نہیں ہے، کیونکہ استقرار و مُلاصِقۃ اجسام مخلوقہ کی صفت ہے، اور رب تعالی عز وجل قدیم و ازلی ذات ہے، پس یہ دلالت ہے اس بات پر کہ اللہ تعالی تو اس وقت بھی موجود تھا جب مکان نہیں تھا، پھر جب اللہ تعالی نے مکان کو پیدا کیا تو وہ جیسا تھا (یعنی بلا مکان) اب بھی ویسا ہی ہے۔

(vi) القاضی الشیخ ابوالولید محمد بن احمد قاضی الجماعۃ المعروف بابن رُشد الجدّ المالکی (وفات 520ھ) بھی اللہ کے لئے ٹھہرنے کی نفی کرتے ہیں۔

لا انه محلٌّ له وموضع لاستقراره ". (فتح الباری 7/124)

(vii) اسی طرح احمد الرفاعی، الفقیہ الشافعی الاشعری، (وفات 578ھ) بھی اللہ کے لئے ٹھہرنے کی نفی کرتے ہیں۔ (البرہان المؤید (ص 17، 18)

نزهوا الله عن صفات المحدثين، وسمات المخلوقين، وطهروا عقائدهم عن تفسير معنى الاستواء فی حقه تعالی بالاستقرار كاستواء الاجسام علی الاجسام المستلزم للحلول والنزول والاتيان والانتقال

(vii) اسی طرح ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 597ھ)، (viii)، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (وفات 241ھ) اور سلف کا عقیدہ لکھتے ہیں کہ اللہ جہت، حدود، جسم، مکان سے، بیٹھنے سے اور ٹھہرنے سے پاک ہے۔ (دفع شبہ التشبیہ)

الذی رد فيه علی المجسمة الذين ينسبون انفسهم الی مذهب الامام احمد والامام احمد بریء مما يعتقدون . وقد بيّنَ ابن الجوزی فی هذا الكتاب ان عقيدة السلف وعقيدة الامام احمد تنزيه الله عن الجهة والمكان والحد والجسمية والقيام والجلوس والاستقرار

(ix) اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 606ھ) بھی اللہ کے لئے ٹھہرنے کی نفی کرتے ہیں۔
وقال المفسر علی بن محمد المعروف بالخازن (741ھ) (تفسیر الخازن 2/238)

ان الشیخ فخر الدین الرازی ذکر الدلائل العقلیة والسمعیة علی انه لا یمکن حمل قوله تعالی: (ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ) علی الجلوس والاستقرار وشغل المکان والحیز.

(x) اسی طرح امام بدر الدین العینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 855ھ) لکھتے ہیں

اَن اللہ لَیْسَ بجسم فَلا یحْتَاج اِلَی مَکَان یسْتَقرّ فِیهِ، (عمدۃ القاری ج 2 ص 117)

اللہ جسم سے پاک ہے اللہ مکان کا محتاج نہیں نہ اس میں ٹھہرنے کا۔

جس طرح سے سلف نے اللہ کی ذات کے لئے جسم، جھت اور مکان کا انکار کیا ہے اسی طرح سلف نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے عرش پر یا کہیں اور ٹھہرنے کا بھی انکار کیا ہے۔

سلفیہ کا دعویٰ ہے کہ اللہ عرش پر ہی ٹھہرا ہوا ہے اور وہ کہیں نہیں ہے۔

(i) سلفیوں کے شیخ صالح العثیمین (وفات 1421ھ) لکھتے ہیں: ما معنی الاستواء عندهم فمعنا العلو والاستقرار (شرح عقیدہ الوسطیہ ص 375)

ہمارے نزدیک استوائ کا معنی بلند اور استقرار یعنی ٹھہرنا ہے۔

(ii) سلفیوں کے ایک اور شیخ ابن عبد الرحمٰن جبرین (وفات 2009ء) لکھتے ہیں

هذه هه تفاسیر اهل السنة الاربعة اکثر هم یقول: استوی علی العرش ای استقرر علیه

اکثر اہلسنت کہتے ہیں استوٰی علی العرش کی تفسیر ٹھہرنا ہے۔ (التعلیقات الزکیۃ ص 211)

(iii) سلفیوں کے ایک اور شیخ الفوزان (جو حیات ہیں) لکھتے ہیں۔

اما الاستواء فمعنا کما فسره السلف العلو، والاستقرار

کہ سلف کے ہاں استوٰی کا معنی استقرار یعنی ٹھہرنا ہے۔ (شرح لمعۃ الاعتقاد ص 91)

نوٹ: یہاں یہ سب کے سب اللہ کے لئے ہی استوٰی کی بات کر رہے ہیں۔

جبکہ ہم نے جمہور سلف اور مطلق مجتہد امام سے یہ بات ثابت کی ہے وہ اس کا رد کرتے ہیں اس کا اثبات قطعاً نہیں کرتے۔ یہ سب کے سب ابن تیمیہ کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں۔

(iv) ابن تیمیہ (وفات 728ھ) لکھتے ہیں

ولو قد شاء لاستقر علی ظهر بعوضة فاستقلت به بقدرته ولطف ربوبیته فکیف علی عرش عظیم اکبر من السموات والارض وکیف تنکر ایها النفاخ ان عرشه یُقِلّه والعرش اکبر من

السموات السبع والارضین السبع ولو کان العرش فی السموات والارضین ما وسعته ولکنه فوق السماء السابعة (بیان تلبیس الجہمیۃ فی تاسیس بدعھم الکلامیۃ 3/243)

اوراگراللہ چاہےتو وہ مچھر کی پیٹھ پربھی استقرار کرسکتا ہے اوراس پر اپنی قدرت اور لطف ربوبیت سے بلندورفیع ہوسکتا ہے تو عرش عظیم جو ساتوں زمین اورآسمان سے بھی زیادہ بڑاہے تواس پر اللہ استقرار کیوں نہیں کرسکتا۔تو بڑی بڑی ہانکنے والے تم اس کا انکار کیسے کرتے ہو اللہ کا عرش اس کے استقرار کے لئے کافی نہیں ہے۔

بعد میں ابن تیمیہ کو بچانے کے لئے ان کے مقلدین نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن تیمیہ نے ایسا نہیں کہا جبکہ یہ کہنا بے فائدہ ہے کیونکہ ہم نے بقیہ سلفیوں کے بڑے بڑوں سے یہی بات ثابت کی ہے۔

(v) حافظ ابن قیم (وفات 751ھ) نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کر کے اللہ کے لئے استقرار کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔(اجتماع الجیوش الاسلامیۃ ص 249)

جبکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسی کتاب میں جس کا حوالہ حافظ ابن قیم نے دیا اس روایت کو منکر کہا ہے۔اور کہا ہے کہ اس روایت میں جھوٹ ظاہر ہے۔

فهذه الرواية منكرة .... وظهور الكذب منهم في رواياتهم .

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص 383-384)

حافظ ابن تیمیہ نے عبداللہ بن عبدالمجید بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری (وفات 276ھ) کی کتاب کے حوالہ سے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے جس میں ہے کہ استوائی استقرار ہے۔

قال: وقال عبد الله بن المبارك ومن تابعه من اهل العلم وهم كثير ان معنى استوى على العرش استقر وهو قول القتيبي .(مجموع الفتاویٰ 5/519)

عبداللہ بن عبدالمجید بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری ایک بڑے محدث اور مفسر تھے مگر مذہبا کرامی تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ انہیں کرامی فرماتے ہیں

كان ابن قتيبة يرى راى الكرامية .(سیراعلام النبلاج 13 ص 218)

اور کرامیہ ایک گمراہ فرقہ ہے

ہم کسی کوصرف محدث ومفسر دیکھ کر ہی بقیہ تمام امت کے خلاف اس کے پیرو نہیں ہوسکتے بڑے بڑے محدث گزرے ہیں جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرنے میں تو صحیح تھے مگر مذہبا یا تو شیعی تھے خوارج بھی تھے رافضی بھی تھے خود بخاری مسلم میں کئی راوی ایسے موجود ہیں۔ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل روایت درست ہے مگر ان کا مذہب درست

نہیں۔

اور محدثین کا اصول ہے کہ بدعتی کی حدیث (یا روایت) کے بارے میں راجح مذہب یہ ہے کہ جس حدیث (یا روایت) سے اس کی بدعت کی تقویت وتائید ہوتی وہ قبول نہیں کی جاتی۔ (شرح مسلم للنووی ص6،شرح نخبۃ الفکر ص118)

عبدالقاہر بن طاہر البغدادی التمیمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:429ھ) فرماتے ہیں:

اواجمعوا علی انه لا یحویه مَکَان وَلَا یجری عَلَیْهِ زمَان خلاف قَول من زعم من الشهامیة والکرامیة انه مماس لعرشه. (الفرق بین الفرق(ص/321)

اس پراجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی مکان نے گھیرا نہیں نہ اس پر زمان یعنی وقت کا گذر ہوتا ہے بخلاف اس فرقہ ہشامیہ اور کرامیہ کے اس قول کے کہ اللہ عرش پر ہی ہے۔

اشاعرہ وماتردیہ کا یہ عقیدہ پہلی صدی کے مطلق مجتہد امام سے ثابت ہے جبکہ کرامیہ سلفیہ کا یہ عقیدہ کسی ایسے سے ثابت نہیں سب نے ابن تیمیہ کی تقلید کی ہے جو کہ خود ایک غیر اجتہادی اور اجماعی مسئلہ میں تمام امت کے خلاف ہوئے تھے جیسے مسئلہ طلاق ثلاثہ میں ان کا اجماع کو چھوڑ کر سلف سے غلط ملط استدلال کرنا کوئی حیرت نہیں۔

آج کل کے تمام سلفیہ کہلانے والے صرف ابن تیمیہ کے مقلد ہیں ابن تیمیہ نے عقیدہ الوسطیہ نامی کتاب لکھی علامہ عثیمین نے اس کی شرح میں اس عقیدے کا اقرار کیا پھر عبدالرحمٰن جبرین نے بھی التعلیق الذکیہ علی عقیدہ الوسطیہ میں اس عقیدے کا اقرار کیا ہے۔

اگر ہم نے ماننا ہی ہے تو اہلسنّت کی مانیں یا ان کرامیہ کی؟ اور ہم نے جمہور کا مذہب نقل کر دیا ہے جو کہ ان کے خلاف ہے۔ اور اسے سلفیہ نے بالکل چھوڑ رکھا ہے اور اس کے مقابلہ میں ان کرامیہ کی اتباع کی جا رہی ہے اور سلفیہ کے نزدیک یہی لوگ سلف ہیں اور اہلسنّت کے یہ امام ان کے نزدیک سلف میں نہیں آتے یہ ان کا انصاف ہے۔

اختلاف نمبر(2)

ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ جس طرح تمام مخلوقات کی تخلیق سے پہلے تھا اب بھی ویسا ہی ہے۔ بلا مکان، بلا جھت، بلا حلول بلا اتحاد بلا کیف، بلا حدود

(i) الامام الاعظم ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ (150ھ) فرماتے ہیں کہ

اَیـن الله تـعَـالٰی فَقَالَ یُقَال لَهٗ کَانَ الله تَعَالٰی وَلَا مَکَان قبل ان یخلق الْخلق وَکَانَ الله تَعَالٰی وَلم یکن اَیْن وَلَا خلق کل شَیْء . (الفقه الابسط و اکبر:باب الِاسْتِثْنَاء فِی الْإِیمَان (ص/161)،العالم و المتعالم (ص/57)

جب تم سے کوئی پوچھے کہ اللہ (کی ذات) کہاں ہے تو اسے کہو کہ (اللہ وہیں ہے جہاں) مخلوق کی تخلیق سے پہلے جب کوئی مکان نہیں تھا صرف اللہ موجود تھا۔ اور وہی اس وقت موجود تھا جب مکان مخلوق نام کی کوئی شے ہی نہیں تھی۔

(ii) امام اہل السنۃ ابو الحسن الاشعری (324ھ) فرماتے ہیں:

"کان اللّٰہ ولا مکان فخلق العرش والکرسی ولم یحتج الی مکان، وھو بعد خلق المکان کما کان قبل خلقہ " اھـ ای بلا مکان ومن غیر احتیاج الی العرش والکرسی. نقل ذلك عنہ الحافظ ابن عساکر نقلا عن القاضی ابی المعالی الجوینی . ..

(تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری (ص/150)

اللہ تعالی موجود تھا اور مکان نہیں تھا پس عرش وکرسی کو اللہ تعالی نے پیدا کیا اور وہ مکان کا محتاج نہیں ہے اور وہ مکان کو پیدا کرنے کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ مکان کو پیدا کرنے سے پہلے تھا۔

(iii) القاضی ابو بکر محمد الباقلانی المالکی الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (403ھ) فرماتے ہیں کہ

ولا نقول ان العرش لہء ای اللہء قرار ولا مکان، لان اللہ تعالی کان ولا مکان، فلما خلق المکان لم یتغیر عما کان. (الانصاف فیما یجب اعتقادہ ولا یجوز الجھل بہ (ص/65)

ہم یہ نہیں کہتے کہ عرش اللہ تعالی کا ٹھہرنا ہے یا مکان ہے کیونکہ اللہ تعالی تو اس وقت بھی موجود تھا جب مکان نہیں تھا، پھر جب اللہ تعالی نے مکان کو پیدا کیا تو وہ جیسا تھا (یعنی موجود بلا مکان) اب بھی ویسا ہی ہے

(iv) ابو القاسم، ابن جزی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی: 741ھ) فرماتے ہیں کہ

وَھُوَ الْآن علی مَا عَلَیْہِ کَانَ. (القوانین الفقھیۃ ج ص الْبَاب الثَّانِي فِي صِفَات اللہ تَعَالَی عزشَانہ وبھر سُلْطَانہ)

اللہ کی ذات جیسا (مخلوقات کو پیدا کرنے سے) پہلی تھی اب بھی ویسی ہی ہے

(v) وقال الفقیہ الامام الشیخ ابو اسحاق الشیرازی الشافعی الاشعری (وفات 476ھ)

فی عقیدتہ ما نصہ "وان استواءہ لیس باستقرار ولا ملاصقۃ لان الاستقرار والملاصقۃ صفۃ الاجسام المخلوقۃ، والرب عز وجل قدیم ازلی، فدل علی انہ کان ولا مکان ثم خلق المکان وھو علی ما علیہ کان " اھـ(انظر عقیدۃ الشیرازی فی مقدمۃ کتابہ شرح اللمع (1/101)

الفقیہ الامام الشیخ ابو اسحاق الشیرازی الشافعی الاشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا استواء استقرار (کسی جگہ قرار پکڑنا اور ٹھہرنا) نہیں ہے اور مُلاصِقۃ (کسی چیز سے ملنا مُتصل ہونا) بھی نہیں ہے، کیونکہ استقرار و مُلاصِقۃ اجسام مخلوقہ کی صفت ہے، اور رب تعالی عز وجل قدیم وازلی ذات ہے، پس یہ دلالت ہے اس بات پر کہ اللہ تعالی تو اس وقت بھی موجود تھا جب مکان نہیں تھا، پھر جب اللہ تعالی نے مکان کو پیدا کیا تو وہ جیسا تھا (یعنی بلا مکان) اب بھی ویسا ہی ہے۔

(vi) وقال الشیخ ابو منصور فخر الدین عبد الرحمٰن بن محمد المعروف بابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (وفات 620ھ) طبقات الشافعیۃ (8/186) "موجودٌ قبل الخَلْق، لیس لہ قَبْلٌ ولا بَعْدٌ، ولافوقٌ ولا تحتٌ،

ترجمہ: اللہ موجود ہے جیسا (تمام) مخلوق کی تخلیق سے پہلے تھا، نہیں اس سے پہلے کچھ نہیں اس کے بعد کچھ نہیں اس کے اوپر کچھ نہیں اس کے نیچے کچھ۔

(vii) وقال الشیخ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی الاشعری (وفات 505ھ)

ما نصه: " (تعالى اى الله عن ان يحويه مكان، كما تقدس عن ان يحده زمان، بل كان قبل ان خلق الزمان والمكان وهو الان على ما عليه كان " اهـ.

(احیاء علوم الدین: کتاب قواعد العقائد، الفصل الاول (/1081

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ زمان و ماکان کی تخلیق سے پہلے تھا اور ویسا ہی ہے جیسا وہ (مخلوق کی تخلیق) سے پہلے تھا۔

(viii) قال القاضى الشيخ ابو الوليد محمد بن احمد قاضى الجماعة بقرطبة المعروف بابن رشد الجد المالكى (520ه) "ليس الله فى مكان، فقد كان قبل ان يخلق المكان) اهـ. ذكره ابن الحاج المالكى فى كتابه "المدخل" (المدخل: فصل فى الاشتغال بالعلم يوم الجمعة (149/2)

اللہ مکان میں نہیں وہ تو مکان کی تخلیق سے بھی پہلے تھا۔

(ix) وقال الشیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام الاشعری الملقب بسلطان العلماء (وفات 660ھ)

"ليس اى الله بجسم مصوَّر، ولا جوهر محدود مُقدَّر، ولا يشبه شيئا، ولا يُشبهه شيء، ولا تحيط به الجهات، ولا تكتنفه الارضون ولا السموات، كان قبل ان كوَّن المكان ودبَّر الزمان، وهو الآن على ما عليه كان" ا.هـ

(طبقات الشافعية الكبرى: ترجمة عبد العزيز بن عبد السلام (/2198)

اللہ جسم والا نہیں محدود نہیں۔۔۔۔۔ وہ ویسا ہی ہے جیسا وہ پہلے تھا۔

(x) وقال الشیخ تاج الدین محمد بن ہبۃ اللہ المکی الحموی المصری (599ه)

فى تنزيه الله عن المكان ما نصه وصانع العالم لا يحويه قطر تعالى الله عن تشبيه قد كان موجودا ولا مكانا وحكمه الان على ما كانا سبحانه جل عن المكان وعز عن تغير الزمان " اهـ)منظومته "حدائق الفصول وجواهر الاصول " فى التوحيد، التى كان امر بتدريسها السلطان المجاهد صلاح الدين الايوبى (ص13) النهاية فى غريب الحديث (مادة ق ر ب، 32/4)

اللہ موجود تھا بلا مکان اور ویسا ہی ہے جیسا وہ پہلے تھا۔

(xi) وقال الامام المجتہد محمد بن ادریس الشافعی رضی اللہ عنہ امام المذہب الشافعی ما نصہ:

" انـه تعالى كان ولا مكان فخلق المكان وهو على صفة الازلية كما كان قبل خلقه المكان لا يجوز عليه التغيير فى ذاته ولا التبديل فى صفاته " اھ(اتحاف السادة المتقين (2/24) -

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

بے شک اللہ تعالیٰ موجود تھے اور کوئی مکان موجود نہیں تھا پس اللہ تعالیٰ نے مکان کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ اُسی صفت ازلیہ (ازل سے جو اللہ کی صفت ہے) پر ہے جیسے مکان کے پیدائش سے پہلے تھے۔ جائز نہیں ہے اللہ کے ذات میں تبدیلی کرنا اور نہ اللہ کے صفات میں تبدیلی کرنا۔

سلفیہ کا دعویٰ ہے نہیں اللہ جس طرح مخلوق کی تخلیق سے پہلے تھا اب ویسا نہیں۔

سلفیہ کے شیخ صالح العثیمین (وفات 1421ھ) لکھتے ہیں

وهو الآن على ما كان عليه وهو يريد ان ينكر استواء اللہ اللہ جیسا تھا اب بھی ویسا ہے کہنا استواء کا انکار کرنا ہے۔ (شرح عقیدہ وسطیہ ص 208)

اختلاف نمبر (3)

ہمارا دعویٰ کہ جس طرح اللہ کے اوپر کچھ نہیں اسی طرح اس کے نیچے بھی کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحديد 3)

وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں

"اللّٰهم انت الاول، فليس قبلك شيء، وانت الآخر، فليس بعدك شيء، وانت الظاهر فليس فوقك شيء، وانت الباطن، فليس دونك شيء ."

اے اللہ تو اول ہے تجھ سے پہلے کچھ نہیں، تو آخر ہے تیرے بعد کوئی نہیں، تو ظاہر ہے تیرے اوپر کچھ نہیں، تو باطن ہے تیرے نیچے کچھ نہیں۔ (صحیح مسلم)

دون کا مطلب علاوہ بھی ہوتا ہے اور دون کا مطلب نیچے بھی ہوتا ہے۔ (المورد ص 557)

ہم دونوں باتوں کا اقرار کرتے ہیں خود حدیث میں بھی لفظ دون نیچے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے

وَلَا الْخُفَّيْنِ اِلَّا اَنْ لَا تَجِدَ نَعْلَيْنِ فَاِنْ لَمْ تَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَمَا دُوْنَ الْكَعْبَيْنِ

اور اگر تمہارے پاس جوتے نہ ہوں تو ٹخنوں کے نیچے تک موزے پہن لیا کرو۔ (سنن نسائی ج2 ح587: صحیح)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وَاسْتَدَلَّ بَعْضُ اَصْحَابِنَا فِي نَفْيِ الْمَكَانِ عَنْهُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ . وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ . "وَاِذَا لَمْ يَكُنْ فَوْقَهُ شَيْءٌ وَلَا دُونَهُ شَيْءٌ" لَمْ يَكُنْ فِي مَكَانٍ. (الاسماء والصفات للبيهقی)

ہمارے بعض اصحاب اللہ کو مکان سے پاک ثابت کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ تو (اللہ) الظاہر مطلب کوئی چیز اس کے اوپر نہیں الباطن یعنی کوئی چیز اس کے نیچے نہیں اسلئے اللہ کے اوپر کچھ نہیں اور اس کے نیچے کچھ نہیں تو اللہ مکان سے پاک ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کی ذات موجود بلا مکان، لامحدود اور نہ ختم ہونے والی ہے جس سے نہ اس کے اوپر کسی اور شے کا تصور کیا جاسکتا ہے نہ اس کے نیچے کسی شے کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ کہا جائے کہ یہاں سے اللہ کی ذات ختم ہو کر یہ چیز شروع ہوتی ہے۔ اِس سے ان لوگوں کے عقیدے کی بھی نفی ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ صرف عرش پر ہے کیونکہ اگر کہا جائے کہ اللہ صرف عرش پر ہے تو پھر کہنا پڑے گا کہ اللہ کے اوپر تو کچھ نہیں لیکن نیچے عرش ہے۔

سلفیہ کا دعویٰ کہ اللہ کے اوپر تو کچھ نہیں مگر نیچے ہے۔

جیسا ان کے عقیدہ سے صریح طور پر واضح ہے کہ اللہ کی ذات کے نیچے عرش وغیرہ مخلوقات کے قائل ہیں اور اس کے بھی قائل ہیں نیچے کی طرف سے نعوذ باللہ اللہ کی ذات ختم ہوتی ہے پھر عرش وغیرہ مخلوقات شروع ہوتی ہیں۔

اختلاف نمبر (4)

ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ موجود ہے لیکن بلا مکان وجگہ

سلفیہ کا دعویٰ اللہ بلا مکان موجود نہیں بلکہ اس کے لئے ایک خاص جگہ/مکان عرش ہے اور اس کے سوا وہ کہیں نہیں۔

اختلاف نمبر (5)

ہمارا دعویٰ اللہ آسمان میں بھی ہے۔

سلفیہ کا دعویٰ نہیں آسمانوں میں کچھ نہیں آسمان اللہ کی ذات سے بالکل خالی ہیں۔

سلفی چاہے اس کی کوئی بھی تاویل کرلیں لیکن حق بات یہی ہے کہ وہ آسمانوں کو اللہ کی ذات سے بالکل خالی مانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ حَمَّادَ بْنَ زَيْدٍ وَذَكَرَ الْجَهْمِيَّةَ فَقَالَ اِنَّمَا يُحَاوِلُونَ اَنْ لَيْسَ فِي السَّمَاءِ شَيْءٌ

(مسند الامام احمد بن حنبل (ج/ص): صحیح)

سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ (محدث وفقیہ) نے ایک مرتبہ فرقۂ جہمیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں یہ باتیں کرتے ہیں کہ آسمان میں کچھ نہیں ہے۔

اختلاف نمبر (6)

ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ تمام جہات اور حدود سے پاک ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عقیدہ طحاویہ میں تمام اہلسنت وجماعت کے عقائد اور تین مجتہدین جن میں سے مجتہد مطلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مجتہد فی المذہب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، مجتہد فی المذہب امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے عقائد نقل کرتے ہیں۔

هذا ذِكرُ بيانِ عقيدةِ اهلِ السنّةِ والجماعةِ على مذهبِ فُقهاءِ المِلّةِ: ابى حنيفةَ النعمانِ ابنِ ثابتٍ الكوفيّ، وابى يوسفَ يعقوبَ بنِ ابراهيمَ الانصاريّ، وابى عبدِ الله محمدِ ابنِ الحسنِ الشيبانيّ، رِضوانُ اللّٰهِ عليهم اجمعينَ، وما يعتقدونَ من اصولِ الدينِ، ويَدينون بهِ لربِّ العالمين

یعنی یہ بیان ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کا فقہاء الملۃ ابی حنیفۃ النعمانِ ابن ثابت الکوفی، اور ابی یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری، اور ابی عبد اللہ محمد ابن الحسن الشیبانی، رضوانُ اللّٰہِ علیہم اجمعین، کے مذہب کے مطابق اور اصول الدین میں اور اللہ ربُّ العالمین کے بارے جو عقائد وہ رکھتے ہیں اس کا ذکر وبیان ہے۔

(متن عقیدہ طحاویہ ص 7)

پھر اسی کتاب میں اگے فرماتے ہیں:

وتعالى عن الحدودِ والغاياتِ والاركانِ والاعضاءِ والادوات، لا تحويهِ الجهاتُ الستُّ كسائرِ المبتدعات

اللہ عزوجل حدود وقیود اور جسمانی رکان واعضا وآلات سے پاک ہے اور جہات ستہ (اوپر نیچے دائیں بائیں اگے پیچھے) سے پاک ہے۔ (متن عقیدہ طحاویہ ص 15)

جبکہ سلفیہ کا دعویٰ ہے کہ نہیں اللہ تمام جہات اور حدود سے پاک نہیں۔

جیسا ان کے عقیدے واضح ہے اور اگر ان کے عقیدے سے اللہ کے لئے حدود جھت ثابت نہیں ہوتی تو اور پھر کس طرح سے ہوتی ہے؟

اختلاف نمبر (7)

ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ کی ذات اور مخلوق کے درمیان کوئی مسافت (فاصلہ) نہیں۔

مجتہد مطلق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واللہ تعالی یُری فی الآخرۃ، ویراہ المؤمنون وھم فی الجنۃ باعین رؤوسھم بلا تشبیہ ولا کمیّۃ، ولا یکون بینہ وبین خلقہ مسافۃ"

اللہ تعالیٰ کو آخرت میں دیکھا جائے گا اور مومنین اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے جبکہ وہ جنت میں ہوں گے، بنا کسی تشبیہ اور کیت کے اور اللہ اور اس کے مخلوق کے مابین کوئی مسافت (فاصلہ) بھی نہیں ہوگی۔

(شرح فقہ الاکبر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ص 136-13)

سلفیہ کا دعویٰ ہے کہ اللہ اور مخلوق کے درمیان مسافت ہے۔

جیسا کہ ان کے عقیدہ سے واضح ہے کہ اللہ اور مخلوق کے درمیان بڑی مسافت (فاصلہ) ہے اللہ کی ذات دور اپنے عرش پر ہے وہ بھی بعض کے نزدیک عرش کی سطح سے بھی اوپر ہے۔

اختلاف نمبر (8)

ہمارا دعویٰ ہے کہ استویٰ علی العرش کے بعد ہی اللہ عرش پر نہیں ہوا بلکہ وہ پہلے بھی تھا۔

سلفیہ کا دعویٰ ہے نہیں عرش استوی کے بعد ہی اللہ عرش پر ہوا۔

جیسا ان کے عقیدے اور دلائل سے واضح ہوتا ہے وہ استویٰ علی العرش والی آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ دلیل ہے کہ اللہ عرش پر ہے۔ جبکہ استویٰ تو بعد میں ہے اللہ تو پہلے بھی وہاں تھا۔ یا ان کا عقیدہ غلط ہے یا یہ دلیل ان کے عقیدے کے مطابق نہیں۔

اختلاف نمبر (9)

ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ کا آسمان دنیا پر نزول بلا کیف ہے حرکت کے ساتھ نہیں

اللہ تعالیٰ رات کے وقت آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور دنیا میں ہر وقت کہیں نہ کہیں رات ہوتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کا آسمان دنیا پر نزول یوں ہے کہ اللہ عرش سے اتر کر آسمان پر آ گیا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ ہر وقت آسمان پر ہی ہے یا یہ کہا جائے کہ اللہ عرش پر بھی ہوتا ہے اور وہاں سے نیچے آسمان پر بھی آتا تو یہ کہنا پڑھے گا کہ اللہ بیک وقت عرش اور آسمان پر ہوتا ہے یہ دونوں باتیں سلفیہ کے عقیدے سے لازم آتی ہے جبکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ کا نزول بلا کسی کیفیت کے ہے۔

سلفیہ کا دعویٰ ہے نہیں بلا کیف نہیں بلکہ پہلے آسمان خالی ہوتے ہیں پھر اللہ کی ذات حرکت کر کے عرش سے آسمان پر آ جاتی ہے۔

جیسا کہ ان کے عقیدہ سے واضح ہے۔

شیخ محمد بن عثیمین لکھتے ہیں:الحرکة للّٰه تعالی فالحرکة له حق)الجواب المختارص22۔
اللہ حرکت کرتا ہے یہ حق ہے۔
علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ(وفات463ھ)فرماتے ہیں:

وقد قالت فرقة منتسبة الی السنة انه تعالی ینزل بذاته وهذا قول مهجور لانه تعالی ذکره لیس بمحل للحرکات ولا فیه شیء من علامات المخلوقات(الاستذکار ج 8 ص 153)

فرقہ منتسبہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کا نزول ذات کے ساتھ ہے اور ان کا یہ قول لاوارث ہے۔۔۔۔اور حرکت کرنا مخلوق کی علامات میں سے ہے۔

اختلاف نمبر10)

تمام اہلسنّت وجماعت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ تین طلاق تین ہی ہے۔
جبکہ سلفیہ کے نزدیک تین طلاق ایک ہے۔
اس میں وہ تمام امت کو چھوڑ کر ابن قیم اور ابن تیمیہ کی پیروی کرتے ہیں جنہوں نے خود اس غیر اجتہادی مسئلہ میں اجتہاد کو دخل دیا۔

اختلاف نمبر(11)

اہلسنّت جماعت کے نزدیک تراویح 20 رکعت ہیں
اور یہی 1400 سال سے حرم اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھی جارہی ہیں اور اہلسنّت اسی کے قائل ہیں
جبکہ نام نہاد سلفیہ کا موقف ہے کہ تراویح 20 نہیں بلکہ 8 رکعت ہی ہے۔سلفیہ کے شیخ البانی صاحب نے اسے بدعت ضلالۃ قرار دیا ہے اور عرب میں موجود ان کے مقلدین 8 رکعت کے ہی قائل ہیں۔

تقدیر سے متعلق عقیدے کا بیان

القَوْل فِی الْقدر

خلق اللہ تَعَالٰی الْاَشْیَاء لَا من شَیْء وَکَانَ اللہ تَعَالٰی عَالما فِی الْاَزَل بالاشیاء قبل کَونهَا وَهُوَ الَّذِی قدر الْاَشْیَاء وقضاها وَلَا یکون فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْآخِرَة شَیْء الا بمشیئته وَعلمه وقضائه وَقدره وَکتبه فِی اللَّوْح الْمَحْفُوظ وَلَکِن کتبه بِالْوَصْفِ لَا بالحکم وَالْقَضَاء وَالْقدر والمشیئة صِفَاته فِی الْاَزَل بِلَا کَیفَ یعلم اللہ تَعَالٰی فِی الْمَعْدُوم فِی حَال عَدمه مَعْدُوما وَیعلم انه کَیفَ یکون اِذا اوجده وَیعلم اللہ الْمَوْجُود فِی حَال

وجوده وَيعلم انه كَيفَ فناؤه وَيعلم الله الْقَائِم فِي حَال قِيَامه قَائِما وَاِذا قعد فقد علمه قَاعِدا فِي حَال قعوده من غير ان يتَغَيَّر علمه اَوْ يحدث لَهُ علم وَلَكِن التَّغَيُّر وَالاخْتِلَاف يحدث عِنْد المخلوقين

اللہ تعالیٰ اشیاء کوعدم سے وجود لایا ہے۔ جن کا وہ ازل سے عالم تھا۔ حالانکہ وہ اشیاء ابھی ظاہر بھی نہ ہوئی تھیں۔ اور اسی نے ان اشیاء کو مقدر فرمایا اور دنیا و آخرت میں اس کی مرضی ومشیت اس کے علم اور قضاء وقدر اور لوح محفوظ میں تحریر کردہ طریقے سے ہٹ کر نہ تو کچھ ہے اور نہ ہوگا"۔ لیکن اس نے لوح محفوظ میں ان کو بہ طور وصف لکھ رکھا ہے۔ نہ کہ بہ طور حکم، قضاء اور قدر کے۔ کیونکہ مشئیت یہ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے۔ کیونکہ بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ معدوم کو اس کی حالت معدومیت بھی جانتا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ جب وہ اس کو پیدا کرے گا تو وہ کس طرح ہوگا۔ اور وہ موجود چیز کو کوئی اس کی موجودیت میں بھی جانتا ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ کیسے فناء ہوگی۔ اور وہ قائم کو قیام کی حالت میں جانتا ہے۔ اور جب وہ بیٹھ جائے تو وہ اس کی حالت قعود کو بھی جانتا ہے۔ لیکن اس کے علم میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس کے لیے کوئی علم حادث اس کو حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تغیر اور اختلاف سب مخلوقات کے اعتبار سے ہیں۔

مسئلہ تقدیر کی تعریف:

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ ہی اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور ان اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ازل سے ان کے بارے میں پورا پورا علم رکھتا تھا اور اسی نے ان اشیاء کو مقدر فرمایا اور دنیا و آخرت میں اس کی مرضی و مشیت اس کے علم اور قضاء وقدر اور لوح محفوظ میں تحریر کردہ طریقے سے ہٹ کر نہ تو کچھ ہے اور نہ ہوگا"۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں "لوحِ محفوظ میں تحریر بطورِ وصف کے ہے، نہ کہ بطورِ حکم کے"۔ امام ابوحنیفہ کے اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں "یعنی اللہ نے ہر شے کے حق میں لکھا ہے کہ ایسے ایسے ہوگا نہ کہ ایسا ایسا ہونا چاہیئے۔ اس کی وضاحت ایسے ہے کہ (لوحِ محفوظ میں) کتابت کے وقت اشیاء موجود نہیں تھیں۔ پھر لوحِ محفوظ میں بطورِ وصف لکھا کہ اشیاء اس کے حکم کے مطابق ہوں گی۔ ایسا نہیں کہ بطورِ حکم کہ لکھا ہو کہ ایسا ہونا چاہیئے"۔

تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس آیت میں تقدیر کا بیان ہے، تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیتیں بھی ہیں:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان:۲) (اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر شدہ اندازے پر رکھا)

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (الاحزاب:۳۸) (اور اللہ کا کام مقرر شدہ اندازے پر ہے)

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر:۴۹) (ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا)

تقدیر کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کا بیان

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کی مقدار کو معین کرنا اور اللہ کی تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کو حکمت کے تقاضے سے مخصوص مقدار مخصوص صفت اور مخصوص مدت کے لیے بنانا اور اس کی دو قسمیں ہیں (۱) کسی چیز کو دفعۃً اور ابتداء کامل بنانا بایں طور کہ اس میں بعد میں زیادتی، کمی یا تبدیلی نہ ہو، جیسے سات آسمان (۲) اس چیز کے اصول موجود بالفعل ہوں اور اس کے اجزاء موجود بالقوہ ہوں اور اس کو اس اندازے سے بنایا جائے کہ اس سے وہ چیز موجود نہ ہو کہ کوئی اور چیز جیسے کھجور کی گٹھلی کو اس اندازے سے بنایا کہ اس سے کھجور ہی پیدا ہوگی، سیب پیدا نہیں ہوگا اور انسان کو منی کو اس اندازے سے بنایا کہ اس سے انسان ہی پیدا ہوگا کوئی اور حیوان پیدا نہیں ہوگا۔

(المفردات: ۲ص ۵۱۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ مبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: احادیث میں تقدیر کا ذکر بہت زیادہ ہے، اس کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس کو حکم کردیا۔ (النہایہ ج ۴ص ۲۰، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ھ)

دراصل یہ دو لفظ ہیں: قضاء اور قدر، علامہ ابن اثیر الجزری نے جو معنی لکھا ہے وہ قضاء کا ہے، اور قدر یعنی تقدیر کا وہی معنی ہے جو علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کے کئی معانی ہیں (۱) کسی چیز کو بنانے اور تیار کرنے میں غور وفکر کرنا (۲) کسی چیز کو ختم کرنے کے لیے علامات مقرر کرنا (۳) دل میں کسی چیز کو سوچنا اور قیاس کرنا۔

القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا نام ہے، انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کا علم تھا، اس کو علم تھا کہ کون انسان کفر کرے گا اور کون انسان ایمان لائے گا، اس نے اپنے اس علم سابق کو لکھ دیا اور جس کے لیے جو لکھا ہے وہ اس پر آسان کردیا۔ ابومنصور ماتریدی نے کہا: اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے متعلق اندازہ (پیشگی علم) تھا کہ وہ جنتی ہوگا یا دوزخی ہوگا اور اسے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا، سو اس نے اپنے اس پیشگی علم کو لکھ دیا اور یہی تقدیر ہے۔ (لسان العرب ج ۱۲ص ۳۷، دار صادر، بیروت ۲۰۰۳ء)

تقدیر کی وضاحت اور اس کا کھوج لگانے کی ممانعت

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں: تقدیر ایمان لانا فرض لازم ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال کو لوح محفوظ میں رکھ دیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اللّٰہُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:۹۶) (اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو)

پس ایمان اور کفر اطاعت اور معصیت سب اللہ کی قضاء اور قدر سے ہے اور اس کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہے، البتہ وہ ایمان سے راضی ہوتا ہے اور کفر سے ناراض ہوتا ہے (دراصل بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے، بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق کہتے ہیں اور بندہ جو برے کاموں پر سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اچھے کاموں میں جو اس کو جزا دی جاتی ہے وہ اس کے کسب کے اعتبار سے ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اطاعت پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اور وہ کفر اور معصیت سے راضی ہوتا، اور اس نے کفر اور معصیت پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور ثواب عطاء فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے، جس پر اس نے کسی مقرب فرشتہ کو مطلع فرمایا ہے نہ کسی نبی مرسل کو (ہماری تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں تقدیر کی حقیقت معلوم ہے اور عام مومنوں کو آخرت میں تقدیر کی حقیقت پر مطلع کیا جائے گا، سعیدی غفرلہ) تقدیر میں غور و خوض کرنا اور عقل سے اس میں بحث کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر اس کے دو فرقے کر دیے، دائیں جانب والوں کو اپنے فضل سے جنت کے لیے پیدا کیا اور بائیں جانب والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے لیے پیدا کیا، ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے امیر المومنین! مجھے تقدیر کے متعلق بتایئے، آپ نے فرمایا: یہ اندھیرا راستہ ہے تم اس میں مت چلو، اس نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا راز ہے جو تم سے مخفی ہے، تم اس کی تفتیش مت کرو۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج۱ص ۲۱۵، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۱ص ۲۵۷، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

خلق اور تقدیر کا فرق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان:۲) (اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر شدہ اندازے پر رکھا)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا، اس کا معنی ہے کہ انسان کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا: اور اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا، یعنی وہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور اس میں وہ خاصیت مہیا کی، جس کی اس میں صلاحیت اور استعداد تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس مقدار اور شکل پر پیدا کیا جس کو تم دیکھ رہے ہو اور اس میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر دین اور دنیا کی کامیابی موقوف ہے، اسی طرح ہر حیوان میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر اس کی دنیاوی مصلحت موقوف ہے اور ہر حیوان کو اس کے حال کے مناسب مقدار اور شکل و صورت پر پیدا کیا، اسی طرح تمام جمادات اور نباتات کو ان کے حسب حال مقدار اور صورت پر پیدا کیا۔

اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے، جب اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ فلاں چیز ہوگی تو اس چیز کا ہونا ضروری ہے اور اس کا نہ ہونا محال ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم، جہل سے بدل جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کسی چیز کے متعلق خبر دی ہے کہ فلاں چیز ہوگی تو اسکا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے کلام کا صدق، کذب سے بدل جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۳۱ ملخصا، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے الفرقان: ۲ کی تفسیر میں لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس میں وہ چیزیں رکھیں جو اس کی حکمت کا تقاضا تھیں۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۴، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں دو لفظ ہیں، پہلے فرمایا: خلق پھر فرمایا: فقدر یہ ظاہر دونوں کا معنی ایک ہے اور یہ تکرار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ خلق کا معنی ہے: اللہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور فقدر کا معنی ہے: اس میں وہ چیزیں مہیا کیں جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے، جیسے انسان کو مخصوص مادے سے مخصوص صورت پر پیدا کیا اور اس میں وہ خصائص اور وہ افعال مہیا کیے جو اس کے لائق ہیں، مثلاً اس میں فہم، اوراک، دنیا اور آخرت کے کاموں میں نظر اور تدبر کو پیدا کیا اور مختلف افعال پیدا کیے۔ (روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۴۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

قضاء معلق اور قضاء مبرم

یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ (الرعد: ۳۹) (اللہ جس (لکھے ہوئے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اسی کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے)

اس آیت کی علماء نے ایک اور تقریر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور ایک تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے اور تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور تقدیر معلق ہے لیکن کسی مرد خدا کی دعا سے اس کے لیے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا، اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے جس کی طرف یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ (الرعد: ۳۹) میں اشارہ ہے، اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ (الرعد: ۳۹) سے اشارہ ہے وہ حقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی کی تو پچاس سال مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہوگی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی

تبدیلی نہیں ہوتی۔حسب ذیل احادیث اس تقریر پر دلالت کرتی ہیں:

رزق میں وسعت اور عمر میں اضافہ کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے یا اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے، اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۸۵،صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۵۷،سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۹۳،السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۴۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اپنے خاندان کے ان رشتوں کو جانو جن سے تم جل کر رہو، کیونکہ رشتہ داروں سے ملنے کے سبب اہل میں محبت بڑھتی ہے، مال میں زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۹۷۹،مسند احمد ج۲ص ۳۷۴،المستدرک ج ۴ص ۱۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے فرمایا: جس شخص کو نرمی اور ملائمت سے اس کا حصہ دیا گیا، اس کو دنیا اور آخرت کی خیر سے حصہ دیا گیا۔رشتہ داروں سے ملنا اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا گھروں کو آباد رکھتا ہے اور عمروں میں اضافہ کرتا ہے۔

ان احادیث کا قرآن مجید سے تعارض

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صلہ رحم سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں:

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (یونس:۴۹) (ہر گروہ کا ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا مقرر وقت آجائے گا تو وہ نہ ایک ساعت موخر ہوسکیں گے اور نہ ایک ساعت مقدم ہوسکیں گے)

ان احادیث کے قرآن مجید سے تعارض کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کی اس آیت میں جس عمر کا ذکر فرمایا ہے، یہ وہ عمر ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور یہ قضاء مبرم ہے، اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوسکتی اور ان احادیث میں جس عمر کے اضافہ کا ذکر ہے یہ عمر قضاء معلق میں ہے، مثلاً اگر کسی شخص نے صلہ رحم کیا تو اس کی عمر سو سال ہے اور اگر قطع رحم کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہے، پس اگر اس نے صلہ رحم کرلیا تو اس کی عمر ساٹھ سال کو مٹا کر سو سال لکھ دی جائے گی اور اگر قطع رحم کیا تو وہی ساٹھ سال لکھی رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ اس نے صلہ رحم کرنا ہے یا قطع رحم کرنا ہے اور اس کی عمر سو سال ہے یا ساٹھ سال اور اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔

تقدیر کے متعلق احادیث اور ان کی تشریحات

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایمان کے متعلق

سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور اس پر کہ ہر اچھی اور بری چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ (الحدیث)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۰، سنن نسائی الحدیث: ۴۹۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں: اہل حق کے نزدیک تقدیر ثابت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کا اندازہ کیا اور اللہ سبحانہ کو علم تھا کہ یہ چیزیں مخصوص صفات پر مخصوص اوقات میں واقع ہوں گی، سو اس علم کے موافق یہ چیزیں واقع ہوتی ہیں اور قدریہ نے اس کا انکار کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ کو مخصوص صفات کے ساتھ چیزوں کے وقوع کا پیشگی علم نہیں ہوتا بلکہ چیزوں کے وقوع کے بعد ان کا علم ہوتا ہے۔ ابن قتیبہ اور امام نے کہا: اہل حق تقدیر کو مانتے ہیں اور افعال کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور یہ جاہل قوم افعال کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف کرتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا: اکثر لوگ قضاء اور قدر کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور اپنی قضاء پر عمل کرنے کے لیے بندوں کو مجبور کر دیا لیکن قضاء قدر کا یہ معنی نہیں ہے۔ قدر کا معنی اللہ تعالیٰ کا پیشگی اندازہ ہے یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم اور قضاء کا معنی ہے، اپنے علم کے موافق چیزوں کو پیدا کرنا۔

(صحیح مسلم، بشرح النواوی ج ا ص ۳۳۹، ۳۴۷ ملخصا، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان معترضین نے جبر کا معنی نہیں سمجھا۔ جبر یہ ہے کہ انسان کی خواہش اور اس کے اختیار کے بغیر اس سے کوئی کام کرایا ہے، جیسے کوئی شخص کسی انسان کی کنپٹی پر پستول رکھ کر اس سے کہے کہ اپنی جیب سے رقم نکالو تو یہ جبر ہے اور جب آدمی اپنی خواہش سے کوئی چیز خریدنے کے لیے جیب سے رقم نکالے تو یہ جبر نہیں ہے، سو ہم اچھے یا برے کام جو بھی کرتے ہیں تو اپنے اختیار سے کرتے ہیں اور ہم جس کام کو اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے اندر وہی کام پیدا کر دیتا ہے، پھر جبر کہاں سے ہو گیا، سو ہم اپنے افعال میں مختار ہیں، مجبور نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اور آپ سب سے زیادہ سچے ہیں کہ تم میں سے کسی ایک کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں رہتی ہے، پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتی ہے، پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار کلمات دے کر بھیجتا ہے، پس وہ اس کا عمل لکھتا ہے اور اس کی مدت حیات لکھتا ہے اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے (دوزخی ہے یا جنتی) پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے، سو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے، پھر اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے ایک شخص اہل دوزخ سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جنت سے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۲)

اس حدیث میں اس پر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے نیک اعمال پر مغرور نہ ہو اور تکبر نہ کرے اور خوف اور امید کے درمیان رہے اور تقدیر پر شاکر اور اللہ کی رضا پر راضی رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے یا اس کا ٹھکانہ جنت میں لکھ دیا گیا ہے، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لیے اس چیز کو آسان کر دیا گیا ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، جو شخص اہل سعادت میں سے ہے اور اس کے لیے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل آسان کر دیے جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (اللیل: ۵،۱۰)

(رہا وہ شخص جس نے عطاء کیا اور اپنے رب سے ڈرا اور اس نے ہر نیکی کی تصدیق کی تو ہم عنقریب اس کے لیے نیک کاموں کو آسان کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی برتی اور اس نے ہر نیکی کی تکذیب کی تو ہم عنقریب اس کے لیے معصیت کا راستہ آسان کر دیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷)

حضرت عمران بن حصین بن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مزینہ کے دو شخصوں نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں کہ آج جو شخص عمل کرتے ہیں، اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لیے مقدر کر دی گئی ہے یا جو کچھ ان کو ان کے نبی نے بتایا ہے یہ اس پر از خود عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان پر مقدر کر دی گئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس: ۷،۸)

(نفس کی قسم اور اس کو درست بنانے کی پھر اس کو بدکاری کی سمجھ دی اور اسے بچنے کی) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۰)

یعنی ہر انسان کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ خیر اور شر، نیکی اور بدی کی پہچان کرا دی اور اس کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز کر سکے، پس جس نے کتاب اور سنت اور عقل سلیم کی ہدایت پر عمل کیا وہ کامیاب ہے اور جس نے اس سے انحراف کیا وہ ناکام ہے۔

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس آیت سے استدلال کا یہ منشاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں نفس انسان کو بھلائی اور برائی سمجھا دی تھی اور اس کو ازل میں علم تھا کہ دنیا میں آ کر انسان اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں، سو اسی علم کے موافق اللہ نے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ (القمر:۵۲)(انہوں نے جو کچھ عمل کیے وہ سب لوح محفوظ میں لکھے ہوئے تھے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں جس سے میں عورتوں سے شادی کروں، گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے، آپ خاموش رہے، میں نے دوبارہ کہا، آپ پھر خاموش رہے، میں نے سہ بارہ کہا، آپ پھر خاموش رہے، میں نے چوتھی بار کہا تو آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ تم نے کرنا ہے اس کو قلم (تقدیر) لکھ کر خشک ہو چکا ہے، سو تم خصی ہو یا اس عمل کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۷۶)

یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم نے اپنے اختیار سے زنا کرنا ہے یا نہیں کرنا اور اسی کے موافق لکھ دیا گیا ہے، سو اب خصی ہونے کا کیا فائدہ ہے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ، تو اس نے لکھ دیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۵۵)

حضرت ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دم کراتے ہیں اور دوا سے علاج کراتے ہیں اور ڈھال وغیرہ کے ذریعہ حملوں سے بچتے ہیں، کیا یہ چیزیں تقدیر کو ٹال دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی اللہ یکتہ قدیر سے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱، سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۳۷)

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیماری کو مقدر کیا ہے، اسی طرح بیماری کے ازالہ کے لیے دوا کو مقدمہ کیا ہے، پس جو آدمی دوا کو استعمال کرے اور اس کو فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ اللہ نے اس کے لیے شفاء کو مقدر نہیں کیا، لیکن وہ صرف ایک بار دوا کو استعمال کر کے مایوس نہ ہو بلکہ مختلف معالجوں سے علاج کرائے اور شفاء کا ہر طریقہ آزمائے اور تاحیات حصول شفاء کی کوشش کرتا رہے، بعض احادیث میں دم کرانے کی ترغیب ہے اور بعض احادیث میں اس کو توکل کے خلاف فرمایا ہے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آیات قرآن اور احادیث میں بیان کیے گئے کلمات سے دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے تو جائز ہے اور اگر شرکیہ کلمات سے دم کیا جائے یا کرایا جائے تو وہ ناجائز ہے اور توکل کے خلاف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے: اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے، کیا آپ کو ہم پر کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بے شک تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان دلوں کو پلٹتا رہتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۴۰، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۷۔۱۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے، المرجئۃ اور القدریۃ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۲، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

المرجئۃ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کی کوئی ضرورت نہیں اور مومن کو گناہوں سے کوئی ضرر نہیں ہوگا اور القدریۃ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے اور انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور کہتا ہے کہ مومن مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: القدریۃ اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مرجائے تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۹۲، مسند احمد ج ۲ ص ۸۶، ۱۲۵، المستدرک ج ۱ ص ۸۵)

مجوس دو خالق مانتے تھے، ایک یزداں جو خالق خیر ہے اور ایک اہرمن جو خالق شر ہے، آپ نے القدریۃ کو اس امت کا مجوس اس لیے فرمایا کہ وہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں اور مجوس کی طرح شرک کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل قدر (منکرین تقدیر) کی مجلس میں نہ بیٹھو اور نہ ان سے (سلام کی) ابتداء کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۱۰، ۴۷۲۰، مسند احمد ج ۱ ص ۳۰)

ان سے ابتداء کی ممانعت کا معنی یہ ہے کہ ان سے ابتداء سلام اور کلام نہ کرو، موخر الذکر دونوں حدیثیں بد مذہبوں اور گمراہ فرقوں سے میل جول اور اسلام وکلام کی ممانعت کی اصل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: چھ شخصوں پر میں نے لعنت کی اور ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعا ہوتا ہے۔ (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا (۳) قوت کے بل پر غلبہ پاکر حکومت اور اقتدار حاصل کرنے والا تاکہ عزت والوں کو ذلیل کرے اور ذلت والوں کو عزت دے۔ (۴) اللہ کے حرام کردہ کاموں کو حلال کرنے والا۔ (۵) میری عترت (اہل بیت) میں ان کاموں کو حلال کرنے والا جن کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ (۶) میری سنت کو (بہ طور تخفیف اور اہانت) ترک کرنے والا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۵۴، المستدرک ج ۱ ص ۳۶، السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث:۴۴، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۴۳۲۸)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل میں پیش آنے والے امور کا ذکر کررہے تھے، اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس کی تصدیق کردینا، اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی پیدائشی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی فطرت پر ہی لوٹ جائے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

بہادری اور بزدلی، سخاوت اور بخل، اسی طرح حلیم اور بدمزاج یا غصہ ور یہ، فطری اور جبلی صفات ہیں، اگر کوئی شخص یہ خبر دے کہ فلاں شخص جو بہادر تھا اب بزدل ہوگیا ہے، یا جو سخی تھا وہ بخیل ہوگیا، یا جو حلیم اور بردبار تھا وہ جلد غصہ میں آنے والا بن گیا ہے، تو اس خبر کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ ان صفات کا تعلق قضاء وقدر سے ہے، اور کسی صفات بدل سکتی ہے جیسے کوئی جاہل عالم بن جائے

تقدیر (علم الٰہی) پر ایمان وعقیدہ اور اس کے فوائد وفضائل

عالم (دنیا) میں جو کچھ بھلا برا ہوتا ہے سب کو اللہ تعالیٰ اس کے ہونے سے پہلے ہمیشہ سے جانتا ہے اور اپنے جاننے کے موافق اس کو پیدا کرتا ہے۔ تقدیر اسی کا نام ہے اور بری چیزوں کے پیدا کرنے میں بہت بھید ہے جن کو ہر ایک نہیں جانتا۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (القمر): ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل) بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے لئے چار امور ہیں:

اول: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے بارے میں اجمالی اور تفصیلی ہر لحاظ سے ازل سے ابد تک علم رکھتا ہے، اور رکھے گا، چاہے اس علم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اپنے افعال کے ساتھ ہو یا اپنے بندوں کے اعمال کے ساتھ۔

دوم: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں امور کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِی كِتَابٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ)

ترجمہ: کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین پر سب کو بخوبی جانتا ہے، اور یہ سب کچھ کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے، اور (ان سب کے بارے میں) علم رکھنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔

(الحج/70)

جبکہ صحیح مسلم (2653) میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے کہ آپ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے: (اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، اور اسے حکم دیا: "لکھو!" تو قلم نے کہا: یا رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: "قیامت قائم ہونے تک آنے والی مخلوقات کی تقدیریں لکھ دو" (ابوداود (4700) نے اسے روایت کیا ہے۔

سوم: اس بات پر ایمان ہو کہ ساری کائنات کے امور مشیتِ الٰہی کے بغیر نہیں چل سکتے، چاہے یہ افعال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتے ہوں یا مخلوقات سے، چنانچہ اپنے افعال کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ)

ترجمہ: اور آپ کا رب جو چاہتا اور پسند کرتا ہے وہی پیدا کر دیتا ہے۔ (القصص/68)

(وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، وہی کرتا ہے۔ (ابراہیم/27)

(هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ)

ترجمہ: وہ ہی ہے وہ ذات جو تمہاری شکمِ مادر کے اندر جیسے چاہتا ہے شکلیں بنا دیتا ہے۔ (آل عمران/6)

جبکہ افعالِ مخلوقات کے بارے میں فرمایا:

(وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ)

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے جنگ کرتے۔ (النساء/90)

اسی طرح سورہ انعام میں فرمایا:

(وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ)

ترجمہ: اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ کچھ بھی نا کر پاتے۔ (الانعام/112)

چنانچہ کائنات میں رونما ہونے والے تمام تغیرات اور حرکات وسکنات اللہ کی مشیت ہی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

چہارم: اس بات پر ایمان لانا کہ تمام کائنات اپنی ذات، صفات، اور نقل وحرکت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اس بارے میں فرمایا:

(اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (الزمر/62)

(وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيراً)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، اور انکا اچھی طرح اندازہ بھی لگایا۔ (الفرقان/2)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

(وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ (الصافات/96)

چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا امور پر ایمان لے آئے تو اس کا تقدیر پر ایمان درست ہوگا۔

ہم نے تقدیر پر ایمان کے بارے میں جو گفتگو کی ہے یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ بندے کی اپنے اختیاری افعال

میں کوئی بس ہی نا چلے، اور بندہ خود سے کچھ کرنے کے قابل ہی نہ ہو، کہ بندے کو کسی نیکی یا بدی کرنے کا مکمل اختیار نا دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ لوگ نیکی بدی سب کرتے ہیں، شریعت اور حقائق اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بندے کی اپنی مشیت بھی ہوتی ہے۔

شریعت سے دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بندے کی مشیت کے بارے میں فرمایا:

(ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ مَآباً)

ترجمہ: قیامت کا دن سچا دن ہے، چنانچہ جو چاہتا ہے وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ مقرر کر لے۔ (النبا/39)

اسی طرح فرمایا: (فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ) تم اپنی کھیتی (بیویوں) کو جس طرح سے چاہو آؤ۔ (البقرۃ/223)

جبکہ انسانی طاقت کے بارے میں بھی فرمایا:

(فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ)

ترجمہ: اپنی طاقت کے مطابق ہی اللہ تعالی سے ڈرو۔ (التغابن/16)

اسی طرح سورہ بقرہ میں فرمایا:

(لا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْساً إِلا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ)

ترجمہ: اللہ تعالی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا، چنانچہ جو اچھے کام کریگا اسکا فائدہ اُسی کو ہوگا، اور جو برے کام کریگا اسکا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔ (البقرۃ/286)

مندرجہ بالا آیات میں انسانی ارادہ، اور استطاعت وقوت کو ثابت کیا گیا ہے، انہی دونوں اشیاء کی وجہ سے انسان جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو چاہتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے۔

حقائق بھی اسی بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہر انسان اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ وہ کام کاج کرنا یا نا کرنا اپنی طاقت اور چاہت کے مطابق ہی کرتا ہے، اسی طرح انسان ان امور میں بھی فرق کر لیتا ہے جو اس کی چاہت کے ساتھ ہوں، جیسے چلنا پھرنا، اور جو اس کی چاہت کے ساتھ نہ ہوں جیسے کپکپی طاری ہونا، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود انسان کی تمام چاہت و قوت اللہ تعالی کی مشیت اور قدرت کے تابع ہوتی ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان:

(لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ○ وَمَا تَشَاءُونَ إِلا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ)

ترجمہ: تم میں سے جو چاہے سیدھے راستے پر چلے○ اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (التکویر/28-29)

(عقلی طور پر بھی) یہ ساری کائنات اللہ تعالی کی بادشاہت میں ہے، اس لئے اس کائنات میں کوئی بھی کام اللہ تعالی کے علم ومشیت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

اچھی بُری تقدیر پر ایمان لانا

ایمان بالقدر یہ ہے کہ اس بات پر یقین لایا جائے اور مانا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہورہا ہے (خواہ وہ خیر ہو یا شر) وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے؛ حتیٰ کہ بندہ کے اختیاری افعال بھی اس کی مشیت اور حکمت وتقدیر کے تابع ہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں کرتا، جن کو وہ پہلے ہی طے کرچکا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ تو کچھ اور چاہتا ہو اور دنیا کا یہ کارخانہ اس کی منشاء کے خلاف اور اس کی مرضی سے ہٹ کر چل رہا ہو، ایسا ماننے میں خدا کی انتہائی عاجزی اور بیچارگی لازم آئیگی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، اس کی بھلائی پر بھی اور اس کی برائی پر بھی؛ یہاں تک کہ یقین کرے کہ جو بات واقع ہونے والی تھی وہ اس سے ہٹنے والی نہ تھی اور جو بات اس سے ہٹنے والی تھی وہ اس پر واقع ہونے والی نہ تھی۔

(جامع ترمذی: ابواب القدر، باب ماجاء فی الایمان بالقدر خیرہ وشرہ، حدیث نمبر: 2144)

تقدیر پر ایمان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ شخص کامیابی میں شکر کریگا اور ناکامی میں صبر کریگا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس آیت میں بتلایا "لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَاتَفْرَحُوْا بِمَآاٰتٰكُمْ" (الحدید) "تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں" (ترجمہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تقدیر کا بہانہ کرکے شریعت کے موافق ضروری تدبیر کو بھی چھوڑ دے بلکہ یہ شخص تو کمزور تدبیر کو بھی نہ چھوڑیگا اور اس میں بھی امید رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس میں بھی اثر دے سکتا ہے اس لیے کبھی ہمت نہ ہاریگا، جیسے بعض لوگوں کو یہ غلطی ہوجاتی ہے اور دین تو بڑی چیز ہے، دنیا کے ضروری کاموں میں بھی کم ہمتی کی برائی حدیث میں آئی ہے؛ چنانچہ "عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا تو ہارنے والا کہنے لگا "حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل" (مطلب یہ کہ خدا کی مرضی میری قسمت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے؛ لیکن ہوشیاری سے کام لو (یعنی کوشش اور تدبیر میں کم ہمتی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہوجائے تب کہو "حَسْبِیَ اللّٰہ وَنِعْمَ الْوَكِيْل"۔

(ابوداؤد، "عن عوفِ بنِ مالكٍ انه حدثهم اَن النبی صلی الله عليه وسلم قضى بين رجلينِ فقال المقضِيُّ عليهِ"الخ، باب الرجل يحلف على حقه، حديث)

ایک جگہ ارشاد ہے: "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰہ" ۔ (النساء)

" آپ فرمادیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف ہے"۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَه یَشْرَحْ صَدْرَه لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّه یَجْعَلْ صَدْرَه ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ" ۔ (الانعام)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے"۔

(حدیث جبرئیل جس میں ایمانیات کو یکجا بیان کیا گیا وہ یہ ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے اور اس پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص اس نو وارد کو پہچانتا نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہر کے آدمی ہیں؛ بہر حال یہ حاضرین کے حلقہ سے گزرتا ہوا آیا) اور اپنے گھٹنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا: اے محمد! مجھے بتلایئے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی "الٰہ" (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو، اس نو وارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا: آپ نے سچ کہا۔

راوی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے، اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا: اب مجھے بتلایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو، اس کے رسول کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور یوم آخرت یعنی روزِ قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو (یہ سن کر بھی) اس نے کہا آپ نے سچ کہا؛ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا: مجھے بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو؛ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکو تو یہ خیال کرو کہ وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے؛ پھر اس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلایئے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا: جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کے بارے میں سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا؛ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلایئے؟ آپ نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی (اور دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا

اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نو وارد شخص چلا گیا؛ پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور صلی اللہ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! کیا تمھیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے تمہاری اس مجلس میں اس لیے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھادیں۔ (مسلم، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، بخاری تقسیم باب سوال جبرئیل النبی، عن ابی ھریرۃ)

تقسیمِ الٰہی پر رضامندگی کی فضیلت:

حضرت ابوالعلاء رضی اللہ عنہ بن الشخیر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی اور خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اپنی قسمت پر راضی کردیتے ہیں، اور اس قسمت میں اس کے لئے برکت بھی عطا فرماتے ہیں، اور جب کسی سے بھلائی کا ارادہ نہ فرمائیں (العیاذ باللہ)، اس کو اس کی قسمت پر راضی نہیں کرتے (یعنی اس کے دل میں قسمت پر اطمینان اور رضا پیدا نہیں ہوتی) اور (نتیجتاً جو حاصل ہے) اس میں بھی برکت نہیں ہوتی"۔

(الزہد لنعیم بن حماد باب فی الرضا بالقضاء، رقم الحدیث: ۱۳۳(۱۲۷) سنۃ الوفاۃ: ۲۲۸ھ)

تقدیر و قضاء پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔

تقدیر کے معنیٰ و مفہوم

تقدیر کے لغوی معنیٰ ہیں اندازہ کرنا، اور اصطلاحِ شریعت میں تقدیر کہتے ہیں، جو کچھ اب تک ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اسی کے مطابق ہو رہا ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

حق جل شانہ نے اس کارخانہ عالم کو پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم ازلی میں اس کا نقشہ بنایا اور ابتداء تا انتہاء ہر چیز کا اندازہ لگایا، اس نقشہ بنانے اور طے کرنے کا نام تقدیر ہے اور اس کے مطابق اس کارخانہ عالم کو بنانے اور پیدا کرنے کا نام قضاء ہے، اسی کو تقدیر و قضاء کہتے ہیں۔

قدر یا تقدیر ایمانیات کا اہم ترین حصہ ہے، تقدیر پر ایمان ایسے ہی لازم ہے جیسے اللہ پر ایمان لازم ہے، جب تک کوئی شخص تقدیر پر ایمان نہ لائے وہ مؤمن ہو ہی نہیں سکتا، اور درحقیقت تقدیر پر ایمان کا تعلق ایمان باللہ سے ہی ہے، اور یہ موضوع اصالۃً ایمان باللہ ہی کا ہے، لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو مستقل ذکر کیا جاتا ہے۔

تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی تخلیق میں ہر چیز اللہ کی جانب سے مخصوص پیمانہ اور خاص مقرر کردہ اندازہ سے بنائی گئی ہے، جس طرح اللہ کی تخلیقات وسیع ترین ہے جس کی انتہاؤں کا علم صرف اللہ کو ہے، اسی طرح ہر مخلوق کس پیمانہ اور مقررہ اندازہ سے تخلیق کی گئی ہے؟ اس کا علمِ کامل بھی صرف اللہ ہی کو ہے، اس علم میں سے کچھ حصہ اللہ نے بندوں کو دیا ہے لیکن اس

علم کا غالب حصہ صرف اللہ جانتے ہیں، اس کی غالب تفصیلات بندوں کو نہیں دی گئی ہیں، اور نہ صرف یہ کہ یہ علم بندوں کو نہیں دیا گیا ہے بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس میں دخل نہ دیں! ورنہ وہ گمراہی کا شکار ہوں گے۔

اس علم کی جملہ تفصیلات بندوں کو کیوں نہیں دی گئیں بالکل واضح اور صاف ہے کہ اس علم کا تعلق اللہ کے افعال اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہے، ظاہر ہے بندہ ان کا کیا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کا تحمل کر سکتا ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کو اس علم سے متعلق جتنے حصہ کی ضرورت تھی وہ بہت ہی واضح طور پر دیا گیا ہے جیسا کہ آگے کی تفصیلات سے معلوم ہوگا، عام طور پر لوگ اللہ کی جانب سے دیے گئے اس علم سے انحراف کی وجہ سے ہی تقدیر کی بابت ٹھوکر کھاتے ہیں اور گمراہی کا شکار ہوتے ہیں، جبکہ بندوں پر لازم ہے کہ وہ اس علم سے چمٹے رہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا ہے، اسی میں ان کی نجات ہے۔

تمام مخلوقات اور تمام بندوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص تقدیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ان کی زندگی اور موت اور ان سے متعلق ہر بات اللہ تعالیٰ نے ایک مقرر پیمانہ کے ساتھ مقدر کر رکھی ہے۔ تقدیر پر ایمان ایسے ہی فرض ہے جیسے اللہ پر ایمان فرض ہے، اور تقدیر کا انکار کفر ہے۔

عقیدہ:

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق بندوں کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر تقدیر مبرم ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر کام کے انجام اور خاتمہ کے متعلق پہلے سے ہی واقف اور پوری طرح آگاہ ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں

(۱) تقدیر مبرم (۲) تقدیر معلق

(۱) تقدیر مبرم: یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل ہوتی ہے، اس میں کوئی بھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، لوح محفوظ میں ایک ہی بات لکھی ہوتی ہے جو ہو کر رہتی ہے۔

(۲) تقدیر معلق: یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل نہیں ہوتی بلکہ اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، اس تقدیر کو اللہ تعالیٰ کسی دوسری چیز کے ساتھ معلق کر دیتے ہیں کہ اگر فلاں کام ہوا تو فلاں دوسرا کام بھی ہوگا اور اگر فلاں کام نہ ہوا تو فلاں دوسرا کام بھی نہ ہوگا، مثلاً زید نے اپنے والدین کی خدمت کی تو اس کی عمر لمبی ہوگی اور اگر خدمت نہ کی تو اس کی عمر لمبی نہ ہوگی۔

تقدیر کے پانچ درجات اور مراتب ہیں

(۱) پہلا درجہ: وہ امور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ازل میں فیصلہ فرمایا تھا، ان امور سے متعلقہ تقدیر کو تقدیر ازلی کہتے ہیں۔

(۲) دوسرا درجہ: وہ امور جنہیں اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کرنے کے بعد اور زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے طے

فرمایا۔

(۷) تیسرا درجہ: وہ امور جو صلبِ آدم علیہ السلام سے ذریتِ آدم علیہ السلام کو نکالنے کے وقت یومِ عہدِ الست میں طے کئے گئے۔

(۸) چوتھا درجہ: وہ امور جو بچہ کے لئے اس وقت طے کئے جاتے ہیں جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

(۹) پانچواں درجہ: وہ امور جو دیگر بعض امور پر موقوف کئے گئے ہیں۔

تقدیر کے ان پانچ درجات میں سے پہلے چار درجات تقدیر مبرم کے درجات ہیں جو کہ اٹل ہیں، ان میں کسی قسم کا تغیُّر و تبدُّل نہیں ہوتا، آخری درجہ تقدیر معلّق کا ہے، اس میں تغیُّر وتبدُّل ہوتا رہتا ہے۔

عقیدہ:

جو بات اللہ تعالیٰ نے کسی کے بارے میں لکھ دی ہے وہ ٹل نہیں سکتی، اور جو بات اللہ تعالیٰ نے کسی کے بارے میں نہیں لکھی ہے وہ اس کو پیش نہیں آسکتی۔

آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے تقدیر کا لکھا جانا:

تقدیر سے متعلقہ اللہ کی صفات میں اہم ترین صفت اللہ رب العزت کا علم کامل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے سے ہی ان کی جملہ تفصیلات سے باخبر تھا، کوئی مخلوق اور ان سے متعلقہ کوئی امر ایسا نہیں جو اللہ کے علم میں نہ ہو، جو کچھ پیش آنے والا ہے از اول تا آخر سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں ہمیشہ سے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے قلم کو پیدا کر کے ان تمام تفصیلات کو لکھوا دیا، جس لوح میں ان تفصیلات کو لکھوایا اس کو لوح محفوظ کہتے ہیں، یہ اللہ کی کتاب ہے جس میں مخلوقات سے متعلق سب کچھ لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نےفرمایا، اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی لکھوا دیا تھا۔ (صحیح مسلم)

ابوحفصہ سے منقول ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا: ایمان کی حقیقت کا مزہ تم اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ تم میں یہ بات یقین تک نہ پہنچ جائے کہ جو حالات تم تک پہنچنے والے تھے وہ تم سے کسی طرح نہیں ٹل سکتے تھے اور جو کچھ تم کو پیش نہیں آیا وہ تمہیں کبھی پیش آ ہی نہیں سکتا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا: لکھو! قلم نے کہا: پروردگار میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تا قیامت ہر چیز کی تقدیر لکھو! حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص اس بات پر ایمان لائے بغیر مرجائے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (سنن ابی داود)

ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ حضرت ولید بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اپنے والد کے پاس اس وقت آیا جب وہ

مرض الموت میں تھے، میں نے ان سے کہا: ابا جان! مجھے کوئی خاص نصیحت کیجئے، انہوں نے کہا: مجھے بٹھاؤ! (میں نے اٹھا کر بٹھا دیا) تب انہوں نے کہا: میرے بچے! تم ایمان کا مزہ چکھ ہی نہیں سکتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم تقدیر خواہ وہ خیر سے متعلق ہو یا شر سے متعلق ہو اس پر ایمان نہ لاؤ، میں نے کہا: ابا جان! مجھے تقدیر کے خیر وشر کا علم کیسے حاصل ہوگا؟ انہوں نے کہا: تم اس بات پر یقین رکھو کہ جو تم سے چھوٹ گیا وہ تمہیں ملنے والا ہی نہیں تھا اور جو تمہیں ملا ہے وہ تم سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا تھا، میرے بچے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا: لکھو! اور جب اللہ نے اس کو حکم دیا اس نے لکھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ قیامت تک جو بھی پیش آنے والا ہے اس کو لکھ دیا، میرے بچے! اگر تمہاری موت اس حالت پر آئے کہ تمہارا اس پر ایمان نہ ہو تو تم جہنم میں داخل ہو گے۔ (مسند احمد، صحیح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے کیا میں تمہیں ایسے کلمات سکھلاؤں جن کو تم اگر یاد رکھو گے تو اللہ بھی تمہیں یاد رکھے گا، جب بھی تم اللہ کو یاد کرو گے اس کو وہیں پاؤ گے، جب بھی تم مانگو تو اللہ سے مانگو، جب بھی تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو، اور یہ جان لو کہ اگر پوری امت جمع ہو کر تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہے تو وہ اس سے زیادہ کسی چیز کا نفع نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ سب جمع ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو اس کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، قلم لکھ کر اٹھ چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن ترمذی)

عقیدہ:

بندوں میں کون سعید اور جنتی ہے اور کون شقی اور جہنمی ہے؟ لکھا جا چکا ہے۔ قلم لکھ چکا ہے، صحیفے خشک ہو چکے ہیں، اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

عقیدہ:

تقدیر کا پہلے لکھ دیا جانا اعمال میں رکاوٹ نہیں بن سکتا، چونکہ اللہ نے لکھ دیا ہے اس لئے بندے وہی کریں گے، ایسا نہیں ہے؛ بلکہ بندے جیسا کرنے والے ہیں اللہ پہلے سے جانتا ہے اسی کو اللہ نے لکھ دیا ہے۔

عقیدہ:

ہر شخص کیلئے وہی عمل آسان ہوگا جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے، اس لئے حکم ہے کہ بندہ ہر حال میں عمل کرتا رہے۔

بندوں میں سے کون سعید یا شقی ہے ان کی پیدائش سے پہلے لکھ دیا گیا ہے:

اللہ کے علم کامل سے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے اس میں یہ بھی شامل ہے کہ کونسے بندہ کا کیا انجام ہوگا، کون شقی ہے کون سعید ہے، کون کامیاب ہوگا اور کون ناکام ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں شرکت کیلئے آئے، تدفین کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تدفین کے انتظار میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا انجام کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے لکھا جا چکا ہے، وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو کیا ہم اس لکھے ہوئے پر سب کچھ چھوڑ کر عمل چھوڑ نہ دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل کرتے رہو، اس لئے کہ جو شخص بھی جس انجام کیلئے پیدا ہوا ہے اس کیلئے اسی کے مناسب عمل آسان ہوگا، جو کامیاب ہونے والوں میں سے ہوگا اس کے لئے کامیابی کے اعمال آسان ہوں گے اور جو ناکام ہونے والا ہوگا اس کیلئے ناکام ہونے والے اعمال آسان ہوں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ اللیل کی آیات فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی ○ پڑھیں۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا دین کیا ہے ہمیں بیان کیجئے؟ گویا کہ ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں آج عمل کس طرح ہوگا؟ کیا قلم جو کچھ لکھ چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے اسی سے متعلقہ عمل ہے، یا اب ہم مستقبل میں جو کچھ کریں عمل اس سے متعلقہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل تو وہی ہوگا جو قلم لکھ چکا ہے اور تقدیر جاری ہو چکی ہے، تو انہوں نے کہا: پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل کرو! جو جس کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس کیلئے اسی کا عمل آسان ہوگا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں، آپ نے کہا: جانتے ہو ان دو کتابوں میں کیا ہے؟ ہم نے کہا: نہیں یارسول اللہ! آپ ہی بتلائیں تو معلوم ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جو داہنے ہاتھ میں کتاب ہے یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے ہے اس میں جنتیوں کے نام ان کے آباء و اجداد اور قبائل کے ناموں کے ساتھ ہیں اور آخر میں ان کا اجمالاً خلاصہ مذکور ہے، اس کتاب میں اب نہ کمی ہوگی اور نہ زیادتی ہوگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا: یہ کتاب بھی اللہ رب العالمین کی جانب سے ہے، اس میں جہنمیوں کے نام ان کے آباء و اجداد کے ناموں اور قبائل کے ناموں کے ساتھ مذکور ہیں اور آخر میں ان کا خلاصہ ذکر کر دیا گیا ہے، اس میں اب کبھی کمی یا زیادتی نہیں ہوگی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر سب کچھ طے ہو چکا ہے تو اب عمل کس لئے کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیدھی راہ چلو اور میانہ روی اختیار کرو! کیونکہ جنتی کا خاتمہ جنت والے عمل پر ہوگا خواہ وہ پہلے کچھ بھی عمل کرتا رہا ہو اور جہنمی کا خاتمہ جہنم والے عمل پر ہوگا خواہ وہ پہلے کچھ بھی عمل کرتا رہا ہو، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو ڈال دیا اور فرمایا: تمہارا پروردگار بندوں کے معاملہ سے فارغ ہو چکا ہے، ایک فریق جنت میں جائے گا اور ایک فریق جہنم میں جائے گا۔

(سنن ترمذی، حدیث صحیح)

عقیدہ:

ہر سال شب قدر میں نئے سال کے تقدیری امور کو لوح محفوظ سے متعین کیا جاتا ہے۔

شب قدر میں تقدیر کا طے ہونا:

یہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل ہی کا حصہ ہے کہ ہر سال اللہ تعالیٰ اس تقدیر سے جو پہلے سے طے شدہ ہے ایک خاص رات میں اس سال میں مخلوقات سے متعلقہ پیش آنے والے مثلاً موت وحیات، رزق و بارش وغیرہ امور کو علیحدہ کرتے ہیں اور ان میں سے جو امور فرشتوں کو سونپا جانا ہو انہیں تفویض کرتے ہیں، یہ عمل اللہ کی جانب سے مقررہ ایک رات میں ہوتا ہے، اس رات کو قدر کی رات کہتے ہیں، قدر کی رات کو اس امتیاز کے علاوہ یہ مقام بھی حاصل ہے کہ وہ ایک بہت ہی بابرکت رات ہے، اس رات میں عبادت کا اہتمام کرنے سے بندہ کو ایک ہزار مہینوں کے برابر عبادت کا اجر وثواب عطاء کیا جاتا ہے۔فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃُ دلائل

حٰمٓ ○ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ○ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ○ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ○ (الدخان) ۔اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ (القدر) ۔

عن ابن عباس قال يكتب من ام الكتاب في ليلة القدر ما يكون في السنة من موت وحياة ورزق ومطر حتى الحجاج يقال يحج فلان ويحج فلان ۔ (شفاء العليل)

عقیدہ:

رحم مادر میں پروان چڑھ رہے جنین کے بارے میں اس کی تقدیر کی تجدید کی جاتی ہے۔

رحم مادر میں جنین کیلئے پیدا ہونے سے پہلے چار چیزوں کا تعین:

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا حصہ ہے کہ جب کوئی نطفہ رحم مادر میں قرار پا جاتا ہے اور اس کی زندگی اللہ کی جانب سے مقرر ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے علم سے اور لکھی ہوئی تقدیر سے رحم مادر سے متعلقہ فرشتے کے ذریعہ اس جنین کے دنیا میں آنے سے پہلے اس کی مدتِ عمر، اس کے رزق، اس کے عمل اور اس کے شقی یا سعید ہونے کو لکھوا دیتے ہیں، پھر اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے، خواہ ایک شخص زندگی میں جو کچھ بھی عمل کرتا رہا ہو مرنے سے پہلے اس کی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہی چیز سبقت لے جاتی ہے، کوئی جنتی ہو تو وہ جنتی اعمال کرتا ہے اور اگر کوئی جہنمی ہو تو وہ جہنمی اعمال کرنے لگتا ہے۔

عقیدہ:

مخلوقات کی تقدیر اللہ کے علم کامل، اس کی مشیت اور اس کی قدرت کاملہ کی مظہر ہے۔

اللہ کا علم کامل، مشیت اور قدرت کاملہ

اس بات کو سمجھ لینا تقدیر سمجھنے کیلئے کافی ہے کہ تقدیر کا تعلق اللہ تعالیٰ کی چند خاص صفات سے ہے، یعنی اللہ کا علم کامل، اس کی مشیت اور اس کی قدرت کاملہ، جو کچھ ہوتا ہے صرف اللہ کی مشیت اور اس کے اذن سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا ہے اپنے کمال علم اور کمال قدرت سے کیا ہے، مخلوقات کا کوئی جزء ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم کے دائرہ سے خارج ہو اور مخلوقات کا کوئی جزء ایسا نہیں ہے جو اس کی قدرت سے باہر ہو اور کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو اس کی مشیت اور اذن کے بغیر وجود میں آجائے۔

عقیدہ:

تکوینی حکم اور تشریعی حکم دونوں کو ماننا لازم ہے۔

تقدیری اور تکوینی حکم اور تشریعی اور دینی حکم:

اللہ تعالیٰ کے امر اور قضاء کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیری اور تکوینی امر و قضا اور دوسرا تشریعی اور دینی امر و حکم، پوری کائنات اللہ تعالیٰ کے تکوینی اور تقدیری امر اور حکم کی مخاطب ہے، جس میں تمام مخلوقات شامل ہیں، تمام جاندار، حیوانات، نباتات، جمادات، انسان، جن اور فرشتے سب اس میں داخل ہیں اور ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک مخصوص پیمانہ اور مقررہ اندازہ مقدر ہے، اور سب اس مقررہ پیمانہ میں گھوم رہے ہیں اور اس کے تقدیری حکم کی تعمیل میں جٹے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا امر و حکم تشریعی و دینی ہے، یہ خاص مکلّف بندوں یعنی انسانوں جنوں کیلئے ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک تقدیر مقرر ہے، جس میں مکلّف بندوں کیلئے رہنمائی اور ہدایت ہے، اور اس میں ابتلاء و آزمائش کیلئے انہیں ارادہ اور اختیار کا دیا جانا، ان کے کسب اعمال کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعمال کی تخلیق شامل ہے۔

یہاں ہم پہلے اللہ تعالیٰ کے تکوینی اور تقدیری امر اور حکم کی کچھ تفصیل پیش کریں گے، کیونکہ یہ مخلوقات کیلئے اللہ کی جانب سے مقررہ تقدیر کو کھولنے والا مضمون ہے اور پھر تشریعی و دینی امر و حکم اور اس سے متعلقہ تقدیری پہلو کو ذکر کریں گے۔

عقیدہ:

کائنات کی ہر چیز کو اللہ نے خاص اندازہ اور پیمانہ سے بنایا ہے اور اس کی تقدیر لکھ رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں پیدا کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کی صفت الخالق کے ساتھ اہم ترین صفت ہے قدرت، یعنی اللہ تعالیٰ القدیر، القادر اور المقتدر ہے، اللہ تعالیٰ کے القدیر ہونے میں جہاں یہ شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے، وہیں اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص پیمانہ اور مقررہ اندازہ میں پیدا کیا ہے۔

ہر چیز کی ساخت اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اندازہ میں بنائی ہے اور وہ خاص اندازہ اتنا کامل و مکمل ہوتا ہے کہ نہ اس سے

کچھ زیادہ کا پیمانہ صحیح اور درست ہوسکتا ہے نہ اس سے کم کا پیمانہ صحیح و درست ہوسکتا ہے۔

تخلیق اور تقدیر دونوں صفات لازم وملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ جس شئے کو بھی پیدا کرتے ہیں ایک خاص اندازہ اور پیمانہ میں پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق اس کا ثبوت ہے، گویا ہر تخلیق میں اللہ کی تقدیر شامل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جس بھی شئے کو ایک مخصوص پیمانہ میں پیدا کرتے ہیں، اس کیلئے اس کا صرف حکم کن ہی کافی ہے، اللہ مخصوص اندازہ اور مقررہ پیمانہ میں بناتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو کسی چیز کو کسی مقررہ پیمانہ میں پیدا کرنے کیلئے اور منصوبہ بندی کیلئے وقت نہیں لگتا وہ صرف کسی شئے کو ہونے کا حکم دیتا ہے اور اس کے علم اور قدرت کے کمال کا یہ حال ہے کہ وہ شئے فوراً اس کامل ومکمل پیمانہ میں وجود میں آموجود ہوتی ہے۔

ہاں اللہ تعالیٰ بعض چیزوں کو مراحل میں بھی پیدا کرتا ہے، مثلاً رزق کو پیدا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بارش، زمین کی اگانے، سورج سے پکانے وغیرہ کے مراحل رکھے ہیں، لیکن کسی چیز کی مراحل اور تدریج میں تخلیق سے اللہ کی حکمتیں وابستہ ہوتی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور زمین میں مختلف مخلوقات کو مراحل میں پیدا کیا ہے اور خاص طور سے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

عقیدہ:

زمان ومکان ہر دو کا خالق اللہ ہے، ہر دو کو اللہ نے خاص اندازہ اور خاص پیمانہ سے بنایا ہے۔

زمان ومکان کی تقدیر:

کائنات کی ہر شئے اللہ کے حکم کن کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہے اور اللہ کی مخلوق ہے، زمان ومکان بھی اللہ کی مخلوق ہے، زمان ومکان یعنی کائنات کی ہر چار ابعادی شئے اللہ کی جانب سے ایک خاص اندازہ اور پیمانہ میں بنائی گئی ہے، یہ پوری کائنات جس کی حیرت انگیز وسعتوں کی انتہاء صرف اللہ جانتا ہے مکان اور زمان پر مشتمل ہے اور اللہ کی تخلیق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص پیمانوں اور مقررہ اندازوں پر بنایا اور استوار کیا ہے۔

ہر سہ ابعادی شئے یعنی جس کو لمبائی، طول Length ( ) چوڑائی، عرض Width ( ) اور اونچائی، بلندی Height کے پیمانوں سے ناپا جاسکے مکانیت کی تعریف میں آتی ہے، مکانیت کیلئے یہ سہ ابعاد خاص اندازہ سے بنائے گئے ہیں، اور اس کے ساتھ جڑا ہوا چوتھا عنصر یعنی زمانہ جو مکانیت کا لازمہ اور اضافیت ہے، یعنی مکان کے متحرک ہونے کا دورانیہ وہ بھی مکان کے ساتھ اللہ کی تخلیق ہے، زمانہ کا کوئی اپنا مطلق وجود نہیں ہے بلکہ مکانیت کی تحریک کا وقت زمانہ بنتا ہے، پوری سہ ابعادی کائنات جس میں کائنات کا ہر جزء اور ہر گوشہ شامل ہے اپنی پیدائش سے متحرک ہے اور وسیع پذیر ہورہا ہے، اس سہ ابعادی کائنات کے آغاز سے آخر تک اس کی تحریک کا دورانیہ اس کی اجل اور اس کا زمان ہے۔

یہ چاروں ابعاد یعنی زمان ومکان کا کوئی وجود نہیں تھا، پھر ایک مخصوص مرحلہ پر اللہ کے حکم کن سے پیدا ہوئے ہیں، اللہ

تعالیٰ نے انہیں خاص اندازہ اور مقررہ پیمانہ میں پیدا کیا ہے، اور ایک وقت آئے گا جب اس کو ختم کردیا جائے گا اور اپنے مقررہ وقت میں ختم ہونے میں نہ پہل ہوگی نہ دیری ہوگی، اس کے آغاز انجام اور درمیانی وقفہ سب میں اللہ کی تقدیر کارفرما ہے۔

زمین کے دن اور رات وقت کا ایک پیمانہ ہے؛ لیکن پوری کائنات کیلئے نہیں بلکہ صرف زمین کے لئے ہے، جو سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے سے بنتا ہے، گویا سورج جو سہ ابعادی ہے زمین کے گرد اس کی تحریک کا ایک مخصوص دورانیہ دن اور رات بناتا ہے، کائنات کی وسعتوں میں دن ورات کے پیمانے ایسے ہی سیاروں اور کہکشاؤں کی تحریکات سے بڑے ہوتے جاتے ہیں، بعض دن ایسے بھی ہیں جو ہماری زمین کے دن کے حساب سے ایک سال کا ایک دن ہوتا ہے، اور مزید وسعتوں میں بعض دن ایسے ہیں جو ہماری زمین کے دن کے حساب سے پچاس ہزار سال کا صرف ایک دن ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا تو وہ پچاس ہزار سال کسی کیلئے صرف ایک دن ہے، باقی اللہ کے لئے زمانیت کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہماری تخلیق اور سب کے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانے ایک پلک جھپکنے کے دورانیہ جیسا ہے، زمان ومکان کی طرح اللہ کی مخلوق ہے اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص اندازہ اور مقررہ پیمانہ سے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن بنایا ہے، جبکہ آسمان اور زمین مکان اور ان کی تحریک زمان ہے، پھر وہ ایام کونسے تھے جس میں اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے، اس کو سمجھنے کیلئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ قرآن نے کہا ہے کہ جنت میں صبح وشام رزق ملے گا، حالانکہ صبح شام کا تعین سورج کی تحریک اور طلوع وغروب سے ہوتا ہے، جبکہ جنت میں سورج کی تحریک اور طلوع وغروب کا کوئی موقع نہیں ہے، اس کا مفہوم ایک مقررہ مقدار وقت میں انہیں مستقل رزق ملتا رہے گا۔

اسی طرح ایک مقررہ مقدار وقت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی ہے، جس کو ایام اور چھ ایام سے تعبیر کیا ہے، یہ ایام ہمارے پیمانہ کے ایام بھی ہو سکتے ہیں، ہمارے پیمانہ سے ایک ہزار سال کے دورانیہ کے ایام بھی ہو سکتے ہیں، اور ہمارے پیمانہ سے پچاس ہزار سال کے دورانیہ کے ایام بھی ہو سکتے ہیں۔

آخری اور اہم بات وہ لمحہ جس میں کائنات حکم کن کے ذریعہ عدم سے وجود میں آئی اور ذوات اشیاء وجود پذیر ہوئے وہ بیک لحہ اللہ کے حکم سے وجود پذیر ہوئے ہیں، ہاں ان کو اللہ نے اپنی حکمتوں اور مصلحتوں سے اپنی اپنی جگہ پر قرینہ سے چھ ایام میں لگایا ہے۔ ان سب میں اللہ کی تقدیر اور مخصوص پیمانہ اور مقررہ اندازہ کارفرما ہے اور ان کی ان پیمانوں اور اندازہ میں تخلیق ہی ان کی تقدیر ہے۔ (تفسیر رازی)

عقیدہ:

افلاک اور ستاروں وسیاروں کو اللہ نے خاص انداز ہ اور پیمانہ سے پیدا کیا ہے اور ان میں بھی اللہ کی جانب سے مقررہ تقدیر کارفرما ہے۔

افلاک اور سیاروں کی تخلیق اور ان کی توسیع میں اللہ کا پیمانہ:

خلاء اور افلاک میں موجود سورج، چاند، زمین، اور دیگر ستاروں اور سیاروں کی ساخت اور ان کا قطر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انداز ہ سے بنایا ہے، ان میں چھوٹے بڑے ستارے اور سیارے ہیں، جن کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فاصلہ ایک خاص انداز ہ سے رکھا ہے، اور ان کے درمیان ایک خاص قسم کی کشش رکھی ہے، ایک ستارہ وسیارہ دوسرے ستاروں اور سیاروں کو اپنی کشش سے اپنی جانب کھینچتا ہے، جبکہ ایک دوسرا ستارہ اس کو اپنی جگہ پر باقی رکھنے کیلئے دوسری جانب سے اپنی کشش سے کھینچ رہا ہے، اگر یہ دوسرے ستارے کشش کے تناسب کو باقی رکھنے کیلئے نہ ہوتے تو یہ ستارے آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ختم ہو جاتے، ان میں کشش کا تناسب اس ذریعہ سے بھی برقرار رکھا گیا ہے کہ کچھ کا حجم چھوٹا کچھ کا بڑا اور کچھ کا اتنا بڑا ہے کہ ان کا بیان تک الفاظ میں کبھی اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرسکتا جیسے کہ وہ بڑے ہیں۔

زمین کا رقبہ سات ہزار مربع میل سے زائد ہے، اور سورج زمین سے گنا بڑا ہے، اگر زمین اپنی کشش کھودے تو وہ سورج کی جانب تیزی سے کھینچ کر جائے اور ایک تنکہ کی طرح اس سے لگ جائے، جبکہ خلاء میں بے شمار تعداد میں ستارے اللہ تعالیٰ نے سورج سے لاکھوں گنا بڑے بنائے ہیں۔ یہ ستارے آپس میں ایک خاص قسم کی کشش سے مربوط کئے گئے ہیں، اور انھیں ستاروں اور سیاروں سے کہکشائیں وجود میں آئیں، اب تک دریافت شدہ ایسی کہکشائیں اس کائنات میں تقریباً کئی بلین ہیں، جن میں سے ہر کہکشاں میں کئی بلین سیارے موجود ہیں، جن میں جیسا کہ اوپر کہا گیا لاتعداد ستارے ہمارے سورج سے ہزاروں اور لاکھوں گنا بڑے ہیں، یہ فضا میں چکر لگا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت سے انہیں ایک ایسے نظام میں مربوط کر رکھا ہے کہ یہ سیارے ایسی ناقابل یقین تعداد میں ہونے کے باوجود آپس میں ٹکراتے نہیں ہیں، ربط اور کشش سے ٹوٹ کر بسیط خلاء میں کہیں گرنہیں جاتے، ان سب کے درمیان ایک خاص فاصلہ کا پیمانہ مقرر ہے کہ اگر ان دوریوں میں ذرا بھی کمی ہو تو آپس میں ٹکرا جائیں، یا ان کے فاصلہ میں زیادتی ہو جائے تو یہ خلاء میں بکھر جائیں، یہ اپنے درمیان لاکھوں کروڑوں نوری سالوں کا فاصلہ رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی کشش کے رابطہ میں لاکھوں سال سے مربوط ہیں، اور ایک دوسرے کو بکھرنے نہیں دیتے۔

پھر اللہ کی قدرت اور انداز ہ کا ایک حیرت انگیز مظہر یہ ہے کہ یہ لاکھوں کروڑوں سیارے اس کشش کو برقرار رکھے ہوئے ہیں اور ان میں آپس میں مسلسل وسعت ہو رہی ہے، یعنی ان کے آپس کا درمیانی فاصلہ ہر آن اور ہر لمحہ دور ہو کر پھیل رہا ہے، اگر یہ پھیلاؤ رک جائے یا تیز ہو جائے تو بھی یہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے، یہ پھیلاؤ ان کی تخلیق کے آغاز سے ہو رہا ہے اور مستقل اور مسلسل بڑھتا جا رہا ہے، یہ پھیلاؤ اس تناسب اور موزونیت اور TuningFine کے ساتھ ہو رہا کہ اس میں

اگر دسواں یا سواں یا ہزارواں یا لاکھواں نہیں بلکہ کروڑواں حصہ بھی تیزی یا سست رفتاری آ جائے تو بھی یہ عظیم کائنات سیاروں کی آپسی کشش ٹوٹنے سے تباہ و برباد ہو جائے گی، گویا یہ پھیلاؤ ایک پل صراط پر ہو رہا ہے، لیکن پھر بھی یہ سب کچھ ۱۵ بلین برس سے مستحکم طور پر جاری ہے۔

یہ اللہ کا مقرر کردہ پیمانہ اور اندازہ ہے افلاک کی تخلیق، اور ان کی بقاء اور ان کی توسیع میں یہ اللہ کی تقدیر ہے جو ازل سے اللہ کے علم میں ہے اور اس کی مشیت اور قدرت سے وجود میں آئی ہے۔

عقیدہ:

زمین اور اس میں موجود ہر شئے کو اللہ تعالیٰ نے خاص پیمانہ اور مقررہ اندازہ سے بنایا ہے، زمین کی ہر شئے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کارفرما ہے۔

تخلیق زمین اور اس کے متعلقات کی ساخت میں پیمانہ:

انہیں کہکشاؤں اور سیاروں کا ایک حصہ زمین بھی ہے، جو حیوانات کا گھر ہے یعنی انسانوں اور جنوں کا بھی، اللہ تعالیٰ نے اسی زمین میں انسان کو اپنا خلیفہ بنانا طے کیا اور اسی زمین کی جانب انسانوں اور جنوں کو ایک مخصوص وقت میں اتارا کہ ایک مقررہ وقت تک انہیں اس زمین میں رہنا ہے، جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر اتارا اور جس وقت تک ان کو زمین میں رہنا ہے سب پہلے سے اللہ کی جانب سے مقدر اور طے ہے۔

اس زمین کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اندازہ سے بنایا ہے، جس میں ہر وہ شئے انتہائی تنظیم و ترتیب اور تناسب و موزونیت کے ساتھ خاص مقدار اور اندازہ میں جمع ہے جو حیاتِ حیوانات اور ان کی بقاء کیلئے ضروری ہو، زبانِ حال سے مخلوقات نے جو کچھ چاہا ان کیلئے اس میں مہیا کر دیا گیا، اگر انسان اللہ کی ان نعمتوں کو گننا چاہے تو ان کا شمار نہیں کر سکتا جس کا اندازہ ذیل کی تفصیلات سے لگا سکتا ہے، جو اللہ کی نعمتوں کی صرف ایک معمولی سی جھلک ہے۔

عقیدہ:

پانی کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اندازہ اور مقررہ پیمانہ میں پیدا کیا ہے، اس میں بھی اللہ کی تقدیر کارفرما ہے۔

سرچشمہ حیات پانی کا پیمانہ:

اللہ تعالیٰ نے حیات کی بنیاد پانی کو بنایا اور اس پانی کو اسی زمین پر نہ صرف پیدا کیا بلکہ اس کے ذخیرے اس میں کر دئے، حیات کی یہ بنیاد کسی دوسرے سیارے میں نہیں ہے، پھر ذخیرہ آب کا کرہ ارض پر ایسا انتظام فرمایا کہ یہ یہاں ختم ہی نہیں ہوتا۔

پانی اپنے مرکبات سے جس طریقہ سے بنتا ہے اس کا ایک خاص پیمانہ مقرر ہے، اگر اس کے مرکبات میں نہایت درجہ کا

تغیر ہو جائے کچھ کمی یا زیادتی ہو جائے تو پانی بھی پانی نہیں بن سکتا ہے، یہ خاص پیمانہ اللہ کا مقرر کردہ ہے۔

پھر جتنا پانی بننا تھا بن چکا، اب پانی کی طبیعت بدل کر جب ہوا اس کی شکل اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی کو پھر پانی میں بدلنے کا نظام بنایا، اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر بارش کا نظام جاری فرمایا، یہ سیارے جو خلاء میں گھومتے رہتے ہیں ان کو اللہ نے ایک نظم میں اس زمین سے متعلق کردیا، چنانچہ خود یہ زمین اور اس کے اطراف کے سیارے جیسے سورج چاند وغیرہ آپس میں ایک دوسرے کے گرد گھومتے ہیں، انہیں کے گھومنے سے موسم کی تبدیلی ہوتی ہے جس سے ایک مخصوص اور اللہ کی جانب سے مقررہ وقت میں زمین پر گرمی رہتی ہے، ایک مخصوص اور اللہ کی جانب سے مقررہ وقت میں سردی رہتی ہے، ایک مخصوص اور اللہ کی جانب سے مقررہ وقت میں بارش ہوتی ہے اور ایک مخصوص اور اللہ کی جانب سے مقررہ وقت میں بہار کا موسم رہتا ہے، یہ سب امور ہزاروں سال سے جاری ہیں، یہ اللہ کی جانب سے مقررہ نظام ہے، اور اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو ایک خاص اندازہ سے پیدا کیا ہے اور ایک خاص اندازہ سے اس کو چلا رہا ہے، جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی۔

عقیدہ:

زمین میں اللہ نے رزق کو ایک خاص اندازہ میں پیدا کیا ہے اور مقررہ پیمانہ میں نازل کرتا رہتا ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ تقدیر کارفرما ہے۔

تخلیق رزق کا پیمانہ:

اللہ تعالیٰ نے اسی زمین کو حیوانات کے رزق کا ذریعہ بنایا، زمین پر بارش ہوتی ہے، اور زمین رزق کے خزانے اگلتی ہے، زمین سے جو پیداوار اگتی ہے اس کو پکانے کیلئے پھر وہی سیاروں کا زمین کے گرد گھومنے کا نظام ذریعہ بنتا ہے، سورج کی گرمی زمین سے اگنے والی کھیتیوں اور درختوں پر ظاہر ہونے والے پھلوں کو پکاتی ہے، یہ نظام اللہ نے ایک خاص اندازہ اور پیمانہ سے مقرر کیا ہے، بارش کی مقررہ مقدار کی کثرت سے کھیتی تباہ ہو جاتی ہے، اور سورج کی گرمی کی کمی یا حد سے زیادہ گرمی فصلوں کو خراب کردیتی ہے، یہ سب اسباب ایک مخصوص پیمانہ میں رزق کی پیداوار دینے میں مصروف ہیں، یہ اللہ کی جانب سے مقرر اور اس کی تقدیر کا حصہ ہے۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس معمول کے نظام میں اپنی آیات دکھانے، یا غفلت سے بیدار کرنے کیلئے فرق بھی کردیتا ہے، جس کے بعد بندہ چاروناچار اس کے آگے گڑگڑانے اور اس کے سامنے اپنے فقر کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن جب یہ اسباب اپنے معمول کے مطابق کام کرتے ہیں تو بہت کم شکر گذاری کرتے ہیں، اکثر ان نعمتوں اور رحمتوں سے بالکل غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔

عقیدہ:

زمین کو ستاروں اور افلاک کے نقصانات اور حادثات سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک محفوظ چھت کو بنایا ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کارفرما ہے۔

سقف محفوظ فضائی پیمانہ:

فضائے بسیط میں سیارے اپنی نہایت درجہ مہلک تپش چھوڑتے ہیں، اسی طرح ان میں سے بہت سوں سے غیر معمولی روشنی کا اخراج ہوتا ہے، بہت سے سخت برفیلی ٹھنڈک چھوڑتے ہیں، اور ان میں سے بہت سوں سے مہلک شعاعیں نکلتی ہیں، اگر یہ سب یا ان میں سے کوئی ایک بھی راست زمین تک پہنچ جائے تو زمین پر زندگی باقی نہ رہے، ان سے محفوظ رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے زمین کے گرد ایک خاص محفوظ چھت کو بنایا ہے، جس سے ان مادوں کے مہلک اثرات زمین تک نہیں پہنچ پاتے، لیکن ساتھ ہی حیرت انگیز طور پر ان تمام مادوں کے ضروری اجزاء جو زندگی کی بقاء کیلئے از حد لازمی ہیں چھن چھن کر زمین پر آتے ہیں اور ان کے مہلک اثرات اس چھت کے پرے علیحدہ کردیئے جاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں اس کی تقدیر کا حصہ ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۔(الانبیاء)

عقیدہ:

ہواؤں کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اندازہ اور پیمانہ سے بنایا ہے، اس میں بھی اللہ کی جانب سے مقرر کردہ تقدیر کارفرما ہے۔

ہواؤں کا پیمانہ:

اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کا ایک مخصوص نظام بنایا ہے، ہواؤں کا یہ نظام اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے، جو ایک خاص مقررہ پیمانہ پر چلتی ہیں، اگر یہ ہوائیں اس مخصوص پیمانہ کے ساتھ زمین پر نہ ہوتیں تو کرہ ارض پر زندگی محفوظ ہی نہ ہوتی۔

کرہ ارض کے گرد اللہ تعالیٰ نے ہوائی کرہ رکھا ہے جو زمین کو گھیرے رکھتا ہے، اس ہوائی کرہ کی کئی پرتیں و پردے ہیں، ان میں سے ایک وہی ہے جو جس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ اللہ نے اس کو سقف محفوظ بنایا ہے، اس کے علاوہ بھی ہوا کی کئی پرتیں زمین کے گرد موجود ہیں۔

ہوائیں کہیں کم اور کہیں زیادہ ہوتی ہیں، جہاں ہوا زیادہ ہوتی ہے وہاں ان کا دباؤ بڑھ جاتی ہے، اور جہاں کم ہوتی ہیں وہاں ان کا دباؤ کم ہوتا ہے۔

ہواؤں کو اللہ تعالیٰ نے بارش کو لانے کا ذریعہ بنایا ہے، ایک سادہ آنکھ سے دیکھنے والا بھی اس کو بآسانی دیکھتا ہے کہ ہوائیں بادلوں کو ادھر ادھر لئے پھرتی ہیں، لیکن ہواؤں کا نظام اس سے کہیں بڑھ کر ہے، سمندر سے پانی کو ذرات کی شکل میں اٹھانا اور پھر ان کو بادلوں کی شکل میں ڈھالنا اور پھر ان کو زمین میں لئے پھرنا اور مختلف جگہوں پر بارش برسانا یہ سب ہواؤں کا کام ہے، سمندر کے پانی کو ذرات کی شکل میں اٹھانا ایک نہایت پیچیدہ اور غیر معمولی نظام ہے جو ایک مخصوص مقررہ پیمانہ کے تحت ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا حصہ ہے، اور پھر یہ اس بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے کہ خشکی پر موجود جانداروں کی سال بھر کی

پانی، رزق اور موسمی تبدیلی کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور پھر سال بہ سال ہوتا رہتا ہے، یہ سب اللہ کی جانب سے مقررہ پیمانہ اور مخصوص اندازہ سے انجام پا رہا ہے۔

عقیدہ:

اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوقات کی رہائش کیلئے فرش ایک خاص اندازہ اور پیمانہ سے بنایا ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ تقدیر کارفرما ہے۔

زمین کی رہائش کا پیمانہ:

پھر اس زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس پر رہنے والوں کیلئے فرش بنایا جس پر وہ چلتے پھرتے ہیں، اپنے مکان تعمیر کرتے ہیں، اس کو کھود کر پانی نکال لیتے ہیں، زمین نہ بہت زیادہ سخت ہے کہ اس کو کھودا ہی نہ جاسکے، نہ بہت زیادہ نرم ہے کہ انسان اس میں دھنستا چلا جائے، یہ ایک خاص اندازہ اور مقررہ پیمانہ سے بنائی گئی ہے۔

خود زمین میں اتنی کشش ہے کہ وہ دور دراز کے سیاروں کو اپنی جانب کھینچتی ہے، اگر دوسرے سیارے آپس میں ایک دوسرے کی کشش میں نہ ہوں تو بعض سیارے زمین کی کشش سے کھینچ کر آکر اس سے ٹکرائے جائیں، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ خود زمین پر جو چیزیں ہیں مثلاً اس پر بسنے والے انسان اور جانور وغیرہ زمین کی کشش سے زمین کے اندر دھنس جاتے لیکن یہ اللہ کا ایک خاص نظام ہے کہ دوسرے سیارے اپنی کشش سے زمین پر موجود چیزوں کو اپنی جانب کھینچتے ہیں جس سے زمین پر موجود یہ مخلوقات زمین میں دھنسنے نہیں پاتیں، پھر اسی طرح جب دوسرے سیارے زمین کی مخلوقات کو اپنی کشش سے اپنی جانب کھینچتے ہیں تو ان مخلوقات کو فضاء میں معلق ہو جانا چاہئے لیکن یہ اللہ کا مقرر کردہ پیمانہ ہے کہ زمین کی کشش اور دوسرے سیاروں کی کشش کو اتنی موزونیت اور تناسب کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے کہ مخلوقات زمین کی سطح سے اوپر غیر اختیاری طور پر معلق نہیں ہو پاتیں، ہاں پرندوں میں خود اللہ نے ایسا جدا نظام رکھا ہے کہ وہ فضاء میں اپنے اختیار سے اڑتے پھرتے ہیں، زمین کی کشش اور دیگر سیاروں کی کشش کے ذریعہ سطح ارض پر مخلوقات کو ایک مخصوص طریقہ سے جمانا اس طرح سے کہ انہیں اپنے کام کرتے ہوئے اور زندگی گذارتے ہوئے ان دونوں کی کشش کا اندازہ ہی نہ ہو اور وہ بغیر کسی الجھن اور تردد کے جیتے رہیں، جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کی گود میں ہو، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص مقرر کردہ پیمانہ ہے اور اس کی مخلوقات کی تخلیق میں تقدیر کا حصہ ہے، پھر اسی طرح بیکراں خلاء میں زمین ہزاروں کیلومیٹر کی رفتار سے سفر طے کر رہی ہے، اس کے باوجود ہم اس پر نہایت چین سے جیتے ہیں، اس کی یہ غیر معمولی حرکت ہمیں محسوس تک نہیں ہوتی، یہ محفوظ گوشہ ہمارے لئے ایک خاص پیمانہ اور مقررہ اندازہ سے بنایا گیا ہے۔

عقیدہ:

دن و رات اور ان کو ایک کے بعد دوسرا لانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص پیمانہ مقرر کیا ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی

جانب سے مقرر کردہ تقدیر کارفرما ہے۔

دن اور رات کا پیمانہ:

زمین پر معاش کے نظام کو جاری رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا نظام بنایا، رات اور دن کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے ایک خاص پیمانہ سے جاری کیا ہے اور مخلوقات کی پیدائش میں اس کی تقدیر کا حصہ ہے، دن کو کام کیلئے اور رات کو آرام کیلئے بنایا، کام کرنے کیلئے روشنی اور کھلا ماحول چاہئے جو دن میں مقرر کیا اور رات کو تاریکی والی بنایا تاکہ مخلوقات اس میں آرام کر کے اپنی تھکن مٹائیں اور نیند کو تھکن ختم کرنے کا ذریعہ بنایا، رات اور دن کا یہ نظام جس خاص پیمانہ کے ساتھ مقرر ہے، اگر صرف دن ہوتا تو بندے قیامت تک محنت کر کے رات نہیں لا سکتے اور اگر صرف رات چھائی رہتی تو بندے قیامت تک محنت کر کے دن نہیں لا سکتے، رات اور دن کا یہ خاص پیمانہ اللہ کی جانب سے مقرر ہے اور مخلوقات کی پیدائش میں اس کی تقدیر کا حصہ ہے۔

عقیدہ:

حیوانات کی تخلیق میں تناسب اور موزونیت کیلئے اللہ تعالیٰ نے خاص اندازے اور پیمانے مقرر کئے ہیں، اور یہ پیمانے حیرت انگیز خصوصیات کے حامل ہیں، ان سب میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ تقدیر کارفرما ہے۔

تخلیق حیوانات کی ساخت میں پیمانہ:

اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق میں تناسب اور موزونیت ہے، جس کا ہم دن و رات مشاہدہ کرتے ہیں، پھر بھی اس پر غور نہیں کرتے، جبکہ ہر مخلوق اللہ کی آیات کا حصہ ہے اور دعوتِ غور وفکر دیتی ہے، حیوانات کی تخلیق بھی انہیں آیات میں سے ہے، ایک حیوان خواہ وہ ہاتھی جیسی عظیم مخلوق ہو یا مکھی اور مچھر جیسی حقیر مخلوق ہو، ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص پیمانہ میں تخلیق کی گئی ہے۔

حیوان کے جسم کا ایک ظاہری نظم ہوتا ہے اور ایک ان کا باطنی نظم ہوتا ہے، ہر نظم اللہ کی جانب سے حیرت انگیز مقررہ پیمانہ میں ڈھلا ہوا ہے، ظاہر میں ہر حیوان ایک جسم رکھتا ہے، ایک حیوان دوسرے حیوان سے مختلف النوع ضرور ہوتا ہے لیکن ایک ہی نوع کے جانور حیرت انگیز طور پر ایک ایسی یکسانیت رکھتے ہیں گویا ایک سانچے میں ڈھل کر نکلے ہیں، یکساں ساخت، یکساں اعضاء اور یکساں خصوصیات کے حامل، یہ درحقیقت اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کیلئے ایک خاص پیمانہ مقرر ہے، پھر دو جڑواں اعضاء میں مثلاً دو ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ اتنا ہی لمبا ہوتا ہے جتنا کہ دوسرا ہاتھ، اسی طرح ایک آنکھ کی ساخت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ دوسری آنکھ، یہ درحقیقت ایک خاص مقررہ پیمانہ میں ڈھلی ہوئی ہے جس کو اللہ نے مقرر کیا ہے۔

حیوانی جسم کا باطنی نظام اس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز ہے، اس میں بے شمار اندرونی نظام جاری ہیں اور ان میں سے

ہر نظام ایک خاص پیمانہ پر چل رہا ہے، جو اتنا حیرت انگیز ہے کہ دنیا کی کوئی مشین اس کے عملی مظاہرہ، اس کی پابندی، اس کے خودکار دفاعی نظام اور صفائی ستھرائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، حیوانی جسم میں جو الگ الگ نظام اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں ان میں مثلاً

تنفسی (سانس لینے کا) نظام، دوران خون کا نظام، اعصابی نظام، ہضمی نظام، اخراجی نظام، خلیات کی پیدائش اور مرنے کا عمل، دماغی نظام، اعصابی نظام یہ سب ایسی تفصیلات اور اللہ کی جانب سے مقرر کردہ ایسے پیمانوں کو شامل ہیں کہ ان کی تفصیل کے بیان کیلئے مجلدات درکار ہیں۔

ظاہر میں ہمیں جو صفات اور اعضا دیئے گئے ہیں صرف ان کی معمولی جانکاری سے پتہ چلتا ہے کہ کس غیر معمولی مقررہ پیمانہ اور خاص تقدیر میں حیوانی جسم کی تخلیق ہوئی ہے۔

آنکھ:

حیوانی جسم کا عجیب وغریب حصہ ہے، جو حیوان کو دیکھنے لائق بناتا ہے، آنکھ کسی چیز کو دیکھنے کیلئے بہت ہی پیچیدہ نظام سے گذرتی ہے، ایک آنکھ بظاہر ایک عضو ہے جبکہ اس کے کئی حصے ہوتے ہیں اور یہ سب مل کر کام کرتے ہیں تبھی آنکھ دیکھنے کا عمل پورا کرتی ہے، قرنیہ، آنکھ کی جھلی Cornea، عدسہ Lens، آنکھ کی جھلی کا نچلا حصہ Aqueous، آنکھ کا پردہ Retina، عصب بصری nerveOptic، عضلاتِ چشم، آنسو لانے والے عضویات، پپوٹے وغیرہ یہ سب موجود ہوں اور مل کر کام کر رہے ہوں تو آنکھ دیکھ پاتی ہے، ورنہ ان میں سے کوئی ایک بھی کم ہو جائے تو آنکھ بتدریج بصارت کھودے، آنکھ کے اندر یہ سارے اجزاء زیادہ سے زیادہ ڈھائی سینٹی میٹر حصہ یعنی ایک انچ سے بھی کم حصہ میں ہوتے ہیں۔

پپوٹے جب کھلتے ہیں تو آنکھ میں روشنی کا انعکاس ہوتا ہے، اسی منعکس روشنی سے ہی شکلیں بنتی ہیں، پھر بصارت کا مرکزہ دماغ کے پچھلے حصہ میں واقع ہے، جبکہ آنکھ جس چیز کو دیکھتی ہے روشنی کے انعکاس کے ذریعہ آنکھ کی پتلی سے اس کو بصارتی مرکز تک پہنچاتی ہے، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ آنکھ کا عضو ایک برقی پیغام کی شکل میں خاص نظام کے ذریعہ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے دماغ کے پچھلے حصہ میں واقع بصارتی مرکز تک پہنچاتی ہے، تب وہ چیز جس پر آنکھ کا ارتکاز ہے ویسی دکھائی دیتی ہے، یہ عمل مختصر بیان کرنے کیلئے اور پڑھنے کیلئے بھی کتنا وقت لیتا ہے؟ جبکہ بصارتی یہ عمل اس تیزی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

یہ سب اللہ کا مقرر کردہ پیمانہ ہے اور تخلیق حیوان میں اس کی تقدیر کا حصہ ہے، پھر مختلف جانداروں کی آنکھ مزید خصوصیات رکھتی ہیں، مکھی کی آنکھ جو صرف ایک ملی میٹر کے معمولی رقبہ کو گھیرتی ہے، لیکن اس ایک ملی میٹر کے رقبہ کی مکھی کی آنکھ میں آٹھ ہزار عدسے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، بعض جانور وہ ہیں جو اندھیرے میں دیکھتے ہیں اور بعض جانوران کی سادہ آنکھ سے ایسے رنگوں کا ادراک کر لیتے ہیں جو انسان یا دوسرے جانور اپنی سادہ آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتے، یہ سب اللہ تعالیٰ

کا مقرر کردہ پیمانہ ہے، ہر اضافی خصوصیت ایک اضافی عمل اور اضافی پیمانہ خصوصی کا حامل ہوتا ہے۔

قوت شامہ:

سونگھنے کی صلاحیت، اس کے ذریعہ انسان خوشبو سونگھ کر لطف و حظ لیتا ہے، جبکہ اسی کے ذریعہ بدبو کا ادراک کرتا ہے، جلنے کو محسوس کرتا ہے، غذا کی اچھائی یا برائی کو محسوس کرتا ہے، قوت شامہ بیک وقت اچھی بری، ہلکی تیز، قریب اور دور کی متعدد طرح کی بو کو محسوس کرتی ہے، کسی چیز کو کھانے سے پہلے اس کو سونگھ کر جاندار پتہ چلا سکتا ہے کہ وہ اچھی ہے یا بری، اگر قوت شامہ نہ ہو تو کئی خراب چیزیں انسان کی زبان تک پہنچ کر اس کو مکدر کر دیں، یا اگر وہ جلد اثر کرنے والی چیز ہو تو انسان کی صحت کو نقصان پہنچائے، یہ قوت شامہ حیوانی جسم میں اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے۔

حافظہ کا نظام:

محسوسات علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور حافظہ ان معلومات کو محفوظ کرتا ہے، کوئی بھی جاندار کسی چیز کو دیکھ لے حافظہ اس کو محفوظ کر لیتا ہے، کوئی چیز سن لے وہ حافظہ میں محفوظ ہو جاتی ہے، کوئی چیز سونگھ لے وہ حافظہ میں محفوظ ہو جاتی ہے، کوئی چیز چکھ لے حافظہ اس کو محفوظ کر لیتا ہے، اور بوقت ضرورت حافظہ سے ان کو یاد کر سکتا ہے، حافظہ کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اندازہ اور مقررہ پیمانہ سے بنایا ہے، جسم حیوانی کی تخلیق میں یہ اللہ کی تقدیر کا اہم ترین حصہ ہے۔

لمس:

اور مس کا احساس حیوانی جسم میں ایک خاص پیمانہ اور مقررہ اندازہ سے رکھا گیا ہے، اس کے بدن کو کوئی چیز چھو جاتی ہے تو وہ فوراً دماغ کو اس کا پیغام بھجواتا ہے، اگر وہ چیز انسانی بدن کے لئے نقصان دہ ہے، مثلاً: سخت جلانے والی ہے، یا سخت ٹھنڈی ہے یا چبھنے والی ہے، یا چپکنے والی ہے دماغ فوراً اس عضو کو ہٹنے کا حکم دیتا ہے اور وہ عضو اس چیز سے خود کو دور کر لیتا ہے، یہ اللہ کا مقرر کردہ پیمانہ ہے، اسی طرح حیوانی بدن کو ایسی چیزیں بھی چھوتی ہیں جو اس کو نقصان نہیں پہنچاتیں، مثلاً اس کے بدن پر لپٹے ہوئے کپڑے یا ایسی ہی دوسری چیزیں جو اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں، یہ لمس اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے اس کا تجربہ ہو جانے کے بعد وہ اس کے حافظہ میں محفوظ رہتا ہے اور بار بار دماغ کو اس تیزی سے پیغام رسانی نہیں کرتا جس سے ذہنِ حیوانی کی زندگی اجیرن ہو جائے، یہ اسی وقت چونکتا اور زیادہ متحرک ہوتا ہے جبکہ اس کو کوئی نقصان دہ چیز چھوئے، یہ بھی اللہ کے خاص مقرر کردہ پیمانہ کا حصہ ہے۔

بھیجہ:

حیوانی جسم میں بھیجہ ایسا حصہ ہے جو جسم حیوانی کو کنٹرول کرتا ہے اور اعضاء جسمانی کے بے انتہاء پیغامات کو حاصل کرتا ہے اور انہیں احکامات جاری کرتا ہے، اطراف میں موجود چیزوں کو دیکھنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کیلئے بھیجہ میں ایک سو ارب سے زائد

اعصابی خلیات ہوتے ہیں، ان میں غیر معمولی ترسیلی نظام ہوتا ہے، جو ایک سو کھرب کنکشنس کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔
عالمی مواصلاتی نظام جو لاکھوں ٹیلی فون کالس کو متحرک کرتا ہے کسی بھی حیوانی بھیجہ کی کارکردگی کے آگے بالکل معمولی حیثیت رکھتا ہے، سائنس داں جو آئے دن نت نئی مشینیں بناتے ہیں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ انسان کیلئے یہ کبھی ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ حیوانی بھیجہ جیسی کارکردکوئی مشین جو اس درجہ کنکشنس رکھتی ہو اور اتنی رفتار اور اتنی خصوصیات والی ہو پیدا کر سکے، حیوانی جسم میں بھیجہ اللہ کی جانب سے مقرر کردہ اور خاص اندازہ اور پیمانہ کا آلہ ہے اور اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے۔
بلاشبہ علم واندازہ سے بھرپور ان غیر معمولی تخلیقات کا خالق بڑے علم اور حکمت والا ہے، ناقابل تصور قدرت والا ہے، کاریگری اور کارسازی کا جو نظام اس نے بنایا ہے انسانی ذہن اس کی توصیف کے بیان سے قاصر ہے اور لامحالہ پیغمبروں کی پیروی میں کہنا پڑتا ہے: لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔

عقیدہ:

انسان کو حق تعالیٰ نے دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں احسن تقویم میں پیدا کیا اور خاص خصوصیات سے نوازا ہے، یہ اللہ کی جانب سے انسان کی تقدیر کا حصہ ہے۔

تخلیق انسان کی ساخت میں پیمانہ:

انسان حیوانات میں سب سے اونچی مخلوق ہے، جو اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں شاہکار ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر زاویہ سے ایک خوبصورت اور غیر معمولی بنایا ہے، جس کے ظاہری اعضاء کی ساخت تمام مخلوقات میں سب سے خوبصورت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کے لئے اس کی جلد کو صاف وشفاف رکھا ہے، اس کی جلد کی شفافیت کی وجہ سے ہی اس کو بشر کہا جاتا ہے، اس کی اٹھان اور اعضاء کا تناسب دیگر تمام مخلوقات میں سب سے بہترین ہے، اس کا چلنا، بیٹھنا، لیٹنا ہر زاویہ میں اس کا تناسب دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں ایک بہترین پہلو رکھتا ہے، تمام مخلوقات میں انسان کا یہ مقام پہلے سے طے شدہ ہے اور اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے۔
پھر عقل اور اس کے استعمال میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک خاص مقام دیا ہے جو اس کو دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے، عقل اور اس کے دیگر ذرائع علم اسے اس دنیا کو برتنا سکھاتے ہیں، دنیا کو اس طرح برتنا، اپنے علم کے وسائل کو استعمال کرنا اور ان وسائل سے حاصل معلومات کو محفوظ کرنا، محفوظ معلومات اور ان کے مطابق تجربات سے حقائق تک پہنچنا اور دنیاوی قوتوں کو مسخر کرنا، اور ان علوم کو مدون کر کے ترقیات کو آگے بڑھانا، ان سب میں دنیا کی کوئی مخلوق انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس طرح سے مخلوقات میں اس زمین پر حکومت اور بادشاہی کرنے والی مخلوق انسان ہی ہے، چنانچہ زمین پر اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے ہی اس کی تخلیق ہوئی ہے، یہ سب صفات اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کہ وہ ان مقاصد کو پورا کرے ایک خاص پیمانہ اور مقررہ اندازہ سے دئے گئے ہیں اور یہ اس کیلئے اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے۔

عقیدہ:

عورت و مرد کی تخلیق میں اللہ نے فرق رکھا ہے اور ہر دو کی جدا جدا خصوصیات میں خاص پیمانہ مقرر ہے، یہ ان کیلئے اللہ کی جانب سے مقرر تقدیر کا حصہ ہے۔

نر و مادہ اور عورت و مرد کی ساخت میں پیمانہ:

تمام مخلوقات کی تخلیق جوڑوں کی شکل میں ہوئی ہے جو ایک دوسرے سے مل کر مکمل ہوتے ہیں، جانداروں میں بھی نر و مادہ ایک دوسرے کے جوڑ ہیں اور انسانوں میں مرد و عورت ایک دوسرے کے جوڑ ہیں، مخلوقات کی جوڑوں کی شکل میں پیدائش اللہ کا مقرر کردہ پیمانہ ہے اور اس کی تقدیر کا حصہ ہے۔

نر و مادہ یا مرد و عورت جس مقصد کے تحت الگ الگ ساخت میں پیدا کئے گئے ہیں، یا ان کی ساخت میں جو فرق ہے وہ خاص پیمانہ اور مقررہ اندازہ کے مطابق ہے، اور ہر ایک مکمل طور پر اس مقصد کی تکمیل کرتا ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے، اور ہر ایک کو ایک خاص اندازہ اور پیمانہ میں وہ سارے اسباب و اعضاء دیئے گئے ہیں جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے، یہ بھی ان کیلئے اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے۔

عقیدہ:

دنیا میں قوموں کا عروج و زوال ان کی تقدیر کا حصہ ہے، ہر عروج و زوال اللہ کی جانب سے مقدر ہے جس میں اس کی حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں۔

قوموں کے عروج و زوال میں پیمانہ:

اللہ کی پیدا کردہ اس زمین پر ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کی جاتی ہے، ہر نسل و قوم کا ایک وقت مقرر ہے، کوئی نسل و قوم نہ وقت سے پہلے آتی ہے اور نہ مقررہ وقت سے دیر کرتی ہے، کس کو کب پیدا ہونا ہے اور کب ختم ہو جانا ہے اللہ کی جانب سے مقرر ہے، یہ اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے۔

اسی طرح قوموں کا عروج و زوال بھی اللہ کے یہاں مقرر ہے، کسی قوم یا فرد کو زمین میں اللہ تعالیٰ ہی حکومت و ملوکیت عطاء فرماتے ہیں، جب کسی حاکم قوم کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو پھر اس کو زوال سے دوچار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح سے وہ زمین پر فساد کا سلسلہ ختم کرتے ہیں، اور پھر کسی اور قوم کو عروج عطاء کرتے ہیں، یہ در حقیقت اللہ کی ملوکیت ہے جہاں اس کی مشیت چلتی ہے اور ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے، اللہ نے ہر ایک کے لئے خاص وقت اور پیمانہ مقرر کیا ہے اور کوئی چیز اس کی مقررہ تقدیر سے ہٹ کر نہیں ہوتی ہے۔

واقعات کے پیش آنے میں اسباب کی بھی حقیقت ہے کیونکہ اللہ نے ہی اسباب کو بھی پیدا کیا ہے، کسی بھی واقعہ کے

لئے سبب کیسے ذریعہ بنتا ہے؟ جیسے کسی قوم کے عروج وزوال میں اسباب کی کیا اہمیت ہے؟ اور وہ کس حد تک انسان کے اختیار میں ہیں؟ ان کے بارے میں آگے تفصیل سے کلام آرہا ہے۔

عقیدہ:

یہ دنیا اللہ کی ملکیت ہے، یہاں وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، اللہ کی چاہت کے بغیر یہاں کچھ نہیں ہوتا۔

عقیدہ:

اپنے علم کے مطابق تقدیر لکھ دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندوں کے عمومی اعمال کے بارے میں چاہا کہ وہ ویسے واقع ہو جایا کریں جیسے بندے چاہتے ہیں، تاکہ آزمائش کا مرحلہ پورا ہو۔

مشیتِ الٰہی:

تقدیر سے متعلق تیسری اہم صفت اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور اس کے علاوہ سب اس کی مخلوق ہیں، اس کی مخلوق میں جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا ہے۔

یہ پوری کائنات اللہ کی مملکت ہے، یہاں وہی ہوتا جو اس کی مشیت میں ہو، اسی طرح اس کی تمام مخلوقات وہی کرسکتی ہیں جو وہ چاہتا ہے، جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں کرسکتیں، افلاک اور آسمانوں کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مشیت سے انحراف کر کے خود سے اپنی کوئی راہ متعین کرے، سورج، چاند، زمین اور سیارے اس کی مشیت کے تابع ہیں، فرشتے اس کی مشیت کے تابع ہیں، مظاہر فطرت اس کی مرضی کے تابع ہیں، آگ، پانی، ہوا، مٹی، جمادات، نباتات، جانداروں کا وہ نظام جو اس نے جبلتی طریقے سے طے کیا ہے جس کے پیدا کرنے اور اس کو چلانے میں خود جانداروں کا کوئی دخل نہیں ہے، سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

عقیدہ:

اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس مخلوق کو جس تعداد میں چاہتا ہے پید کرتا ہے، وہ اپنی مشیت سے کس کو کیا بنائے گا پہلے سے مقدر ہے۔

تخلیق میں مشیت الٰہی:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جیسی مخلوقات چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، کوئی مخلوق اس کی چاہت کے خلاف کوئی چیز طے نہیں کرسکتی، وہ جس کو چاہتا ہے جتنی تعداد میں چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے فرشتہ بنادے، جس کو چاہے، انسان بنادے، جس کو چاہے جن بنادے، جس کو چاہے کوئی اور جانور بنادے، جس کو چاہے نر بنائے جس کو چاہے مادہ بنائے، جس کو چاہے مرد بنائے جس کو چاہے عورت بنائے اور اسی طرح جس کو چاہے نرینہ اولاد دے اور جس کو چاہے بیٹیاں دے۔

وہ اپنی مشیت سے کس کو کیا بنائے گا اس کی جانب سے پہلے سے طے شدہ ہے اور پہلے سے اس کے علم میں ہے کون کیا بنے گا، اور اس کی جانب سے مقرر کردہ تقدیر کا حصہ ہے۔

اسی طرح مخلوقات اور انسانوں کی تعداد سب کی پیدائش اللہ کے یہاں مقرر ہے، انسانوں کی مقدر تعداد لازماً پیدا ہو کر رہے گی، انسان اولاد روکنے کیلئے خواہ عزل کرے خواہ کوئی اور طریقہ اختیار کرے جس کو پیدا کرنا اللہ کے یہاں مقدر ہو چکا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا۔

عقیدہ:

اللہ نے اپنی مشیت سے جس کے لئے جو رزق طے کیا ہے وہی ملتا ہے۔

رزق کی عطاء میں مشیت:

زمین وآسمان کا رزق کو نکالنا اللہ کی مشیت پر مقدر ہے، وہ جب چاہے جس کیلئے چاہے رزق کی فراوانی مقدر کر دے اور جب چاہے جس کیلئے چاہے رزق کی تنگی مقدر کر دے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے رزق کو پیدا کرنے کے اسباب ایک خاص اندازہ اور مقررہ پیمانہ سے بنائے ہیں، اور اس کی جانب سے پہلے سے طے شدہ ہے کہ کب کتنا رزق پیدا ہونا ہے، اسی طرح یہ اس کی مشیت ہے کہ وہ جس کو جتنا چاہے رزق دے، جس قوم یا فرد کیلئے چاہے رزق کشادہ کر دے اور جس قوم یا فرد کیلئے چاہے رزق کو تنگ کر دے۔

وہ جب چاہے آسمان سے بارش کو روک دے اور قحط لے آئے، وہ جب چاہے بارش کا تناسب بڑھا دے اور سیلابوں سے زمین کے خزانوں کو تباہ کر دے، جس کو چاہے اسباب رزق بھر پور عطاء کر دے اور اس سے فائدہ پہنچائے، اور جس کو چاہے اسباب بھرپور دے کر بھی ان اسباب سے فائدہ اٹھانے سے اس کو محروم کر دے اور جس کیلئے چاہے اسباب رزق میں تنگی کر دے۔ جو کچھ ہوتا ہے صرف اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، کب کس وقت اللہ کی مشیت سے کیا ہونا ہے اس کے علم و کتابِ تقدیر میں موجود ہے۔

عقیدہ:

وہ جس کیلئے چاہے نفع مقدر کرے، جس کیلئے چاہے نقصان مقدر کرے، جس کیلئے چاہے صحت مقدر کرے اور جس کیلئے چاہے مرض مقدر کرے۔

نفع ونقصان اور صحت ومرض میں اللہ کی مشیت:

نفع ونقصان اور صحت ومرض سب اللہ کی مشیت کے تابع ہیں، اللہ جس کو چاہتا ہے نفع دیتا ہے جس کو چاہتا ہے نقصان دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے صحت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے مرض دیتا ہے، سب کچھ اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

کسی کو نفع پہنچا تو وہ اللہ کی مشیت سے پہنچا کہ وہ پہلے سے اس کی تقدیر میں لکھا تھا، کسی کو نقصان ہوا تو وہ اللہ کی مشیت سے ہوا اور اس کی تقدیر میں پہلے سے لکھا تھا، کوئی صحت مند ہے تو اللہ کی مشیت سے ہے، اس کی تقدیر میں وہ لکھی ہوئی تھی، کوئی بیمار ہوا تو اللہ کی مشیت سے ہوا، وہ بیماری اس کی تقدیر میں پہلے سے لکھی ہوئی تھی۔

نفع و نقصان اور صحت و مرض کے لئے اللہ تعالیٰ اسباب کو بھی ذریعہ بناتا ہے اور اسباب کے ذریعہ یہ حالات ان پر آنا ہے پہلے سے لکھا ہے، ایسا بیشتر ہوتا ہے کہ اسباب پیش آنے کے باوجود حالات نہیں پیدا ہوتے؛ کیونکہ ان اسباب سے حالات پیدا ہونا بعضوں کی تقدیر میں لکھا نہیں ہوتا، مثلاً بیماری کے اسباب پیدا ہوتے ہیں لیکن بہت سوں کو بیماری نہیں ہوتی؛ کیونکہ اس کی تقدیر میں بیماری لکھی ہوئی نہیں ہوتی، طاعون پھیلتا ہے، اسباب ہر ایک کیلئے ہوتے ہیں، لیکن انہیں کے بیچ میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو طاعون زدہ علاقہ میں صحت مند رہتے ہیں کیونکہ مسبب الاسباب نے ان کے لئے اسباب کو غیر مؤثر بنادیا ہے، حدیث کے مطابق جو شخص اللہ کو مسبب مان کر اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ مرض اسباب نہیں اللہ دیتے ہیں تو وہ یقین اور اس کے مطابق عمل اس کو شہید کے برابر اجر کا مستحق بناتے ہیں۔

عقیدہ:

اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی جانب سے مقرر کردہ مخلوقات کی تقدیر حکمتوں سے بھرپور اور با مقصد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے بھرپور اور با مقصد ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، ان سب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت و مقصد سے خالی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے بھرپور اور با مقصد ہوتا ہے، اس نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے با مقصد پیدا کیا ہے، نہ کائنات کی تخلیق، نہ مخلوقات کی تخلیق اور نہ ہی ان میں انسانوں کی تخلیق کچھ بھی بے مقصد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ عبث اور باطل کام نہیں کرتا ہے۔

ایسا خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے بے حکمت اور بے مقصد سب کچھ تخلیق کیا ہے کفر ہے۔

عقیدہ:

کسی کی بھی تقدیر میں اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتے، سب کے ساتھ عدل کرتے ہیں، ہاں وہ جس پر چاہیں فضل کا معاملہ بھی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

عدل و فضل:

اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو جو چاہتا ہے بناتا ہے، جس کو جتنا چاہتا ہے عطاء کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے مرد بناتا ہے جس کو چاہتا ہے عورت بناتا ہے، وہ مردوں کو قوّام بناتا ہے اور ان کو عورتوں پر یک گونہ برتری عطا کرتا ہے، یہ اس کا فضل ہے، جس کو

چاہتا ہے رزق میں کشادگی دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ ظالم ہے، ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے جس کو جیسا بنایا اور جس کو جو کچھ دیا وہ اس کا عین عدل ہے، ہاں اگر وہ کسی کو واقعتہً بڑھا کر دیتا ہے تو وہ اس کا فضل ہے، اور اس کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے فضل کا معاملہ کرے۔

تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، وہ ان کے ساتھ جو چاہے کرے، لیکن یہ اس کا احسان ہے کہ دنیا کے مفلس ترین اور محروم ترین انسان کو بھی اس نے لاکھوں کروڑوں نعمتوں سے نوازا ہے، اس کی تخلیق اور ربوبیت میں ہی اتنے احسانات ہیں کہ ان کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے، رہی یہ بات کہ اس نے کسی کو کچھ یا بہت کچھ بڑھا کر دیا ہے تو یہ اس کے فضل کی بات ہے وہ جس پر چاہے اضافی فضل کر سکتا ہے۔

عقیدہ:

اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا؟ یا فلاں کام ایسے کیوں کیا؟ ویسے کیوں نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے بارے میں کیوں کا سوال نہیں ہو سکتا۔

تمام مخلوقات اللہ کی ملکیت ہیں اور کائنات اللہ کی مملکت ہے، وہ اپنی مخلوقات کے ساتھ اپنی مصلحتوں اور مخلوقات اور بندوں کیلئے اس کی حکمتوں کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس نے یہ کام کیوں کیا؟ کسی کام کو ایسے کیوں نہیں کیا؟ اس کو یہ کام ایسے کرنا چاہئے تھا، ایسے کیوں کیا؟ وغیرہ، اس طرح کا کوئی سوال اللہ تعالیٰ سے نہیں کر سکتا، کون ہے جو اللہ کے علم وحکمت کے مقابلہ میں اپنی ناقص عقل کو لا سکے، اور کون ہے جو اللہ کی قدرت کے آگے ٹھہر سکے، نہ بندوں کے پاس وہ عقل وحکمت ہے جس سے وہ اللہ کے افعال پر کسی قسم کی تنقید کر سکے اور نہ بندوں کی یہ حیثیت ہے کہ وہ کسی کام پر اللہ کے آگے احتجاج کر سکے، وہ کامل ومکمل حکمت والا اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، اس لئے بندوں کیلئے خیر اسی میں ہے جو اس نے ان کے لئے طے کیا ہے اس کو پورے اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ اپنے لئے خیر سمجھیں اور انہیں جس بات کا حکم دیا ہے اسی میں بھلائی جان کر اس کو لازم پکڑیں۔

اشراط الساعة هي علامات تدل على قربها فمنها صغار موجودة منذ عهد طويل ..... و منها كبار تنذر بقربها كالمهدى و عيسىٰ و الدجال..... ۔ (مرام الكلام)

عقیدہ:

وہی رزق دیتا ہے اور وہی تنگ کرتا ہے، لیکن جد وجہد اور محنت وغیرہ کو کشادگی کیلئے اور کام چوری وغیرہ کو تنگی کیلئے سبب بناتا ہے۔

تقدیر میں اسباب کی اہمیت:

اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، جو چاہتے ہیں دیتے ہیں، چاہیں تو رزق میں کشادگی کر دیں اور چاہیں تو

رزق میں تنگی کردیں، یہ سب حقیقت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسباب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اسباب کو نتائج برآمد ہونے کا اہم ذریعہ بنایا ہے، پانی کو زندگی کا سبب بنایا، بارش کو زمین سیراب کرنے اور سرسبزی وشادابی لانے کا سبب بنایا، شادی کو اولاد کا سبب بنایا، آگ جلاتی ہے، پانی پیاس بجھاتا ہے، محنت کشادگی لاتی ہے اور کام چوری تنگی لاتی ہے، اسی طرح زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اسباب کا سلسلہ رکھا ہے، اسباب اختیار کرنے سے ہی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور اسباب اختیار کرنے سے نتائج برآمد ہونا اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے، اسباب کو ایک مقررہ پیمانہ کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تبدیلیوں کا ذریعہ بنایا ہے۔
وہی ہدایت دیتا ہے اور وہی گمراہ کرتا ہے، لیکن اس کا یہ عمل بے سبب نہیں ہوتا، وہ بندہ میں انابت اور خوف کی بنیاد پر ہدایت کی توفیق دیتا ہے، یا پھر سرکشی، حق سے انحراف یا شرک میں لاپراہی وغیرہ کی بنیاد پر گمراہی کے راستہ کو آسان کردیتا ہے۔
اسباب چونکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے نتائج برآمد کرتے ہیں، اس لئے وہ اللہ کے اختیار میں ہیں، وہ چاہے تو اسباب کو معطل بھی کرسکتا ہے، جیسے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا کہ آگ جلانے کا سبب ہے؛ لیکن ان کی آگ کے اثر کو اللہ تعالیٰ نے معطل کردیا۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی چیز کے بنانے میں اسباب کا محتاج نہیں ہے، جیسے حضرت ہود علیہ السلام کی اونٹنی معروف اسباب کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوئی بلکہ پہاڑ سے پیدا ہوکر نکل آئی، اللہ کو کوئی چیز پیدا کرنے کے لئے اسباب کی ضرورت نہیں ہے، ہاں یہ بھی اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے کہ عام طور پر وہ بندوں کیلئے اسباب کے ذریعہ سے ہی نتائج برآمد کرتا ہے۔
جس طرح تکوینی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے اسباب کو رکھا ہے اسی طرح تشریعی احکام میں بھی اسباب کو اہمیت دی ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

عقیدہ:

وہی ہدایت دیتا ہے اور وہی گمراہ کرتا ہے لیکن بندوں کی انابت یا سرکشی کو ہدایت یا ضلالت کیلئے سبب بناتا ہے۔ اس نے مخلوقات کیلئے ہدایت کے کئی درجات مقدر کئے ہیں۔

ہدایت وضلالت مقدر ہونے کا مطلب:

اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہدایت ہے اور سب سے بڑی مصیبت ضلالت وگمراہی ہے، بندہ ہدایت یاب ہو جائے تو اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں اور اگر بندہ گمراہ ہوجائے تو اس سے بڑا کوئی خسارہ نہیں ہے۔
یہ ہدایت اور ضلالت بھی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے۔ اللہ کی جانب سے ہدایت وضلالت کے کئی درجات ومراتب ہیں۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ○ (الرعد) . وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل) . اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ (فاطر)

عقیدہ:

ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طبعی اور جبلی ضروریات اور ان کو پورا کرنے کی فطری رہنمائی کر دی ہے۔

ہدایت کا پہلا درجہ طبعی و جبلی ہدایت:

سب سے پہلا ہدایت کا درجہ عمومی ہے جو اللہ نے ہر مخلوق کے لئے رکھا ہے کہ ہر مخلوق کو اس کی زندگی و معاش اور مصلحتوں کی رہنمائی کر دی گئی ہے۔

خود انسان کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے، ماں کے پیٹ میں غذاء کے حصول کا کوئی طریقہ نہیں جانتا تھا پیدا ہونے کے بعد بھوک لگنے پر ماں کے سینے سے غذا حاصل کرتا ہے، اس کے لئے جو طریقہ وہ اختیار کرتا ہے وہ اس کو کسی مخلوق کا سمجھایا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس وقت کچھ سمجھنے کا اہل ہوتا ہے، یہ علم اور ہدایت اس میں اللہ کی جانب سے ودیعت کی ہوئی ہے۔

ہر مخلوق کو جو طبعی ضروریات کا ادراک اور ان کو پورا کرنے کا جو راستہ اس کو معلوم ہے وہ اسی ہدایت کے درجہ سے حاصل ہے، رزق کا حاصل کرنا، رزق کو استعمال کرنا اور نسل بڑھانا وغیرہ، یہ ہدایت اللہ نے ہر ذی نفس کو دی ہے، درختوں، جانوروں سب کو دی ہے، حتی کہ جن کو ہم جمادات کہتے ہیں ان کو بھی دی ہے، شہد کی مکھی شہد جمع کرنے کا جو عمل کرتی ہے وہ اللہ کی اسی ہدایت کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح چیونٹیاں اپنی غذا کے حصول کے لئے جو جدو جہد کرتی ہے وہ اسی ہدایت کا نتیجہ ہے، وہ حصول غذا کیلئے خواہ کتنی ہی دور نکل جائے، غذا حاصل کر کے آسان یا مشکل راستوں سے ہو کر واپس اپنے مستقر کو آتی ہے، اور جو غذا لاتی ہے اگر اس میں پانی لگ کر اس کے پودے کی شکل میں اگنے کا امکان ہو تو اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے، اگر کسی بیج کو دو حصوں میں توڑنے کے باوجود وہ دوبارہ اگ سکتا ہو تو اس کو دو سے زیادہ حصوں میں ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اگر اس کے جمع کئے ہوئے ذخیرہ میں پانی یا تری لگ کر وہ خراب ہو رہا ہو تو وہ اس کو اپنے بلوں کے سامنے سورج کی دھوپ لگنے کیلئے بکھیر دیتی ہے، اور جب وہ سوکھ جاتی ہے تو اس کو پھر ذخیرہ کر دیتی ہے یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہی اس کی طبیعت کو بجھائی ہیں۔

اسی طرح پرندوں کو ان کی ضروریات کی ہدایت، مثلاً گھونسلے بنانا اور درختوں اور اونچی جگہوں پر بنانا، انڈے دینے کیلئے مناسب جگہ کا انتظام کرنا وغیرہ اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے جبلتی ہدایت کے سلسلہ کا حصہ ہے۔

کبوتر جو پیغام رسانی کے کام آتا ہے اس کی بالقوۃ اہلیت اللہ نے ہی اس میں ودیعت کی ہے کہ اس کو پھر تربیت دے کر

اس کام میں لایا جا سکتا ہے کہ وہ سینکڑوں میل تک پہنچ کر پیغام رسانی کا ذریعہ بنتا ہے اور جواب لاتا ہے۔

درندوں کو شکار کرنا اور اس کے طریقے اللہ کے سکھائے ہوئے ہیں، کہ وہ شکار کی ہر ضرورت سے پوری طرح آراستہ اور اس کیلئے بالقوۃ مکمل طور پر تربیت یافتہ ہیں، غرض ہر مخلوق کو اس کی مناسبت سے اس کی طبعی اور جبلی ضروریات اور ان کے طریقے اللہ کی جانب سے جبلتی ہدایت کے ذریعہ بتائے گئے ہیں اور یہی مخلوقات کو اللہ کی ہدایت کا پہلا درجہ ہے، جس میں اس کی تمام مخلوقات بغیر کسی استثناء کے شریک ہیں۔

انسانوں کو کھیتی باڑی، باغبانی، صنعت و حرفت، تجارت و معیشت کی بنیادی ضروریات و طریقے سب اللہ کی جانب سے ودیعت کئے گئے ہیں، یہ جبلتی ہدایت کا حصہ ہیں، انسان کو اللہ نے خلیفہ بنایا ہے تو وہ عقل کو استعمال کر کے ان کاموں کو ایک خاص سلیقہ سے انجام دیتا ہے، یہ طریقے سیکھتا سکھاتا ہے اور پڑھتا پڑھاتا ہے؛ لیکن ان کاموں کی بنیاد اسے ایسے ہی معلوم ہوئی ہے جیسے دیگر مخلوقات کو ان کے جبلی اور طبعی ضروریات اور ان کو پورا کرنے کے طریقے ہدایت کئے گئے ہیں۔

عقیدہ:

عام مخلوقات سے ہٹ کر اللہ نے مکلفین میں اضافی صفات اور خصوصیات مقدر کی ہیں، اور انہیں کی بنیاد پر انہیں مکلف بنایا گیا ہے۔

مکلفین کو اللہ کی جانب سے عطاء کردہ دو اضافی امور:

اللہ کی مخلوقات اتنی تعداد میں ہیں کہ ان کو شمار کرنا بندوں کے بس سے باہر ہے، ہاں ان مخلوقات میں دو مخلوق ایسی ہیں جنہیں ان کے اعمال کا مکلف بنایا گیا ہے، کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے جو کچھ کریں گے اس کے بارے میں ان سے سوال کیا جائے گا، اور اپنے ارادہ و اختیار سے جو کچھ چھوڑ دیں گے ان کو اس کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی، یہ دو مخلوق انسان اور جن ہیں، ان کے علاوہ کسی مخلوق کو جوابدہی کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے۔

اس کیلئے انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ نے دو اضافی چیزیں عطاء فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں ہیں: (۱) ارادہ و اختیار (۲) ہدایت شرعی، ان دو چیزوں کی تفصیل یہاں آگے بیان ہوگی۔

عقیدہ:

اللہ تعالیٰ نے مکلفین میں ارادہ و اختیار کی صفات کو مقدر کیا ہے، مکلف بندے اسی ارادہ و اختیار سے کوئی کام کرتے ہیں یا چھوڑتے ہیں، یہ صفت مکلفین کے علاوہ دوسری مخلوقات میں نہیں ہے۔

ارادہ و اختیار:

کسی کو مکلف بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اس کو عمل کی آزادی بھی دی جائے تبھی اس سے اس کے عمل کے بارے میں

سوال ہوسکتا ہے اور اس کو جوابدہی کے لئے پابند بنایا جاسکتا ہے۔

اس لئے انسانوں اور جنوں کو اعمال کے کرنے یا چھوڑنے کیلئے ارادہ اور اختیار کی صفات عطاء کی گئی ہیں، وہ کوئی عمل کرتے ہیں تو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں اور کوئی عمل چھوڑتے ہیں تو اپنے ارادہ اور اختیار سے چھوڑتے ہیں۔

ایمان اور عمل صالح کی روش اختیار کرتے ہیں تو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں، ہاں اللہ تعالیٰ ان کی انابت کو دیکھتے ہوئے توفیق بھی دیتے ہیں، لیکن ان کے عمل میں خود ان کے ارادہ واختیار کا دخل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے ایمان اور اعمال کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ انہیں جنت سے نوازیں گے۔

اسی طرح کوئی کفر، ظلم، اور فسق وفجور کی روش اختیار کرتا ہے تو اپنے ارادہ اور اختیار سے وہ روش اپناتا ہے، یہ خود اس کی سرکشی ہوتی ہے، ہاں اسی سرکشی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کے لئے کفر کے راستہ کو آسان کردیتے ہیں لیکن وہ راستہ خود اس کا اختیار کردہ ہوتا ہے اور اس کے کفر، ظلم اور فسق وفجور کے بدلہ میں ہی اس کو جہنم کی سزا ملے گی۔

عقیدہ:

بندہ اپنے ارادہ واختیار سے اعمال کماتا ہے لیکن اعمال کا خالق اللہ ہی ہے، جیسے رزق کا خالق اللہ ہے اور بندہ رزق صرف کماتا ہے۔

خلقِ اعمال اور کسبِ اعمال:

مکلفین کو ایک گونہ ارادہ اور اختیار کی صفات دی گئی ہیں، اس حقیقت کو سمجھنے کے ساتھ ایک اور حقیقت یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ کائنات اللہ کے مملکت ہے، یہاں جو کچھ ہوتا اللہ کی مشیت اور اس کی اجازت سے ہوتا ہے۔

جب مکلف بندہ کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو یہ دنیا یا وہ عمل اس کی مملکت نہیں ہے کہ خود سے کرسکے، یہ اللہ کی مملکت ہے، بندہ کو وہ عمل کرنے کیلئے اللہ کی مشیت کی ضرورت ہوتی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کی ابتلاء اور آزمائش اس عمل کے کرنے یا نہ چھوڑنے میں رکھی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو اپنی مشیت سے پیدا کردیتے ہیں اور اس عمل کو ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں، بندہ کے عمل کے لئے یہی موقع کی فراہمی اللہ کی جانب سے خلق اعمال (اس عمل کو پیدا کرنا) ہے، اس موقع کی فراہمی کے بعد جب بندہ اس عمل کو کرتا ہے تو یہ کسب عمل (یعنی بندہ کی جانب سے اس عمل کو کمانا) ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے رزق کے مواقع اس دنیا میں اللہ نے پیدا کئے ہیں، بندہ اپنے رزق کو پیدا نہیں کرتا ہے بلکہ پیدا شدہ رزق میں سے اپنا حصہ کماتا ہے۔

عقیدہ:

اللہ تعالیٰ بعض اعمال سے راضی نہیں ہونے کے باوجود اس کو پورا ہونے دیتے ہیں؛ کیونکہ امتحان اور آزمائش کا عمل پورا

ہوتا ہے۔

یہ کائنات اللہ کی مملکت ہے یہاں بندہ کے اعمال خواہ وہ اچھے ہوں یا برے اسی وقت پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں جبکہ اللہ کا اذن ہوتا ہے۔ کسی کا عمل چاہے اچھا ہو یا برا اس کائنات میں اللہ کی مشیت سے ہی پورا ہو سکتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس عمل کو بھی پورا ہونے دینے میں اللہ کی مشیت ہو اس میں اللہ کی رضا بھی ہے۔

مشیت اور رضاء کا فرق:

عمل کا خلق اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور اس کا کسب یعنی اختیار (کرنا) یا ترک (چھوڑنا) مکلف بندہ کی جانب سے ہوتا ہے، اور کسب اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ کی جانب سے خلق اعمال نہ ہو، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ہر عمل سے خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا راضی ہوتا ہے۔

کسب اعمال میں مشیت و اذن الٰہی کا صرف یہ مطلب ہے کہ یہ کائنات اللہ کی مملکت ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے اذن سے ہی ہو سکتا ہے، آزمائش کے لئے بندہ کو جو عمل کرنا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت اور اجازت سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ آزمائش کیلئے اچھے عمل کی اپنی مشیت اور اجازت دیتے ہیں ایسے ہی آزمائش کیلئے برے عمل کی بھی اجازت دیتے ہیں؛ تاکہ مکلف بندہ کی آزمائش پوری ہو، باقی بندہ جو کچھ کرتا ہے اس کو دیئے گئے اختیار و ارادہ سے کرتا ہے۔

رہی بات یہ کہ بندہ جو کچھ عمل کرتا ہے اس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک مستقل بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے مکلفین کیلئے خاص ہدایت میں واضح فرمادی ہے جس کو ہدایت شرعی کہتے ہیں۔

عقیدہ:

ارادہ و اختیار کے علاوہ مکلفین کیلئے مقدر کی گئی دوسری نعمت انبیاء اور کتابوں کے ذریعہ ہدایت ہے۔

مکلفین میں ارادہ و اختیار مقدر کرکے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ اپنی رضاء اور ناراضگی والے راستہ کو واضح کیا ہے۔

ہدایت کا دوسرا درجہ تشریعی حکم اور انبیاء اور کتابوں کے ذریعہ ہدایت شرعی:

ہدایت کا دوسرا درجہ ہے ہدایتِ شرعی ہے، یعنی وہ نظامِ ہدایت جو اللہ تعالیٰ نے مکلف بندوں کیلئے انبیاء اور کتابوں اور نبیوں اور کتابوں کے پیروکار رہنماؤں کی شکل میں جاری کیا ہے، اسی ہدایت میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلف بندوں کے کن اعمال سے راضی ہوتے ہیں اور کن اعمال سے ناراض ہوتے ہیں۔

یہ ہدایت مکلف بندوں کے لئے خاص ہے، یعنی ہدایت کا یہ درجہ انسانوں اور جنوں کیلئے جاری کیا گیا ہے، اور یہی وہ دوسری خاص عطاء ہے جو اللہ تعالیٰ نے مکلف بندوں کو ارادہ و اختیار کے ساتھ عطاء فرمائیں ہے جو دیگر مخلوقات کو عطاء نہیں

کی گئی ہے۔

یہ ہدایت شرعی نبی ورسول اور اللہ کی کتابوں کی شکل میں دی گئی ہے، نبی ورسول اور اللہ کی کتابیں اللہ کا صحیح راستہ بتلاتے ہیں، اور حق کی دعوت اور تعلیم دیتی ہیں کہ کن امور میں بندوں کی کامیابی ہے، اور وہ کونسے امور ہیں جن کی وجہ سے بندے ناکامی کا شکار ہوں گے۔

نبیوں اور رسولوں اور اللہ کی کتابوں کا سلسلہ بھی تقدیر الٰہی کا ایک جزء ہے، ہر نبی ورسول کا ایک خاص دور اللہ کی جانب سے مقرر ہے، ہر کتاب اور شریعت کا ایک دور مقرر ہے، ہر امت کا ایک وقت مقرر ہے، سب کچھ بندوں کی ہدایت کیلئے اللہ کی جانب سے پہلے سے مقرر ومقدر ہے۔

بندوں کو ہدایت دینا، علم سے آراستہ کرنا، جہالت سے نکال کر روشنی کی جانب لانے کا نظام اللہ کی جانب سے ایسے ہی مقرر شدہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ظاہری نعمتوں میں سے ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا یہ سلسلہ تمام مکلّفین کے لئے جاری کیا ہے، تمام انسان اور تمام جنوں کیلئے جاری کیا ہے، ہدایت کے یہ اسباب تمام مکلّفین کیلئے جمع کیے ہیں، ارادہ واختیار کی عطاء اور ہدایت شرعی کی عطاء کے بعد بندہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے، ہدایت شرعی کی پابندی کرتا ہے تو اپنے اختیار سے کرتا ہے، ہدایت شرعی کو نظر انداز کرتا ہے اور چھوڑتا ہے تو اپنے ارادہ واختیار سے چھوڑتا ہے۔

عقیدہ:

انبیاء وکتابوں کے ذریعہ جو راستہ اللہ نے واضح کیا ہے اسی میں اس کی رضاء ہوتی ہے۔

مکلّف کے اعمال میں اللہ کی رضاء:

نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ شرعی ہدایت دینے اور ہدایت کے ذرائع مہیا کردینے کے بعد مکلّف بندہ عمل کیلئے آزاد ہوتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کی جانب سے مکلّف بندہ کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اچھے راستہ کو اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ بندہ کیلئے اچھے راستہ کو پسند فرماتے ہیں اور بندہ اچھا عمل اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے کہ بندہ بُرا عمل کرے، اللہ تعالیٰ بندہ کیلئے برے راستہ کو پسند نہیں فرماتے، مکلّف بندہ اپنے ارادہ واختیار سے بُرے راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں، لیکن ارادہ واختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ زبردستی کسی کو کسی عمل کی جانب نہیں جھونکتے؛ بلکہ عمل کی آزادی دیتے ہیں تاکہ آزمائش پوری ہو۔

عقیدہ:

مکلّفین کیلئے انبیاء وکتابوں کی ہدایت کے علاوہ اللہ نے توفیق کی ہدایت بھی مقدر کی ہے۔

کسی کیلئے توفیق کی عطاء کو مقدر کیا اور کسی کیلئے توفیق سے محرومی کو مقدر کیا ہے۔ توفیق کی عطاء یا توفیق سے محرومی کی

تقدیر علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ عدل اور فضل کے درمیان دائر ہے۔

ہدایت کا تیسرا درجہ عطاءِ توفیق اور اس کی ضد سلبِ توفیق:

ہدایت کے ذرائع مہیا کرنے کے بعد بندہ جب اپنے ارادہ واختیار سے ہدایت کی جانب مائل ہوتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو آگے بڑھنے کی توفیق عطاء فرماتے ہیں کہ وہ ہدایت کو اپنائے، اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے اس کیلئے ہدایت کے راستہ کو پھر آسان فرماتے ہیں، نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت بندہ کو صرف اللہ سے حاصل ہوتی ہے، اور جو بندہ ہدایت کے ذرائع موجود ہونے کے باوجود ہدایت کو نظر انداز کر کے ہدایت سے انحراف کی راہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے توفیق کو چھین لیتے ہیں۔

توفیق کا دینا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور توفیق کا چھیننا بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو ہدایت دے، بندہ اگر ہدایت پر نہیں چلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ گمراہی کے راستہ کو اس کیلئے آسان کر دیتے ہیں، چونکہ اس کائنات میں وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتے ہیں تو بندہ کو گمراہی پر چلنے کیلئے بھی اللہ کی مشیت کونی کی ضرورت ہے، اس کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ اپنی جانب کر کے کہتے ہیں کہ اگر کوئی گمراہی پر ہی چلنا چاہتا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیتے ہیں، جس طرح سے ہدایت دینا اللہ کا فعل اور فضل الٰہی ہے اسی طرح گمراہ کرنا بھی اللہ کا فعل اور عین عدلِ الٰہی ہے۔

ہدایت کو سب کیلئے بھیجنا اور اس کے ذرائع سب کیلئے کھول دینا اللہ تعالیٰ کا عدل وانصاف ہی نہیں بلکہ فضل ورحمت اور خیر کا معاملہ بھی ہے، ہدایت کے راستہ کو واضح کرنے کے بعد کوئی گمراہی پر ہی چلنا چاہتا ہے تو اس کے لئے گمراہی کے راستہ کو آسان کر دینا اللہ تعالیٰ کا عین انصاف اور عدل ہے، اور جو ہدایت کے واضح ہونے کے بعد ہدایت کے راستہ پر چلنا چاہتا ہے اس کے لئے ہدایت کے راستہ کو آسان کرنا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا فضل اور خیر ورحمت کا معاملہ ہے۔

کس کو توفیق عطاء ہوگی اور اس کے لئے نیکی کا راستہ ہو جائیگا، اسی طرح کس سے توفیق چھن جائے گی اور اس کیلئے گمراہی کا راستہ آسان کر دیا جائے گا سب پہلے سے اللہ کے علم میں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ اپنے علم کی بنیاد پر لکھ کر مقدر کر دیا ہے۔

یہی توفیق کو عطاء کرنا یا توفیق کو سلب کر لینا ہی اِن الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کرتے ہیں اور اللہ ہی ہدایت دیتے ہیں۔

توفیق ہدایت ہی کا خاص درجہ ہے، یعنی راہ حق اور عمل حق کی رہنمائی کے اسباب پیدا کر کے بندہ کو اس کے اختیار کرنے کی قدرت دینا، یہ صرف اللہ کے ہاتھ ہے، ہدایت کے ذرائع مثلاً انبیاء اور کتابیں توفیق نہیں دیتیں۔

ہدایت کی توفیق میں صرف یہ بات نہیں ہوتی کہ راستہ دکھا دیا، راستہ دیکھ لینے کے بعد بھی کئی مراحل ہوتے ہیں، جس کو ہر عام وخاص آسانی سے سمجھتا ہے، راستہ پر چلنا آسان ہونا بھی ضروری ہے، راستہ معلوم ہو جائے لیکن چلنا نہ ہو تو وہ ہدایت

نہیں ہے، توفیق یہ ہے کہ راستہ پر چل پڑے، اسی طرح راستہ پر چل پڑنے کے بعد راستے کے خطرات معلوم ہوں اور ان سے بچنا آسان ہو یہ بھی توفیق کا حصہ ہے، راستہ پر چل پڑنے کے بعد اگر خطرات کا سامنا ہونے سے راستہ سے پھر جائے تو پھر وہ بھی توفیق نہیں ہے، اللہ نے توفیق کو بھی مقدر کا حصہ بنایا ہے، بندہ پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توفیق مانگتا رہے اور بڑھتا رہے۔

توفیق ایک لحاتی ضرورت نہیں ہے بلکہ عقل وشعور کے آغاز سے موت تک اس کی ضرورت ہے، اس کے لئے اللہ نے نظام بنایا ہے جو اللہ کی جانب سے مقدر ہے، وہ لوگ جو اللہ سے اس کو مانگتے رہتے ہیں اور اس کی رہنمائی میں چلتے رہتے ہیں ان کے لئے یہ اخیر تک مقدر رہتی ہے، لیکن جو کسی مرحلہ پر رک جائیں اور خود کو اس سے مستغنی سمجھیں وہی گمراہی کا نقطہ آغاز ہے، مرنے سے پہلے جو کچھ کیا وہی اصل مرحلہ ہے، توفیق الٰہی کے ذریعہ جو ہدایت ملتی ہے اس کا انجام جنت کی رہنمائی ہے۔

عقیدہ:

مکلّف بندہ تقدیر میں جبر واختیار کے درمیان ہوتا ہے۔ یعنی افعال غیر اختیاریہ میں مجبور ہے اور افعال اختیاریہ پر اس سے سوال ہوگا۔

افعال غیر اختیاریہ جیسے حیات وموت، رزق اور اولاد وغیرہ میں وہ تقدیر کے آگے مجبور ہے۔ افعال اختیاریہ میں وہ ابتلاء وآزمائش کی حد تک مختار ہے، اور انہیں افعال اختیاریہ پر اس سے سوال ہوگا۔

جبر واختیار:

انسان اپنی پیدائش، حیات، رزق، صحت ومرض، نفع ونقصان، مصائب ومشکلات اور موت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے آگے مجبور ہے، ان امور میں جو اللہ تعالیٰ اس کے لئے طے کردے وہ اس سے ٹل نہیں سکتا اور جو اللہ نے اس کے لئے مقدر نہیں کیا ہے وہ اس کو مل نہیں سکتا، ہاں وہ اپنے اعمال اختیاریہ میں اسی حد تک مختار ہے جس میں اللہ نے اسے مختار بنایا ہے، اس طرح انسان اللہ کی تقدیر میں جبر واختیار دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔

انسان نہ پوری طرح مجبور ہے نہ پوری طرح مختار ہے، اعمال جس کا اسے حساب دینا ہے اس میں آزمائش اور ابتلاء کے لحاظ سے مکمل طور پر مختار ہے اور تکوینی امور میں مکمل طور پر مجبور ہے۔

حیات اور رزق اس کو اتنا ہی ملے گا جو اس کے لئے طے شدہ ہے، خواہ وہ کچھ کرلے اس کو وہی ملے گا جو اللہ کی جانب سے مقدر کردیا گیا ہے، وہ چیز جو اس کے لئے نہیں لکھی گئی ہے خواہ وہ اور پوری دنیا اس کے لئے محنت کرلے اس کو ملنے والی نہیں ہے۔

اور عمل جس کی بنیاد پر اس کو حساب دینا ہے اپنے اختیار سے کرنے کیلئے اس کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، جو کچھ وہ عمل کرے گا اپنے اختیار سے کرے گا اور اس کو اس کا اجر ملے گا، ہاں وہ اعمال کا خالق (پیدا کرنے والا) نہیں؛ بلکہ اعمال کا **کاسب** (کمانے والا) ہے جیسا کہ اوپر گذرا ہے۔

اور بندہ کو جو کچھ ملنے والا ہے اور بندہ اپنے ارادہ واختیار سے جو کچھ اعمال کرنے والا ہے وہ سب اللہ کے علم میں پہلے سے ہے، چنانچہ اللہ نے ان سب تفصیلات کو لکھ دیا ہے اور وہ لوح محفوظ میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے سے لکھا ہوا ہے۔

عقیدہ:

تقدیر کے پہلے سے لکھے ہوئے ہونے اور اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اعمال کے علم ہونے کا انکار کفر ہے، جیسا کہ قدریہ نے کیا ہے، یہ اللہ کے تقدیری حکم کے منکر ہوتے ہیں، تقدیر کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔

قدریہ یعنی تقدیر کا انکار کرنے والے:

امتِ مسلمہ میں بعض گمراہ فرقے بھی پیدا ہوئے ہیں، انہوں نے اس مسئلہ میں بھی گمراہی کی راہ اختیار کی ہے، ایک گروہ نے یہ کہا کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے اور اعمال خود بخود ہو رہے ہیں، اس میں پہلے سے کچھ طے نہیں ہے، اور یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کو بندہ کے اعمال کرنے سے پہلے سے کچھ پتہ نہیں ہوتا اور انہوں نے پہلے سے کچھ لکھے ہوئے ہونے کو نہیں مانا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت دونوں کا انکار کیا ہے، انہیں قدریہ کہا جاتا ہے۔

قدریہ یعنی تقدیر کے پہلے سے لکھے ہوئے ہونے کا انکار کرنے والے پیدا ہوں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے پیشین گوئی فرمائی تھی اور یہ بھی تعلیم دی تھی کہ جو شخص تقدیر کے لکھے ہوئے ہونے کا انکار کرے گا اور اسی حالت میں اس کی موت آئے وہ جہنمی ہوگا۔

قرآن نے خود کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ اعمال تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان کا بھی خالق ہے، اسی طرح صحیح مسلم میں یحییٰ بن یعمر سے منقول ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے قدر کے بارے میں کلام کرنے والا معبد جہنی تھا، جب اس کا ظہور ہوا تو اس کے بعد میں اور حمید بن عبد الرحمٰن حج کے لئے گئے، ہماری خواہش تھی کہ دوران حج کسی صحابہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو جائے تو اچھا ہے، ہم ان سے پوچھ سکیں گے کہ قدر کے بارے میں یہ جو کلام ہو رہا ہے اس کے بارے میں کیا رہنمائی ہے؟ جب ہم مسجد حرام میں داخل ہو رہے تھے اللہ کی توفیق سے ہماری ملاقات حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہوئی، میں اور میرے ساتھی دونوں ان کے دائیں بائیں ہو گئے، میں نے ان سے خطاب کر کے کہا: اے ابو عبد الرحمٰن! (یہ حضرت ابن عمر کی کنیت ہے) ہماری طرف کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن بھی پڑھتے ہیں اور علم بھی حاصل کرتے ہیں اور ان کے دیگر حالات بتلا کر کہا کہ ان کا خیال ہے کہ قدر کوئی چیز نہیں ہے، سب کچھ یونہی چل رہا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب تم ان سے جا کر ملو تو انہیں بتلاؤ کہ میں ان سے اپنی برات کا اظہار کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں، اور اس ذات کی قسم جس کی ابن عمر قسم کھاتا ہے! اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ پورا کا پورا انفاق کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہیں لائے گا، پھر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث جبرئیل سنائی جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں سوال کیا تھا کہ: ایمان کیا ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے، اس کے فرشتوں پر ایمان لایا جائے، اس کی کتابوں پر ایمان لایا جائے، اس کے رسولوں پر ایمان لایا جائے، آخرت کے دن پر ایمان لایا جائے اور اس تقدیر کے خیر وشر ہر دو پہلو پر ایمان لایا جائے۔

ابو حفصہ سے منقول ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا: ایمان کی حقیقت کا مزہ تم اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک تم میں یہ بات یقین تک نہ پہنچ جائے کہ جو حالات تم تک پہنچنے والے تھے وہ تم سے کسی طرح نہیں ٹل سکتے تھے اور جو کچھ تم کو پیش نہیں آیا وہ تمہیں کبھی پیش آ ہی نہیں سکتا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا: لکھو! قلم نے کہا: پروردگار میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تا قیامت ہر چیز کی تقدیر لکھو! حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص اس بات پر ایمان لائے بغیر مرجائے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں شرکت کیلئے آئے، تدفین کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تدفین کے انتظار میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا انجام کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے لکھا جا چکا ہے، وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو کیا ہم اس لکھے ہوئے پر سب کچھ چھوڑ کر عمل چھوڑ نہ دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل کرتے رہو! اس لئے کہ جو شخص بھی جس انجام کیلئے پیدا ہوا ہے اس کیلئے اسی کے مناسب عمل آسان ہوگا، جو کامیاب ہونے والوں میں سے ہوگا اس کے لئے کامیابی کے اعمال آسان ہوں گے اور جو ناکام ہونے والا ہوگا اس کیلئے ناکام ہونے والے اعمال آسان ہوں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ اللیل کی آیات فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝ تلاوت کیں۔ (صحیح بخاری)

عقیدہ:

مکلّف بندہ کو اعمال میں بھی مجبور محض بتلانا اور معاصی کی بنیاد تقدیر پر رکھنا بھی کفر ہے، جیسا کہ جبریہ نے کیا ہے، یہ اللہ کے تشریعی حکم کے منکر ہیں، تقدیر کی بنیاد پر بندوں کو اعمال میں بھی مجبور محض بتلانے والے کافر ہیں۔

جبریہ یعنی فرائض چھوڑنے اور گناہوں کو کرنے کیلئے تقدیر کو ذمہ دار بتانے والے:

جس طرح قدریہ کا گمان کہ تقدیر کچھ نہیں ہے کفر ہے، اسی طرح اس کے بالکل برخلاف یہ گمان بھی کفر ہے کہ انسان مجبور محض ہے، امت میں ایک گمراہ فرقہ ایسا بھی پیدا ہوا جس نے تقدیر کے بارے میں ایسے ہی کفر کی حد تک غلو سے کام لیا، اس نے کہا کہ بندہ کے اختیار میں کچھ نہیں ہے، جیسے حیات وموت میں انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے اسی طرح اعمال کے

بارے میں بھی انسان مجبور محض ہے، ان لوگوں نے بدعملی اور گناہ کے ارتکاب کیلئے بھی تقدیر کو ذمہ دار قرار دیا اور کہا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو رہا ہے اس میں بندہ کا کیا قصور؟ یہ زعم صریح کفر ہے، مشرکین یہی کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے، گویا انہوں نے اپنے شرک کا ذمہ دار اللہ کی مشیت کو قرار دیا ہے، حالانکہ ایسا خیال کرنا تقدیر کو ماننا نہیں بلکہ یہ بھی تقدیر کا انکار کرنا ہی ہے، کیونکہ تقدیر کو ماننے میں یہ بات شامل ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ارادہ اور اختیار سے بھی نوازا ہے اور انسان جو کچھ عمل کرتا ہے وہ اس کے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے، ہاں تکوینی امور مثلاً حیات وموت وغیرہ میں انسان مکمل طور پر تقدیر کے آگے مجبور ہے، لیکن یہ غیر اختیاری امور ہیں جن کے بارے میں انسان سے سوال نہیں ہوگا، جبکہ اس کے اعمال اس کے ارادہ واختیار سے کیے ہوئے ہوتے ہیں، جن کی تفہیم اور تفصیل اوپر ارادہ واختیار اور خلق اعمال کے عنوان کے تحت گذر چکی ہے۔

عقیدہ:

گناہوں کی بنیاد تقدیر کو بتلانا کفر ہے لیکن مصائب کی بنیاد تقدیر کو بتلانا درست ہے۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ:

حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اے آدم! آپ ہمارے والد ہیں، آپ نے جنت میں خطا کی تھی جس نے آپ کو اور ہمیں جنت سے نکال دیا، حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب میں کہا: اے موسیٰ! تم وہ ہو جس کو اللہ نے اپنے رسول کی حیثیت سے منتخب فرمایا اور اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف دیا، پھر بھی تم مجھے ایسی بات پر ملامت کر رہے ہو جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے سے ہی مقدر تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا متعدد بار کہا۔

جنہوں نے اس حدیث کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا جو قدر کے بھی منکر ہیں انہوں نے اس حدیث کو ماننے سے ہی انکار کر دیا، ان کے خیال میں اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا حاصل تو یہ ہے کہ انبیاء کی نبوت کو ماننے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے، کیونکہ ہر گناہگار اس حدیث کو بنیاد بنا سکتا ہے، ایسی صورت میں شریعت کے احکام اور منہیات کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوگا، اس لئے کہ کوئی بھی گناہگار جو کسی حکم کو چھوڑ دے یا کسی ممنوع چیز پر عمل کرلے اس کو تقدیر پر ڈال کر اپنے گناہ سے بچنا آسان ہو جائے گا اور اس پر کوئی ملامت کا موقع ہی نہیں ہوگا۔

حالانکہ اس حدیث کے بارے میں معتزلہ اور قدریہ کا یہ گمان خود ان کی جہالت اور گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ہے، یہ حدیث نہ صرف صحیح ہے بلکہ محدثین کے درمیان اس کی صحت پر اتفاق ہے اور امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر اب تک نسل در نسل اس حدیث کو قبول عام حاصل رہا ہے اور ہر ایک نے اس کی تصدیق کی ہے اور اس کو تسلیم کیا

ہے، یہ گمراہ فرقوں کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بھی ارشاد ان کے نقطہ نظر یا فکر کے خلاف جاتا ہے اس کو ماننے سے ہی انکار کر دیتے ہیں، خواہ وہ حدیث محدثین کے یہاں کتنی ہی اونچے درجہ کی اور صحیح ہو، جیسے انہوں نے رؤیت باری تعالیٰ، باری تعالیٰ کے ساتھ قائم صفات، شفاعت کی احادیث وغیرہ کا انکار کیا ہے، اور جیسے خوارج و معتزلہ نے مرتکب کبیرہ کے شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے جانے کی احادیث کا انکار کر دیا، اور جیسے روافض نے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل میں وارد احادیث کو ماننے سے انکار کیا ہے، ایسے ہی یہ قدریہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے مجوس قرار دیا ہے، جنہوں نے قضاء وقدر کی بابت وارد احادیث کا انکار کیا ہے۔ یہ طرز عمل تمام گمراہ فرقوں کا رہا ہے۔

پھر انہوں نے اس حدیث کا جو مفہوم اور مطلب نکالا ہے اس حدیث میں وہ مطلب کہیں نہیں ہے، اس حدیث میں یہ گنجائش ہی نہیں ہے کہ کوئی گناہگار اور عاصی اپنی معصیت کو تقدیر کی رو سے صحیح قرار دے۔

اس حدیث کے مفہوم کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر نبی ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کی کامل معرفت رکھنے والے ہیں، ان سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایسی خطاء پر ملامت کریں جس کی توبہ قبول ہو چکی ہو اور اس کے بعد رب العالمین نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے چنندہ بندوں میں شمار کیا ہو، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام بھی اپنے رب کی کامل معرفت رکھنے والے ہیں ان سے کیسے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی کسی معصیت پر قضاء وقدر سے حجت لیں، یہ دونوں ہی باتیں ان دونوں انبیاء سے ممکن نہیں ہیں اور نہ ہی یہ باتیں اس حدیث میں ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے جو شکایت کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی خطاء پر ہمیں امتحان، آزمائش اور ابتلاء کے لئے جنت سے نکال کر اس دنیا میں بھیج دیا گیا، انہوں نے حضرت آدم کی خطاء کو دنیا کے مصائب اور آزمائش کا سبب قرار دیا، جس سے ان کی ذریت کو گذرنا پڑا، اس مصیبت پر حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر کو حجت بنایا کہ یہ مصیبت جس کا ان کی نسل کو سامنا کرنا پڑا ہے وہ تو ان کی تقدیر میں حضرت آدم کی تخلیق سے بھی پہلے سے لکھی ہوئی ہے گویا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطاء کی بنیاد تقدیر کو نہیں بتایا بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ دنیا میں بھیج کر جو آزمائش اور ابتلاء ہو رہی اس کی بنیاد تقدیر پر ہے، ظاہر ہے اب یہ حدیث گناہگاروں کیلئے ان کی معصیت کی تائید کرنے والی کہاں رہی کہ وہ اپنی معصیت پر اس سے یہ استدلال کریں کہ چونکہ وہ ان کے مقدر میں لکھا ہے اس لئے وہ کر رہے ہیں۔

عقیدہ:

مکلف اعمال میں مجبور نہیں ہے بلکہ مختار ہیں۔ اللہ ہر ایک کا انجام یکساں نہیں کریں گے:

جبریہ نے بندوں کے مجبور محض ہونے کا جو گمان قائم کیا اس کا باطل اور بے بنیاد ہونا اس طرح سے بھی سمجھا جا سکتا ہے

کہ کل قیامت کے دن مسلمین اور مجرمین کے گروہ الگ الگ ہوں گے، اسی طرح ایمان اور عمل صالح کرنے والے اور مفسدین الگ الگ ہوں گے، ایسے ہی متقین اور فجار الگ الگ ہوں گے، اعمال سیئہ کے مرتکبین اور حسنات کا اہتمام کرنے والے الگ الگ ہوں گے، مصیبتوں میں صبر کرنے والے اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے الگ الگ ہوں گے، اطاعت کرنے والے اور سرکشی کرنے والے الگ الگ ہوں گے، انبیاء، صدیقین، شہداء و صالحین اور ان کو جھٹلانے والے اور کی مخالفت کرنے والے الگ الگ ہوں گے، اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال الگ الگ ہوں گے اور ان دو مختلف گروہوں کا انجام بھی جدا جدا ہوگا، ایک جہنمی ہوگا اور ایک جنت میں جائے گا۔

اگر انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ کر رہا ہے مقدر میں لکھا ہے اس لئے کر رہا ہے تو اپنے ارادہ اور اختیار سے نہیں کر رہا ہے تو پھر یہ الگ الگ گروہ کیوں اور ان کا الگ الگ انجام کیوں؟ اگر انسان مجبور محض ہے تو پھر جو جہنم میں جائیں گے نعوذ باللہ ان پر صراصر اللہ کا ظلم ہوگا، اور جو جنت میں جائیں گے ان کے جنت میں جانے کا کوئی استحقاق ہی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ ظالم نہیں ہے، جہنمیوں کو جہنم کی سزا خود ان کے ارادہ اور اختیار سے کی ہوئی ان کی بداعمالیوں، سرکشی، تکذیب، کفر اور نفاق کی وجہ سے ملے گی، اور جنتیوں کو جنت کی نعمتیں ان کے ارادہ و اختیار سے منتخب کئے ہوئے ایمان اور عمل صالح کے راستہ، ان کے صبر اور ان کی قربانیوں کے سبب ملیں گی، یہ بات قرآن میں از اول تا آخر بھری پڑی ہے۔

عقیدہ:

بندوں کیلئے خیر و شر کا ہر پہلو اللہ کی جانب سے مقدر ہے لیکن کوئی چیز بندہ کی نسبت سے شر ہوتی ہے اور اللہ سے منسوب ہو کر ہر شئے خیر ہی ہوتی ہے۔

تقدیر میں خیر و شر کے پہلو:

جس طرح خیر کا پیدا کرنے والا اور شر کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اسی طرح تقدیر میں خیر و شر دونوں پہلو اللہ کی جانب سے مقدر ہوتے ہیں، خیر کا مقدر کرنے والا الگ اور شر کا مقدر کرنے والا الگ نہیں ہے، ہر چیز اللہ کی جانب سے ہے۔

البتہ ہر چیز اللہ کی جانب منسوب ہو کر خیر ہی ہوتی ہے، ہاں بندوں سے منسوب ہو کر کوئی شئے شر ہو سکتی ہے، مثلاً صحت کو بندہ خیر اور مرض کو شر گمان کرتا ہے یا نفع کو خیر اور نقصان کو شر شمار کرتا ہے، لیکن اللہ کی جانب منسوب ہو کر مرض اور نقصان شر باقی نہیں رہتے، بلکہ ان کی بھی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب خیر کی حیثیت سے ہی ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی تخلیق بامقصد کی ہے۔

اسی طرح سے کوئی گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی اس کیلئے شر ہے، لیکن اللہ کی جانب منسوب ہو کر وہ عین عدل ہے اور عدل خیر ہوتا ہے، اور ایسے ہی گمراہی کا انجام گمراہ کیلئے شر ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہو کر وہ عین عدل ہوگا، اس لحاظ

سے بندہ کی جانب منسوب ہوکر جو چیزیں شر ہوتی ہیں ان کا خالق ومقدر کرنے والا یقیناً اللہ ہے، لیکن اللہ کے ساتھ ان کو شر کی حیثیت سے منسوب نہیں کریں گے۔

عقیدہ:

تقدیر پر ایمان رکھنا اور تقدیر کے معاملہ میں جو علم دیا گیا ہے اس پر یقین رکھنا لازم ہے، اور تقدیر کے بارے میں جو علم بندوں کو نہیں دیا گیا ہے اس کے درپے ہونا اور اس میں غور وخوض کرنا ممنوع ہے۔

تقدیر کے بارے میں تنازعہ اور بے جا غور وخوض کی ممانعت:

تقدیر پر ایمان لازم ہے اور تقدیر سے متعلق جو باتیں ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے بتلائیں ہیں ان پر یقین رکھنا ضروری ہے، باقی تقدیر کا جو علم ہمیں نہیں دیا گیا ہے اس میں کلام کرنا سخت ممنوع ہے۔

تقدیر درحقیقت مخلوقات کے بارے میں اللہ کے علم اور اس کی مشیت کو شامل ہوتی ہے، کون ہے جو اللہ کے علم کا احاطہ کر سکے، مخلوقات کی عقل اور فہم ناقص اللہ کے علم میں سے ہر شئے نہیں جان سکتی، اسی طرح مخلوقات کی تقدیر میں اللہ کی مشیت اس کی حکمتوں کو شامل ہوتی ہے، کون ہے جو اللہ کی حکمتوں کو جان سکتا ہو یا جس کا علم نہیں دیا گیا ہے ان تک خود پہنچ سکتا ہو، بندوں کو ایمان کی درستگی کیلئے جتنا علم دینا تھا وہ دیا جا چکا، بندوں پر لازم ہے کہ اس علم پر اکتفاء کریں اور جو علم نہیں دیا گیا اس کا سمجھنا اور ان کا احاطہ کرنا بندوں کیلئے ممکن نہیں تھا اس لئے وہ انہیں نہیں دیا گیا، اب کسی کا اس علم کے درپے ہونا کئی نقصانات لانے والا ہوگا، اول تو وہ حاصل نہیں ہوگا، دوسرے ان کے درپے ہوکر اور ان کے پیچھے پڑکر بہت سے معاملات کو وہ سمجھ ہی نہیں سکے گا، نتیجتاً یقین ہے کہ شکوک وشبہات اور گمراہی ہی شکا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ایک موقع پر قدر کے بارے میں بہت زیادہ غور وخوض کرتے ہوئے دیکھ کر سخت غصہ کا اظہار فرمایا اور کہا کہ: کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟ یا میں ان باتوں میں خور وخوض کی دعوت دے کر بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے جو قومیں گذری ہیں ان کی ہلاکت میں قدر کے معاملہ میں تنازعات بھی وجہ رہے ہیں، وہ اپنے انبیاء کے طریقہ سے ہٹ کر اس مسئلہ میں اختلاف کا شکار رہے ہیں۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُه حَتّٰی كَاَنَّمَا فُقِئَ فِی وَجْنَتَیْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِینَ تَنَازَعُوا فِی هٰذَا الاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْكُمْ اَلَّا تَتَنَازَعُوا فِیهِ

(سنن الترمذی)

عقیدہ:

تقدیر کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہئے اور زیادہ کھود کرید میں نہیں پڑنا چاہئے، احادیثِ مبارکہ میں اس سے منع کیا گیا

کیونکہ اس موضوع کی اکثر باتیں انسانی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں۔
ہے، عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ
فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِیءَ فِی وَجْنَتَیْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ
اِلَیْکُمْ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِی هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَلَّا تَتَنَازَعُوْا فِیْهِ۔
(سنن ترمذی) حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی مُلَیْکَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی عَائِشَةَ فَذَکَرَ لَهَا
شَیْئًا مِنَ الْقَدَرِ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَکَلَّمَ فِی شَیْءٍ مِنَ
الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ لَمْ یَتَکَلَّمْ فِیْهِ لَمْ یُسْاَلْ عَنْهُ ۔ (سنن ابن ماجه) وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِی
ذٰلِکَ ذَرِیْعَةُ الْخِذْلَانِ ۔ (العقیدة الطحاویة)

لوگوں کو فطرت پر پیدا کرنے کا بیان

مَا فطر اللّٰه عَلَیْهِ النَّاس

خلق اللّٰه تَعَالٰی الْخلق سلیما من الْکفْر وَالْاِیمَان ثمّ خاطبهم وامرهم ونهاهم فکفر من کفر بِفِعْلِهٖ وانکاره وجحوده الْحق بخذلان اللّٰه تَعَالٰی اِیَّاه وآمن من آمن بِفِعْلِهٖ وَاِقْرَاره وتصدیقه بِتَوْفِیق اللّٰه تَعَالٰی اِیَّاه ونصرته لَهٗ اخرج ذُرِّیَّة آدم من صلبه فجعلهم عقلاء فخاطبهم وَامرهمْ بِالْاِیمَان ونهاهم عَن الْکفْر فاقروا لَهٗ بالربوبیة فَکَانَ ذٰلِك مِنْهُم اِیمَانًا فهم یولدون علی تِلْكَ الْفطْرَة وَمن کفر بعد ذٰلِك فقد بدل وَغیر وَمن آمن وَصدق فقد ثَبت عَلَیْهِ وداوم ۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو کفر اور ایمان سے خالی یعنی فطرت سلیمہ پر پیدا کیا۔ اس کے بعد ان سے خطاب کیا اور انہیں حکم دیا اور انہیں منع کیا پس جس نے کفر کیا اس نے اپنے فعل کے ساتھ کفر کیا اور اس کا انکار اور جحود ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا سبب بنا۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اپنے فعل کے ساتھ ایمان لایا۔ اور اس کا اقرار اور تصدیق یہ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالا اور انہیں عقلمند بنایا اور ان سے خطاب کیا اور انہیں ایمان لانے کا حکم دیا اور انہیں کفر سے منع کیا پس انہوں نے اس کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ پس ان میں سے جو ایمان لائے تو انہیں اسی فطرت پر پیدا کیا۔ اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو اس نے اپنے اقرار کو بدل دیا۔ اور جو ایمان لایا اور جس نے تصدیق کی تو اس نے اپنے اقرار (عالم ارواح والے) کو ثابت رکھا۔

لفظ فطرت کا لغوی مفہوم

اب ہم پہلے مسئلے سے بات شروع کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لفظ فطرت کہ جو قرآن میں آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

ارشاد خداوندی ہے: فطرة الله التی فطر الناس علیها (روم)

مادہ فطر (ف۔ط۔ر) قرآن میں متعدد بار استعمال ہوا ہے کبھی فطرهن (انبیاء)

کبھی فاطر السموات و الارض (انعام) اور دیگر پانچ آیات۔

کبھی انفطرت (انفطار) اور کبھی منفطر به (مزمل)

ہر مقام پر اسی لفظ کے معنی ہیں ابداع اور خلق بلکہ خلق بھی ابداع کے معنی میں ہی ہے۔ ابداع کے معنی کسی سابقہ نمونے کو پیش نظر رکھے بغیر پیدا کرنے کے ہیں۔ لفظ فطرة اس صیغے میں یعنی بروزن فعلة صرف ایک آیت میں آیا ہے کہ جو انسان اور دین کے بارے میں ہے جس کے مطابق دین فطرة اللہ ہے۔

فا قم و جهك للدين حنيفا فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله (روم)

اس آیت کی تشریح ہم بعد میں عرض کریں گے۔ جو لوگ عربی زبان سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ فعلة کا وزن نوعیت اور کیفیت پر دلالت کرتا ہے۔ جلسة یعنی بیٹھنا اور جلسة یعنی بیٹھنے کا خاص انداز جیسے جلست جلسة زید یعنی میں زید کے انداز میں بیٹھا یعنی جیسے زید بیٹھتا ہے میں ایسے بیٹھا۔ ابن مالک نے الفیہ مین کہا ہے:

و فعلة لمرة كجلسة و فعلة لهيبة كجلسة

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ قرآن میں لفظ فطرت انسان اور دین کے ساتھ اس کے رابطے کے بارے میں آیا ہے۔ فطرة اللہ التی فطر الناس علیہا یعنی وہ خاص خلقت کہ جو ہم نے انسان کو دی یعنی انسان ایک خاص انداز سے پیدا ہوا ہے۔ یہ جو آج کل کہا جاتا ہے کہ انسانی امتیازات تو اس سے فطرت کا مفہوم نکلتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم انسان کی اصل خلقت میں کچھ امتیازات اور خصوصیات کے قائل ہوں یعنی فطرت انسان کے معنی ہوئے خلقت و آفرینش کے اعتبار سے انسان کے امتیازات و خصوصیات۔

ابن اثیر کا قول

حدیث کی لغات کے بارے میں لکھی جانے والی معتبر کتب میں ایک کتاب ابن اثیر کی النہایہ ہے جو معروف ہے۔ ہم چونکہ معتبر مدارک سے ثبوت پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس کتاب کا بھی حوالہ پیش کرتے ہیں جیسے لغات قرآن کے لئے راغب کی کتاب مفردات نہایت عمدہ ہے کیونکہ راغب نے قرآنی الفاظ کے بنیادی معانی کا اچھی طرح تجزیہ کیا ہے۔ یہی کام ابن اثیر نے حدیث کی لغات کے لئے انجام دیا ہے۔ النہایہ میں ابن اثیر نے اس معروف حدیث کو ذکر کیا ہے:

کل مولود یولد علی الفطرة (حدیث)

ہر مولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین (بیرونی عوامل) اسے منحرف کر کے یہودی عیسائی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں ہم بعد میں بحث کریں گے۔ ابن اثیر نے یہ حدیث نقل کر کے لفظ فطرت کے معنی یوں بیان کیے ہیں کہ الفطر: الابتداء والاختراع (فطر) یعنی ابتداء واختراع یعنی خلقت ابتدائی کہ جسے ایجاد بھی کہتے ہیں اس سے مراد ایسی خلقت جس میں کسی کی تقلید نہ کی گئی ہو۔ اللہ کا کام فطر ہے اختراع لیکن انسان کا کام عموماً تقلید ہے یہاں تک کہ انسان جو ایجاد بھی کرتا ہے اس میں بھی تقلید کے عناصر موجود ہوتے ہیں۔

انسان عالم طبیعی کی تقلید کرتا ہے یعنی عالم طبیعی پہلے سے موجود ہے اور انسان اسے نمونہ قرار دے کر اس کی بنیاد پر تصویر بناتا ہے صناعی کرتا ہے مجسمہ سازی کرتا ہے انسان کبھی ایجاد واختراع بھی کرتا ہے اور ایجاد واختراع کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن انسانی ایجاد واختراع کا اصل سرچشمہ عالم طبیعی ہی ہے اور اسی سے وہ رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ معارف اسلامی میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے نہج البلاغہ اور دیگر اسلامی کتب میں اس سلسلے میں بہت کچھ موجود ہے اور لازمی طور پر ایسا ہی ہے۔ البتہ اللہ تعالی نے اپنے کام کے لئے کسی کی صناعی کی تقلید نہیں کی کیونکہ جو کچھ ہے اسی کا بنایا ہوا ہے۔ اس کی صناعی سے کوئی چیز مقدم نہیں ہے لہذا لفظ فطر ابتداء اور اختراع کے مساوی ہے یعنی ایسا عمل کہ جس میں کسی اور کی تقلید نہ کی گئی ہو۔ ابن اثیر اس کے بعد لکھتے ہیں:

والفطرة الحالہ منہ کالجلسہ و الرکبة

فطرت: یعنی خلقت کی ایک خاص حالت اور ایک خاص نوعیت کے معنی ہوتے ہیں۔ (یہ خاص طور پر اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ جب ہم بعد میں وضاحت کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ معنی ان کلمات کے لئے ان کے مفہوم کی بناء پر ہیں اور یہ کہ اس صحیح لغوی مفہوم کو نہایت معتبر اہل لغت نے بہت پہلے بیان کیا ہے)۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

والمعنی انہ یولد علی نوع من الجبلہ والطبع المتھیی لقبول الدین فلو ترک علیھا لا ستمر علی لزومھا

یعنی انسان ایک خاص طرح کی سرشت اور طبیعت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اس طرح سے کہ وہ دین کو قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے اور اگر اسے اسی کے حال پر اور طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اسی راستے کا انتخاب کرے گا بشرطیکہ بیرونی اور خارجی طور پر متاثر کرنے والے عوامل اسے اس راستے سے نہ بھٹکا دیں۔

اس کے بعد ابن اثیر کہتے ہیں کہ حدیث میں فطرت کا لفظ کئی بار آیا ہے۔ مثال کے طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کہ جس کا ابتدائی حصہ ابن اثیر نے نہیں لکھا یوں بیان ہوا ہے: علی غیر فطرۃ محمد یعنی علی غیر دین محمد۔

ابن اثیر کہتے ہیں:

علی فطراتها ای علی خلقها(نهایه ابن اثیر)

معنی فطرت اور ابن عباس کا قول

ابن عباس سے ایک عجیب حدیث منقول ہے۔اس حدیث کو میں اس امر کے لئے قرینہ سمجھتا ہوں کہ فطرت کا لفظ ان الفاظ میں سے ہے جنہیں قرآن نے ہی پہلی مرتبہ استعمال کیا ہے۔ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد تھے قریش تھے اور صاحب علم وفضل انسان تھے وہ کوئی عجمی نہ تھے کہ ہم کہیں کہ عربی زبان سے واقف نہ تھے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن میں آنے والے لفظ فطرت کو پہلی بار اس وقت سمجھا جب ایک مرتبہ میری ایک بادیہ نشین بدو اعرابی سے ملاقات ہوئی۔(اعرابی یعنی بادیہ نشین قرآن میں آنے والا لفظ اعراب اس معنی میں نہیں کہ جس میں آج ہم استعمال کرتے ہیں۔ہم لفظ اعراب کو عرب کی جمع کے طور پر استعمال کرتے ہیں جبکہ عرب کی جمع عُرب ہے۔اعراب اور اعرابی عام طور پر بادیہ نشینوں کو کہتے ہیں۔یادر ہے کہ فارسی زبان میں آج کل لفظ اعراب عرب کی جمع کے لئے بولا جاتا ہے)۔

اور اس نے ایک مسئلہ میں اس لفظ کو استعمال کیا۔جب اس نے اس مسئلے میں یہ لفظ استعمال کیا تو مجھ پر آیت کا مفہوم واضح ہوا۔

ابن عباس کے الفاظ یوں ہیں:

ما کنت ادری ما فاطر السموات والارض حتی احتکم الی اعرابیان فی بئر

یعنی قرآن میں آنے والے لفظ فاطر کو میں صحیح طور پر نہیں سمجھا تھا یہاں تک کہ دو بادیہ نشین میرے پاس آئے کہ جن کا پانی کے ایک کنوئیں کے مسئلے پر اختلاف تھا۔ان میں سے ایک نے کہا انا فطرتها، وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ کنواں میرا ہے اور اس کی مراد یہ تھی کہ اسے شروع میں میں نے کھودا ہے۔(آپ جانتے ہیں کہ جب کسی کنویں کو کھودا جاتا ہے تو ایک عرصے کے بعد اس کے پانی کی سطح نیچی ہو جاتی ہے لہٰذا اسے دوبارہ مزید نیچے گہرا کرنا پڑتا ہے تاکہ پانی دوبارہ حاصل کیا جاسکے)۔

وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ میں اس کا پہلا مالک ہوں یعنی میں نے اسے پہلے کھودا ہے۔ابن عباس کہتے ہیں کہ میں اس سے سمجھا کہ قرآن میں فطرت کے کیا معنی ہیں یعنی انسان کی ایک ایسی سو فیصد ابتدائی خلقت کہ غیر انسان میں جس کی کوئی مثال نہیں دیگر مواقع پر بھی عربی زبان میں جہاں فطر کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں بھی یہ ابتدائی ہونے اور سابقہ نہ رکھنے کا مفہوم رکھتا ہے۔مثلاً عرب کہتے ہیں:

فطر ناب البعير فطرا اذا شق اللحم و طلع

اونٹ کے دانت جب نکلتے ہیں اور وہ پہلی بار گوشت کو چیر کر نمایاں ہوتے ہیں تو ابتداءً ان کے نکلنے کو فطر کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے کسی جانور کے پستان سے جو پہلا دودھ حاصل کیا جاتا ہے اسے اسی اعتبار سے فُطرہ کہتے ہیں (یعنی بولی یا کھیس)۔
راغب اصفہانی نے بھی اس لفظ کا اسی طرح تجزیہ کیا ہے جیسے النہایہ میں ابن اثیر نے اس کو واضح کیا ہے چونکہ اسے دوبارہ بیان کرنے سے تکرار ہوتی ہے اس لئے اس کی جانب اشارہ کرنا ضروری نہیں ہے۔
اس آیت میں فرمایا ہے: (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ (الروم: ۳۰)

فطرت کا لغوی معنی

فطر کا معنی ہے پھاڑنا پیدا کرنا شروع کرنا فطر العجین کا معنی ہے گندھے ہوئے آٹے کے خمیر ہونے سے پہلے روٹی پکانا فطر ناب البعیر کا معنی ہے اونٹ کے دانت کا ظاہر ہونا فطر الرجل الشاۃ کا معنی ہے انگلیوں کے اطراف سے بکری کو دوہنا فطر الصائم کا معنی ہے روزہ دار کا روزہ افطار کرانا تفطر کا معنی ہے پھٹنا۔ (المنجد ص ۵۸۸۔ ۵۸۷ ایران ۱۳۷۹ھ)
امام لغت خلیل بن احمد فراھیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں: فطر اللہ الخلق کا معنی ہے مخلوق کو پیدا کیا اور اشیاء بنانے کی ابتدائی کی اور فطرت کا معنی ہے وہ دین جس پر ان پیدا کیا گیا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی ربوبیت کی معرفت پر پیدا کیا۔
(کتاب العین ج ۳ ص ۲۰۲ امطبعہ باقری قم ۱۴۱۴ھ)
امام محمد بن ابی بکر الرازی الحنفی المتوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں: فطر کا معنی ہے ابتداء اور اختراع۔
(مختار الصحاح ص ۲۹۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)
علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی المتوفی ۷۲۹ھ لکھتے ہیں: فطر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا۔
(القاموس المحیط ج ۲ ص ۱۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)
فطرة الله التي فطر الناس عليها (روم: ۳۰) میں اس کی طرف اشارہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور لوگوں کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی معروفت کو مرکوز کر دیا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ (الزخرف: ۸۷) اور قرآن مجید میں ہے: الحمد لله فاطر السموت والارض (فاطر: ۱) تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا الذی فطرھن (الانبیاء: ۵۶) جس نے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کیا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۹۴ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)
علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۸۳ھ لکھتے ہیں: الفطر کا معنی ہے ابتدا اور اختراع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فاطر السموات والارض کا معنی مجھ پر اس وقت منکشف ہوا جب دو اعرابی میرے پاس ایک مقدمہ لے کر آئے ہر ایک کا ایک کنویں کے متعلق یہ دعویٰ تھا انا فطرتھا یہ کنواں میں نے ابتداء کھودا ہے۔ فطرت کا معنی ہے جس نوع کی پیدائش پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور وہ اللہ کی فطرت ہے یعنی انسان کو خوشی سے دین حنیف کو قبول کرنے کی استعداد اور

صلاحیت پر پیدا کیا گیا اور یہ چیز اس میں طبعاً ہے تکلفاً نہیں ہے اگر انسان کو بہکانے والے شیاطین جن وانس سے الگ رکھا جائے تو وہ صرف اسی دین کو قبول کرے گا اور اس کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں کرے گا اور اس کی مثال جمعاء سے دی گئی ہے یعنی وہ جانور جو سلیم الاعضاء پیدا ہوا بعد کے کسی حادثہ سے جس کا کوئی عضو ٹوٹا نہ ہو ایک حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو حنفاء (ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے) پیدا کیا پھر شیاطین نے ان کو ان کے دین سے پھیر دیا اور میں نے ان ان کو جو رزق عطا کیا تھا وہ حلال تھا پھر شیطان نے ان پر وہ رزق حرام کر دیا جس کو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵) یعنی انہوں نے بحیرہ اور سائبہ (بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور) وغیرہ بنا لیے اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں اور اللہ کی خلقت (فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

(الفائق ج ۳ ص ۳۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ الکشاف ج ۳ ص ۴۸۵۔۴۸۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ اور علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۴۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۵۸ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ طاہر پٹنی نے فطرت کے معنی میں مزید لکھا ہے: علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو لوگوں سے اس وقت لیا گیا جب وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے یا فطرت سے مراد لوگوں کی شعادت یا شقاوت کی تقدیر ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر انسان پیدا ہونے کے بعد اسی حال پر رہے تو وہ دین اسلام پر ہوگا علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں کہا حیدث میں ہے کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں یعنی سنت سے ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کی وہ دس سنتیں ہیں جن کی قتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے علامہ کرمانی نے کہا فطرت سے مراد انبیاء علیہم السلام کی قدیم سنتیں ہیں۔ جن کو انہوں نے اختیار کیا اور جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں گویا یہ جبلی (طبعی) امر ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے ان میں سے مونچھوں کو کم کرنا اور ڈاڑھی کو بڑھانا ہے اور ختنہ کرنا ہے نیز جب شب معراج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب کو ترک کر کے دودھ کو پیا تو جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا یعنی آپ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا نیز حدیث میں ہے تم فطرت پر مرو گے یعنی اسلام اور دین حق پر۔ (مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۵۹۔۱۵۸ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ ۱۴۱۵ھ)

ہر بچہ کی فطرت پر پیدائش کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے ایک جانور سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی ٹوٹ پھوٹ دیکھتے ہو؟ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا: فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا۔ (الروم: ۳۰)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۵۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۸ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۸۱ عالم الکتب بیروت)

اس پر اعتراض ہے کہ اس آیت میں ہے لاتبدیل لخلق اللہ (الروم: ۳۰) اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے حالانکہ تبدیلی تو ہوجاتی ہے بعض بچے بڑے ہو کر یہودی یا نصرانی ہوجاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ صورۃ خبر ہے اور معنیٰ نہی ہے اس کا معنیٰ ہے اس سرشت کو تبدیل نہ کرو جس پر اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ فطرت سے مراد اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اگر فطرت سے مراد دین حق یا اسلام ہو تو پھر یہ حدیث عموم پر نہیں رہے گی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

(۱) علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فطرت سے مراد عموم نہیں ہے اور اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ بنو آدم کے تمام بچے فطرت پر پیدا ہوتے ہیں خواہ ان کے ماں باپ کافر ہوں سو جب بچے نابالغ ہوں تو ان پر وہی حکم لگایا جاتا ہے جو ان کے ماں باپ کا ہے۔ اگر ان کے ماں باپ یہودی ہوں تو وہ یہودی ہوں گے اور اگر ان کے ماں باپ نصرانی ہوں تو وہ نصرانی ہوں گے اور ان کے وارث ہوں گے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس لڑکے کے متعلق فرمایا جس کو حضرت خضر (علیہ السلام) نے قتل کردیا تھا جس دن وہ پیدا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس پر کفر کی مہر لگادی تھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۰ مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۱) اور امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا سنو! جب بنو آدم کو پیدا کیا گیا تو ان کے کئی طبقات تھے ان میں سے بعض ایمان پر پیدا ہوتے ہیں ایمان پر زندہ رہتے ہیں اور ایمان پر مرتے ہیں اور بعض کفر پر پیدا ہوتے ہیں کفر پر زندہ رہتے ہیں اور کفر پر مرتے ہیں پس اس حدیث میں اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس حدیث میں عموم مراد نہیں ہے کیونکہ بعض بچے فطرت پر پیدا نہیں ہوتے اسی طرح قرآن مجید کی بعض آیات میں کل کا لفظ ہے اور وہاں عموم مراد نہیں ہے۔ حضرت ھود (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

وہ (عذاب کی ہوا) اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کردے گی۔ (الاحقاف: ۲۵)

حالانکہ اس ہوا نے آسمان اور زمین کو ہلاک نہیں کیا تھا۔

پھر جب وہ کفار ان چیزوں کو بھولے رہے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ (الانعام: ۴۴) حالانکہ ان پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔

(۲) دوسرے علماء نے یہ کہا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک خواب دیکھا اور فرشتوں نے اس کی تعبیر بتائی انہوں نے کہا آپ نے جو دراز قامت انسان دیکھا وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تھے اور

آپ نے ان کے گرد جو بچے دیکھے تو یہ ہر وہ بچہ ہے جو فطرت پر مر گیا بعض مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکین کی اولاد بھی؟ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵)

اور امام سعید بن منصور کی حدیث دو وجہوں سے ضعیف ہے اول اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جدعان ہے ثانی اس وجہ سے کہ یہ حدیث دعویٰ عموم کے معارض نہیں ہے کیونکہ چاروں قسمیں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف راجع ہیں کیونکہ کبھی کوئی بچہ مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوتا ہے اور العیاذ باللہ اللہ کے علم میں وہ مسلمان نہیں ہوتا اور حضرت خضر نے جس بچہ کو قتل کیا تھا اس کا یہی محمل ہے اسی طرح کبھی کوئی بچہ کافروں کے ہاں پیدا ہوتا ہے اور اس اللہ کے علم میں وہ کافر نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کے اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر ہوتا ہے لیکن اس سے وہ بچے مستثنیٰ ہیں جو اللہ کے علم میں مسلمان نہیں ہیں جیسے وہ بچہ جس کو حضرت خضر (علیہ السلام) نے قتل کیا تھا تو پھر مآل تو یہی نکلا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ فتدبر (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ عینی نے علی بن جدعان کی وجہ سے اس حدیث کا اعتبار نہیں کیا لیکن اس حدیث کو صرف امام سعید بن منصور نے روایت نہیں کیا بلکہ یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں ہے: سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۳ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲ مسند احمد ج ۳ ص ۷ میں یہ حدیث ہے اور علی بن زید بن جدعان سے امام بخاری نے الادب المفرد میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور چاروں اصحاب سنن نے استدلال کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں فطرت کا معنی ایمان یا دین اسلام کیا جائے تو یہ عموم پر نہیں رہے گی الایہ کہ اس حدیث میں فطرت کا معنی یہ کیا جائے کہ ہر بچہ صحیح و سالم عیوب سے خالی اور کامل خلقت اور ہیئت پر پیدا ہوتا ہے۔ الروم: ۳۰ اور اس حدیث میں فطرت سے مراد کامل ہیئت اور صحیح وسالم خلقت ہے

حافظ یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر المالکی القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں: بعض علماء نے کہا کہ فطرت کا معنی خلقت ہے او فاطر کا معنی خالق ہے اور انہوں نے اس کا انکار کیا کہ مولود کو کفر یا ایمان یا معرفت یا انکار پر پیدا کیا جائے انہوں نے کہا اعم اور اغلب طور پر مولود جسم کی سلامتی کے ساتھ خلقۃ اور طبعاً پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایمان ہوتا ہے نہ کفر نہ انکار اور نہ معرفت پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اور اشیاء میں تمیز کرنے کا اہل ہوتا ہے تو پھر وہ کفر یا ایمان کا اعتقاد رکھتا ہے اور ان کا اس موقف پر استدلال اس سے ہے کہ حدیث میں ہے ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے جیسے جانور صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی کٹی ہوئی یا ٹوٹی ہوئی چیز دیکھتے ہو یعنی کیا اس کے کان کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپ نے بنو آدم کی جانوروں کے ساتھ مثال دی کیونکہ جب جانور پیدا ہوتے ہیں تو ان کی خلقت کامل ہوتی ہے ان میں کوئی کمی نہیں ہوتی پھر بعد میں ان کی ناک یا کان کاٹ دیئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بحیرہ ہے اور یہ سائبہ ہے۔ اسی طرح جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو ولادت کے وقت ان میں کفر ہوتا ہے نہ ایمان نہ انکار ہوتا ہے نہ معرفت جیسے صحیح وسالم جانور پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ بالغ ہو جاتے

ہیں تو شیطان ان کو گم راہ کر دیتا ہے تو ان میں سے اکثر کفر کرتے ہیں اور کم کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا اگر بچے ابتداء کفر یا ایمان پر پیدا ہوتے تو وہ اس سے کبھی منتقل نہ ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایمان لاتے ہیں پھر کفر کرتے ہیں اور انہوں نے کہا یہ محال ہے کہ بچہ ولادت کے وقت کفر یا ایمان کو سمجھتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس حال میں پیدا کیا اس حال میں وہ کچھ نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ نہیں جانتے تھے۔ (النحل: ۷۸) اور جو اس وقت کچھ بھی نہ جانتا ہو اس کا اس وقت کفر یا ایمان یا انکار یا معرفت پر ہونا محال ہے۔ امام ابوعمر ابن عبدالبر مالکی نے کہا فطرت کے معنی میں جتنے اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں صحیح ترین قول ہے یعنی ہر مولود کو صحیح اور سالم جسم کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ (التمہید ج ۷ ص ۲۴۰۔ ۲۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

محققین کے نزدیک فطرت کا معنی کامل خلقت ہی ہے۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر نے فطرت کے جس معنی کو اختیار کیا ہے اور اس پر دلائل قائم کیے ہیں بہ کثرت محققین کا وہی مختار ہے ان میں سے قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ ہیں وہ لکھتے ہیں فطرت کی معتمد تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد بچہ کی وہ خلقت اور ہیئت ہے جس میں استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کو باہم ممتاز اور ممیز کر سکے اور ان مصنوعات سے اپنے رب کے وجود پر استدلال کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی شرائع کو پہچانے اور ان پر ایمان لائے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: اپنے چہرے کو دین حنیف کے رخ کی طرف قائم رکھیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے یعنی وہ صلاحیت جس پر اس نے بشر کو پیدا کیا ہے لیکن ان کو عوارض پیش آجاتے ہیں اس وجہ سے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں آپ نے ان عوارض کا بہ طور مثال ذکر کیا ہے ورنہ عوارض بہت ہیں۔ (المحرر الوجیز ج ۱۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکۃ المکرمہ ۱۴۰۸ھ) اور ہمارے شیخ حافظ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے قلوب کو حق قبول کرنے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے جیسے ان کی آنکھوں کو اور کانوں کو دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے پس جب تک ان میں یہ صلاحیت رہے گی وہ دین حق اور اسلام کا ادراک کر سکیں گے اور حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت پر پیدا کیا پھر شیاطین نے ان کو گمراہ کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵) (اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت کی استعداد اور صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا کیونکہ قرآن مجید میں ہے: اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے، النحل: ۷۸ پس پیدائش کے وقت ان میں بالفعل اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں تھی بلکہ اس کی معرفت کی استعداد اور صلاحیت تھی) اور اس حدیث میں بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے جیسے جانور سے صحیح وسالم جانور پیدا ہوتا ہے کیا تم اس کا کوئی عضو

کٹا ہوا دیکھتے ہو یعنی جانور کامل خلقت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور تمام آفتوں سے سلامت ہوتا ہے اگر اس کو اسی حالت پر بر قرار رکھا جائے تو وہ تمام عیوب سے سلامت اور کامل رہے گا لیکن اس جانور میں تصرف کیا جاتا ہے اس کے کان کاٹ دیئے جاتے ہیں اور اس کے چہرے پر داغ لگا دیا جاتا ہے پھر اس میں آفات اور نقائص آ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصل سے نکل جاتا ہے اور اسی طرح انسان ہے (یعنی اس کو اس کے تمام اعضاء کے ساتھ مکمل اور عیوب سے خالی پیدا کیا جاتا ہے پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اور اشیاء میں تمیز کے قابل ہو جاتا ہے تو پھر وہ ماں باپ کی اتباع اور تقلید یا کسی اور عارضہ اور سبب سے کفر یا ایمان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے۔ پس یہ تشبیہ واقع کے مطابق ہے اور اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔ (المفہم ج ۶ ص ۶۷۶ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ) (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۸۔ ۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی فطرت کے اسی معنی کو برقرار رکھا ہے جس کو حافظ ابن عبد البر نے بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۵۹۔ ۲۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اپنے جسم کے بعض اعضاء نکلوا کر کسی کو دے دینا اللہ کی تخلیق کو بدلنا ہے

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ قاضی ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ حافظ ابو العباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے فطرت کے معنی پر بحث کی ہے اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ جس خلقت اور جس ہیئت پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو صحیح اور سالم اور تمام جسمانی نقائص اور عیوب سے خالی پیدا کیا وہی فطرت ہے اس کے بعد فرمایا لا تبدیل لخلق اللہ یعنی اللہ کی خلقت اور بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے یہ صورۃ خبر ہے اور معنی نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خلقت اور ہیئت میں تبدیلی نہ کرو اپنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی اور تغیر نہ کرو جو لوگ اپنے بعض اعضاء مثلاً گردہ وغیرہ نکلوا کر کسی کو دے دیتے ہیں ان کا یہ فعل بھی اس آیت کی رو سے ممنوع اور حرام ہے۔

اسلام دین فطرت ہے

فطرت سے متعلق علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ دنیا فانی ہے۔ دنیاوی زندگی بالکل ناپائیدار اور بے ثبات ہے۔ اس کو بالکل بقا نہیں۔ ہمیں آخرت کی فکر کرنی چاہئے کہ کیا کرنے آئے اور کیا کر کے جا رہے ہیں۔ اور اس کا کیا انجام پائیں گے۔ محترم حضرات! اسلام ایک عظیم، فطری اور پیدائشی دین ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم)

(اے لوگو!) اپنے اوپر لازم کر لو اللہ کی بنائی ہوئی سرشت (دین اسلام) کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

یہ آیت قرآنی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ فطرت اللہ التی جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، کوئی تبدیلی نہیں ہو

سکتی اور یہ وہی دین اسلام ہے، جس کے لئے زبانِ رسالت نے فرمایا

کل مولود یولد علی الفطرۃ ٥ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

اسلام کا نام فطرتی دین ہے اور ہم اسلام کو فطرت کیوں کہتے ہیں؟ (اس لئے) کہ ایک چیز کے کئی نام ہوتے ہیں۔ (ایسے ہی جیسے) کئی معنوں کا ایک لفظ۔ ان معنوں میں کئی صفتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ الفاظ بھی کسی نہ کسی صفت کو ظاہر کرتے ہیں اور اللہ کی بھی یہی شان ہے۔

لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر)

اسی کے لئے سب اچھے نام، اس کے لئے پاکی بیان کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور وہی ہے نہایت غلبے والا، بڑی حکمت والا۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن اس کے صفاتی نام بے شمار ہیں۔ اسی طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ایک ہے مگر آپ کے نام بہت ہیں۔ کہیں سرکار نے اپنا نام انا احمد، انا محمد اور کہیں انا قاسم، انا حاشر فرمایا تو ناموں کی کثرت نام والے کے کمالات پر دلالت کرتی ہے۔ اصولی طور پر تو اسلام کا نام دین ہے لیکن دین کے معنے اسلام بھی ہیں اور فطرت بھی۔ زیادہ عرض کرنے کا موقع نہیں ورنہ میں بہت کچھ کہتا۔ فقط میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کا نام فطرت کیوں ہے؟

عربی زبان کا قاعدہ اور کلیہ یہ ہے کہ جس فعل یا اسم میں تین حرف یعنی ف، ط، ر، کا مادہ واقع ہو جائے تو اس کے معنی شگاف کے ہو جاتے ہیں۔ اب انسان کے شگاف اور دین کے شگاف کا کیا مطلب؟

فطرت کے معنے دین اس لئے ہیں کہ جب انسان عدم سے عدم کے پردے کو پھاڑ کر اور شگاف ڈال کر عالم شہود اور وجود پر جلوہ گر ہوا اور پیدا ہوا تو دین اسلام پر پیدا ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ پیدا ہونے کے بعد کوئی کسی کو ہندو، یہودی، عیسائی اور مجوسی بنا لے یعنی پیدا ہونے والا مسلمان ہی پیدا ہوا ہے اور اسلام اس کا پیدائشی دین ہے اور اسلام کے معنی اطاعت میں گردن رکھ دینا اور سر بسجود ہونا کے ہیں یعنی جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو سب سے پہلے اس کا سر ہوتا ہے جو زبانِ حال سے یہ گواہی دیتا ہے کہ

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

میں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتا ہوا اور اطاعت کرتا ہوا پیدا ہوا ہوں۔

ایک شبہ کا ازالہ

کوئی شخص یہ کہہ دے کہ دنیا میں اور بھی تو بہت سے معبود ہیں۔ سورج کا پجاری کہہ دے کہ وہ سورج کو سجدہ کرتا ہوا پیدا ہوا اور چاند کا پجاری کہہ دے کہ وہ چاند کی اطاعت کرتا ہوا پیدا ہوا، اسی طرح مجوسی (آگ کے پجاری)، درختوں اور سمندروں کے پجاری دعویٰ کر سکتے ہیں۔ مگر سر اسی کے سامنے ہو جو وہاں موجود ہو اور جو وہاں موجود نہ ہو اس کے سامنے سر

کیسا؟ پیدا ہونے والا رات کو پیدا ہوتا ہے تو سورج نہیں اور دن کو پیدا ہوتا ہے تو چاند نہیں۔ جنگل میں پیدا ہوتا ہے تو سمندر نہیں اور اسی طرح سمندر میں پیدا ہوتو وہاں درخت نہیں۔ تو وہ صرف خداوند قدوس ہی ہے جو ہر پیدا ہونے والے بچے کے سامنے موجود ہے جیسا کہ فرمایا

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

تو جہاں کہیں تم ہو (قبلہ کی طرف) منہ کر دو، وہیں اللہ (تمہاری طرف) متوجہ ہے

لہٰذا پیدا ہونے والے کا سر سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔ کوئی پیدا ہونے والا کفر پہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے میں سرکار کے والدین کریمین طیبین کو مومن کہتا ہوں اور کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ حضور کے والدین طیبین نے کبھی کفر کیا ہو یا بت پرستی۔ بلکہ فرمانِ نبوی ہے کہ میں طاہرین، طیبین ارحام میں منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں۔

ایک شبہ

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے والد کافر تھے کیونکہ قرآن ان کو کافر کہتا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ (سورۃ انعام)

جب ابراہیم نے اپنے باپ ازر سے کہا

حضور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں یعنی حضور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت ابراہیم کے والد نعوذ باللہ کافر تھے تو حضور کا پاک ارحام اور پشتوں سے منتقل ہونا کیسے صحیح ثابت ہوگا؟

شبہ کا ازالہ

اس کا جواب یہ ہے کہ ابی عربی زبان کا لفظ ہے اور عربی زبان وہ جانے جو عربی زبان جانتا ہو۔ قرآن مجید میں ہے

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ (الانعام)

اور (ہم نے ہدایت فرمائی) ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد کو۔

اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے حالانکہ قرآن خود کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ جیسے وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وَكَذٰلِكِ اسی طرح پیدا ہو جائے گا۔ پھر قرآن نے فرمایا

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم)

تو ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتے (جبریل) کو بھیجا تو اس نے اس (مریم) کے سامنے تندرست آدمی کی صورت اختیار کی۔

یعنی ہم نے جبریل کو انسانی بشری شکل میں مریم کے پاس بھیجا اور اس نے مریم کے گریبان میں پھونک ماری تو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے رحم میں آ گئی، تو اب ابا کا مطلب کیا ہوا؟ اس کا مطلب ہے کہ ابا باپ، دادا، نانا، چچا اور ماما کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تو پھر چچا آزر حضرت ابراہیم کے والد نہیں بلکہ چچا ہیں کیونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کے لئے کہیں بھی نعوذ باللہ لوالدہ نہیں آیا بلکہ ابیہ آیا جو باپ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور نانا کے لئے بھی۔ چچا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ماما کے لئے بھی۔ تو معلوم ہوا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور وہ مؤمن تھے۔ اس دلیل سے بھی میں حضور کے والدین کریمین طیبین طاہرین کو مومن کہتا ہوں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور کے والدین طاہرین کو قبور سے زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ مطلب لیا کہ وہ مسلمان اور مؤمن نہ تھے۔ آپ پر ایمان لا کر مسلمان اور مومن ہوئے۔ خدا کی قسم! اس کا مطلب یہ نہیں بلکہ وہ مسلمان اور مومن تھے کیونکہ اصل کے خلاف کوئی نفی ہو تو اس کی نفی کی جائے۔ جب اصل کے خلاف کوئی نفی نہیں تو پھر بتاؤ کہ آپ کے والدین کو قبروں سے دوبارہ زندہ کیوں کیا گیا؟

عزیزانِ محترم! وہ مومن تو پہلے ہی تھے۔ دوبارہ قبور سے زندہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضور کی امت شرف صحابیت رکھے اور والدین اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہیں۔ لہٰذا ان کو شرف صحابیت بھی عطا فرمایا گیا۔ بہر حال بات دور چلی گئی۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اسلام دین فطرت ہے۔ ہمارا سر خدا کی بارگاہ میں علامتاً جھکتا ہے۔ حقیقتاً نہیں اور علامت حقیقت کے خلاف ہو تو جرم ہے۔ مثلاً ایک شخص مجسٹریٹ کا لباس پہن لے اور وہ مجسٹریٹ نہ ہو تو مجرم ہے۔ ہم سر تو زمین پر رکھیں مگر دل خدا کے سامنے سرکش ہو تو کیا ہمارے اندر اسلام کی حقیقت پائی جائے گی۔ ہرگز نہیں! ہم نے کہا، ایمان لائے۔ اللہ نے کہا، خبردار، تم نے ظاہراً اقرار کیا ہے مگر تمہارے دلوں میں فتور بھرا ہوا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب تک سر کے ساتھ دل، جسم کے ساتھ روح اور ظاہر کے ساتھ باطن نہ جھکے اور تمہارے عمل، اخلاق، نفسیات، حسیات، ارادات اور خواہشات اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک نہ جائیں، تم اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے حقیقی بھائی پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک فقیر صدا دے رہا تھا کہ ہزاروں خدا ہیں، لاکھوں خدا ہیں، کروڑوں خدا ہیں، خدا ہی خدا ہیں۔ میں نے عرض کی، حضور! یہ کیا کہہ رہا ہے؟ یہ تو نہیں سنا جاتا۔ آپ نے فرمایا، یہ قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہا ہے۔ میں خاموش لرزہ براندام ہو گیا۔ آپ نے آیت پڑھی:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (الفرقان)

کیا آپ نے اسے دیکھا، جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا

یعنی جس کے نفس کی ایک خواہش ہے، اس کا ایک خدا ہے، جس کی دو خواہشات ہیں اس کے دو خدا ہیں، جس کی جتنی خواہشات ہیں، اس کے اتنے خدا ہیں۔ لہٰذا خدا ہی خدا ہیں۔ ارے کعبہ کے بتوں کو توڑنا کیا تھا؟ حضور نے فرمایا، میں کعبہ کے بتوں کو توڑتا ہوں اور تم دل کے بتوں کو توڑ کر اپنے اندر کو تمام ناپاک خواہشات سے پاک کر دو۔ کیونکہ مومن کا دل کعبہ

ہے۔ زبانِ رسالت پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حدیث قدسی)

(لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن)

(کہ اے میرے محبوب!) نہ آسمان اپنے اندر مجھے سما سکتا ہے اور نہ زمین، ہاں! میں اپنے بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

عزیزانِ گرامی! میرے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اسلام بڑا کامل، اصلی اور پیدائشی دین ہے۔ اس میں سب کچھ ہے۔ سب سے پہلی اور بڑی بات یہ ہے کہ بندے کا سر ہو اور رب کا در ہو۔ یہ کب ہوگا؟ جب لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت والے کون لوگ ہیں؟ جن کے دل حضور کی محبت سے سرشار ہیں۔ خدا تک پہنچانے والے کون ہیں؟ وہ سرکار ہیں۔ کیونکہ خدا کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں۔ خدا کا کلام کسی کان نے سنا نہیں۔ وہ دیکھنے، سننے، چھونے سے پاک ہے۔ کیونکہ چھونے، دیکھنے، سننے میں وہی آئے گا جو محدود ہوگا۔ اللہ تو لامحدود ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام)

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ احاطہ کئے ہوئے ہے سب نگاہوں کا اور وہی ہے ہر چیز کی تاریکیوں اور مشکلات کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار۔

میں اس لئے بار بار مجدد الف ثانی کی یہ بات دہراتا ہوں کہ

من خدا را ازاں می پرستم کہ وے خدائے محمد است

میں خدا کی پوجا اس لئے کرتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہے۔

اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ہم نہ ہوتے۔ ہم نہ ہوتے تو خدا کو پوجنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی ہوتا تو خدا کا پتہ چلتا یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی نہ ہوتا۔

تمام انبیاء علیہم السلام روحِ مصطفیٰ کے فیض یافتہ ہیں۔ ہر نبی نے روحِ مصطفیٰ سے فیض پایا۔ میں نہیں کہتا۔ روحِ اسلام نے فرمایا

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

یہ ترمذی کی صحیح حدیث ہے، فرمایا، میں اس وقت نبی تھا، جب آدم علیہ السلام ابھی جسم اور روح کے درمیان تھے۔ ابھی خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ لوگوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ آدم علیہ السلام جب جسم اور روح میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے۔

تو میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ فقط حضور ہی اللہ کے علم میں نبی تھے اور کوئی نبی بھی اللہ کے علم میں نہ تھا؟

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات تھی؟ نہیں لیکن محدثین نے کیا کہا؟ محدثین نے کہا کہ
كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ
آدم علیہ السلام کا ابھی جسم روح سے نہیں ملا تھا بلکہ ان کے جسم کا ابھی پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ میں اس عالم کے اندر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کو نبوت کی تعلیم دیتا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ میں نبیوں کا نبی ہوں۔ ہر نبی میری نبوت کا فیض پاتا ہے۔

محبت باعث نجات ہے

عزیزانِ گرامی! میں عموماً کہا کرتا ہوں کہ جس کے دل میں خدا کی عظمت ہوگی، اس کے دل میں اس کے حبیب کی بھی عظمت ہوگی اور میں نے ہزاروں مرتبہ کہا ہے کہ محبت ہی نجات کی دلیل ہے۔ اگر دل میں سرکار کی عظمت ہے تو محبت ہوگی۔ شریعت محمدیہ میں محبت سے بڑھ کر کوئی دلیل ہی نہیں۔ اب لوگوں کے دلوں میں نہ آقا کی عظمت ہے، نہ حیا اور محبت۔

شبہ

اب لوگوں نے کہا کہ ہمارے دلوں میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّم کی محبت کیسے پیدا ہو کیونکہ ہم تمام گناہوں میں اور گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

شبہ کا ازالہ

بلاشبہ گمراہی اور گناہ محبتِ رسول سے جدا کرتے ہیں لیکن یاد رکھو گمراہی اور بدعملی کی بھی دو قسمیں ہیں۔

☆ ایک بدعملی ایسی ہے کہ جس میں انسان شیطان کے اغواء سے بالکل مغلوب ہو کر غرق ہو جائے یعنی گناہ انسان کی رگ و ریشہ میں رچ بس جائے۔ اس کا تصور بھی مومن اپنے ذہن میں نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ (آمین)

☆ دوسری بدعملی وہ ہے کہ بتقاضائے بشری انسان سے کوئی خطا ہو جائے۔ شراب کی حرمت کے بعد بعض صحابہ نے شراب پی لی۔ بعض صحابہ سے چوری کا فعل سرزد ہو گیا اور بعض صحابہ اور صحابیات سے بھی ایسا جرم ہو گیا جن پر سو یا ۸۰ کوڑے مارنے کی سزا آئی لیکن حال کیا تھا؟ حال یہ تھا کہ ان سے گناہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک صحابیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئیں اور عرض کیا، حضور! بتقاضائے بشری مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جسے میں برداشت نہیں کر سکتی۔ خدا کے لئے مجھے سو کوڑے مار کر پاک کیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تک تمہارے ہاں بچہ پیدا نہ ہو جائے یہ سزا تم کو نہیں مل سکتی۔ اب تو واپس چلی جا۔ چنانچہ وہ عورت واپس چلی گئی۔ بچہ ہونے کے بعد وہ عورت حضور کی خدمت میں واپس آ گئی اور عرض کیا، حضور مجھے پاک فرمائیں۔ سرکار نے فرمایا، کیا اس بچے کو کوئی دودھ پلانے والی ہے؟ اس نے کہا، اور تو کوئی نہیں۔ فرمایا، پھر اسے دودھ پلاؤ، جب یہ بچہ دودھ مقررہ مدت دو سال تک نہ پی لے، اس وقت تک ہم تمہیں سزا نہیں دے سکتے۔ صحابیہ پھر چلی گئیں۔ مقررہ مدت دودھ پلانے کی ختم ہونے پر روٹی کا ٹکڑا بچہ کے ہاتھ میں دے کر

حاضرِ خدمت ہوگئی۔ عرض کی، حضور اب یہ تو روٹی کا ٹکڑا کھانے لگا ہے۔ اب مجھے گناہ سے پاک کر دیں۔ سرکار نے حکم جاری کر کے ۱۰۰ کوڑے لگوائے۔ فرمایا، اس کی وہ توبہ ہے کہ اگر سارے مدینے میں تقسیم کی جائے تو سارے مدینے والوں کی مغفرت ہو جائے۔ صحابہ سے بتقاضائے بشری گناہ ہو جاتے اور گناہ برداشت نہ ہوتا۔ پاک ہونے کے لئے حاضرِ خدمت ہو جاتے اور سرکار انہیں پاک فرماتے۔ یہ حضور کے زمانہ والوں کا ایمان تھا اور آج ہمارے ایمان کا کیا حال ہے۔ اول کوئی مجرم خود بخود نہیں آتا اور اگر کوئی خود بخود بھی آ جائے تو بغیر ضمانت کے کوئی چھوڑتا نہیں۔ مگر وہ صحابیہ کہ جرم کا کسی کو پتہ نہیں، آئی، حضور کے حکم سے بغیر ضمانت کے چلی گئی اور پھر آئی اور گئی پھر دو سال کی مدت تک دودھ پلا کر پھر آئی۔ یہ تھے ایمان والوں کے گناہ کہ بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہوا تو ایمان نے برداشت نہ کیا۔ اگر ایک گناہ کسی ایمان دار کو ایسا مل جائے جس کے بعد وہ ایسی توبہ کر لے تو خدا کی قسم! ہم جیسے گندوں کی ہزاروں برس کے روزوں اور عبادتوں سے افضل ہے۔ غرض یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس چیز کا نام ایمان ہے۔ حیوانیت اور انسانیت میں یہی فرق ہے۔

ظاہر و باطن کا فرق

ظاہر کے بغیر باطن چل سکتا ہے لیکن باطن کے بغیر ظاہر بالکل نہیں چل سکتا۔ باطن کے بغیر بات نہیں بنتی۔ ہمارے ظاہر بہت اچھے ہیں۔ مگر ہمارے اندر بہت خرابیاں بھی بھری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (آمین) ظاہر و باطن کے بارے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال دی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک شکاری شکار کرنے جاتا اور ہرنیاں شکاری کو دیکھ کر بھاگ جاتیں۔ شکاری بڑا پریشان ہوا۔ اس نے سوچا، ایسے بات نہیں بنے گی۔ شکاری لباس میں ہرنیاں میرے قریب نہیں آئیں گی۔ چنانچہ انہوں نے صوفیا کرام کا لباس پہن لیا۔ اس لباس میں ایک کنوئیں کے قریب ایسے بیٹھ گیا جیسے کوئی نیک صالح بزرگ اللہ کی یاد میں مستغرق ہو۔ ہرنی آئی، کنوئیں سے پانی پینے لگی۔ صوفی کے لباس میں ملبوس شکاری نے تاڑ کر ایک لکڑی ماری تو اس بچاری کی ٹانگ توڑ دی۔ ہرنی بھاگنے میں کامیاب ہوگئی اور اس (ہرنی) نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے قوت گویائی کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسانی زبان عطا کر دی۔ اس نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائرہ کر کے کہا کہ میرا انصاف کیجئے۔ چنانچہ شکاری کو عدالت میں بلا لیا گیا۔ قاضی نے صوفی نما شکاری سے کہا کہ تو نے اس ہرنی کی ٹانگ کیوں توڑی؟ اس نے کہا یہ تو میرا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال کیا ہے۔ یہ تو بھاگ گئی ورنہ میں نے کبھی کا اس کو ذبحہ کر کے کھا بھی لیا ہوتا۔ قاضی نے ہرنی سے کہا کہ بات تو شکاری کی ٹھیک ہے تو اس کے لئے حلال ہے اور اس کی غذا ہے۔ تیرا دعویٰ تو اس قابل نہیں کہ اس کے خلاف ایکشن (Action) لیا جائے۔ ہرنی نے کہا، حضور! میرا یہ دعویٰ نہیں کہ اس نے میری ٹانگ کیوں توڑی؟ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس کا یہ لباس (صوفیوں والا) اتروا دیں اور شکاریوں والا لباس پہنوا دیں۔ پھر دیکھیں کہ کون ہم میں سے اس کے قریب آتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ ہم انسان کے لباس میں حیوانی کام کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ انسانی

لباس اتار لے اور ایسا پہلے ہو چکا ہے کہ انسان بندروں کی شکلوں میں ہو گئے۔ ہم میں اللہ کا خوف اور ڈر نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنا خوف اور ڈر عطا فرمائے۔ (مقالات کاظمی ج ۲)

172-174: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔ 172- یا تم یہ (نہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداءً ہمارے آباء نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہیں، کیا تو باطل پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا۔ 173- اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔ 174-

بنو آدم سے میثاق لینے کے متعلق احادیث

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت کے متعلق میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا، پھر اس پشت سے اولاد نکالی پھر فرمایا ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے پوچھا یا رسول اللہ! پھر عمل کس چیز میں ہے؟ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بے شک اللہ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے عمل کراتا ہے، حتی کہ وہ شخص اہل جنت کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل دوزخ کے عمل کراتا ہے حتی کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو دوزک میں داخل کر دیتا ہے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:3086، سنن ابو داود رقم الحدیث:4703، موطا امام مالک رقم الحدیث: 1661، مسند احمد ج 1، ص 311، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث:6166۔ الشریعہ الاجری، رقم الحدیث:170، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی، ص 325، المستدرک ج 1، ص 37، ج 2، ص 324، ج 2، ص 544، التمہید لابن عبدالبر ج 6، ص 2-3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر (ہاتھ) پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام روحیں جھڑ گئیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا، اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی، پھر وہ سب روحیں حضرت آدم پر پیش کی گئیں۔ حضرت آدم نے کہا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی پوچھا اے رب یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد

کی آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داود ہے۔ کہا: اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال، کہا: اے میرے رب! میری عمر میں سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہوئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا۔ حضرت آدم نے کہا کیا ابھی میرے عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں! انہوں نے کہا کیا آپ نے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داود کو نہیں عطا کیے تھے! پس حضرت آدم نے انکار کر دیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا۔ اور آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: 3087۔ جامع البیان ج9، ص155 تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم ج5، ص1614)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا تو ان سے میثاق لیا، ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی اولاد کو چیونٹوں کی مانند نکالا، پھر ان کی مدت حیات، ان کا رزق اور ان کے مصائب لکھ دیے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا کیوں نہیں!

(جامع البیان ج9، ص150)

محمد بن کعب القرظی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ روحوں کو ان کے اجسام سے پہلے پیدا کیا۔

(جامع البیان ج9، ص157، الدر المنثور ج3، ص599، بحوالہ امام ابن ابی شیبہ)

میثاق لینے کا مقام

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کرتے ہی ان کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے عہد لیا تھا۔

امام ابن ابی حاتم، امام ابن مندہ اور امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے ہر اس روح کو نکالا جس کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔

(الدر المنثور ج3، ص601، جامع البیان ج9 ص149)

امام احمد، امام النسائی، امام ابن جریر، امام ابن مردویہ، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کے دن وادی نعمان میں آدم (علیہ السلام) کی پشت سے میثاق لیا اور ان کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (الدر المنثور ج3، ص601)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ جس جگہ میثاق لیا گیا تھا اس کی تعیین میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں، حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ یہ میثاق عرفہ کی ایک جانب وادی نعمان میں لیا گیا تھا،

اوران سے دوسری روایت یہ ہے کہ سرزمین ہند میں جہاں حضرت آدم (علیہ السلام) کو اتارا گیا تھا وہیں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ کلبی سے روایت ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر یہ میثاق لیا گیا تھا اور یہ کہ جب حضرت آدم کو جنت سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا تو وہاں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز 7 ص 283، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

میثاق حضرت آدم کی پشت سے ذریت نکال کر لیا گیا تھا یا بنوآدم کی پشتوں سے

قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لیا اور احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر یہ میثاق لیا۔ اور بہ ظاہر یہ تعارض ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں جو بنی آدم مذکور ہے اس سے مراد حضرت آدم اور ان کی اولاد ہیں۔ اور اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالنے کا معنی یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے اپنے اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے اور حدیث میں صرف حضرت آدم کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضرت آدم اصل ہیں اور اصل کا ذکر کرنے کے بعد فرع کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے، اور حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرا، اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ہاتھ پھیرنے والا فرشتہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے اسناد کر دیا کہ وہ حکم دینے والا ہے۔ (علامہ آلوسی نے یہ جواب علامہ بیضاوی سے نقل کیا ہے)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث کا یہ معنی نہیں کہ تمام اولاد کو حضرت آدم (علیہ السلام) کی پشت سے بالذات نکالا، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو اولاد ان سے بالذات اور براہ راست پیدا ہوئی اس کو نکالا اور پھر ان کے بیٹوں کی پشت سے ان کی براہ راست پیدا ہونے والی اولاد کو نکالا اور چونکہ حضرت آدم (علیہ السلام) مظہر اصلی تھے اس لیے کل اولاد کا اسناد ان کی طرف کر دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تمام اولاد کو تفصیلاً حضرت آدم (علیہ السلام) کے بیٹوں کی پشت سے نکالا گیا اور اجمالاً حضرت آدم (علیہ السلام) کی پشت سے نکالا گیا۔ قرآن مجید میں تفصیلاً بیٹوں کی پشت سے تمام اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو اجمالاً نکالنے کا ذکر ہے۔

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ دو مرتبہ میثاق لیا گیا ہو ایک مرتبہ حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو اور دوسری بار ان کے بیٹوں کی پشت سے اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو۔ قرآن مجید میں حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے اولاد کو نکال کر میثاق لینے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔

میثاق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکال کا جواب

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: (یہ گواہی اس لی لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم سے سے بے خبر تھے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ اقرار اضطراری تھا بایں طور کہ ان پر حقیقت واقع منکشف کر دی گئی تھی اور انہوں نے عین الیقین سے مشاہدہ کرلیا تھا تو ان کے لیے جائز ہوگا کہ وہ قیامت کے دن یہ کہیں کہ ہم نے اس وقت اقرار کیا تھا جب ہم پر یہ حقیقت منکشف کر دی گئی تھی اور جب ہم سے یہ انکشاف زائل کر دیا گیا اور ہم کو ہماری آراء کے حوالے کر دیا گیا تو ہم میں سے بعض صحت اور صواب کو پہنچے اور بعض سے خطا ہو گئی، اور اگر انہوں نے اس دن نظر اور فکر سے استدلال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے صحت اور صواب کو پہنچ کر اقرار کیا تھا تو وہ قیامت کے دن یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح پہلے دن ہماری نصرت اور تائید کی گئی تھی اگر بعد میں بھی ہمیں یہ نصرت اور تائید حاصل ہوتی تو بعد میں بھی ہم اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے اور شرک نہ کرتے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان سے اپنی ربوبیت کا میثاق لیا تھا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی عقل اور بصیرت رکھ دی تھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معرفت کے ادراک پر قادر تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقرار اضطراری تھا اور حقیقت واقعی ان پر منکشف کر دی گئی تھی۔ لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا میں جسمانی تولد کے بعد ان کو ان کی آراء کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اے جھوٹو! تم کو تمہاری آراء کے حوالے کب کیا گیا تھا کیا ہم نے تمہارے پاس اپنے نبی اور رسول نہیں بھیجے تھے جو تم کو خواب غفلت سے جگا رہے تھے اور تم کو اس عہد اور میثاق کی یاد دلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر اور اپنے رسولوں کے صدق پر دلائل قائم کر دیے ہیں اور جب رسولوں نے یہ بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ازل میں یہ میثاق لیا تھا اور ان کا صدق معجزہ سے ثابت ہو چکا ہے تو اب جو شخص اس میثاق کا انکار کرے گا وہ معاند ہوگا اور اس عہد کا توڑنے والا ہوگا اور مخبر صادق کی خبر کے بعد اس کے بھول جانے اور یاد نہ رہنے کا عذر معتبر نہیں ہوگا۔

کیا یہ میثاق کسی کو یاد ہے؟

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: ذی النون سے پوچھا گیا کیا آپ کو یہ میثاق یاد ہے؟ انہوں نے کہا گویا کہ اب بھی میرے کانوں میں اس عہد اور میثاق کی آواز آ رہی ہے اور بعض عارفین نے یہ کہا کہ لگتا ہے کہ یہ میثاق کل لیا گیا تھا۔ (روح المعانی ج 9 ص 106 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اصل کائنات ہونا

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: بعض اہل اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کے ذروں کو نکالا گیا تو سب سے پہلے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذرہ نے جواب دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں سے یہ فرمایا: "ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین: خوشی یا ناخوشی سے دونوں حاضر ہو جاؤ (تو) دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے" (حم السجدہ: 41)۔ اس وقت زمین کے جس ذرہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذرہ

تھا۔ اور یہ کعبہ کی مٹی کا ذرہ تھا اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بنایا گیا تھا، پھر اسی کو پھیلایا گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور جب آپ کی تربت (مٹی) شریفہ کعبہ کی مٹی تھی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مدفن بھی مکہ میں ہونا چاہیے تھا، کیونکہ روایت ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا مدفن ہوتا ہے، لیکن کہا گیا ہے کہ جب طوفان آیا تھا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی اور مٹی کا وہ مبارک اور پاک ذرہ جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مبدء تھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ منورہ میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مدفن اقدس ہے۔ اور اس کلام سے یہ مستفاد ہوا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تخلیق کی اصل ہیں اور تمام کائنات آپ کی تابع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ آپ کا ذرہ تمام مخلوق کی ام (اصل) ہے اسی وجہ سے آپ کا لقب امی ہے۔ (روح المعانی ج 9 ص 111 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما كان ربك مهلك القرى حتى يبعث في امها رسولا يتلوا عليهم ايتنا۔ (القصص: ۵۹) اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں ایک رسول نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كلما القي فيها فوج سالهم خزنتها الم ياتكم نذير۔ قالوا بلى قد جاءنا نذير فكذبنا وقلنا مانزل الله من شيء ان انتم الا في ضلل كبير۔ (الملک: ۹،۸)

جب بھی دوزخ میں کوئی گروہ ڈالا جائے تو اس کے محافظ کہیں گے کیا تمہارے پاس کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! بیشک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والے آئے تھے، سو ہم نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم صرف بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف ان ہی لوگوں پر عذاب ہوگا جن کے پاس رسول آئے اور انہوں نے ان کی تکذیب کی۔

وسيق الذين كفروا الى جهنم زمرا، احتى اذا جاوها فتحت ابوابها وقال لهم خزنتها الم ياتاركم رسل من يتلون عليكم ايت ربكم وينذرونكم لقاء يومكم هذا، قالوا بلى ولكن حقت كلمة العذاب على الكفرين۔ (الزمر: ۷۱)

اور کافروں کو گروہ در گروہ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے (پھر) اس کے دوازے کھول دیے جائیں گے اور دوزخ کے نگہبان ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی

میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے، اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے کیوں نہیں اگر عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن کو ہم مذاہب علماء کے ضمن میں بیان کریں گے۔ اب ہم اس سلسلہ میں احادیث بیان کر رہے ہیں:

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق احادیث

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام روحوں کو جمع کرے گا جو زمانہ فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں مر گئے تھے اور کم عقل اور بہرے اور گونگے لوگوں کی روحوں کو اور ان بوڑھے لوگوں کی روحوں کو کہ جب اسلام آیا ان کی بڑھاپے کی وجہ سے عقل فاسد ہو چکی تھی، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو ان سے کہے گا کہ تم سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے کیوں ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا اور اللہ کی قسم اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو وہ دوزخ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جاتی، پھر اللہ ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا اور ان میں سے جو ان کی اطاعت کرنی چاہے گا وہ ان کی اطاعت کرے گا، پھر حضرت ابوہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا۔ (بنی اسرائیل: ۱۵) اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔ (جامع البیان، رقم الحدیث: ۱۶۷۲۲، تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۳۲۱۳، الدر المنثور، ج ۵ ص ۲۵۴، ۲۵۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اسود بن سریع بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن چار قسم کے آدمی پیش ہوں گے، ایک بہرہ شخص جو کچھ نہیں سنتا تھا، ایک احمق آدمی اور ایک بہت بوڑھا آدمی اور ایک وہ آدمی جو زمانہ فترت (جس زمانہ میں کوئی رسول نہیں تھا) میں فوت ہو گیا تھا۔ بہرہ شخص کہے گا اے میرے رب! اسلام جس وقت آیا میں کچھ نہیں سنتا تھا، اور رہا احمق تو وہ کہے گا: اے میرے رب جس وقت اسلام آیا تو بچے مجھ پر اونٹ کی مینگنیاں پھینکتے تھے اور بہت بوڑھا شخص کہے گا اے میرے رب! جس وقت اسلام آیا تو میں کچھ نہیں سمجھتا تھا اور جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہو گیا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا جو مجھ سے عہد لیتا اور میں اس کی اطاعت کرتا، آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے اگر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جاتی۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۴ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۳۱۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

حضرت معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا قیامت کے دن اس شخص کو لایا جائے گا جس کی عقل ناقص ہو چکی تھی اور اس شخص کو لایا جائے گا جو زمانہ فترت میں ہلاک ہو چکا تھا اور اس شخص کو لایا جائے گا جو بچپن میں

مر گیا تھا، جس شخص کی عقل ناقص تھی وہ کہے گا: اے میرے رب کاش تو مجھے صحیح عقل عطا فرماتا تو میں اپنی عقل سے کامیاب ہو جاتا اور جو شخص زمانہ فترت میں ہلاک ہو چکا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! اگر تو میرے پاس اپنا پیغام بھیجتا تو میں تیرے پیغام پر عمل کر کے کامیاب ہو جاتا، اور جو شخص بچپن میں مر گیا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! اگر تو مجھے طویل عمر دیتا تو میں اس عمر میں نیک عمل کر کے کامیاب ہو جاتا، رب سبحانہ فرمائے گا میں تم کو ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہوں کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ وہ کہیں گے ہاں، ہمارے رب تیری عزت کی قسم! اللہ سبحانہ فرمائے گا جاؤ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، آپ نے فرمایا اگر وہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان کو بالکل نقصان نہیں پہنچاتی، پھر دوزخ کی آگ کے ٹکڑے ان کی طرف اس طرح جھپٹیں گے جیسے شکاری جانور شکار کی طرف جھپٹتا ہے اور وہ یہ گمان کریں گے کہ اللہ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے اس کو ہلاک کر دے گی سو وہ واپس آ جائیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم دوزخ میں داخل ہونے کے لیے گئے تو آگ کے ٹکڑے ہم پر جھپٹنے کے لیے آگے بڑھے اور ہم نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے یہ آگ اس کو ہلاک کر دے گی، اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ حکم دے گا وہ دوبارہ پہلے کی طرح لوٹ آئیں گے، رب سبحانہ فرمائے گا میں تم کو پیدا کرنے سے پہلے جانتا تھا کہ تم کیا کرو گے، میں نے اپنے علم کے مطابق تم کو پیدا کیا اور میرے علم کے مطابق ہی تمہارا انجام ہونا ہے پھر ان کو دوزخ کی آگ پکڑ لے گی۔ (تمہید ج ۷، ص ۲۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ، العلل المتناہیہ ج ۲، ص ۲۷۴)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ جو شخص بچپن میں فوت ہو گیا وہ آخرت میں کہاں ہوگا؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا عمل کرنے والے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۵۹، ۲۶۵۹، اسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۲۱، عالم الکتب سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۷۱۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۵)

حضرت ام المومنین عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انصار کے ایک بچے کے جنازہ میں بلایا گیا، میں نے کہا یا رسول اللہ! اس بچے کے لیے سعادت ہو، یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، اس نے کوئی برائی کی نہ کسی برائی کو پایا، آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے کچھ لوگوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو جنت کے لیے اس وقت پیدا کیا جس وقت وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اور جس وقت ان لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۶۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۷۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۴۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲)

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس لڑکے کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا اس پر کفر کی مہر تھی اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو بھی کفر اور گمراہی میں مبتلا کر دیتا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۶۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۷۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۵۲)

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہاء مالکیہ کے نظریات

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔ اس آیت میں اس چیز پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس جزیرہ میں توحید اور رسالت کے دلائل نہ پہنچے ہوں ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ احکام صرف شرع سے ثابت ہوتے ہیں اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عقل میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ چیزوں کا حسن اور قبح معلوم کر سکے اور بعض چیزوں کو مباح اور بعض کو ممنوع قرار دے سکے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف رسول بھیجے بغیر اور اس کو ڈرائے بغیر اس پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا، اور ایک فرقہ نے کہا رسول کو بھیجے بغیر دنیا میں عذاب نازل فرمائے گا اور نہ آخرت میں عذاب دے گا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

تکاد تمیز من الغیظ، کلما القی فیھا فوج سالھم خزنتھا الم یاتکم نذیر. قالوا بلی قد جاء نا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیء، ان انتم الا فی ضلل کبیر. (الملک:۹،۸)

گویا شدت غضب سے دوزخ ابھی پھٹ جائے گی جب بھی دوزخ میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو دوزخ کے نگہبان ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں! ہمارے پاس ڈرانے والے آئے تھے، پس ہم نے ان کو جھٹلایا اور کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم محض بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ آخرت میں ان ہی لوگوں کو عذاب ہوگا جن کے پاس رسول پہنچ گئے تھے، سو جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کا پیغام نہیں پہنچا ان پر دنیا میں عذاب نازل ہوگا اور نہ آخرت میں انہیں عذاب پہنچے گا۔

ابن عطیہ نے کہا نظر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو توحید کے ساتھ بھیجا اور حضرت آدم نے تمام عقائد کی اپنے بیٹوں میں تبلیغ کر دی، اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کر دیئے جبکہ فطرت سلیمہ ہر شخص پر یہ واجب کرتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور اس کی شریعت کی اتباع کرے، پھر حضرت نوح نے کفار کے غرق ہونے کے بعد اپنی اولاد میں ان عقائد اور احکام کی تبلیغ کی، اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں تک رسالت کا پیغام نہیں پہنچا اور وہ اہل الفترات ہیں ان کو ایمان نہ لانے پر عذاب نہیں ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجنونوں اور بچوں کی طرف رسول بھیجے گا مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور شریعت کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل فترت اور گونگوں اور بہروں کی طرف رسول بھیجے گا اور وہ ان کو دنیا میں جو جواب دیتے وہی جواب دیں یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے، اور ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ جو لوگ جزیروں میں رہتے ہیں جب وہ اسلام کی خبر سنیں اور ایمان لائیں تو وہ ماضی

کے عمل کے مکلف نہیں ہوں گے اور یہ صحیح ہے، اور جس شخص تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ عقلاً عذاب کا مستحق نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱۰، ص ۲۰۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہا احناف کا نظریہ

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: متکلمین اشاعرہ اور فقہاء شافعیہ کا یہ نظریہ ہے کہ اہل فترت (جن کے زمانہ میں کوئی رسول نہیں تھا) کو مطلقاً عذاب نہیں دیا جائے گا دنیا میں نہ آخرت میں، اور جس احادیث میں یہ وارد ہے کہ آخرت میں ان کا امتحان لیا جائے گا یا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان میں سے جو ایمان لانے والے ہوں گے ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جن کے متعلق اس کو یہ علم ہوگا وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا (ہم عنقریب ان احادیث کو باحوالہ بیان کریں گے) ان کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث اخبار احاد ہیں وہ ان نصوص کے مزاحم نہیں ہو سکتیں جن میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں دے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل فترت میں سے بعض کو عذاب دیا جائے اور اس کی وجہ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہی علم ہے اور وہ بعض اہل فترت ان آیات کے عموم سے مستثنیٰ ہوں، اور استثنا کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ حضرت خضر (علیہ السلام) نے ایک لڑکے کو بچپن میں قتل کر دیا تھا کیونکہ اس نے بڑے ہو کر کافر ہونا تھا اسی طرح احادیث میں ذکر ہے کہ زمانہ فترت میں عمرو بن لحی نے جو کفریہ کام کیے تھے ان کی وجہ سے اس کو دوزخ میں عذاب ہوگا اور وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا ہوگا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ وحام کے نام رکھے، ان کو بتوں کے لیے نامزد کیا اور اس کے کھانے کو حرام قرار دیا اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصحاب فترت میں سے ان لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا جن تک کسی بھی رسول کے احکام نہ پہنچے ہوں اور جو طریقہ انبیاء سابقین سے چلا آرہا ہو اس میں انہوں نے تغیر اور تبدیل نہ کیا اور بت پرستی نہ کی ہو کیونکہ شرک اور بت پرستی ایسے گناہ ہیں جن کو معاف نہیں کیا جائے گا اور ان میں کوئی شخص معذور نہیں ہے۔

اور جس نظریہ کی طرف قلب مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدت اور اس کے والاد سے منزہ ہونے کے لیے کسی شریعت سابقہ کے وارد ہونے سے پہلے بھی انسان کی عقل کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا رسولوں کو بھیجنا اور کتابوں کو نازل فرمانا محض اس کی رحمت ہے یا اس نے اس لیے رسولوں کو بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادات کی اقسام اور مختلف جرائم کی حدود کو انسان محض اپنی عقل سے نہیں جان سکتا، اور نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اور اس کی توحید کو جاننے کے لیے انسان کی عقل کافی ہے کیونکہ ریگستان میں پڑی ہوئی اونٹوں کی مینگنیاں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں سے اونٹوں کا گزر ہوا ہے تو سورج، چاند، اور ستاروں سے معمور فضا آسمان اور سمندروں، دریاؤں اور چشموں والی زمین اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیوں دلالت نہیں کرے گی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ دوزخ کے فرشتے دوزخیوں سے کہیں گے:

اولم تك تاتيكم رسلكم بالبينت قالوا بلى۔ (المومن: ۵۰)
کیا تمہارے پاس رسول روشن نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں۔
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رسلا مبشرين و منذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل۔ (النساء: ۱۶۵) ہم نے خوشخبری دیتے ہوئے اور عذاب کی وعید سناتے ہوئے رسول بھیجے تا کہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد اللہ کے سامنے لوگوں کے لیے عذر پیش کرنے کا کوئی موقع نہ رہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی:

ولو انا اهلكنهم بعذاب من قبله لقالوا ربنا لو لا ارسلت الينا رسولا فنتبع ايتك من قبل ان نذل ونخزى۔ (طٰہٰ: ۱۳۴)
اور اگر ہم رسولوں سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم ذلیل وخوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے۔
نیز فرمایا:

ذلك ان لم يكن ربك مهلك القرى بظلم واهلها غفلون۔ (الانعام: ۱۳۱)
یہ اس لیے کہ آپ کا رب بستیوں والوں کو ظلماً ہلاک کرنے والا نہیں اس حال میں کہ وہ (رسولوں کی تعلیمات سے) بے خبر ہوں۔

ایسی تمام آیتوں کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجے بغیر ان پر اس دنیا میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا، لیکن آخرت میں کفار کے لیے عذاب لازم ہے اور ان اہل فترت پر بھی عذاب ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور شعور عطا کیا تھا اور ان کو غور وفکر اور استدلال کرنے کی قوت عطا کی تھی جس سے وہ اس جہان کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کو جان سکتے تھے، خاص طور پر وہ لوگ جن تک رسولوں میں سے کسی نہ کسی رسول کا پیغام پہنچ چکا تھا۔

اور ایسے کسی علاقہ کا پایا جانا بہت مشکل ہے جہاں کے لوگوں تک کسی نہ کسی رسول کا پیغام پہنچا ہو، ہوسکتا ہے کہ کسی زمانہ میں امریکہ کے کسی دور دراز جزیرہ یا افریقہ کے جنگلات میں کوئی ایسی جگہ ہو لیکن آج کی مہذب دنیا میں جبکہ پوری دنیا کی چھان بین کرلی گئی ہے اور روئے زمین کے ہر گوشہ کے متعلق معلومات اکٹھی کی جاچکی ہیں کسی ایسے علاقہ کا پایا جانا بہت مشکل ہے جہاں پر کسی بھی ذریعہ سے کسی نہ کسی رسول کا پیغام نہ پہنچا ہو، پھر ائمہ اور فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ جن لوگوں تک کسی رسول کا پیغام نہیں پہنچا آیا ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے عذاب ہوگا یا نہیں، بعض کے نزدیک ان کو بالکل عذاب نہیں ہوگا اور بعض ائمہ کے نزدیک ان لوگوں کو عذاب ہوگا جن کے پاس غور وفکر کرنے کی صلاحیت تھی، باقی رہا

تمام قسم کی عبادات کو بجالانا اور جرائم کا ارتکاب نہ کرنا اور جرائم کے ارتکاب کرنے والے پر حد جاری کرنا سو ظاہر ہے کہ یہ رسولوں کی تعلیمات کے بغیر نہیں ہوسکتا سو جن لوگوں تک رسولوں کا پیغام نہ پہنچا ہو ان پر ان امور کے ترک کی وجہ سے مطلقاً عذاب نہیں ہوگا۔

علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں: بعض احناف نے یہ کہا ہے کہ بعض احکام کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے، اس لیے انہوں نے کہا کہ ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے، اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب اور جہل وغیرہ یہ بھی حرام ہے، حتی کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کرسکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیا کا حکم عقل سے معلوم ہو جاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا، اور امام ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کر رہا ہے، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے، نیز ایمان کا معنی ہے نعمت کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کرنا نعمت کا کفر ہے اور یہ صفت نقصان ہے، پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہٰذا اگر انسان اس کام کو ترک کردے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا، خواہ اس تک اللہ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہوگا، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ کا حکم نہیں پہنچا، اور عقل پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر رسول کے بھیجنے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا. (الاسراء: ۱۵)

ہم اس وقت عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا، کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لیے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں امام فخر الاسلام نے اصول بزدوی میں یہ کہا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے مکلف ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کو انجام کا ادراک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا، خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو، جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا، لیکن اللہ پر ایمان لانے کے باب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔

بہر حال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔ ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہوا اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نہ اس کی ضروریات دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہوگا کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا ادراک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا، صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقا کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہوگا خواہ وہ بلوغت کی ابتدا میں کفر کو اختیار کرے خواہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد کفر کو اختیار کرے، اسی طرح اگر وہ ایمان نہیں لایا پھر بھی اس کو عذاب ہوگا خواہ بلوغت کی ابتدا میں اللہ پر ایمان نہ لایا ہو یا غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو، اور اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس کو عذاب نہیں ہوگا، کیونکہ حکم شرع سے ثابت ہوتا ہے اور مفروض یہ ہے کہ اس شخص کے پاس شریعت کی دعوت نہیں پہنچی، اس لیے اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس شخص کے ایمان نہ لانے یا کفر کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ انسان تک تمام احکام کی دعوت پہنچ جانی لازم ہے۔ (شرح مسلم الثبوت ص ۶۲-۶۰ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ جمہور معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک رسول کی بعثت نہ ہو پھر بھی انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کرے، اگر وہ ایمان نہیں لایا اور اس نے کفر کیا تو اس کو عذاب ہوگا۔

۲۔ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایسے شخص نے اللہ کی معرفت حاصل نہ کی تو وہ مستحق عذاب ہوگا خواہ اس کو عذاب نہ ہو۔

۳۔ اشاعرہ اور جمہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے پاس رسول کی دعوت اور شریعت کا پیغام نہ پہنچے وہ ایمان لانے یا کسی اور حکم کو بجالانے کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور کا استدلال النساء: ۱۶۵، الاسرا: ۱۵ اور حسب ذیل آیت سے ہے:

ولو انا اهلكنهم بعذاب من قبله لقالوا ربنا لو لا ارسلت الينا رسولا فنتبع ايتك من قبل ان نذل ونخزى۔ (طہ: ۱۳۴)

اور اگر ہم انہیں رسول کے آنے سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے، اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے۔

ایمان یا کفر مجبور نہ کرنے کا بیان

وَلَم يجبر احدا من خلقه على الْكفُر وَلَا على الْاِيمَان وَلَا خلقه مُؤمنا وَلَا كَافِرًا وَلَكِن

خلقهم اشخاصا وَالإيمَان وَالكفر فعل العباد وَيعلم الله تعَالى من يكفر فِي حَال كفره كَافِرًا فَاِذا آمن بعد ذَلِك علمه مُؤمنا فِي حَال ايمَانه واحبه من غير اَن يتغَيّر علمه وَصفته .

اور اس نے کسی ایک کو بھی کفر پر مجبور نہیں کیا اور نہ ہی ایمان پر مجبور کیا۔ اور نہ ہی اس نے خلقت کے اعتبار سے مؤمن وکافر پیدا کیا۔ البتہ اس نے ان کو اشخاص پیدا کیا۔ جبکہ ایمان اور کفر بندوں کے افعال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کافر کی حالت کفر کو جانتا ہے۔ اور جب ایمان لائے تو وہ حالت ایمان کو بھی جانتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے لیکن اس کے علم وصفت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دین میں جبر نہیں ہے بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے۔ (البقرہ:۲۵۶)

دین میں جبر نہ ہونے کی تحقیق

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس سے پہلے آیت الکرسی میں اللہ عزوجل کی صفات بیان کی گئی تھیں اور یہ بتایا گیا تھا کہ تمام آسمانوں میں صرف اسی کی سلطنت ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت سے اس کو تھکاوٹ نہیں ہوتی اور اس کو ہر چیز کا علم ہے اور جب انسان نے یہ جان لیا تو پھر اس کے اسلام قبول کرنے اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور انسان اگر اس کائنات میں غور وفکر کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اور اس کو باقی رکھنے والا وہی رب عظیم ہے اب اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کو جاننے کے بعد انسان از خود اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کے لیے کسی جبر واکراہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ منشاء نہیں ہے کہ لوگ جبرا اسلام میں داخل ہوں۔

(آیت) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس:۹۹)

ترجمہ: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب ہی ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں ایمان لانے پر مجبور کریں گے۔

(آیت) وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ (الکھف: ۲۹)

ترجمہ: اور آپ کہیے کہ یہ حق (ہے) تمہارے رب کی طرف سے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک قبیلہ بنو سالم بن عوف کے حصین نامی ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود مسلمان تھے انہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا کہ ان کے بیٹے اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں کیا وہ ان کو جبرا مسلمان کریں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۰ مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

دین میں جبر نہیں ہے۔ (البقرہ: ۲۵۶) اس آیت کے متعلق علماء تفسیر کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا: یہ آیت اس دور میں نازل ہوئی جب کفار سے جہاد اور قتال کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جب ان کی زیادتیوں پر معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم تھا اور یہ حکم تھا کہ ان کی برائی کو اچھائی سے دور کرو اور عمدہ طریقہ سے ان سے بحث کرو اور جب جاہل مسلمانوں سے بات کرتے تو وہ سلام کہتے۔ اور جب جہاد اور قتال کی آیات نازل ہوئیں تو ان آیات کا حکم منسوخ ہو گیا جہاد اور قتال کی بعض آیات یہ ہیں:

(آیت) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبہ: ۷۳)

ترجمہ: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

(آیت) فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: ۵)

ترجمہ: پس تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کر دو۔

(آیت) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال: ۳۹)

ترجمہ: اور کافروں سے قتال کرتے رہو حتی کہ کفر کا غلبہ نہ رہے اور (پورا) دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ آیت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جو لوگ کسی دین کو ماننے والے ہیں ان پر دین اسلام کو قبول کرنے کے معاملہ میں جبر نہیں کیا جائے گا اور رہے کفار اور بت پرست جن کا کسی آسمانی دین سے تعلق نہیں ہے تو ان کے اور ہمارے درمیان صرف تلوار ہے وہ اسلام قبول کر لیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ اگر جزیہ ادا کر دیں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا امام ابن جریر کا بھی یہی نظریہ ہے اور اس کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ حکم دیا گیا کہ جزیرہ عرب میں بت پرستوں سے

قتال کریں اس لیے آپ نے ان سے لا الہ الا اللہ یا تلوار کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کیا اور باقی لوگوں سے جزیہ کو قبول کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: دین میں جبر نہیں ہے۔

زید بن اسلم نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں دس سال رہے اور آپ کسی شخص پر دین میں جبر نہیں کرتے تھے اور مشرکین آپ سے قتال کرنے کے سوا اور کسی بات کو نہیں مانتے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے قتال کرنے کی اجازت دی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۔۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفی لکھتے ہیں: قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اہل کتاب جب جزیہ ادا کردیں تو وہ اہل اسلام کے حکم میں داخل ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشرکین عرب سے تلوار یا اسلام کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کیا اور جو مشرک بھی یہودی یا نصرانی ہو جائے اس کو قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (احکام القرآن ج ا ص ۴۵۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

مشروعیت جہاد پر نفی جبر کی وجہ سے اعتراض اور معاصر مفسرین کے جوابات:

غیر مسلم سکالرز اور مستشرقین اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس سے مرعوب ہو کر ہمارے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے اور جہاد کا حکم صرف مدافعانہ جنگ کے لیے ہے یعنی جب کوئی قوم مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو وہ اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے جہاد کریں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انہیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے اسلام کے بعض نکتہ چیں جہاد کو اکراہ فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وہ سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنان دین وایمان کے جور و ستم کا تختہ مشق بننے نہیں دے گا۔

(ضیاء القرآن ج ا ص ۱۷۹ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

اسی طرح ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ مجرد کسی قوم کے اندر کفر کا وجود اس امر کے لیے کافی وجہ نہیں ہے کہ اسلام کے علمبرداران کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور تلوار کے زور سے ان کو اسلام پر مجبور کردیں جہاد اصلاً فتنہ اور فساد فی الارض کے مٹانے کے لیے مشروع ہوا ہے اگر یہ چیز کہیں پائی جاتی ہے تو اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ

استطاعت رکھتے ہوں تو وہ اس فتنہ اور فساد کو مٹانے کے لیے جہاد کریں خاص طور پر اس فتنہ کو مٹانے کے لیے جو اہل کفر کے ہاتھوں اس لیے برپا کیا جائے کہ اہل ایمان کو ان کے دین سے پھیرا جائے یا اسلامی نظام کو برباد کیا جائے صرف مشرکین بنی اسماعیل کا معاملہ اس کلیہ سے استثناء کی نوعیت رکھتا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۱ص ۵۹۴ مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور پاکستان)

اسی طرح مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بھی گول مول طریقہ سے لکھا ہے۔

اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہے ورنہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اور ان کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کرنے کے لیے اسلامی احکام کیسے جاری ہوتے بلکہ دفع فساد کے لیے ہے کیونکہ فساد اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے جس کے کافر درپے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۱ص ۶۱۶ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

جوابات مذکورہ پر بحث ونظر:

اسلام میں جہاد صرف مدافعانہ جنگ کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ازہری نے لکھا ہے اور نہ صرف فتنہ اور فساد کو دور کرنے کے لیے ہے جیسا کہ مؤخر الذکر علماء نے لکھا ہے بلکہ اسلام میں جہاد اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال: ۳۹)

ترجمہ: اور کافروں سے قتال کرتے رہو حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے اور پورا دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

اس آیت میں یہ واضح حکم دیا گیا ہے کہ جب تک کہ پورا دین اللہ کے لیے نہ ہو جائے اس وقت تک کافروں سے جنگ اور جہاد کرتے رہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا اله الا الله محمد رسول الله کی شہادت نہ دیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اگر انہوں نے ایسا کرلیں تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیں گے ماسوا اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اسلام نہ قبول کرلیں ان سے جہاد اور قتال کیا جائے:

(آیت) فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ (التوبہ: ۵)

ترجمہ: پس تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کردو ان کو گرفتار کرو ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

اور اہل کتاب کے متعلق فرمایا: انہیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ نہ مانیں تو ان سے قتال کرو اور اگر وہ تمہارے ماتحت ہو کر

جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کو چھوڑ دو۔

(آیت) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ (التوبہ: ۲۹)

ترجمہ: ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں کہتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے جو کہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اہل کتاب ہیں حتیٰ کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی قوم سے اس وقت قتال نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام احمد امام ابویعلی اور امام طبرانی نے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے پھر فرماتے: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کے کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو خیانت نہ کرو عہد شکنی نہ کرو کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو جب تم دشمن مشرکوں (اہل کتاب) سے مقابلہ کرو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آ جائیں (الی قولہ) اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کر دیں تو ان کو یہ خبر دو کہ ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا (الی قولہ) اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو تم بھی اس کو قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: جنگ خیبر کے ایام میں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا تو انہوں نے کہا: جب تک وہ مسلمان نہیں ہوں گے ہم ان سے قتال کرتے رہیں گے آپ نے فرمایا: اسی طرح کرنا حتیٰ کہ جب تم ان کے علاقہ میں داخل ہو تو (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو یہ خبر دینا کہ ان پر کیا احکام واجب ہیں اللہ کی قسم! اگر ایک شخص بھی تمہارے سبب سے ہدایت یافتہ ہو جائے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں (دنیا کی خیر) سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

مصنف کی طرف سے مشروعیت جہاد پر اعتراض کے جوابات:

یہودی اور عیسائی مستشرقین معترضین کو سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ کفار کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے میں اسلام تنہا اور منفرد نہیں ہے بلکہ موجودہ تورات (کتاب مقدس بائبل) میں بھی اپنے مخالف کفار کے ساتھ جنگ اور جہاد کرنے کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے اور موجودہ انجیل میں تصریح ہے کہ تورات کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے اب آپ تورات کے اس اقتباس کا مطالعہ فرمائیں:

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا، اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں، اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا تا کہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لیے کیے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو، (استثناء باب: ۲۰ آیت: ۱۸ تا ۱۰) (عہد نامہ قدیم: ۱۸۹)

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا:

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے، (متی باب: ۵ آیت ۱۸۔۱۷) نیا عہد نامہ: ۸)

جو غیر مسلم مستشرقین اسلام کے نظریہ ملاحظہ کریں

جہاد کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے شہر پر حملہ کیا جائے اور مسلمان مدافعانہ جنگ کریں یہ جہاد فرض عین ہے اس کی مثال غزوہ بدر غزوہ احد اور غزوہ خندق میں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی ہوش مند اعتراض کر سکتا ہے اور جہاد کی دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا جائے اور بہ شرط استطاعت از خود کافروں کے ملک پر حملہ کیا جائے یہ جہاد فرض کفایہ ہے فتح مکہ فتح طائف اور فتح خیبر میں اس کی مثالیں ہیں اور بعد میں مسلمانوں نے مصر شام عراق ایران اور بہت سے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا اور دنیا کے تین براعظموں میں

مسلمانوں کی حکومت پہنچ گئی اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب مشرکین سے جہاد کیا جائے تو یہ تلوار ہے یا اسلام اور اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں یا وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں یا پھر جنگ کریں۔

اہل کتاب کے ساتھ جزیہ کی رعایت اس لیے رکھی ہے کہ وہ الوہیت اور رسالت کے کسی نہ کسی طور پر قائل ہیں آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جزا سزا اور حلال و حرام کے اصولی طور پر معترف ہیں اور جب وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے باج گزار ہو جائیں گے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہو گا تو مسلمانوں کو ان میں تبلیغ اسلام کے مواقع میسر ہوں گے اور انہیں بھی اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ جلد یا بہ دیر اسلام کو قبول کر لیں گے اور ان اسلام قبول کرنا بہ رضا و رغبت ہو گا اس میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہے جہاد کی اس شکل پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اب صرف ایک شکل رہ جاتی ہے اور وہ ہے تبلیغ اسلام کے لیے مشرکین کے خلاف جہاد یا وہ اسلام کو قبول کر لیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا اور اس پر بادی النظر میں اعتراض ہوتا ہے کہ یہ جبر و اکراہ ہے لیکن درحقیقت یہ بھی جبر نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی ملک کا باشندہ ہو اس ملک کے بادشاہ کی مہیا کی ہوئی سہولتوں اور فائدوں سے بہرہ اندوز ہوتا اور اس ملک کی زمین میں گھر بنا کر رہتا ہو اور تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہو لیکن وہ اس ملک کے بادشاہ یا حکمران کی حکومت کو نہ مانے اس کے قوانین پر عمل نہ کرے اور اس کے برعکس اس حکومت کے مخالف اور دشمن مالک اور حکومت کا علی الاعلان دم بھرتا ہو اور اس کی وفاداری کا اعلان کرتا ہو تو کیا اس کو گردن زدنی نہیں قرار دیا جائے گا اور اس کو غدار قرار دے کر قتل نہیں کیا جائے گا کیا آج دنیا کے تمام مہذب ملکوں کا اس پر عمل نہیں ہے اور اگر اس شخص سے یہ کہا جائے کہ یا تو تم اس ملک کی وفاداری کا اعلان کرو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا تو یہ کیوں عدل و انصاف کے مطابق نہیں ہے جب کہ آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں ایسے شخص کو یہ موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جاتا ہے سو اسی طرح جو شخص اللہ کی بنائی ہوئی زمین میں رہتا ہے اور اس کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن وہ اللہ کو مانتا ہے نہ اس کے کسی اصول اور قانون کو اور دنیا میں آسمانی مذاہب کی جتنی شکلیں ہیں ان میں سے وہ کسی کو بھی نہیں مانتا تو اس سے یہ کہنا بجا اور عدل و انصاف کے مطابق ہے کہ یا تو اللہ کے دین کو قبول کر لو اور نہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ نیز جس طرح ہر حکومت میں ریاست کے غدار کی سزا موت ہے اسی طرح اسلام میں بھی مرتد کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس کو تین دن موقع دیا جاتا ہے کہ وہ غور و فکر کرے اور اگر اس کو اسلام کے خلاف کوئی شبہ ہے تو اس کو زائل کیا جائے لیکن اگر وہ اس کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے جب کہ غدار وطن کے لیے یہ رعایت نہیں ہوتی۔

تمام مہذب دنیا میں جرائم پر سزاؤں کا نظام جاری ہے اور جب کسی قاتل چور ڈاکو یا ریاست کے غدار کو سزا دی جائے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ جبر ہے اور حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف ہے اسی طرح جب مشرک کو ایمان نہ لانے پر جہاد میں قتل کیا جائے یا مرتد کو توبہ نہ کرنے پر قتل کیا جائے تو یہ بھی ان کے جرائم کی سزا ہے جبر نہیں ہے اور حریت فکر اور آزادی رائے

کے خلاف نہیں ہے۔

کیا دین اسلام قبول کرنے میں جبر کا نہ ہونا مشروعیت جہاد کے خلاف ہے؟ میں اس اشکال کے جواب میں کئی دن غور کرتا رہا میں نے اس سوال کے جواب کی تلاش کے لیے قدیم اور جدید متعدد تفاسیر کو دیکھا لیکن میں نے دیکھا کہ کسی نے بھی اس کو حل نہیں کیا اور مدافعانہ جنگ اور جزیہ کے اختیار سے اصل اشکال کو ٹالنے دفع وقتی اور فرار کی کوشش کی بہرحال میرے ذہن میں جو جواب آیا وہ میں نے لکھ دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میری فکر کی کمی ہے اور آئندہ آنے والے علماء کے لیے دعوت فکر ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن، البقرہ ۲۵۶، لاہور)

بندوں افعال میں ان کے کسب واختیار کا بیان

وَجَمِيعُ اَفعَالِ الْعِبادِ من الْحَرَكَةِ والسكون كسبهم على الْحَقِيقَةِ وَاللهُ تَعَالٰى خَالِقُهَا وَهِيَ كُلُّهَا بمشيئته وَعلمه وقضائه وَقدرهالطَّاعَات محبوبة لله والمعاصي مقدورة غير محبوبة والطاعات كلهَا كَانَت وَاجِبَة بِاَمْرِ اللهِ تَعَالٰى وبمحبته وبرضائه وَعلمه ومشيئته وقضائه وَتَقْدِيره والمعاصي كلهَا بِعِلْمِهِ وقضائه وَتَقْدِيره ومشيئته لَا بمحبته وَلَا برضائه وَلَا بِاَمْرِه

بندوں کے تمام افعال خواہ ان کا تعلق حرکت سے ہو یا سکون سے ہو یہ ان کے اپنے کسب اور اختیار سے ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے علم کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے واقع ہوتے ہیں۔ اطاعات کے تمام کام اللہ کو پسند ہیں اور گناہ یا نافرمانی کے تمام مقدورہ کام بھی اس کو پسند نہیں۔ اور اطاعات کے تمام احکام اس کے حکم، محبت، رضا، علم، مشیت، قضاء اور اس کی تقدیر کے مطابق واجب ہیں۔ اور تمام گناہ کے کام اس کے علم، قضاء اور تقدیر و مشیت کے مطابق واقع تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اس کی رضا، محبت اور حکم شامل نہیں ہوتا۔ (یعنی اللہ ان کو پسند نہیں کرتا)

اختیار اور اس کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو اس کی جزا اور سزا کی کیا توجیہ ہے؟

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبیان القرآن میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ انسان کا ایمان لانا یا اس کا کفر کرنا اس کے قصد اور اختیار سے ہوتا ہے اور وہ ایمان لانے یا کفر کرنے میں مجبور محض نہیں ہے، سو اگر وہ ایمان لانے کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ انسان کے دل میں اس قصد اور اختیار کو کون پیدا کرتا ہے تو یہ بہت مشکل سوال ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے اس کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ

پیدا کرتا ہے تو یہ جبر محض ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ قصد اور اختیار کو انسان پیدا کرتا ہے تو یہ معتزلہ کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ نیز یہ ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ انسان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے۔

و اللہ خلقکم و ماتعملون ○ (الصّٰفّٰت: 96) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تم جو عمل کرتے ہو اس کو بھی۔

اس اشکال کا جواب متکلمین سے

جمہور متکلمین نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ خلق اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بالذات موجود ہو اور قصد اور اختیار بالذات موجود ہے نہ بالذات معدوم ہے، اس کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں اور حال کو خلق نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا احداث ہوتا ہے اور بندہ خالق تو نہیں ہو سکتا لیکن محدث ہو سکتا ہے اور بعض متکلمین نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قل اللّٰہُ خالق کل شیء (الرعد: 16) آپ کہیے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے یعنی اللہ تعالیٰ قصد اور ارادہ کے سوا ہر چیز کا خالق ہے، اور قصد اور ارادہ کا خالق اگر انسان کو نہ مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان جو کفر کرتا ہے یا ایمان لاتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو پھر ایمان لانے پر انسان کی تعریف و تحسین کیوں کی جاتی ہے اور کفر کرنے پر انسان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے، اور جب ایمان لانا انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے تو پھر نبیوں اور رسولوں کو تبلیغ کے لئے کیوں بھیجا گیا اور آسمانی کتابوں اور صحائف کو کیوں نازل کیا گیا اور رسولوں کو معجزات کیوں دیئے گئے اور پھر قیامت اور جزاء اور سزا اور جنت اور دوزخ کس لئے ہیں اور اس خرابی سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اور انسان کے تمام اعمال کا خالق ہے، سوا انسان کے قصد اور اختیار کے انسان قصد اور اختیار کا خود خالق ہے، وہ اگر ایمان لانے کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔

اس اشکال کا جواب علامہ بہاری سے

علامہ محب اللہ بہاری نے اس اشکال کے جواب میں لکھا کہ انسان اور اکات جزئیہ جسمانیہ میں مختار ہے اور علوم کلیہ عقلیہ میں مجبور ہے۔ علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی 1316 ھ نے کہا ہے کہ علامہ بہاری نے فطرت الٰہیہ میں لکھا ہے کہ انسان وہما مختار ہے اور عقلاً مجبور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکام شرعیہ کا تعلق امور جزئیہ مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے اور امور جزئیہ کے صدور کے لئے انسان میں مبادی جزئیہ قریبہ ہوتے ہیں۔ مثلاً تخیل جزی، شوق جزوی (کسی خاص چیز کا دل میں خیال آنا اور کسی خاص چیز کا شوق پیدا ہونا) اور ارادہ خاصہ اور ان ہی کے اعتبار سے افعال جزئیہ صادر ہوتے ہیں اور ارادہ ہی کے سبب سے انسان کے افعال، افعال قسریہ اور افعال طبعیہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ (پتھر کو آپ اوپر اچھالیں تو اس کا اوپر جانا فعل قسری ہے یعنی اس کی طبیعت کے خلاف ہے اور جب وہ از خود اوپر سے نیچے آئے تو یہ اس کا فعل

[illegible]

[illegible] اتفاقی ہیں اور مبادی [illegible] کا وہم طبعی ہے) اور امور جزئیہ کے صدور کے لئے مبادی کلیہ بعید ہوتے ہیں [illegible] ارادہ [illegible] سے ادراک ہوتا ہے کیونکہ وہ معانی جزئیہ ہیں اور مبادی کلیہ کا ادراک عقل سے ہوتا ہے [illegible] وہ معانی کلیہ ہیں [illegible] انسان علوم جزئیہ کے اعتبار سے مختار ہے اور ادراکات کلیہ کے اعتبار سے غیر مختار ہے اور [illegible] احکام [illegible] جزئیہ ہیں تو ان میں وہم کا اعتبار ہے اور مکلف ہونے کی صحت مبادی قریبہ کے اعتبار سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان علم وہم کے اعتبار سے مختار ہے اور علم عقل کے اعتبار سے مجبور ہے۔

علامہ خیرآبادی نے علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ سے بھی ایک جواب نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے افعال اختیاریہ کے کچھ اسباب قریب ہیں اور کچھ اسباب بعید ہیں۔ اسباب قریبہ کے اعتبار سے وہ مختار ہے اور اسباب بعیدہ کے اعتبار سے وہ مجبور ہے۔ (شرح مسلم الثبوت ص ۷۴-۷۷ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

علامہ بہاری کے جواب کی وضاحت:

علامہ خیرآبادی نے علامہ بہاری کے جواب کا جو ذکر کیا ہے اس کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ مثلاً انسان کے دل میں نماز پڑھنے کا خیال آتا ہے۔ یہ ادراک کلی عقلی ہے۔ اب یہ کہ وہ کون سی نماز پڑھے اور اس کے لئے کیا تیاری کرے، کہاں وضو کرے پھر یہ کہ نماز کہاں پڑھے، گھر میں یا مسجد میں، یہ سب ادراکت جزئیہ ہیں اور انسان کے ذہن میں مطلق نماز پڑھنے کا جو خیال آیا تھا، یہ ادراک کلی عقلی ہے اور انسان اس میں مجبور ہے اور اس ادراک کا خالق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر اس کی تفاصیل کون سی نماز، کس وقت پڑھے اور اس کے مخصوص مقدمات یہ سب ادراکات جزئیہ ہیں اور ان میں سے انسان مختار ہے اور ان کو وہ خود خلق کرتا ہے۔ البتہ انسان پر خالق کے اطلاق سے احتراز کرنا چاہئے۔

اس اشکال کا جواب مصنف سے

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ میرے ذہن میں جو اس اشکال کا جواب آیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے ایمان کا ارادہ کرے گا یا کفر کا۔ یعنی اگر بالفرض وہ اپنے قصد اور اختیار میں مستقل ہوتو وہ کیا قصد کرے گا اور کیا اختیار کرے گا اور جو کچھ قصد کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی قصد پیدا کر دیا اور جو کچھ اس نے اختیار کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی اختیار پیدا کر دیا۔ اس لئے انسان کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے یعنی کسب کو اور اس قصد اور کسب کے موافق افعال اور اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اسی لئے کسی مرتبہ میں بھی انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا اور نہ ہی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب انسان کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے تو پھر انسان جزاء اور سزا کا مستحق کیوں ہوتا ہے، نیک کاموں پر دنیا میں اس کی تحسین اور آخرت میں ثواب کیوں ہوتا ہے اور برے کاموں پر دنیا میں اس کی مذمت اور آخرت میں عذاب کیوں ہوتا ہے جبکہ ان کاموں کا قصد اور اختیار بھی اللہ نے پیدا کیا اور ان کاموں کو بھی اللہ نے پیدا کیا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اگر بالفرض

انسان کو قصد اور اختیار دیا جائے اور وہ قصد اور اس کے موافق عمل کرنے میں مستقل ہو اور ان کا خالق ہو تو اس کا کیا قصد ہوگا اور وہ کیا عمل کرے گا۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس میں اعمال پیدا کر دیئے اس لئے اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا قصد اور اختیار بھی خود پیدا کیا ہے تو پھر اس کی جزاء اور سزا کی کیا وجہ ہے۔

ایمان لانے اور اطاعت کرنے میں بندہ کا فائدہ ہے نہ کہ اللہ کا

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس سے ایک یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لانے یا نہ لانے میں انسان کا اپنا نفع اور نقصان ہے، کسی کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوگا نہ اس کے ایمان نہ لانے سے اس کو کوئی نقصان ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ان احسنتم احسنتم لانفسکم و ان اساتم فلھا (بنی اسرائیل:7)

اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے فائدہ کے لئے اور اگر برے کام کیے تو وہ بھی اپنے لئے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اللہ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا ان کے جن کو میں نے ہدایت دی مجھ سے ہدایت کا سوال کرو میں تم کو ہدایت دوں گا، تم سب محتاج ہو ماسوا ان کے جن کو میں غنی کروں، تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق دوں گا، تم سب گناہ گار ہو ماسوا ان کے جن کو میں عافیت سے رکھوں، پس تم میں سے جس شخص کو یہ علم ہو کہ میں مغفرت پر قادر ہوں اور اس نے مجھ سے مغفرت طلب کی تو اس کو میں بخش دوں گا اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے اور اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تمہارے تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے متقی بندے کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے برے بندے کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں پھر تم میں سے ہر شخص اپنی خواہشوں کا سوال کرے اور میں تم میں سے ہر سوال کرنے والے کا سوال پورا کر دوں تو میرے ملک میں صرف اتنی کمی ہوگی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر اپنی طرف نکال لے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جواد، واجد ماجد (بہت فیاض اور بہت بزرگ) ہوں، میں جو چاہوں وہ کرتا ہوں، میری عطا (بھی) میرا کلام ہے اور میرا عذاب (بھی) میرا کلام ہے۔ میں جب کسی چیز کا ارادہ کروں تو میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:2495، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:4257، مسند احمد ج ۵ ص 154 صحیح ابن حبان رقم الحدیث:619 حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص 125، المستدرک ج ۴ ص 241 تفسیر تبیان القرآن، لاہور)

ایمان اور کفر کے انجام کو بیان کرنے کا بیان

وقل الحق من ربکم، فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر اس میں الحق مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ

سے مرفوع ہے، ای قل هو الحق . (فرمائیے وہ حق ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اور اس کی خبر قول باری تعالیٰ من ربکم ہے۔ اور آیت کا معنی ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمائیے ان لوگوں کو جن کے دلوں کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے: اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے ہی حق ہے اور اسی کے پاس توفیق عطا کرنا اور رسوا کرنا ہے، اسی کے دست قدرت میں ہدایت دینا اور گمراہ کرنا ہے، وہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے پس وہ ایمان لے آتا ہے اور وہ گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے پس وہ کافر ہو جاتا ہے، اس میں سے میرے پاس کوئی شے نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ حق عطا فرما دیتا ہے جسے چاہتا ہے اگر چہ وہ ضعیف اور کمزور ہو، اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے اگر چہ وہ طاقتور اور غنی ہو، اور میں تمہاری خواہش اور پسند پر مومنین کو نہیں بھگا سکتا (انہیں اپنے سے دور نہیں ہٹا سکتا) لہٰذا اگر تم چاہو تو ایمان قبول کرلو اور اگر چاہو تو کافر رہو۔ اور یہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی اختیار دینا اور رخصت دینا نہیں، بلکہ یہ تو وعید اور جھڑک ہے، یعنی اگر تم نے کفر اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارے لئے جنت ہوگی۔

قولہ تعالیٰ: انا اعتدنا یعنی ہم نے تیار کر رکھی ہے۔ للظالمین یعنی کفر کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کے لئے نارا، احاط بهم سرادقها علامہ جوہری نے کہا ہے: السرادق السرادقات کی واحد ہے وہ جو گھر کے صحن میں پھیلائے جاتے ہیں (خیمے، ٹینٹ) اور ہر وہ گھر جو روئی سے بنایا جائے سرادق کہلاتا ہے۔ جیسا کہ رؤبہ نے کہا ہے:

يا حكم بن المنذر بن الجارود سرادق المجد عليك ممدود

کہا جاتا ہے: بیت مسروق۔ اور سلام بن جندل ابرویز کا ذکر کرتا ہے اور اسے نعمان بن منذر نے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے روند کر قتل کر دیا تھا۔

هو المدخل النعمان بيتاً سماؤه صدور الفيول بعد بيت مسروق

ابن اعرابی نے کہا ہے: سرادقها اس (آگ) کی فصیل۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آگ کی دیوار۔ کلبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: آگ سے ایک گردن سی نکلے گی اور وہ کفار کو باڑ کی طرح گھیر لے گی۔ قتبی نے کہا ہے: السرادق سے مراد وہ رکاوٹ اور باڑ ہے جو خیمے کے ارد گرد لگائی جاتی ہے، اور یہی ابن عزیز نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس سے مراد دھواں ہے جو قیامت کے دن کافروں کو گھیر لے گا، اور یہ وہی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ المرسلات میں کیا ہے اس حیثیت سے کہ وہ فرماتا ہے: انطلقوا الىٰ ظل ذى ثلث شعب (المرسلات) (چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں والا ہے) اور ارشاد گرامی ہے: وظل من يحموم (الواقعہ) (اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے)، یہ حضرت قتادہ نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: بے شک یہ وہ سمندر ہے جو دنیا کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور یعلی بن امیہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: البحر وہ جہنم ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ نارا احاط بهم

[illegible] ہوں ... [illegible] نہیں ہوں گا جب تک کہ وہ پارہ پارہ نہ ہوں [illegible]
[illegible] ہے۔ اور ابن مبارک نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے [illegible]
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کے سرادق چار مضبوط اور موٹی دیواریں ہیں ہر دیوار چالیس برس کی مسافت کے برابر ہے
[illegible] ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

یہ حدیث [illegible] کرتی ہے کہ سرادق سے مراد وہ دھواں یا آگ، اور وہ دیواریں ہیں جن کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے جو [illegible] ہو چکی ہے۔

قولہ تعالیٰ: وان یستغیثوا . . . . الوجوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا المھل سے مراد گاڑھا پانی ہے جیسا کہ تیل کی تلچھٹ ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: اس سے مراد پیپ اور خون ہے۔ حضرت ضحاک (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے یہ کالے رنگ کا پانی ہے، بلاشبہ جہنم (تاریک) اور سیاہ ہے، اس کا پانی سیاہ ہے، اس کے درخت سیاہ ہیں اور اس کے باسی بھی سیاہ ہوں گے۔ اور ابوعبیدہ نے کہا ہے: زمین کے جواہر میں سے ہر وہ شے جسے پگھلا دیا جائے مثلاً لوہا، سیسہ، تانبہ اور قلعی (ایک دھات) اور وہ ابلنے کے سبب کھول رہی ہو، تو وہی مہل ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے: مراد وہ ہے جس کی گرمائش اور حرارت انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ اور کہا ہے کہ المھل تارکول کی ایک قسم ہے، کہا جاتا ہے: مھلت البعیر فھو مھمول (میں نے اونٹ پر تارکول ملا تو وہ تارکول والا ہو گیا)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ زہر ہے۔ اور ان تمام اقوال میں معنی قریب قریب ہے۔ اور ترمذی میں حضرت نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قول باری تعالیٰ: کالمھل کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوتا ہے پس جب کوئی اسے اپنے چہرے کے قریب کرے گا تو اس کے چہرے کی چمک اور رونق ختم ہو جائے گی۔ ابوعیسیٰ نے کہا ہے: اس حدیث کو ہم صرف رشدین بن سعد کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور رشدین اپنی قوت حفظ کے اعتبار سے متکلم فیہ راوی ہے۔ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور انہوں نے حضور نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قول باری تعالیٰ: ویسقی من مآء صدید ۔ (ابراہیم) (پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی، وہ بمشکل ایک گھونٹ بھرے گا)۔ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اسے اس کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اسے ناپسند کرے گا پس جب اسے اس کے قریب کیا جائے گا تو یہ اس کے چہرے کو بھون ڈالے گا اور اس کے سر کی کھال بالوں سمیت ادھڑ جائے گی اور جب وہ اسے پیئے گا تو یہ اس کی آنتوں کو کاٹ دے گا یہاں تک کہ اس کی دبر سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وسقوا مآء جمیعا فقطع امعآء ھم ۔ (محمد) (اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو)۔ مزید فرماتا ہے: وان یستغیثوا . . . . وسآءت مرتفقا ۔ فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

یہ روایت ان اقوال کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور اس پر کہ یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح اہل لغت نے

بھی اسے بیان کیا ہے۔ صحاح میں ہے: المھل سے مراد پگھلا ہوا تانبہ ہے۔ ابن اعرابی نے کہا ہے: المھل سے مراد پگھلایا ہوا سیسہ ہے۔ اور ابو عمرو نے کہا ہے: المھل سے مراد تیل کی تلچھت ہے۔ اور المھل سے مراد پیپ بھی ہے، اور حضرت ابوبکر کی حدیث میں ہے: تم مجھے میرے انہی دو کپڑوں میں دفن کرنا کیونکہ یہ دونوں مہل اور مٹی کے لئے ہیں۔ اور مرتفقا حضرت مجاہد (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: اس کا معنی ہے مجمعا (جمع کیا ہوا)، گویا آپ مرافقت کے معنی کی طرف گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: اس سے مراد منزل (ٹھکانا) ہے۔ حضرت عطا نے کہا ہے: اس کا معنی قرارگاہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی مھادا (بچھونا) ہے۔ اور قتبی نے کہا ہے: مراد مجلس (بیٹھنے کی جگہ) ہے۔ اور یہ تمام معنی باہم متقارب ہیں، اور اس کی اصل المتکا (وہ شے جس سے ٹیک لگائی جائے) ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: ارتفقت یعنی میں نے کہنی پر ٹیک لگائی۔ شاعر نے کہا ہے:

قالت له وارتفقت ألافتى يسوق بالقوم غزالات الضحا

اور کہا جاتا ہے: ارتفق الرجل جب آدمی اپنی کہنی پر سوئے اسے نیند نہیں آتی۔ ابوذویب ہذلی نے کہا ہے:

نام الخلی وبت الليل مرتفقا كأن عينى فيها الصاب مذبوح

اور الصاب سے مراد کڑوے درخت کا نچوڑ اور جوس ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ کہف، بیروت)

قدر خیر وشر کا بیان

قدر خیر وشر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ بندے کے افعال خواہ نیک ہوں یا بد سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندے فاعل و کاسب ہیں اور کسب پر جزا اور سزا مرتب ہے، نیکی کے کسب سے اللہ پاک راضی ہے اور بدی کی کسب سے ناراض ہوتا ہے، تقدیر کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھلا یا برا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کیعلم میں اس کا ایک اندازہ مقرر ہے۔ کوئی اچھی یا بری بات اللہ تعالیٰ کے علم اور اندازے سے باہر نہیں اور اس کے ہونے سے پہلے بلکہ ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سب کچھ ہمیشہ سے جانتا ہے اور اپنی علم اور اندازے کے موافق اس کو پیدا کرتا ہے پس بندوں کے سب انعال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت وقضا وقدر سے ظاہر ہوتے ہیں، لیکن بندے کو اس کے افعال میں اختیار دیا ہے، پس جب بندہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو ایک قسم کی قدرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ پس اگر وہ بندہ اس قدرت کو نیک کام پر لگادے تب بھی اس کو اختیار ہے اور اس اختیار کے نیک کام میں استعمال کرنے کی اس کو جزا یعنی اچھا بدلہ ملے گا اور اگر برے کام میں خرچ کرے تب بھی اس کو اختیار ہے اور اس اختیار کو برے کام میں استعمال کرنے کی سزا یعنی برا بدلہ ملے گا، اسی قدرت واختیار پر شرعی احکامات کا دارومدار ہے۔ تقدیر یعنی قدر خیر وشر پر ایمان لانا تواتر کی حد کو پہنچ گیا ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں زیادہ بحث مباحثہ نہ کرے، کیونکہ گمراہی کا خطرہ ہے اور کچھ فائدہ نہیں، اسی لئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ اس بحث سے منع فرمایا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نیکی وبدی کا خالق ہے مگر صرف

خالق خیر (یزدان) یا صرف خالق شر (اہرمن) کہنا کفر ہے اور مجوس کا عقیدہ ہے۔ وہ اس طرح دو خدا مانتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے

خَالِقُ الخَیرِ وَ الشَّرِ یَا خَالِق کُلُّ شَئی

ہر چیز کا خالق و متصرف اللہ کو جانے، ستاروں و دیگر زمینی و آسمانی علامات کو کسی چیز کے ہونے میں موثرِ حقیقی نہ جانے کہ یہ شرک ہے، اسباب کے درجہ میں جاننا جائز ہے، یعنی مجازاً اس فعل کو اس سبب کی طرف منسوب کرنا اور یہ سمجھنا کہ یہ تاثیرات ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں اور اسی کے ارادہ و اختیار سے ان کی تاثیرات ظاہر ہوتی ہیں جائز ہے

قضا کی تین قسمیں

قضا کی تین قسمیں ہوتی ہیں

۱. مبرمِ حقیقی یعنی جو علم الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں
۲. معلق محض جس کا کسی چیز پر معلق ہونا فرشتوں کے صحیفوں میں ظاہر فرما دیا گیا ہے
۳. معلق جو مبرم

جزا و سزا کا تعلق کسب سے ہے نہ کہ خلق سے

قرآن کریم یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح کر دیتا ہے کہ اگر چہ ہر انسانی عمل تخلیق کے اعتبار سے تو مخلوق خدا ہے لیکن صدور اور ظہور کے اعتبار سے انسان کا کسب ہے اور کسب و ارتکاب چونکہ آزادانہ ہے اس لئے وہی اپنے عمل کے انجام کا ذمہ دار ہے کیوں کہ جزا و سزا کا تعلق کسب اعمال سے ہوتا ہے نہ کہ خلق اعمال سے۔ اسی بنا پر سورۂ الملک میں انسانی تخلیق کا مقصد واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً. (الملک، 2:67)

جس نے موت اور زندگی کو (اِس لیے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔

موت و حیات بھی اپنی تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں مگر اپنے واقع ہونے کی مناسبت سے ان کا وجود کسی نہ کسی سبب کا مرہونِ منت ہے۔ اسی طرح اعمال بھی تخلیق کے اعتبار سے مخلوق باری تعالیٰ ہیں، لیکن ان کا وجود میں آنا انسان کا مرہونِ منت ہے۔ زندگی اعمال کے ارتکاب کا سبب بنتی ہے اور موت عالم آخرت میں ان کے نتائج کے مشاہدے کا۔ دُنیا میں موت و حیات کی تخلیق کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ یہ دیکھا جا سکے کہ کون اچھے اعمال اپناتا ہے اور کون بُرے۔ اسی تصور کو قرآن کریم دوسری جگہ واضح کرتا ہے:

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ. (الشوریٰ، 30:42)

اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اُس (بداعمالی) کے سبب سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی

ہوتی ہے۔

ایک دوسری جگہ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ. (النساء، 4: 79)

(اے انسان اپنی تربیت یوں کر کہ) جب تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو (سمجھ کہ) وہ اللہ کی طرف سے ہے (اسے اپنے حسنِ تدبیر کی طرف منسوب نہ کر) اور جب تجھے کوئی برائی پہنچے تو (سمجھ کہ) وہ تیری اپنی طرف سے ہے (یعنی اسے اپنی خرابیٔ نفس کی طرف منسوب کر)۔

گویا نعمت کے حصول میں تو خدا تعالیٰ کا لطف و کرم شامل ہوتا ہے مگر مصیبت کے وقوع میں خالصتاً انسان کی اپنی غلطیوں کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر اچھائی اور برائی کی خلقت ہوتی من جانب اللہ ہے لیکن ادب زندگی یہی ہے جس کی اوپر تعلیم دی جا رہی ہے۔ یعنی انسان دنیا میں جن نقصانات، مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہوتا ہے وہ سب اس کے اپنے اعمال کے نتائج و ثمرات ہیں۔

یہ تو انفرادی شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والی مصیبتوں کا ذکر تھا، دوسری جگہ اجتماعی زندگی کی مشکلات کو بھی لوگوں کے اپنے اعمال کے نتائج قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا. (الروم، 30: 41)

بحر و بر میں فساد ان (گناہوں) کے باعث پھیل گیا ہے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کما رکھے ہیں تا کہ (اللہ) انہیں بعض (برے) اعمال کا مزہ چکھا دے جو انہوں نے کیے ہیں۔

اس دنیا میں نیکی یا بدی کا خلقی وجود گو من جانب اللہ ہے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے کسب کی ذمہ داری ان کے خالق پر عائد نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ کا فعل مطلقاً خلق ہے نہ کہ کسب و ارتکاب۔ خلق کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو اچھائی اور برائی میں تمیز کا شعور اور اختیار بخشا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ انسان عمل کے کس پہلو کو اختیار کرتا ہے۔ پھر ہر عمل کی تخلیق کے ساتھ ساتھ ہدایت ربانی کے ذریعے اس عمل کے نتائج و عواقب سے بھی انسان کو باخبر کر دیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے فتنہ و شر اور بدی کا راستہ اختیار کرے تو وہ اپنے اعمال کی جزا و سزا کا ذمہ دار کیوں نہ ٹھہرایا جائے؟

ایک غلط فہمی اور اس کا جواب

اس تفصیل سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ انسان سے اگر مواخذہ ہوتا ہے تو اس لئے کہ وہ بقائم ہوش و حواس اپنی مرضی اور اپنے ارادہ و اختیار سے کسی عمل کا ارتکاب کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بے سود ہے کہ جب ہر عمل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو انسان کو کیوں لائق تعزیر گردانا جاتا ہے؟ انسان کو بلاوجہ نہیں پکڑا جاتا بلکہ اس کی گرفت اس کے سبب و اختیار کا نتیجہ ہوتی ہے۔

انبیائے کرام کی عصمت کا بیان

القَوْل فِي عصمَة الْاَنْبِيَاء

والانبياء عَلَيْهِم الصَّلاة وَالسَّلام كلهم منزهون عَن الصَّغَائِر والكبائر وَالْكفْر والقبائح وَقد كَانَت مِنْهُم زلات وخطايا .

عصمت انبیاء کا بیان ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام ہر قسم کے صغیرہ، کبیرہ، کفر اور برائی سے پاک ہیں۔ اور یقینی طور پر وہ ہر قسم کی بھول چوک اور خطاء سے بھی پاک تھے جو ظاہر میں خطاء اور بھول چوک سمجھی جاتی تھی۔

عصمت کی تعریف

مشہور کتاب تعریف الاشیاء میں علامہ میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں

(العصمة) ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن منها (تعريف الاشياء ص طبع مصر)

گناہ کر سکنے کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمۃ ہے۔

یہی عبارت اقرب الموارد میں ہے۔ ملاحظہ ہو اقرب الموارد جلد ص طبع مصر

مفردات میں ہے

وعصمة الانبياء حفظه اياهم اولا بما خصهم به من صفاء الجوهر ثم بما اعطاهم من الفضائل الجسمية والنفسية ثم بالنصرة وتثبيت اقدامهم ثم بانزال السكينة عليهم وبحفظ قلوبهم وبالتوفيق (مفرداتِ امام راغب اصفهانی ص طبع مصر)

عصمت انبیاء کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیوں کو (ہر قسم کی برائی سے) محفوظ رکھنا، اولاً اس صفاء جوہر کی وجہ سے جو انہی کے ساتھ خاص ہے پھر ان کے فضائل جسمیہ اور نفسیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے پھر اپنی نصرتِ خاص اور انہیں ثابت قدم رکھنے کے ساتھ پھر ان پر سکون وطمانیت نازل فرما کر اور ان کے قلوب کو کجروی سے بچا کر اور اپنی توفیق ان کے شامل حال فرما کر۔

یہی مضمون دستور العلماء میں ہے (دیکھئے دستور العلماء)

نبراس میں ہے

العصمة ملكة نفسانية يخلقها الله سبحانه في العبد فتكون سبباً لعدم خلق الذنب فيه (نبراس)

عصمت وہ ملکہ نفسانیہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے (نبی) میں پیدا کرتا ہے جو اس میں گناہ پیدا نہ ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے

وحقیقة العصمة ان لا یخلق الله فی عبد الذنب مع بقاء قدرته واختیاره (شرح عقائد نسفی)

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی قدرت اور اختیار کے باقی رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اس بندہ میں گناہ پیدا نہ کرنا۔

اسی شرح عقائد میں بقول بعض علماء عصمت کی تعریف اس طرح بھی منقول ہے

هی لطف من الله تعالیٰ یحمله علی فعل الخیر ویزجره عن الشر مع بقاء الاختیار تحقیقاً للابتلاء (شرح عقائد)

عصمت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا لطف ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقدس بندہ (نبی) کو فعل خیر پر برانگیختہ کرتا اور اسے شر سے بچاتا ہے۔ مع ابقاء اختیار کے تاکہ ابتلاء کے معنی برقرار رہیں۔

:مجمع بحار الانوار میں ہے

والعصمة من الله دفع الشر، عصمت من اللہ دفع شر ہے۔

مسامرہ میں ہے:

العصمة المشترطة معناها تخصیص القدرة بالطاعة فلا یخلق له ای لمن وصف بها (قدرة المعصیة) (مسامرہ)

عصمت مشترطہ کے معنی ہیں قدرت کا طاعت کے ساتھ خاص کر دینا پس جو شخص اس عصمت کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اس کے لئے معصیت کی قدرت پیدا نہیں کی جاتی۔

نبوۃ وعصمت کے متعلق ہم نے اکابر علمائے امت کے اقوال نقل کر کے ان کا خلاصہ ترجمہ ہدیہ ناظرین کر دیا ہے اور تفصیلی ابحاث کو صرف اختصار کلام کے لحاظ سے نظر انداز کر دیا ہے۔ اجزائے موضوع کی تشریح کے بعد ضرورت نبوت پر بھی کلام کرنا ضروری ہے تاکہ منکرین نبوت کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اس کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرنا ہے تاکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذواتِ قدسیہ کے ساتھ عصمت کا تعلق اچھی طرح واضح ہو سکے۔

اجماع اُمّت اور اقوال ائمہ کی روشنی میں عصمت انبیاء کا بیان

1: امام اعظم امام ابوحنیفہ (م 150ھ) فرماتے ہیں:

الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح.

(الفقہ الاکبر ص 2، العقیدۃ الحنفیہ ص 203)

سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بُرے کاموں سے پاک ہیں۔

2: قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م 544ھ) فرماتے ہیں:

اَلْاِجْمَاعُ عَلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الْكَبَائِرِ بِلاَ قَيْدٍ عَمَدًا وَسَهْوًا. (النبراس شرح شرح العقائد: ص283)

انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ عمداً کرتے ہیں نہ سہواً اسی پر اجماع ہے۔

3: امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (م 671ھ) لکھتے ہیں:

الانبیاء معصومون عن الخطاء والغلط فی اجتهادهم. (قرطبی ج2 ص2058)

انبیاء اپنے اجتہاد میں خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

4: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م 1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنهم عَلَى التَّأَسِّىْ بِهٖ صلی اللہ علیہ و سلم فِىْ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَسَائِرِ اَحْوَالِهٖ حَتّٰى فِىْ كُلِّ حَالاَ تِهٖ مِنْ غَيْرِ بَحْثٍ وَلَا تَفَكُّرٍ بَلْ بِمُجَرَّدِ عِلْمِهِمْ اَوْظَنِّهِمْ بِصُدُوْرِ ذٰلِكَ عَنْـهُ دَلِيْلٌ قَاطِعٌ عَلٰى اِجْمَاعِهِمْ عَلٰى عِصْمَتِهٖ وَتَنَزُّهِهٖ عَنْ اَنْ يَّجْرِىَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ اَوْبَاطِنِهٖ شَىْءٌ لَايُتَاَسّٰى بِهٖ فِيْهِ مِمَّالَمْ يَقُمْ دَلِيْلٌ عَلَى اخْتِصَاصِهٖ. (المرقات شرح المشکوٰۃ: ج1 ص220)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تمام احوال میں بغیر کسی بحث وتفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آپ کی اتباع پر متفق ہوجانا واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اور اس پر بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہراً و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوسکتی جس کی اتباع نہ کی جاسکتی ہو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم نہ ہوجائے۔

علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین سے نقل کرتے ہیں:

قال القاضی عیاض ذهب طائفة من محقق الفقهاء والمتکلمین الی العصمة عن الصغائر کالعصمة فی الکبائر. (نبراس: ص283)

قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

عصمت انبیاء سے متعلق بعض مذاہب کے نظریات

امام رازی (رحمۃ اللہ علیہ) نے عصمت انبیاء کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں۔

(1) حشویہ کا مذہب ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) سے عمداً گناہ کبیرہ کا صدور جائز ہے۔

(2) اکثر معتزلہ کا مذہب ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) سے عمداً گناہ کبیرہ کا صدور جائز نہیں البتہ عمداً گناہ صغیرہ کا صدور

جائز ہے البتہ ان صغائر کا صدور جائز نہیں جن سے لوگ متنفر ہوں۔

(3) جبائی کا مذہب ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) سے عمداً کبائر اور صغائر دونوں اصدور جائز نہیں البتہ تاویلاً جائز ہے۔

(4) انبیاء (علیہم السلام) سے بغیر سہو اور خطا کے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا لیکن ان سے سہو اور خطاء پر بھی مواخذہ ہوتا ہے

(5) رافضیوں کا مذہب ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) سے کسی گناہ کا صدور ممکن نہیں ہے صغیرہ نہ کبیرہ سہواً نہ عمداً تاویلاً نہ خطاً۔ (تفسیر کبیر ج1 ص 301 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عصمت انبیاء اور ائمہ اربعہ

امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ان کے اصحاب اور جمہور فقہاء اور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) جس طرح کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں، کیونکہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے افعال، ان کے آثار اور ان کی سیرتوں کی اتباع کریں اور یہ حکم مطلق دیا گیا ہے اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اگر ہم انبیاء (علیہم السلام) سے صغائر کے وقوع کو جائز قرار دیں تو ان کی اقتداء کرنا ممکن نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے افعال میں سے ہر فعل اس سے علیحدہ نہیں ہے کہ وہ عبادت ہے یا اباحت ہے یا ممنوع ہے یا معصیت ہے، اور نہ کسی شخص کو یہ حکم دینا صحیح ہوگا کہ وہ ان کے کسی حکم پر عمل کرے کیونکہ ہوسکتا ہے ان کا وہ حکم معصیت ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج1 ص 291-292 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان

الْقَوْلُ فِي الرَّسُول صلى الله عَلَيْهِ وَسلم

وَمُحَمَّد عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام حَبِيبه وَعَبده وَرَسُوله وَنبيه وَصفيه ونقيه وَلم يعبد الصَّنَم وَلم يُشْرك بِاللّٰهِ تَعَالٰى طرفَة عين قطّ وَلم يرتكب صَغِيرَة وَلَا كَبِيرَة قطّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے متعلق بیان ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب، بندے، رسول، نبی، صفی، نقی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بتوں کی پوجا نہیں کی۔ اور آنکھ کی پلک جھپکنے کی مقدار بھی کبھی شرک نہیں کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی صغیرہ اور کبیرہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت واہمیت:

لفظ محمد کا مادہ ح۔م۔د ہے یعنی حمد جس کے معنی تعریف کے ہیں اور یہی احمد کا مادہ بھی ہے۔ البتہ دونوں کے مفہوم میں واضح فرق کچھ یوں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس کی تعریف وتوصیف جملہ اھل الارض والسمآء نے سب سے بڑھ

کر کی ہو اور احمد وہ ہے جس نے رب السموٰت والارض کی حمد وثناء تمام جملہ اھل الارض والسموٰت سے بڑھ کر کی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم مبارک محمد اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک محمود سے مشتق ہے، جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ہے۔

وشق له من اِسمہٖ لیجله فذو العرش محمود وھذا محمد

ترجمہ: اور اللہ نے ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو، رب العرش تو محمود ہے اور نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

الفاظ مجموعہ حروف ہوتے ہیں، اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی کم کر دیا جائے تو باقی حروف اپنے معنی کھو دیتے ہیں، لیکن لفظ محمد کا ہر حرف بامقصد واہم ہے۔ مثلاً

اگر لفظ محمد میں سے پہلا حرف م کم کر دیا جائے تو باقی حمد رہ جاتا ہے جس کے معنی مدد کرنے والا یا تعریف رہ جاتے ہیں۔

ابتدائی میم (م) کے بعد اگر ح کو بھی حذف کر دیں تو باقی رہ جاتا ہے مد جس کا مطلب ہے دراز اور بلند، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اگر دوسری میم کو بھی ہٹا دیا جائے تو صرف د رہ جاتا ہے جس کا مفہوم ہے دلالت کرنے والا، یعنی اسم محمد اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت اِمام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:

م۔۔۔ کے معنی امین و مامون ہیں۔ ح۔۔۔ سے مراد حبیب ومحبوب ہیں۔ م۔۔۔ ثانی سے مراد میمون ہیں۔ د۔۔۔ دِین کی علامت ہے۔

۔ الغرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد سے خاص نسبت ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، احمد صلی اللہ علیہ وسلم، حامد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمود صلی اللہ علیہ وسلم میں تعریف وتوصیف کا پہلو واضح طور پر نمایاں ہے۔ اسی طرح اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حمادون یا حمادین ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء (جھنڈے) کا نام لواء الحمد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ الحمد عطا فرمائی اور کھانے، پینے وسفر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو حمد وثناء پڑھنے کا حکم ملا۔

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور چار انبیاء کرام علیہم السلام

چار جلیل القدر انبیائے کرام کے نام میں یہ خصوصیت ہے کہ ان کے اسمائے گرامی کے آخری حروف کو جمع کرنے یا ملانے سے لفظ محمد بنتا ہے۔ مثلاً

سب سے اوّل نبی جو دُنیا میں تشریف لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام۔۔۔م۔ سب سے اوّل صاحب شریعت نبی کا

نام۔ حضرت نوح علیہ السلام۔۔۔ ح۔ سب سے اوّل ابوالانبیاء کا خطاب پانے والے نبی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔۔۔ م۔ تخلیق میں سب سے اوّل اور بعثت میں سب سے آخری نبی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ د

علماء وفقہاء کے نزدیک لفظ محمد کا مفہوم

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں۔ محمد محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ محمد اس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف کی جائے، جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے۔ اسی لئے تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ذکر کیا گیا ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لفظ محمد کی صحیح معنوں میں تعریف یوں کی جائے گی۔۔۔ الذی یحمد حمد امرۃ بعد مرۃ۔ وہ ذات جس کی حمد وثناء کثرت کے ساتھ اور بار بار کی جائے اور جس کی تعریف کبھی ختم نہ ہو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ابن فارس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم مبارک بلا شبہ الہام رحمانی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو الہام فرمایا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام رکھا گیا۔

حافظ ابن سید الناس، عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرب وعجم کے دِلوں پر ایسی مہر لگا دی کہ کسی کو بھی محمد اور احمد نام رکھنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ اسی لئے قریش نے متعجب ہو کر جناب عبدالمطلب سے اس نام کی بابت پوچھا۔ اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ عرصہ پہلے لوگوں نے بنی اسرائیل کی زبانی یہ سنا کہ عنقریب ایک نبی محمد واحمد کے ناموں سے پیدا ہونے والے ہیں تو چند لوگوں نے اسی اُمید پر یہ نام رکھا۔

سیّدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف ہر نوع اور ہر مخلوق میں جاری وساری ہے اور ہر نوع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ آراء وجلوہ نما ہیں۔ چنانچہ زمین پر بشر کے ساتھ، ہوا میں پرندوں کے ساتھ اور آسمان میں ملائکہ کے ساتھ۔ اس کی تشریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں واضح رہے کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر عالم میں اس عالم کے مطابق ایک ظہور ہے۔ لہٰذا جس طرح عالم اجسام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے۔ عالم ارواح میں اس کی مانند ظہور نہیں ہے۔ اس لئے کہ عالم اجسام تنگ ہے اور اتنی وسعت نہیں رکھتا، جتنا عالم ارواح میں وسعت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور جس طرح عالم ارواح میں ہے، اس کی مانند عالم معنی میں نہیں۔ اس لئے کہ عالم معنی، عالم ارواح سے زیادہ لطیف اور زیادہ وسیع ہے۔ اس لئے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور زمین میں ہے۔ آسمان میں نہیں اور جیسا آسمان میں ہے، عرش میں نہیں، کیونکہ وہاں این وکیف نہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مقام اعلیٰ میں مقام نزول سے اکمل واتم ظہور ہوتا ہے اور ہر ظہور میں اس کے مطابق خاص جلالت اور ہیبت واسرار ہیں۔

حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نہ ہوتی تو پھر کائنات کی

کوئی چیز تخلیق نہ ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ ذات مقدسہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے چاند کو روشنی ملی اور سورج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے روشن ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی بزرگی اور قدر و تعریف کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں بہترین خصوصیات اس طرح جمع ہیں کہ جن کے کمال کی کوئی انتہا نہیں اور احاطہ گفتگو میں نہیں آسکتیں اور جو کوشش اور سبب سے پیدا نہیں کی جاسکتیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی خاص کسی کو عطا فرمادے۔ مثلاً فضیلت، نبوت، رسالت، خلت، محبت، برگزیدگی، سیر ملکوت دیدار قرب، نزدیکی، وحی، شفاعت، وسیلہ، فضیلت و درجہ بلند (مقام محمود) براق، معراج، تمام دُنیا کی طرف بعثت انبیاء کی اِمامت انبیاء اور ان کی اُمتوں پر شاہد، لواء الحمد کے حقدار، سید اولاد آدم، رحمۃ للعالمین، صاحب کوثر، گزشتہ و سابقہ اُمور سے معافی، شق صدر، ذکر کا بلند ہونا، فتح کی عزت دینا، سکینہ کا اُتارنا، ملائکہ کی تائید ہونا، کتاب و حکمت کا ملنا، اُمت کو پاک کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف ملانا، فرشتوں کا ان پر درود پڑھنا، لوگوں میں فیصلہ کرنا، اللہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور زندگی کی قسم کھانا، مستجاب الدعوات ہونا، پتھروں و حیوانوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اُنگلیوں سے پانی کا پھوٹ نکلنا، رعب سے مدد دیا جانا، بادل کا سایہ ہونا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، ایسے علوم کا عطا ہونا جن کا احاطہ عقل نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دارِ آخرت میں ایسے بڑے درجے اور نیکیاں ہیں جو ماورائے عقل ہیں۔

القرآن:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ **محمد رسول اللہ** ط۔۔۔(الفتح)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

والذین اٰمنوا وعملوا الصلحت واٰمنوا بما نزل علٰی محمد وھو الحق من ربھم کفر عنھم سیاٰتھم واصلح بالھم ○ (محمد)

ترجمہ: اور جو لوگ اِیمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور جو کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اس پر اِیمان لائے۔ اسے مانتے رہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے، ان سے ان کے گناہ دُور کردیے اور ان کی حالت سنوار دی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سراہے گئے، تعریف کے قابل)

وانک لعلٰی خلق عظیم ○ (القلم)

ترجمہ: اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بڑے عالی ہیں۔

الحدیث، محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین میں میرا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسمان میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اسی طرح توریت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اِنجیل میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر رضی اللہ عنہ! انبیاء میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ترمذی)

☆ حدیث قدسی ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کائنات کا وجود نہ ہوتا۔

روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو آپ علیہ السلام کو ابو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے بلایا، آپ علیہ السلام نے عرض کی، اللہ تعالیٰ! میری یہ کنیت کیسے ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا سر اُٹھاؤ۔ آپ علیہ السلام نے اُوپر دیکھا تو عرش پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا باری تعالیٰ! یہ نور کس کا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے، یہ تیری اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا نام آسمان میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور زمین پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر میں انھیں نہ پیدا کرتا تو نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ زمین وآسمان کو پیدا فرماتا۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کا بیان ہے کہ ان کے والد عبدالمطلب نے انھیں بتایا کہ ایک دفعہ میں مقام حجر میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ ایک درخت اُگا اور اس کی چوٹی آسمان تک پہنچ گئی اور اس کی شاخیں مشرق سے مغرب تک پھیل گئیں۔ اسی کے ساتھ میں نے ایک نور دیکھا جو سورج سے ستر گنا بڑا تھا۔ تمام عرب وعجم اس نور کے سامنے سجدہ ریز تھے۔ کبھی یہ نور چھپ جاتا اور کبھی پوری آب وتاب کے ساتھ پھر جلوہ گر ہو جاتا۔ میں نے قریش کے کچھ لوگوں کو اس درخت کی شاخوں سے لٹکے ہوئے دیکھا اور قریش کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ اس درخت کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے کا قصد کر رہے ہیں۔ جب وہ اس درخت کے قریب گئے تو ایک خوبصورت وجیہہ نوجوان نمودار ہوا۔ اس نے ان لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ان کی کمریں توڑ ڈالیں۔ میں نے بھی اس درخت کا کچھ حصہ لینا چاہا، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے پوچھا کہ یہ درخت کن لوگوں کے لئے ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ درخت ان لوگوں کے لئے ہے، جو اس کی شاخیں پکڑ کر لٹکے ہوئے ہیں۔ اُسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ خوف اور ہیبت سے میرا جسم لرز رہا تھا۔ میں اُسی وقت قریش کی ایک کاہنہ کے پاس گیا اور اس کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ وہ کہنے لگی کہ اگر یہ خواب سچا ہے تو تیری صلب (نسل) سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا، جو مشرق اور مغرب کا مالک ہوگا اور مخلوق خدا اس کی اِطاعت کرے گی۔ ایک روایت ہے کہ اس خواب کی بناء پر جناب عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا اِسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔ (سیرت ابن ہشام)

الفضائل:

روزانہ نماز فجر اور نماز عشاء کے بعد ایک ایک سو مرتبہ اس اسم مبارک کا ورد کرنے سے دِل نیکی کی طرف راغب ہوگا اور بُرائی سے چھٹکارا مل جائے گا۔

جو کوئی غربت و مفلسی کا شکار ہو، وہ روزانہ بلا ناغہ باوضو حالت میں ۴۰۰ مرتبہ اس اسم پاک کو پڑھ کر دعا مانگے تو وہ غنی ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت حبیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صفت حبیب سے خاص کیا جبکہ خلیل کی صفت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفت حبیب اور صفت خلیل کی توضیح علماء یوں فرماتے ہیں۔

اول: تو حبیب و خلیل میں فرق ہے ہے اس لئے کہ خلیل بروزن فعیل ہے بمعنی فاعل جو مسند ہے ابراہیم علیہ السلام کی طرف۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے: **واتخذ الله ابراهيم خليلا ۔**

اور حبیب بمعنی فاعل اور مفعول ہے یعنی حضور کی شان میں کہہ سکتے ہیں۔ محمد حبیب اللہ۔ واللہ حبیب محمد اور نسبت خلت ابراہیمی میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابراہیم خلیل واللہ خلیل ابراہیم

دوم: یہ کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو تقرب الی اللہ بواسطہ حاصل اور جناب حبیب اللہ کو اعلیٰ تقرب بلا واسطہ حاصل۔

سوم: یہ کہ خلیل وہ ہے جس کو مغفرت امت کی آرزو اور اس کی طمع میں وہ فرمائیں۔

والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی ۔

اور حبیب وہ ہے جس کے صدقے میں مغفرت بحد یقین ہو۔

لیغفر الله ما تقدم من ذنبك وماتاخر ۔

تا کہ اللہ تعالیٰ بخش دے بسبب آپ کی ذات مقدس کے پہلے اور پچھلے گناہ۔

چہارم: یہ کہ خلیل کو جو کچھ ملے وہ مانگنے پر اور حبیب وہ ہے کہ جس کو جو کچھ عطا ہو بغیر مانگے عطا۔

پنجم: یہ کہ خلیل وہ ہے جو اپنے محبوب کی رضا جوئی میں اپنے فرزند کو ذبح کے لئے نہ صرف آمادہ ہو بلکہ گردن پر اپنے لخت جگر کے چھری رکھ دے۔ اور رضا جوئی کی پروا نہ کرے۔

اور حبیب وہ ہے کہ محب خود اس کی رضا چاہے۔ حتی کہ محبوب کی مرضی کے موافق تحویل قبلہ کردی جائے اور صاف بشارت آئے۔ **قد نری تقلب وجهك فی السما فلنولینك قبلة ترضا ها فول وجهك شطر المسجد الحرام ۔** (تلخیص شرح قصیدہ بردہ، ص ۵۹)

قاضی ابوبکر بن عربی نے بروایت بعض صوفیہ نقل کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزار نام ہیں ان میں سے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ کعب احبار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اہل جنت کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبدالکریم ہے اور اہل جہنم کے نزدیک عبدالجبار اور حاملین عرش کے نزدیک عبدالمجید اور عام فرشتوں کے نزدیک عبدالرحیم اور پہاڑوں میں عبدالخالق اور خشکی میں عبدالقادر اور تری میں عبدالمہیمن اور سانپوں کے نزدیک عبدالقدوس اور کیڑے مکوڑوں

کرتا اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوانے والا میں ہوں گا اور سب سے پہلے جنت میں میں اور میری امت کے فقراء داخل ہوں گے اور اس پر بھی کوئی فخر نہیں کرتا اور میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہوں اولین اور آخرین میں اور کوئی فخر نہیں کرتا۔

اور بھی متعدد روایات سے حضور کا حبیب اللہ ہونا معلام ہوتا ہے۔ محبت اور خلت میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے اسی لئے ایک کے درود کو دوسرے کے درود کے ساتھ تشبیہ دی اور چونکہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں ہیں اس لئے بھی مَن اشبه اباه فما ظلم آباء واجداد کے ساتھ مشابہت بہت ممدوح ہے۔ مشکوٰۃ کے حاشیہ پر لمعات سے اس میں ایک نکتہ بھی لکھا ہے وہ یہ کہ حبیب اللہ کا لقب سب سے اونچا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حبیب اللہ کا لفظ جامع ہے خلت کو بھی اور کلیم اللہ ہونے کو بھی اور صفی اللہ ہونے کو بھی بلکہ ان سے زائد چیزوں کو بھی جو دیگر انبیاء کے لئے ثابت نہیں اور وہ اللہ کا محبوب ہونا ہے۔ ایک خاص محبت کے ساتھ میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیساتھ مخصوص ہے۔ (لمعات شرح مشکوٰۃ، لاہور)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن اور حدیث پاک میں نور بھی کہا گیا ہے اور بشر بھی۔ ہاں قرآن وحدیث سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسلمانوں نے کبھی کسی نبی کو اپنے جیسا بشر کہا ہو۔ ہم مسلمان ہیں لہٰذا ہمیں بھی سرکار کا ادب و احترام کرنا چاہیے۔ اس میں قصور جہالت کا ہے یا ان متعصب لوگوں کا جو ادب واحترام سے ہٹ کر نبی کو اپنے جیسا بشر کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کی شازش واتباع میں ایسا ہو رہا ہے تا کہ مسلمانوں کے دلوں سے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت ختم ہو جائے۔ اس کی نشاندہی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

جبکہ قرآن کریم نے نبی کو بشر بھی کہا ہے، نور بھی کہا ہے، ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اس کا منکر قرآن کا منکر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں بے مثل نور، بشر بھی ہیں بے مثل بشر۔ البتہ جس ذات پاک کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ترین صفات سے نوازا ہے اس کو صرف بشر کہنا اس پر اصرار وتکرار کرنا، اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی صفات کا منکر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ورسول ماننے سے انسان مسلمان کہلاتا ہے۔ صرف بشر بشر کا قول کفار کا ہے اہل ایمان کا نہیں۔ ہم اہل ایمان ہیں۔ کوئی قرآن وحدیث سے ثابت کرے کہ اہل ایمان اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر مسلمان ہوتے تھے یا ہو سکتے ہیں۔ مسئلہ نور وبشر کا نہیں مسئلہ ادب وبے ادبی کا ہے۔ اللہ بھی نور ہے، ملائکہ بھی نور ہیں، حور وغلمان بھی نور ہیں، سورج بھی نور ہے قرآن بھی نور ہے، نبی بھی نور ہے ایمان بھی نور، ہماری آنکھ بھی نور ہے، ہماری عقل بھی نور ہے، افسوس آج کے لوگ کا عجب حال ہے۔

بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

تنگ بر ما رہگزار دین شد است   ہر لئیمے راز دار دین شد است

قرآن و حدیث اور علماء و محدثین، فقہاء و صوفیا سب نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا اور مانا ہے مثلاً قرآن میں دیکھیے:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ○ (المائدہ، 15:5)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ○ (الصف، 8:61)

یہ (منکرینِ حق) چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں، جب کہ اللہ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے اگر چہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں۔

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا○ (الاحزاب: 46:33)

اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منور کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)۔

اسی طرح کتب سیر، احادیث، تفاسیر اور بائبل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے مثلاً ابن ہشام، 1: 144، تاریخ الامم والملوک الطبری، 576، صحیح مسلم، مشکوۃ، 513، 515، 517 میں سورج و چاند جیسا چہرہ فرمایا۔ انجیل برناباس شائع کردہ جماعت اسلامی، البدایہ والنہایہ میں بھی آپ کا نور ہونا ثابت ہے لہٰذا ہر مسلمان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مانتا ہے۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت ہے یعنی اندھیرا اور تاریکی۔ کوئی مسلمان سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گستاخی نہیں کرسکتا۔ جب آپ کی نورانیت ثابت ہے تو آپ غور کریں کہ یہ نورانیت کہاں سے آئی تو قرآن میں جواب ہے کہ

اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ. (النور، 35:24)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال (جو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں دنیا میں روشن ہے)۔

تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہوئی اس لئے آپ کو نور من نور اللہ بھی کہنا قرآن و سنت اور بائبل کی رو سے جائز ثابت ہوا جبکہ منکرین کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کے خلاف ایک دلیل بھی نہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کسی مسلمان کو نہیں لیکن نورانیت اور بشریت میں تضاد ثابت کرنا نری جہالت ہے۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت یعنی اندھیرا اور تاریکی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی ہیں اور یہی اللہ کی قدرت کا کمال ہے۔ پس شریعت کے دلائل سے نورانیت کا انکار کرنا جہالت و تعصب کے سوا کچھ بھی نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک آ گیا تمہارے اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ (المائدہ:۱۵)

لفظ نور کے معانی

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ طبعیاتی نور سے پاک ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ لفظِ نور سے جہاں طبعیاتی نور مراد نہ ہو وہاں تمثیل وتشبیہ متعین ہو جائے؟ کیا مصدر مبنی للفاعل نہیں ہوا کرتا؟ اور کیا اس طرح نور بمعنی منور نہیں ہو سکتا؟ کیا مجاز مرسل کے طور پر لفظِ نور کا استعمال ممکن نہیں؟ افسوس جنہوں نے اپنے جنون کے جوش میں خدائے قدوس کی بے مثلی کی شان کو بھی نسیاً منسیا کر دیا اور ان کے ذہن میں نور کے صرف ایک طبعیاتی معنی خلش پیدا کر رہے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ لفظِ نور کتنے معنی میں مستعمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا استعمال تمثیل وتشبیہ سے دُور کا تعلق بھی نہیں رکھتا، آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ لفظِ نور کے مندرجہ ذیل معانی کتب لغت وتفاسیر میں مرقوم ہیں:

(۱) النور فی اللغة الضیاء ۔"نور لغت میں روشنی کو کہتے ہیں۔

(۲) قالت الفلاسفة النور اجسام صغار تنفصل عن المضیء وتتصل بالمستضیء ۔

فلاسفہ نے کہا "نور" ایسے چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں جو (کسی) روشن چیز سے جدا ہو کر روشنی حاصل کرنے والے سے متصل ہو جاتے ہیں۔

(۳) النور عرض من الکیفیات المحسوسة ۔ نور کیفیاتِ محسوسہ میں سے ایک عرض ہے۔

(۴) النور غنی عن التعریف کسائر المحسوسات ۔ نور باقی محسوسات کی طرح تعریف سے مستغنی ہے۔

(۵) النور کمال اوّل للشفاف من حیث انه شفاف ۔ نور کمال اوّل ہے کسی شفاف چیز کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ شفاف ہے۔

(۶) النور کیفیة لا یتوقف الابصار بها علی الابصار بشیء اٰخر تعریف بما هو اخفیٰ ۔

نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا دیکھنا کسی دوسری چیز کے دیکھنے پر موقوف نہیں۔

(۷) النور نفس ظهور اللون ۔ نور، کسی چیز کے نفس ظہورِ رنگ کو کہتے ہیں۔

(۸) النور مغائر النفس ظهور اللون ۔ نور نفسِ ظہورِ رنگ کے (ساتھ بعض اوصاف میں مشترک ہونے کے باوجود اس کے) مغائر کو کہتے ہیں۔

(۹) النور الظاهر بذاته والمظهر لغیره ۔ نور ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والی ہو۔

(۱۰) النور نور عقلی .
نور، عقلی روشنی کو بھی کہتے ہیں (علم وہدایت، ایمان وعرفان وغیرہ تمام انوار عقلیہ اس میں شامل ہیں)
(۱۱) النور نور نفسی . نور کے معنی نور نفسی بھی آتے ہیں۔
(۱۲) النور نور جسمی . نور، جسمی روشنی کو بھی کہا جاتا ہے۔
(۱۳) النور موجد . نور، موجد (ایجاد کنندہ) کو بھی کہتے ہیں۔
(۱۴) النور الظهور بنفسه والاظهار لغيره .
نور، خود بخود ظاہر ہونے اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے کے (لازمی) معنی میں بھی آتا ہے۔
(۱۵) النور منزه من كل عيب ومن ذٰلك قولهم امراة نوار اى بريئة من الريبة بالفحشاء .
نور کے معنی "ہر عیب سے منزہ" ہیں اور اسی سے عرب کا مقولہ ہے "اِمراۃ نوار" یعنی یہ عورت بے حیائی کے کاموں کے شک وشبہ سے پاک ہے۔
(۱۶) النور منور . نور کے معنی روشن کرنے والے کے بھی آتے ہیں۔
(۱۷) نور نوّرَ ماضی بدليل والارض بالنصب .
آیت کریمہ "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ" میں نور فعل ماضی ہے جس کے معنی ہیں روشن کردیا، اس کی تائید اسی آیت میں (ایک قرأت کے مطابق) "وَالْاَرْضَ" کے نصب سے ہوتی ہے۔
ان تمام معنی کا ماخذ روح المعانی کے حسب ذیل اقتباسات ہیں:
روح المعانی پ، ص (مطبوعہ بیروت) پر "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" کے تحت مرقوم ہے۔
النور فی اللغة علی ما قال ابن سكيت الضياء .
نور "لغت میں ابن سکیت کے قول کے موافق ضیاء (روشنی) ہے"۔
واعلم ان الفلاسفة اختلفوا فی حقيقة النور فمنهم من زعم انه اجسام صغار تنفصل عن المضیء وتتصل بالمستضیء . (تفسیر روح المعانی)
جاننا چاہئے کہ فلاسفہ نے نور کی حقیقت میں اختلاف کیا اور ان میں سے بعض نے گمان کیا کہ نور چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں جو کسی روشن چیز سے جدا ہو کر روشنی حاصل کرنے والی چیز سے متصل ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی، پ، ص۔ مطبوعہ بیروت)
وذهب بعضهم الی انه عرض من الكيفيات المحسوسة وقالوا هو غنی عن التعريف كسائر المحسوسات وتعريفه بانه كمال اول للشفاف من حيث انه شفاف او بانه كيفية لا يتوقف الابصار بها علی الابصار بشی اٰخر تعريف بما هو اخفی وكان المراد به التنبيه علی بعض

عواصه ومن هٰؤلاء من قال انه نفس ظهور اللون ومنهم من قال بمغائر تهما .

(تفسیر روح المعانی ص۔مطبوعہ بیروت)

بعض فلاسفہ اس طرف گئے کہ نور عرض ہے اور کیفیات محسوسہ میں سے ہے، اور انہوں نے کہا کہ وہ تعریف سے بے نیاز ہے، جیسے باقی محسوسات تعریف سے بے نیاز ہیں، اور اس کی یہ تعریف کہ وہ کمال اوّل ہے کسی شفاف چیز کا اس حیثیت سے کہ وہ شفاف ہے یا وہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا دیکھنا کسی دوسری شے کے دیکھنے پر موقوف نہیں، نور کی یہ تعریف ایسی چیز کے ساتھ ہے جو اس سے زیادہ خفی اور پوشیدہ ہے (حالانکہ تعریف اجلیٰ اور اطہر کے ساتھ ہونی چاہئے) یہ تعریف دراصل تعریف نہیں بلکہ نور کے خواص میں سے اس کی بعض خاصیتوں پر تنبیہ ہے، اور ان ہی لوگوں میں سے بعض نے کہا کہ وہ نور، رنگ کے نفس ظہور کا نام ہے، اور بعض نے اُن دونوں کی مغایرت کا قول کیا۔ (تفسیر روح المعانی)

ولهم فـي الـنـور اطلاق اٰخر وهم الظاهر بذاته والمظهر لغيره وقالوا هو بهٰذا المعنى مساو لـلوجود بل نفسه فيكون حقيقة بسيطة كالموجود منقسمًا كانقسامه فمنه نور واجب لذاته قاهر على ماسواه ومنه انوار عقلية ونفسية وجسمية والواجب تعالىٰ نور الانوار ۔ الخ

(تفسیر روح المعانی، ص۔مطبوعہ بیروت)

اور فلاسفہ کے لئے نور میں ایک اور اطلاق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ نور ایسی چیز ہے جو خود اپنی ذات سے ظاہر ہو، اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والی ہو، اور انہوں نے کہا کہ وہ اس معنی میں "وجود" کا مساوی ہے بلکہ نفس وجود ہے تو اس صورت میں نور وجود کی طرح حقیقت بسیط ہوگا اور وجود کی طرح اس کی بھی تقسیم ہوگی تو اس میں سے ایک نور واجب لذات کا ہے جو اپنے ماسوا پر غالب ہے اور اس میں سے انوار عقلیہ ہیں اور بعض اس میں سے انوار نفسیہ اور جسمیہ ہیں اور واجب تعالیٰ نور الانوار ہے۔ الخ (تفسیر روح المعانی)

اذا عـلـمـت هـذا فـاعلم ان اطلاق النور على الله سبحانه وتعالىٰ بالمعنى اللغوى والحكمى السـابق غير صحيح لكمال تنزهه جل وعلا عن الجسمية والكيفية ولوازمهما واطلاقه عليه سبـحـانـه بـالـمعنى المذكور وهو الظاهر بذاته والمظهر لغيره قد جوزه جماعة منهم حجة الاسلام الغزالى (تفسير روح المعانى)

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اَب جاننا چاہئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر لفظ نور کا اطلاق باعتبار معنی لغوی اور حکمی کے جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور ہر قسم کی کیفیت اور ان کے تمام لوازمات سے کامل طور پر منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ پر باعتبار معنی مذکور "ظاهر بذاته مظهر لغيره" کے لفظ نور کا اطلاق ایک جماعت نے جائز رکھا ہے ان

میں سے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

وجوز بعض المحققین کون المراد من النور فی الایة الموجد کانه قیل: الله موجد السمٰوات والارض ووجه ذٰلک بانه مجاز مرسل باعتبار لازم معنی النور وهوالظهور فی نفسه اظهارا لغیره. (تفسیر روح المعانی مطبوعہ بیروت)

اور بعض محققین نے آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ میں نور سے موجد کا مراد ہونا جائز قرار دیا ہے گویا اس آیت کریمہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا موجد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ مجاز مرسل ہے باعتبار لازم معنی نور کے جو ظہور فی نفسہ اور اظہار لغیرہ ہے یعنی خود بخود ظاہر ہونا اور اپنے غیر کو ظاہر کرنا)۔

وقیل المراد به المنزه من کل عیب ومن ذٰلک قولهم امراة نوار ای بریئة من الریبة بالفحشاء. (تفسیر روح المعانی مطبوعہ بیروت)

ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظِ نور سے مراد (کبھی) ہر عیب سے منزہ ہوتا ہے، اور اسی سے اہل عرب کا یہ مقولہ ہے "امراۃ نوار" یعنی یہ عورت بے حیائی کے کاموں کے شک وشبہ سے پاک ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

وقیل نور بمعنی منور وروی ذٰلک عن الحسن وابی العالیة والضحاك وعلیه جماعة من المفسرین ویویده قراة بعضهم منور وکذا قراة علی کرم الله وجهه وابی جعفر وعبدالعزیز المکی وزید بن علی وثابت ابن ابی حفصة والقورصی ومسلمة بن عبد الملك وابی عبد الرحمن السلمی وعبد الله بن عباس بن ابی ربیعة نور فعلا ماضیًا والارض بالنصب. (روح المعانی)

آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ میں ایک قول یہ ہے کہ یہاں نور بمعنی منور ہے یعنی روشن کرنے والا، یہ مروی ہے حسن بصری سے، ابو العالیہ سے اور ضحاک سے اور اسی قول پر مفسرین کی ایک جماعت ہے اور تائید کرتی ہے اس قول کی اس آیت میں بعض علماء کی قرات "الله منور السمٰوات" اسی طرح اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابو جعفر، عبدالعزیز مکی، زید بن علی، ثابت بن ابی حفصہ، قورصی، مسلمہ بن عبدالملک، ابو عبدالرحمٰن السلمی اور عبداللہ بن عباس ابن ابی ربیعہ نے نَوَّرَ فعل ماضی اور الارض کو نصب (زبر) کے ساتھ پڑھا۔ (روح المعانی)

ذرا سوچیں کہ قرآن کریم کی جس آیت (اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ، الآیۃ) کے لفظ "نور" کو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے معاذ اللہ تمثیل وتشبیہ قرار دے رہے ہیں اس کے سترہ معنی منقولہ میں سے ایک معنی بھی انہیں ایسے نظر نہ آئے جنہیں تمثیل وتشبیہ کے بغیر مراد لیا جا سکے؟ کیا خدائے قدوس کے حق میں تمثیل وتشبیہ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے انہیں ذرا بھی خوف خدا محسوس نہیں ہوا، مفسرین کرام کی تصریحات جلیلہ منقولہ بالا میں انہیں یہ نظر نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ صفاتِ حدوث اور صفات مخلوقہ سے منزہ ہے اور

مثل وشبہ سے پاک اور تمثیل وتشبیہ سے مقدس ہے۔

بعض ولوگوں کو بعض تفاسیر میں یہ دیکھ کر مغالطہ ہوگیا کہ (اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ) للہ تعالیٰ کے نور کی مَثَل ہے اس لئے انہوں نے تمثیل وتشبیہ کو للہ تعالیٰ کے لئے درست سمجھ لیا، اس مغالطہ کو دُور کرنے کے لئے انہیں "مفردات امام راغب" کی حسب ذیل عبارت کو غور سے پڑھنا چاہئے جس میں ان کے مغالطہ کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہے اور للہ تعالیٰ کے تمثیل وتشبیہ سے مبرہ ومنزہ ہونے کو آفتاب سے زیادہ روشن کر کے دکھایا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

والتمثال" الشیء المصور "والمثل عبارةٌ عن قول فی شیء یشبه قولاً فی شیء آخر بینهما مشابهةٌ لیبین احدهما الاخر ویصوره "والمثل یقال علی وجهین احدهما بمعنی المثل نحو شبه وشَبه ونِقض ونَقض، قال بعضهم وقد یعبر بهما عن وصف الشیء نحو قوله (مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ) والثانی: عبارة عن المشابهة لغیره فی معنی من المعانی ای معنی کان وهو اعم الالفاظ الموضوعة للمشابهة وذٰلك ان النِدّ یقال فیما یشارك فی الجوهر فقط، والشبه یقال فیما یشارك فی الکیفیة فقط، والمساوی یقال فیما یشارك فی الکمیة فقط، والشکل فیما یشارکه فی القدر والمساحة فقط، والمثل عام فی جمیع ذٰلك ولهٰذا لما اراد للہ تعالیٰ نفی التشبیه من کل وجه خصه بالذکر فقال (لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ)، واما الجمع بین الکاف والمثل فقد قیل ذٰلك لتاکید النفی تنبیهاً علی انه لا یصح استعمال المثل ولا الکاف فنفی بلیس الامرین جمیعًا وقیل المثل ههنا هو بمعنی الصفة ومعناه لیس کصفته صفة تنبیهًا علی انه وان وصف بکثیر مما یوصف به البشر فلیس تلك الصفات له علی حسب مایستعمل فی البشر .

تمثال" شی مصور کو کہتے ہیں "مَثَل" عبارت ہے قول سے کسی شے میں جو مشابہ ہو قول کے شیِ آخر میں کہ ان دونوں کے درمیان مشابہت ہوتا کہ ایک دوسرے کو بیان کردے اور اسے مصور کردے اور "مِثْل" کا استعمال (مزید) دو طریقوں پر بھی ہوتا ہے، ایک مثل کے معنی میں جیسے شِبْہٌ و شَبْہٌ اور نِقْضٌ و نَقْضٌ بعض نے کہا ان دونوں کے ساتھ کبھی وصف شے کو بھی تعبیر کردیا جاتا ہے جیسے للہ تعالیٰ کا قول مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ، اور دوسرے طریقہ پر اس طرح کہ لفظ مُثل عبارت ہوتا ہے اپنے غیر کے ساتھ مشابہت سے معانی میں سے کسی معنی میں بھی کیوں نہ ہو، اور وہ مشابہت کے معنی میں ان تمام الفاظ سے اعم ہے جو مشابہت کے معنی کے لئے وضع کئے گئے ہیں مثلاً لفظ نِدّ کا استعمال صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جو فقط جوہر میں باہم شریک ہوں اور "شبہ" کا اطلاق ان اشیاء پر ہوتا ہے جو صرف کیفیت میں باہم مشارک ہوں اور لفظ "مساوی" کا استعمال

صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جو فقط مقدار میں شریک ہوں، اور شکل" کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں دو چیزیں صرف اندازے اور پیمائش میں مشارک ہوں، اور لفظ "مثل" ان سب میں عام ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (اپنی ذات مقدسہ سے) من کل وجہ (ہر طرح سے تشبیہ) کی نفی کا ارادہ فرمایا تو اسی لفظ "مثل" کو ذکر کے ساتھ خاص کیا اور فرمایا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مثل کے ساتھ کاف تشبیہ کو کیوں جمع فرمایا تو بعض نے اس کا جواب دیا کہ تاکید نفی کے لئے ایسا کیا، گویا اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمثیل و تشبیہ سے ایسا پاک ہے کہ اس کے حق میں لفظِ مثل کا استعمال جائز ہے نہ کاف تشبیہ کا، لہٰذا لَيْسَ کے ساتھ کاف تشبیہ اور مثل دونوں کی نفی فرمادی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظ مثل یہاں صفت کے معنی میں ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرح کوئی صفت نہیں اور اس کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اگرچہ (قرآن مجید میں) اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بکثرت موصوف کیا گیا ہے جن سے بشر موصوف کئے جاتے ہیں (جیسے سمع، بصر، علم، رحم، ید، وجہ وغیرہا) لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لئے ان صفات کا استعمال ایسا نہیں جیسے بشر کے حق میں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تمثیل و تشبیہ سے مطلقاً پاک ہے اور اس ذات و صفات کی مثل کوئی شی اور کسی کی صفت نہیں ہو سکتی۔ (مفردات امام راغب اصفہانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے متعلق علماء کے نظریات:

جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اہل تورات اور اہل انجیل کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آ گئی۔ نور سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ وہ باتیں بیان فرماتے تھے جن کو یہودی چھپاتے تھے اور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو بیان فرمادیا جس میں ان کا اختلاف تھا۔ مثلاً اللہ کی توحید حلال اور حرام اور شریعت کا بیان اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا جس میں دین سے متعلق احکام کو بیان فرمایا۔ (جامع البیان جز۶ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور ہدایت یعنی اسلام۔ قتادہ نے کہا اس سے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار ہے۔ اس نے کہا نور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے جس چیز میں اہل کتاب اختلاف کرتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید قول فیصل بیان کرتا ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۱۶۹۔۱۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حسب ذیل تفاسیر میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد اسلام ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۷۸ مطبوعہ بیروت فتح القدیر ج ۲ ص ۲۳ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۶۸ نظم الدرر ج ۶ ص ۶۳ زاد المسیر ج ۲ ص ۳۱۶)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

(۱) نور سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

(۲) نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

(۳) نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام اور قرآن پر نور کا اطلاق بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ نور ظاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آنکھ اشیاء ظاہرہ کا ادراک قوت سے کرتی ہے اور نور باطن اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بصیرت حقائق اور معقولات کا ادراک قوت سے کرتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے قرآن جو شک کے اندھیروں کو دور کرتا ہے اور کتاب مبین سے مراد ہے جس کا اعجاز واضح ہو اور ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ (علامہ بیضاوی کی پہلی تفسیر زمخشری سے مستفاد ہے کشاف ج ۱ ص ۶۱۷)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ قرآن مجید کو نور اس لیے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو ظاہر فرماتا ہے دوسری تفسیر جس کے مطابق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نور فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے معجزات کے سبب سے ظاہر تھے اور آپ حق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ (اور نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کر دے) (عنایۃ القاضی ج ۳ ص ۲۲۶ مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ قتادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی زجاج کا مختار ہے۔ ابو علی جبائی (معتزلی) نے کہا نور سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اقتصار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتاب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہوگا کہ عطف تغایر کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن ہے تو تغایر کس طرح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عنوان کا تغایر کافی ہے۔

معطوف علیہ میں قرآن کو نور سے تعبیر کیا ہے اور معطوف میں اس کو کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے تغایر کو تغایر

بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور یہاں بھی صحت عطف کے لیے عنوان کا تغائر کافی ہوگا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نور اور کتاب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح الم (روح المعانی ج ۶ ص ۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نور کا اطلاق کیا گیا کیونکہ آپ اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ دونوں قرآن کے وصف ہیں اور عطف کے لیے لفظی تغایر کافی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں۔ کیونکہ انوار میں آپ کا کامل ظہور ہے اور آپ کتاب مبین ہیں کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔

(شرح الشفاء علی حاشیہ نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

(خزائن العرفان ص ۱۷۶ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

اکثر مفسرین کا مختار یہی ہے کہ اس آیت میں سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد نور ہدایت اور نور معنوی ہے یا اس سے مراد نور حسی ہے۔ جیسے چاند اور سورج کا نور ہے۔ امام ابن جریر علامہ سمرقندی حنفی قاضی بیضاوی شافعی علامہ احمد خفاجی حنفی ملا علی قاری حنفی اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علماء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نور حسی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور حسی ہونے پر دلائل:

علامہ ابو عبداللہ محمد بن الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں: امام ابو عبدالرحمٰن الصقلی رحمۃ اللہ عنہ نے کتاب الدلالات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور پیدا کیا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا پھر سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا اور آدم (علیہ السلام) کے نور سے باقی انبیاء علیہم السلام کے نور کو پیدا

کیا۔ (یہاں علامہ صقلی کی عبارت ختم ہوئی) اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں فقیہہ خطیب ابوالربیع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا تو اللہ سبحانہ نے جبرائیل (علیہ السلام) کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ جبرائیل (علیہ السلام) اور جنت کے فرشتے اور رفیق اعلیٰ کے فرشتے گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے اس کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہوگئی۔ اس مٹی کا نور تھا اور اس کی شعاع عظیم تھی۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش کرسی آسمانوں زمینوں پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام مخلوق نے سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مادہ خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا: یہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے وہ خاتم الانبیاء ہیں اللہ ان کو تمہاری پشت سے نکالے گا تم میرے عہد اور میثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے کہا میں تیرے عہد اور میثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور حضرت آدم (علیہ السلام) کی پشت میں چمکتا تھا۔ اور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

علامہ ابن الحاج اس کے بعد لکھتے ہیں: اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عرش کو پیدا کیا دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا کیا اور تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔ پھر قلم سے فرمایا: چل لکھ! اس نے کہا: اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا: میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ لکھ دیا۔ پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عقل کو پیدا کیا دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا کیا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا اور تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا حتیٰ کہ آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں رکھا۔ پس عرش کا نور سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ہے اور عقل کا نور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ہے اور سورج چاند اور آنکھوں کا نور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ہے۔ (اس روایت کی عبارت ختم ہوئی)

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں: اس معنی میں بکثرت روایات ہیں۔ جو ان پر مطلع ہونا چاہے وہ ابوالربیع کی کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم (علیہ السلام) نے ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا: اے وہ! جو معنی میرے باپ ہیں اور صورۃ میرے بیٹے ہیں اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا: ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (المدخل ج ۲ ص ۳۳۔۳۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۲ ھ لکھتے ہیں: حکماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جیسا کہ صریح حدیث میں وارد ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس حدیث اور دوسری دو حدیثوں میں مطابقت ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور مطابقت اس طرح ہے کہ معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا بہ حیثیت مبداء تعقل کیا جائے تو وہ عقل ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے اضاضہ میں واسطہ ہے وہ سید الانبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا نور ہے۔ (شرح مواقف ج ۷ ص ۲۵۴ مطبوعہ ایران ۱۳۲۵ ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا: لکھ تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دیا۔ حسن عطاء اور مجاہد کا یہی مختار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا پھر ان کو ممتاز کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو پیدا کیا۔ تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۰۹ مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سب کے لیے اس اعتبار سے رحمت ہیں کہ آپ ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے اللہ کے فیضان کا واسطہ ہیں اسی وجہ سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور اول المخلوقات ہے کیونکہ حدیث میں ہے اے جابر سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۰۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ملکی ہے جس سے آپ فیض لیتے ہیں اور ایک حیثیت بشری ہے جس سے آپ فیض دیتے ہیں اور قرآن مجید آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح پر نازل کیا جاتا ہے کیونکہ آپ کی روح صفات ملکیہ کے ساتھ متصف ہے جن کی وجہ سے آپ روح امین سے فیض

لیتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۹ص ۱۲۱مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نواب وحید الزمان (غیر مقلدین کے مشہور عالم) متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی پھر عرش کو پیدا کیا پھر پانی کو پھر ہوا کو پھر دوات قلم اور لوح کو پیدا کیا پھر عقل کو پیدا کیا۔ پس آسمانوں زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کی پیدائش کا مادہ اولی نور محمد ہے۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اس سے مراد اولیت اضافیہ ہے۔ (ھدیۃ المہدی ص ۵۶ مطبوعہ سیالکوٹ)

جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا بعض علماء نے کہا اس حدیث میں نور سے مراد روح ہے۔ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے سب سے پہلے میری روح کو پیدا کیا ان دونوں روایتوں سے مراد واحد ہے کیونکہ ارواح روحانی ہوتی ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۱۶۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہدایت ہونے پر دلائل کا بیان

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور حسی ہونے کے متعلق علماء کے یہ نظریات ہیں جن کو ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ البتہ ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان اور بشر ہیں لیکن آپ انسان کامل اور افضل البشر ہیں۔ اور نبی انسان اور بشر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہماری جنس سے مبعوث کیا ہے اور اسی کو ہمارے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(آیت) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمائے کہ ہمارا تم پر یہ احسان ہے کہ ہم نے رسول کو تم میں سے بھیجا اور ہم یہ کہیں کہ نہیں رسول ہماری جنس سے نہیں ہیں ان کی حقیقت کچھ اور ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہم میں سے ہونا ہمارے لیے اس وجہ سے احسان ہے تاکہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہمارے لیے نمونہ اور حجت ہوں ورنہ اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث ہوتے تو کوئی کہنے کہہ سکتا تھا کہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہم پر حجت نہیں ہیں کیونکہ آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری حقیقت اور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ یہ افعال اور عبادات کر سکتے ہوں اور ہم نہ کر سکیں۔

(آیت) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے۔

(آیت) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ (الانبیاء:۷)

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں ہی کو رسول بنایا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

کفار یہ کہتے تھے کہ کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے:

(آیت) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ۝ (الانعام:۹)

ترجمہ: اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد (ہی کی صورت میں) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ (اب) کررہے ہیں۔

ان تمام آیات میں تصریح ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر انسان اور مرد ہیں لیکن آپ افضل البشر انسان کامل اور سب سے اعلیٰ مرد ہیں اور اگر نور سے مراد نور ہدایت لیا جائے تو ان آیتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے اور اکثر مفسرین نے نور ہدایت ہی مراد لیا ہے۔ اور اگر آپ کو چاند اور سورج کی طرح نور حسی مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے تو قرآن مجید کی ان صریح آیات کو ان اقوال کے تابع کرنا لازم آئے گا اور کیا قرآن مجید کی ان نصوص صریحہ کے مقابلہ میں ان اقوال کو عقیدہ کی اساس بنانا صحیح ہوگا؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بشریت اور نورانیت میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے لیکن اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا فرشتے اور حضرت جبرائیل چاند اور سورج کی طرح نور حسی ہیں؟ کیا رات کے وقت ہمارے ساتھ منکر نکیر نہیں ہوتے؟ پھر کیا ان کے ساتھ ہونے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے؟ کیا جب رات کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آتے تھے تو روشنی ہو جاتی تھی فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں اللہ ہی جانتا ہے وہ کس قسم کے نور سے بنائے گئے؟ لیکن یہ بہرحال مشاہدہ سے ثابت ہے کہ وہ چاند اور سورج کی طرح نور حسی نہیں ہیں کیونکہ دنیا میں ہر جگہ ہر وقت فرشتے موجود ہوتے ہیں اس کے باوجود دنیا میں رات کو اندھیرا بھی ہوتا ہے۔

البتہ! معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نور حسی سے بھی وافر حصہ عنایت فرمایا تھا۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا۔ جو شخص بھی آپ کے چہرہ مبارک کے جمال کو بیان کرتا اس کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ آپ ہماری نظر میں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ کا رنگ چمکدار اور چہرہ منور تھا اور چاند کی طرح چمکتا تھا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ بیروت خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ فیصل آباد)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ (شمائل محمدیہ رقم الحدیث: ۱۵ المعجم الکبیر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۲۱۸۱ المعجم الاوسط ج ۱ رقم الحدیث: ۷۷۱ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۲۱۵ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۹ سنن دارمی ج ۱ رقم الحدیث: ۵۸)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ کسی شخص کو سخی دیکھا نہ بہادر نہ روشن چہرے والا۔

(سنن دارمی ج ۱ رقم الحدیث: ۵۹ حجۃ اللہ علی العالمین ص ۶۸۹)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک چاندی رات میں دیکھا میں کبھی آپ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ بخدا! آپ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔ (شمائل محمدیہ رقم الحدیث: ۱۰ سنن دارمی ج ۱ رقم الحدیث: ۵۷ المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۱۸۴۲ المستدرک ج ۴ ص ۱۸۶ حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں: ابوعبیدہ بن محمد بن عمار یاسر نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے کہا: ہمارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفت بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے اگر تم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھتے تو تم طلوع ہونے والے آفتاب کو دیکھتے۔

(سنن دارمی ج ۱ رقم الحدیث: ۶۰ المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۶۹۶ حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۰)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حسن و جمال اور آپ کے حسی نورانیت سے متعلق ہم نے یہ احادیث تلاش کر کے نقل کی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) چاند اور سورج سے زیادہ حسین تھے۔ آپ کا چہرہ بہت منور اور روشن تھا اور آپ کے دانتوں کی جھری میں نور کی مانند کوئی چیز نکلتی تھی لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا خمیر مٹی سے بنایا گیا تھا اور آپ انسان اور بشر تھے لیکن آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہر بچہ کے ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے اور میں اور ابوبکر وعمر ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۱۰۰۔ ۹۹ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

نیز امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: اور جو مطلقا حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے۔ قال تعالیٰ: (آیت) قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۶۷ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

صحابہ کرام میں باہمی فضیلت کا بیان

المفاضلة بين الصَّحَابَة

وَافضل النَّاس بعد النَّبيينَ عَلَيْهِم الصَّلاة وَالسَّلام اَبُو بكر الصّديق ثمّ عمر بن الْخطاب الْفَارُوق ثمّ عُثْمَان بن عَفَّان ذُو النورين ثمّ عَلىّ بن ابى طَالب المرتضى رضوَان الله عَلَيْهِم اَجْمَعِينَ .عابدين ثابتين على الْحق وَمَعَ الْحق نتولاهم جَمِيعًا وَلَا نذْكر احدا من اَصْحَاب رَسُول الله اِلَّا بِخَير

صحابہ کرام کے درمیان باہمی فضیلت کے بیان میں ہے۔انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق،ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم ،ان کے حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین اور ان کے بعد حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ جو عبادت گزار ہیں ہمیشہ حق پر ثابت رہنے والے ہیں اور حق کے ساتھ ہیں اور وہ ہم ان سب سے محبت کرتے ہیں۔اور ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں

اس ضمن میں مولا علی رضی اللہ عنہ سے منقول احادیث ملاحظہ فرمائیں

1 - حدیث شریف: حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے سنا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال باکمال کے بعد افضل ابو بکر،عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی،حدیث 178 جلد اول،ص 107)

2- حدیث شریف: ابوالبختری طائی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا، میرے ساتھ ہجرت کون کرے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابو بکر اور وہی آپ کے وصال کے بعد آپ کی اُمت کے والی یعنی خلیفہ ہوں گے اور وہی اُمت میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر نرم دل ہیں۔(ابن عساکر، تاریخ دمشق، جلد 30،ص 73)

3- حدیث شریف: حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (فرماتے ہیں) کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ حضرت ابو بکر، میں نے عرض کی، پھر کون؟ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔

(بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، حدیث 3671،جلد 2،ص 522)

4- حدیث شریف: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں میرے بعد سب سے بہتر شخص ابوبکر ہیں، پھر عمر (ابن عساکر)

5- حدیث شریف: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا۔ میں نے عرض کی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل شخص! تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو جحیفہ! کیا تجھے بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ وہ حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر، اے ابو جحیفہ! تجھ پر افسوس ہے، میری محبت اور ابوبکر کی دشمنی کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتی اور نہ میری دشمنی اور ابوبکر و عمر کی محبت کسی مومن کے دل میں جمع ہوسکتی ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی من اسمہ علی، حدیث 3920، جلد 3، ص 79)

6- حدیث شریف: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر فرمائیے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ اسے تم پر خلیفہ مقرر فرمادے گا جو تم میں سب سے بہتر ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانا، جنہیں ہم پر خلیفہ مقرر فرمایا۔ (دارقطنی، تاریخ دمشق، جلد 30، ص 290-289)

7- حدیث شریف: ہمدانی سے باکمال روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے وقت مجھے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر، ان کے بعد عمر، ان کے بعد عثمان خلیفہ ہے۔ بعض روایات میں یہ لفظ ہے کہ پھر انہیں خلافت ملے گی۔

(ابن شاہین، فضائل الصدیق لملا علی قاری، ابن عساکر، تاریخ دمشق، جلد 5، ص 189)

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مولا علی رضی اللہ عنہ کے اقوال، کتب شیعہ سے

☆ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ابوبکر کو سب لوگوں سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کے ساتھی اور ثانی اثنین ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی حدید شیعی: جلد اول، ص 332)

☆ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر یعنی اس امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ (کتاب الشافی، جلد دوم، ص 428)

☆ حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر و عمر کے بارے میں فرمایا: انھما اماما الھدیٰ و شیخا الاسلام والمقتدیٰ بھما بعد رسول اللہ ومن اقتدیٰ بھما عصم یعنی یہ حضرت ابوبکر و عمر دونوں ہدایت کے امام اور شیخ الاسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقتدیٰ ہیں اور جس نے ان کی پیروی کی، وہ برائی سے بچ گیا۔ (تلخیص الشافی للطوسی، جلد 2، ص 428)

☆ حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان ابابکر منی بمنزلۃ

السمع وان عمر منی بمنزلة البصر یعنی بے شک ابوبکر مجھ سے ایسے ہیں جیسے میرے کان اور عمر مجھ سے ایسے ہیں جیسے میری آنکھ۔ (عیون اخبار الرضا لابن بابویہ قمی، جلد اول، ص 313، معانی الاخبار قمی، ص 110، تفسیر حسن عسکری)

☆ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کے منبر پر ارشاد فرمایا: لئن اوتیت برجل یفضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته حد المفتری یعنی اگر ایسا شخص میرے پاس لایا گیا تو جو مجھے حضرت ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہوگا تو میں اس پر مفتری کی حد جاری کروں گا۔ (رجال کشی ترجمہ رقم (257) معجم الخوئی (جلد ص 153)

مولا علی رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والوں کو تنبیہ

1- حکم بن حجل سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو بھی مجھے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے اس پر جھوٹ بولنے کی حد جاری کروں گا۔ (الصارم المسلول، ص 405)

2- اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے گا، اسے بہتان کی سزا میں درے لگاؤں گا اور اس کی گواہی ساکت ہو جائے گی یعنی قبول نہیں ہوگی۔
(کنز العمال، کتاب الفضائل، حدیث 36097، جلد 13، ص 6/7)

3- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل بتاتے ہیں۔ آئندہ جو مجھے ان سے افضل بتائے گا وہ بہتان باز ہے۔ اسے وہی سزا ملے گی جو بہتان لگانے والوں کی ہے۔
(تاریخ دمشق، جلد 30، ص 382)

شیعہ حضرات کی کتب سے:

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مولا علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے والوں کے لئے مولا علی رضی اللہ عنہ کی تنبیہ:

شیعہ حضرات کی اسماء الرجال کی کتاب رجال کشی میں مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کو افضل کہنے والوں کے لئے درّوں کی سزا اور حد کا حکم فرمایا ہے۔ اصل عبارت درج کی جاتی ہے۔

سفیان ثوری علیہ الرحمہ حضرت محمد بن سکندر سے روایت کرتے ہیں کہ:

انہ رای علیا (علیه السلام) علی منبر بالکوفة وھو یقول لئن اوتیت برجل یفضلنی علی ابی بکر و عمر لا جلدنه حد المفتری

انہوں نے حضرت علی کو کوفہ کے منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور وہ فرما رہے تھے اگر میرے پاس کوئی ایسا آدمی آئے جو مجھے ابوبکر اور عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو ضرور درّے لگاؤں گا جو کہ مفتری کی حد ہے۔ (رجال کشی، ص 338، سطر 4 تا 6، مطبوعہ کربلا)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے والا مولا علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں

1- سالم بن ابی الجعد سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو شخص حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو

گالیاں دے گا تو میرے نزدیک اس کی توبہ کبھی بھی قبول نہیں ہوگی۔ (ابن عساکر، فضائل الصحابہ للدارقطنی)

2- ابن شہاب عبداللہ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ہم سے محبت اور ہماری جماعت سے ہونے کا دعویٰ کریں گے، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے شریر ہوں گے جو کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیں گے۔ (ابن عساکر، کنزالعمال، کتاب الفضائل، حدیث36098)

3- حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن اسود حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی توہین کرتا ہے تو آپ نے اسے بلوایا، تلوار منگوائی اور اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا پھر اس کے بارے میں سفارش کی گئی تو آپ نے اسے تنبیہ کی کہ جس شہر میں رہوں، آئندہ تو وہاں نہیں رہے گا، پھر اسے ملک شام کی طرف جلاوطن کردیا۔
(کنزالعمال، کتاب الفضائل، حدیث36151)

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع صحابہ

1- حدیث شریف: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ابوبکر اور عمر سے افضل کسی شخص پر نہ سورج طلوع ہوا ہے نہ غروب۔ ایک روایت میں ہے کہ انبیاء ورسل کے بعد ابوبکر اور عمر سے زیادہ افضل کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا اللہ کی قسم! آپ سے افضل کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا ہے۔
(مسند عبد بن حمید، حدیث212، ص101، ابونعیم، طبرانی)

2- حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء ورسل میں سے کسی کو بھی ابوبکر سے افضل کوئی ساتھی نصیب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ سورہ یٰسین میں بیان ہونے والے جن انبیاء کرام علیہم السلام کے جس شہید ساتھی کا ذکر ہے، وہ بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل نہ تھا۔ (حاکم، ابن عساکر)

3- حدیث شریف: حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک روح القدس جبریل امین نے مجھے خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ابوبکر ہیں۔ (طبرانی المعجم الاوسط، حدیث 6448، جلد5، ص18)

4- حدیث شریف: حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا ابوبکر لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ (طبرانی، ابن عدی)

5- حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبیوں اور رسولوں کے سوا زمین وآسمان کی اگلی اور پچھلی مخلوق میں سب سے افضل ابوبکر ہیں۔

(حاکم، الکامل لابن عدی، حدیث368، جلد2، ص180)

6- حدیث شریف: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میری امت میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں۔ (ابن عساکر، ابوالعطوف، ابن الجوزی، العینی)

7- حدیث شریف: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہم کہتے تھے کہ سب سے افضل ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ، حدیث 3655، جلد 2، ص 451)

8- حدیث شریف: حضرت بساط بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ میرے بعد تم پر کوئی بھی حکم نہیں چلائے گا۔ (ابن سعد)

9- حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر کی محبت اور ان کا شکر میرے ہر امتی پر واجب ہے۔

(ابن عساکر، تاریخ دمشق، حدیث 174، جلد 30، ص 141)

10- حدیث شریف: حضرت حجاج تمیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے دیکھو کہ ابوبکر اور عمر کا برائی سے ذکر کرتا ہے تو سمجھ لو کہ دراصل وہ اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہا ہے۔ (ابن قانع)

11- حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میری امت میں جتنے لوگ ابوبکر اور عمر کی محبت کے سبب جنت میں جائیں گے، اتنے لا الہ الا اللہ کہنے کے سبب نہ جائیں گے۔ (زوائد الزہد لعبداللہ بن احمد، الصواعق المحرقہ)

شانِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ائمہ اہلبیت کی زبانی

حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تمام اولاد اس بات پر متفق ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اچھی بات ہی کریں۔ (الدارقطنی، الصواعق المحرقہ)

بسام صیرفی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوجعفر سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں انہیں دوست رکھتا ہوں، پھر تو ان کے حق میں استغفار کر، تو میرے اہلبیت میں سے جسے بھی پائے گا ان سے محبت رکھتا ہوا پائے گا۔ (دارقطنی)

امام جعفر صادق، امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت نہ پہچانے، بے شک وہ سنت سے جاہل ہے۔ (الدارقطنی)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوجعفر باقر سے تلوار پر سونے کا دستہ چڑھانے کا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار پر سونے کا دستہ چڑھایا تھا۔ میں نے عرض کی کہ آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ تو آپ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے فرمایا،

ہاں! میں بھی انہیں صدیق کہتا ہوں جو انہیں صدیق نہ کہے، دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ اس کی بات کو سچی ثابت نہ کرے۔
(ابن الجوزی، دارقطنی، صواعق الحرقہ)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوجعفر اور جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ! بے شک میں ابوبکر اور عمر کو دوست رکھتا ہوں اور ان سے محبت رکھتا ہوں اے اللہ! اگر ان کا غیر ان سے افضل ہے تو قیامت کے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مجھے نصیب نہ ہوں۔
(دارقطنی، صواعق الحرقہ، باب ثانی، ص53)

حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو شخص ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے اپنی بیزاری ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔
(دارقطنی، صواعق الحرقہ الباب الثانی، ص53)

شانِ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شیعہ حضرات کی کتابوں سے

1- وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ o (سورہ زمر، آیت33، پارہ24)
ترجمہ: اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی متقی اور پرہیزگار ہیں۔
شیعہ حضرات کی مستند تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے لکھا ہے
الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَصَدَّقَ بِہٖ ابوبکر
جو صدق لے کر آئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جس نے ان کی تصدیق کی، وہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔
(تفسیر مجمع البیان، جلد 8، ص498، سطر 19-18، مطبوعہ بیروت)

2- وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ص (سورہ نور، آیت22، پارہ18)
ترجمہ: اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں۔ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی۔
اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیعہ حضرات کے مستند مفسر شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور مسطح بن اثاثہ (رضی اللہ عنہ) کی شان میں نازل ہوئی۔ عبارت یہ ہے۔
ان قوله لایاتل اولوا الفضل منکم الایة نزلت فی ابی بکر و مسطح بن اثاثة
(تفسیر مجمع البیان، جلد 7، ص133، مطبوعہ بیروت)

3- وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ

وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ○

(سورۂ توبہ آیت 100، پارہ 11)

ترجمہ: اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں، باغ جن کے نیچے نہریں ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیعہ مفسر شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی لکھتے ہیں کہ ان اول من اسلم بعد خدیجۃ ابوبکر تحقیق حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر ہیں۔

(تفسیر مجمع البیان، جلد 5، ص 65، سطر 21، مطبوعہ بیروت)

خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں

حدیث شریف: سیدہ عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے دوران مجھے ہدایت کی کہ اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی کو میری پاس بلواؤ تاکہ میں انہیں کوئی تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی اور شخص (خلافت کا) آرزومند ہوسکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ میں (خلافت کا) زیادہ حق دار ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (خلیفہ کے طور) پر قبول کریں گے۔

(مسلم شریف، جلد سوم، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث 6057، ص 298، مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک عورت آئی اور اس عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے متعلق کلام کیا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ آئے۔ اس عورت نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خبر دیں۔ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤں گویا کہ اس عورت کی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ظاہری تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو آئے اور مجھے نہ پائے تو پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آجانا۔ (بخاری شریف، جلد سوم، کتاب الاحکام، حدیث 2084، ص 935، مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

حدیث پاک: حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا تو انصار نے کہا کہ ہم میں سے ایک صاحب کو امام ہونا چاہئے اور مہاجرین میں سے ایک امیر۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے دریافت کیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا تھا۔ تم میں کون ایسا شخص ہے کہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہونے پر راضی ہو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمایا کہ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں۔ (سنن نسائی، کتاب الامۃ، حدیث 780، ص 238، مطبوعہ فرید بک لاہور)

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد افضل الناس ہیں۔ علماء اہلسنّت کا اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام بنی نوع انسان میں افضل ترین انسان ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین نمونہ ہیں۔ امام بن جوزی علیہ الرحمہ کے بقول آیت شریفہ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ الخ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ آیت مذکورہ میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اتقیٰ یعنی سب سے زیادہ پرہیزگار فرمایا گیا ہے۔

امامت دو قسم کی ہیں صغریٰ اور کبریٰ امام صغریٰ امامت نماز ہے، جبکہ امامت کبریٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت مطلقہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے مسلمانوں کے تمام امور دینی و دنیاوی میں حسب شرع تصرف عام کا اختیار رکھے اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہو۔ اس امام کے لئے مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، قادر اور قریشی ہونا شرط ہے۔ ہاشمی، علوی اور معصوم ہونا اس کی شرط نہیں (امام کا ہاشمی، علوی اور معصوم ہونا) روافض (شیعہ) کا مذہب ہے جس سے ان کا یہ مقصد ہے کہ برحق امرائے مومنین خلفائے ثلاثہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو خلافت سے جدا کریں، حالانکہ ان کی خلافتوں پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

مولیٰ علی و حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے ان کی خلافتیں تسلیم کیں اور علویت کی شرط نے تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ ہونے سے خارج کر دیا۔ مولیٰ علوی کیسے ہوسکتے ہیں۔ رہی عصمت تو انبیاء و ملائکہ کا خاصہ ہے جس کو ہم پہلے بیان کر آئے۔ امام کا معصوم ہونا روافض کا مذہب ہے۔ (بہار شریعت حصہ اول، ص 239، امامت کا بیان، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

مسئلہ خلافت میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ

خلافت راشدہ کا زمانہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق تیس سال ہے اور اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ اس عرصہ میں خلفائے راشدین کے مراتب کے اعتبار سے مسند خلافت پر فائز فرمایا۔ نیز آیت استخلاف میں رب العزت نے جو وعدے فرمائے تھے، وہ سب اس مدت میں پورے فرمادیئے۔ امامت، خلافت سے کوئی الگ چیز نہیں ہے اور امامت اصول دین میں سے نہیں ہے۔

مسئلہ خلافت میں اہل تشیع کا عقیدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت شریفہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ خلیفہ بلافصل تھے اور ان کی خلافت منصوص من اللہ تھی۔ خلفائے ثلاثہ نے اسے جبراً چھینے رکھا۔

اس لئے ان تینوں کا زمانہ جور و جفا کا زمانہ تھا، عدل و احسان کا وہی دور تھا جس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ مسند خلافت پر فائز رہے۔ امامت اور چیز ہے اور خلافت اس سے علیحدہ منصب ہے کیونکہ امام کا معصوم ہونا شرط ہے۔ اور خلافت کے منصب پر متمکن ہونے والے کے لئے عصمت کی کوئی شرط نہیں۔

خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو برحق نہ سمجھنے والا حضرت علی کے نزدیک لعنتی ہے:

قال امیر المومنین و من لم یقل انی رابع الخلفآء فعلیه لعنة الله (مناقب علامہ ابن شہر آشوب سوم، 63)

ترجمہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو مجھے رابع الخلفاء نہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

وضاحت:

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے اس کلام میں صاف صاف فیصلہ فرمایا کہ میں چوتھے نمبر پر خلیفہ ہوں اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو، اس پر اللہ کی لعنت ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہمیں دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: آپ کو خلیفہ بلافصل کہنا باطل ہے اور ایسا کہنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

2: آپ خلفائے اربعہ میں سے چوتھے نمبر پر خلیفہ ہیں اور یہی عقیدہ ضروری بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس کلام پر عمل کرنا اور اسے درست تسلیم کرنا اس وقت درست ہوگا جبکہ خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانا جائے۔ اور دوسرا خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اور تیسرا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تسلیم کر لیا جائے۔ ان تینوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مانا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے سے اللہ تعالیٰ کا انکار:

بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا ایک سو بیس مرتبہ حکم آسمان پر اور تین دفعہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا، اگر بزعم اہل تشیع اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو بقول ان کے آخری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے فان لم تفعل فما بلغت رسالته کے توبیخانہ انداز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے اعلان پر زور دیا گیا ہے تو پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر یہ سب دعاوی درست ہے تو فرات بن ابراہیم اسکوفی نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنی تفسیر رات اسکوفی میں یہ بات کیوں اور کس وجہ سے تحریر کی؟

حدثنی جعفر بن محمدن الفزاری محنحنا عن جابر قال قرات عن ابی جعفر علیه السلام لیس لك من الامر شی قال فقال ابو جعفر بلی والله لقد کان له من الامر شی فقلته جعلت فداك فما تاویل قوله لیس لك من الامر شی ء قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حرص ان یکون الامر لامیر المومنین من بعده فابی الله ثم قال کیف لایکون لرسول الله صلی الله علیه وسلم من الامرشی ء وقد فوض الیه فما احل کان حلالاً الی یوم القیامة وما حرم کان حراماً الی یوم القیمة (تفسیر فرات اسکوفی مطبوعہ صدریہ نجف اشرف ص 19)

جعفر ابن محمد فزاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے سامنے لیس لک من الامر شیء آیت کا حصہ تلاوت کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں (اے پیغمبر) کسی

معاملہ کا قطعاً کوئی اختیار نہیں (چونکہ اس آیت کے حصے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کی عام اور مطلق نفی ہے حالانکہ آپ مختار ہیں) تو اس پر جناب امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہاں! خدا کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا۔ امام موصوف کے کہنے کے بعد میں نے عرض کی۔ آپ پر اے امام میرے ماں باپ قربان (اگر آپ کا فرمانا درست ہے) تو اللہ کے اس ارشاد کا کیا مفہوم ہے لیس لک من الامر شیء اور اس کی کیا تاویل ہوگی، حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے شدید متمنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت علی المرتضیٰ کے لئے خلافت بلافصل کا حکم عطا فرمائے لیکن اللہ نے اس خواہش کو پورا کرنے سے انکار فرما دیا۔ پھر امام موصوف نے فرمایا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہ ہو۔ حالانکہ اللہ نے آپ کو اس کی تفویض فرمادی تو اللہ کی تفویض کی وجہ سے جس کو آپ نے حلال فرمایا۔ وہ قیامت تک حلال ہوئی اور جس کی حرمت فرمادی وہ تا قیامت حرام ہوئی۔

توضیح

اس روایت میں اہل بیت کے سردار جناب حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ ہی کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا سوال تو کیا تھا لیکن اللہ نے اس کا انکار کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار

شیخ مفید اپنی مشہور اور معتبر کتاب ارشاد شیخ میں حدیث قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں۔

فنهضوا وبقي عنده العباس والفضل بن عباس و علي بن ابي طالب و اهل بيته خاصة فقال له العباس يارسول الله ان يكن هذا الامر لنا مستقراً من بعده فبشرنا وان كنت تعلم انا نغلب عليه فاقض بنا فقال انتم المستضعفون من بعدى وصمت فنهض القوم وهم يبكون قد يئسوا من النبي صلى الله عليه و آله

1۔ الارشاد الشیخ المفید ص 99 باب فی طلب رسول اللہ بدواۃ وکتف

2۔ اعلام الوری مصنفہ ابی الفضل ابی الحسن الطبرسی ص 142 بالفاظ مختلفہ

3۔ تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین مطبوعہ یوپی دہلی جلد اول ص 236

ترجمہ: (قلم دوات لانے کے متعلق جب صحابہ کرام میں اختلاف ہوگیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اٹھ جانے کا حکم دیا) جب سب اٹھ کر چلے گئے وہاں باقی ماندہ اشخاص میں حضرت عباس، فضل بن عباس، علی بن ابی طالب اور صرف اہل بیت تھے۔ تو حضرت عباس نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں ہی مستقل طور پر رہے تو پھر اس کی بشارت دیجئے اور اگر آپ کے علم میں ہے کہ ہم مغلوب ہو جائیں گے تو ہمارے حق میں فیصلہ فرما دیجئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے بعد تمہیں بے بس کر دیا جائے گا۔ بس اس قدر ارشاد فرما کر سکوت فرمالیا۔ اور حالت یہ تھی کہ جناب عباس، علی ابن طالب اور دیگر موجود اہل بیت

رو رہے تھے اور روتے روتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناامید ہو کر اٹھ گئے۔

مذکورہ حدیث میں اس بات کی بالکل وضاحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری وقت تک کسی کو خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا تھا۔ اگر حضرت علی کی خلافت کا فیصلہ خم غدیر کے مقام پر ہو چکا ہوتا اور وہ بھی ہزاروں لوگوں کے سامنے تو قلم دوات لانے پر اختلاف لانے کے موقع پر حضرت عباس کی گزارش مذکورہ الفاظ کی بجائے یوں ہونی چاہئے تھی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر خلافت علی رضی اللہ عنہ (جیسا کہ آپ خم غدیر پر فیصلہ فرما چکے ہیں) قائم ودائم رہے گی تو ہمیں خوشخبری سنا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: واذا اسرّ النبی الی بعض ازواجه حدیثا

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے ایک روز کی بات کی۔

تفسیر میں صاحب تفسیر صافی اور صاحب تفسیر قمی نے اس کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ:

جس دن سیدہ حفصہ کی باری تھی، ان کے گھر اس وقت وہاں ماریہ قبطیہ بھی موجود تھیں۔ اتفاقاً سیدہ حفصہ کسی کام سے باہر گئیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ قبطیہ سے صحبت فرمائی۔ تو جب سیدہ حفصہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ ناراضگی فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے میرے گھر میں اور پھر میری باری میں ماریہ قبطیہ سے صحبت کیوں فرمائی۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ کو راضی کرنے کے لئے یہ فرمایا۔ ایک تو میں نے ماریہ قبطیہ کو اپنے نفس پر حرام کیا اور آئندہ اس سے کبھی صحبت نہیں کروں گا اور دوسرا میں تجھے ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ اگر تو نے اس راز کو ظاہر کرنے کی کوشش کی تو تیرے لئے اچھا نہیں ہوگا۔ سیدہ حفصہ نے عرض کی ٹھیک ہے۔

فقال انّ ابابکر یلی الخلافة بعدی ثم بعده ابوك فقالت من انباك هذا قال نبانی العلیم الخبیر

ترجمہ: (راز کی بات ارشاد فرماتے ہوئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد بے شک ابوبکر خلیفہ ہوں گے۔ پھر ان کے بعد تیرے والد بزرگوار اس منصب پر فائز ہوں گے۔

اس پر سیدہ حفصہ نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر آپ کو کس نے دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ علیم وخبیر نے خبر دی۔ (تفسیر صافی ص714، تفسیر قمی ص457، سورہ تحریم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل ثابت کرنے کی دھن میں توہین رسول علیہ السلام

بعض حضرات کو تو اپنا مقصد بیان کرنا ہے۔ خواہ اس کے لئے من گھڑت روایات، غلط استدلال اور لچر تاویلات ہی کیوں نہ کرنی پڑیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کے دوران انہیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ ہمارے اس طرز استدلال سے انبیاء کرام اور خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس پر کیا کیا گستاخیاں ہو رہی ہیں؟ بطور ثبوت ایک دو مثالیں ملاحظہ

ہوں۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین

ترجمہ: بفرض محال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کیا تو یقیناً آپ کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ لازماً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس آیۃ کی تفسیر میں صاحب تفسیر قمی اور صاحب تفسیر صافی یوں گویا ہیں۔

ترجمہ: حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (لئن اشرکت) کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ آپ نے اگر اپنی وفات کے بعد حضرت علی کی خلافت کے ساتھ کسی اور کو اس امر میں شریک کار کیا تو اس جرم کی پاداش میں آپ کے تمام اعمال حسنہ ضائع ہو جائیں گے اور نتیجتاً آپ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

(تفسیر صافی و تفسیر قمی)

شیعوں کی خبر متواتر، عقل و نقل سے باطل

سید ابن طاوس و ابن شہر آشوب و دیگران روایت کردہ اند کہ عامر بن طفیل و ازید بن قیس بقصد قتل نبی کریم آمدند، چوں داخل مسجد شدید، عامر بزدیک نبی کریم آمد گفت، یا محمد، اگر من مسلمان شوم، برائے من چہ خواہد بو، حضرت فرمود کہ برائے تو خواہد بود آنچہ برائے ہمہ مسلمانان ہست، گفت میخواہم بعد از خود مرا خلیفہ گردانی، حضرت فرمود، اختیار ایں امر بدست خدا است و بدست من و تو نیست۔

(حیاۃ القلوب، ج 2، ص 72، 44 باب بستم بیان معجزات کفایت از شر دشمنان مطبوعہ نامی نولکشور)

ترجمہ سید ابن طاؤس ابن شہر آشوب اور دیگر حضرات نے روایت کیا کہ عامر بن طفیل اور ازید بن قیس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی نیت سے آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو عامر بن طفیل آپ کے نزدیک گیا اور کہا: یا محمد اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لئے کیا انعام ہوگا اور مجھے اس سے کیا فائدہ ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں بھی وہی ملے گا جو تمام مسلمانوں کو ملتا ہے۔ (یعنی تمہارا فائدہ اور نقصان سب کے ساتھ مشترکہ ہوگا۔ اس نے کہا میری خواہش ہے کہ آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ بنا دیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے مجھے اور تجھے اس میں کوئی دخل نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کو اپنے پر لازم قرار دیا

ترجمہ: ہر ذلیل میرے نزدیک باعزت ہے۔ جب تک اس کا دوسرے سے حق نہ لے لوں اور قوی میرے لئے کمزور ہے۔ یہاں تک کہ میں مستحق کا حق اسے دلا دوں۔ ہم اللہ کی قضا پر راضی ہوئے اور اسی کے امر کو اسی کے سپرد کیا تو سمجھتا ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھوں گا۔ خدا کی قسم! میں نے ہی سب سے پہلے آپ

کی تصدیق کی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سب سے پہلا جھٹلانے والا ہوں۔ میں نے اپنا معاملہ میں غور وفکر کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرا ابوبکر کی اطاعت کرنا اوران کی بیعت میں داخل ہونا اپنے لئے بیعت لینے سے بہتر ہے اور میری گردن میں غیر کی بیعت کرنے کا عہد بندھا ہوا ہے۔ اس روایات کے کچھ الفاظ کی ابن ہیثم اس طرح شرح کرتا ہے۔

پس میں نے غور وفکر کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میرا اطاعت کرنا بیعت لینے سے سبقت لے گیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو ترک قتال کا حکم لیا تھا وہ اس بات پر سبقت لے گیا ہے کہ میں قوم سے بیعت لوں فاذا المیثاق فی عنقی لغیری سے مراد سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ سے عہد لینا مجھے اس کا پابند رہنا لازم ہے۔ جب لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت لے لیں تو میں بھی بیعت کرلوں۔ پس جب قوم کا وعدہ مجھ پر لازم ہوا یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت مجھ پر لازم ہوئی تو اس کے بعد میرے لئے ناممکن تھا کہ میں اس کی مخالفت کرتا۔ (شرح ابن ہیثم)

مذکورہ خطبہ اور اس کی شرح سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

1: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اپنے فرمان کے مطابق آپ کے نزدیک قوی اور ضعیف برابر تھے۔ کیونکہ آپ ہر قوی سے قوی ہیں اس لئے آپ ہر کمزور کو حق دلا سکتے ہیں۔

2: جب اللہ نے صدیق اکبر کی خلافت کا فیصلہ کردیا تو ہم نے اسے تسلیم کرتے ہوئے اسے اللہ کے سپرد کیا۔

3: جب ایمان لانے میں مجھے اولیت حاصل ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں۔

4: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ میرے بعد مسئلہ خلافت میں کسی سے لڑائی نہ کرنا

5: مسئلہ خلافت پر غور وفکر سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرے لئے ابوبکر صدیق کی بیعت کرلینا اپنی بیعت لینے سے زیادہ راجح ہے۔

6: میری گردن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عہد بندھا ہوا ہے کہ جب لوگ ابوبکر صدیق کی بیعت کرلیں تو میں بھی بیعت کرلوں۔

ان تمام امور بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی طرح بھی حضرت ابوبکر صدیق سے اعراض نہ کرسکتے تھے کیونکہ اللہ کی رضا اس کے محبوب، صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عہد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کا بین ثبوت ہیں تو اس امر بیعت کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس قدر اہم سمجھتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے اتنی جلدی کی کہ پورا لباس بھی زیب تن نہ کرسکے، صاحب روضۃ الصفاء نے اس کو یوں نقل کیا ہے۔

روضۃ الصفاء: امیر المومنین علی چوں استماع نمود کہ مسلماناں بر بیعت ابوبکر اتفاق نمودند بتعجیل از فانہ بیروں آمد

چنانچہ ہیچ در بر نداشت بغیر از پیرہن نہ ازار و نہ ردا چناں نزد صدیق رفتہ باد بیعت نمود بعد ازاں فرستادند و جامہ مجلس آوردند۔ و در بعضی روایات وارد شدہ کہ ابوسفیان پیش از بیعت یا امیر المومنین علی گفت کہ تو راضی مشوی کہ شخصی از بنی تیم متصدی کار حکومت شود بخدا سوگند کہ اگر تو خواہی ایں وادی پر از سوار و پیادہ گردانم علی گفت اے ابو سفیان تو ہمیشہ در ایام جاہلیت فتنہ ی انگیختی و حالا نیز می خواہی کہ فتنہ در اسلام ابوبکر را شائستہ ایں کار مید انم

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب سنا کہ تمام مسلمانوں نے ابوبکر صدیق کی بیعت پر اتفاق کر لیا ہے تو اس قدر جلدی در دولت سے باہر تشریف لائے کہ چادر اور تہبند بھی نہ اوڑھ سکے صرف پیرہن میں ملبوس تھے۔ اس حالت میں ابوبکر صدیق کے ہاں پہنچے اور بیعت کی بیعت سے فراغت کے بعد چند آدمی کپڑے لینے کے لئے بھیجے تا کہ مجلس میں کپڑے لے آئیں بعض روایات میں اس قدر مذکور ہے کہ ابوسفیان نے بیعت سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے علی! کیا تو بنو تیم کے ایک آدمی کو حکومت کا والی بنانے پر راضی ہو گیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو میں اس کی وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ یہ سن کر حضرت علی نے کہا: اے ابو سفیان! دور جاہلیت میں بھی فتنہ پرداز رہا ہے۔ اور اب بھی چاہتا ہے کہ اسلام میں فتنہ بپا کر دے۔ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کاروبار حکومت کے لئے نہایت اچھا آدمی سمجھتا ہوں۔

نوٹ: واذا المیثاق فی عنقی لغیری جملہ کی تشریح ابن میثم اور اس کے بعد روضۃ الصفا سے آپ پڑھ چکے ہیں ان دونوں شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کی جو شرح کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بخوشی اور بسرعت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے چل پڑے۔ آپ کو کوئی مجبوری نہیں تھی اور نہ زبردستی بیعت کرنے کے لئے آپ کو آمادہ کیا گیا۔

خلافت صدیقی کا ثبوت شیعہ حضرات کی کتب سے

1 شیعہ مفسر طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصۃ عن الزجاج قال و لما احرم ماریۃ قبطیۃ اخبر حفصۃ انہ یملک من بعدہ ابوبکر ثم عمر

ترجمہ: اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے راز کی بات کی۔ زجاج سے مروی ہے کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام فرما لیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے خبر دی کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر مملکت کے مالک ہوں گے۔ (تفسیر مجمع البیان، جلد 10، ص 314، مطبوعہ بیروت)

2 شیعہ مفسر فیض کاشانی اپنی تفسیر صافی میں اس آیت کے تحت لکھتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

حفصہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔

انا افضی الیك سرا ان اخبرت به فعلیك لعنة الله والملئكة والناس اجمعین فقالت نعم ماهو فقال ان ابابكریلی الخلافة بعدی ثم بعده ابوك فقالت من انباك هذا قال نبانی العلیم الخبیر

ترجمہ: میں تمہیں راز کی ایک بات بتاتا ہوں۔ اگر اس سے تم نے کسی کو مطلع کیا تو تم پر اللہ تعالی، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔ عرض کرنے لگیں، درست ہے۔ وہ کیا بات ہے بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ابوبکر کو خلافت ملے گی، پھر ان کے بعد تمہارے والد (حضرت عمر) خلیفہ ہوں گے۔ حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ بات کس نے بتائی تو فرمایا اللہ تعالی علیم وخبیر نے۔

(تفسیر صافی، جلد 4، ص 716، سطر 14 تا 16 مطبوعہ ایران)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک شیخین عادل اور برحق خلیفہ تھے اور ان کے وصال سے اسلام کو سخت نقصان

واقعہ صفین: ثم قال اما بعد فان الله بعث النبی صلی الله علیه وسلم علیه و آله فانقذ به من الضلالة ومن الهلاكة وجمع به بعد الفرقة ثم قبض الله علیه وقد ادی ماعلیه ثم استخلف الناس ابا بكروعمرو واحسنا السیرة وعدلا فی الامة وقد وجدنا علیها ان تولیا الامر دوننا ونحن ال الرسول واحق بالامر فعفونا فاذا الك لهما

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ بے شک اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر لوگوں کو گمراہی اور ہلاکت سے آپ کی وجہ سے بچایا اور منتشر لوگوں کو آپ کی بدولت جمع کیا۔ پھر آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ نے اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا فرمایا۔ پھر لوگوں نے آپ کے بعد ابوبکر اور عمر کو خلیفہ بنایا اور انہوں نے لوگوں میں خوب انصاف کیا اور ہمیں افسوس تھا کہ ہم آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے وہ امر خلافت کے بانی بن گئے حالانکہ اسے ہم زیادہ حقدار تھے سو ہم نے انہیں معاف کردیا کیونکہ عدل وانصاف اور اچھی سیرت کے حامل تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا

انه بایعنی القوم الذی بایعوا ابابكر وعمر و عثمان علی مابایعوهم علیه فلم یكن للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یردو وانماالشوری للمهاجرین والأنصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه اما ماكان ذلك لله رضاً فان خرج عن امرهم خارج بطعن او بدعة ردو الیه فخرج منه فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیرسبیل المومنین ولاه الله الی ماتولی (نہج البلاغہ خط نمبر 6 ص 366)

خلاصہ کلام: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور فرمایا:

بات یہ ہے کہ میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کی کی تھی اور مقصد بیعت بھی وہی تھا جو ان سے تھا لہٰذا موجودہ حضرات میں سے کسی کو علیحدگی کا اختیار نہیں اور نہ غائب لوگوں کو اس کی تردید کی اجازت ہے۔ مشورہ مہاجرین اور انصار کو ہی شایان شان ہے تو اگر یہ سب کسی شخص کے خلیفہ بنانے پر متفق ہو جائیں تو یہ اللہ کی رضا ہوگی اور اگر ان کے حکم سے کسی نے بوجہ طعن یا بدعت کے خروج کیا تو اسے واپس لوٹا دو اور اگر واپسی سے انکار کر دے تو اس سے قتال کرو کیونکہ اس صورت میں وہ مسلمانوں کے اجتماعی فیصلہ کو ٹھکرانے والا ہے اور اللہ نے اسے متوجہ کر دیا جدھر وہ خود جاتا ہے۔

توضیح درج ذیل ثابت ہوئے۔

1۔ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کی بیعت کی تھی۔ ان ہی لوگوں نے حضرت علی کی بیعت کی۔

2۔ تمام مہاجرین وانصار کا کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینا اتنا اہم ہے کہ اس کے بعد حاضرین یا غائبین لوگوں میں سے کسی کو اس کے خلاف اختیار نہیں رہ جاتا۔

3۔ شوریٰ کا استحقاق صرف مہاجرین وانصار کو ہے۔

4۔ مہاجرین وانصار کا باہمی مشورہ سے کسی کو امام یا خلیفہ پسند کر لینا دراصل خوشنودی خدا ہوتا ہے۔

5۔ ان کے متفقہ طور پر کسی کو منتخب کر لینے کے بعد اگر کوئی بوجہ طعن بیعت نہ کرے تو اسے زبردستی واپس لایا جائے اور اگر انکار کر دے تو اسے قتل کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس طرح جمیع مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر علیحدگی اختیار کرتا ہے۔

اگر مرض باقی ہے تو ایک خوراک اور شارح ابن میثم شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبے کی علم منطق کے ذریعے خلافت حقہ کے لئے جو ترتیب دی ہے اس کا خلاصہ:

صغریٰ: میری بیعت ان لوگوں نے کی جنہوں نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی تھی۔

کبریٰ: جس آدمی کی بیعت وہی لوگ بیعت کر لیں تو اس کے بعد کسی غائب یا حاضر کو بیعت نہ کرنے یا اس کے رد کا اختیار نہیں۔

نتیجہ: چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی انہی لوگوں نے کر لی ہے لہٰذا کسی کو اس کے رد کا اختیار نہیں۔

(شرح ابن میثم جلد نمبر 4 ص:353)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خط میں انما الشوریٰ کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے۔

وحصر للشوری والاجماع فی المهاجرین والانصار لانهم اهل الحل والعقد من امة محمد صلی الله علیه وسلم اتفقت کلمتهم علی حکم الاحکام کاجماعهم علی بیعته وتسمیته

اماماً کان ذلک اجماعاً حقاً هو رضی الله عنه مرضی له و سبیل المومنین الذی یجب اتباعه

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کو صرف مہاجرین اور انصار کے لئے مخصوص فرمایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اہل حل وعقد وارباب بست وکشادہ وہی ہیں اور جب وہ کسی معاملہ پر متفق ہو جائیں جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وبصیرت پر متفق ہوئے تو ان کا یہ اجماع واتفاق حق ہوگا اور وہ اجماع اللہ کا پسندیدہ ہوگا اور مومنین کا ایسا راستہ ہوگا جس کی اتباع واجب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے دعویداروں کو دعوتِ فکر

اجماع حقہ وہی ہے جو مہاجرین وانصار کا ہو، یہ دونوں غزوہ بدر اور بیعتِ رضوان میں شامل تھے، ان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی خوشخبری فرمائی۔

ان کا اجماع اللہ کا پسندیدہ ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اجماع جنتیوں کا اجماع ہے۔ معلوم ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق تھی۔

خلفائے راشدین کی خلافت حقہ پر دلیل نہم

• کتب شیعہ میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت بغیر جبر واکراہ کے بطریق رضا کی ہے۔ شیعوں کے امام الاکبر محمد الحسینی نے اپنی مشہور کتاب اصل الشیعہ واصولہا میں اس کی ان الفاظ میں تصدیق اور توثیق کی ہے۔

اصل الشیعه و اصولها وحین رایٰ ان المتخلفین اعنی الخلیفة الاول والثانی بذلا اقصیٰ الجهد فی نشر کلمة التوحید وتجهیز الجنود وتوسیع الفتوح ولم یستاتدوا ولم یستبدوا ابیع وسالم و اغضی عمایداه حقاً له محافظة علی الاسلام ان تصدع وحدته وتتفدق کلمته ویعود الناس الی جاهلیتهم الاولیٰ وبقی شیعته منفسدین تحت جناحه ومستنیرین بمصباحه ولم یکن للشیعة والتشیع یومئذ مجال للظهور لان الاسلام سحان یجدی علی منه هجره القویمة حتی اذ تمیذا الحق من الباطل وتبین الرشد من الغی وامتنع معاویة عن البیعة لکلی وحاربه فی (صفین) انضم بقیة الصحابة الی علی حتی الحئذهم تحت رایته و کان معه من عظماء اصحٰب النبی ثمانون بعلا کلهم بدری عقبی لعمار بن یاسر وخزیمة ذی الشهادتین وابی ایوب الانصاری ونظر انهم ثم نما قتل علی علیه السلام وانتقبا الامه لمکاویة وانقضی دور الخلفآء الراشدین ساد معاویة بسیدة الجبا برة فی المسلمین،

(اصل الشیعه واصولها صفحه 115 تذکره صرف القوم الخلافته عن علی مطبوعه قاهره طبع جدید)

ترجمہ: جب دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کلمہ توحید کی نشرواشاعت میں اور لشکروں کی تیاری میں پوری پوری کوشش کی اور انہوں نے اپنی ذات کو کسی معاملے میں ترجیح نہ دی اور نہ ہی کسی پر زیادتی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مصالحت کرتے ہوئے ان کی بیعت کرلی اور اپنے حق سے چشم پوشی کی۔ کیونکہ اس میں اسلام کے متفرق ہونے سے حفاظت تھی تاکہ لوگ پہلی جہالت کی طرف نہ لوٹ جائیں اور باقی شیعہ کمزوری کی وجہ سے آپ کے زیر دست رہے۔ آپ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتے رہے اور شیعہ اور ان کے مذہب کے لئے ان ایام میں ظہور کی مجال نہیں تھی۔ کیونکہ اسلام مضبوط طریقے پر چل رہا تھا۔ یہاں تک حق باطل سے اور ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی تھی اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا اور صفین میں ان سے جنگ کی تو اس وقت جتنے صحابہ کرام موجود تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے اکثر صحابہ کرام شہید ہوئے اور آپ کے ساتھ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے 80 وہی صحابہ تھے جو کل کے کل بدری تھے۔ مثلاً عمار یاسر اور حضرت خزیمہ جن کی شہادت دوشہادتوں کے برابر تھی اور ابو ایوب انصاری اور اسی مدینے کے اور صحابہ اور پھر جب حضرت علی شہید ہوئے اور امرِ خلافت امیر معاویہ کی طرف لوٹا تو اس کے ساتھ خلفاء راشدین کا دور ختم ہوا اور امیر معاویہ نے مسلمانوں میں جبارین دین کی سیرت کو اپنایا۔

مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل امور صراحتاً ثابت ہوئے

1: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصود خلافت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ کلمہ توحید کی نشرواشاعت اور لشکروں کی تیاری کے ساتھ فتوحات میں توسیع دینا تھا۔ اسی لئے جب انہوں نے دیکھا کہ جو اسلام کے مقاصد تھے وہ سب کے سب شیخین نے پورے کردیئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رضامندی کے ساتھ کچھ بعد دیگرے ان کی بیعت کرلی۔

2: شیخین کے زمانہ میں شیعہ اور ان کے مذہب کا اس لئے ظہور نہیں ہوا کہ اسلام اپنے صحیح اور مضبوط طریقے پر چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ حق باطل سے اور ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی تھی۔

3: جنگ صفین کے زمانہ تک بدری صحابی موجود تھے جو 80 کی تعداد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہوئے۔

4: خلفاء ثلاثہ خلفاء راشدین تھے نہ کہ ظالم فاسق اور فاجر

5: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر صحابہ کرام کے ارتداد کا مسئلہ (معاذ اللہ) شیعہ حضرات کا خودساختہ ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک بدری صحابہ موجود تھے جو کہ قطعی جنتی تھے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

خلفائے راشدین کی خلافت حقہ پر دلیل دہم

فرمان علی رضی اللہ عنہ: اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کے لئے بہترین شخص کا انتخاب فرمایا۔

ان فی الخبر المروی عن امیر المومنین علیه السلام لماقیل له الا توصی فقال مااوصیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فاوصی ولکن ان اراد الله بالناس خیرا استجمعهم علی خیرهم کما جمعهم بعد نبیهم علی خیرهم فتضمن لما یکاد یعلم بطلانه مندورة لان فیه التصدیح القوی بفضل ابی بکر علیه وانه خیر منه والظاهر من احوال امیر المومنین علیه السلام والمشهور من اقواله واحواله جملة وتفصیلاً یقتضی انه کان یصدم نفسه علی ابی بکر وغیره

(تلخیص الشانی تالیف شیخ الطائفہ ابی جعفر طوسی جلد دوم ص 237، دلیل آخر علی امامۃ علیہ السلام مطبوعہ قم طبع جدید)

ترجمہ: امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ وصیت کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میں وصیت کروں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان کو ان میں سے بہترین شخص پر جمع کردے گا جیسا کہ اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں بہترین شخص پر جمع کیا۔ یہ اس چیز کو متضمن ہے کہ قریب ہے کہ اس کا بطلان بداہۃً معلوم ہوجائے کیونکہ اس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تصریح قوی ہے اور یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں۔ لیکن امیر المومنین کے احوال اور ان کے اقوال و احوال سے اجمالاً اور تفصیلاً جو ظاہر اور مشہور ہے اس کا متقضی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ پر مقدم جانتے ہیں۔

الحاصل

مذکورہ عبارت سے دو اہم مسائل ثابت ہوئے:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو وصی نہیں بنایا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے امت کے سب سے بہترین شخص کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا جیسا کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امت کے بہترین شخص حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو امت کے لئے منتخب فرمایا۔

خلفائے راشدین کی خلافت حصہ پر دلیل یازدہم

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے بعد خلیفہ اور جنتی ہونے کی پیش گوئی فرمائی۔

تلخیص الشافی

روی عن انس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امره عند اقبال ابی بکر ان یبشره بالجنة وبالخلافة بعده وان یستبشره عم بالجنة وبالخلافه بعد النبی بکر و روی عن جبیر بن مطعم ان امراة اتت رسول الله صلی الله علیه وآله فکلمته فی شی فامرها ان ترجع الیه فقالت یارسول الله ارایت ان رجعت فلم اجدك (یعنی الموت) قال ان لم تجدنی فات ابابکر (تلخیص الشافی جلد سوم ص 39، فصل فی ابطال قول من حالت فی امامة امیر المومنین بعد النبی علیهما السلام بلا فصل مطبوعه قم، طبع جدید)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مجلس میں آنے کے وقت ارشاد فرمایا کہ انہیں (ابوبکر صدیق) کو جنت اور میرے بعد خلافت کی خوشخبری سنادو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جنت اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی بشارت دو اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ایک عورت آئی اور کسی معاملہ میں آپ سے بات چیت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ پھر میرے پاس آنا، عورت نے عرض کی کہ اگر میں دوبارہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ (یعنی اس وقت تک اگر آپ وصال کر جائیں تو پھر کیا کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس چلی جانا (اور ان سے اپنا مسئلہ حل کروالینا)

الحاصل

مذکورہ دونوں حدیثوں سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرا یہ جنتی بھی ہیں اور یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ عورت کو اسی لئے اپنے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت فرمائی کیونکہ آپ من جانب اللہ جانتے تھے کہ میرے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے (معاذ اللہ) دشمنوں کے غلبہ کی وجہ سے بطور تقیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس بات کو منسوب کرنا ان کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ایسے بہادر تھے جو پورے پورے لشکر کو اکیلے شکست دے دیتے تھے۔ خیبر کے موقع پر چالیس آدمیوں کا کام اکیلے مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کیا۔

پہلی دلیل: کیا وہ شیر خدا کسی کے دباؤ میں آ سکتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا شیر حق بات کہنے سے (معاذ اللہ) ڈر جائے، یہ ناممکن ہے۔

دوسری دلیل جس شیر خدا کے بیٹے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خون میں لہولہان ہوکر، اپنے گھرانے کو لٹا کر ایک ظالم کی بیعت نہ کی۔

کیا ان کے والد شیر خدا (معاذ اللہ) بزدل تھے۔ کیا انہوں نے (معاذ اللہ) ڈر اور خوف کی وجہ سے بیعت کر لی۔

نہیں بلکہ وہ جانتے تھے کہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چن لیا۔ اس کی بیعت کرنا ہمارا ایمان ہے۔

شیعہ حضرات کی معتبر کتاب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت ہے:

دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔

(شیعہ حضرات کی کتاب: جلاء العیون ص 150)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کتاب نہج البلاغۃ سے ثابت کرتے ہیں:

نہج البلاغۃ میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی۔ انہیں لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔ اب کسی حاضر یا غائب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کی مخالفت کرے۔ بے شک شوریٰ مہاجرین و انصار کا حق ہے اور جس شخص پر جمع ہوکر یہ لوگ اپنا امام بنالیں، اللہ تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہے۔ (کتاب نہج البلاغۃ، دوسری جلد، ص 8، مطبوعہ مصر)

اب کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہم سے راضی تھے۔ اب لوگ کچھ بھی کہیں۔ چار یاروں کی آپس میں ایسی محبت تھی۔ جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔

شیعہ حضرات کی کتاب سے حضرت علی کی بیعت کا ثبوت:

شیعہ حضرات کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں شیعہ عالم علامہ طبرسی لکھتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر وصدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ (بحوالہ احتجاج طبرسی، ص 54)

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ بطور تقیہ بیعت کرتے تو علامہ طبرسی جو کہ مشہور شیعہ عالم ہیں، وہ اپنی کتاب میں تقیہ کا ذکر ضرور کرتے مگر انہوں نے تقیہ کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں، اس کے علی مولا ہیں اس کا جواب دیں؟

جواب: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث شریف پر ہمارا بھی ایمان ہے تبھی تو ہم اہلسنّت و جماعت حضرت علی

رضی اللہ عنہ کو مولا علی شیر خدا کہتے ہیں۔

دلیل اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان مولائی بیان کی گئی ہے اور مولا کا مطلب مددگار کے ہوتا ہے۔اس حدیث میں خلافت کا کہیں ذکر واضح نہیں۔

دلیل مولا کے کئی معنی ہیں۔لغت کی مشہور کتاب قاموس کی جلد چوتھی ص 302 پر تحریر ہے کہ المولیٰ، المالک والعبد والصاحب، والناصر، والمحب، والتابع، والعصر مولا کے معنی مالک، غلام، محب، صاحب، مددگار، تابع اور قریبی رشتہ دار کے ہیں۔

القرآن فان اللہ ھو مولہ وجبریل و صالح المومنین والملئکۃ بعد ذالک ظھیرا (سورہ تحریم، آیت 4)

ترجمہ: بے شک اللہ، جبریل، نیک مومنین اور تمام فرشتے مددگار ہیں۔

اس آیت میں مولا کا لفظ مددگار کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

القرآن: انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین (سورہ بقرہ، آیت 286، پارہ 3)

ترجمہ: اے اللہ تو مددگار ہے، ہمیں کافروں پر مدد و نصرت فرما۔

اس آیت میں بھی مولا کا لفظ مددگار کے لئے بیان کیا گیا ہے۔تو من کنت مولاہ فعلی مولا کا معنی یہی معتبر ہوگا کہ جس کا میں والی، مددگار اور دوست ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے والی، مددگار اور دوست ہیں۔

دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سینکڑوں احادیث واضح موجود ہیں جس میں خلافت کا ذکر ہے مگر مولا والی حدیث میں کہیں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا واضح ذکر نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو، لہٰذا جس طرح ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں؟

جواب: بخاری شریف کی حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

الحدیث اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی

ترجمہ (سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ) تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ علیہ السلام، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔(بخاری شریف، مسلم شریف)

دلیل اس حدیث پاک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اگر ہے تو صرف یہ کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل بیت کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا تھا تو اس کا سبب ایک تو قرابت و رشتہ داری تھا اور دوسرا یہ کہ اہلبیت کی حفاظت و نگہبانی کا اہم فریضہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ادا کر سکتے ہیں۔

دلیل حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی خلافت تو عارضی تھی کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

زندگی میں ہی وصال فرما چکے تھے پھر اگر خلافت مولا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی جائے تو کسی صورت بھی درست نہیں ہے۔

دلیل سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم میرے ساتھ ایسے ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح دین حق کو پھیلانے میں حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی، اسی طرح تم نے بھی اسلام کی تبلیغ میں میری مدد کی ہے۔

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنا

1 شیعہ حضرات کے علامہ طبرسی تحریر کرتے ہیں کہ ثم قام و تهيا للصلوٰة و حضر المسجد و صلی خلف ابی بکر پھر (حضرت علی) اٹھے اور نماز کا ارادہ فرمایا اور مسجد میں تشریف لائے پھر حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔

(الاحتجاج طبرسی جلد اول، ص 126، سطر 4 مطبوعہ ایران)

2 ملا باقر مجلسی نے بھی حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھنا لکھا ہے۔ جلاء العیون مترجم کی عبارت ملاحظہ ہو۔ جناب امیر (علیہ السلام) نے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے۔ خالد بن ولید بھی پہلو میں آ کھڑا ہوا۔ اس وقت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ (جلاء العیون اُردو جلد اول، ص 213، سطر 21-20، مطبوعہ لاہور)

کیا پیغمبر علیہ السلام جناب علی (رضی اللہ عنہ) کی خلافت تحریر فرمانا چاہتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کاغذ، قلم و دوات طلب فرمائی تو انہوں نے نہ دی بلکہ یہ کہا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہذیان کہتا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی غلطی کی؟

جواب: جھوٹوں پر خدا کی لعنت، آپ کی پہلی ہی غلط ہے۔ اہل اسلام میں کی کتب میں اس کے برعکس لکھا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام اپنے مرض الموت میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تحریر فرما گئے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص 555 پر واضح الفاظ موجود ہیں نیز اس طعن کرنے سے اتنا پتہ چل گیا کہ غدیر خم کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مقرر نہیں ہوئے تھے اور عید غدیر منا کر شیعہ لوگ خواہ مخواہ بدنام ہو رہے ہیں۔ آپ کا یہ دعویٰ پیغمبر علیہ السلام نے کاغذ، قلم، دوات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طلب فرمائی تو یہ بھی جھوٹ ہے بلکہ آپ نے جمیع حاضرین سے (جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور گھر کی خواتین وغیرہ بھی شامل ہیں) کاغذ، قلم، دوات طلب فرمایا۔ جیسا کہ بخاری شریف کتاب الجزیۃ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، ص 426، رقم الحدیث 2932 میں ہے) فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتاباً

یعنی حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتف لاؤ تا کہ میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم راہ حق کو نہ گم کرو۔

غور فرمائیے۔ حدیث میں ائتونی صیغہ جمع مذکر مخاطب بول کر پیغمبر علیہ السلام جمیع حاضرین سے کتف طلب فرما رہے ہیں، نہ کہ فقط حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور ان سے طلب ہی کیوں فرماتے جبکہ وہ ان کا گھر ہی نہ تھا کہ جس میں قلم دوات طلب کی گئی بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف جلد ۱ ص 382 پر ہے اور پھر اگر قریب تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر لہٰذا اگر خاص طور پر فرماتے تو ان سے کہ جن کا گھر قریب تھا۔ (تمام شیعہ متفق ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گھر مدینہ شریف کے آخری کونہ پر تھا) بہر حال نقل و عقل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پیغمبر علیہ السلام نے قلم، دوات طلب نہیں فرمائی۔

2 آپ اس کا کیا جواب دیں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے تین دن بعد تک حیات رہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے باوجود بھی ان کی تعمیل حکم نہ کر سکے اور بقول شیعہ خلافت بھی اُنہی کی تحریر ہونی تھی اور ادھر حکم رسول بھی تھا۔ لہٰذا اگر باقی سب صحابہ مخالف تھے تو ان پر لازم تھا کہ چھپے یا ظاہر ضرور لکھوا لیتے تاکہ بعد میں یہی تحریر پیش کر کے خلیفہ بلا فصل بن جاتے مگر یہ سب کچھ نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ تو تحریر ہی سرے سے ضروری نہ تھی بلکہ ایک امتحانی پرچہ تھا کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق فرمایا ورنہ آپ پر حق اور وحی چھپانے کا الزام عائد ہوگا، حالانکہ جماعت انبیاء اس سے بالاتر ہے۔

3 اگر یہ ضروری تحریر تھی یا وحی الٰہی تھی اور کاغذ دوات نہ لانے والا خواہ مخواہ ہی مجرم ہوا تو اس جرم کے اولاً مرتکب اہل بیت قرار پاتے۔ اس لئے کہ وہ ہر وقت گھر میں رہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کا گھر باقی صحابہ کی نسبت قریب تھا اور اگر وہ مجرم نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مجرم نہیں۔ لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کاغذ اور دوات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمائی، باطل ہوا۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (العیاذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی؟

جواب: یہ بھی جھوٹ اور افتراء ہے بلکہ بخاری شریف کتاب الجزیۃ، باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، ص 426، رقم الحدیث 2932 پر یوں موجود ہے۔ فقالوا ماله اهجر استفهموه

یعنی حاضرین نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں۔ آپ سے دریافت تو کرلو۔

اور عبارت میں قالوا بصیغہ جمع مذکر غائب موجود ہے لہٰذا پہلی جہالت تو شیعوں کی یہ ہوئی کہ صیغہ جمع سے ایک شخص واحد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مراد لے لیا۔ دوسری جہالت یہ کہ ہجر کا معنی برخلاف عربیت بلکہ برخلاف سباق و سیاق ہذیان لکھ مارا حالانکہ ہجر بمعنی ہذیان کیا جائے تو آگے استفهموه کا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا کیونکہ شیعوں کے ماسوئی کوئی عقلمند بھی نہیں ملے گا کہ پہلے کسی کو مخبوط الحواس اور مجنون سمجھ لے اور پھر اس سے اس کے ہذیان کا مطلب پوچھنے لگے، بہر حال صیغہ استفهموه

نے بتادیا کہ اہجر کے معنی وہی دار دنیا سے جدا ہونے کا ہی ہے، نہ کچھ اور

2 اگر ہجر بمعنی ہذیان بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی مفید نہیں کیونکہ اہجر میں ہمزہ استفہام انکاری موجود ہے کہ جس سے نفی ہذیان ملہوم ہورہا ہے معنی یہ ہوگا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہذیان فرمارہے ہیں۔نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہوش سے فرمارہے ہیں ذرا دریافت تو کرلو بہرکیف حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو ویسے ہی اس مقولہ کے قائل نہ تھے، باقی رہے قائلین تو چونکہ ہجر بمعنی ہذیان ثابت نہیں ہوا۔اگر ہوا تو بوجہ ہمزہ استفہام منفی ہوگیا لہٰذا وہ بھی اس سے بری ہوگئے۔

اگر یہی بات ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، حسبنا کتاب اللہ کیوں کہا؟

جواب: اول تو اکثر روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ ہی نہیں شمار ہوا۔

2 حضرت عمر رضی اللہ عنہ بخوبی جانتے تھے کہ اللہ کا دین اور قرآن پاک کا نزول مکمل ہوچکا ہے کہ جس پر الیوم اکملت لکم دینکم شاہد ہے پس آپ نے گمان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وحی الٰہی کی وجہ سے نہیں اور وجوب نہیں بلکہ بطور مشورہ ہے تو آپ نے بطور مصلحت اور مشورہ عرض کردیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تحریر قرطاس کی تکلیف نہ فرمائیں۔کتاب اللہ کو ہمارے لئے کافی سمجھیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت ظاہر فرمائی اور تحریر قرطاس پر زور دینے والوں کو ڈانٹ دیا۔ چنانچہ بخاری شریف کتاب الجہاد والسیر، باب هل يستشفع الى اهل الذمة ومعاملتهم، جلد 10، ص268، رقم الحدیث 2825 پر ہے:

دعوني فالذي انا فيه خير مما تدعوني اليه حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام میں قرآن کو مسلمان کے لئے کافی ہونا کا بیان کیا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہج البلاغہ جلد 3 ص 57 پر ہے واللہ في القرآن نیز کتاب مذکور جلد 2 ص 27 پر ہے فاوصيك بالاعتصام بحبله اور جلد 2 ص 22 پر ہے: ومن اتخذ قوله دليلا هدى دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہدایت کے لئے قرآن کو کافی قرار دیا۔لہٰذا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے انکار بالسنۃ لازم نہیں آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے لازم کیوں آئے گا؟ اگر بربنائے نیتی و مصلحت مشورہ دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہرگز نہیں ہے۔

جنگ حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے علی اسے مٹائیے (لفظ رسول اللہ کے بارے میں) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیغمبر علیہ السلام کو صاف جواب دیا کہ میں اسے ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ الفاظ اپنے ہاتھ مبارک سے مٹادیئے۔اگر اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نافرمان نہیں کہا جاسکتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی نہ کہا جائے کیونکہ بربنائے مصلحت و حکمت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم نبوی کی خلاف ورزی کی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی کہا جاسکتا ہے۔لیکن ہم کہتے ہیں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلاف ورزی کی ہے، نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلکہ وہی ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے۔

فضائل عمر از لسان حیدر رضی اللہ عنہ

شیعہ صاحبان خواہ مخواہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ جبکہ ان کی کتابوں میں مذکورہ ہے کہ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان فرمائے۔ جب خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ نے روم پر چڑھائی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا کہ نواحی اسلام کو غلبہ دین سے بچانے اور مسلمانوں کی شرم رکھنے کا اللہ ہی کفیل ہے۔ وہ ایسا خدا ہے جس نے انہیں اس وقت فتح دی جب ان کی تعداد نہایت قلیل تھی اور کسی طرح فتح نہیں پا سکتے تھے۔ انہیں اس وقت مغلوب ہونے سے روک رہا ہے جب یہ کسی طرح روکے نہیں جا سکتے اور وہ خداوند عالم حی لا یموت ہے۔ اب اگر تو خود دشمن کی طرح کوچ کرے اور تکلیف اٹھائے تو پھر یہ سمجھ لے کہ مسلمانوں کو ان کے اقصائے بلاؤ تک پناہ نہ ملے گی اور تیرے بعد کوئی ایسا مرجع نہ ہوگا جس کی طرف وہ رجوع کریں لہٰذا تو دشمن کی طرف اس شخص کو بھیج جو کار آزمودہ ہو اس کے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کرو جو جنگ کی سختیوں کے متحمل ہوں اور اپنے سردار کی نصیحت کو قبول کریں۔ اب اگر خدا غلبہ نصیب کرے گا تب تو وہ چیز ہے جسے تو دوست رکھتا ہے اور اگر اس کے خلاف ظہور میں آیا تو ان لوگوں کا مددگار اور مسلمانوں کا مرجع تو موجود ہے۔ (نیرنگ فصاحت، ص 19)

ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عربی کلام کا ترجمہ شیعہ حضرات کی کتاب نیرنگ فصاحت سے لیا ہے تا کہ ان کو یہ عذر نہ ہو کہ ترجمہ میں دست اندازی کی گئی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس کلام سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے ہیں۔

1 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پورا اعتماد تھا۔ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ لیا جاتا ورنہ یہ مُسلّم ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن سے اس طرح کا مشورہ ہرگز نہیں لیا کرتا۔

2 حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا ملجا و ماوا سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ نہ دیا کہ اس مہم میں بذات خود معرکہ کارزار میں جائیں۔ اگر خدانخواستہ باہمی کدورت ہوتی تو یہ مشورہ دیتے کہ آپ خود لڑائی میں جائیں تا کہ ان کا کام تمام ہو اور آپ کے لئے جگہ خالی ہو۔ اس بات سے ظاہر ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صادق دوست تھے۔

3 حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کامیابی کو کامیابی اسلام تصور کرتے تھے۔ اس لئے ان کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور مسلمانوں کا خود حامی و ناصر ہے۔ جب مسلمان تھوڑے تھے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمائی اور اب تو بفضل خدا مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے۔ پھر اس کی تائید و نصرت پر کیوں نہ بھروسہ کیا جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام سے یار لوگوں کی اس من گھڑت بات کی بھی تردید ہوتی ہے کہ بعد از وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تین چار مسلمان ہی رہ گئے تھے۔ ایسا ہوتا تو آپ یوں فرماتے۔ پہلے مسلمانوں کی تعداد کثیر تھی، اب گنتی کے چند آدمی رہ گئے ہیں۔ ان کی اس مہم پر بھیجو تو فتح ہوگی ورنہ شکست۔

حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہما، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو

چھوڑ کر خلافت کے چکر میں پڑ گئے تھے جس سے تدفین میں تین دن تاخیر ہوئی؟

جواب: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو نفاق نے سر اٹھایا، عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے۔ منکرین زکوٰۃ کا مسئلہ درپیش آ گیا اور انصار نے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ اتنی مشکلیں جمع ہو گئیں کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جگہ پہاڑ پر بھی پڑتیں تو وہ بھی اس وزن کو برداشت نہ کر سکتا۔ لیکن اللہ اکبر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمت عملی سے ہر ایک مشکل کا مقابلہ کیا۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جو صحابہ کرام علیہم الرضوان ایک لمحہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں رہ سکتے تھے۔ آج وہ غم سے نڈھال ہیں۔ ان سب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حوصلہ دیا۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں تاخیر ہوئی۔

☆ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ انور اگر قیامت تک کھلا رہتا تو اصلاً کوئی خلل واقع نہ ہوتا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طاہرہ بگڑتے نہیں۔ قرآن گواہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام انتقال کے بعد کھڑے رہے۔ سال بعد دفن ہو گئے مگر نورانیت میں فرق نہ آیا تو جو رسول، حضرت سلیمان علیہ السلام کے بھی امام ہوں، ان کا جسم مبارک کیسے بگڑ سکتا ہے۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ انور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں تھا۔ جہاں اب مزار مبارک ہے۔ اس سے باہر لے جانا نہ تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اس صلوٰۃ وسلام سے مشرف ہونا تھا۔ ایک جماعت آتی اور درود وسلام پڑھتی اور باہر چلی جاتی۔ پھر دوسری جماعت آتی یوں یہ سلسلہ تیسرے دن ختم ہوا۔ اگر تین برس میں یہ سلسلہ ختم ہوتا تو جنازہ مبارک یوں ہی نور سے جگمگاتا رہتا۔ اسی صلوٰۃ وسلام کی وجہ سے تاخیر ضروری تھی۔

☆ اگر کسی بدباطن کے نزدیک یہ تاخیر لالچ کے سبب تھی تو سب سے بڑا الزام تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہے۔ وہ تو لالچی نہ تھے اور کفن دفن کا کام تو ویسے ہی گھر والوں کے ذمے ہوتا ہے۔ یہ کیوں تین دن بیٹھے رہے، یہ تدفین فرما دیتے۔ معلوم ہوا کہ یہ الزام غلط ہے کیونکہ جنازہ انور کی تدفین میں تاخیر دینی مصلحت تھی۔ جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اتفاق تھا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں شرکت

شیعہ حضرات الزام لگاتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں شرکت نہیں کی جبکہ ان کی اپنی ہی کتاب الاحتجاج طبرسی میں ہے:

لم یبق من المهاجرین والانصار الا صلی علیه

مہاجرین اور انصار میں کوئی باقی نہ رہا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں شرکت نہ کی ہو۔

(الاحتجاج طبرسی، جلد اول، ص 106، سطر 7-6، مطبوعہ ایران)

محترم حضرات! حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے تھے لہٰذا شیعہ حضرات کی کتاب سے سرورِ کونین

صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے میں ان کی شرکت ثابت ہوگئی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا تحقیقی تعاقب

شان سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بزبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کسی کام مشورے کے لئے طلب فرمایا مگر دونوں حضرات کوئی مشورہ نہ دے سکے تو آپ نے فرمایا ادعوا معاویہ احضر روہ امرکم فانہ قوی امین۔ یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ اور معاملہ کو ان کے سامنے رکھو کیونکہ وہ قوی اور امین ہے۔

(2) یبعث اللہ تعالیٰ معاویة یوم القیمة و علیه

(3) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اٹھائے گا تو ان پر نور کی چادر ہوگی۔

اھلم من امتی (تطھیر الجنان)

ترجمہ: میری امت میں سے معاویہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بردبار ہے

اللھم املاہ علماء (ابن حجر الاصابہ ج 3 ص 413)

اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم سے بھر دے

یامعاویہ ان ولیت الامر فاتق اللہ (بخاری جلد 1 ص 409)

اے معاویہ رضی اللہ عنہ تمہارے سپرد امارت کی جائے تو تم اللہ سے ڈرتے رہنا

اول جیش من امتی یغزو البحر فقد اوجبو (بحوالہ بخاری)

میری امت کا سب سے بڑا لشکر جو بحری لڑائیوں کا آغاز کرے گا اس پر جنت واجب ہے۔ ابن اثیر اور تمام تاریخوں کے مطابق حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واحد شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے بحری بیڑے کا آغاز کیا اور مسلمان قوم سب سے پہلی مرتبہ بحری جہاد سے سرفراز ہوئی۔

وعن ابی الدرداء قال مرائیت احد لعبد رسول اللہ اشبه صلاہ برسول من احدکم ھذا یعنی معاویه (مجمع الزوائد للعلامہ نور الدین)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ مشابہت رکھنے والی نماز پڑھانے والا امیر معاویہ کے سوا کوئی نہیں دیکھا۔

ون عبداللہ بن عمران معاویه کان یکتب بین یدی رسول اللہ (منبع الفوائد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ یعنی آپ کے والد حضرت سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مکان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشرکین مکہ کی ایذا رسانی سے پناہ گاہ ثابت ہوتا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (الاصابہ ج2 ص179 المنتقی ص253)

اور نبی کو جب مشرکین مکہ اذیت و تکلیف پہنچاتے تو آپ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر پناہ لیا کرتے تھے اسی احسان کا بدلہ اور شکریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر یہ اعلان فرمایا من دخل دار ابی فھو امن یعنی ابتدائے اسلام کی عسرتوں اور پریشانیوں میں جو مکان پناہ گاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا آج جو شخص بھی اس میں پناہ حاصل کرے گا اسے امان دے دی جائے گی۔ (مسلم شریف)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاویہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ (لسان المیزان) لوگوں کو خبر دی جائے کہ امیر معاویہ جنتی ہیں۔ (بحوالہ طبرانی)

حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بارہ خلفاء میں شامل ہیں جن کی بشارت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ (تطہیر الجنان ص15)

خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وضو کرو جب ہم وضو کر چکے تو آپ نے فرمایا اے معاویہ! اگر تو خلیفہ بنایا جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا عدل کرنا۔ (تطہیر الجنان)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی اے معاویہ جب تو ملک کا والی ہو جائے تو رعایا سے حسن سلوک کرنا۔ (تطہیر علی العواصم ص208)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت یافتہ اور ذریعہ ہدایت فرمایا اس لئے کہ انہوں نے مسلمانوں کا خلیفہ بننا تھا اور نبی امت پر شفیق ہے۔ (ازالۃ الخلفاء ج1 ص573)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے اللہ معاویہ کو ملکوں کی حکومت عطا فرما۔ (کنز العمال ج1 ص19)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات جنت کے دروازہ پر ہوگی۔ (لسان المیزان ص25)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جبرئیل امین علیہ السلام نے سلام بھیجا۔ (البدایہ والنہایہ)

سیّدنا امیر معاویہ کے بارے میں جبرئیل امین نے خیر کی وصیت کی۔ (البدایہ والنہایہ)

معاویہ کے لشکر کو بشارت جنت خود رسول خدا نے دی۔ (مجمع الزوائد ج9 ص357)

حاصل کلام

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دے رہے ہیں کبھی ان کے حق میں دعا کر رہے ہیں۔

مگر پروپیگنڈہ سے متاثر نادان لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے حکومت چھین لی۔ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے اور امیر معاویہ کے (لشکر کے) مقتول جنتی ہیں مگر یار لوگ کہتے ہیں کہ یہ کفر اور اسلام کی جنگ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما رہے ہیں اے اللہ معاویہ کو ہدایت پر رکھ ہلاکت سے بچا اور دنیا اور آخرت میں اس کے گناہ بخش دے۔ پھر بھی بدبخت لوگ شبہ کرتے ہیں کہ معاویہ کے حق میں دعا بھلا کیسے قبول ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معاویہ جنتی ہیں اور یار لوگ یہ بات ناپسند کرتے ہیں۔ خدا جانے یہ نادان لوگ غیر شعوری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کیوں اتر آئے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نظر میں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب امت میں تفرقہ اور فتنہ برپا دیکھو تو سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع کرو۔ (بحوالہ البدایہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرو تو خیر سے کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ یقیناً فقیہ ہیں۔ (البدایہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ملکی حکومت کو زینت دینے والا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا۔ (بحوالہ تاریخ بخاری)

فاتح عراق و ایران حضرت سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے (معاویہ) سے زیادہ حق فیصلہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (البدایہ والنہایہ ج7 ص123)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا حضرات خلفائے راشدین معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ سرداری کی صفت میں ان حضرات سے بڑھ کر تھے۔ (استیعاب ج2 ص263)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ سردار کوئی نہیں دیکھا۔ (استیعاب ج2 ص262)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اور اگر وہ خون عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے میں ہوں گا۔ (البدایہ والنہایہ ج7 ص259)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میرے لشکر کے مقتول اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقتول

دونوں جنتی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج9 ص258)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین سے واپسی پر فرمایا۔ امارات معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی خزانہ سمجھو کیونکہ جس وقت وہ نہ ہوں گے تم سروں کو گردنوں سے اڑتا ہوا دیکھو گے۔ (بحوالہ شرح عقیدہ واسطیہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب شہادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو سخت افسردہ ہو گئے اور رونے لگے۔ (البدایہ ج8 ص130)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صاحب فضل کہا۔ (البدایہ ج8 ص 131)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا حضرت امیر معاویہ وعمر بن عبدالعزیز میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا ہم اصحاب مسجد کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے افضل ہونا تو کجا ہے۔ (بحوالہ الروضہ الندیہ شرح العقیدہ الواسطیہ ص406)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک قتل کے مسئلہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے رجوع کیا۔ (بحوالہ موطا امام مالک)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ کو جوابی خط لکھا تو اس میں یہ لکھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میرے ساتھی ہیں اگر تو ان کی طرف غلط نظر اٹھائے گا تو تیری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اکھاڑ دوں گا۔ (تاج العروس ص 221)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے نصرانی کتے اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر تیرے خلاف روانہ ہوا تو سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑ دینے والا معاویہ ہوگا۔ (بحوالہ مکتوب امیر معاویہ البدایہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ

حضرت امام باقر نے کہا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اس امت کے لئے ہر اس چیز سی بہتر تھا جس پر کبھی سورج طلوع ہوا۔ (بحار الانوار ج10 ص 1641)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مشاہیر اسلام کی نظر میں

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہنا اتنا بڑا جرم ہے جتنا بڑا جرم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو برا کہنا ہے۔ (صواعق محرقہ ص102)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اگر جنت میں ابتدا کی تو صلح میں بھی ابتدا کی۔ (صواعق محرقہ ص105)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی حکومت کے بہت بڑے سردار ہیں۔ (صواعق محرقہ ص105)

[illegible]

[illegible] فرماتے ہیں کہ اگر تم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کو دیکھتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے یہ مہدی ہیں۔ [illegible]

حضرت [illegible] رضی [illegible] فرماتے ہیں کہ اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ دیکھ لیتے تو تم کو معلوم ہوتا کہ عدل انصاف کیا چیز ہے لوگوں نے پوچھا کیا آپ ان کے علم کی بات کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم ان کے عدل کی بات کر رہا ہوں۔ ([illegible])

حضرت عوف بن مالک مسجد میں قیلولہ فرما رہے تھے کہ خواب میں ایک شیر کی زبانی آواز آئی جو مجھے باب اللہ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنتی ہونے کی بشارت دے دی جائے۔ (بحوالہ طبرانی)

حضرت مجاہد نے کہا کہ اگر تم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو کہتے یہ مہدی ہیں۔ (البدایہ)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی برادر نسبتی اور کاتب وحی ہیں جو آپ کو برا کہے اس پر لعنت ہو۔ (البدایہ)

امام ابن خلدون نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی کو خلفائے اربعہ کی ساتھ ذکر کرنا ہی مناسب ہے کیونکہ آپ بھی خلیفہ راشد ہیں۔ (تاریخ ابن خلدون ج 2 ص 1141)

حضرت ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امام برحق ہیں ان کی برائی میں جو روایتیں لکھی گئی ہیں سب کی سب جعلی اور بے بنیاد ہیں۔ (موضوعات کبیر ص 129)

امام ربیع بن نافع فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول کے درمیان پردہ ہیں جو یہ پردہ چاک کرے گا وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہما پر طعن کی جرات کر سکے گا۔ (البدایہ ج 8 ص 139)

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مرتبے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں لیکن دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں بلکہ مملکت اسلامیہ کے دوستوں میں سے ہیں ان کے باہمی اختلافات کے فتنہ کا تمام گناہ سبائی فرقہ پر ہے۔ (البدایہ)

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آپ کی سیرت نہایت عمدہ تھی اور آپ بہترین عفو کرنے والے تھے اور آپ سب سے بہتر درگزر کرنے والے تھے اور آپ بہت زیادہ پردہ پوشی کرنے والے تھے۔ (البدایہ ج 8 ص 126)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خود اس شخص کو کوڑے مارے تھے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔ (الصارم المسلول)

حضرت معافی بن عمران سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ؟ انہوں نے کہا کیا تم ایک تابعی کا صحابی سے مقابلہ کرتے ہو۔ (البدایہ)

[illegible]

حضرت [illegible] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ [illegible]

[illegible]

حضرت [illegible] فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر محبوب دوست [illegible]

[illegible] (ص 175)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے پورا کرنے میں خلیفہ عادل تھے۔

(مکتوبات [illegible])

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے لکھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کسی بدظنی نہ کرنا اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کر کے ضلالت کا ورطہ نہ لینا۔

جو شخص حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتا ہے ایسے خنزیر شخص کے پیچھے نماز حرام ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

سوال: بعض لوگ جھوٹی بات گھڑتے ہیں کہ ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے کندھوں پر یزید کو لے جا رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنمی پر جہنمی سوار ہے (معاذ اللہ)

معلوم ہوا کہ یزید بھی دوزخی اور امیر معاویہ بھی دوزخی (نعوذ باللہ)؟

جواب: ماشاء اللہ یہ ہے دشمن صحابہ کی تاریخ پر نظر اور یہ ہے ان کی نادانی کا حال۔

دلیل: یزید کی پیدائش حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہوئی۔ دیکھو کتاب جامع ابن اثیر اور کتاب الناہیہ وغیرہ۔

آپ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یزید کو پیدا کر دیا کیا یزید عالم ارواح سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کندھے پر کود کر آ گیا (لاحول ولاقوۃ) (کتاب امیر معاویہ صفحہ 88)

سوال: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی چنانچہ مسلم شریف کی حدیث لاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ میں بلانے گیا تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کھا رہے ہیں تو فرمایا ان کا پیٹ نہ بھرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی قبول ہے اور خلاف دعا بھی چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف دعا کی۔ اس کا جواب دیں؟

جواب: اعتراض کرنے والے نے اس حدیث کو سمجھنے میں غلطی کی کم از کم اتنی ہی بات سمجھ لی ہوتی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گالیاں دینے والوں کو معاف کر دیتے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر حضرت امیر معاویہ کے خلاف کیوں دعا کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا بھی نہیں کہ آپ کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ صرف دیکھ کر خاموش واپس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہ کوئی قصور تھا نہ کوئی خطا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف دعا کریں یہ ناممکن ہے۔

اب اعتراضات کے جوابات سنتے ہیں کہ عرب میں محاورۃ اس قسم کے الفاظ پیار و محبت کے موقع پر بھی بولے جاتے ہیں ان سے بددعا مقصود نہیں ہوتی۔

مثلاً: تیرا پیٹ نہ بھرے تجھے تیری ماں روئے وغیرہ کلمات غضب کے لئے نہیں بلکہ کرم کے لئے ارشاد ہوئے ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ سرکار علیہ السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بددعا کی تو بھی یہ بددعا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں رحمت بنی اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اتنا بھرا اور اتنا مال دیا کہ انہوں نے سینکڑوں کا پیٹ بھر دیا۔ ایک ایک شخص کو بات بات پر لاکھوں لاکھوں انعام دیئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے عہد لیا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ اگر میں کسی مسلمان کو بلاوجہ لعنت یا اس کے خلاف دعا کروں تو اسے رحمت اجر اور پاکی کا ذریعہ بنا دینا۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کتاب الدعوات میں حدیث ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے اللہ تعالیٰ جس کسی کو برا کہہ دوں تو قیامت میں اس کے لئے اس بددعا کو قرب کا ذریعہ بنا۔

(بحوالہ مسلم شریف)

اب سمجھ میں آ گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے سارے الزامات بے بنیاد ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جید صحابی ہیں۔

سوال: شہدائے کربلا کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہل بیت کی دشمنی کا الزام لگایا جاتا ہے حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ محب اہل بیت تھے؟

جواب: اس سوال کا جواب مسلک اہل سنت کی سینکڑوں کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل بیت سے سچی محبت کرتے تھے لیکن اس کا جواب ہم شیعہ حضرات کی معتبر کتابوں سے دیتے ہیں۔

شیعہ مولوی ملا باقر مجلسی کتاب جلاء العیون میں لکھتا ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وصال کے وقت یزید کو یہ وصیت فرما گئے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ پس ان کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کے ٹکڑے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت و خون سے انہوں نے پرورش پائی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ عراق والے ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور ان کی مدد نہ کریں گے۔ تنہا چھوڑ دیں گے اگر ان پر قابو پا لے تو ان کے حقوق کو پہچاننا ان کا مرتبہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کو یاد رکھنا خبردار ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا۔ (جلاء العیون جلد دوم ص 421,422)

صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو یہ وصیت فرمائی۔

کہ اے بیٹا! ہوس نہ کرنا اور خبردار جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو تو تیری گردن میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا خون نہ ہو۔ ورنہ کبھی آسائش نہ دیکھے گا اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا

غور کیجئے! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو یہ وصیت کر رہے ہیں کہ ان کی تعظیم کرنا بوقت مصیبت ان کی مدد کرنا۔ اب اگر یزید پلید اپنے والد کی وصیت پر عمل نہ کرے تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا قصور؟

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے یزید پلید کو کافر لکھا ہے اور اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ یزید پلید شرابی ظالم اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا ذمہ دار ہے لیکن اس کے بدلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنا یہ کون سی دیانت ہے؟

الحمد للہ! ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ شان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتنی بلند ہے۔ ان دلائل سے ان لوگوں کو عقل کے ناخن لینے چاہئے جو علم نہ ہونے کی وجہ سے بکواس کرتے ہیں۔

ہمیں چاہئے کہ ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنی زبان کو بند رکھیں خصوصاً واعظین اور خطباء جو جوشِ خطابت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہہ دیتے ہیں اور ذرا بھی ادب و لحاظ نہیں کرتے۔ ایسے لوگ احتیاط کریں۔ اگر کوئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ سے متعلق سوال بھی کرے تو حکمت عملی سے یہ کہہ کر عوام اہلسنت کو مطمئن کردیں کہ ہمارے لئے دونوں ہستیاں لائق احترام و تعظیم ہیں لہٰذا ہمیں اپنی زبانوں کو بند رکھنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا ایک جاہلانہ بول بروز قیامت ہمیں مہنگا نہ پڑ جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہمارے لئے کافی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرو تو خیر سے کرو۔

سادات کرام بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنی زبان کو غلط استعمال کرنے سے روکیں۔ اور اپنی نسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی سے بچیں۔

کیا یزید بے قصور اور جنتی ہے؟

موجودہ دور نفسا نفسی اور فتنوں کا دور ہے۔ روز بروز ایک نیا فتنہ اسلام کا نام لے کر کھڑا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ موجودہ دور میں ماڈرن لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان ماڈرن لوگوں میں یہ بیماری ہے کہ وہ ماڈرن مذہبی اسکالرز کی بات کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج میڈیا پر خشخشی داڑھی والے غامدی کوٹ پینٹ ٹائی والے ذاکر نائیک اور ہاتھوں میں بینڈ باجے لئے بابر چوہدری اور نجم شیراز جیسے لوگ جو نہ سند یافتہ عالم ہیں اور نہ ہی شکل اور حلیے سے مذہبی معلوم ہوتے ہیں۔ بھولے بھالے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ وہ روزانہ میڈیا پر ایک نیا شوشہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ افسوس کی بات

تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو کوئی فسادی اور فرقہ پرست نہیں کہتا۔

آج کل انہی جیسے لوگوں نے یہ بات مشہور کردی ہے کہ یزید بے قصور آدمی تھا۔ یزید کے لئے تو جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ قتل حسین پر راضی نہ تھا۔ ان کے اس میٹھے زہر کا مقابلہ ہم آج اس مضمون میں کریں گے اور احادیث جید تابعین اور علمائے امت کے اقوال کی روشنی میں یہ ثابت کریں گے جس یزید کو ناصبی اپنی آنکھ کا تارا تصور کرتے ہیں وہ دین اسلام کی اصل شکل کو مسخ کرنے کے ارادے سے حکمرانی کررہا تھا۔

یزید کا مختصر تعارف

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یزید بیٹا معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس ہے کنیت اس کی ابو خالد ہے۔ یزید حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوا۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی جلد 11 ص 360)

یزید احادیث کی روشنی میں

حدیث شریف: حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا امر (حکومت) عدل کے ساتھ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ پہلا شخص جو اسے تباہ کرے گا وہ بنی امیہ میں سے ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا۔ (مسند ابویعلی حدیث نمبر 872 ص 199 مجمع الزوائد جلد 5 ص 241 تاریخ الخلفاء ص 159 الصواعق المحرقہ ص 221)

حدیث شریف: محدث امام رویانی نے اپنی مسند میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پہلا وہ شخص جو میرے طریقے کو بدلے گا وہ بنی امیہ میں سے ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا۔ (جامع الصغیر جلد اول ص 115 تاریخ الخلفاء ص 160 ماثبت من السنہ ص 12)

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن ساٹھ کے آغاز سے تم لوگ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اس وقت دنیا (حکومت) احمق اور بدعادت کے لئے ہوگی۔ (بحوالہ: خصائص کبریٰ جلد دوم ص 139)

فائدہ: علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چھوکروں اور احمقوں کی حکومت سے مراد یزید کی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر مظہری جلد اول ص 139)

یزید جید تابعین کی نظر میں

1۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قسم! ہم یزید کے خلاف اس وقت اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ ہمیں یہ خوف لاحق ہوگیا کہ اس کی بدکاریوں کی وجہ سے ہم پر آسمان سے پتھر نہ برس پڑیں کیونکہ یہ شخص (یزید) ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیتا اور شراب پیتا اور نمازیں چھوڑ دیتا تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص 207 الصواعق المحرقہ ص 134 طبقات ابن سعد جلد 5 ص 66)

2۔حضرت منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان لوگوں کے سامنے کہا بے شک یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم انعام دیا مگر اس کا یہ سلوک مجھے اس امر سے باز نہیں رکھ سکتا کہ میں تمہیں اس کا حال نہ سناؤں۔خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے اور اسے اس قدر نشہ ہو جاتا ہے کہ وہ نماز ترک کر دیتا ہے۔(ابن اثیر جلد چہارم ص 42 وفاء الوفاء جلد اول ص 189)

3۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم! بلاشبہ انہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا جو قائم اللیل اور صائم النہار تھے جوان سے ان امور کے زیادہ حقدار تھے اور اپنے دین وفضیلت و بزرگی میں ان سے بہتر تھے۔خدا کی قسم! وہ قرآن مجید کے بدلے گمراہی پھیلانے والے نہ تھے۔اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کی مجلسوں میں ذکر الٰہی کے بجائے شکاری کتوں کا ذکر ہوتا تھا۔یہ باتیں انہوں نے یزید کے متعلق کہی تھیں۔پس عنقریب یہ لوگ جہنم کی وادی غی میں جائیں گے۔
(ابن اثیر جلد چہارم ص 40)

4۔نوفل بن ابو الفرات نے فرمایا میں پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔پس ایک شخص نے آکر یزید کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کو یوں کہا۔امیر المومنین یزید بن معاویہ یہ سنتا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ غضبناک ہوئے۔آپ نے فرمایا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے۔پھر آپ کے حکم پر اس کو بیس کوڑے مارے گئے
(الکامل جلد سوم ص 277 تہذیب التہذیب جلد 11 ص 361 تاریخ الخلفاء ص 160 ما ثبت من السنہ ص 13)

یزید علمائے اسلام اور محدثین کی نظر میں

1۔حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متوفی 241ھ نے اپنے فرزند کو فرمایا: کیوں لعنت نہ کی جائے اس یزید پر جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لعنت کی ہے۔آپ کے بیٹے نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہاں یزید پر لعنت کی ہے؟ آپ نے فرمایا سورہ محمد کی ان آیات میں:

ترجمہ: تو کیا تمہارے لچھن (کردار) نظر آتے ہیں اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور ایسے رشتے دار کاٹ دو۔یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔
(سورہ محمد آیت 22-23)

2۔اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسر امام سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ فرماتے ہیں۔یعنی سورہ محمد کی ان آیات سے استدلال کیا گیا ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے اور میں یزید جیسے فاسق فاجر پر لعنت شخص کی طرف جاتا ہوں کیونکہ یزید کی توبہ کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور یزید کے ساتھ ابن زیاد ابن سعد اور یزید کی ساری جماعت شریک ہے۔پس اللہ کی لعنت ہو ان سب پر اور ان کے مددگاروں پر اور ان کے حامیوں پر اور ان کے گروہ پر اور قیامت تک جو بھی ان کی طرف مائل ہو ان سب پر اللہ کی لعنت ہو۔(تفسیر روح المعانی جلد 26 ص 72)

3۔علامہ حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی 774ھ نے لکھا ہے۔یعنی یزید نے ابن زیاد کو حکم دیا تھا کہ جب تو کوفہ پہنچ جائے تو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو تلاش کر کے قتل کر دینا۔(البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 152)

ابن زیاد نے (یزید کے حکم کے مطابق) حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو قتل کرایا ابن زیاد نے حضرت ہانی کو سوق الغنم میں شہید کرایا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 157)

یزید نے ان بزرگوں کو قتل کر دینے پر ابن زیاد کا شکریہ ادا کیا۔ (شہید کربلا از مفتی شفیع دیوبندی)

4۔ گیارہویں صدی کے مجدد محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ متوفی 1052ھ فرماتے ہیں۔

ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ قتل حسین دراصل گناہ کبیرہ ہے کیونکہ ناحق مومن کا قتل کرنا گناہ کبیرہ میں آتا ہے کفر میں نہیں آتا مگر لعنت تو کافروں کے لئے مخصوص ہے ایسی رائے کا اظہار کرنے والوں پر افسوس ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بھی بے خبر ہیں کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اس کی اولاد سے بغض وعداوت اور انہیں تکلیف دینا توہین کرنا باعث ایذا وعداوت نبی ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ حضرات یزید کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے؟ کیا اہانت رسول اور عداوت رسول کفر اور لعنت کا سبب نہیں ہے؟ اور یہ بات جہنم کی آگ میں پہنچانے کے لئے کافی نہیں؟ (بحوالہ: تکمیل الایمان ص 178)

5۔ امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل ابن زیاد اور یزید پر امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید ہوئے اور آپ کی شہادت کا قصہ طویل ہے۔ دل اس ذکر کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

(تاریخ الخلفا ص 80)

6۔ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ متوفی 1043ھ فرماتے ہیں: یزید بے دولت از اصحاب نیست در بدبختی او کر اسخن کارے کہ آں بدبخت کردہ ہیچ کافر فرنگ نہ کند یعنی یزید بے دولت صحابہ کرام میں سے نہیں۔ اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے جو کام اس نے کئے ہیں کوئی کافر فرنگی بھی نہ کرے گا۔ (مکتوبات امام ربانی جلد اول ص 54)

7۔ امام المحدثین حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ متوفی 1239ھ فرماتے ہیں۔

پس انکار کیا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے کیونکہ وہ فاسق شرابی اور ظالم تھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ شریف تشریف لے گئے۔ (بحوالہ: سر الشہادتین ص 12)

8۔ امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری متوفی 542ھ فرماتے ہیں۔

یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں امام علامہ قوام الدین الصنعاری علیہ الرحمہ اپنے والد سے حکایت بیان کرتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے اور فرماتے ہیں یزید پلید پر لعنت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (بحوالہ: خلاصۃ الفتاویٰ جلد چہارم 390)

9۔ امام حضرت عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ متوفی 898ھ فرماتے ہیں۔ یعنی یزید پر سو لعنتیں ہوں اور بھی۔

(بحوالہ: تذکرہ مولانا عبدالرحمٰن جامی ص 66)

10۔ چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ یزید کو اگر کوئی کافر کہے تو ہم منع نہیں کریں گے اور خود نہ کہیں گے۔ (بحوالہ: الملفوظ حصہ اول ص 114)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: یزید پلید کے بارے میں ائمہ اہلسنت کے تین اقوال ہیں۔ امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ

وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہر گز بخشش نہ ہوگی اور امام غزالی علیہ الرحمہ وغیرہ مسلمان کہتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہوگی اور ہمارے امام امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سکوت (خاموشی) فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر (رحمتہ اللہ علیہ) بھی نہ کہیں لہٰذا یہاں بھی سکوت کریں گے۔ (بحوالہ: احکام شریعت ص88)

حضرات محترم! ہم نے آپ کے سامنے احادیث اقوال صحابہ کرام اور علمائے اسلام کے اقوال کی روشنی میں یزید پلید کی شدید مذمت بیان کی۔ اب فیصلہ ہر کلمہ پڑھنے والا مسلمان خود کرے ہم اکابر محدثین کی بات مانیں یا موجودہ دور کے نام نہاد مذہبی اسکالر اور وہ بھی کوٹ پتلون اور ٹائی میں ملبوس فیشن ایبل آدمی کی؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہم تو اکابرین اور محدثین کی بات مانیں گے۔

یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ 2008ء کے اوائل میں ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اپنے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ کربلا کی جنگ سیاسی جنگ تھی اس کے بعد یزید کو رحمتہ اللہ علیہ کہا (اس کی ویڈیو سی ڈی مکتبہ فیضان اشرف شہید مسجد کھارادر کراچی پر موجود ہے)

ذاکر نائیک کے ان الفاظ پر پوری دنیا کے علماء کرام اور مفتیان کرام نے ذاکر نائیک کو گمراہ اور بے دین قرار دیا۔

پہلے تو ذاکر نائیک نے اس فتوے کو کوئی اہمیت نہ دی مگر جب پوری دنیا سے اس کے جواب کی مذمت کی گئی تو فوراً اس نے یہ کہا کہ جو فتویٰ مجھ پر لگاتے ہو وہی فتویٰ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ پر بھی لگاؤ۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ذاکر نائیک نے حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا فتویٰ یزید کے متعلق صحیح پڑھا اور سمجھا ہی نہیں ہے لہٰذا امام غزالی علیہ الرحمہ کا یزید کے متعلق فتویٰ ملاحظہ ہو۔

حجتہ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ کا فتویٰ

اگر کوئی پوچھے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اور آپ کے قتل کا حکم دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہنا جائز ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا قاتل اگر توبہ کر کے مرا ہے تو اس پر خدا کی لعنت نہ ہو کیونکہ یہ ایک احتمال ہے کہ شاید اس نے توبہ کر لی ہو۔ (بحوالہ: احیاء العلوم جلد 3 ص 122 مطبوعہ مصر)

امام غزالی علیہ الرحمہ کے فتوے سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

1۔ پہلی بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قتل ناحق تھا (لہٰذا ثابت ہوا کہ ناحق قتل کرنے والے یزید اور یزیدی ظالم اور قاتل تھے ورنہ قاتل پر خدا کی لعنت جائز نہ ہوتی۔

2۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ توبہ کی قید لگانا امام غزالی علیہ الرحمہ کے کمال تقویٰ کی دلیل ہے۔

3۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے پورے فتوے میں ذاکر نائیک کی طرح معرکہ کربلا کو سیاسی جنگ قرار نہیں دیا۔

4۔ چوتھی بات یہ ہے کہ آپ نے پورے فتوے میں ذاکر نائیک کی طرح یزید کو رحمتہ اللہ علیہ نہیں کہا۔

د۔ پانچویں بات یہ ہے کہ یزید اور قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی توبہ کہیں سے بھی ثابت نہیں لہٰذا امام غزالی کے فتوے کے مطابق امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اور آپ کے قتل کا حکم دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

یزید کو نادم اور بے قصور کہنے والوں سے ہمارے سوالات

سوال: یزید اگر ظالم نہ تھا تو اس نے صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ابن زیاد کو کوفے کا گورنر کیوں بنایا؟

سوال: اگر اس کے کہنے پر سب کچھ نہیں ہوا تو اس نے معرکہ کربلا کے بعد ابن زیاد ابن سعد اور شمر کو سزائے موت کیوں نہیں دی؟

سوال: معرکہ کربلا کے بعد اہلبیت کی خواتین کو قیدیوں کی طرح کیوں رکھا گیا؟

سوال: حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی فتح کا خطبہ کیوں پڑھا؟

سوال: جب اس کے دربار میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرانور لایا گیا تو اس پر اس نے چھڑی کیوں ماری؟

سوال: اگر یزید بے قصور تھا تو اس نے گھرانہ اہلبیت سے معافی کیوں نہیں مانگی؟

سوال: معرکہ کربلا کے بعد مسجد نبوی کی بے حرمتی کیوں کی گئی؟ اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا کہ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔

سوال: بیت اللہ پر یزید نے سنگ باری کیوں کروائی؟ امام سیوطی علیہ الرحمہ کے مطابق بیت اللہ میں آگ لگی اور غلاف کعبہ جل گیا۔

کیا یزید کے لئے جنت کی بشارت دی گئی تھی؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتح قسطنطنیہ کو جنت کی بشارت دی تھی اور یزید بھی اس لشکر میں شامل تھا لہٰذا وہ جنتی ہوا۔

حدیث قسطنطنیہ ملاحظہ ہو:

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت کا وہ لشکر بخش دیا جائے گا جو قیصر کے شہر پر سب سے پہلے حملہ کرے گا۔ (صحیح بخاری جلد اول کتاب الجہاد باب ماقیل فی قاتل الروم ص 410)

قیصر کے شہر سے مراد کون سا شہر ہے؟

قیصر کے شہر سے مراد وہ شہر ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے وقت قیصر کا دارالمملکت تھا اور وہ حمص تھا (بحوالہ: فتح الباری جلد ششم ص 128)

قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے لشکر میں کیا یزید شامل تھا؟

البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 31 پر ہے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ 43ھ میں حضرت بسر بن ارطاہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 31)

قسطنطنیہ پر دوسرا حملہ 46ھ میں کیا گیا تھا۔ علامہ ابن اثیر متوفی 630ھ لکھتے ہیں یعنی 49ھ اور کہا گیا 50ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا بلاد روم کی جانب جنگ کے لئے بھیجا۔ اس کا سپہ سالار سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائے تو وہ بیمار بن گیا اور عذر کر دیا۔ اس پر اس کے باپ رہ گئے۔ لوگوں کو بھوک اور سخت بیماری لاحق ہوگئی۔ یہ سن کر یزید نے یہ اشعار پڑھے۔ مقام فرقدونہ میں لشکر پر کیا بلا نازل ہوئی بخار آیا کہ سرسام میں مبتلا ہوئے۔ مجھے کچھ پرواہ نہیں جبکہ میں اونچی قالین پر دیر سران میں بیٹھا ہوں اور ام کلثوم میرے بغل میں ہے۔

ام کلثوم یزید کی بیوی تھی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنے تو یزید کو قسم دی کہ ارض روم جا کر سفیان کے ساتھ ہو جا تا کہ تو بھی ان مصائب سے دوچار ہو جن سے غازیان اسلام ہوئے۔ اب مجبور ہو کر یزید گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ ایک بڑی جماعت کر دی۔ (بحوالہ: الکامل فی التاریخ جلد سوم ص 131)

نتیجہ: اب یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ یزید پہلے جیش میں نہیں بلکہ اس کے بعد والے جیش میں بطور ایک معمولی سپاہی اور بادل نخواستہ شریک ہوا۔

اگر بالفرض یہ بھی مان لیں کہ یزید اول جیش میں بھی شریک تھا تو اس حدیث کی وجہ سے کیا وہ جنتی ہے؟

اصول فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ مامن عام الاخص منه البعض یعنی عموم ایسا نہیں جس میں سے بعض افراد مخصوص نہ ہوں۔ معلوم ہوا کہ ہر عموم سے بعض افراد مخصوص ضرور ہوتے ہیں۔ اس اصول کی بناء پر حفاظ حدیث قسطنطنیہ والی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

یزید کا اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دلیل خاص سے اس عموم سے خارج نہیں ہوسکتا کیونکہ اہل علم میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مغفور لہم مشروط ہے مطلق نہیں۔ وہ یہ کہ مغفور لہم وہ ہے جو بخشش کے اہل ہوں۔ اگر کوئی فرد لشکر کا مرتد (بے ایمان) ہو جائے وہ اس بشارت مغفرت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس بات پر تمام علماء امت کا اتفاق ہے۔ پس یہ اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ لشکر قسطنطنیہ کا وہ شخص مغفرت یافتہ ہے جس میں مغفرت کی شرائط مرتے وقت تک پائی جائیں۔ (فتح الباری جلد 11 ص 92 مطبوعہ نولکشور ہندوستان)

محدثین اور حفاظ کے فیصلے کی مزید توفیق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ انسان زبان سے لا الہ الا اللہ کہہ دے وہ جنتی ہے۔ مرزا قادیانی کے ماننے والے بھی کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں وہ کافر کیوں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تمام

فرقے لا الہ الا اللہ کہنے والے ہوں گے لیکن پھر بہتر (72) جہنمی کیوں؟

بات دراصل یہ ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ پڑھے اور مرتے دم تک مرتد (بے ایمان) نہ ہو وہ جنتی ہے۔

ہم نے آپ کے سامنے تابعین اور علمائے امت کے یزید کے متعلق تاثرات پیش کر دیئے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی زبردستی یزید کو رحمتہ اللہ علیہ امیر المومنین اور جنتی کہے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ دعا کرے کہ اے اللہ تعالیٰ! میرا حشر قیامت کے دن یزید کے ساتھ فرما۔

کسی بھی مسلمان کو گناہ کے سبب کافر قرار نہ دینے کا بیان

لَا یکفر مُسلم بذنب مَا لم یستحله

وَلَا نکفر مُسلما بذنب من الذُّنُوب وَإن كَانَت كَبِيرَة إِذا لم يستحلها وَلَا نزيل عَنهُ اسْم الْإِيمَان ونسميه مُؤمنا حَقِيقَة وَيجوز ان يكون مُؤمنا فَاسِقًا غير كَافِر

ہم کسی بھی مسلمان کو اس کے گناہوں کے سبب کافر قرار نہیں دیتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں ہاں البتہ جب وہ ان کو حلال سمجھ لے۔ اور ہم ایسے شخص کو ایمان کے وصف سے خارج کرنے والے نہیں ہیں بلکہ اس کو حقیقت کے اعتبار سے مؤمن جانتے ہیں۔ اور یہ جائز ہے کہ وہ مؤمن فاسق ہو اور کافر نہ ہو۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔ (النساء:۳۱)

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تحقیق کا بیان

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ مت سوچو کہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ یہ غور کرو کہ تم کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس اعتبار سے تمام گناہ گناہ کبیرہ ہیں۔ قاضی ابوبکر بن طیب استاد ابواسحٰق اسفرائنی ابوالمعالی ابونصر عبدالرحیم قشیری وغیرھم کا یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ گناہوں کو اضافی طور پر صغیرہ یا کبیرہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً زنا کفر کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور بوس و کنار زنا کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور کسی گناہ سے اجتناب کی وجہ سے دوسرے گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(آیت) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء:۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اسے جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یہ جو قرآن مجید میں ہے

(آیت) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النساء:۳۱)

اس آیت میں کبائر سے مراد انواع کفر ہیں یعنی اگر تمام انواع کفر سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا نیز صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہر چند کہ (اس شخص کا حق) تھوڑی سی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: ہر چند کہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! پس معمولی معصیت پر بھی ایسی شدید وعید ہے جیسی بڑی معصیت پر وعید ہے۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جن چیزوں سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کے ذکر پر ختم کیا ہے اور گناہ کبیرہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سورۃ نساء کی تینتیس (۳۳) آیتوں میں جن چیزوں سے منع کیا ہے اور پھر فرمایا ہے (آیت) ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ۔ وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر سات (۷) ہیں فرمایا یہ ستر کے قریب ہیں اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا کبائر سات ہیں فرمایا یہ سات سو کے قریب ہیں البتہ استغفار کے بعد کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے)

گناہ کبیرہ کی تعداد اور ان کے حصر میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں آثار مختلف ہیں میں یہ کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کے متعلق صحیح اور حسن بکثرت احادیث ہیں اور ان سے حصر مقصود نہیں ہے البتہ بعض گناہ بعض دوسرے گناہ سے زیادہ بڑے ہیں اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ورحمتی وسعت کل شیء میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (الاعراف:۹۹) کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چوتھے درجہ پر قتل سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد لواطت ہے پھر زنا ہے پھر شراب نوشی ہے پھر نماز اور اذان کا ترک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا ہے اور ہر وہ گناہ جس پر عذاب شدید کی وعید ہے یا اس کا ضرر عظیم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۱-۱۵۹ ملخصاً مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

میں نے گناہ کبیرہ کے متعلق ان تمام اقوال اور تعریفات پر غور کیا میرے نزدیک جامع مانع اور منضبط تعریف یہ ہے:

جس گناہ کی دنیا میں کوئی سزا ہو یا اس پر آخرت میں وعید شدید ہو یا اس گناہ پر لعنت یا غضب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان اور واضح تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے نیز کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر بے خوفی سے کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔اور نووی شافعی اور علامہ بھوتی حنبلی نے جو گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مثالیں دی ہیں ان پر یہ تعریفیں صادق آتی ہیں اس لئے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو سمجھنے کے لئے ان تعریفات کی روشنی میں ان مثالوں کو ایک بار پھر پڑھ لیا جائے۔اس بحث میں یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ فرض کے ترک کا عذاب واجب کے ترک کے عذاب سے اور حرام کے ارتکاب کا عذاب مکروہ تحریمی کے ارتکاب کے عذاب سے شدید ہوتا ہے اور اصولیین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرض اور واجب کے ترک کا عذاب ایک جیسا ہوتا ہے اور ان میں صرف ثبوت کے لحاظ سے فرق ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں: گناہ صغیرہ اور کبیرہ دو قسم کے ہیں۔استاذ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے گناہ کبیرہ کی چار تعریفیں ہیں۔(۱) جس معصیت پر حد واجب ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) جس معصیت پر کتاب اور سنت میں وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۳) امام نے ارشاد میں لکھا ہے کہ جس گناہ کو لاپرواہی کے ساتھ کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جس کام کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہو یا جس کام کی جنس میں قتل وغیرہ کی سزا ہو یا جو کام علی الفور فرض ہو اس کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے پھر علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ کی منضبط تعریفات ہیں۔بعض علماء نے گناہ کبیرہ کو تفصیلاً شمار بھی کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے: قتل زنا لواطت شراب پینا چوری قذف (تہمت لگانا) جھوٹی گواہی دینا مال غصب کرنا میدان جہاد سے بھاگنا سود کھانا مال یتیم کھانا والدین کی نافرمانی کرنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمداً جھوٹ باندھنا بلا عذر شہادت کو چھپانا رمضان میں بلا عذر روزہ نہ رکھنا جھوٹی قسم کھانا قطع رحم کرنا ناپ اور تول میں خیانت کرنا نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا بلا عذر نماز قضاء کرنا مسلمان کو ناحق مارنا صحابہ کرام کو سب وشتم کرنا رشوت لینا دیوثی (فاحشہ عورتوں کے لئے گاہک لانا) حاکم کے پاس چغلی کھانا زکوۃ نہ دینا نیکی کا حکم نہ دینا باوجود قدرت کے برائی سے نہ روکنا قرآن مجید بھلانا حیوان کو جلانا عورت کا بلا سبب خاوند کے پاس نہ جانا اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا علماء کی توہین کرنا ظہار بلا عذر خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا جادو کرنا حالت حیض میں وطی کرنا اور چغلی کھانا۔یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔

علامہ نووی نے گناہ صغیرہ کی تفصیل میں ان گناہوں کو لکھا ہے: اجنبی عورت کو دیکھنا غیبت کرنا ایسا جھوٹ جس میں حد

ہے نہ ضرر لوگوں کے گھروں میں جھانکنا تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا زیادہ لڑنا جھگڑنا اگر چہ حق پر ہو غیبت پر سکوت کرنا مردہ پر بین کرنا مصیبت میں گریبان چاک کرنا اور چلانا اترا اترا کر چلنا فاسقوں سے دوستی رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا مسجد میں خرید و فروخت کرنا بچوں پاگلوں کو مسجد میں لانا جس شخص کو لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا، نماز میں عبث کام کرنا جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنا قبلہ رخ بول و براز کرنا عام راستہ پر بول و براز کرنا جس شخص کو غلبہ شہوت کا خطرہ ہو اس کا روزہ میں بوسہ لینا صوم وصال رکھنا استمناء بغیر جماع کے اجنبیہ سے مباشرت کرنا (یعنی بوس وکنار اور بغل گیر ہونا) بغیر کفارے کے مظاہر کا اپنی عورت سے جماع کرنا اجنبی عورت سے خلوت کرنا عورت کا بغیر محرم اور خاوند کے سفر کرنا یا بغیر ثقہ عورتوں کے سفر کرنا۔ (یہ مذہب شافعی کے ساتھ خاص ہے) بخش احتکار مسلمان کی بیع پر بیع کرنا اسی طرح مسلمان کی قیمت پر قیمت لگانا اور منگنی پر منگنی کرنا شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا دیہاتی قافلہ سے بیع کے لئے ملاقات کرنا تصریہ (بیع کے لئے تھنوں میں دودھ روک لینا) بغیر عیب بیان کئے ہوئے عیب دار چیز کو فروخت کرنا بلاضرورت کتا رکھنا مسلمان کا کافر کو قرآن مجید اور دینی کتابوں کو فروخت کرنا بلاضرورت نجاست کو بدن پر لگانا اور بلاضرورت خلوت میں اپنی شرم گاہ کھولنا۔

عدالت (نیک چلنی) میں صغائر سے بالکل اجتناب کرنا شرط نہیں ہے لیکن صغیرہ پر اصرار یعنی بلاتوبہ بار بار صغیرہ کا ارتکاب کرنا صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۲ ص ۲۲۵-۲۲۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ شمس الدین مقدسی محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں: گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد ہو یا اس پر وعید ہو یا اس پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو جس طرح حدیث میں ہے: من غش فلیس منا۔ جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی یہ وہ کام ہے جو ہمارے احکام میں سے نہیں ہے یا ہمارے اخلاق میں سے نہیں ہے یا ہماری سنت میں سے نہیں ہے اور فصول غنیہ اور مستوعب میں ہے کہ غیبت اور چغلی صغائر میں سے ہے اور قاضی نے معتمد میں کہا ہے کہ کبیرہ وہ ہے جس کا عقاب زیادہ ہو اور صغیرہ وہ ہے جس کا عقاب کم ہو۔ ابن حامد نے کہا ہے کہ صغائر خواہ کسی نوع کے ہوں وہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے فقہاء نے کہا ہے کہ تکرار سے صغیرہ کبیرہ نہیں ہوتا جیسا کہ جو امور غیر کفر ہوں وہ تکرار سے کفر نہیں ہوتے۔ (کتاب الفروع ج ۶ ص ۵۶۵-۵۶۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۸۸ھ)

علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوتی حنبلی متوفی ۱۰۴۶ھ بیان کرتے ہیں: گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر دنیا میں حد ہو اور آخرت میں وعید ہو جیسا کہ سود کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جس فعل پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی ہو۔

جھوٹ بولنا گناہ صغیرہ ہے بشرطیکہ اس پر دوام اور استمرار نہ ہو البتہ جھوٹی گواہی دینا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جھوٹ باندھنا یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے اور صلح کرانے کے لئے بیوی کو راضی کرنے کے لئے اور جنگی چال کے

لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے ہر وہ نیک مقصد جو جھوٹ کے بغیر حاصل نہ کیا جا سکتا ہو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ غیبت میں اختلاف ہے علامہ قرطبی نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے۔ صاحب الفصول صاحب الغنیہ اور صاحب المستوعب کی یہی تحقیق ہے۔ امام داود نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بلا علم کچھ کہنا گناہ کبیرہ ہے ضرورت کے وقت علم چھپانا گناہ کبیرہ ہے فخر اور غرور کے لئے علم حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے جاندار کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا گناہ کبیرہ ہے غیر اللہ کو سجدہ کرنا بدعت کی دعوت دینا خیانت کرنا بدفالی نکالنا سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا وصیت میں زیادتی کرنا خمر بیچنا سودی معاملہ لکھنا اور سود پر گواہی دینا کبیرہ ہے دو چہروں والا ہونا یعنی بظاہر دوستی رکھنا اور بباطن دشمنی رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ خود کو کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا جانور سے بدفعلی کرنا بلا عذر جمعہ ترک کرنا نشہ آور اشیاء استعمال کرنا نیکی کر کے احسان جتلانا لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کی باتیں کان لگا کر سننا کسی پر بلا استحقاق لعنت کرنا غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تمام امور گناہ کبیرہ ہیں اور جو مسائل اجتہادیہ ہیں ان کو کسی مجتہد کی اتباع میں کرنا معصیت نہیں ہے مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علامہ بھوتی حنبلی کے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں میں سے ہم نے ان گناہوں کو حذف کر دیا جن کو اس سے پہلے ہم علامہ نووی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

(کشاف القناع ج ۶ ص ۴۲۲۔ ۴۱۹ ملخصاً مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اصرار سے گناہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ کا بیان

علامہ شامی اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے ایک علمی مجلس میں مجھ سے ایک فاضل دوست نے سوال کیا کہ صغیرہ پر اصرار کرنا دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس لئے یہ اسی درجہ کی معصیت ہونی چاہئے اور جب یہ پہلے صغیرہ تھا تو دوبارہ اس کو کرنے سے یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو گیا؟ میں نے اس کے جواب میں کہا: اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد انسان نادم ہو اور اس پر استغفار کرے اور پھر دوبارہ شامت نفس سے وہ صغیرہ گناہ کر لے تو یہ اصرار نہیں ہے تکرار ہے اور گناہ صغیرہ کرنے کے بعد نادم اور تائب نہ ہو اور بلا جھجک اس گناہ کا اعادہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے اور یہ کبیرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس نے اس گناہ کو معمولی سمجھا اور اس میں احکام شرعیہ کی تخفیف اور بے وقعتی ہے اور شریعت کی تخفیف اور بے وقعتی گناہ کبیرہ ہے جبکہ شریعت کی توہین کفر ہے۔ فرض اور واجب تو دور کی بات ہے جو فعل مسنون ہو اس کی تخفیف اور بے وقعتی بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی توہین کرنا کفر ہے۔ العیاذ باللہ!

قرآن اور حدیث میں معصیت پر اصرار کرنے کو کبیرہ قرار دیا ہے خواہ وہ کسی درجہ کی معصیت ہو معصیت پر نفس اصرار گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آیت) وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ قف وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵)

ترجمہ: اور جب وہ لوگ بے حیائی کا کام یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے کیے (یعنی گناہوں) پر اصرار نہ کریں۔ ایسے لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنات ہیں جن کی نیچے دریا جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (نیک) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اخروی انعامات کو عدم اصرار معصیت پر مرتب فرمایا ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ معصیت پر اصرار کرنا اخروی عذاب کو مستلزم ہے اور اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے:

(آیت) عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ط واللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ (المائدہ: ۹۵)

ترجمہ: جو ہو چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ بڑا غالب ہے بدلہ لینے والا۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصرار پر وعید فرمائی ہے اور وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ان لوگوں کے لئے عذاب ہو جو اپنے کیے ہوئے (گناہ) پر جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں۔

امام ابوداود سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے (گناہ پر) استغفار کر لیا تو یہ اس کا اصرار نہیں ہے خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (سنن ابوداود رقم الحدیث: ۱۵۱۴)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کے بعد استغفار کر لیا جائے تو یہ تکرار ہے اور گناہ کے بعد پھر گناہ کرے اور توبہ نہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: استغفار کے ساتھ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے) (الجامع الاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۹ مطبوعہ ایران)

اصرار کے ساتھ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اس پر یہ حدیث صراحتاً دلالت کرتی ہے علامہ آلوسی امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفا روایت ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کرلے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۶۲ مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کی آیات احادیث اور آثار سے یہ واضح ہوگیا کہ گناہ پر اصرار کرنا (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا) اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے خواہ وہ گناہ کسی درجہ کا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس کا یہ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منع کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور ان کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور شریعت کو معمولی اور بے وقعت سمجھنا اور اس سے لاپرواہی برتنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن، سورہ نساء، ۳۱، لاہور)

کبیرہ گناہوں کی تعداد

کبیرہ گناہوں کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابن حجر مکی نے اپنی کتاب "الزواجر" میں ان تمام گناہوں کی فہرست اور ہر ایک کی مکمل تشریح بیان فرمائی ہے، جو مذکورۃ الصدر تعریف کی رو سے کبائر ہیں، ان کی اس کتاب میں کبائر کی تعداد چار سو سڑسٹھ تک پہنچی ہے ابن حجر کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، مثلاً "الکبائر للذہبی" "الزواجر عن اقتراف الکبائر للہیثمی وغیرہ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتلائی تو آپ نے فرمایا سات نہیں سات سو کہا جائے تو مناسب ہے، مذکورہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس نے گناہ کے بڑے ابواب شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے تو تعداد کم لکھی ہے اور جس نے ان کی تفصیلات وانواع واقسام کو پورا لکھا ہے اس کے نزدیک تعداد زیادہ ہوگئی، اس لئے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی مختلف مقامات پر کبائر کو بیان فرمایا ہے، حالات کی مناسبت سے کہیں تین اور کہیں چھ اور کہیں سات اور کہیں اس سے بھی زیادہ بیان فرمائے، اس لئے علماء امت نے یہ سمجھا ہے کہ کسی تعداد میں انحصار مقصود نہیں ہے۔

گناہ کبیرہ کے بارے میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف

معتزلہ اور ان کے موافقین نے مذکورہ آیت کے مضمون سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر صغائر خواہ کتنے بھی ہوں ضرور معاف کردیئے جائیں گے، اور صغائر کے ساتھ کبیرہ ایک بھی شامل ہوگیا تو اب معافی ممکن نہیں سزا ضرور ملے گی، اور اہل سنت کہتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور حاصل ہے، اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی کم فہمی ہے، گو اس آیت کے ظاہری الفاظ سے سرسری طور پر معتزلہ کا مذہب راجح معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب کسی نے یہ دیا ہے کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں، اور کسی نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں مذکورہ کبائر سے

اکبرالکبائر یعنی شرک مراد ہے، اور کبائر کو لفظ جمع کے ساتھ لانا شرک کی مختلف انواع کے اعتبار سے ہے۔

معتزلہ کا اصل جواب:

یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد خداوندی "اِنْ تجتنبوا کبائر مَا تنھونَ عنه نکفر عنکم سیاٰتِکم" جو یہاں مذکور ہے اور آیت: والذین یجتنبُوْنَ کبائر الاثم والفواحشَ اِلّااللمم جو سورہ نجم میں مذکور ہے ان دونوں کا مدعا ایک ہے صرف لفظوں میں قدرے فرق ہے لہٰذا جو مطلب ایک آیت کا ہوگا وہی دوسری کا لیا جائے گا، سورہ نجم کی آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد بخاری وغیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے عن ابن عباس قال مَا رایتُ شیئاً اشبه باللمم مما قال ابوھریرۃ عن النبی صلی الله علیه وسلم اِنَ الله کتب علی ابن آدم حَظّه من الزنا ادرك ذلك لامحالة فزنا العین النظروزنا اللسان المنطق والنفس تمنّی وتشتھیْ والفرج یصدق ذلك ویکِذبُ به، اس حدیث سے مذکورہ دونوں آیتوں کی حقیقی مراد معلوم ہوگئی۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لمم اور علی ھذا القیاس سیأت دونوں کا مفہوم ایک ہے، حضرت ابن عباس نے جو نکتہ اور جو بات اس سے نکالی ہے وہ ایسی عجیب اور مدلل ہے کہ جس سے دونوں آیتوں کا مضمون محقق ہوگیا، اور اسی سے معتزلہ کا جواب بھی ہوگیا، جس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سورہ نجم کی آیت میں جو لمم، فرمایا اس کے معنی کی تعیین کے متعلق حدیث ابوہریرہ سے بہتر کوئی چیز نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے ذمہ جو زنا کا حصہ مقرر فرمایا ہے وہ اس کو ضرور مل کر رہے گا سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ دیکھنا ہے اور زبان کا حصہ باتیں کرنا ہے یعنی ایسی باتیں کرنا کہ جو زنا کے مقدمات اور اسباب ہیں، اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور خواہش کرے، لیکن فعل زنا کا تحقیق یا بطلان دراصل شرم گاہ پر موقوف ہے یعنی اگر شرم گاہ سے زنا کا صدور ہوگیا تو زبان اور دل سب کا زنا متحقق ہوجائیگا، اور اگر باوجود جملہ اسباب ومقدمات کے شرم گاہ سے فعل کا صدور نہ ہوا بلکہ زنا سے توبہ واجتناب نصیب ہوگیا تو اب تمام وسائل زنا کہ جو فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کے باعث گناہ قرار دیئے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہوگئے ان کا زنا ہونا باطل ہوگیا، یعنی ان کا قلب ماہیت ہوکر بجائے گناہ کے عبادت بن گئے۔

اس لئے کہ فی نفسہ تو وہ اعمال نہ معصیت تھے اور نہ عبادت بلکہ مباح تھے اس لئے کہ وہ زنا کے لئے وسیلہ بنے تھے معصیت میں شمار ہوگئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہوگیا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح خلاف ہے، مثلاً ایک شخص چوری کے ارادہ سے مسجد میں گیا مگر مسجد میں پہنچ کر اس کو تنبہ ہوا اور چوری سے توبہ عبادت کا ذریعہ بن گئی، اس حدیث ابوہریرہ کو سن کر حضرت ابن عباس سمجھ گئے کہ لمم وہ باتیں ہیں کہ جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب اور ذریعہ بن کر گناہ ہوجاتی ہیں، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ

بڑے گناہ سے تو بچتے ہیں البتہ لمم ،کا صدور ہو جاتا ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ تائب ہو جاتے ہیں، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جیسے حدیث ابوھریرہ سے سورہ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو بھی چاہیے کہ وہی معنی ابن عباس کے ارشاد کے مطابق آیت سورہ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں۔

اہل سنت کے بعض عقائد کا بیان

ذکر بعض من عقائد اهل السّنة

وَالْـمسح على الْخُفَّيْنِ سنة والتراويح فِي لَيَالِي شهر رَمَضَان سنة وَالصَّلَاة خلف كل بـر وَفَـاجِـر جَـائِزَة وَلَا نقُول إِن الْمُؤمن لَا تضره الذُّنُوب وَلَا نقُول إِنَّه لَا يدْخل النَّار وَلَا نقُول إِنَّه يخلد فِيهَا

وَإِن كَـانَ فَـاسِـقًا بعد ان يخرج من الدُّنْيَا مُؤمنا وَلَا نقُول إِن حَسَنَاتنَا مَقْبُولَة وسيئاتنا مـغـفـورة كَـقَـوْل الـمرجئة وَلَكِن نقُول من عمل حَسَنَة بِجَمِيع شرائطها خَالِيَة عَن الْـعُيُـوب الْمفْسدَة وَلم يُبْطِلهَا بالْكفْر وَالرِّدَّة والاخلاق السَّيئَة حَتَّى خرج من الدُّنْيَا مُؤمنا فَإِن الله تَعَالَى لَا يضيعها بل يقبلهَا مِنْهُ ويثيبه عَلَيْهَا

وَمَـا كَـانَ مـن السَّيِّئَات دون الشّرك وَالْكفْر وَلم يتب عَنْهَا صَاحبهَا حَتَّى مَاتَ مُؤمنا فَإِنَّهُ مُؤمن فِي مَشِيئَة الله تَعَالَى إِن شَاءَ عذبه بالنَّار وَإِن شَاءَ عَفا عَنهُ وَلم يعذب بالنَّار اصلا والرياء إِذا وَقع فِي عمل من الْأَعْمَال فَإِنَّهُ يبطل اجره وَكَذَلِكَ الْعجب

موزوں پر مسح کرنا اور رمضان المبارک کی راتوں کو نماز تراویح پڑھنا سنت ہے۔ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز کا جواز ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ مؤمن کو گناہ کے سبب نقصان نہیں ہوتا اور یہ بھی نہیں کہتے کہ مؤمن کبھی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

اور اگر چہ وہ فاسق ہے یہ کہ وہ دنیا سے جانے کے بعد مؤمن ہے۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری ساری نیکیاں قبول ہیں اور یہ بھی نہیں کہتے کہ ہمارے گناہ بخشے ہوئے ہیں جس طرح مرجئہ کا قول ہے۔ ہاں البتہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ جس نے کوئی نیک عمل اس کی تمام شرائط کے ساتھ کیا جو عیوب فاسدہ سے بھی خالی ہو۔ اور اس کو کفر یا ارتداد اور برے اخلاق کے باطل نہ کیا ہو یہاں تک کہ وہ دنیا سے حالت ایمان کے ساتھ گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کو قبول کر کے اس کو اجر دے گا۔

اور وہ گناہ جو شرک اور کفر سے کم درجے کے ہوں، اور اس نے ابھی توبہ بھی نہیں کی کہ وہ حالت ایمان میں فوت ہوا پس وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں مؤمن ہے اگر وہ چاہے تو اس کو جہنم کی آگ کا عذاب دے اور اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور جہنم کی آگ کا عذاب کچھ بھی نہ دے۔ اور جب کسی کے عمل میں ریاکاری واقع ہوتی ہے تو وہ اس کے عمل کے ثواب کو باطل کر دیتی ہے۔ اسی طرح تکبر اور خود پسندی بھی عمل کو باطل کر دیتی ہے۔

اہل سنت و جماعت کے حق پر ہونے کا بیان

جس دن چہرے سفید ہوں گے اور چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان کے بعد، سو چکھو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ (آل عمران، ۱۰۶)

(۱) احمد و ترمذی و ابن ماجہ وطبرانی و ابن المنذر نے ابو غالب (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا ہے کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے ازارقہ فرقے (جو خارجیوں کا ایک سخت متعصب فرقہ تھا) کے (لوگوں) کے سروں کو دیکھا جو دمشق کی مسجد کی سیڑھیوں پر لٹکائے گئے تھے ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دوزخ کے کتے (جو) برے ہیں قتل ہونے والے آسمان کے نیچے (اور) بہترین قتل ہونے والا وہ شخص ہے جس کو ان لوگوں نے قتل کیا پھر (یہ آیت) یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ پڑھی میں نے عرض کیا اے ابوامامہ! کیا آپ نے اس کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اگر میں نے اس کو نہ سنا ہوتا مگر ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ یا چار مرتبہ یہاں تک کہ سات تک شمار فرمایا تو میں اس کو تم سے بیان نہ کرتا۔

(۲) ابن ابی حاتم اور ابونصر نے الابانہ میں اور خطیب نے اپنی تاریخ میں السنۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ کے بارے میں فرمایا کہ اہل سنت و جماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور بدعت والے گمراہ لوگون کے چہرے کالے ہوں گے۔

(۳) خطیب نے رواۃ مالک والدیلمی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ سے مراد ہے اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔

(۴) ابونصر السجزی نے الابانہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (یہ آیت) یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ پڑھی اور فرمایا اہل جماعت اور اہل سنت والوں کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت اور اہل ہوا کے چہرے کالے ہوں گے۔

قیامت کے روز لوگوں کی دو جماعتیں

(۵) ابن جریر و ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ قیامت کے دن لوگ دو جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ جس جماعت کے چہرے کالے ہوں گے اس سے کہا جائے گا لفظ

آیت اکفرتم بعد ایمانکم کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا وہ ایمان تھا جو آدم (علیہ السلام) کی پشت میں رکھتے تھے اس حیثیت سے کہ وہ ایک ہی امت تھے لیکن وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے ایمان پر قائم رہے اور (اپنے) دین میں خالص رہے اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو سفید کردیں گے اور ان کو اپنی رضا مندی اور اپنی جنت میں داخل فرما دیں گے۔

(٦) الفریابی وابن المنذر نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ وہ لوگ اہل کتاب میں سے ہیں یہ لوگ اپنے انبیاء اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرنے والے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرمایا تو انکار کردیا۔ اسی کو فرمایا لفظ آیت اکفرتم بعد ایمانکم۔

(٧) عبد بن حمید وابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت واما الذین اسودت وجوھھم سے خوارج مراد ہیں۔

(٩) ابن جریر وابن ابی حاتم نے حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا کہ لفظ آیت واما الذین اسودت وجوھھم سے وہ منافق مراد ہیں جو اپنی زبانوں سے ایمان کا حکم کرتے تھے مگر ان کے دل اور ان کے اعمال اس کا انکار کرتے تھے۔

(١٠) ابن ابی حاتم نے ضحاک (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا کہ لفظ آیت وتسود وجوہ سے اہل قبلہ مراد ہیں۔

(١١) ابن ابی حاتم نے شعبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ لفظ آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ سے اہل قبلہ مراد ہیں۔

(١٢) ابن المنذر نے سعدی (رحمۃ اللہ علیہ) سے ایسی سند سے روایت کیا ہے کہ جس میں ایسا راوی ہے جو معروف نہیں کہ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ سے مراد ہے کہ ان کے چہرے اعمال اور بدعات کی وجہ سے سفید یا سیاہ ہوں گے۔

(١٣) ابن ابی حاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس میں راوی غیر معروف ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا آپ پر کوئی ایسا وقت آئے گا کہ جس میں آپ کسی ایک کی بھی شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں لفظ آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ یعنی جس دن (بہت سے) چہرے سفید ہوں گے اور (بہت سے) چہرے کالے ہوں گے۔ یہاں تک کہ میں دیکھوں کہ میں دیکھوں گا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ یا فرمایا کہ میری ذات کے ساتھ کیا ہوگا۔

(١٤) طبرانی نے اوسط میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا مصیبت مصیبت زدہ کے چہرے کو سفید کردے گی (یعنی دنیا کی مصیبت میں رہے اور اس پر صبر کیا) جس دن (بہت سے) چہرے کالے ہوں گے۔

(۱۵) ابو نعیم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے کا غبار چہروں کی سفیدی کا باعث ہوگا قیامت کے دن۔

لا الہ الا اللہ کہنے والوں کے چہرے روشن ہوں گے

(۱۶) طبرانی نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کوئی بندہ (جب) سو مرتبہ (دن میں) لفظ آیت لا الـــہ الا اللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس حال میں قیامت کے دن اٹھائیں گے کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔

اہل سنت کی تعریف کا بیان

اہل سنت اعتقادات اور کلامی مذاہب میں اشعری اور ماتریدی ہیں اور فقہی مذاہب میں "حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں، اور پاک اہل تصوف علم واخلاق اور تزکیہ نفس کے لحاظ سے امام جنید بغدادی اور ان جیسے دوسرے بزرگوں کی مانند ہیں۔

اہل سنت و جماعت کون ہیں؟

ہمارے معبود حقیقی اللہ کریم جل شانہ کا ہم اہل اسلام وایمان پر بے پایاں انعام واحسان ہے کہ اس نے اپنے پسندید دین "اسلام" کی لازوال نعمت ودولت سے نوازا اور ہمیں اسلام وایمان کا حامل وامین بنا کر خیر الامم ہونے کا شرف بخشا۔

کروڑوں درود وسلام ہوں اللہ کریم جل شانہ کے آخری اور پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے صدقہ وطفیل ہمیں اسلام وایمان اور ہر نعمت ملی، اللہ کریم جل شانہ کی پہچان بھی انہی کے وسیلے سے ملی۔ ہمارے دین اسلام اور ایمان کے اولین مصادر ومراجع قرآن واحادیث ہیں، ہمیں مومن ومسلم نام انہی سے ملا۔ اصحاب نبوی اور اہل بیت نبوت، تابعین، تبع تابعین انہی ناموں سے موسوم ہوئے۔

ہمارے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنت و جماعت کو لازم پکڑے رہنے اور سواد اعظم کی پیروی و اتباع کا حکم دیا اور واضح ارشادات سے ابدی حقیقت نمایاں کر کے ہماری راہ نجات متعین فرمادی۔ نجات کا مدار صحیح عقائد ہیں اور عقائد قطعیہ اجماعیہ میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی اتباع و پیروی لازم ہے۔

اہل سنت و جماعت ان تمام افراد کو کہا جاتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقے پر کاربند ہیں۔ وجہ تسمیہ نام سے ظاہر ہے، سنت پر چلنے والے اور جماعت کہنے کی وجہ یہ کہ وہ لوگ حق پر جمع ہوئے اور تفرقات میں نہیں پڑے۔ مصلحین امت نے ہر دور میں ملت اسلامیہ کو افتراق سے بچانے کی کوشش کی ہے، اسی کوشش کو مسلک حق اہل سنت و جماعت کہا گیا، عملی طور پر اصحاب نبوی، اہل بیت نبوت، تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین، اولیائے کاملین سب اسی پر کاربند رہے۔

جو مسلمان اعتقاداً ماتریدی یا اشعری اور فقہی طور پر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، مقلد ہے اور کسی صحیح سلسلہ طریقت، قادری، چشتی، نقش بندی، سہروردی، شاذلی، رفاعی (وغیر) سے وابستہ ہے، وہ اہل سنت و جماعت (ایک لفظ میں "سنی") ہے، (وصحیح عقیدے والے سنی جو مقلد نہیں یا سلسلہ طریقت سے وابستہ نہیں، وبھی سواد اعظم میں شامل ہیں۔) ابتدا ہی سے ہر عہد میں اہل سنت و جماعت سواد اعظم بڑی تعداد میں رہے ہیں مگر پیمانہ کثرت وقلت نہیں بلکہ اتباع حق ہے۔

اہل سنت و جماعت کا لقب یا اصطلاح قرون ثلاثہ کے بعد کا من گھڑت نہیں ہے، بلکہ یہ جملہ فرقِ مبتدعہ سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ظاھری عہد مبارک سے صحیح العقیدہ اہل حق مسلمانوں کے لیے استعمال ہوتا آرہا ہے۔ چناں چہ حضرت سیّدنا امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے۔ (الترغیب:963، القول البدیع 52، فضائل اعمال 688)۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادٍ الْأَفْرِيقِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بنى اسرائيل حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بنى اسرائيل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔تحقیق بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، ملت واحد کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، وملت واحد کون ہوں گے؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔

(ترمذی:2461، ابن ماجہ:3992، ابوداود:4597، مشکوۃ:171)

امام ملا علی قاری فرماتے ہیں: ما انا علیہ واصحابی کے مصداق بلا شک اہل سنت و جماعت ہی ہیں اور کہا گیا ہے کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ اہل جنت وہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریقے پر ہیں اعتقاداً، قولاً، فعلاً۔ اس لیے کہ یہ بات بالا جماع معروف ہے کہ علمائے اسلام نے جس بات پر اجماع کرلیا وحق ہے اور اس کا ماسوا باطل ہے۔

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ان الله لا يجمع أمتي أو قال: أمة محمد على ضلالة ويد الله على الجماعة ومن شذ شذ في النار ". رواه الترمذي وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اتبعوا السواد الأعظم فانه من شذ شذفي النار . رواه ابن

ماجه من حديث أنس

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایات ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالی امت محمدی کو گم راہی پر جمع نہیں فرمائے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور سواد اعظم کی پے روی کرو اور جو شخص (جماعت سے اعتقادا یا قولا یا فعلا) الگ ہوا وہ آگ میں الگ ہوا۔ اس کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے اہل جنت اصحاب سے الگ ہوا وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔

(ترمذی:2167، کنز العمال:1029، 1030، مشکوۃ:173، 174)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من فارق الجماعة شبرا فمات، الا مات ميتة جاهلية (بخاری:7054) جو جماعت (اہل سنت) سے بالشت بھر بھی الگ ہوا، پھر اسی حال میں مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

مخالفین اہل سنت کے علامہ ابن تیمیہ نے "يوم تبيض وجو وتسود وجو "(القران) کی تفسیر میں لکھا ہے: قال ابن عباس وغير تبيض وجو اهل السنة والجماعة وتسود وجو اهل البدعة والفرقة۔ (مجموع الفتاوی 278/3) اور پھر لکھا کہ امت کے تمام فرقوں میں اہل سنت اس طرح وسط اور درمیانے ہیں جیسے تمام امتوں میں امت مسلمہ۔ کما في قوله تعالى وكذلك جعلناكم أمة وسطا (البقرہ:143)

(مجموع الفتاوی 370/3) اور لکھا فان الفرقة الناجية اہل السنۃ والجماعۃ۔ (141/3)

(تفسیر ابن جریر میں آیت قرآنی "واعتصموا بحبل الله جميعا "کے تحت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا" قال الجماعۃ "اور دوسری سند سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے اسی آیت کے تحت لکھا "قال حبل الله الجماعة" ابن جریر لکھتے ہیں (ولا تفرقوا عن دين الله) عليكم بالطاعة والجماعة اهل السنة والجماعة۔) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے (يوم تبيض وجو وتسود وجو) یعنی يوم القيامة حين تبيض وجو اهل السنة والجماعة وتسود وجو اهل البدعة والفرقة (390/1)

وَأخرج ابْن أبي حَاتِم وَأَبُو نصر فِي الْإِبَانَة والخطيب فِي تَارِيخه واللالكائي فِي السّنة عَن ابْن عَبَّاس فِي هَذِه الْآيَة قَالَ (تبيض وُجُوه وَتسود وُجُوه) قَالَ تبيض وُجُوه أهل السّنة وَالْجَمَاعَة وَتسود وُجُوه أهل الْبدع والضلالة وَأخرج الْخَطِيب فِي رُوَاة مَالك والديلمي عَن ابْن عمر عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي قَوْله تَعَالَى (يَوْم تبيض وُجُوه وَتسود وُجُوه) قَالَ: تبيض وُجُوه أهل السّنة وَتسود وُجُوه أهل الْبدع. وَأخرج أَبُو نصر السجزي فِي الْإِبَانَة عَن أبي سعيد الْخُدْرِيّ أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَرَأَ (يَوْم تبيض وُجُوه وَتسود وُجُوه)

قَالَ: تبیض وُجُوہ اھل الْجَمَاعَات وَالسّنة وَتسود وُجُوہ اھل الْبدع والأھواء،

(دیلمی مسند الفردوس:8986، کنز العمال: 2637، تاریخ بغداد:3908، تفسیر مظھری1/116، السنة:74)

اورابن ابی حاتم اورابونصر نے ابانہ میں اورخطیب نے اپنی تاریخ میں اورالالال کائی نے السنۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی اس آیت "یوم تبیض وجو وتسود وجو" (آل عمران:106) کے بارے میں، فرمایا کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیا، ابن عباس نے فرمایا اھل سنت و جماعت کے چہرے سفید اور اھل باطل کے چہرے سیا ہوں گے اور دیلمی نے ابن عمر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی یونہی تفسیر فرمائی اور ابونصر سجزی نے اُبانہ میں ابوسعید خدری سے روایت کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا اہل سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اھل باطل کے چہرے سیا ہوں گے۔ (الدرالمنثور:2/63)

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہی ہیں۔ مومن کے لیے لازم ہے سنت اور جماعت کی اتباع کرے پس سنت وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہو اور جماعت وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ خلفاے راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم اجمعین کے دَورخلافت میں اصحاب نبوی نے اتفاق کیا۔ (غنیۃ الطالبین192)

محی الدین، معین الدین، شہاب الدین، بہاوء الدین، قطب الدین، فرید الدین، نظام الدین، علاوء الدین، نصیر الدین، حمید الدین، جلال الدین، مصلح الدین، حسام الدین، صلاح الدین، نور الدین، منیر الدین، شریف الدین، سدید الدین، شرف الدین، تاج الدین، اوحد الدین، امین الدین، کریم الدین، سیف الدین، شمس الدین، سبھی اہل سنت و جماعت ہوے، ولایت بلاشبہ اللہ تعالی کا انعام ہے اور انعام دوستوں پیاروں ہی کو دیا جاتا ھے۔ اہل سنت و جماعت کے اہل حق ہونے کی یہ واضح دلیل ہے۔

گزشتہ صدی میں وہ لوگ جو صحیح العقید اہل سنت و جماعت نہیں تھے مگر انہوں نے خود کو اھل سنت و جماعت کہلانا چاہا تو اہل حق اہل سنت و جماعت کی پہچان واضح کرنے کے لیے سنی کے ساتھ بریلوی کا لقب پکارا جانے لگا، چودھویں صدی میں مجدد اعظم امام اہل سنت اعلی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غیروں کی سازشوں کو پنپ نے نہیں دیا اور کمال جرائت و استقامت سے مسلک حق اہل سنت و جماعت کی ترجمانی کا حق ادا کیا اس لیے ان کی نسبت سے بریلوی کا لقب آج اہل سنت و جماعت کی پہچان اور ہر سچے سنی کی صداقت کا عنوان ہے۔

(اہل سنت و جماعت کون ہیں، علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی)

اہل سنت اور صحابہ کرام کے زمانے کا بیان

ابن تیمیہ رقم فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا یہ معروف مذھب ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی

رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت سے بہت پہلے کا ہے۔ اور یہی مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے جس کی تعلیم انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی جو لوگ اس کے خلاف دوسری راہ اپنائیں گے ان کا شمار اہل بدعت میں ہوگا۔ (منہاج السنہ)

جماعت سے مراد صحابہ کرام اور تا قیامت آنے وہ تمام لوگ جو اچھا طریقہ اپناتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلیں گے اور یہی جماعت ناجیہ ہے، جو بھی ان کی روش اپناتا ہے وہ جماعت میں سے ہے۔

اہل سنت و جماعت کون

امام شہرستانی الملل والنحل میں فرماتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں کہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔ (الاعراف:181) اور خبر دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: (عنقریب میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، اس میں نجات یافتہ فرقہ صرف ایک ہوگا اور باقی ہلاک ہوں گے) پوچھا گیا: اور نجات یافتہ کونسا ہوگا؟ فرمایا: (اہل السنت و جماعت)، پوچھا گیا: اور سنّت اور جماعت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: (جس طریقہ پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں) اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے: (میری امت میں سے ایک گروہ حق پر قائم رہے گا حتی کہ قیامت قائم ہو جائے گی) اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے: (نہیں جمع ہوگی میری امت گمراہی پر)۔
(الملل والنحل: 13/1)

وضاحت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے امتیو! میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان پر مضبوطی سے قائم رہو گے تو گمراہ نہیں ہوگے اللہ کی کتاب اور میری سنت (موطاص 702) قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور کامل کتاب ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے اور لفظی الہام یا وحی متلو ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب پر خود اللہ تعالیٰ کے سمجھانے سے اللہ تعالیٰ کی زیر نگرانی عمل کر کے جو عملی نمونہ پیش فرمایا اس کو سنت کہتے ہیں اس سے اہل سنت کا معنی بھی سمجھ آ گیا کہ جو لوگ قرآن پاک پر اپنی خود رائی سے نہیں بلکہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے کو سامنے رکھ کر عمل کرتے ہیں وہ اہل سنت کہلاتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ قرآن کے ہوں اور نمونہ عمل حضور کا ہو یہی سنت ہے۔

اہلسنّت و جماعت: تین لفظوں سے مرکب ہے: اہل کے معنی اشخاص، مقلدین، اتباع اور پیرو کے یہاں ہیں، "سنّت" عربی میں راستہ کو کہتے ہیں اور مجازاً اصول مقررہ، روش، زندگی اور طرز عمل کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے، جیسا کہ یہ لفظ متعدد دفعہ انہی معنوں میں آیا ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوا مِن قَبلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبدِيلًا (62:33)

جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی خدا کی یہی عادت رہی ہے۔ اور تم خدا کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے:

اسی طرح احادیث میں جو سنّت کا لفظ آتا ہے، اس کے معنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول مقررہ اور طرزِ عمل ہے. اسی لئے اصطلاح دینی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی اور طریقہ عمل کو "سنت" کہتے ہیں؛ "جماعت" کے لغوی معنی تو گروہ کے ہیں، لیکن یہاں جماعت سے مرد "جماعت صحابہ "رضی اللہ عنہم ہے. اس لفظی تحقیق سے اہل سنت و جماعت کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے. یعنی یہ کہ اس فرقہ کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے، جن کے اعتقادات، اعمال ومسائل کا محور پیغمبر علیہ السلام کی سنّت صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر مبارک ہے، یا یوں کہیے کہ جنہوں نے اپنے عقائد اور اصول حیات، عبادات واخلاق میں اس راہ کو پسند کیا جس پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ چلتے رہے، اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ اس پر چل کر منزل مقصود کو پہنچے۔

اختلاف کا حل: نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنّت اور خلفاء راشدین کی سنّت:

حضرت عرباض بن ساریہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں ایک بلیغ اور نصیحت بھرا وعظ فرمایا کہ جسے سن کر آنکھیں بہنے لگے اور قلوب اس سے ڈر گئے تو ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا کہ یہ رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے۔ تو آپ ہمارے لیے کیا مقرر فرماتے ہیں فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور سننے کی اور ماننے کی اگر چہ ایک حبشی غلام تمہارا امیر ہو پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو عنقریب وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین میں جو ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو پکڑے رہو اور اسے نواجذ (ڈاڑھوں) سے محفوظ پکڑ کر رکھو اور دین میں نئے امور نکالنے سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر ۱۲۱۹، سنت کا بیان: سنت کو لازم پکڑنے کا بیان)

تشریح وتوضیح:

حافظ ابن رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) نے تحریر فرمایا: سنّت "اس راہ کا نام ہے جس راہ پر چلا جائے، اور یہ اس (راہ کا) تمسک (مظبوط پکڑنا) ہے جس پر وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے "خلفاء راشدین عامل تھے، (عام اس سے کہ) وہ (باتیں) اعتقادات ہوں یا اعمال واقوال، اور یہی سنّت کاملہ ہے. (جامع العلوم والحکم: ۱/۱۹۱)

شاہ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۰۵۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس چیز کے بارے میں حضرات خلفاء راشدین نے حکم دیا ہے، اگر چہ وہ ان کے قیاس واجتہاد سے صادر ہوا ہو، وہ بھی سنّت کے موافق ہے اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ گمراہ فرقہ کرتا ہے. (اشعۃ اللمعات: ۱/۱۳۰)

شیخ عبدالقادر جیلانی (حنبلی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ہر مومن کو سنت اور جماعت (اہل السنّت و جماعت) کی پیروی کرنا واجب ہے، سنّت اس طریقے کو کہتے ہیں جس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) چلتے "رہے "اور جماعت اسے کہتے ہیں جس

پر چاروں خلفاء راشدین نے اپنے خلافت کے زمانے میں "اتفاق (اجماع)" کیا، یہ لوگ سیدھی راہ دکھانے-والے تھے، کیوں کہ انھیں سیدھی راہ دکھائی گئی تھی"۔ (غنیۃ الطالبین: صفحہ # ۱۸۵)

ہدایت-یافتہ خلفاء کی سنت

۱) حضرت عمر کے مشورے سے حضرت ابوبکر کا حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کو حکم دیکر قرآن مجید کا جمع کرنا اور اس کی سورتوں کو (موجودہ ترتیب کے ساتھ) مرتب کرنا،

۲) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا "پورا" رمضان "مسجد" میں ۲۰ رکعت تراویح کی جماعت "ایک امام" کی اقتدا میں جاری کرانا، ایک مجلس میں دی گئی طلاق بتہ (جس کا مانا ایک یا تین ہیں) کو تین (۳) قرار دینا۔

۳) حضرت عثمان کا نماز جمعہ کے واسطے پہلی اذاں مقرر کرنا جو آج بھی مکہ و مدینہ بلکہ دنیا کی لاکھوں مسجدوں میں ہوتی ہے۔

۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس امت کے قاضی یعنی جج) کا (اور بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا) ان سے پہلے کے خلفاء کے اجتہادی فیصلوں اور طریقوں پر اتفاق کرتے جاری وساری رکھنا یعنی ان فیصلوں پر ان کا اتفاق واجماع قائم رہنا۔ جس پر چاروں (۴) ائمہ کرام رحمہم اللہ کا بھی اتفاق واجماع ہے۔

حدیث کی کتابوں کو لکھنا۔ وغیرہ

الجماعت:

اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں نمبر۔ صحابہ کی جماعت نمبر۔ سنت کے ماہر تو ان معنی کو سامنے رکھتے ہوے اہل سنت و جماعت کا معنی ہوگا کہ ایسی جماعت جو سنت پر عمل کرتی ہے اور صحابہ سے پوچھ پوچھ کر کرتی ہے۔ اسلئے کہ صحابہ ہی وہ جماعت ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمل لیا اور اسے اسی طرح کیا جس طرح سے حضور نے کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرو لیکن صحابہ سے پوچھ کر۔ کیوں: حضرت امام ابوداود نے اصول ذکر کیا ہے (باب لحم الصید للمحرم میں اور باب من لا یقطع الصلوٰۃ شیء) کتاب میں فرمایا (اذا تنازع الخبر ان عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نظر الیٰ ما عمل اصحابہ بعدہ)

اور امام بخاری اپنے ذوق کے مطابق اصول بیان کرتے ہیں، پر باب باندھا (انما جعل الامام لیو تم)

اور آگے دو قسم کی احادیث لائے ہیں۔ نمبر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی نمبر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ کو کہا کہ تم کھڑے ہو کر پڑھو۔

امام بخاری نے اپنے استاد سے اصول ذکر کیا کہ امام حمیدی نے ذکر فرمایا کہ ہم دیکھیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

آخری عمل کیا تھا تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کو لے لیں گے۔

اہل السنّت والجماعت کا مطلب

سنت: سے مراد ہے قانونِ شریعت

جماعت: سے مراد ہے ماہرینِ قانونِ شریعت

اہلِ السنّت وجماعت: تو اہلِ السنّت وجماعت کا مطلب یہ ہوا کہ ایسی جماعت جو سنت پر عمل کرے ماہرین قانونِ شریعت سے پوچھ کر۔ اور جو شخص اپنی رائے پر عمل کرے یا قانون شریعت پر عمل ہی نہ کرے وہ اہل بدعت ہے۔

ماہرینِ قانونِ شریعت کون ہیں

خلفائے راشدین۔ صحابہ کرام۔ مجتہدین

آخری اور پہلا عمل صحابی بتائے گا۔ لہٰذا ہم کسی بھی عمل کے بارے میں پہلے صحابی سے پوچھیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل کے بارے میں دو احادیث ہیں تو آخری عمل کونسا ہے۔

اہل سنت وجماعت کے امتیازی تشخصات کا سبب

اسلام کے جو بنیادی عقائد ہیں وہی دراصل اہلسنّت و جماعت کے بنیادی عقائد ہیں، پھر جیسے جیسے حالات بدلتے رہے، نت نئے فرقے پیدا ہوتے رہے، علمائے اہلسنّت ان کا رد کرتے رہے۔ اہلسنّت و جماعت اسلام کے بنیادی عقائد اور ضروریات دین پر ہمیشہ کاربند رہے۔ لیکن حالات کے مدوجزر اور نت نئے فرقوں کے پیش نظر ان کے امتیازی وتشخصات بدلتے رہے۔ موسوعۃ للادیان والمذاہب میں اہلسنّت وجماعت کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔

اهل السنة والجماعة هم المتمسكون سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم التاركون بدع المبتدعين بعده، الثابتون مع اهل الجماعة، فاصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم هم الجماعة الذين قال فيهم صلى الله عليه وسلم (ما انا عليه واصحابى عليه اليوم)

یعنی اہل سنت و جماعت وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا رہے، بدمذہبوں کی گمراہیوں سے کنارہ کش رہے اور جماعت سے وابستہ رہے اور جماعت سے مراد صحابہ کرام ہیں جن کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انا علیہ واصحابی۔

اہلسنّت وجماعت کا لفظ اگرچہ احادیث سے ماخوذ ہے لیکن بدمذہبوں کے مقابلے میں یہ اصطلاح عہد صحابہ کے بعد شروع ہوئی، بعد میں اسلامی افکار ونظریات کے دو مکاتب فکر وجود میں آئے، اشاعرہ اور ماتریدیہ لیکن دونوں فروعی اختلافات کے باوجود اصول میں متفق تھے۔ اس لئے دونوں اہل حق اور اہلسنّت و جماعت کے نام سے موسوم رہے۔ عہد تابعین میں احادیث کے رد وقبول میں بھی اہلسنّت وجماعت اور بدمذہبوں کے درمیان فرق کیا جاتا تھا۔ حضرت امام مسلم اپنی

صحیح کے مقدمے میں امام محمد بن سیرین تابعی سے باسنادخود روایت کرتے ہیں۔
پہلے اسناد کے تعلق سے تفتیش نہیں ہوتی تھی، لیکن جب فتنہ برپا ہوا تو روایت کرتے وقت کہتے اپنے راویوں کے بارے میں بتاؤ تو اگر اہلسنّت و جماعت دیکھتے تو قبول کر لیتے اور بدمذہب دیکھتے تو رد کردیتے۔
(مقدمہ صحیح مسلم مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۱۱)

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اہلسنّت و جماعت کی شناخت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ نے فرمایا:

تفضيل الشيخين و حب الختين و مسح الخفين

یعنی حضرات امیر المومنین ابوبکر صدیق اور امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ سے بزرگ جاننا، امیر المومنین عثمان غنی اور امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کرنا۔ مسلک حنفی یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے سے بہتر پیروں کا دھونا ہے لیکن جب بدمذہبوں نے سختی کے ساتھ انکار کیا تو مسح کرنا اہلسنّت و جماعت کی علامت اور دیگر جماعتوں کے مقابلے میں یہ مسئلہ اہلسنّت و جماعت کے لئے وجہ امتیاز بن گیا۔ واضح رہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہلسنّت و جماعت کی جو علامت بتائی یہ کوفے کے حالات کے پیش نظر تھی، کیونکہ اس وقت وہاں رافضیوں کی کثرت تھی، اس لئے وہی علامتیں بیان فرمائیں جن سے ان کا رد ہو، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اہلسنّت و جماعت ہونے کے لئے یہی علامتیں کافی ہیں، علامت شے میں پائی جاتی ہے، شے لازم علامت نہیں ہوتی۔
ماضی قریب کے عظیم محقق و مفسر صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادعلیہ الرحمہ نے اہلسنّت و جماعت کی جو تعریف رقم فرمائی ہے، وہ عہد حاضر میں اپنے میزان پر ہے۔
سنی وہ ہے جو ماانا علیہ واصحابی کا مصداق ہو، یہ وہ لوگ ہیں جو خلفائے راشدین وائمہ دین، مسلم مشائخ طریقت اور متاخر علمائے کرام میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملک العلماء حضرت بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی، حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، حضرت مفتی ارشاد حسین رام پوری اور حضرت مفتی شاہ احمد رضا بریلوی کے مسلک پر ہوں (رحمہم اللہ تعالیٰ (الفقیہ، امرت سر 21 اگست 1925 ص 9)
اسی طرح مکہ مکرمہ کے قاضی القضاۃ حضرت شیخ سید محمد علوی مالکی قدس سرہ فرماتے ہیں: نحن نعرفه بتصنيفانه وتاليفاته حبه علامة السنة وبغضه علامة البدعة یعنی امام احمد رضا بریلوی سے ان کی تصنیفات و تالیفات کے مطالعہ کے ذریعہ ہم لوگ اچھی طرح واقف ہیں کہ ان کی محبت سنت کی علامت اور ان سے بغض بدعت کی علامت ہے۔
(دبستان رضا ص 148)

اہل السنّت و جماعت کے 35 عقائد

امام ابومحمد عبدالرحمن بن حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی 327 ہجری) نے فرمایا کہ: میں نے اپنے والد (ابوحاتم الرازی)

اور ابو زرعہ (الرازی) رحمہا اللہ سے اصول دین میں مذاہب اہل سنت کے بارے میں پوچھا اور یہ کہ انہوں نے تمام شہروں میں علماء کو کس عقیدے پر پایا اور آپ دونوں کا کیا عقیدہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہم نے حجاز، عراق، مصر، شام اور یمن کے تمام شہروں میں علماء کو اس (درج ذیل) مذہب پر پایا کہ:

بے شک ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

قرآن ہر لحاظ سے اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے بہتر ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان اور پھر علی ابن طالب رضی اللہ عنہم اور یہی خلفاء راشدین مھدیین ہیں۔

عشرہ مبشرہ جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے وہ ہمارے نزدیک جنتی ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ علیہ وسلم) کی بات حق ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کے بارے میں رحمت کی دعا مانگنی چاہیے اور ان کے درمیان جو اختلافات تھے ان کے بارے میں سکوت (خاموشی) اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر (بغیر سوال کیفیت مستوی) ہے، اپنی مخلوق سے (بلحاظ ذات) جدا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بیان فرمایا ہے، اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ آخرت میں نظر آئے گا، جنتی لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے (اسی کا) کلام ہے جیسے چاہے اور جب چاہے۔

جنت حق ہے، جہنم حق ہے اور یہ دونوں مخلوق ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی، اللہ کے دوستوں کے لئے جنت کا بدلہ ہے اور اس کے نافرمانوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے سوائے ان کے جن پر وہ (اللہ) رحم فرمائے۔

پل صراط حق ہے۔

میزان (ترازو) کے دو پلڑے ہیں جن میں بندوں کے اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض کوثر حق ہے اور شفاعت حق ہے۔

اہل توحید (مسلمانوں) میں سے (بعض) لوگوں کا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) شفاعت کے ذریعے (جہنم کی) آگ سے نکلنا حق ہے۔

عذاب قبر حق ہے۔

منکر ونکیر (قبر میں سوال وجواب والے فرشتے) حق ہیں۔
کراماً کاتبین (اعمال لکھنے والے فرشتے) حق ہیں۔
موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔
کبیرہ گناہ کرنے والوں کا معاملہ اللہ کی مشیت (اور ارادے) پر ہے (چاہے تو عذاب دے چاہے تو بخش دے) ہم اہل قبلہ (مسلمانوں) کے گناہوں کی وجہ سے ان کی تکفیر نہیں کرتے، ہم ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔
ہر زمانے (اور علاقے) میں ہم مسلمان حکمرانوں کے ساتھ جہاد اور حج کی فرضیت پر عمل پیرا ہیں۔
ہم مسلمان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے قائل نہیں ہیں اور نہ فتنے (کے دور) میں (ایک دوسرے سے) قتال کے قائل ہیں۔

اللہ نے جسے ہمارا حاکم بنایا ہے، ہم اس کی سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں اور اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے۔
ہم اہل سنت و جماعت (کے اجماع) کی پیروی کرتے ہیں اور شذوذ، اختلاف اور فرقہ بازی سے اجتناب کرتے ہیں۔
جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (نبی ورسول بنا کر) مبعوث فرمایا ہے، مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ملکر (کافروں کے خلاف) جہاد جاری رہے گا اسے کوئی چیز باطل نہیں کرے گی (یعنی جہاد ہمیشہ جاری رہے گا)۔
اور یہی معاملہ حج کا (بھی) ہے۔

مسلمان حکمرانوں کے پاس جانوروں (اور دیگر اموال) کے صدقات (زکوۃ،عشر) جمع کرائے جائیں گے۔
لوگ اپنے احکامات اور وراثت میں مومن ہیں، اور اللہ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے معلوم نہیں، جو شخص اپنے بارے میں کہتا ہے کہ وہ یقیناً مومن ہے تو وہ شخص یقینی بدعتی ہے، اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں (بھی) مومن ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ہے، اور جو کہتا ہے کہ: میں اللہ کے ساتھ مومن (یعنی اللہ پر ایمان رکھتا) ہوں تو یہ شخص (صحیح اور) مصیب ہے۔

مرجئہ (فرقے کے لوگ) بدعتی گمراہ ہیں۔

قدریہ (تقدیر کا انکار کرنے والے) بدعتی گمراہ ہیں اور ان میں سے جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کے ہونے سے پہلے اس کا علم نہیں رکھتا تو ایسا شخص کافر ہے۔

جہمیہ کفار ہیں۔

رافضیوں (شیعوں) نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔

خوارج (دین سے) نکلے ہوئے ہیں۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہے، ملت (اسلامیہ) سے خارج ہے۔ اور جو شخص سوجھ بوجھ (اور اقامت

وجت) کے باوجود اس شخص کے کفر میں شک کرے تو وہ (بھی) کافر ہے۔

جو شخص اللہ کے کلام کے بارے میں شک کرتے ہوئے توقف کرے اور کہے کہ: مجھے پتہ نہیں کہ (قرآن) مخلوق ہے یا غیر مخلوق تو ایسا شخص جہمی (فرقے سے تعلق رکھتا) ہے۔

جو جاہل شخص قرآن کے بارے میں توقف کرے تو اسے سمجھایا جائے گا۔

جو شخص لفظی بالقرآن (میرے الفاظ جن سے میں قرآن پڑھتا ہوں) یا القرآن بلفظی (قرآن میرے الفاظ کے ساتھ) مخلوق کہے تو وہ جہمی (گمراہ) ہے۔

امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: اہل بدعت کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل اثر پر حملہ کرتے ہیں۔ زنادقہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو حشویہ کہتے ہیں، ان کا اس سے مقصد احادیث کا انکار ہوتا ہے۔ جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مشبہ کہتے ہیں۔ قدریہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مجبرہ کہتے ہیں۔ مرجئہ کی (ایک) علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مخالفہ اور نقصانیہ کہتے ہیں۔ رافضہ (شیعوں) کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل سنت کو ثانیہ (نابتہ، ناصبیہ یعنی علی رضی اللہ عنہ کا دشمن) کہتے ہیں۔ ان تمام برے ناموں کی بنیاد (بدعات پر) تعصب اور معصیت ہے، اہل سنت کا ایک ہی نام ہے اور یہ محال ہے کہ ان کے بہت سے (خود ساختہ) نام اکٹھے ہو جائیں۔

ابو حاتم اور ابو زرعہ دونوں گمراہوں اور بدعتیوں سے ہجر (لاتعلقی) کرتے تھے اور ان (غلط) آراء کا شدید رد کیا کرتے تھے۔ احادیث کے بغیر رائے والی کتابیں لکھنے پر سختی سے انکار کرتے تھے، اہل کلام (منطق و فلسفے والوں) کی مجلس اور متکلمین کی کتابیں دیکھنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: صاحب کلام کبھی فلاح نہیں پاتا (الا یہ کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لے)۔

یہ مضمون امام ابو محمد عبدالرحمٰن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ کی کتاب اصل السنۃ واعتقاد الدین سے لیا گیا ہے۔ آپ کا شمار حدیث کے عظیم اماموں میں ہوتا ہے اور آپ کی ثقاہت اور بزرگی کے بارے میں اہل سنت کے تمام گروہوں کا ہر دور میں اتفاق رہا ہے، آپ نے 327 ہجری میں وفات پائی۔

امام اہل السنّت اسماعیل بن محمد الاصبہانی صلی اللہ علیہ وسلم (م ۵۳۵ھ) اہل سنت کا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ہم سر، وہ ہمیشہ سے اچھی اچھی صفات سے متصف ہے، وہ صفت سمع کے ساتھ سمیع، صفتِ بصر کے ساتھ بصیر، صفتِ علم کے ساتھ علیم اور صفتِ کلام کے ساتھ متکلم ہے، قرآنِ کریم اس کا کلام ہے، وہ پڑھے جانے، لکھے جانے، یاد کیے جانے اور سنے جانے، کسی بھی اعتبار سے مخلوق نہیں، خواہ اس کی کوئی بھی صفت لائی گئی ہو اور کسی بھی چیز کی طرف اس کی اضافت کی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، جیسا کہ خود اس کا فرمان ہے۔

(الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) (طٰہٰ) رحمان عرش پر مستوی ہے۔

وہ (اللہ تعالیٰ) ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، جیسا کہ حدیثِ نبوی (صحیح بخاری، صحیح مسلم) میں آیا ہے، اس کی بہت سی (اچھی اچھی) صفات ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم اور صحیح احادیث میں موجود ہیں، مثلاً چہرہ، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص)
ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، سوائے اس (اللہ تعالیٰ) کے چہرے کے۔
نیز فرمایا: وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ (الرحمن)
اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا۔
دو حدیثوں میں (صحیح بخاری، وغیرہ) یہ الفاظ بھی آئے ہیں:
اعوذ بوجھك ۔۔۔۔ (اے اللہ!) میں تیرے چہرے کی پناہ پکڑتا ہوں ۔۔۔
جس نے اللہ تعالیٰ کے چہرے کو مخلوقات کے چہرے سے تشبیہ دی، وہ گمراہ و کافر ہو گیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے چہرے کا انکار کر دیا، وہ بھی انکاری و کافر بن گیا، اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ بھی ہیں، جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے:
لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص) جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔
نیز فرمایا:
بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (المائدہ) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں۔
حدیثِ نبوی میں ہے: وخلق آدم بیدیه
اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)
نیز فرمانِ نبوی ہے: وکلتا یدیه یمین
اور اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ (صحیح مسلم)
اس طرح وہ صفاتِ باری تعالیٰ جو (صحیح) احادیث میں آئی ہیں مثلاً ہتھیلی، قدم، انگلی، وغیرہ کا تخیل و تصور میں کوئی صورت لائے بغیر اسی انداز سے اقرار کرنا واجب ہے جس انداز سے حدیث میں وہ بیان ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ رحمت، غضب، ارادہ، مشیت وغیرہ صفات سے بھی متصف ہے، اطاعات میں اس کا ارادہ اور رضا دونوں چیزیں ہوتی ہیں، جبکہ معاصی میں اس کا ارادہ تو ہوتا ہے، لیکن رضا نہیں، ہوتی، اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق و رازق کے نام سے مسمّٰی ہے، لیکن یہ عقیدہ نہیں رکھا جائے گا کہ خلق و رزق ازل میں تھے، (یہ عقیدہ بھی رکھا جائے گا کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے بہترین ہیں، وہ (اہل سنت) اعتقاد رکھتے ہیں کہ جنت اور جہنم دونوں ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا کی گئی ہیں، دونوں کبھی فنا نہ ہوں گی۔
تمام مومن (روزِ قیامت) اللہ تعالیٰ کو بغیر پردے کے دیکھیں گے، اللہ ان سے بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا، و

• (اہل سنت) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، اچھی بُری تقدیر، قبر کے سوال، شفاعت، حوضِ کوثر، میزان، جہنم پر رکھے گئے پل صراط اور ساری مخلوق کے اس پر سے گذرتے پر ایمان لاتے ہیں، (اہل سنت یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ) جو بھی گناہ گار مؤمن جہنم میں داخل ہوگا، اگر اس کی موت ایمان پر ہوئی ہوگی تو اسے جہنم سے نکال دیا جائے گا۔ (الحجة فی بیان المحجة)

امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن وحدیث کے علماؤ اور دین کے فقہاؤ! اللہ تم پر رحم کرے! جان لو کہ اگر تم قرآن پر حکم الٰہی کے مطابق غور وفکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول پر ایمان لانے کے بعد مومنوں پر عمل کو لازم قرار دیا ہے، نیز ان کو رضامندی کا سرٹیفکیٹ اور جنت کے حصول اور آگ سے نجات کی صورت میں بدلہ ایمان اور عملِ صالح دونوں کی موجودگی میں دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عملِ صالح کو ملایا ہے، صرف ایمان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں کیا، حتی کہ حسبِ توفیق نیک اعمال کو بھی اس کے ساتھ ملا نہ دیا، لہٰذا کسی کا ایمان مکمل تب ہی ہوگا، جب وہ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرے گا، قرآن کریم پر غور وفکر اور اس کی ورق گردانی کرنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم پر اور ہم پر رحم کرے! جان لو کہ میں قرآن کو ورق گردانی کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قریباً پچاس ایسے مقامات ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ صرف ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں کرے گا، بلکہ اس کی رحمت اور حسبِ توفیق نیک اعمال بھی ایمان کے ساتھ شامل ہوں گے۔

یہ ان لوگوں کو رد ہے جو صرف معرفت کو ایمان کہتے ہیں، نیز ان لوگوں کا بھی جو ایمان کو صرف دل کی معرفت اور زبان کا اقرار کہتے ہیں، اگر چہ عمل نہ بھی کیا جائے، ہم ایسا کہنے والوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ (الشریعۃ للآجری)

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وایّ دلیل علی انّ الاعمال داخلة فی مسمّی الایمان فوق هذا الدّلیل؟ فانّه فسّر الایمان بالاعمال، ولم یذکر التّصدیق مع العلم بانّ هذه الاعمال لا تفید مع الجحود.

اعمال کے ایمان میں داخل ہونے کی دلیل اس سے بڑی اور کیا ہوگی؟ آپ نے تو ایمان کی تفسیر ہی اعمال سے کی ہے، تصدیق کا تذکرہ ہی نہیں کیا، کیونکہ معلوم ہے کہ یہ اعمال عدمِ تصدیق کے ساتھ فائدہ مند نہیں ہوتے۔

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ)

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(الایمان بضع و سبعون او بضع و ستون شعبةً، فافضلها قول لا اله الا الله، وادناها اماطة الاذی عن الطّریق، والحیاء شعبة من الایمان)

ایمان کے ستر سے کچھ اوپر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شعبے ہیں، سب سے سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، نیز حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، واللفظ لہ)

یہ حدیث اعمال کے ایمان میں داخل ہونے کی واضح دلیل ہے، اس لیے کہ اس کے شعبہ جات دل، زبان اور اعضاء کے اعمال پر مشتمل ہے، جیسا کہ لا الہ الا اللہ کہنا زبان کا قول و عمل ہے، راستے سے موذی اشیاء کو دور کرنا اعضاء و جوارح کا عمل ہے اور حیا دل کا عمل ہے۔

حافظ بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اتفقت الصحابة و التابعون فمن بعدهم من علماء السنة على ان الاعمال من الايمان، وقالوا: ان الايمان قول و عمل وعقيدة.

صحابہ، تابعین اور بعد کے محدثین کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایمان قول و عمل اور عقیدے (دل کی تصدیق) کا نام ہے۔ (شرح السنۃ للبغوی)

امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلموا، رحمنا الله و اياكم، ان عليه علماء المسلمين ان الايمان واجب على جميع الخلق، وهو تصديق القلب و اقرار باللسان و عمل بالجوارح، ثم اعلموا انه لا تجزى المعرفة بالقلب ونطق باللسان حتّٰى يكون عمل بالجواح، فاذا كملت فيه هٰذه الخصال الثلاث كان مؤمناً، دلّ على ذٰلك القرآن و السنة، وهو قول علماء المسلمين.

اللہ تعالیٰ تم پر اور ہم پر رحم فرمائے! جان لو کہ مسلمانوں کے علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو ایمان تمام مخلوق پر واجب ہے، وہ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، پھر جان لو کہ دل کی معرفت اور زبان کا اقرار اس وقت تک فائدہ نہیں دیتا، جب تک اعضا سے عمل نہ ہو، جب یہ تینوں چیزیں جمع ہوں تو مومن بنتا ہے، اس پر قرآن و حدیث دلیل ہے، یہی علمائے اسلام کا مذہب ہے۔ (الشریعۃ للآجری)

احادیث کی روشنی میں دہشت گرد (خارجیوں) کی علامات

1- اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ. وہ کم سن لڑکے ہوں گے۔

بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیہم، 2539:6، رقم:6531 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 746:2، رقم:1066

دماغی طور پر ناپختہ ہوں گے

2- سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ. دماغی طور پر ناپختہ ہوں گے۔

بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیہم، 6:2539، رقم:6531 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2:746، رقم 1066

گھنی داڑھی رکھیں گے

3-كَثُّ اللِّحْيَةِ. گھنی ڈاڑھی رکھیں گے۔

بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث علی بن أبی طالب وخالد بن الولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع، 4:1581، رقم:4094 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، 2:742، رقم:1064

شلوار یا تہبند اونچا باندھنے والے ہوں گے

4-مُشَمَّرُ الْإِزَارِ. بہت اونچا تہ بند باندھنے والے ہوں گے۔

بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث علی ابن أبی طالب وخالد بن الولید، الی الیمن قبل حجۃ الوداع، 4:1581، رقم:4094 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، 2:742، رقم:1064

حرمین شریفین سے مشرق کی جانب سے نکلے گا

5-يَخْرُجُ نَاسٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ. یہ خارجی لوگ (حرمین شریفین سے) مشرق کی جانب سے نکلیں گے۔

(بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قراءۃ الفاجر والمنافق وأصواتہم وتلاوتہم لاتجاوز حناجرہم، 6:2748، رقم:7123)

ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا

.6 لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ.

یہ ہمیشہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔

(نسائی، السنن، کتاب تحریم الدم، باب من شہر سیفہ ثم وضعہ فی الناس، 7:119، رقم:4103)

ان کا ایمان حلق سے نیچے نہ ہوگا

7-لَا يُجَاوِزُ إِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ. ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

(بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیہم، 6:2539، رقم:6531 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2:746، رقم:1066)

عبادت کے سخت پابند اور متشدد و انتہاء پسند ہوں گے

8-يَتَعَمَّقُوْنَ وَيَتَشَدَّدُوْنَ فِي الْعِبَادَةِ. وہ عبادت اور دین میں بہت متشدد اور انتہاء پسند ہوں گے۔

(أبو یعلی، المسند، 1:90، رقم:90 عبد الرزاق، المصنف، 10:155، رقم:18673)

نماز روزے میں دوسروں کو کمتر سمجھتے ہوں گے

9 - يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ.

تم میں سے ہر ایک ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانے گا اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر جانے گا۔ (بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم، باب من ترک قتال الخوارج للتألف وأن لا ینفر الناس عنہ، 6: 2540، رقم: 6534 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتھم، 2: 744، رقم: 1064)

نماز ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گی

10 - لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ.

نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2: 748، رقم: 1066)

قرآن کی تلاوت بہت خوبصورت انداز میں کریں گے

11 - يَقْرَئُوْنَ الْقُرْآنَ لَيْسَ قِرَائَتُكُمْ إِلَى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ.

وہ قرآن مجید کی ایسے تلاوت کریں گے کہ ان کی تلاوتِ قرآن کے سامنے تمہیں اپنی تلاوت کی کوئی حیثیت دکھائی نہ دے گی۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2: 748، رقم: 1066)

تلاوت قرآن حلق سے نیچے نہ اترے گی

12. يَقْرَئُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ. ان کی تلاوت ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔

(بخاری الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیھم، 6: 2540، رقم: 6532 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وقتالھم، 2: 743، رقم: 1064)

خود فریبی میں مبتلا ہوں گے

13 - يَقْرَئُوْنَ الْقُرْآنَ يَحْسِبُوْنَ أَنَّهُ لَهُمْ، وَهُوَ عَلَيْهِمْ.

وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ اس کے احکام ان کے حق میں ہیں لیکن درحقیقت وہ قرآن ان کے خلاف حجت ہوگا۔

(مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2: 748، رقم: 1066)

لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی تبلیغ کریں گے

14 - يَدْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللهِ وَلَيْسُوا مِنْهُ فِي شَيْءٍ.

وہ لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلائیں گے لیکن قرآن کے ساتھ ان کا تعلق کوئی نہیں ہوگا۔

(أبوداود، السنن، کتاب السنۃ، باب فی قتل الخوارج، 4: 243، رقم: 4765)

ظاہری طور پر اچھی اچھی باتیں کرنے والے ہوں گے

15- يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ.

وہ (بظاہر) بڑی اچھی باتیں کریں گے۔ (بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالهم، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیهم، 6:2539، رقم: 6531 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2:746، رقم: 1066)

ان کی ظاہری باتیں دوسرے لوگوں پر اثر انداز ہوں گی

16- يَقُوْلُوْنَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ قَوْلًا.

ان کے نعرے اور ظاہری باتیں دوسرے لوگوں سے اچھی ہوں گی اور متاثر کرنے والی ہوں گی۔

(طبرانی، المعجم الاوسط، 6:186، الرقم: 6142)

وہ اصل میں کردار کے اعتبار سے ظالم و درندہ صفت ہوں گے

17- يُسِيْئُوْنَ الْفِعْلَ. مگر وہ کردار کے لحاظ سے بڑے ظالم، خونخوار اور گھناؤنے لوگ ہوں گے۔

(ابوداود، السنن، کتاب السنۃ، باب فی قتال الخوارج، 4:243، رقم: 4765)

وہ تمام مخلوق سے بدترین لوگ ہوں گے

18- هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ.

وہ تمام مخلوق سے بدترین لوگ ہوں گے۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الخوارج شر الخلق والخلیقۃ، 2:750، الرقم: 1067)

حکومت وقت کے خلاف طعنہ زنی کرنے والے ہوں گے

19- يَطْعَنُوْنَ عَلٰى أُمَرَائِهِمْ وَيَشْهَدُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالضَّلَالَةِ.

وہ حکومت وقت یا حکمرانوں کے خلاف خوب طعنہ زنی کریں گے اور ان پر گمراہی و ضلالت کا فتویٰ لگائیں گے۔

(ابن ابی عاصم، السنۃ، 2:455، رقم: 934 ہیثمی، مجمع الزوائد، 6:228، وقال: رجالہ رجال الصحیح)

اختلاف اور فرقہ واریت کے وقت وہ منظر عام پر ہوں گے

20- يَخْرُجُوْنَ عَلٰى حِيْنِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ.

وہ اس وقت منظرِ عام پر آئیں گے جب لوگوں میں تفرقہ اور اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، 3:1321، رقم: 3414 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتهم، 2:744، رقم: 1064.

وہ کفار کی بجائے مسلمانوں پر خودکش دھماکے یا قتل و غارت کریں گے

21- يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ.

وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

(بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: تعرج الملائکۃ والروح الیہ، 6:2702، رقم 6995، 2. مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، 2:741، رقم: 1064)

وہ ناحق خون بہائیں گے

22 يَسْفِكُوْنَ الدَّمَ الْحَرَامَ.

وہ ناحق خون بہائیں گے۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2:748، رقم: 1066)

23 - يَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَيَسْفِكُوْنَ الدِّمَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ مِنَ اللّٰهِ وَيَسْتَحِلُّوْنَ أَهْلَ الذِّمَّةِ . (من كلام عائشة رضى الله عنها)

وہ راہزن ہوں گے، ناحق خون بہائیں گے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا اور غیر مسلم اقلیتوں کے قتل کو حلال سمجھیں گے۔ (یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے۔) (حاکم، المستدرک، 2:166، رقم: 2657)

قرآن کی متشابہات کے سبب ہلاک ہوں گے

24 - يُؤْمِنُوْنَ بِمُحْكَمِهِ وَيَهْلِكُوْنَ عِنْدَ مُتَشَابِهِه. (قول ابن عباس رضى الله عنه)

وہ قرآن کی محکم آیات پر ایمان لائیں گے جبکہ اس کی متشابہات کے سبب سے ہلاک ہوں گے۔ (قول ابن عباس رضی اللہ عنہ)

(طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 3:181، 2. عسقلانی، فتح الباری، 12:300)

وہ زبانی کلامی حق بات جبکہ اندر سے منافق ہوں گے

25 - يَقُوْلُوْنَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ. (قول على رضى الله عنه)

وہ زبانی کلامی حق بات کہیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ (قول علی رضی اللہ عنہ)

(مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2:749، الرقم: 1066)

انبیاء و اولیاء کی تعظیم کو بتوں کے مشابہہ قرار دیں گے

26 - يَنْطَلِقُوْنَ إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَيَجْعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ . (من قول ابن عمر رضى الله عنه)

وہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مسلمانوں پر کریں گے۔ اس طرح وہ دوسرے مسلمانوں کو گمراہ، کافر اور مشرک قرار دیں گے تاکہ ان کا ناجائز قتل کر سکیں۔ (قول ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مستفاد)

(بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیہم، 6:2539)

وہ دین سے یوں خارج ہو چکے ہوں گے

27- يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.

وہ دین سے یوں خارج ہو چکے ہوں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔

(بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیہم، 2539:6، رقم: 6531 مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 746:2، رقم: 1066)

ان کو قتل (آپریشن کر کے) کرنے والے کو اجرِ عظیم ملے گا

28 - اَلْأَجْرُ الْعَظِيْمُ لِمَنْ قَتَلَهُمْ.

ان کے قتل کرنے والے کو اجرِ عظیم ملے گا۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 748:2، رقم: 1066)

وہ شخص بہترین مقتول (شہید) ہوگا جسے وہ قتل کر دیں گے

29 - خَيْرُ قَتْلَى مَنْ قَتَلُوْهُ.

وہ شخص بہترین مقتول (شہید) ہوگا جسے وہ قتل کر دیں گے۔

(ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، 226:5، رقم: 3000)

وہ آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہوں گے

30 - شَرُّ قَتْلَى تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ.

وہ آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہوں گے۔ (ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، 226:5، رقم: 3000)

خوارج جہنمی کتے ہیں

31 - اِنَّهُمْ كِلَابُ النَّارِ. بیشک وہ (خوارج) جہنم کے کتے ہوں گے۔

(ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، 226:5، رقم: 3000)

مجھے اس حدیث سے بات سمجھ آئی ہے کہ خوارج لوگوں میں تیز زبانی سے کلام کیوں کرتے ہیں بدترین مخلوق ہونے کی وجہ سے بات بات پر انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے تصرف اور ان کی شان میں بھونکنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ترمذی کی اس حدیث میں انہیں جہنمی کتے کہا گیا ہے۔ دنیا کے کتوں میں بعض ایسی نسل کے ہوتے ہیں جو ساری ساری رات بھونکتے رہتے ہیں۔ اور یہ جہنمی کتے ہیں اس لئے ساری ساری زندگی یہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام کی شان علم وتصرف واستمداد کے خلاف بھونکتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

انبیائے کرام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات کے حق ہونے کا بیان

آیَات الْاَنْبِیَاء وکرامات الْاَوْلِیَاء حق

والآیات ثَابِتَة لـلانبیاء والکرامات للاولیاء حق واما الَّتِي تکون لاعدائه مثل ابلیس وَفِرْعَوْنَ والـدجال فِیـمَا رُوِیَ الْاَخْبَار اَنـه کَانَ وَیکون لَهُم لا نسمیها آیات وَلَا کـرامـات وَلٰکِن نسمیها قَضَاء حاجاتهم وَذٰلِكَ لِاَن الله تَعَالٰی یقْضِي حاجات اعدائه استدراجا لَهُم وعقوبة لَهُم فیغترون بِهِ ویزدادون طغیانا وَکفرا وَکله جَائِز مُمکن

رُؤْیَة الله فِي الْآخِرَة

انبیائے کرام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات حق ہیں۔ البتہ خارق عادات جو امور انبیائے کرام کے دشمنوں سے صادر ہوتے ہیں جس طرح ابلیس، فرعون اور دجال وغیرہ سے جو صادر ہوتے ہیں۔ بعض کے متعلق صحیح احادیث بھی ہیں ان کو ہم نہ معجزات کہتے ہیں اور نہ ہی کرامات کہتے ہیں۔ بلکہ یوں کہے گے اللہ تعالیٰ نے ان کی حاجات کو پورا کیا کیونکہ وہ اپنے دشمنوں کی حاجات کو بھی پورا کرتا ہے جو ان کے لئے استدراج ہے۔ تاکہ انہیں وہ سزا دے جبکہ وہ لوگ اور زیادہ سرکش ہو جاتے ہیں اور کفر و سرکشی میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ممکن بھی ہے اور ہو بھی سکتا ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کی دیدار ہوگا۔

عقیدہ اور دیدار الٰہی کا بیان

اس کا دیدار بلا کیف ہے یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے۔ جس چیز کو دیکھتے ہیں اس سے کچھ فاصلہ مسافت کا ہوتا ہے نزدیک یا دور وہ دیکھنے والے سے کسی جہت میں ہوتی ہے اوپر یا نیچے رہے دائیں یا بائیں آگے یا پیچھے۔ اس کا دیکھنا ان سب باتوں سے پاک ہوگا پھر رہا یہ کہ کیونکر ہوگا یہی تو کہا جاتا ہے کہ ''کیونکر'' کو یہاں دخل نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے اس وقت بتا دیں گے۔ اس کی سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے وہ خدا نہیں اور جو خدا ہے اس تک عقل رسا نہیں اور وقت دیدار نگاہ اس کا احاطہ کرے یہ محال ہے۔

معجزہ کا لغوی مفہوم

لفظ معجزہ کا مادۂ اشتقاق: عَجِزَ، یَعْجَزُ عَجْزًا ہے، جس کے معنی: کسی چیز پر قادر نہ ہونا، کسی کام کی طاقت نہ رکھنا یا کسی اَمر سے عاجز آ جانا وغیرہ ہیں۔ محاورۂ عرب میں کہتے ہیں: عَجِزَ فُلَانٌ عَنِ الْعَمَلِ فُلاں آدمی وہ کام کرنے سے عاجز آ گیا۔ ای کبر و صار لا یستطیعه فهو عاجزٌ (المنجد:488)

یعنی اُس کام کا بجالانا مشکل بھی ہے اور وہ اُس کام کو کرنے کی اِستعداد بھی نہیں رکھتا۔۔ اُسے رُو بہ عمل لانے کی بنیادی صلاحیت اُس میں موجود نہیں، اِس لئے وہ یہ کام کرنے سے عاجز ہے۔ المفردات میں اِمام راغب اِصفہانی معجزے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

و العجز أصله التأخرعن الشيء و حصوله عند عجز الأمر أی: مؤخره . . . و صار فی التعارف اسماً للقصور عن فعل الشیء وهو ضد القدرة.

عجز کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اُس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اُس کا وقت نکل چکا ہو۔۔۔ عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ القدرۃ کی ضد ہے۔

(المفردات بذیل عجز:547)

لفظ معجزہ عجز سے بنا ہے: یعنی عاجز کرنا

ایسے ہی عجوز۔ اس مرد اور عورت کو کہتے ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے امور کرنے سے عاجز ہوں۔ لغوی معنیٰ جیسا کہ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(1) قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل هذا الغراب: بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا۔ (کوے جیسا بننے میں عاجز رہ گیا) (القرآن)

(2) واعلمو انکم غیر معجزی الله ۔ یاد رکھو کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔ (القرآن)

(3) قالت یویلتی و ا لد انا عجوز و بعلی شیخا ۔ بولی ہائے خرابی کیا میرے بچہ ہوگا اور میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے۔ (القرآن)

(4) ان ماتوعدون لات وماانتم بمعجزین ۔ بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے۔ (القرآن)

(5) والذین سعوا فی ایتنا معجزین ۔ اور جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ہار جیت کے ارادہ سے۔ (القرآن)

(6) ومن لا یجب داعی الله فلیس بمعجز فی الارض ۔ اور جو اللہ کے منادی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل جانے والا نہیں۔ (القرآن) اصطلاحی معنیٰ: وہ کام جو انسانی طاقت سے باہر ہو وہ انہونی بات نبی سے ظاہر ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات جدید۔ 641)

معجزہ کا اِصطلاحی مفہوم

مختلف اَدوار میں اَربابِ علم وفن نے معجزہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ چند اہم تعریفات یہ ہیں:

1۔ أمر خارق العادة يعجز البشر عن أن يأتوا بمثله.(المنجد:488)
معجزہ اُس خارق العادت چیز کو کہتے ہیں جس کی مثل لانے سے فردِ بشر عاجز آ جائے۔
2۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
اعلم انّ معنٰی تسميتنا ماجاءت به الأنبياء معجزة هو أن الخلق عجزوا عن الاتيان بمثلها.(الشفاء، 349:1)
یہ بات بخوبی جان لینی چاہئے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اُسے ہم نے معجزے کا نام اِس لئے دیا ہے کہ مخلوق اُس کی مثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔
3۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ معجزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
المعجزة مع التحدّی من النبی قائمة مقام قول الله عزّوجلّ: صَدَقَ عَبْدِیْ فَأَطِيْعُوْه وَ اتَّبِعُوْه و لأن معجز النبی شاهدٌ علٰی صدقه فيما يقوله و سُمِّيت المعجزةُ معجزةً لأن الخلق عجزوا عن الاتيان بمثلها.(تفسیر الخازن، 124:2)
معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کی طرف سے (جملہ اِنسانوں کے لئے) ایک چیلنج ہوتا ہے اور باری تعالیٰ کے اِس فرمان کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، پس تم اُس کی (کامل) اِطاعت اور پیروی کرو۔ اِس لئے کہ نبی و رسول کا معجزہ جو کچھ اُس نے فرمایا ہوتا ہے اُس کی حقانیت اور صداقت پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اُسے (عرفاً و شرعاً) معجزہ کا نام اِس لئے دیا گیا ہے کہ اُس کی مثل (نظیر) لانے سے مخلوقِ اِنسانی عاجز ہوتی ہے۔
4 —المعجزة عبارةٌ عن اظهار قدرة الله سبحانه و تعالیٰ و حكمته علٰی يد نبی مرسل بين اُمّته بحيث يعجز أهل عصره عن ايراد مثلها.(معارج النبوۃ، 377:4)
معجزہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اُس کے برگزیدہ نبی کے دستِ مبارک پر اِظہار ہے تاکہ وہ اپنی اُمت اور اہلِ زمانہ کو اُس کی مثل لانے سے عاجز کر دے۔
5۔ ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معجزہ کی بڑی جامع تعریف کی ہے، فرماتے ہیں:
حد المعجزة أن يظهر عقيب السوال و الدّعوىٰ ناقضاً للعادةمن غير استحالة بجميع الوجوه و يعجز الناس عن اتيان مثله بعد التجهد و الاجتهاد إذا كان بهم حذاقة و رزانة فی مثل تلك الصنيعة.(کتاب التمہید فی بیان التوحید از ابوشکور: 71)
معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ سوال اور دعویٰ کے بعد (اللہ کے رسول اور نبی کے ہاتھ پر) کوئی ایسی خارقِ عادت چیز ظاہر ہو جو ہر حیثیت سے مُحال نہ ہو اور لوگ باوجود کوشش اور تدبیر کے اُس قسم کے معاملات میں پوری فہم و

بصیرت رکھتے ہوئے بھی اُس کے مقابلے سے عاجز ہوں۔ مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ

معجزہ من جانبِ اللہ ہوتا ہے لیکن اُس کا صدُور اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول کے ذریعہ ہوتا ہے۔

معجزہ مروّجہ قوانینِ فطرت اور عالمِ اَسباب کے برعکس ہوتا ہے۔

معجزہ نبی اور رسول کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی فعل ہے اور یہ عطا اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہوتی ہے۔

معجزے کا ظہور چونکہ رحمانی اور اُلوہی قوّت سے ہوتا ہے اِس لئے عقلِ اِنسانی اُس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور تصویرِ حیرت بن کر سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی حقیقت کا اِدراک نہیں کر سکتی۔

اِصطلاحِ معجزہ کی حقیقت

محدّثین، مفسّرین اور مفکّرین نے ہر ہر مسئلہ کے ہر ہر پہلو پر علم و حکمت کے موتی بکھیرے ہیں اور کمالِ عرق ریزی سے اُمور و مسائل کی گتھیاں سُلجھانے کی سعی کی ہے۔ اَربابِ علم و دانش نے اپنے محدود پیرائے میں معجزہ کے بارے میں بھی علمی، فکری اور اِعتقادی سطح پر حرفِ حق کی تلاش کا سفر جاری رکھا ہے اور تحقیق و جستجو کے محاذ پر دادِ شجاعت دی ہے۔ اِس ضمن میں بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ معجزہ کا لفظ اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ مجید میں کسی ایک مقام پر بھی اِستعمال نہیں کیا۔ اِس لئے وہ اِحتیاطاً معجزات کے بیان اور اُن کے اِثبات کے لئے قرآنی لفظ آیات کا اِستعمال کرتے ہیں۔ یہ اِستعمال یقیناً درُست ہے لیکن قرآن کا اُسلوب ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔ یہ بات ذِہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن اِصطلاحات اور مخصوص اَلفاظ کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ فقط نفسِ مضمون دیتا ہے اور اِیمانیات کے بنیادی تصوّرات سے بحث کرتا ہے۔ بعد اَزاں اہلِ علم اُسے اِصطلاحی زبان دے کر ترسیلِ مفہوم کی سعی کرتے ہیں۔ یہی حال تصوّف کا بھی ہے۔ قرآنِ مجید میں تصوف کے لئے لفظ تزکیہ اور حدیث میں اِحسان کا لفظ آیا ہے مگر جب وہ باقاعدہ علم بنا تو اُسے تصوّف کا نام دیا گیا۔ اِسی طرح دیگر اِصطلاحاتِ علوم تشکیل پذیر ہوئیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ لفظِ آیات میں لفظِ معجزہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظِ آیات میں عمومیت ہے جبکہ لفظِ معجزہ میں خصوصیت ہے۔ لفظِ معجزہ اصل فعل کے صدُور اور وُقوع کی کیفیت کو بھی بیان کرتا ہے۔ اِنسان کی ساری ظاہری اور باطنی صلاحیتیں اور قوّتیں معجزہ کے صدُور پر عاجز رہ جاتی ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید میں اِس فعل کو فقط آیات سے تعبیر نہیں کیا بلکہ متعدد دُوسرے الفاظ کے ذریعہ بھی اُس کے بنیادی تصوّر کو واضح کیا ہے۔

لفظِ آیت کا مفہوم

لفظِ آیت کا معنی عموماً نشانی (علامت) لیا جاتا ہے، تاہم یہ لفظ تین معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے:

1۔آیت بمعنیٰ قرآن کا جملہ

خدائے بزرگ و برتر نے کفار و مُشرکین کو کھلا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُواْ مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ (یونس، 38:10)

آپ فرما دیجئے: پھر تم اُس کی مثل کوئی (ایک) سورت لے آؤ اور (اپنی مدد کے لئے) اللہ کے سوا جنہیں تم بُلا سکتے ہو بُلا لو، اگر تم سچے ہو○

قرآن کے مُنفرد اُسلوب اور غیر متزلزل اِعتماد کی نظیر ممکن ہی نہیں۔ کفار و مُشرکین اور اُن کے حواریوں کو قرآن کا کھلا چیلنج ہے کہ وہ کوئی ایک سورت یا آیت یا جملہ ہی بنا کر لائیں۔ قرآن بذاتِ خود حضور ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دائمی معجزہ ہے اور کسی معجزہ کی مثال پیش کرنے سے عقلِ اِنسانی عاجز رہتی ہے۔

2۔آیت بمعنیٰ واضح نشانی

قرآن میں آیت کا لفظ واضح نشانی کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوا ہے۔ اِمام راغب اِصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے المفردات میں لکھا ہے:

ھی العلامة الظاهرة و حقيقته لكل شيء ظاهر هو ملازم لشيء لا يظهر ظهوره.

(المفردات بذیل اُی: 101)

اِس کے معنی علامتِ ظاہرہ یعنی واضح علامت کے ہیں۔ دراصل آیۃ ہر اُس ظاہر شئے کو کہتے ہیں جو دُوسری ایسی شئے کو لازِم ہو جو اُس کی طرح ظاہر نہ ہو۔

اِس معنی کے لحاظ سے اللہ ربّ العزّت نے اِنسان کو مطالعۂ اَنفس و آفاق کی طرف قرآنِ حکیم میں یوں مخاطب کیا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ.

ہم عنقریب اُنہیں دنیا میں اور خود اُن کی ذات میں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر کھل جائیگا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔ (السجدہ، 53:41)

3۔آیت بمعنیٰ خارقِ عادت

آیت کا لفظ قرآنِ حکیم میں خارقِ عادت کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوا ہے۔ خارقِ عادت اَیسے خِلافِ معمول اَفعال و واقعات کو کہتے ہیں جو عادتِ جاریہ کے برعکس ہوں اور اَسباب و عِلل کے اِحاطہ و اِدراک میں نہ آ سکیں۔ جیسا کہ اِرشادِ ربّانی ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ لَوْلاَ يُكَلِّمُنَا اللّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ. (البقرہ، 118:2)

اور جو لوگ علم نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتا یا ہمارے پاس (براہِ راست) کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟

گویا ہمیں ایسے واقعات کیوں نہیں دکھائے جاتے جو ہماری عقل کو عاجز کر دیں اور ہم اُنہیں دیکھ کر دائرۂ ایمان میں داخل ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے براہِ راست اُن سے گفتگو کرنے کو یہ اللہ کی نشانیوں یعنی معجزات میں شمار کرتے۔ آیتِ مذکورہ میں اللہ کے نبی سے معجزہ طلب کیا جا رہا ہے۔ باری تعالیٰ سے ہمکلامی خارقِ عادت بات ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ. (المؤمن، 78:40)

اور کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی (کوئی آیت، کوئی معجزہ) اللہ کے حکم کے بغیر لے آئے۔

قرآنی اسلوب کی مزید مثالیں

خارقِ عادت واقعات کے لئے کلامِ مجید میں لفظِ آیت کے علاوہ تین الفاظ اور بھی مذکور ہیں:

1. مُبْصِرَةٌ

یہ لفظ بھی قرآن میں معجزہ کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے، یعنی اَیسی بیّن و واضح نشانی جو بذاتِ خود اِس طرح ظاہر ہو کہ اُس کے دیکھنے سے دیکھنے والے کی آنکھیں کھل جائیں اور اُس پر حقیقت اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ واضح اور روشن ہو جائے، تشکیک و شبہات کا غبار چھٹ جائے اور کسی قسم کا اِبہام باقی نہ رہے:

وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً. (بنی اسرائیل، 59:17)

اور ہم نے قومِ ثمود کو (صالح علیہ السلام کی) اُونٹنی (کی) کھلی نشانی دی تھی۔

قومِ ثمود کی فرمائش پر اُونٹنی کا ظہور ایک معجزہ تھا۔ وہ ایک ایسی اُونٹنی تھی جو اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ کاملہ کی آئینہ دار تھی۔

2. بَيِّنَةٌ

دُوسرا لفظ جو قرآن میں معجزہ کے مفہوم کی وضاحت کے لئے اِستعمال ہوا ہے بَيِّنَةٌ ہے۔ بینۃ اَیسی کھلی دلیل کو کہتے ہیں جو فریقِ مخالف کو اِنکار کی صورت میں حجت و ثبوت کے طور پر پیش کی جائے۔ اِس لحاظ سے اِس کا اِطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے۔ جب اِس لفظ کے ساتھ آیت کا لفظ بھی آ جائے تو اِس کے معنی کی مزید تائید بھی ہوتی ہے اور اِس مفہوم کو تقویت بھی عطا ہوتی ہے:

قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً. (الاعراف، 73:7)

بیشک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔

ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ. (الاسراء، 101:17)

اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں دیں۔

مذکورہ بالا دونوں آیاتِ کریمہ میں بینۃ اور آیۃ کے اَلفاظ تقدیم وتاخیر کے ساتھ اِستعمال ہوئے ہیں۔ دونوں اَلفاظ معجزہ کے مفہوم کو واضح کر رہے ہیں۔ بینۃ اور آیۃ کے اَلفاظ سے معجزہ کے علاوہ کوئی دُوسرا مفہوم اَخذ نہیں کیا جا سکتا۔

3۔ بُرهَانٌ

قرآنِ حکیم میں معجزہ کے لئے اِستعمال ہونے والا تیسرا لفظ بُرهَانٌ ہے۔ برہان ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو فریقِ مخالف کے تمام دلائل سے زیادہ وزنی اور ان پر حاوی ہو اور کسی تنازعہ کا فیصلہ کر دینے والی ہو:

اُسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِن رَّبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ○

اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بیماری وغیرہ) کے سفید (روشن ہو کر) نکل آئے گا اور خوف (کو دُور کرنے) کے لئے اپنے بازو اپنے پہلو سے ملا لیا کرو۔ (القصص، 32:28) پس یہ دو دلیلیں (یعنی دو معجزے) تمہارے ربّ کی طرف سے فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف ہیں۔ بیشک وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں○

یہاں قرآنِ حکیم میں معجزہ کے لئے لفظِ برہان اِستعمال ہوا ہے یعنی ایسی دلیل جس کے سامنے کوئی دلیل کام نہ آ سکے۔ یہ ایسی برہانِ قاطعہ تھی جس کے سامنے بنی اِسرائیل کے سارے جادُوگروں کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اُن کے طلسم کا حِصار ٹوٹ گیا، اُن کا فنِ جادوگری ناکام و لاجواب ہو گیا اور اُن کی جملہ قوّتیں بے بسی کی تصویر بن کر رہ گئیں۔

خارقِ عادت اَفعال کی اَقسام

اِس کارخانۂ قدرت میں اَن گنت دُنیائیں آباد ہیں۔ اِنسان اَشرف المخلوقات ہے لیکن اِس کائنات میں وہ تنہا ہی مخلوقِ خدا نہیں۔ خالقِ کائنات کی مخلوقات کا شمار ممکن ہی نہیں۔ نجانے اِن خلاؤں میں گردش کرنے والے اَربوں کھربوں سیاروں میں زِندگی کن اَشکال اور کن مراحل میں اِرتقاء پذیر ہے! اگر ہم صرف اِس کرۂ ارضی پر بسنے والی مخلوقات، چرند، پرند، حشرات الارض اور آبی مخلوقات کی دُنیاؤں کی سیر کو نکلیں اور اِن مخلوقات کے معمولات کا مُشاہدہ کریں تو صنّاعِ اَزل کی قوّتِ تخلیق کے تصوّر کا ہلکا سا پرتو بھی ذہنِ اِنسانی کی تنگناؤں میں سماتا نظر نہیں آتا۔ اِسی طرح اِس کرۂ ارضی پر خلافِ معمول رُونما ہونے والے واقعات کا تسلسل بھی حیطۂ شعور میں آنا ممکن نہیں، یہ سلسلہ اِس حیرت کدے میں اَزل سے جاری ہے اور اَبد تک جاری رہے گا، البتہ نبوّت کی طرح معجزات کا دروازہ بھی نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدّسہ کے بعد بند ہو چکا ہے۔

واضح رہے کہ تصرفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا کہ قیامت کے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پرچم شفاعت کے سائے تلے اولادِ آدم کو ردائے عافیت نصیب ہوگی۔

انسانی زندگی میں دو طرح کے افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ایک وہ افعال جو معمول کے مطابق انجام پاتے ہیں اور تھوڑا سا غور و فکر کرنے سے اُن کی توجیہہ ممکن ہوتی ہے۔ ہماری روز مرہ کی زندگی میں ان افعال و واقعات کی اَن گنت مثالیں پائی جاتی ہیں جیسے کسی شخص کا بیماری کی وجہ سے فوت ہو جانا۔ دُوسرے وہ افعال جو معمول سے ہٹ کر بلکہ خلافِ معمول ہوتے ہیں اور اُن کی کامل توجیہہ کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہوتی۔ اُنہیں خارقِ عادت افعال کہا جاتا ہے۔ یہ خلافِ معمول واقعات مختلف لوگوں سے مختلف شکلوں میں صادِر ہوتے ہیں۔ ان خلافِ معمول واقعات کو چار مختلف اَقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:معجزہ،اِرہاص،کرامت،اِستدراج

1۔معجزہ

جب کسی نبی اور رسول کو خلعتِ نبوت و رِسالت سے سرفراز کیا جاتا تو کفار و مشرکین دعویٰ نبوت کی صداقت کے طور پر اُس سے دلیل طلب کرتے۔ اِس پر قدرتِ خداوندی سے جو خارقِ عادت واقعہ اُس نبی یا رسول کے دستِ حق پرست سے صادِر ہوتا اُسے معجزہ کہتے ہیں۔

2۔اِرہاص

وہ خلافِ معمول واقعات یا عجائبات جن کا ظہور کسی نبی یا رسول کی وِلادتِ باسعادت کے وقت یا پیدائشِ مبارکہ سے پہلے ہوتا، اِرہاص کہلاتے ہیں۔ اُن واقعات کا رُونما ہونا اِس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پیدائش ایک غیر معمولی پیدائش ہے۔ مثلاً حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وِلادتِ پاک سے پہلے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آسمان سے ستارے سائبان کی طرح زمین پر اُتر آئے ہیں اور کعبہ کے بت سجدہ ریز ہوگئے ہیں۔ سیدۂ کائنات بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کا اِرشادِ گرامی ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت میں نے سرزمینِ مکہ سے ہزاروں میل کے بُعد پر واقع شام کے محلات دیکھے اور یہ کہ میں نے اپنے اِردگرد خوشبوئیں محسوس کیں۔ کفار و مشرکینِ مکہ چونکہ لڑکیوں کو زِندہ درگور کر دیتے تھے اِس لئے اِس ظلم کے مستقل خاتمے کی علامت کے طور پر جس سال سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی، اُس سال شہرِ مکہ میں کوئی لڑکی پیدا نہ ہوئی۔ آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ربِّ کائنات نے سب کو فرزند عطا فرمائے۔ گویا کارکنانِ قضا و قدر زبانِ حال سے اِعلان کر رہے تھے کہ والی کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کسی عام اِنسان کی آمد نہیں۔ یہ تمام خارقِ عادت واقعات اِرہاص کہلاتے ہیں۔

3۔کرامت

کرامت اُن خارقِ عادت اَفعال کو کہتے ہیں جو مومنین، صالحین اور اولیائے کرام کے ہاتھوں سے صادِر ہوتے ہیں۔

تاریخِ اِسلام اُولیاء وصوفیاء کی کرامات سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً سیدنا سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف برخیا کا پلک جھپکنے سے قبل ملکہ سبا کا تخت آپ کی خدمت میں پیش کر دینا، امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دورانِ خطبہ منبر پر ہی میدانِ جنگ کا مشاہدہ کرنا اور لشکرِ اسلام کے سپہ سالار کو عسکری ہدایات دینا اور حضرت خواجۂ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر لاکھوں ہندوؤں کا قبولِ اِسلام اُن کی کراماتِ جلیلہ میں سے ہے۔

4۔ اِستدراج

یہ وہ خلافِ عادت اُفعال ہوتے ہیں جو کسی کافر، مُشرک، فاسق، فاجر اور ساحر کے ہاتھ سے صادِر ہوں۔ مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سامری جادوگر نے سونے کا بچھڑا بنا کر اُس کے منہ سے آواز پیدا کر لی جس کے نتیجے میں بنی اِسرائیل نے اُس کی پرستش شروع کر دی۔ اِسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے نبوّت کو چیلنج کرتے ہوئے فرعون کے دربار میں جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو وہ اژدھا بن گئیں۔ اِس قبیل کے تمام اعمال استدراج کی ذیل میں آتے ہیں۔

حقیقتِ معجزہ

جہاں عقل عاجز آجاتی ہے وہاں سے معجزے کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ معجزہ ربِ کائنات کی قدرت اور جلالت کا اِظہار ہوتا ہے۔ یہ وہ خارقِ عادت واقعات ہوتے ہیں جو اللہ کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں سے صادِر ہوتے ہیں۔ اُن کا بظاہر کوئی سبب نظر آتا ہے اور نہ کوئی اُن کی علت دِکھائی دیتی ہے۔ یہ عقل کے دائرۂ اِدراک اور حیطۂ شعور میں نہیں آتے، لیکن جب اِنسان اپنے سر کی آنکھوں سے اُن کا ظہور ہوتے دیکھتا ہے تو سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا اُس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا اور وہ کہہ اُٹھتا ہے کہ یہ معجزہ اللہ کے نبی سے صادِر ہوا ہے، اِس لئے یہ حق ہے۔ وہ لوگ جو معجزات و کرامات کے ردّ و قبول کا معیار اپنی سوچ، عقل، تجربہ اور مطالعہ کو قرار دیتے ہیں نہ صرف بہت بڑے اِعتقادی مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ علم کے تکبر میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر لکڑی آگ کے الاؤ میں گر کر جلا نہ کرے تو عقل کبھی بھی ذہنِ انسانی کی یہ رہنمائی نہ کرے کہ آگ جلانے والی شئے ہے۔ اِس لئے کہ جو بات مُشاہدہ اور تجربہ کے خِلاف ہو عقل اُسے ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً: اللہ کے برگزیدہ نبی سیّدنا اِبراہیم علیہ السلام بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑیں اور آگ گلزار بن جائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام قُم بِاِذْنِ اللّٰہِ کہیں تو قبر سے مُردہ اُٹھ کھڑا ہو، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض اپنی آنکھوں سے لگائیں تو آپ علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئے، حضرت صالح علیہ السلام پہاڑ پر اپنی چھڑی مبارک ماریں تو اُس کے اندر سے اُونٹنی برآمد ہو جائے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک درباری پلک جھپکنے سے پہلے اور جسم کو غائب کئے بغیر ہزاروں میل دُور سے ملکہ بلقیس کا تخت لا کر حاضر کر دے یا پھر انگشتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور چاند دو ٹکڑے ہو جائے، ڈوبتے سورج کی سمت دستِ اَقدس اُٹھائیں تو وہ غروب ہونے کے بعد واپس لوٹ آئے اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ

وسلم کے جسمِ اطہر کے لمس سے کھجور کا مرا ہوا درخت پھر سے زندہ ہو جائے تو عقل اپنے دامنِ شعور کو تار تار نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی اور ایسے عقل سرزد ہونے والے انہی واقعات کو معجزہ کہتے ہیں۔ عقل ان معجزات کو سمجھنے سے معذور ہے۔

معجزے کا انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہونے کا بیان

معجزہ نبی کا وہ مافوق العادت یا خرق عادت فعل ہے جسکو اللہ تعالیٰ کسی نبی کی صداقت کے لئے دنیا پر ظاہر کرتا ہے مثلاً درخت چلتے نہیں، پہاڑ حرکت نہیں کرتے، جانور کلام نہیں کرتے، دریا رکتے نہیں، مردے زندہ نہیں ہوتے، چاند پھٹتا نہیں اور انسان آن واحد میں عرش پر نہیں جا سکتا اور لاٹھی سانپ نہیں بن سکتی یہی اشیاء کی عادت ہے یہی نظام فطرت ہے اور یہی قانون قدرت لیکن اگر کسی نبی کے حکم سے درخت چلنے لگیں، پہاڑ حرکت میں آ جائیں، پتھر بولنے لگیں، جانور کلام کرنے لگیں، دریا رک جائیں، مردے زندہ ہو جائیں، چاند پھٹ جائے اور لاٹھی سانپ بن جائے یہ خلاف عادت ہے، خرق عادت ہے اسی کو معجزہ کہتے ہیں اور جاننا چاہئے کہ نبی کے معجزہ میں قدرت الٰہیہ ہی کارفرما ہوتی ہے اور یہ سب کچھ اسی کی منشاء اور ارادے سے ہوتا ہے۔ خوارق العادت کے متعلق علماء کرام نے اپنے اپنے خیالات کا خوب اظہار کیا ہے اور حاصل بحث کی چند ایک کی تحریریں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ خارق عادت معجزات سے ان انبیا کی تائید فرمائی۔ معجزات معجزہ کی جمع ہے اور معجزہ ایسا امر ہیں کہ جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر منکرین کو تحدی اور چیلنج کرنے کے وقت ایسے انداز پر ظاہر ہو جو منکر کو اس وقت مثل پیش کرنے سے عاجز کر دے اور یہ اس لئے کہ اگر معجزہ کے ذریعہ تائید نہ ہوتی تو اس کے قول قبول کرنا واجب نہ ہوتا اور دعویٰ رسالت میں سچا جھوٹے سے ممتاز نہ ہوتا۔ (شرح عقائد نسفی)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ: لکھتے ہیں معجزہ ایسے خارق عادات امر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دعوت مقابلہ بھی کی گئی ہو اور وہ معارضہ سے سالم رہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) یہ افعال نبوت (معجزے) سچے مدعی کے ہاتھوں ظاہر ہوں۔ ایسی ہستی کے ہاتھوں خوارق کا ظہور ضروری ہے اس پر نبوت انبیاء کے ماننے والوں کا اتفاق ہے۔

(2) وہ شخص نبوت کا جھوٹا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر اول تو خوارق ظاہر نہیں ہوں گے اور اگر ظاہر ہوں تو اس کا معارضہ ضرور کیا جا سکے گا۔

(3) ایک شخص صالح اور بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ہے۔ اس نے دعویٰ کچھ نہیں کیا، اس کے ہاتھوں خوارق کا ظاہر ہونا ولی کی کرامت ہے اہل سنت اسے جائز قرار دیتے ہیں جبکہ ابو الحسن بصری اور محمود خوارزمی کے علاوہ معتزلہ کرامت اولیاء کا انکار کرتے ہیں۔

(4) جو شخص اطاعت الٰہی سے مردود ہے (فاسق ہے یا کافر) اس کے ہاتھ پر خوارق کے ظاہر ہونے کو استدراج کہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے خوارق کی قسمیں اس طرح بیان کی ہیں:

(۱) انبیاء کا معجزہ (۲) اولیاء کرام کی کرامت (۳) عام مومن کی معونت جو نہ ولی ہے اور نہ فاسق (۴) اعلان نبوت سے پہلے نبی کا ارہاص جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پتھروں کا سلام عرض کرنا (۵) کافر اور فاسق کا استدراج وہ خرق عادت جو اس کی غرض کے مطابق ہو کہ وہ اسے آہستہ آہستہ آتش دوزخ تک پہنچائے گا (۶) اہانت وہ خرق عادت جو کافر یا فاسق کی غرض کے خلاف ہو جیسے مسیلمہ کذاب نے کلی کی تو پانی کھاری ہو گیا۔ ایک بھینگے کی آنکھ کو ہاتھ لگایا تو وہ اندھا ہو گیا۔ (۷) جو نفس شریر کے شیاطین کی امداد سے چند مخصوص اعمال کے بعد خرق عادت ظاہر ہو۔ بعض علماء جادو کو خوارق میں شامل نہیں کرتے۔ (النبراس، شرح العقائد)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جو کچھ انبیاء کرام لے کر آتے ہیں اسے ہم نے معجزے کا نام اس لئے دیا ہے کہ مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔ (کتاب الشفاء)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: معجزہ خرق عادت کو کہتے ہیں جو مدعی رسالت و نبوت سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے مقصود تحدی ہے تحدی کے معنی کسی کام میں برابری کرنا اور دشمن کو عاجز کر کے غلبہ حاصل کرنا ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ معجزہ میں تحدی شرط نہیں ہے۔ (مدارج النبوت)

صدر الشریعت مولانا امجد علی خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اپنے صدق کا اعلانیہ دعویٰ فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا اور منکروں کو اس کی مثل کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دعویٰ کے مطابق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔ (بہار شریعت)

صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وہ عجیب و غریب کام جو عادتاً ناممکن ہوں جیسے مردوں کو زندہ کرنا، اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینا۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرنا، اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والے سچے نبی سے ظاہر ہوں ان کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتاب العقائد)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جو عجیب و غریب حیرت انگیز کام نبی سے صادر ہو تو اگر نبوت کے ظہور سے پہلے صادر ہو تو وہ ارہاص ہے۔ اگر ظہور نبوت کے بعد ظاہر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ (علم القرآن)

مولانا شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: خرق عادت جو پیغمبر سے ہو نبوت سے پہلے ارہاص کہلاتا ہے اور بعد نبوت کے ہو تو معجزہ کہلاتا ہے۔ (توضیح العقائد)

شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: جو شخص نبوت کا مدعی ہو اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایسی دلیل پیش

کرے جس کا معارضہ کرنے سے پوری قوم عاجز ہوجائے جن کی طرف مبعوث ہونے کا اس شخص نے دعویٰ کیا ہو اور وہ دلیل اس کے دعویٰ کی موید اور مصداق ہو یہ معجزہ ہے۔ (شرح صحیح مسلم)

آخر میں ہم معجزہ کے ثبوت کے لئے قرآن کریم سے چند آیات دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ:

☆دریا کا پھٹنا: واذ فرقنا بکم البحر وانجینکم واغرقنا ال فرعون وانتم تنظرون ۔ اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔ (سورۃ البقرہ) ☆ بارہ چشمے: فقال اضرب بعصاك الحجر ط فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا۔ تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو فوراً اس میں بارہ چشمے بہ نکلے۔

(سورۃ البقرہ)

☆روشن ہاتھ:

واذ دخل يدك في جيبك تخرج بيضاء من غير سوء۔ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال نکلے گا سفید چمکتا بےعیب۔ (القرآن)

سیّدنا یوسف علیہ السلام کی قمیص:

☆اذهبوا بقميصي هذا فالقوه على وجه ابي يات بصيرا۔ میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ (سورۃ یوسف)

سیّدنا حزقیل کا مردے زندہ کرنا:

☆الم ترالى الذين خرجو من ديارهم وهم الوف حذر الموت فقال لهم الله موتوا ثم احياهم۔ اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ فرما دیا۔ (سورۃ البقرہ) سیّدنا حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ کیا تھا تفصیل کے لئے تفسیر القرآن ملاحظہ فرمائیں۔

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے

☆انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیه فیکون طیرا باذن الله وابرء ی الاکمه

والابرص واحی الموتیٰ باذن اللّٰہ. میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی سی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والوں کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ (سورۃ آل عمران)

پنگھوڑے میں گفتگو کرنا

قال انی عبد اللّٰہ اتنی الکتب وجعلنی نبیاo بچہ (عیسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔ سیّدنا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے: ☆ قد نریٰ تقلب وجھك فی السماء فلنولینك قبلة ترضٰھا: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دینگے۔ اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ (سورۃ البقرہ)

چاند کا توڑنا

اقتربت الساعة oوانشق القمر oوان یروا اٰیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر o پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ بیان کیا جا رہا ہے۔ (القمر)

قرآن وحدیث وآئمہ دین کے اقوال سے ثابت ہوا کہ لفظ معجزہ انبیاء کرام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے الفاظ لکھتے اور بولتے وقت احتیاط کرنا چاہئے کہ ہم یہ لفظ کسی ایسے شخص کے لئے تو استعمال نہیں کر رہے جو اس کا اہل نہ ہے۔

بعض انہونی بات کے ہو جانے یا غیر متوقع پر ان پڑھ تو ان پڑھ بعض صاحب علم ودانش حضرات بھی اس انہونی بات کو معجزہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ معجزہ ہو گیا ہے یا معجزہ ہوگا اور تو اور میدان صحافت کے بڑے بڑے مضمون نگار بھی اس سے بچ نہ سکے اور غور وفکر ہی نہیں کرتے کہ ہم جو لفظ استعمال کر رہے ہیں یا بول رہے ہیں یہ واقعہ یا شخصیت اس کی متحمل بھی ہے یا کہ نہیں۔ ایسے ہی بعض پبلشرز اپنی پبلسٹی کے لئے چند صفحات معجزہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا معجزہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، دس بیبیوں کا معجزہ اور معجزہ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ شائع کرتے ہیں اور لوگوں میں مفت تقسیم کرتے ہیں تاکہ دکان کی پبلسٹی ہو اس سے متاثر ہو کر خواتین گھروں میں اس کو پڑھنے کا باقاعدہ انتظام کر کے حصول برکت کے لئے پڑھتی پڑھاتی ہیں تاکہ مشکل آسان ہوں۔ حالانکہ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جبکہ تحقیق یہ ہے کہ لفظ معجزہ صرف اور صرف انبیا کرام سے خرق عادت ہونے والے کام کو کہتے ہیں اور کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہونے والے کام کو کہتے ہیں اس سلسلہ میں لفظ معجزہ اور اس کی حقیقت پر مضمون تحریر کیا جا رہا ہے تاکہ جو لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں ان کو حقیقت واضح ہو جائے اور آئندہ لفظ معجزہ کا استعمال کرتے وقت احتیاط کریں اور لفظ معجزہ اور استدراج میں فرق ملحوظ خاطر رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونے کا بیان

رؤیۃ اللہ یا دیدار الٰہی کا" مطلب ہے اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی یہ سعادت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی۔

حق تعالیٰ کی رویت عقلاً ناممکن نہیں

اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ایک ایسی حقیقت ہے جس کا وجود عقلاً بھی درست ہے اور اس دیدار کے لئے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص جگہ (مقام پر اور کسی خاص سمت و جہت میں موجود و قائم ہونا نیز اس کی ذات کا اور دیکھنے والوں کا آمنے سامنے ہونا قطعی ضروری اور شرط کے درجہ کی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی ذات اور اپنے وجود کے اعتبار سے جو کچھ بھی ہے اسی حیثیت کے ساتھ اس کا دیکھا جانا ممکن ہے اگر چہ وہ جسم و جسمانیت سے ماروا‌ء اور مکان و جہت کی قید سے آزاد ہے۔ رہی یہ بات کہ چیز مرئی (یعنی کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی چیز) کو دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسم ہو، کسی خاص جگہ و مقام پر موجود قائم ہو اور نگاہ کی سمت و جہت میں ہو تو دیکھنے میں ان چیزوں کا عمل دخل ہونا دراصل اس لئے ضروری ہے کہ قدرت نے اسی طرح کا نظام جاری فرمایا ہے اور انسانی نگاہ و بصر کو اپنا فعل انجام دینے کے لئے ان اسباب کا پابند بنا دیا ہے، اگر قادر مطلق اس جاری نظام اور عادت کے برخلاف ان عوامل کے بغیر بھی کسی کو کوئی چیز دکھانا چاہے تو بے شک اس پر قادر ہے، اور ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔ پس اس میں کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن انسانی نگاہ میں بصیرت یعنی چشم قلب کی قوت رکھ دے کہ جس طرح آج دنیا میں اہل ایمان کو بصیرت سے پاتے اور دیکھتے ہیں کل کو آخرت میں بصر یعنی سر کی آنکھوں سے اس کو دیکھیں گے۔

رؤیت کا تعلق آخرت سے ہے

تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ دیدار تمام اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگا اس کا ثبوت وہ قرآنی آیات، احادیث صحیحہ، اجماع صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ جو اس ضمن میں مذکور و منقول ہیں تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق تعالیٰ کے اس دیدار کے منکر ہیں انہوں نے دیدار الٰہی سے متعلق قرآنی آیات و احادیث اور منقول دلیل کی جس طرح تاویل کی ہے، اس کی تفصیل اور علماء حق کی طرف سے ان کی تاویلات کے مضبوط جوابات مختلف تحقیقی کتابوں میں مذکور ہیں۔

عورتیں بھی روایت سے محروم نہ رہیں گی: عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کو دیدار ہوگا اور بعض انکار کرتے ہیں لیکن درست یہ ہے کہ عورتیں اس سعادت سے محروم نہ رہیں گی مردوں کی طرح ان کو بھی حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان (عورتوں) کو بعض خاص ایام میں جیسے جمعہ کے ایام میں یا عیدین کے دن ہی دیدار کی سعادت ملے گی جو عام بازیابی کے اوقات ہوں گے۔ جو حضرات مطلقاً عورتوں کے دیدار کے منکر ہیں ان کا

یہ کہنا ہے کہ عورتیں چونکہ خیموں میں پردہ نشین ہوں گی جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: حور مقصورات فی الخیام لہٰذا ان کو دیدار کیسے ہوسکتا ہے، یہ ایک نا قابل التفات بات ہے کیونکہ اول تو دیدار الٰہی کے بارے میں جو آیات واحادیث منقول ہیں ان میں کوئی خصوص مذکور نہیں ہے بلکہ وہ سب عموم پر محمول ہیں اور مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہیں دوسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا میں قیاس کرنا اور وہاں عورتوں کے خیمے میں رہنے کو دنیا کے پردہ پر منطبق کرنا بجائے خود غلط ہے کیونکہ جنت کے خیمے (کہ جن میں وہاں کی عورتیں رہیں گی) پردہ وحجاب کو مستلزم نہیں ہوں گے، علاوہ ازیں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ فاطمہ زہراء، خدیجہ کبریٰ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن اور دوسری امہات المومنین نیز ان جیسی دیگر عظیم خواتین جو لاکھوں کروڑوں مردوں سے زیادہ عظمت وفضیلت رکھتی ہیں آخر کس طرح دیدار الٰہی کی سب سے بڑی سعادت سے محروم رہ سکتی ہیں۔

جنات اور ملائکہ کو بھی اللہ کی رویت حاصل ہوگی

جنات اور ملائکہ کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ آیا ان کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا یا نہیں؟ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ دیگر فرشتوں کو اللہ کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں ہوگی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اس سعادت سے ایک ہی بار مشرف ہوں گے اور اسی طرح جنات بھی دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے لیکن اس سلسلہ میں صحیح ودرست قول یہی ہے کہ دیدار الٰہی کی سعادت تمام اہل ایمان کے لئے ہے کیا انسان کیا فرشتے اور کیا جنات۔

دنیا میں اللہ کی رویت

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ کیا اس دنیا میں بحالت بیداری کھلی آنکھوں سے اللہ کا دیدار ہوسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں ارباب تحقیق نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی ممکن تو ہے لیکن بالاتفاق غیر واقع ہے، رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں اللہ کا دیدار ہونا امر واقع ہے تو یہ استثنائی صورت ہے اگرچہ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں بچشم سر اللہ کا دیدار ہوا تھا یہ ایک بحث ہے جو آگے متعلقہ احادیث کی تشریح میں بیان ہوگی، بہر حال محدثین فقہاء متکلمین اور مشائخ طریقت سب اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ نہ آج تک اس دنیا میں کسی کو بھی، خواہ وہ کوئی بڑے سے بڑا ولی ہی کیوں نہ ہو، اللہ کا دیدار حاصل ہوا ہے نہ اولیاء اللہ اور مشائخ میں سے کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ آئندہ کسی کو حاصل ہوسکتا ہے، بلکہ مشائخ نے متفقہ طور پر یہاں تک کرتے ہیں) تو اس کی تکذیب کرنا اور اس کو گمراہ قرار دینا لازم ہے۔ فقہ شافعی کی مستند کتاب "انوار" میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں اس دنیا میں بچشم سر عیاناً خدا کو دیکھتا ہوں اور اللہ مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور انسانی حاسہ بصر میں ایسا کوئی نقص بھی نہیں کہ کسی چیز کو دیکھنے میں رکاوٹ پیش آئے تو پھر حق تعالیٰ کے دیدار نہ ہونے کا سبب کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھنا

اور نظر آتا در اصل نظام قدرت اور تخلیق الٰہی کا سبب ہے نہ کہ اس کی اصل علت اور حاسہ بصر ہے جو انسان اپنی آنکھوں میں لئے پھرتا ہے۔ حاسہ بصر تو صرف ایسا ظاہری سبب ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک خاص نظام اور معمول کے تحت ذریعہ بنا دیا ہے اگر وہ کسی کو دیکھنا چاہے تو آنکھوں کی بینائی کے بغیر بھی دکھا سکتا ہے اور اگر کسی کو نہ دکھانا چاہے تو وہ کھلی آنکھ اور مضبوط بینائی رکھنے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا مثلاً ایک بڑا پہاڑ سامنے ہو اور اللہ کسی کی آنکھوں میں دیکھنے کی صفت پیدا نہ کرے تو وہ اس پہاڑ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا اسی طرح اگر کوئی اندھا شخص دنیا کے مشرقی کنارے پر ہو اور دنیا کے مغربی کنارے پر ایک مچھر پڑا ہو اور اللہ تعالیٰ اس اندھے کو وہ مچھر دکھانا چاہے تو یہ یقیناً دیکھ سکتا ہے پس واضح ہوا کہ دیکھنا یا دکھانا نظام قدرت کے تحت ہے آنکھ کا عمل یا غیر عمل بے شک ہے لیکن آنکھ کا وہ عمل یا اس عمل کی وہ طاقت جس سے انسان دیکھنے پر قادر ہوتا ہے غیر محدود اور خود مختار نہیں ہے بلکہ اس کی کارکردگی اس حد تک ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو کارگر کیا ہے حق تعالیٰ کی مصلحت چونکہ یہی ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں اپنا دیدار نہ کرائے اس لئے اس نے حاسہ بصر میں وہ توانائی ہی نہیں رکھی جس سے اللہ کو دیکھا جا سکے۔ اس بات کو دنیا کی عام چیزوں پر قیاس کرنا ذہن وقیاس کی مہمل تابعداری ہے۔

خواب کی حالت میں اللہ کی رویت

کیا خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ صرف ممکن امر واقع بھی ہے اور یہ از روئے عقل ونقل کچھ بعید بھی نہیں ہے ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ایک قلبی مشاہدہ ہے جس کا تعلق مثال سے ہوتا ہے نہ کہ مثل سے، اور اللہ کا مثل نہیں ہے۔ بہر حال بحالت خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اللہ رسیدہ لوگوں سے ثابت ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے، میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو دریافت کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو آپ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا تلاوت قرآن کریم۔" پھر پوچھا کہ معانی ومطالب سمجھنے کے ساتھ یا اس کے بغیر! فرمایا" خواہ معانی سمجھنے کے ساتھ تلاوت کرے یا اس کے بغیر ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رویت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار کو چاند کے ساتھ تشبیہ دینے کا بیان

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ وقت آنے والا ہے جب (قیامت میں) تم اپنے پروردگار کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو گے۔" ایک روایت میں ہے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ (ایک دن) ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں شب کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: "تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس (پروردگار کو دیکھنے میں تم کوئی رکاوٹ اور پریشانی محسوس نہیں کرو گے پس اگر تم سے ہو سکے تو تم اس نماز کو جو سورج نکلنے سے پہلے کی ہے

(یعنی نماز فجر) اور اس نماز کو جو سورج ڈوبنے سے پہلے کی ہے (یعنی عصر) نہ چھوڑو تو یقیناً ایسا کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ (50۔ق 39) اور اپنے پروردگار کی حمد و پاکی بیان کرو یعنی نماز پڑھو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے۔" (بخاری ومسلم)

جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔" یہ تشبیہ "دیکھنے" کی "دیکھنے" کے ساتھ ہے نہ کہ "دیکھی جانے والی چیز" کی "دیکھی جانے والی چیز" کے ساتھ اس اجمال وابہام کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ تم جس طرح اس وقت چودھویں شب کے چاند کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور اس چاند کے نظر آنے میں تمہیں کوئی شک وشبہ نہیں یہ مراد ہرگز نہیں تھی کہ جس طرح یہ چاند تمہارے سامنے ہے اور ایک خاص جگہ پر اور ایک خاص سمت میں محدود وقائم نظر آرہا ہے اسی طرح تمہارے پروردگار کی ذات بھی تمہارے سامنے کسی خاص جگہ اور کسی خاص سمت میں محدود وقائم نظر آئے گی۔

"لاتضامون في رؤية" (اس کو دیکھنے میں تم کوئی رکاوٹ وپریشانی محسوس نہیں کرو گے) میں لفظ تضامون اس طرح بھی منقول ہے اور تضاموں بھی نقل کیا گیا ہے لیکن زیادہ تضامون ہی نقل ہوا ہے اور اس صورت یہ لفظ ضم سے ہوگا جس کے معنی "ضرر اور ظلم" کے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "پروردگار کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کوئی دیکھے اور کوئی محروم رہے یا اس کے دیدار میں تم آپس میں ایک دوسرے پر کوئی ظلم وزیادتی نہیں کرو گے کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کا انکار کرو اور کسی کو جھٹلاؤ۔" دوسری صورت میں یہ لفظ تضام سے ہوگا جس کے معنی ہیں آپس میں ایک دوسرے سے ملنا، اژدہام کرنے، دھکا پیل مچانے اور ایک دوسرے پر گرنے پڑنے کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ رہ کر نہایت اطمینان وفراغت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا جیسا کہ چودھویں شب میں چمکتے چاند کو دیکھنے کے لئے اس طرح کی زحمت وپریشانی اٹھانا نہیں پڑتی، بخلاف پہلی تاریخ کے چاند کے، وہ دھندلا اور باریک ہونے کی وجہ سے صاف نظر نہیں آتا اور اس کے دیکھنے کے لئے خاصا اہتمام اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

"اگر تم سے ہو سکے کہ تم اس نماز کو۔ الخ۔ کا مطلب یہ ہے کہ فجر اور عصر کا وقت بہت بابرکت اور اس وقت کی نمازیں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اس لئے تم ان نمازوں کی پابندی کا زیادہ خیال رکھو اور مقدور بھر کوشش کرو کہ یہ نمازیں فوت نہ ہونے پائیں، نیز اس بات کو ذہن میں رکھو کہ نماز کی پابندی کرنے والا اس امر کا زیادہ لائق ہے کہ اس کو پروردگار کا دیدار نصیب ہو کیونکہ نماز کی پابندی ہی سے شہود ذات کا وصف وملکہ میسر ہوتا ہے! یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی جعلت قرة عيني في الصلوٰة میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) میں اشارہ فرمایا ہے واضح رہے کہ یوں تو یہ اہمیت تمام نمازوں کی ہیں لیکن اس موقع پر فجر وعصر کی نماز کو اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ ان دونوں وقتوں کی نمازیں باقی اوقات کی نمازوں پر فضیلت وبرتری رکھتی ہیں اور اس فضیلت وبرتری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ

صبح کے وقت تو لوگ نیند واستراحت کے جال میں پھنسے رہتے ہیں اور عصر کا وقت دنیا کے کاروبار مثلاً بازار جانے وغیرہ کے
چکر میں پھنسنے کا ہے، جو شخص ان دونوں اوقات میں سستی وکوتاہی کا شکار نہیں ہوگا اور روکاوٹوں کے باوجود ان دونوں نمازوں کا
خیال رکھے گا وہ دوسرے اوقات کی نمازوں کا خیال بدرجہ اولیٰ رکھے گا جو نسبتاً زیادہ سہل وآسان ہیں حدیث میں دونوں
اوقات کی نمازوں کو خاص طور پر ذکر کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ دونوں وقت دوسرے اوقات کی بہ نسبت زیادہ فضیلت
وشرف رکھتے ہیں اور یہ کہ آخرت میں پروردگار کا دیدار ان ہی اوقات میں ہوا کرے گا۔

مخلوق سے پہلے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا بیان

وَكَانَ اللهُ تَعَالٰى خَالِقًا قبل ان يخلق ورازقا قبل ان يرزق وَاللهُ تَعَالٰى يرى فِي الْآخِرَة وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ وهم فِي الْجَنَّة باعين رؤوسهم بِلَا تَشْبِيه وَلَا كَيْفِيَّة وَلَا يكون بَينه وَبَين خلقه مَسَافَة .

اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھا۔ اور رزق دینے سے پہلے بھی رزاق تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کو
آخرت میں دیکھا جائے اور اس کو اہل ایمان دیکھیں گے۔ اور وہ جنت میں اپنے سر کی آنکھوں سے بغیر کسی تشبیہ
وکیفیت کے دیکھیں گے اور اس کے درمیان اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی مسافت نہ ہوگی۔

اللہ کا کلام (قرآن) بھی اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی کوئی صفت حادث نہیں

حادث کا مطلب ہے جو چیز پہلے نہ ہو اور بعد میں ایجاد ہو۔ ہمارا مذہب ہے کہ اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی
تمام صفات قدیم ہیں حادث نہیں صرف ان صفات (فعلیہ) کے تعلقات حادث ہیں اور تعلقات کے حادث ہونے کی وجہ
سے خود صفات حادث نہیں ہوتیں۔

اہلسنّت وجماعت کا موقف

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق نہیں ہے اور اس کی یہ صفات ازلی ہیں جو غیر
حادث ہیں اور جس شخص نے یہ کہا کہ اس کی صفات مخلوق یا حادث ہیں یا اس نے ان میں توقف اور شک کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا
منکر اور کافر ہوا اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی
طرف سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور ہمارا قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کا لکھنا تو مخلوق اور حادث ہے
(مگر خود) قرآن غیر مخلوق ہے۔۔۔۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے سو وہ قدیم ہے نہ یہ کہ مخلوق کے کلام کی طرح حادث
ہے۔۔۔ اور اس کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے بالکل الگ ہیں۔ وہ جانتا ہے لیکن نہ اس طرح جیسے ہم جانتے ہیں وہ
قادر ہے لیکن ہمارے طرح اس کی قدرت نہیں وہ دیکھتا ہے مگر ہماری مثل نہیں دیکھتا وہ کلام کرتا ہے مگر ہمارے کلام کی مانند

نہیں وہ سنتا ہے مگر ایسا نہیں جیسے ہم سنتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف آلات وحروف کے ساتھ کلام نہیں کرتا کیونکہ حروف مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ (اللہ لا کبر ص 29-32)

سلفیوں اور غیر مقلدین کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی یہ صفات حادث یعنی نو پیدا ہیں۔

چنانچہ اہلحدیث کے امام اہل حدیث نواب وحید الزمان خان صاحب جن کے بارے میں خود غیر مقلدین نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ عقائد میں پوری طرح سے سلفی تھے۔ (تذکرہ النبلانی تراجم العلماء ص 385) لکھتے ہیں:

فصل الصفات الفعلية حادث

پس یہ صفات فعلیہ حادث ہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۰)

رئیس ندوی جنہیں اہلحدیث وکیل سلفیت کہتے ہیں وحید الزمان کو امام اہل حدیث کہتے ہیں۔ (سلفی تحقیقی جائزہ ص 635)

داؤد ارشد صاحب غیر مقلدان کے بارے میں لکھتے ہیں: بلا شبہ یہ ہمارے اسلاف میں سے تھے۔

(حدیث اور اہل تقلید ص 162)

آج کل کے غیر مقلدین حضرات اپنے اس امام اہلحدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بعد میں شیعہ ہو گیا تھا جب کہ خود ان کے اپنے ایک مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ وحید الزمان صاحب آخری دم تک اہل حدیث رہے۔

(ماہنامہ محدث ج 35 جنوری 2003 صفحہ 77)

اب ہم ان کے بڑے ابن تیمیہ کا بھی عقیدہ پیش کرتے ہیں جن کے یہ عملاً مقلد ہیں۔ حادث اسے کہتے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے یعنی پہلے نہ ہو پھر موجود ہو جائے، اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات۔

دونوں قدیم وازلی ہیں ایسا ہرگز نہیں کہ اس کی صفات میں سے کوئی صفت ایک زمانے میں نہیں ہو اور پھر بعد میں وجود میں آجائے، اگر ہم نعوذ باللہ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم کسی صفت کو ایک زمانے اور وقت میں معدوم مان لیں، اور کہیں کہ یہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہے، تو ہم نے ایک خاص وقت میں اللہ کو اس صفت سے معطل اور خالی مان لیا، اب اگر اس صفت کو ہم کوئی بے فائدہ کہیں تو یہ بھی گمراہی ہے کہ ہم نے اللہ کی ذات میں فضول اور لغو چیزیں مان لیں یا بالفاظ دیگر اللہ کی کسی صفت کو بلا فائدہ کہہ دیا اور اگر ہم اس کو کمال کی صفت مانتے ہیں تو اس صفت کے وجود میں آنے سے پہلے ہم نے اللہ کو کسی کمال سے خالی مان لیا حالانکہ اللہ کی ذات کسی بھی وقت کسی کمالی صفت سے محروم قرار نہیں دیا جا سکتا، ورنہ وہ اللہ ہی نہ رہے گا، ثابت ہوا کہ اللہ کی ذات اور صفات دونوں ازلی اور قدیم ہیں)

اب ملاحظہ فرمائیں ابن تیمیہ کے چند نصوص: جس میں انہوں نے اللہ کی ذات میں حوادث کا قیام مانا ہے۔

(منہاج السنۃ النبویۃ 380/2)

ترجمہ: اگر آپ ہمیں کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے ذات میں حوادث کا قیام مان لیا، تو ہم آپ کو کہیں گے کہ ہاں

یہ ہمارا قول ہے جس پر شرع اور عقل دلالت کرتی ہے۔

کچھ سلفی اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ یہاں یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ ابن تیمیہ کا قول ہو، کیونکہ انہوں نے کہا: قالوالکم۔ یعنی وہ لوگ آپ کو کہیں گے یعنی شیعہ وکرامیہ وغیرہ

جواب: محقق کتاب نے کہا ہے کہ ایک نسخے میں تو قالوا لکم: آیا ہے لیکن چار نسخوں میں "قلنا لکم" آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قول کو اپنانے والے ابن تیمیہ ہی ہیں۔

علاوہ ازیں آگے چل کر ابن تیمیہ نے اس قول کی حمایت کھل کر کی ہے جس سے کسی شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی، بالفرض یہاں کرامیہ کی طرف بھی نسبت ہو لیکن چونکہ آگے ان کی حمایت کی ہے لہٰذا کوئی فرق نہیں پڑتا جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:

ہم نے دونوں فریقوں کے قول میں جو صحیح تھا اسے لے لیا اور دونوں کے اقوال میں سے جس کو شرع اور عقل رد کرتی ہے اس سے اعراض کیا، اگر ہمیں وہ (کرامیہ اور جہمیہ) کہیں کہ لازم ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ حوادث کا قیام ہو، ہم کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے سلف اور آئمہ میں سے کس نے اس کا انکار کیا ہے؟ قران وسنت کے نصوص اور صریح عقل اس بات کو متضمن ہے (یعنی اس کی طرف اشارہ کرتی ہے) اور یہ قول تمام فرقوں کو لازم ہوتا ہے۔ (منہاج السنۃ النبویۃ/3802)

ایک جگہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: ہشامیہ اور کرامیہ میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق حادث ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کے قائل ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ/38216)

ابن تیمیہ اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس بات کے بطلان پر کوئی دلیل نہیں بلکہ عقل اور نقل اور کتاب، سنت اور اجماع سلف اس بات کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ یہ بات اپنے مقام پر تفصیل سے بیان کی گئی ہے

ابن تیمیہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ تمام حوادث سے اللہ کو پاک کہنا غلط ہے۔ (منہاج السنۃ النبویۃ/3812)

دراصل ابن تیمیہ بعض حوادث کو اللہ کی ذات کا کمال کہتے ہیں۔ (منہاج السنۃ النبویۃ/3812)

اس لیے بھی ان سے اللہ کی ذات کو خالی قرار دینا غلط ہے۔

امام ابوالمظفر الاسفرائینی فرماتے ہیں: کرامیہ نے جن گمراہیوں کو ایجاد کیا وہ ان (کرامیہ) کا یہ قول ہے کہ: ان کا معبود حوادث کا محل ہے اس کے ذات میں اس کے اقوال، ارادات اور اس کا مسموع اور دیکھی جانے والی چیزوں کا ادراک حادث (پیدا) ہوتے ہیں۔ (التبصیر فی الدین (ص66-67)

معلوم ہوا یہ قول امام ابن تیمیہ نے کرامیہ کی موافقت میں کہا ہے۔

اس کی تصریح اور اعتراف ملک عبدالعزیز یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حامل رسالے البیہقی وموقفہ من الالٰہیات کے مؤلف سلفی عالم ڈاکٹر احمد الغامدی نے بھی کی ہے چنانچہ لکھا ہے:

ترجمہ: ابن تیمیہ نے یہ جو رائے اختیار کیا ہے اور کہا کہ "یہ سلف کا مذہب ہے اور جس کی شرعی وعقلی دلیل تائید کررہی ہے "تو یہ بعینہ کرامیہ کی رائے ہے "(البیہقی وموقفہ من الالٰہیات (ص:223)

خود ڈاکٹر احمد الغامدی جو امام بیہقی رحمہ اللہ کو کلام اللہ کے مسئلے میں سلف کا مخالف کہتا ہے اللہ کی ذات میں حوادث کے حلول کو حق جانتا ہے (نعوذ باللہ) (البیہقی وموقفہ من الالٰہیات (ص:223)

ترجمہ: اس طرح ہمارے سامنے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی ذات میں حوادث کے حلول کا قول، اس معنی سے کہ اللہ جب چاہے کلام کرتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے یہی صحیح رائے ہے عقل اور نقل کی دلالت سے ان حضرات کو اللہ کی ذات میں حوادث کا حلول صحیح عقیدہ اس بنا پر لگتا ہے کہ یہ لوگ کلام اللہ کو حادث کہتے ہیں کہ اللہ جب چاہے کلام کرتا ہے تو گویا اس کلام کے ذریعے اللہ کی ذات میں کوئی نئی چیز حلول ہوگئی جو پہلے نہیں تھی حالانکہ اگر اہل سنت کی طرح اللہ کے کلام کو قدیم اور ازلی مانتے اور یہ مانتے کہ اللہ نے قران پر جو تکلم کیا اور اسی طرح موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ساتھ جو تکلم کیا یہ سب اپنے اسی ازلی قدیم صفت سے کیا اور اس کلام سے اللہ کی ذات میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوئی تو یقیناً اس باطل قول کا محتاج نہ ہوتے، دوسری طرف اس سے بھی زیادہ ضعیف دلیل اللہ تعالی کے افعال سے پکڑی ہے حالانکہ اللہ تعالی کے افعال جیسے کسی کو پیدا کرنا رزق دینا، وغیرہ یہ سب اللہ کی ذات میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ اللہ اپنے قدیم صفت سے ان افعال کو مخلوق میں کرتا اور پیدا کرتا ہے بہرحال اس بات کی طرف کوئی بھی اشارہ کسی عقلی یا نقلی دلیل میں نہیں کہ اللہ تعالی کا کلام یا اس کے افعال سے اللہ کی ذات میں کوئی نئی چیز (حوادث) حلول ہو جاتے ہیں

ابن تیمیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدے میں نمایاں فرق

اب ہم آپ کو ابن تیمیہ اور امام احمد کے عقیدے میں فرق بتاتے ہیں کہ امام احمد قران کو اللہ تعالی کا ازلی کلام کہتے ہیں کیونکہ قران کو امام احمد اللہ کا علم کہتے ہیں جس طرح ایسا کوئی وقت نہیں تھا جب اللہ علم سے معطل ہو اسی طرح ایسا وقت بھی نہیں تھا جب قران نہ تھا، جبکہ ابن تیمیہ کا عقیدہ اس سے الگ ہے

ابن تیمیہ اپنے مجموع الرسائل میں لکھتے ہیں۔" قرآن اللہ کا کلام ہے اور اسی سے نازل ہوا ہے مخلوق نہیں ہے، اور اللہ کے ساتھ اس کی قدم کی طرح قدیم نہیں ہے (" مجموع الرسائل"(1/380)

دوسری طرف حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے خلق القران کے مسئلے پر مناظرہ نقل کیا ہے اس میں امام احمد کے الفاظ پر غور کریں تو واضح طور پر وہ قران کو اللہ کا علم اور ازلی قدیم قرار دے رہے ہیں

"اس عبارت میں مناظرہ کرنے والے نے قران کے مخلوق ہونے پر یہ دلیل پکڑی کہ اللہ موجود تھا لیکن قران نہ تھا، اس

کا جواب امام احمد نے یہ دیا کہ " کیا اللہ موجود تھا اور اس کا علم نہ تھا"، یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ موجود ہو اور بلا علم کے ہو اور چونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا تھا کہ القران من علم اللہ، کہ قران اللہ کے علم سے ہے، تو لہٰذا یہ بات ران ازلی قدیم ہے کیونکہ یہ اللہ کا علم ہے اور اللہ بلا علم کبھی بھی نہیں تھا۔ (البدایہ والنہایۃ طاہجر (/39914)

اس کے برعکس امام ابن تیمیہ قران کو ازلی نہیں کہتے،، ابن تیمیہ ایک جگہ لکھتے ہیں:" کرامیہ فرقہ اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ قائم چیزوں کو "حادث "تو کہتے ہیں لیکن "محدث" نہیں کہتے" (مجموع الفتاوٰی (/38316)

آگے لکھتے ہیں:" کرامیہ کے علاوہ علم حدیث، سنت اور علم کلام کے آئمہ اس کو محدث بھی کہتے ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث (مجموع الفتاوٰی (/38316)

اب یہاں صفات باری تعالی کو محدث کہنا آئمہ سنت کا قول ٹھرایا جبکہ ہم نے نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کرنے والے معتزلہ ہی "قران کو محدث" کہتے تھے اور اسی آیت سے حجت پکڑتے تھے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے العلو میں نقل کیا ہے (جس سے غیر مقلدین بہت استدلال کرتے ہیں اور روایات نقل کرتے ہیں)

یعنی جس نے قران کو محدث کہا وہ کافر ہے اور جس نے یہ خیال کیا یہ اللہ کے علم میں سے نہیں ہے وہ زندیق ہے

(العلو للعلی الغفار (ص:150)

اسی طرح امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی نقل کیا ہے:"ہشام بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ قران اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، کسی نے کہا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ "ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث "

(پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: کہ ان کے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس کو سنتے ہیں کھیلتے ہوئے)۔۔۔یعنی اللہ نے اس کون ءچیز کہا ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ہماری طرف نئی ہے اللہ کے ہاں نئی نہیں ہے

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ بات اس لیے ہے کہ قران اللہ کے علم سے ہے اور اللہ کا علم قدیم ہے۔ (العلو للعلی الغفار (ص:169)

یہاں امام ذہبی کا بھی ابن تیمیہ سے اختلاف ہوا، امام ذہبی قران کو اللہ کے علم سے سمجھتے ہیں جو کہ ازلی ہے جبکہ ابن تیمیہ کا قول گزر چکا جو قران کو اللہ کے ساتھ ازلی قدیم نہیں مانتے بلکہ حادث مانتے ہیں۔

ایمان کی تعریف کا بیان

تَعْرِيف الْإِيمَان

وَالْإِيمَـان هُوَ الْإِقْرَار والتصديق وايمان اهل السَّمَاء وَالْاَرْض لَا يزِيد وَلَا ينقص من جِهَة الْـمُؤمـن بهَا وَيزِيد وَينْقص من جِهَة الْيَقِين والتصديق والمؤمنون مستوون فِي

اَلْاِیمَان وَالتوحید متفاضلون فِی الْاَعْمَال

اقرار اور تصدیق کا نام ایمان ہے۔ اور ہی اہل آسمان وزمین یعنی اہل جہاں کا ایمان ہے۔ جو مؤمن کی جہت سے نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ یقین، تصدیق کی طرف سے کم وبیش ہوتا ہے۔ اور تمام اہل ایمان، ایمان اور توحید میں برابر ہیں جبکہ اعمال میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

شرح

ایمان لُغت میں تصدیق کرنے (یعنی سچا ماننے) کو کہتے ہیں۔ (تفسیر قُرطبی ج1 ص147)

ایمان کا دوسرا لُغوی معنٰی ہے: اَمن دینا۔ چُونکہ مومن اچھے عقیدے اِختیار کر کے اپنے آپ کو دائمی یعنی ہمیشہ والے عذاب سے اَمن دے دیتا ہے اس لئے اچّھے عقیدوں کے اختیار کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ (تفسیرِ نعیمی ج1 ص8)

اور اِصطِلاحِ شَرع میں ایمان کے معنیٰ ہیں:

سچے دل سے اُن سب باتوں کی تصدیق کرے جو ضَروریاتِ دین سے ہیں۔ (ماخوذ از بہارِ شریعت حصّہ 1 ص92)

اور اعلیٰ حضرت امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن فرماتے ہیں:

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حقّانیت کو صِدقِ دل سے ماننا ایمان ہے جو اس کا مُقِرّ (یعنی اقرار کرنے والا) ہو اسے مسلمان جانیں گے جبکہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ ورسول (عَزَّوَجَلَّ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) کا انکار یا تکذِیب (یعنی جھٹلانا) یا توہین نہ پائی جائے۔ (فتاوٰی رضویہ ج29 ص254)

ایمان کو ضائع کر دینے والے امور کی اقسام

جو امور ایمان سے خروج کا سبب بنتے ہیں ان کی کئی اقسام ہیں اور سب کی بنیاد اسی قاعدہ کلیہ پر ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ پھر ہر ایک قسم کی بہت سی صورتیں اور تفصیلات ہیں جن کا شمار بہت مشکل ہے۔ ہم مختصراً ان تفصیلات کو چار قسموں میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی ربوبیت کا انکار یا اس پر اعتراض واشکال۔

۲۔ اللہ کے اسماء وصفات پر اعتراضات واشکالات

۳۔ اللہ کی الوہیت پر اعتراضات واشکالات

۴۔ رسالت کا انکار یا صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص

یہ چار بڑی اقسام ہیں پھر ان میں سے ہر قسم کی، افعال اقوال واعتقادات کے لحاظ سے بہت سی صورتیں بنتی ہیں اور ہر صورت کا لازمی نتیجہ شہادتین سے خروج ہے جس سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان صورتوں میں سے ہر ایک کی تفصیل اور مثالوں کے ساتھ وضاحت پیش کی جاتی ہے:

پہلی قسم: اللہ کی ربوبیت کا انکار یا اس پر اعتراض واشکال

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ توحید کی تمام اقسام میں پہلی قسم توحید ربوبیت ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام کائنات کا رب و مالک ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق ورازق ہے۔ ان تمام چیزوں میں تغیر وتبدیلی کے اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں۔ یہ تمام تغیرات اللہ کی مشیت، حکمت اور علم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور ہر وہ عقیدہ یا قول جس سے اللہ کی یہ مذکورہ خصوصیات یا ان میں سے چند خصوصیات کا انکار لازم آتا ہو وہ قول واعتقاد، کفر وارتداد ہے اور خالق کا انکار ہے۔

کسی چیز کو اللہ سے مقدم ماننا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی چیز ایسی بھی ہے جو اللہ نے پیدا نہیں کی اور وہ اللہ سے بھی پہلے موجود تھی، یا اللہ کے علاوہ کسی اور کو خالق یا کائنات میں تصرف وتدبیر کرنے والا ماننا، یا اللہ کی ملکیت کو عام ومکمل نہ سمجھنا، یا رزق کا مختار و مالک کسی اور کو سمجھنا، یا اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک سمجھنا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ نے ہر چیز پیدا تو کردی ہے مگر اب انہیں (یا ان میں سے کسی کو) بیکار چھوڑ رکھا ہے اور ان میں اب تصرف نہیں کررہا۔ نہ ان کی حفاظت کررہا ہے نہ ان کی تدبیر کررہا ہے۔ یا اور کوئی اس طرح کا عقیدہ جس سے اللہ کی ربوبیت کی خصوصیات پر حرف آتا ہو، ارتداد شمار ہوگا۔ اسی طرح کفر وارتداد اس کو بھی کہیں گے کہ کوئی شخص ان خصوصیات میں سے کسی ایک یا کئی خصوصیات کا اپنے آپ میں ہونے کا دعویٰ کرے، جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: (اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى) (النازعات) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ یا خود کو مالک، رازق یا تدبیر عالم میں سے کسی تدبیر کے سرانجام دینے کا دعویٰ کرے۔ ایسا شخص خود بھی کافر ہے اور اس کو اس دعویٰ میں سچا ماننے والا بھی کافر ومرتد ہے۔

دوسری قسم: اللہ کے اسماء وصفات پر اعتراضات واشکالات

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کچھ اسماء وصفات ثابت کی ہیں اور کچھ اسماء وصفات کی نفی کی ہیں۔ اسی طرح اس کے رسول ا نے بھی اللہ کے لئے کچھ اسماء وصفات ثابت کی ہیں اور کچھ کی نفی کی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ثابت شدہ اسماء وصفات کی نفی کرے یا نفی کردہ صفات کو ثابت مانے تو یہ بھی کفر شمار ہوگا۔ اس کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ کفر نفی۔ کفر اثبات

کفر نفی: کفر نفی میں یہ باتیں شامل ہیں:

اللہ کی صفات میں سے کسی کی نفی کرنا۔ مثلاً اللہ کے کامل علم یا قدرت، زندگی، قیومیت، سماعت، بصارت، استواء علی العرش، کلام، رحمت، کبریائی وغیرہ میں سے جو بھی کتاب وسنت سے ثابت ہے ان میں سے کسی کا انکار کرنا یا تاویل کرنا یا اللہ کی کسی صفت کو محدود یا ناقص ونامکمل سمجھنا، جیسے ایک شخص اللہ کے علم کا اقرار کرتا ہے مگر اس کے علم کو اجمالی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جزئیات وتفصیلات تک اللہ کا علم نہیں ہے۔ یا کوئی شخص اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتا ہے کہ اللہ کا سننا اور دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے انسانوں کا دیکھنا وسننا، وغیرہ۔

کفر اثبات: کفر اثبات میں یہ باتیں شامل ہیں:

کسی ایسی صفت کو اللہ کے لئے ماننا جس کی نفی اللہ نے خود کی ہو یا اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو۔ جیسے اللہ کے لئے بیٹے یا بیٹیاں یا بیوی یا نیند، غفلت، موت یا کسی بھی ایسے نقص کو اللہ میں موجود ماننا جو کہ انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔
اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کو اپنے لئے یا مخلوق میں سے کسی کے لئے ثابت کرتا ہو۔ ایسے شخص کے اس دعوے کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں بھی ایسا ہی عالم ہوں جس طرح اللہ عالم ہے یا فلاں شخص کے پاس ایسی ہی حکمت ہے جس طرح اللہ کے پاس ہے۔ ایسا شخص اور اس کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں اس لئے کہ اللہ کی صفات میں شریک کرنا اللہ کی صفات کی تنقیص ہے اور جو شخص بھی اللہ کی صفات کو ناقص مانتا ہے وہ کافر و مرتد ہے۔

تیسری قسم: اللہ کی الوہیت پر اعتراضات و اشکالات

ہر وہ قول، فعل یا عقیدہ جو توحید کی قسم ثالث یعنی توحید الوہیت میں طعن یا تنقیص کا سبب ہو، تو اقض الایمان کی تیسری قسم میں شمار ہوتا ہے۔ توحیدِ الوہیت کا مقصد ہے اللہ تعالیٰ کو اکیلا معبودِ برحق ماننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی چیز عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اِس کے مخالف عقیدہ رکھے، یا اسکا کوئی قول یا فعل اس اقرار کے منافی ہو یا ان میں سے کسی بھی چیز میں تنقیص کا سبب ہو، یا اللہ کے ساتھ اُن صفات میں کسی اور کو شریک مانتا ہو، تو ایسا شخص کافر و مرتد شمار ہوگا۔

زیادہ تر لوگوں کے کافر یا مرتد ہونے کا تعلق بھی اسی قسم کی توحید کے ساتھ ہے۔ اکثر لوگ اللہ کے وجود، اس کے خالق، رازق، قادر، محی وممیت (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) ہونے کے پہلے بھی قائل تھے اور اب بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ﴾ (زخرف)

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان (کفارِ مکہ) سے پوچھیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔
اسی طرح فرمایا:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾(زخرف)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے جو غالب اور عالم ہے۔
اس اقرار کے باوجود اکثر کو کافر اس بنیاد پر کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا عبادت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور اللہ کے اس (تنہا معبود ہونے کے) استحقاق کا انکار کرتے تھے۔ یہ انکار بھی قولی، فعلی یا اعتقادی میں سے کسی قسم کا ہوتا تھا۔ اور چونکہ دوسروں کو بھی اللہ کے اس حق میں شریک سمجھتے تھے اس لئے انہیں کافر قرار دیا گیا۔ یہ شرک بھی خواہ قولی ہو یا فعلی یا اعتقادی، کفر وارتداد کا سبب تھا اور ہوگا۔ اس لئے کہ جو شخص یہ مانتا ہو کہ اللہ خالق ہے، مالک ہے، ہر چیز کی تدبیر کرنے والا ہے اسی

طرح اللہ کی تمام جلالی وکمالی صفات کا معترف ہو تو اس اعتراف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ الوہیت میں بھی اللہ کو اکیلا ہی سمجھے اور معبودیت کا مستحق بھی صرف اسی اکیلے اللہ کو سمجھے۔ اگر وہ اس کا انکار کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو اس کا یہ اعتراف (یعنی اللہ کی ربوبیت کا) باطل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جیسا کہ صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تطہیر الاعتقاد میں لکھا ہے:

جو شخص اللہ کی توحید ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کو عبادت میں بھی اکیلا سمجھے۔ اگر اس طرح نہیں کرے گا تو اس کا پہلا اقرار بھی باطل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے امتحان کا ذریعہ توحید الوہیت کو بنایا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

(وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) (الذاریات)

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

یہاں ایک اور بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ لا الہ الا اللہ کے منافی دو امور ہیں:

() خالق کے حق کی نفی کی جائے یعنی کسی بھی قسم کی عبادت ہو اللہ کو اس کا مستحق نہ مانا جائے۔

() یہ حق کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے یعنی مخلوق میں سے کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے۔

اب ہر قول یا عمل یا اعتقاد جس میں ان دو امور میں سے کوئی امر پایا جائے وہ عمل، اعتقاد یا قول کفر میں داخل کرنے کا سبب ہوگا اور ایسا قول، عمل یا اعتقاد رکھنے والا مرتد شمار ہوگا۔

جو امور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہیں وہ یہ ہیں: عاجزی، انکساری، اطاعت، جھکنا، محبت، ڈرنا، مدد طلب کرنا، دعا کرنا، بھروسہ کرنا، امید رکھنا، رکوع، سجدہ، روزہ، ذبح، طواف وغیرہ۔

جو شخص اپنے قول یا عمل یا اعتقاد کے ذریعہ سے ان امور میں سے کسی ایک کی بھی اللہ کے لئے نفی کرے گا تو یہ قول، عمل یا اعتقاد کفر ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ سے ڈرنا نہیں چاہئے یا اس سے دعا نہیں کرنی چاہئے یا اس سے مدد نہیں مانگنی چاہئے یا اس کے سامنے رکوع نہیں کرنا چاہئے (یا مذکورہ اعمال یا اُن میں سے کوئی بھی ایک اللہ کے لئے کرنا ضروری نہیں)، یا ان اعمال میں سے کسی عمل کے کرنے والے کا مذاق اڑائے، یا رکوع، سجود، روزہ، حج وغیرہ یا کسی بھی ایسے قول یا عمل کا مذاق اڑائے جسے شریعت نے عبادت کا درجہ دیا ہو تو یہ بھی کفر و ارتداد ہے۔ اس لئے کہ ان اعمال کا یا ان کے کرنے والے کا مذاق اڑانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص اللہ کو ان عبادات کا مستحق نہیں سمجھتا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو اللہ کو اور اس کے احکام کو قابلِ اطاعت نہیں سمجھتا یا اللہ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شریعت (قانون) ہے جو اس کی کتاب میں موجود ہے اور اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہے۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ کی اس شریعت میں سے کوئی حکم ماننا ضروری نہیں ہے یا اس دور میں ان احکام پر عمل نہیں ہو سکتا یا

اس جیسی کوئی بات کرتا ہے تو وہ شخص کافر شمار ہوگا۔ اس لئے کہ الوہیت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ حکم کرے اور شریعت بنائے۔

(اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ) (یوسف) حکم کرنا صرف اللہ کا استحقاق ہے۔

اور عبودیت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اطاعت وفرمانبرداری کرے۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو ان عبادات میں سے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے ثابت مانے یا جو شخص خود کو عبادت کا مستحق سمجھ کر لوگوں کو اپنی عبادت بجالانے کا حکم کرے۔ ایسے شخص کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہوگا اور اس کی عبادت بجالانے والا بھی۔ وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ پسند کرے کہ ان عبادات میں سے کوئی عبادت اس کے لئے بجالائی جائے اگر چہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم نہ بھی کرے۔ جیسے کہ کوئی شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس سے مدد مانگی جائے۔ اس پر بھروسہ کیا جائے، اس سے ڈرا جائے یا اس سے امید رکھی جائے۔ (ایسا خوف اور امید جس طرح اللہ سے رکھی جاتی ہے، جو انسان کے قدرت سے باہر ہو۔ انسان کے اختیار میں جو قوت وغلبہ ہے اگر اس سے کوئی شخص ڈرتا ہے یا امید رکھتا ہے تو یہ کفر نہیں ہے) یا کوئی شخص یہ حکم کرے یا چاہت رکھے کہ اسے سجدہ کیا جائے یا اس کے سامنے جھکا جائے یا ایسا کوئی بھی کام جو صرف اللہ کے لئے کیا جانا خاص ہو وہ اپنے لئے کرنے کا حکم کرے یا خواہش کرے تو یہ کفر کے زمرے میں شامل ہوگا۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو یہ دعویٰ کرے کہ مجھے قانون وشریعت بنانے کا حق ہے اگر چہ اللہ کے احکام کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ یا یہ کہے کہ کیونکہ اُس کے پاس حکومت یا فیصلے کے اختیارات ہیں اس لئے اب اسے یہ حق حاصل ہے کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دے۔ مثلاً کوئی حکمران ایسے احکامات جاری کرے یا قوانین وضع کرے جن سے زنا، سود، بے پردگی کا جواز پیدا ہوتا ہو یا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حدود وسزاؤں میں تغیر لازم آتا ہو یا زکوۃ کے لئے شریعت کے مقرر کردہ نصاب میں یا میراث، کفارہ اور عبادات وغیرہ میں تبدیلی آتی ہو تو اس طرح کے قوانین بنانے والا اور اس کو صحیح تسلیم کرنے والا دونوں کافر شمار ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ غیر اللہ کی الوہیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) (نحل)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جو انہیں یہ حکم کرتا تھا کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

دوسری مقام پر فرمایا:

(فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ) (بقرة)

جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

مضبوط کڑے سے مراد لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادات کی غیر اللہ سے نفی کی جائے اور تمام عبادات کا مستحق صرف اللہ کو مانا جائے۔

اب اگر کوئی حکمران اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں کتاب وسنت سے ثابت شدہ قوانین کے معارض قوانین بنا سکتا ہوں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا جاتا ہو تو ایسا حکمران کافر و مرتد ہے اس لئے کہ اس کا عقیدہ یہ بن چکا ہے کہ اس کے پاس اتنے اختیارات ہیں کہ وہ اللہ کی شریعت کی بجائے اپنی شریعت اپنے قوانین بنا سکتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔ (بلکہ یہی شخص طاغوت ہے)

البتہ اس سے وہ قانون سازی مستثنیٰ ہے جس میں قرآن وسنت کی نصوص واضح نہیں ہیں یعنی قرآن وسنت میں کوئی قانون نہ ہو یا مجتہدین نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہو تو اس میں حکومت کو قانون سازی کا اختیار حاصل ہے بشرطیکہ قرآن و سنت کے معارض ومخالف نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص ایسا کوئی قانون بنائے جس سے زنا، سود یا ہر وہ چیز یا عمل جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہو اس کا جواز پیدا ہو رہا ہو تو ایسا قانون ساز بھی کافر ہے اور اس کے ساتھ اس عمل میں حصہ لینے والے بھی کافر ہیں۔ البتہ ایسا شخص جو ملکی معاملات یا لوگوں کی سیرت و کردار کو بہتر کرنے کے لئے قانون بناتا ہو یا اشیاء کی قیمتیں مقرر کی جاتی ہوں تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ قرآن وسُنّت کے مخالف نہیں ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس سے بھی منع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حکومت کے لئے اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر ان علماء کی بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ قیمتیں مقرر کرنا اجتہادی مسئلہ ہے اور بعض فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ حکمرانوں کو خلافِ قرآن وسنت قانون سازی کا اختیار حاصل ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے اور وہ شخص بھی کافر ہے جو خلافِ شرع فیصلے کرنے والوں سے اپنے فیصلے کرواتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ (النساء)

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا یہ خیال ہے کہ وہ آپ پر اور آپ سے قبل نازل کردہ (کتب وشرائع) پر ایمان لائے ہیں مگر وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت سے کروائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت سے کفر کریں۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت بڑی گمراہی میں مبتلا کردے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (شوریٰ)

کیا ان کے ایسے بھی شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ قوانین بنا دیئے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔

چوتھی قسم: رسالت یا صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص

ہر وہ قول، عمل یا عقیدہ جو رسالت یا صاحب رسالت امیں عیب ونقص پیدا کرنے یا اعتراض کا سبب ہو، انسان کے اسلام سے خارج کر دینے کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے کہ ایسا فعل، قول یا اعتقاد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کی شہادت کے منافی ہے۔ اس شہادت کا مقصود یہ ہے کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ حق سچ ہے اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام صلاحیتوں اور صفات سے نوازا تھا جو رسالت کو مکمل طور پر پہنچانے کے لئے ضروری تھیں۔

اب اس شہادت کو ختم کرنے والے امور دو ہیں:

() رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانا۔

() آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں میں سے کسی بات کا انکار کرنا یا اُس پر اعتراض کرنا۔

پہلے امر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگر کوئی بھی عیب والی بات منسوب کر دی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ گویا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے لئے منتخب کر کے غلطی کی ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص کافر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ودیانت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت وصلاحیت اور عقل پر اعتراض یا اُس کا انکار کرتا ہے۔

وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرے۔

دوسرے امر میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی خبر دی ہے ان میں سے کسی کا انکار کیا جائے۔ مثلاً بعثت (قیامت کے دن اٹھایا جانا)، میزان، حساب، پُل صراط، جنت، جہنم وغیرہ۔ جو شخص قرآن کی کسی آیت یا حکم کا انکار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے اس لئے کہ قرآن کی جتنی آیات ہیں ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ سب اللہ کا کلام ہے۔ اب جو شخص بھی ان میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتا ہے۔ اسی طرح قرآن وسنت سے ثابت شدہ کسی حکم کا انکار بھی کفر ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز یا زکوٰۃ کی فرضیت یا زنا وچوری کی حرمت کا انکار کرے یا کسی نماز میں رکعات کے اضافہ کا دعویٰ کرے یا بغیر وضو کے نماز کو جائز قرار دے تو ایسا شخص کافر کہلائے گا۔ البتہ کوئی شخص اگر ایسے حکم یا مسئلے کا انکار کرتا ہے جو زیادہ مشہور نہیں ہے اور صرف چند علماء کو اس کا پتہ ہے تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار نہیں ہوگا جو ایسے مسئلے کا انکار کرتا ہے جس میں مجتہدین کا اختلاف ہو اور اس پر اجماع نہ ہوا ہو۔

امام نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں:

اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی ایسے مسئلے کا انکار کرتا ہے جس پر امت کا اجماع ہے اور وہ مشہور بھی ہے جیسے پانچ نمازیں،

رمضان کے روزے، جنابت کا غسل، شراب اور زنا کی حرمت، ذی محرم سے نکاح کی حرمت وغیرہ (تو ایسا شخص کافر ہے)۔ ہاں اگر ایسا شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہے اور وہ اسلام کی مکمل معلومات نہیں رکھتا اگر وہ لاعلمی کی بنیاد پر انکار کرتا ہے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اگر مسئلہ ایسا ہو کہ اجماع تو اس پر ہو چکا ہے مگر یہ خواص کو (یعنی علماء کو) معلوم ہے جیسے چچی بھتیجی یا خالہ بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا یا قتلِ عمد کا مرتکب وراثت سے محروم ہوتا ہے یا دادی کے لئے میراث میں چھٹا حصہ ہے یا دیگر اس جیسے احکام میں سے کسی کے انکار پر کافر قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ اس کو علم نہیں اور یہ مسئلے عوام میں مشہور بھی نہیں ہیں۔ (شرح صحیح مسلم)

وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو قرآن کی کسی آیت یا قرآن کی غیب سے متعلق دی ہوئی کسی خبر کا انکار کرے چاہے وہ خبر ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھیجے گئے رسولوں میں سے کسی کی رسالت کا انکار کرتا ہے۔ یا ان کی اقوام کے بارے میں جو قصے اور واقعات مذکور ہیں ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے مخلوق کی ابتداء کی جو کیفیت ذکر کی ہے اسکا انکار کرے یا اپنی طرف سے کسی اور کیفیت کو بیان کرے جو قرآن کے بیان کے مخالف و متضاد ہو، یا جنات، شیاطین، کرسی، عرش، لوح، قلم وغیرہ یا قرآن نے کسی تاریخی شخصیت کا تذکرہ کیا ہو یا کسی کو رسول شمار کیا ہو ان میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر کہلائے گا۔ یا کسی رسول کے بارے میں یہ اعتراض اٹھائے کہ یہ رسول بنائے جانے کا مستحق نہیں تھا یا یہ بات کرے کہ جن رسولوں کے نام قرآن میں ذکر ہیں ان کے علاوہ اور کوئی رسول یا نبی اللہ نے نہیں بھیجا۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو قرآن کے اعجاز (معجزہ ہونے) کا انکار کرے۔ اس لئے کہ قرآن کا معجزہ ہونا اللہ کے کلام اور تاریخی واقعات سے ثابت ہے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا اور اس دعوے دار کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں اس لئے کہ قرآن نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے۔

اسلام اور ایمان کے باہمی تعلق کا بیان

علاقَة الْإِسْلَام وَالْإِيمَان

والاسـلام هُـوَ التَّسْلِيـم والانقياد لاوامر الله تَعَالٰى فَمن طَرِيق اللُّغَة فرق بَين الْإِسْلَام وَالْإِيمَان وَلكِن لَا يكون اِيمَان بِلَا اسلام وَلَا يُوجد اِسْلَام بِلَا اِيمَان وهما كالظهر مَعَ الْبَطن وَالدّين اسْم وَاقع على الْإِيمَان وَالْإِسْلَام والشرائع كلهَا ۔

اسلام اور ایمان کے باہمی تعلق کا بیان یہ ہے کہ اسلام تسلیم اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں انقیاد کا نام ہے۔ جبکہ لغت کے اعتبار سے اسلام اور ایمان کے درمیان فرق ہے۔ لیکن ایمان بغیر اسلام کے نہیں پایا جاتا اور اسلام ایمان کے بغیر نہیں پایا

جاتا۔اوران دونوں کا تعلق ایسا ہے جیسے پشت اور پیٹ کا تعلق ہے۔اور دین یہ ایسا نام ہے جو ایمان،اسلام اور تمام شریعتوں پر واقع ہوتا ہے۔

دین،ملّۃ اور شریعت کا معنی اور تعریف

لفظ "دین" کا لغوی معنی:

لفظ "دین" کا لغوی معنی طاعت اور انقیاد ہے،اور اس لفظ کے تمام مشتقات میں یہی معنی پایا جاتا ہے،

علامہ ابن فارس لکھتے ہیں۔

(دَیَنَ، أَصْلٌ وَاحِدٌ إِلَیْهِ یَرْجِعُ فُرُوعُهُ کُلُّهَا . وَهُوَ جِنْسٌ مِنَ الانْقِیَادِ، وَالذُّلِّ. فَالدِّیْنُ: الطَّاعَةُ، یُقَالُ دَانَ لَهُ یَدِینُ دِینًا، إِذَا أَصْحَبَ وَانْقَادَ وَطَاعَ . وَقَوْمٌ دِینٌ، أَیْ مُطِیعُونَ مُنْقَادُونَ...وَالْمَدِینَةُ کَأَنَّهَا مَفْعَلَةٌ، سُمِّیَتْ بِذَلِكَ لِأَنَّهَا تُقَامُ فِیهَا طَاعَةُ ذَوِی الْأَمْرِ.... وَمِنْهُ: (مَالِكِ یَوْمِ الدِّینِ) (الفاتحة: 4)،أَیْ یَوْمِ الْحُکْمِ. وَقَالَ الْقَوْمُ: الْحِسَابُ وَالْجَزَاءُ. وَأَیُّ ذَلِكَ کَانَ فَهُوَ أَمْرٌ یُنْقَادُ لَهُ...وَمِنْ هَذَا الْبَابِ الدَّیْنُ . . . لِأَنَّ فِیهِ کُلَّ الذُّلِّ وَالذُّلِّ . وَلِذَلِكَ یَقُولُونَ " الدَّیْنُ ذُلٌّ بِالنَّهَارِ، وَغَمٌّ بِاللَّیْلِ .

دین "ایک ہی اصل ہے جس کی طرف اس طرح کے تمام فروع لوٹتے ہیں،فرمانبرداری اور کمزور ہونے کی ایک صورت ہے۔ پس دین کا معنی ہے: اطاعت گزاری۔ کہا جاتا ہے:"دَانَ لَهُ یَدِینُ دِینًا" تابعدار،فرمان بردار اور اطاعت گزار ہو گیا۔"قَوْمٌ دِینٌ " کا معنی ہے۔فرمانبردار لوگ۔"الْمَدِینَةُ" بروزن "مَفْعَلَةٌ" بمعنی شہر کو اس لیے مدینہ کہا جاتا ہے کہ وہاں حکمرانوں کی اطاعت ہوتی ہے۔اس معنی کر"مَالِكِ یَوْمِ الدِّینِ " کہا گیا،یعنی فیصلے والا دن۔بعض کے نزدیک حساب کتاب اور بدلے والا دن۔کوئی بھی معنی ہو،وہ دن ایسا ہوگا جس میں سر جھکانا ہوگا۔ اس قبیل سے "الدَّیْنُ "(قرضہ) ہے،اس لیے کہ قرض میں مکمل رسوائی پستی اور تابعداری ہوتی ہے۔عرب کہتے ہیں:"الدَّیْنُ ذُلٌّ بِالنَّهَارِ،وَغَمٌّ بِاللَّیْلِ" (قرضہ دن کے وقت رسوائی کا باعث ہے اور رات کو پریشانی کا باعث ہے۔(معجم مقاییس اللغۃ،لأبی الحسین أحمد بن فارس،م:395ھ،مادۃ: دین،2/380)

لفظ "ملّۃ" کا لغوی معنی:

لفظ ملّۃ کا لغوی معنی اکتا جانا،گرم ریت پر چلنا،کہنا،لکھوانا اور ملت اختیار کرنا ہے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

م ل ل:مللته ومللت منه، واستمللته واستمللت به: تبرّمت، وبی ملل وملال

وملالة،...وأطعمه خبز ملّة وهي الرماد الحار .... وطريق مملّ: معمل سلكوه كثيراً وأطالوا الاختلاف عليه، ومنه: الملّة الطريقة المسلوكة، ومنها: ملّة ابراهيم خير الملل، وامتلّ فلان ملّة الاسلام.

(م،ل،ل: اس مادے سے مشتق الفاظ کا معنی ہے اکتا جانا، کہا جاتا ہے:"أطعمه خبز ملّة" اس کو ملۃ (گرم ریت والی روٹی) کھلائی۔"طریق مملّ" وہ راستہ جس پر لوگوں کی بہت زیادہ چلن ہو۔ ملۃ: بمعنی چلنے کا راستہ، اس سے لیا گیا ہے۔کہا جاتا ہے:"ملۃ ابراھیمی بہترین ملۃ ہے"۔"امتلّ" کا معنی ہے: ملت اختیار کرنا۔(أساس البلاغۃ، لأبی القاسم محمود بن عمرو الزمخشری، جار اللہ،م:538، 2/228)

ابن سیدہ لکھتے ہیں:

طَرِيقٌ مَلِيلٌ وَمُمِلٌّ قد سُلِكَ فيه حتّى صَارَ مَعْلَمًا، وَأَمَلَّ الشَّيءَ قَالَهُ فَكُتِبَ عَنْهُ ... والمِلَّةُ الشريعَةُ وتَمَلَّلَ وامْتَلَّ دَخَلَ في المِلَّةِ وَمَلَّ يَمُلُّ مَلاّ وامْتَلَّ وتَمَلَّلَ أَسْرَعَ.

(طریق ملیل اور ممل: وہ راستہ جس پر اس حد تک چلا گیا ہو کہ راستے کے نشان پڑ جائیں۔"أَمَلَّ الشَّيءَ" کا معنی ہے: کہہ دیا اور لکھوایا۔۔۔ ملت کا معنی ہے شریعت۔"تَمَلَّلَ وامْتَلَّ" کا معنی ہے، ملت میں داخل ہوا۔ جلدی کرنیکے معنی میں بھی آتا ہے۔(المحکم والمحیط الأعظم، لأبی الحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ،م:458، 10/378)

لفظ "شریعۃ" کا لغوی معنی:

لفظ "شریعۃ" کا لغوی معنی پانی کی گھاٹ اور راستہ ہے، صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

شرع: شَرَعَ الوارِدُ يَشْرَعُ شَرْعاً وشُروعاً: تَنَاوَلَ الماءَ بفِيه. وشَرَعَتِ الدوابُّ فِي الْمَاءِ تَشْرَعُ شَرْعاً وشُرُوعاً أي دخلت. ودوابُّ شُروعٌ وشُرَّعٌ: شَرَعَتْ نَحوَ الْمَاءِ. والشَّريعةُ والشِّراعُ والمَشْرَعةُ: المواضعُ الَّتِي يُنْحَدر إِلى الْمَاءِ مِنْهَا، قَالَ اللَّيْثُ: وَبِهَا سُمِّيَ مَا شَرَعَ الله للعبادِ شَريعةً من الصَّوْمِ والصلاةِ وَالْحَجِّ وَالنِّكَاحِ وَغَيْرِهِ. والشِّرْعةُ والشَّريعةُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ: مَشْرَعةُ الْمَاءِ وَهِيَ مَوْرِدُ الشاربةِ الَّتِي يَشْرَعُها النَّاسُ فَيَشْرَبُونَ مِنْهَا وَيَسْتَقُونَ، وَرُبَّمَا شَرَّعوها دوابَّهم حَتَّى تَشْرَعَها وتشرَب مِنْهَا، وَالْعَرَبُ لَا تُسَمِّيهَا شَرِيعةً حَتَّى يَكُونَ الْمَاءُ عِدًّا لَا انْقِطَاعَ لَهُ، وَيَكُونُ ظَاهِرًا مَعِيناً لَا يُسْقى بالرِّشاءِ.

شَرَعَ الوارِدُ" کا معنی ہے: براہ راست منہ لگا کر پانی پی لیا، اور"وشَرَعَتِ الدوابُّ فِي الْمَاءِ" کا معنی ہے: چوپائے پانی میں داخل ہوگئے۔شریعت، شراع اور شرعۃ پانی کی اس گھاٹ اور راستہ کو کہا جاتا ہے، جہاں سے پانی پینے کے لئے اترا جاتا ہے، لیث کہتے ہیں: اسی معنی کی مناسبت سے ان احکام کا نام شریعت رکھا گیا ہے،

جن کو اللہ نے روزہ، نماز، حج اور نکاح وغیرہ کی شکل میں اپنے بندوں کے لئے شریعت مقرر کردی ہے۔ کلام عرب میں "الشِرْعۃُ" اور "الشَریعۃُ" پانی کی گھاٹ کو کہا جاتا ہے، یعنی پانی پینے کی وہ جگہ اور راستہ جہاں سے لوگ پانی میں داخل ہوتے ہیں، اور پانی پیتے ہیں۔۔۔ عرب اس گھاٹ کو اس وقت تک شریعت نہیں کہتے، جب تک وہ تیار اور غیر منقطع نہ ہو، نظر آنے والا اور جاری ہو، ڈول کے ذریعے اس سے پانی حاصل نہ کیا جاتا ہو۔

(لسان العرب، لابن منظور الافریقی، م:711، 8/175)

اصطلاحی تعریفات:

لفظ "دین" "ملۃ" اور "شریعت" کے چند اصطلاحی تعریفات ملاحظہ ہوں:

(الف) پہلی تعریف:

الدین: ما يذهب اليه الانسان ويعتقد أنه يقربه الى الله وان لم يكن فيه شرائع مثل دين أهل الشرك.

دین ان امور کا نام ہے جن کو انسان اختیار کرتا ہے، اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ امور مجھے قرب الٰہی نصیب کرادینگے، اگرچہ ان میں شریعتیں نہ ہوں، جیسے مشرکین کا دین۔

(معجم الفروق اللغویۃ لأبی ہلال الحسن بن عبداللہ العسکری، م: نحو395ھ، 1/510)

(ب) دوسری تعریف:

الدين: وضع الٰهي يدعو أصحاب العقول الى قبول ما هو عند الرسول،...

(اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ وہ امور دین ہیں، جو رسول پر اتاری گئیں تعلیمات کو قبول کرنے کی طرف عقل والوں کو دعوت دیتے ہوں)

(ج) تیسری تعریف:

... وضع الٰهي سائق لذوي العقول باختيارهم المحمود الى الخير بالذات.

ان خداوندی قوانین کا نام ہے جو عقل والوں کو ان کے اچھے اختیار کے ذریعے خیر بالذات کی طرف لے جائیں۔ (التوقیف علی مہمات التعاریف لزین الدین محمد المناوی، م:1031ھ، 1/169)

الشریعۃ کی اصطلاحی تعریف

(الف) پہلی تعریف:

اسْمُ الشَّرِيعَةِ وَالشَّرْعِ وَالشِّرْعَةِ فَإِنَّهُ يَنْتَظِمُ كُلَّ مَا شَرَعَهُ اللّٰهُ مِنَ الْعَقَائِدِ وَالْأَعْمَالِ.

("الشَّرِيعَةِ وَالشَّرْعِ وَالشِّرْعَةِ" کا لفظ تمام ان عقائد اور اعمال کو شامل ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے شرعی قانون کے طور پر مقرر کیا ہو۔) (مجموع الفتاوی لأبی العباس أحمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی، م:728، 19/306)

(ب) دوسری تعریف:

ماشرع اللّٰهُ لعباده مِن الأحكام التي جاء بها نبي من الأنبياء صلى الله عليهم وعلى نبيناوسلم-سواء كانت متعلقة بكيفية عمل وتسمى فرعية وعملية . . .أوبكيفية الاعتقاد،وتسمى أصلية.

بندوں کے لئے مقرر کردہ وہ احکام، جن کو انبیاء کرام میں سے کوئی بھی نبی لائے ہوں، شریعت کہلاتی ہے، خواہ وہ احکام عمل سے متعلق ہوں، اور وہ احکام فرعیہ عملیہ کہلاتے ہیں۔۔۔یا عقیدہ سے متعلق ہوں، اور وہ احکام اصلیہ کہلاتے ہیں۔ (کشاف الاصطلاحات، 2/759)

یہ مطلق شریعت کی تعریف ہے چونکہ ہماری مراد شریعت محمدیہ ہے، اس لیے اس کی تعریف حسب ذیل ہوگی:۔

"الشريعة المحمدية" کی اصطلاحی تعریف

هي ماسنّه الله لعباده من الأحكام عن طريق نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وجعله خاتمة لرسالاته.

(شریعت محمدیہ سے مراد احکام کا وہ مجموعہ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے اور اس کو تمام رسالتوں اور شریعتوں کے لیے خاتم قرار دیا ہو۔

(مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ لدکتور محمد سعد الیوبی، ص:33)

"الملة" کی اصطلاحی تعریف:

الملة هي: الدين، غير أن الملة لا تستعمل الا في جملة الشرائع دون آحادها.

ملۃ دین ہی ہے، تاہم ملۃ کا لفظ مجموعۂ شرائع میں استعمال ہوتا ہے، ایک ایک حکم میں نہیں۔

(معجم الفروق اللغویۃ لأبی ہلال الحسن بن عبد اللہ العسکری، م: نحو395، 1/511)

تینوں کلمات کی اصطلاحی تعریفات سے معلوم ہوا، کہ ان کے مصداق میں جوہری و بنیادی فرق نہیں، بلکہ ان کے درمیان

دو چیزیں قدر مشترک ہیں۔پہلی یہ کہ عقاید و اعمال کا وہ مجموعہ جو الٰہی تعلیمات پر مشتمل ہو، دوسری یہ کہ انبیاء کرام کے واسطے سے امت کو ملا ہو۔جیسا کہ تعریف میں صراحۃ بتایا گیا کہ ملت اور دین ہم معنی ہیں،اس لئے ملۃ کی الگ تعریف نہیں کی گئی ہے،گویا ان کلمات کا مصداق ایک ہے تاہم اعتباری فرق کی وجہ سے الگ الگ نام تجویز کئے گئے ہیں وہ اعتباری فرق کیا ہے؟اوران کی مصداق میں باہم کیا نسبت ہے؟ذیل کے سطور میں ملاحظہ ہو:

"دین"،"ملۃ"اور"شریعت"کے درمیان نسبت اور فرق

ابوالہلال العسکری کے نزدیک: أبوالہلال العسکری کے نزدیک تینوں کا مصداق ایک ہے،فرق اعتباری ہے جس میں لغوی معنی مدنظر رکھا گیا ہے،لکھتے ہیں:

الدين: هو الطريقة المخصوصة الثابتة من النبي صلى الله عليه وسلم، يسمى من حيث الانقياد له دينا، ومن حيث انه يملي ويبين للناس ملة، ومن حيث انه يردها الواردون المتعطشون الى زلال نيل الكمال شرعا وشريعة.

دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت مخصوص طریقے کا نام ہے۔اس کو اس اعتبار سے "دین" کہا جاتا ہے کہ دل وجان سے مان کر اس کا انقیاد(سرتسلیم خم) کیا جائے۔اوراس حیثیت سے "ملت" کہلاتا ہے کہ اس کو بتایا جاتا ہے اور لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔اوراس حیثیت سے "شریعت" کہلاتا ہے کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے میٹھے خوشگوار پانی کے پیاسے اس گھاٹ پر آ کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

(معجم الفروق اللغویۃ،لأبی ہلال الحسن بن عبداللہ العسکری،م:نحو395ھ،1/510)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تینوں مصطلحات کا مصداق ایک ہے،اوران کے درمیان نسبت اتحاد ہے،فرق اگر ہے تو اعتباری ہے،یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے امتوں کو ملنے والا عقاید و اعمال پر مشتمل آسمانی والٰہی تعلیمات کا مجموعہ اس حیثیت سے "شریعت" کہلاتا ہے کہ ہدایت کے پیاسے لوگ پانی کے مشابہ وحی کی گھاٹ پر آتے ہیں،اور ہدایت حاصل کر کے پیاس بجھا لیتے ہیں۔اوراس حیثیت سے "دین" کہلاتا ہے کہ لوگ اس مجموعہ عقائد و اعمال کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں۔اوراس حیثیت سے "ملت" کہلاتا ہے کہ اس کو مربوط انداز میں جمع کر کے لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے اوراس حیثیت سے "مذہب" کہلاتا ہے کہ اس کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں،اور دینی ضرورت پورا کرنے کے لیے اس کی طرف ذہاب اختیار کرتے ہیں۔گویا ہر اصطلاح میں معنی لغوی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

علامہ میر سید شریف جرجانی کا قول:

شریف جرجانی نے قدرے مختلف انداز اختیار کیا ہے ان کے ہاں مذہب کی اصطلاح بھی ان تینوں مصطلحات کے مترادف ہے۔اور چاروں متحد بالذات اور مختلف بالاعتبار ہیں،فرق اعتباری میں یا تو معنی لغوی ملحوظ ہے۔جیسا کہ ابوالھلال

العسکری کے ہاں ہیں۔یا پھر نسبت کے اعتبار سے فرق ہے۔فرماتے ہیں:

...الدِّین والملة: متحدان بالذات، ومختلفان بالاعتبار؛ فان الشريعة من حيث انها تطاع تسمى: ديناً، ومن حيث انها تُجمع تسمى: ملة، ومن حيث انها يُرجَع اليها تسمى: مذهباً، وقيل: الفرق بين الدين، والملة، والمذهب: أن الدين منسوب الى الله تعالى، والملة منسوبة الى الرسول، والمذهب منسوب الى المجتهد.(

دین"اور"ملت" متحد بالذات اور مختلف بالاعتبار ہیں۔ چنانچہ "شریعت" اس حیثیت سے "دین" کہلاتی ہے کہ اس کی اطاعت اور پیروی کی جاتی ہے۔اور اس حیثیت سے "ملت" کہلاتی ہے کہ اس کو جمع کیا جاتا ہے۔ اور اس حیثیت سے "مذہب" کہلاتی ہے کہ اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ایک اور قول کے مطابق تینوں میں فرق یہ ہے کہ "دین" اللہ کی طرف، "ملت" رسول اللہ کی طرف، اور "مذہب" مجتہد کی طرف منسوب ہے۔(کتاب التعریفات لعلی بن محمد الشریف الجرجانی م:816)

اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ وحی سے مأخوذ عقاید واعمال کا مجموعہ تو اصالۃً "شریعت" ہے، جو باعتبار اطاعت کے "دین" اور باعتبار جمع وبیان کے "ملت" اور باعتبار رجوع الیہ "مذہب" کہلاتا ہے۔گویا "مذہب" کو بھی "شریعت"، "ملت" اور "دین" کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ نیز "شریعت" کی وجہ تسمیہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔مزید برآں! ایک اور حوالے سے بھی فرق بیان کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے "دین"، رسول کی طرف نسبت کے اعتبار سے "ملت" اور مجتہد کی طرف نسبت کے اعتبار سے "مذہب" کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے معرفت کے حق ہونے کا بیان

معرفتنا بِاللّٰهِ تَعَالٰی

نَعْرِفُ اللہ تَعَالٰی حق مَعْرِفَته كَمَا وصف نَفْسه فِي كِتَابه بِجَمِيعِ صِفَاته وَلَيْسَ يقدر أُحَدُ ان يعبد الله حق عِبَادَته كَمَا هُوَ اهل لَهُ وَلكنه يعبده بِاَمْره كَمَا امَرَهُ بكتابه وَسنة رَسُوله .

وَيَسْتَوِى الْمُؤْمِنُونَ كلهم فِي الْمعرفَة وَالْيَقِين والتوكل والمحبة والرضاء وَالْخَوْف والرجاء وَالْإِيمَان فِي ذَلِك ويتفاوتون فِيمَا دون الْإِيمَان فِي ذَلِك كُله

ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں جیسا کہ اس کی معرفت رکھنے کا حق ہے جس طرح اس نے اپنی کتاب میں اپنے اوصاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔اور ہم میں سے کوئی ایک بھی کما حقہ اس کی عبادت نہیں کر سکتا یعنی جس طرح کی

عبادت کا وہ حقدار ہے۔ لیکن اس کی عبادت کے حکم کے مطابق کرنی چاہیے جیسے اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔ جس طرح اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں حکم ہے۔

تمام اہل ایمان معرفت، یقین، توکل، محبت، رضا، خوف رجاء اور ان مذکورہ چیزوں پر ایمان لانے برابر ہیں البتہ ان میں عمل کے اعتبار سے فرق رکھتے ہیں۔

معرفت الٰہی

معرفت کا لغوی اور اصطلاحی معنی لفظ معرفت عرف سے مشتق ہے اور لغت میں اس کا معنی ہے کسی چیز کی ذات، آثار اور خصوصیات کے بارے میں علم حاصل کرنا۔ جبکہ اصطلاح میں کسی چیز کو اس کے غیر سے ممتاز کر دینے کو اس چیز کی معرفت کہا جاتا ہے۔

فرق بین علم ومعرفت

علم ومعرفت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی تصویر ذہن میں آجائے اور اسے حواس خمسہ کے ذریعہ درک کیا جائے۔ تو یہ اس شی کا علم کہلاتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ انسانی تصور سے بالاتر ہے، حواس خمسہ بھی اس کے ادراک سے عاجز ہیں لہٰذا خداوند عالم کے بارے میں لفظ علم استعمال نہیں ہوتا بلکہ لفظ معرفت استعمال ہوتا ہے مثلاً علمت اللہ نہیں کہا جائے گا بلکہ عرفتُ اللہ کا لفظ استعمال ہوگا۔

دیدارِ الٰہی

غوث الاعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ترجمہ: جو شخص اللہ کو پہچانتا ہی نہیں وہ اللہ کی عبادت کس طرح کر سکتا ہے۔"

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص اللہ کہنے میں اللہ کی ذات کی معرفت وحقیقت سے آگاہ وآشنا نہیں وہ اللہ کی حقیقی یاد سے غافل ہے۔

(سلطان الوھم)

اللہ کو دیکھ کر' پہچان کر عبادت کرنے میں جو خشوع وخضوع اور حضوری قلب کی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ دیکھے بغیر حاصل ہونا ناممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عبادات کی فرضیت میں تیرہ سال کا وقفہ ہے' اس دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو معرفتِ الٰہی کی تعلیم دی۔ جب یہ تعلیم مکمل ہوئی تو ظاہری عبادات فرض کی گئیں تا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عبادات بے روح نہ ہوں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: "اور ہم نے پیدا کیا انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے" اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

یعنی اس آیت میں (عبادت کے لیے) سے مراد (معرفت کے لیے) ہے۔ صوفیاء کے نزدیک بھی عبادت سے مراد معرفت ہی ہے کیونکہ تمام عبادات کا مقصد اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ جو عبادت انسان کو اللہ کے قریب لے جا کر اس کی پہچان یعنی معرفت نہیں دلاتی وہ عبادت نہیں۔ چنانچہ اس آیت میں "" سے مراد عبادت کی اصل روح یعنی "معرفت" کا حصول ہے۔ صرف عبادات کے لیے تو اللہ کے فرشتے ہی کافی تھے۔ اللہ کسی انسان کے نماز روزے کا محتاج نہیں۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے قرب، وصال اور معرفت کی طلب کریں جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میری پہچان ہو۔

انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اور اس کی عبادات کا مغز اللہ کی پہچان ہے، جس نے اس مقصد سے روگردانی کی بے شک وہ بھٹک گیا۔ نہ دین ہی اس کا ہوا نہ دنیا۔ مرنے کے بعد قبر میں انسان سے پہلا سوال یہ پوچھا جائے گا "" بتا تیرا رب کون ہے؟ جس نے اپنے ربّ کی پہچان ہی حاصل نہ کی ہوگی وہ اس سوال کا کیا جواب دے پائے گا۔ اگر اس کا جواب یہ ہوگا کہ کائنات اور تمام مخلوق کا خالق میرا رب ہے تو یہ جواب تو یہود و نصاریٰ کا بھی ہوگا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی ہونے کی فضیلت اُسے کیسے حاصل ہوگی؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت اسی لیے خیر الامم ہے کہ اس کے لیے اللہ کے دیدار و وصال کی راہیں کھول دی گئی ہیں۔ قرآن پاک میں کئی آیات میں اللہ سے ملاقات (معرفت و دیدار) کی طرف اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو راغب کیا گیا ہے۔

ترجمہ: اے انسان تو اللہ کی طرف کوشش کرنے والا اور اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔

ترجمہ: آیا تم صبر کیے بیٹھے ہو؟ (اور اللہ کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو؟) حالانکہ تمہارا رب تمہاری طرف دیکھ رہا ہے اور تمہارا منتظر ہے۔

ترجمہ: جو شخص اپنے رب کا لقاء (دیدار) چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے۔

دنیا میں انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کے دیدار کی آرزو بھی دل میں رکھتا ہے اور بہت دیر تک اس سے ملاقات کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو انسان اللہ سے محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن اس محبت کے اظہار کے لیے خالی سجدوں کو کافی سمجھ لیتا ہے اور اس کے دیدار اور وصال کی خواہش ہی نہیں رکھتا بیشک وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: بے شک جو لوگ لقائے الٰہی (دیدار) کی خواہش نہیں کرتے اور دنیا کی زندگی کو پسند کر کے اس پر مطمئن ہو گئے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو بیٹھے، انہیں ان کی کمائی سمیت جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

دیدارِ الٰہی سے انکاری لوگوں کے انجام سے بھی آگاہی فرمادی۔

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس کے لقاء (دیدار الٰہی) کا انکار کیا ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے (یعنی بغیر حساب کے انہیں جہنم رسید کیا جائے گا)۔

ترجمہ: بے شک وہ لوگ خسارے میں ہیں جنہوں نے لقائے الٰہی (دیدار) کو جھٹلایا۔

ترجمہ: خوب یاد رکھو وہ اپنے ربّ کے لقاء (دیدار) پر شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یاد رکھو بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ترجمہ: جو شخص اس دنیا میں (لقائے الٰہی سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی (دیدارِ الٰہی کرنے سے) اندھا رہے گا۔

کچھ لوگ دنیا میں دیدارِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقع کو دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ نبی ہو کر اللہ کا دیدار نہ کر سکے تو ہم کیسے کر سکتے ہیں حالانکہ اگر ہم قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقع کو بغور پڑھیں تو یہ واقع خود دیدارِ الٰہی کے ممکن ہونے کا ثبوت ہے۔

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے (مقرر کردہ) وقت پر حاضر ہوئے اور ان کے ربّ نے ان سے کلام فرمایا تو (کلامِ ربانی کی لذت پا کر دیدار کے آرزومند ہوئے) عرض کرنے لگے۔ اے ربّ! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کرلوں۔ ارشاد ہوا تم مجھے (براہِ راست) ہرگز نہ دیکھ سکو گے مگر پہاڑ کی طرف نگاہ کرو پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب تم میرا دیدار کرلو گے۔ پھر جب ان کے ربّ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو (شدتِ انوار سے) اِسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا تیری ذات پاک ہے میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مومن ہوں۔

اس واقعہ سے واضح طور پر دیدارِ الٰہی ثابت ہوتا ہے اور آیت کے آخر میں "سب سے پہلا مومن ہوں" ثابت کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو دیدار ہوا کیونکہ مومن تو ہوتا ہی وہی ہے جو ربِّ جلیل کو دیکھ کر عبادت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ "میں اللہ کا دیدار کرنے والا پہلا مسلمان ہوں۔" کیونکہ اگر یہ معنی نہ لیے جائیں تو "پہلا مومن" سے خدانخواستہ یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ کیا گزشتہ انبیاء نعوذ باللہ "مومن" نہ تھے؟ بعض لوگ "" (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیدار نہیں ہوا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ "میں دیکھا نہیں جا سکتا" بلکہ یہ فرمایا کہ "تم مجھے (براہِ راست) ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔" اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسا اس لیے فرمایا کہ اللہ اپنا جلوہ اپنے محبوب ترین نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے وسیلے سے ان کی امت کی خاطر، محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی خواہش کی۔

تفسیر ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جہاں تک امکانِ رویت کا تعلق ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ کیونکہ انبیاء کرام کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز ناممکن اور منع ہے۔ جو چیز ناممکن اور منع ہو اس کے بارے میں سوال درست ہی نہیں ہوتا۔"

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ اسے دیکھا اور پہچانا جائے اسی لیے اس نے فرمایا کہ "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے اسی لیے میں نے مخلوق کو تخلیق کیا۔" اور پہچان صرف دیدار کے بعد ہی ممکن ہے۔ کئی احادیث اور اولیاء کرام کے اقوال بھی دیدارِ الٰہی کے ذریعے اللہ کی پہچان اور معرفت حاصل کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے وہ وقت جب تم اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

(مشکوٰۃ)

ایک اور روایت میں ہے کہ "ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا جس طرح تم چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو اسی طرح تم پروردگار کو دیکھو گے اور خدا تعالیٰ کو دیکھنے میں تم کوئی اذیت اور تکلیف محسوس نہیں کرو گے۔" (الفتح الربانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میرے دل نے اپنے رب کو نورِ ربی کے واسطہ سے دیکھا۔" (سرّ الاسرار)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان ہے۔ "میں اپنے رب کی اس وقت تک عبادت نہیں کرتا جب تک کہ اُسے دیکھ نہ لوں۔"

غرضیکہ اللہ کے دیدار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت حاصل کرنا اس کی محبت کا اولین تقاضا اور تمام عبادات کی جان ہے۔ دینِ اسلام کی بنیاد توحید یعنی کلمہ طیبہ "" کی زبانی تصدیق تو بہت آسان ہے لیکن یہ بنیاد اس وقت تک ادھوری ہے جب تک قلب اس کی تصدیق نہ کرے اور قلب کسی بات پر یقین تب تک نہیں کرتا جب تک مشاہدے کے ذریعے اسے اچھی طرح جانچ اور پرکھ نہ لے۔ چنانچہ قلبی تصدیق تبھی ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ کو جان کر پہچان کر پورے یقین کے ساتھ واحد مانا جائے۔ اسی طرح نماز مومن کی معراج تبھی بنتی ہے جب معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کے بعد نماز یوں ادا کی جائے گویا اللہ کو دیکھ کر ادا کی جا رہی ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ الفتح الربانی میں واضح طور پر فرماتے ہیں "ہمارا پروردگار موجود ہے اور دیکھا جا سکتا ہے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو جسم اور مکان سے پاک ہے اسے دیکھنا کیسے ممکن ہے؟ حضور غوث الاعظم رضی

اللہ عنہ اس کا جواب نہایت آسان الفاظ میں دیتے ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"صاحبِ یقین و معرفت مسلمان کے لیے دو ظاہری اور دو باطنی آنکھیں ہیں۔ پس وہ ظاہری آنکھوں سے زمین پر بسنے والی مخلوق کو دیکھتا ہے اور باطنی آنکھوں سے (روحانی ترقی کے بعد) آسمان پر بسنے والی مخلوق کو دیکھتا ہے۔اس کے بعد اس کے دل سے تمام پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں پس وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو بلاشبہ و بلاکیف دیکھتا ہے۔پس وہ مقرب و محبوبِ خدا بن جاتا ہے۔" (الفتح الربانی)

یہ حقیقت ہر باشعور انسان پر عیاں ہے کہ انسان کا ایک ظاہری جسم ہے جو دیکھا جاسکتا ہے اور ایک باطن ہے جسے روح' دل یا قلب' اندر کا انسان یا ضمیر کہا جاتا ہے اور جو عام لوگوں سے چھپا ہوا ہے۔ یہ باطنی انسان ہی اصل انسان ہے۔ظاہری جسم صرف اس باطنی انسان کے لیے اس دنیا میں لباس کا کام دیتا ہے۔ یہ جسم اسی دنیا میں تخلیق ہوتا ہے اور باطنی انسان یا روح کے اپنے اصل وطن واپسی کے وقت اسی دنیا میں رہ جاتا ہے۔وہ انسان جو اللہ کی طرف سے آیا اور جسے واپس لوٹ کر اللہ کے ہاں جوابدہ ہونا ہے' باطن کا حقیقی انسان ہے اِنَّا (بے شک ہم اللہ کی طرف سے ہیں اور اللہ کی طرف ہی ہمیں لوٹ کر جانا ہے)۔اللہ کا دیدار کرنا' اللہ کی معرفت اور پہچان حاصل کرنا اس باطنی انسان یا روح کا کام ہے کیونکہ اس کا تعلق اللہ سے ہے۔جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم میں پھونکی گئی روح کے متعلق فرماتا ہے:

ترجمہ: "اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی" (سورہ حجر)

یہی روح اللہ کا قرب و دیدار حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔

اللہ کا دیدار بھی ظاہری آنکھوں نے بصارت سے نہیں بلکہ روح نے نورِ بصیرت سے کرنا ہے۔جن کی روح نورِ بصیرت حاصل کر کے اللہ کا دیدار نہیں کرتی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: پس یہ (ظاہری) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ اسمِ ذات کے نور سے دیدارِ الٰہی کے متعلق فرماتے ہیں:

جس طرح اس دنیا میں کسی چیز کو دیکھنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک آنکھ (نورِ بصارت) دوسری روشنی (سورج یا مصنوعی روشنی) اگر ایک چیز کی بھی کمی ہو تو کچھ دیکھا نہیں جا سکتا اس طرح باطن میں دیکھنے کے لئے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک باطنی یا قلبی آنکھ (نورِ بصیرت) اور دوسرا اسمِ ذات کا نور۔ اور اللہ تعالیٰ کو اسمِ ذات کے نور ہی سے دیکھا جاسکتا ہے اسی لئے سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 72 میں اسی باطنی اندھے پن کا ذکر ہے فرمانِ الٰہی ہے: "جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا" یعنی جو یہاں دیدار یا نورِ بصیرت سے محروم ہے وہ آخرت میں بھی دیدار یا نورِ بصیرت سے محروم رہے گا۔ (شمس الفقرا)

شفاعت انبیاء اور میزان وحوض کا بیان

شَفَاعَة الْاَنْبِيَاء وَالْمِيزَان والحوض

وَاللهُ تَعَالٰى متفضل على عباده عَادل قد يُعْطى من الثَّوَاب اَضْعَاف مَا يستوجبه العَبْد تفضلا مِنْهُ وَقد يُعَاقب على الذَّنب عدلا مِنْهُ وَقد يعْفُو فضلا مِنْهُ وشفاعة الْاَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام حق وشفاعة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم للْمُؤْمنِينَ المذنبين وَلأَهل الْكَبَائِر مِنْهُم المستوجبين الْعقَاب حق ثَابت وَوزن الْاَعْمَال بالميزان يَوْم الْقِيَامَة حق وحوض النَّبِي عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام حق

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل کرنے والا، عدل کرنے والا ہے۔ جس ثواب کا حقدار بندہ ہوتا ہے وہ اس سے دوگنا عطا فرما دیتا ہے۔ اور عدل کرتے ہوئے کبھی اس کو اس کے گناہ سزا دیتا ہے۔ اور کبھی اپنے فضل سے محض اس معاف کر دیتا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی شفاعت حق ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اہل ایمان گناہگاروں کے لئے ہے۔ اور جو کبائر کا ارتکاب کر کے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔ یعنی جن عقاب ثابت ہو چکا۔

اور قیامت کے دن اعمال کا وزن میزان پر ہونا حق ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا ہونا حق ہے۔

شفاعت کے معنی ومفہوم کا بیان

شفاعت کے معنی "شفاعت کا مطلب ہے گناہوں کی معافی کی سفارش کرنا!" چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں گنہگار اور مجرم بندوں کے گناہوں اور جرموں کے معاف کئے جانے کی درخواست پیش کریں گے اس لئے عام طور پر "شفاعت" کا لفظ اسی مفہوم کے لئے استعمال ہوتا! ویسے "شفاعت" کا لفظ شفع سے نکلا ہے جس کے اصل معنی جوڑا (جفت) کرنے، کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ ملانے کے ہیں وتر (بمعنی طاق) کے مقابلہ پر شفع (بمعنی جفت) کا لفظ آتا ہے وہ اس معنی کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح زمین یا مکان میں ہمسائیگی کی وجہ سے جو حق خرید حاصل ہوتا ہے اس کو بھی "شفعہ" اسی معنی کی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔ پس "شفاعت" میں بھی یہ معنی اس اعتبار سے موجود ہیں کہ شفاعت کرنے والا جرم وگناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست پیش کر کے گویا خود کو اس مجرم وگناہ گار) کے ساتھ ملاتا ہے۔

شفاعت کی دو قسمیں جن لوگوں نے اس دنیا میں کبیرہ اور صغیرہ گناہ کیئے ہوں گے ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا قبول ہونا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ واضح رہے کہ شفاعت کی مختلف نوعیتیں ہوں گی۔ اور وہ تمام نوعیتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے ثابت ہیں چنانچہ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات سے مخصوص ہوں گی اور بعض ایسی ہیں جن میں دوسروں کے ساتھ مشارکت ہوگی لیکن شفاعت کا دروازہ چونکہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کھولیں گے اس لئے حقیقت میں تمام شفاعتیں لوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف منسوب ہوں گی اور علی الاطلاق تمام شفاعتوں کے والی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

شفاعت کی اقسام کا بیان

شفاعت کی سب سے پہلی قسم "شفاعت عظمیٰ" ہے اور یہ وہ شفاعت ہے جو تمام مخلوق کے حق میں ہوگی۔ اور یہ شفاعت کرنے کا شرف صرف ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا۔ انبیاء کرام صلواۃ اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کسی کو اس شفاعت کی مجال وجرأت نہیں ہوگی اور اس شفاعت عظمیٰ" سے مراد ہے تمام میدان حشر کے لوگوں کو راحت دینے، وقوف کی طوالت وشدت کو ختم کرنے، حساب کتاب اور پروردگار کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے اور تمام لوگوں کو محشر کی ہولناکیوں، شدتوں اور سختیوں سے چھٹکارا دینے کی سفارش کرنا اس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوگی۔

شفاعت کی دوسری قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو حساب کتاب کے بغیر جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے اس شفاعت کا ثبوت بھی منقول ہے بلکہ بعض حضرات کے نزدیک یہ شفاعت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

شفاعت کی تیسری قسم وہ ہے جس کی مدد سے ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا جن کے نامہ اعمال میں ثواب اور گناہ مساوی طور پر ہوں گے۔

شفاعت کی چوتھی قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا جو اپنے گناہ اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ کے مستوجب قرار پائیں گے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے حق میں شفاعت کریں گے اور ان کو جنت میں داخل کرائیں گے۔

شفاعت کی پانچویں قسم وہ ہے جس کے ذریعہ کچھ لوگوں کے درجات ومراتب اور ان کے اعزاز واکرام میں ترقی اور اضافہ کرنا مقصود ہوگا۔

شفاعت کی چھٹی قسم وہ ہے جو ان گناہ گاروں کے حق میں ہوگی جنہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا اور وہ اس شفاعت کے بعد وہاں سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے، اس شفاعت کا حق مشترکہ ہوگا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انبیاء، ملائکہ، علماء اور شہدا بھی اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے لوگوں کے لئے یہ شفاعت کریں گے۔

شفاعت کی ساتویں قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کے عذاب میں تخفیف کرانا مقصود ہوگا جو ہمیشہ کے لئے عذاب ودوزخ کے مستوجب قرار دیئے جا چکے ہوں گے۔

شفاعت کی نویں قسم وہ ہے جو صرف اہل مدینہ کے حق میں ہوگی۔

اور شفاعت کی دسویں قسم وہ ہے جو امتیاز واختصاص کے طور پر صرف ان لوگوں کے حق میں کی جائے گی۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے گا۔ علماء نے کہا ہے کہ شفاعت کے متعدد مواقع ومحل ہوں گے، شفاعت کا سب سے پہلا موقع تو وہ ہوگا جب لوگوں کو درگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے لئے میدان محشر میں لا کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت لوگ خوف وخجالت کے پسینے میں غرق ہوں گے، ہر ایک پر ہیبت ودہشت چھائی ہوگی ہر شخص مواخذہ وعذاب کے خوف سے کانپ رہا ہوگا اس وقت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے تا کہ لوگوں کو کچھ اطمینان وراحت مل جائے اور وہ بیٹھ کر دم لے سکیں پھر جب درگاہ رب العزت سے حکم ہوگا کہ ان سب کو لے جایا جائے اور حساب لیا جائے تو اس موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخواست کریں گے کہ ان کو حساب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور یوں ہی معاف فرما دیا جائے اور اگر سب کا حساب ضروری لیا جانا ہو تو سرسری حساب پر اکتفا کر لیا جائے، حساب میں سختی وشدت اور سخت باز پرس نہ کی جائے، کیونکہ جو بھی سخت حساب سے دوچار ہوگا، اس کا عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔

پھر حساب کے بعد جو لوگ مستوجب عذاب قرار پائیں گے، ان کو دوزخ میں بھیجا جائے گا تو یہ موقع بھی شفاعت کا ہوگا تا آنکہ ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے اور ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں پہنچوائیں گے۔ غرضیکہ ان ہولناک مواقع پر شروع سے لے کر آخر تک رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور غفار وکریم پروردگار کی رحمت وعنایت سے عفو وکرم کی بہت کچھ امید رکھنی چاہئے۔ ویسے جو کچھ بھی فیصلہ صادر ہو۔

عقیدہ شفاعت احادیث کی روشنی میں

تمام انبیاء ورسل میں سے فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن شفاعت عظمیٰ کے مقام پر فائز ہونے کا بیان

١/١. عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنهما اَنَّ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِي، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِي اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ، وَاُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِي، وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَغَيْرُهُمْ.

1: اخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: التيمم، باب قول الله: فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا، 1/128، الرقم: 328، وايضاً في كتاب: الصلاة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: جعلت لي الارض مسجدا وطهورا، 1/168، الرقم: 427، ومسلم في الصحيح، كتاب: المساجد ومواضع الصلاة، 1/370، الرقم: 521، والنسائي في السنن، كتاب: الغسل والتيمم، باب: التيمم بالصعيد، 1/210-211، الرقم: 432، وابن حبان في الصحيح، 14/308، الرقم: 6398، والدارمي في السنن، 1/374، الرقم: 1389، وابن ابي شيبة في المصنف، 6/303، الرقم: 31642، وابو عوانة في المسند، 1/330، الرقم: 1173، وعبد بن حميد في المسند، 1/349، الرقم: 1154، والبيهقي في السنن الكبرى، 2/329، 6/291، وايضاً في شعب الايمان، 2/177، الرقم: 1479.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: ایک ماہ کی مسافت تک رعب سے میری مدد فرمائی گئی، میرے لئے تمام زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی لہٰذا میری امت میں سے جو شخص جہاں بھی نماز کا وقت پائے وہیں پڑھ لے، میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیے گئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ تھے، مجھے شفاعت عطا کی گئی، پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا جبکہ مجھے تمام انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، نسائی، ابن حبان، دارمی، ابن ابی شیبہ اور دیگر بہت سے ائمہ نے روایت کیا ہے۔

معبد بن ہلال عنزی سے روایت ہے کہ ہم اہلِ بصرہ اکٹھے ہو کر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے اور ہم ان کے پاس اپنے ساتھ ثابت بُنانی کو لے گئے تا کہ وہ ان سے ہمارے لیے حدیثِ شفاعت کا سوال کریں؟ وہ اپنے گھر میں تھے۔ ہم نے انہیں نماز چاشت پڑھتے ہوئے پایا اور داخل ہونے کی اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دے دی آپ اپنے بچھونے پر بیٹھے تھے۔ ہم نے ثابت سے کہا: حدیث شفاعت سے قبل آپ ان سے کوئی اور سوال نہ کریں تو انہوں نے عرض کیا: ابوحمزہ! یہ آپ کے بھائی بصرہ سے آئے ہیں اور آپ سے حدیثِ شفاعت کے بارے پوچھنا چاہتے ہیں؟

انہوں نے کہا: ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگ دریا کی موجوں کی مانند بے قرار ہوں گے تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے، وہ فرمائیں گے: یہ میرا مقام نہیں، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے جس پر وہ فرمائیں گے: یہ میرا منصب نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جائیں گے تو وہ فرمائیں گے: میں اس لائق نہیں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ روح اللہ اور اس کا کلمہ ہیں۔ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ فرمائیں گے: میں اس شفاعت کے قابل نہیں تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

پس لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا: ہاں! اس شفاعت کے لیے تو میں ہی مخصوص ہوں۔ پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی اور مجھے ایسے حمدیہ کلمات الہام کئے جائیں گے جن کے ساتھ میں اللہ کی حمد وثنا کروں گا وہ اب مجھے مستحضر نہیں ہیں۔ پس میں ان محامد سے اللہ کی تعریف وتوصیف کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ سو مجھے کہا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھائیں، اپنی بات کہیں، آپ کی بات سنی جائے گی، مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: میرے رب! میری امت، میری امت، پس فرمایا جائے گا: جاؤ اور جہنم سے ہر ایسے اُمتی کو نکال لو جس کے دل میں جَو کے برابر بھی ایمان ہو پس

میں جا کر یہی کروں گا۔ پھر واپس آ کر ان محامد کے ساتھ اس کی حمد وثنا کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پس کہا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے! آپ کو سنا جائے گا، مانگیے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت! پس فرمایا جائے گا: جاؤ اور جہنم سے اسے بھی نکال لو جس کے دل میں ذرے کے برابر یا رائی کے برابر بھی ایمان ہو۔ پس میں جا کر ایسے ہی کروں گا۔ پھر واپس آ کر انہی محامد کے ساتھ اس کی حمد وثناء بیان کروں گا اور پھر اس کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پس فرمایا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے، آپ کو سنا جائے گا، مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے پیارے رب! میری امت، میری امت، پس وہ فرمائے گا: جاؤ اور اسے بھی جہنم سے نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی بہت ہی کم بہت ہی کم بہت ہی کم ایمان ہو۔ پس میں خود جاؤں گا اور جا کر ایسا ہی کروں گا۔

جب ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا: ہمیں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلنا چاہئے جو کہ ابو خلیفہ کے مکان میں روپوش ہیں اور انہیں وہ حدیث بیان کرنی چاہئے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کی ہے۔ چنانچہ ہم ان کے پاس آئے اور انہیں سلام کیا پھر انہوں نے ہمیں اجازت دی تو ہم نے ان سے کہا: ابو سعید! ہم آپ کے پاس آپ کے بھائی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں سے ہو کر آئے ہیں اور انہوں نے ہم سے جو شفاعت کے متعلق حدیث بیان کی ہے اس جیسی حدیث ہم نے نہیں سنی۔ انہوں نے کہا: بیان کرو، ہم نے ان سے حدیث بیان کی جب اس مقام تک پہنچے تو انہوں نے کہا: (مزید) بیان کرو، ہم نے ان سے کہا: اس سے زیادہ انہوں نے بیان نہیں کی۔ انہوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ آج سے بیس سال قبل جب صحت مند تھے تو انہوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی تھی، مجھے معلوم نہیں کہ وہ باقی بھول گئے ہیں یا اس لئے بیان کرنا ناپسند کیا ہے کہ کہیں لوگ بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ ہم نے کہا: ابو سعید! پھر آپ ہم سے وہ حدیث بیان کیجئے اس پر آپ ہنسے اور فرمایا: انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ میں نے اس کا ذکر ہی اس لئے کیا ہے کہ تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح تم سے بیان کی۔

(مگر اس میں اتنا اضافہ کیا کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چوتھی دفعہ واپس لوٹوں گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کروں گا پھر اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پس فرمایا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھائیں اور کہیں آپ کو سنا جائے گا، مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے پیارے رب! مجھے اُن کی (شفاعت کرنے کی) اجازت بھی دیجئے جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے، پس وہ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت وجلال اور عظمت وکبریائی کی قسم! میں انہیں ضرور جہنم سے نکالوں گا جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا

ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: التوحید)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت کے دن مومنوں کو جمع فرمائے گا۔ وہ کہیں گے: کاش ہم اپنے رب کے پاس کوئی سفارش لے جاتے تا کہ وہ ہمیں اس حالت سے آرام عطا فرماتا۔ چنانچہ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے: اے آدم! کیا آپ لوگوں کو نہیں دیکھتے، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے لہٰذا ہمارے لئے اپنے رب سے سفارش کیجئے تا کہ وہ ہمیں ہماری اس حالت سے آرام عطا فرمائے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: میں اِس لائق نہیں، پھر وہ اپنی لغزش کا ان کے سامنے ذکر کریں گے جو ان سے ہوئی البتہ تم لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ نے زمین والوں پر بھیجا تھا۔ چنانچہ سب حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ فرمائیں گے: میں اس کا اہل نہیں اور وہ اپنی لغزش یاد کریں گے جو اُن سے ہوئی، البتہ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے خلیل ہیں۔ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے: میں اس قابل نہیں اور اپنی لغزشوں کا ذکر لوگوں سے کریں گے۔ البتہ تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے ہیں اور اللہ نے انہیں توریت دی تھی اور ان سے کلام کیا تھا۔ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں اور ان کے سامنے اپنی لغزش کا ذکر کریں گے جو ان سے ہوئی، البتہ تم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے: میں بارگاہ الٰہی میں لب کشائی کے قابل نہیں، تم سب لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ ایسے محبوب ہیں کہ ان کی عظمت کے صدقے ان کی امت کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔

چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں ان کے ساتھ چلوں گا اور اپنے رب سے اِذن چاہوں گا تو مجھے اذن دے دیا جائے گا۔ پھر اپنے رب کو دیکھتے ہی اس کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنی دیر چاہے گا اسی حالت میں مجھے رہنے دے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اٹھ کر کہیں، آپ کو سنا جائے گا، مانگیں، عطا کیا جائے گا، شفاعت کریں آپ کی شفاعت منظور کی جائے گی، پس میں اپنے رب کی تعریف ان کلماتِ تعریف سے کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا، میرے لئے حد مقرر کی جائے گی تو میں اس کے مطابق لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں دوسری بار لوٹوں گا اور اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ جتنی دیر تک چاہے گا مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا۔ پھر کہا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اٹھ کر کہیں، آپ کو سنا جائے گا، مانگیں آپ کو دیا جائے گا، شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پھر میں اپنے رب کی حمد ان کلماتِ حمد سے کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی پس میں انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں تیسری بار لوٹوں گا تو اپنے

رب کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا اسی حالت پر مجھے برقرار رکھے گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیے! کہیے آپ کو سنا جائے گا، سوال کیجئے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی تو میں اپنے رب کی ان کلماتِ حمد سے تعریف کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا، پھر میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی تو میں انہیں جنت میں داخل کروں گا پھر میں لوٹ کر عرض کروں گا: اے رب! اب جہنم میں کوئی باقی نہیں رہا سوائے ان کے جنہیں قرآن نے روک دیا ہے اور انہیں ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم سے وہ نکلے گا جس نے لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا ہو گا اور اس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی خیر ہو گی، پھر جہنم سے وہ بھی نکلے گا جس نے لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو گا اور اس کے دل میں گیہوں کے برابر بھی خیر ہو گی، پھر جہنم سے وہ بھی نکلے گا جس نے لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا ہو گا اور اس کے دل میں ذرہ برابر خیر ہو گی۔ اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: التوحید)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا تو دستی کا حصہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت بہت پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر تناول فرمانے لگے پھر ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میں لوگوں کا سردار ہوں گا۔ تمہیں معلوم ہے وہ کون سا دن ہو گا؟ اس دن اللہ تعالیٰ دنیا کی ابتداء سے قیامت کے دن تک کی ساری خلقت ایک چٹیل میدان میں جمع فرمائے گا کہ ایک پکارنے والے کی آواز سب کے کانوں تک پہنچ سکے گی اور ایک نظر سب کو دیکھ سکے گی اور سورج بالکل قریب ہو جائے گا۔ پس لوگوں کی پریشانی اور بے قراری اس حد تک پہنچی ہو گی جس کی انہیں نہ طاقت ہو گی اور نہ وہ برداشت کر پائیں گے۔ لوگ کہیں گے: کیا دیکھتے نہیں ہو کہ تمہیں کس طرح کی پریشانی لاحق ہو گئی ہے؟ کیا کوئی ایسا برگزیدہ بندہ نہیں ہے جو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کرے؟

بعض لوگ بعض سے کہیں گے: تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلنا چاہیے۔ لہٰذا سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ تمام انسانوں کے جدِ امجد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اپنی طرف سے آپ میں روح پھونکی اور اس نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا لہٰذا آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کر دیجیے۔ آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال کو پہنچ چکے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے: بے شک میرا رب آج انتہائی غضب ناک ہے، اس سے پہلے اتنا غضب ناک وہ کبھی نہ ہوا تھا اور نہ بعد میں کبھی اتنا غضب ناک ہو گا۔ رب العزت نے مجھے درخت سے روکا تھا تو میں نے اس کا حکم نہ مانا، مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے نوح! آپ (طوفان کے بعد) سب سے پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے تھے

اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آپ ہی ہمارے لئے اپنے رب کے حضور شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حالت کو پہنچ گئے ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے: میرا رب آج اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد کبھی اتنا غضب ناک ہوگا، مجھے ایک مقبول دعا عطا کی گئی تھی جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی تھی۔ مجھے اپنی فکر ہے، مجھے اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور روئے زمین میں اللہ کے خلیل ہیں، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت کو پہنچ چکے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کہیں گے: آج میرا رب بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک وہ نہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد ہوگا۔ میں نے (بظاہر نظر آنے والے) تین جھوٹ بولے تھے، مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ذریعہ فضیلت دی۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کریں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت کو پہنچ چکے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: آج اللہ تعالیٰ بہت غضب ناک ہے، اتنا غضب ناک وہ نہ پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا، میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا حالانکہ اللہ کی طرف سے مجھے اس کا حکم نہیں ملا تھا، مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا تھا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں، آپ نے بچپن میں گہوارے میں لوگوں سے کلام کیا تھا، (لہٰذا آپ) ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہماری کیا حالت ہو چکی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے: میرا رب آج اس درجہ غضب ناک ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ہوگا اور آپ کسی لغزش کا ذکر نہیں کریں گے (صرف اتنا کہیں گے:) مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، مجھے اپنی پڑی ہے، میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں محمد حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

سب لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسول اور سب سے آخری پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اور بعد کے تمام گناہوں سے معصوم رکھا ہے، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت کو پہنچ چکے ہیں؟ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) میں آگے بڑھوں گا اور عرش تلے پہنچ کر اپنے رب عزوجل کے حضور سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ

مجھ پر اپنی حمد اور حسن تعریف کے ایسے دروازے کھولے گا کہ مجھ سے پہلے کسی اور پر اس نے نہیں کھولے تھے۔ پھر کہا جائے گا:
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھائیے، سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے
گی۔ پس میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: میرے رب میری امت! میرے رب میری امت! میرے رب میری امت! کہا
جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب و کتاب نہیں ہے جنت کے دائیں درواز ے
سے داخل کیجئے ویسے انہیں اختیار ہے کہ جس دروازے سے چاہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں۔ پھر حضور نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دروازے کے دونوں
کناروں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور حمیر میں ہے یا جتنا مکہ اور بصری میں ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی اور
احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب التفسیر)

حضرات ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت
کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو مؤمنین کے کھڑے ہونے پر جنت ان کے قریب کر دی جائے گی، پھر وہ حضرت آدم
علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے: اے ہمارے ابا جان! ہمارے لئے جنت کا دروازہ کھلوائیے۔ وہ فرمائیں گے:
تمہارے باپ کی ایک لغزش نے ہی تم کو جنت سے نکالا تھا۔ میرا یہ منصب نہیں، میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ
جو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میرا یہ مقام نہیں ہے، میرے
خلیل ہونے کا مقام، مقام شفاعت سے بہت پیچھے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے
شرف کلام سے نوازا ہے، پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جائیں گے تو وہ فرمائیں گے: میرا یہ منصب نہیں
ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور اس کی روح ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: میرا
یہ مقام نہیں۔

پس وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کا اذن دیا جائے گا۔ علاوہ
ازیں امانت اور رحم کو چھوڑ دیا جائے گا اور وہ دونوں پل صراط کے دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں گے۔ تم میں سے پہلا شخص
پل صراط سے بجلی کی طرح گزرے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بجلی کی
طرح کونسی چیز گزرتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے بجلی کی طرف نہیں دیکھا کہ کس طرح گزرتی ہے اور پلک
جھپکنے سے پہلے لوٹ آتی ہے۔ پھر لوگ پل صراط سے آندھی کی طرح گزریں گے، اس کے بعد پرندوں کی رفتار سے اور اس
کے بعد آدمیوں کے دوڑنے کی آواز سے گزریں گے۔ ہر شخص کی رفتار اس کے اعمال کے مطابق ہوگی اور تمہارے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم پل صراط پر کھڑے ہو کر کہہ رہے ہوں گے: اے رب! ان کو سلامتی سے گزار دے، ان کو سلامتی سے گزار دے
پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ بندوں کے اعمال انہیں عاجز کر دیں گے اور لوگوں میں چلنے کی طاقت نہیں ہوگی اور وہ اپنے آپ

کو گھسیٹتے ہوئے پل صراط سے گزریں گے۔ پل صراط کے دونوں جانب لوہے کے کانٹے لٹکے ہوں گے اور جس شخص کے بارے میں حکم ہوگا اس کو یہ پکڑ لیں گے بعض ان کی وجہ سے زخمی حالت میں نجات پا جائیں گے اور بعض ان سے الجھ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے۔

اسے امام مسلم، ابو یعلی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی، اور رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی، میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے، اور مجھے ہر سرخ و سفید کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔ اسے امام شافعی اور حمیدی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الشافعی فی السنن الماثورۃ، 1/242، الرقم: 185)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور میں انہیں فخریہ بیان نہیں کرتا: مجھے تمام لوگوں سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، ایک ماہ کی مسافت تک رعب سے میری مدد فرمائی گئی، میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے، اور میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی، اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے، پس میں نے اسے اپنی امت کے لیے مؤخر کر دیا تو وہ ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

اسے امام احمد بن حنبل اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: امام احمد کے رُواۃ صحیح حدیث کے رجال ہیں سوائے یزید بن ابی زیاد کے، ان کی روایت حسن ہوتی ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/301، الرقم: 2742)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں: مجھے سرخ و سیاہ (تمام لوگوں) کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، میرے لئے تمام روئے زمین پاک کرنیوالی (جائے تیمم) اور مسجد بنا دی گئی، میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے، ایک ماہ کی مسافت تک رعب سے میری مدد فرمائی گئی، اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے، اور ہر نبی نے شفاعت کا سوال کیا تھا اور بے شک میں نے اپنی شفاعت کو ذخیرہ کر دیا ہے پھر میں اس کو اپنی امت کے ہر اس شخص کے لیے کروں گا جو اس حال میں مرا ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ اسے امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: امام احمد کے رجال

حدیث صحیح کے رجال ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 4/416، الرقم:19735)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں: میرے لئے تمام روئے زمین پاک کرنیوالی (جائے تیمم) اور مسجد بنا دی گئی، میرے لئے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ تھے، ایک ماہ کی مسافت تک کے رعب سے دشمن پر میری مدد فرمائی گئی، مجھے ہر سرخ و سیاہ (تمام لوگوں) کی طرف مبعوث کیا گیا، اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے، اور وہ میری امت کے ہر اس شخص کو پہنچنے والی ہے جو اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ٹھہراتا ہوگا۔ حجاج (راوی) کہتے ہیں: جو اس حال میں مرا ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ اسے امام احمد، دارمی، بزار اور طیالسی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/161، الرقم:21435)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا (عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے سال ایک رات نماز پڑھتے ہوئے قیام فرمایا تو آپ کے صحابہ میں سے بعض اشخاص آپ کی حفاظت کرتے ہوئے آپ کے پیچھے جمع ہو گئے یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان کی طرف پلٹ کر ان سے فرمایا: اس رات مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: مجھے تمام عامۃ الناس کی طرف بھیجا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے ہر نبی کو اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، اور رعب سے دشمن پر میری مدد فرمائی گئی اگرچہ میرے اور ان کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تک کا فاصلہ ہو اس کو خوف سے بھر دیا جاتا ہے، اور میرے لئے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے کہ میں انھیں کھاتا ہوں جبکہ مجھ سے پہلے اس کے کھانے کو بھاری سمجھتے تھے اور وہ اسے جلا دیتے تھے، اور میرے لئے تمام روئے زمین مساجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی جہاں کہیں بھی نماز مجھے پائے میں مسح کر کے نماز پڑھ لوں جبکہ مجھ سے پہلے لوگ اس کی تعظیم کیا کرتے تھے وہ صرف کلیساؤں اور گرجا گھروں (عبادت گاہوں) میں عبادت کرتے تھے، اور پانچویں خصوصیت مجھ سے کہا گیا: سوال کیجیے؟ کیونکہ ہر نبی نے سوال کیا ہے تو میں نے اپنے سوال کو قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیا ہے، پس وہ تمہارے لیے ہے اور اس شخص کے لیے جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسے امام احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/222، الرقم:7068)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چار ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو ہم سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں اور پانچویں عطا یہ کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اس نے مجھے عطا کیا: (ہر) نبی کو اس کی بستی کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور وہ اس سے تجاوز نہیں کرتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، اور ہمارا دشمن ہم سے ایک ماہ کی مسافت سے خوفزدہ ہو جاتا ہے، اور میرے لئے تمام روئے زمین پاک کرنیوالی (جائے

تیمم) اور مساجد بنادی گئی، اور ہمارے لئے خمس حلال کر دیا گیا ہے جبکہ ہم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا اور میں نے اپنے رب سے پانچواں سوال کیا: میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ کوئی بھی میرا امتی جو اسے توحید کی حالت میں ملے پس وہ اسے جنت میں داخل فرمائے تو اس نے مجھے یہ عطا کر دیا۔ اسے امام ابنِ حبان نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن حبان فی الصحیح، 14/309، الرقم: 6399)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے تو نمازِ فجر ادا کر کے تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ چاشت کا وقت ہو گیا تو آپ (کسی بات پر) مسکرائے، پھر اپنی جگہ تشریف فرما رہے یہاں تک کہ نمازِ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ادا فرمائی، اس دوران آپ نے کوئی گفتگو نہ فرمائی یہاں تک کہ آپ عشاء ادا کر کے اپنے اہلِ خانہ کے پاس تشریف لے گئے۔ پس لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیوں نہیں کرتے کہ اس کی کیا وجہ ہے آج آپ نے جو کیا اس سے قبل کبھی اس طرح نہیں کیا؟ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! دنیا اور آخرت کے معاملات میں سے جو کچھ ہونے والا تھا مجھ پر پیش کیا گیا، اوّلین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کیا گیا، پس لوگ گھبرا کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور قریب تھا کہ وہ پسینے میں ڈوب جاتے۔ عرض کریں گے: اے آدم علیہ السلام! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اور آپ ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منتخب ہیں اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ وہ فرمائیں گے: مجھے بھی اس طرح پریشانی ہے جس طرح تمہیں ہے۔ تم اپنے (پہلے) باپ کے بعد دوسرے باپ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ (بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو سب جہان والوں پر (بزرگی میں) منتخب فرمایا ہے o) (آل عمران، 3:33) پس لوگ مل کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اور آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور روئے زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑا۔ آپ فرمائیں گے: شفاعت کا منصب میرے پاس نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیل بنایا تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ آپ فرمائیں گے: یہ منصب میرے پاس نہیں البتہ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بلاواسطہ گفتگو فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: یہ منصب میرے پاس نہیں لیکن تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ کیونکہ انہوں نے مادر زاد اندھوں اور برص زدہ مریضوں کو (اللہ کے حکم سے) ٹھیک کر دیا اور مردوں کو زندہ کر دیا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: میرے پاس شفاعت کا یہ منصب نہیں البتہ تم اولادِ آدم کے سردار کے پاس چلے جاؤ کیونکہ آپ ہی وہ ہستی ہیں جن کے لئے سب سے پہلے زمین پھٹ جائے گی تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چلے جاؤ وہ اللہ کے حضور تمہاری شفاعت کریں گے۔

راوی فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جائیں گے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام رب کے پاس آئیں گے، پس اللہ رب العزت فرمائیں گے: اُن کو شفاعت کی اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری سناؤ۔ فرمایا: پھر جبرئیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جائیں گے (یہ خبر سننے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقدارِ جمعہ کے برابر سجدہ میں پڑے رہیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے سنا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سرِ انور اٹھائیں گے تو یکا یک اپنے رب کا دیدار کرتے ہی پھر دوسری بار جمعہ کی مقدار کے برابر سجدہ میں پڑے رہیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے، کہیے سنا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ پھر سجدہ ریز ہونا چاہیں گے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ آپ پر ایسے دعائیہ کلمات منکشف فرمائے گا کہ آج تک کسی فردِ بشر پر نہیں فرمائے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے مجھے اولادِ آدم کا سردار بنایا اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا اور سب سے پہلے قیامت کے دن مجھ ہی سے زمین شق ہوگی یہاں تک کہ روزِ قیامت (بعد ازاں) مجھ پر حوض پیش کیا جائے گا جس کی حدود صنعاء اور ایلہ کے درمیانی علاقہ کے برابر ہوں گی۔۔۔۔ الی آخر الحدیث۔ (اخرجہ احمد فی المسند، 1/4.5، رقم: 15) اسے امام احمد بن حنبل، ابن حبان، ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

ابو نضرہ نے روایت کرتے ہوئے کہا: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ کے منبر پر ہمیں خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے حصہ میں مقبول دعا نہ آئی ہو جو دنیا میں پوری ہوئی اور میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے ذخیرہ کر دیا ہے۔ میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا مگر یہ بات بطور فخر نہیں کہتا، میں ہی وہ شخص ہوں جس پر سب سے پہلے زمین (قبر) کھل جائے گی مگر یہ بات بطور فخر نہیں کہتا اور میرے ہاتھوں میں لواءِ حمد ہوگا اور یہ بات بطور فخر نہیں کرتا۔ حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔ قیامت کا دن لوگوں کے لئے لمبا ہو جائے گا تو ان میں سے بعض بعض سے کہیں گے: ہمارے ساتھ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلو تاکہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں جس کی وجہ سے اللہ رب العزت ہمارا فیصلہ فرمائے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہیں گے: اے آدم علیہ السلام! آپ ہی وہ شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے تخلیق فرمایا، آپ کو اس نے اپنی جنت میں ٹھہرایا اور اس نے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے تاکہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے۔ پس وہ کہیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں ہوں اپنی لغزش کی وجہ سے میں جنت سے نکالا گیا اور آج کے دن مجھے اپنا غم ہے لیکن تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ جو نبیوں کے سردار ہیں۔

پس وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے نوح علیہ السلام! اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری

شفاعت کیجئے تا کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے۔ آپ فرمائیں گے: میرا یہ منصب نہیں میں نے ایک دعا کی جس سے اہل ارض غرق ہوگئے۔ آج کے دن مجھے اپنا غم ہے البتہ تم ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ تمام لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے: اے ابراہیم علیہ السلام! اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے تا کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں ہوں میں نے اسلام میں (بظاہر) تین جھوٹ بولے تھے۔ خدا کی قسم اگر کوئی اور شخص ایسی باتوں کے ساتھ حیلہ طلب کرتا ہے تو وہ دین سے نکل جاتا ہے۔ (ان باتوں میں سے) آپ کا کہنا (میری طبیعت مضمحل ہے o) (القرآن، الصافات، 89:37) دوسری بات (بلکہ یہ (کام) ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہوگا تم ان (بتوں) سے ہی پوچھو اگر وہ بول سکتے ہیں o) (القرآن، الانبیاء، 89:21) اور آپ کا اپنی زوجہ کو جب آپ بادشاہ کے پاس آئے میری بہن کہنا۔ (ابراہیم علیہ السلام کہیں گے) آج کے دن مجھے اپنا غم ہے لیکن تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ جنہیں اللہ نے اپنی رسالت اور کلام سے منتخب کیا۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے: اے موسیٰ علیہ السلام! آپ ہی وہ شخصیت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کے ساتھ کلام کیا لہٰذا آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیں تا کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے۔ پس آپ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں ہوں۔ میں نے ایک شخص کو بغیر قصاص کے قتل کیا تھا اور یہ کہ آج مجھے اپنا غم ہے لیکن تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ جو اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہے۔ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیں تا کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے۔ وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں ہوں، مجھے اللہ کے سوا معبود بنالیا گیا اور آج کے دن مجھے اپنا غم ہے لیکن کیا تم لوگوں نے دیکھا ہے کہ اگر کوئی سامان کسی مہر لگے برتن کے اندر ہو تو کیا کوئی اس کے اندر تک بغیر مہر توڑے رسائی حاصل کرسکتا ہے؟ وہ کہیں گے: نہیں! تو آپ فرمائیں گے: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ آج کے دن اس حال میں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اور بعد کے ہر گناہ سے معصوم رکھا ہوا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس لوگ میرے پاس آکر کہیں گے: اے محمد! اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے تا کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے تو میں کہوں گا: یہ میرا ہی منصب ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا جس کو چاہے گا اور جس سے راضی ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا کہ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمادے، ایک آواز دینے والا آواز دے گا: کہاں ہیں احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت؟ پس ہم آخر میں آنے والے اور سب سے پہلے جنت میں جانے والے ہیں، ہم آخری امت ہیں اور وہ ہیں جن کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا، ہمارے راستے سے باقی امتوں کو ہٹا دیا جائے گا۔ ہم اس حال میں چلیں گے کہ ہماری پیشانیاں وضو کے اثر کی وجہ سے چمک رہی ہوں گی۔

دوسری امتیں کہیں گی: امت کا یہ گروہ تو سارے کے سارے انبیاء لگتے ہیں۔ میں باب جنت پر آ جاؤں گا، دروازے کی کنڈی
پکڑ کر دروازہ کھٹکاؤں گا تو پوچھا جائے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا: میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں پس میرے لئے دروازہ
کھول دیا جائے گا۔ اللہ رب العزت (اپنی شان کے مطابق) اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوگا یا تخت پر تو میں اللہ رب العزت کے
لئے سجدہ میں گر پڑوں گا اور ایسے تعریفی کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا جن کے ساتھ نہ مجھ سے پہلے اللہ
تبارک وتعالیٰ کی کسی نے تعریف کی ہے اور نہ میرے بعد کوئی ان کے ساتھ اللہ کی حمد وثنا کرے گا۔ کہا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ
وسلم! اپنا سر اٹھایئے، سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا، کہیے آپ کو سنا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی
جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے رب! میری امت، میری امت. اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر اس شخص کو جہنم سے
نکال لیجئے جس کے دل میں اتنی اتنی مقدار کا ایمان ہو (حماد راوی کو صحیح مقدار یاد نہیں رہی)۔ میں دوبارہ سجدہ ریز ہو کر اسی
طرح عرض کروں گا تو مجھے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھایئے، کہیے آپ کو سنا جائے گا، سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت
کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: اے رب! میری امت، میری امت تو وہ فرمائے گا: جہنم سے اسے بھی
نکال لیجئے جس کے دل میں اتنی اتنی مقدار میں ایمان ہو۔ یہ لوگ پہلے سجدہ سے نکالے جانے والوں کے علاوہ ہوں گے۔ پھر
تیسری بار میں سجدہ ریز ہو کر اسی طرح عرض کروں گا تو مجھے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھایئے، کہیے آپ کو سنا جائے گا، سوال کیجئے
عطا کر دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پس میں کہوں گا: اے رب! میری امت، میری
امت تو وہ فرمائے گا: جہنم سے اس کو بھی نکال لیجئے جس کے دل میں اتنی اتنی مقدار میں ایمان ہو۔ یہ تعداد پہلی تعدادوں کے
علاوہ ہوگی۔

اسے امام احمد اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس میں ایک راوی علی بن زید ہے جسے ضعف کی
وجہ سے ثقہ قرار دیا گیا ہے باقی اِن کے رجال صحیح ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/ 281، الرقم: 2546)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے
دن جملہ مخلوقات میں سب سے پہلے میری زمین شق ہوگی اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا، حمد کا جھنڈا مجھے تھمایا جائے گا اور یہ
بات بطور فخر نہیں کہتا، قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور یہ بات بطور فخر نہیں کہتا اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا
جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔

میں جنت کے دروازے کے پاس آ کر اس کی کنڈی پکڑ لوں گا تو فرشتے پوچھیں گے: یہ کون ہیں؟ میں کہوں گا: میں محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ وہ میرے لئے دروازہ کھولیں گے تو میں اندر داخل ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے سامنے جلوہ افروز ہوگا تو
میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے اور کلام کیجئے آپ کو سنا جائے گا، اور
کہیے آپ کی بات قبول کی جائے گی اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا:

میرے رب! میری امت، میری امت۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنی امت کے پاس چلے جایئے اور جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر ایمان پائیں اس کو جنت میں داخل کیجئے۔ میں آ کر جس کے دل میں اتنا ایمان پاؤں گا تو اسے جنت میں داخل کر دوں گا۔

پھر اچانک دیکھوں گا کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے جلوہ افروز ہے تو میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھا لیجیے اور گفتگو کیجئے آپ سے سنا جائے گا، اور کہیے آپ کی بات قبول کی جائے گی اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنی امت کے پاس چلے جایئے اور جس کے دل میں آدھے جَو کے دانے کے برابر ایمان پائیں اس کو جنت میں داخل کیجئے۔ پس میں جاؤں گا اور جس کے دل میں اتنی مقدار میں ایمان پاؤں گا ان کو بھی جنت میں داخل کروں گا۔

پھر اچانک دیکھوں گا کہ اللہ رب العزت میرے سامنے جلوہ افروز ہے تو میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھا لیجیے اور گفتگو کیجئے آپ سے سنا جائے گا، اور کہیے آپ کی بات قبول کی جائے گی اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: میری امت، میری امت. پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنی امت کے پاس چلے جایئے اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان موجود ہو اس کو جنت میں داخل کیجئے، میں جاؤں گا اور جن کے دل میں ایمان کی اتنی مقدار پاؤں گا ان کو بھی جنت میں داخل کروں گا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کے حساب سے فارغ ہو جائے گا اور میری امت میں سے باقی جو لوگ بچ جائیں گے وہ اہل نار کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پس دوزخ والے لوگ ان کو طعنہ دیں گے: تمہیں اس چیز نے کوئی فائدہ نہیں دیا کہ تم اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے؟ اس پر اللہ رب العزت فرمائے گا: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ان کو ضرور جہنم کی آگ سے نجات دوں گا۔ پس ان کی طرف فرشتہ بھیجے گا تو وہ اس حال میں اس سے نکلیں گے کہ بری طرح جھلس گئے ہوں گے، پھر وہ نہر حیات میں داخل ہوں گے تو اس میں سے اس طرح نکلیں گے جس طرح پانی کے کنارے دانہ اگتا ہے۔ ان کے ماتھے کے درمیان لکھ دیا جائے گا یہ عُتَقَاءُ اللہ (اللہ کے آزاد کردہ) ہیں۔ وہ فرشتہ ان کو لے جائے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔ اہلِ جنت انہیں کہیں گے: یہ لوگ جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ عُتَقَاءُ الجبّار (اللہ تعالیٰ جبّار کے آزاد کردہ) ہیں۔ اسے امام احمد اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اِسناد ٹھیک ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/144، الرقم: 12469)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کو جمع فرمائے گا اور حساب کتاب کے فیصلے سے فارغ ہو جائے گا۔ مومن کہیں گے: ہمارے

رب نے ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیا پس کون ہمارے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرے گا؟ وہ (آپس میں) کہیں گے: حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلو، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور ان کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ وہ ان کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: کھڑے ہو جایئے اور اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ آدم علیہ السلام فرمائیں گے: تم لوگ نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ پس وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانے کا کہیں گے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آئیں گے تو وہ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لئے تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس وہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنے حضور کھڑا ہونے کی توفیق فرمائے گا، میری نشست سے ایسی خوشبو پھیلے گی کہ اس جیسی مہک کسی نے کبھی نہیں سونگھی ہوگی۔ یہاں تک کہ میں اپنے رب کے حضور آؤں گا تو وہ مجھے حق شفاعت عطا فرمائے گا اور مجھے سر کے بالوں سے لے کر قدموں کے ناخنوں تک سراپائے نور بنا دے گا۔ اس پر کافر ابلیس سے کہیں گے: ایمان والوں نے ایسی ہستی کو پالیا ہے جو ان کی شفاعت کرے گا پس تو کھڑا ہو اور اپنے رب سے ہماری شفاعت کر کیونکہ تو نے ہی ہمیں گمراہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کھڑا ہو گا تو اس کی نشست سے اتنی سخت بدبو پھیلے گی کہ کسی نے اس جیسی کبھی نہ سونگھی ہوگی، پھر وہ عذاب جہنم کے لئے بڑا ہو جائے گا تو اس وقت وہ کہے گا: (اور شیطان کہے گا جبکہ فیصلہ ہو چکا ہوگا بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے (بھی) تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی ہے)

(القرآن، ابراہیم، 22:14)۔ اسے امام دارمی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الدارمی فی السنن، 2/421، الرقم: 2804)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قیامت کے دن سورج کو دس سال کی مسافت جتنی گرمی عطا کی جائے گی، پھر (آہستہ آہستہ) وہ لوگوں کے سروں کے قریب ہو جائے گا یہاں تک کہ دو کمانوں جتنا فاصلہ ہوگا۔ لوگ پسینہ میں غرق ہوں گے یہاں تک کہ پسینہ زمین پر ٹپک رہا ہوگا پھر سورج بلند ہوگا تو انسان اس کی حدت سے ہانڈی کے ابلنے کی طرح جوش مارے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہاں تک کہ کوئی شخص کہے گا: (ہمیں) ذبح کر دیا گیا پس جب وہ اپنی حالت دیکھیں گے، ان میں سے بعض بعض سے کہیں گے: کیا تم اپنی حالت نہیں دیکھ رہے؟ آؤ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے پاس چلیں کہ وہ تمہارے رب سے تمہاری شفاعت فرمائیں، پس وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں، میں اس منصب پر فائز نہیں، تو (تمہارا کام مجھ سے) کہاں ہوگا؟ پس وہ عرض کریں گے: آپ ہمیں کس کی طرف جانے کا حکم فرماتے ہیں؟ وہ فرمائیں گے: تم اللہ کے شکر گزار بندے کے پاس جاؤ تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے اللہ کے نبی! آپ ہی وہ ہستی ہیں جن کو اللہ نے شکر گزار بنایا ہے، اور آپ ہماری حالت دیکھ رہے ہیں لہٰذا

اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کریں تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں، میرا یہ منصب نہیں تو (مجھ سے یہ کام) کہاں ہوگا؟ پس وہ عرض کریں گے: آپ ہمیں کس کی طرف جانے کا حکم فرماتے ہیں؟ وہ فرمائیں گے: رحمان کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے خلیل الرحمان! آپ ہماری حالت ملاحظہ فرما رہے ہیں لہٰذا اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کریں تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں، میرا یہ منصب نہیں تو کام کہاں ہوگا؟ پس وہ عرض کریں گے: آپ ہمیں کس کی طرف جانے کا حکم کرتے ہیں تو وہ فرمائیں گے: تم اللہ کے کلمہ اور اس کی روح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے پاس جاؤ تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے اللہ کے کلمہ اور اس کی روح! آپ ہماری حالت ملاحظہ فرما رہے ہیں لہٰذا اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کریں تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں، میرا یہ منصب نہیں، تو کام کہاں ہوگا؟ پس وہ عرض کریں گے: آپ ہمیں کس کی طرف جانے کا حکم کرتے ہیں؟ وہ فرمائیں گے: تم اس بندہ کے پاس جاؤ جس کے ذریعہ اللہ نے بابِ نبوت کھولا اور نبوت ختم فرمائی اور اس کے صدقے پہلے اور پچھلے بخش دیئے گئے، اور آج کے دن ہم (ان کی عظمت کو متعارف کرانے کے) امین ہیں۔

پس وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے بابِ نبوت کھولا اور آپ پر نبوت کا خاتمہ فرمایا اور آپ کے صدقے پہلے اور پچھلے بخش دیئے گئے اور آپ اس دن امن میں ہیں، آپ ہماری حالت ملاحظہ فرما رہے ہیں تو اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے تو آپ فرمائیں گے: میں تمہارا خیر خواہ ہوں، پس آپ لوگوں کے درمیان سے نکل کر جنت کے دروازے تک آئیں گے اور دروازے میں لگا سونے کا کنڈا پکڑ کر دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو پوچھا جائے گا: کون ہے؟ آپ فرمائیں گے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! راوی فرماتے ہیں: آپ کے لئے اسے کھول دیا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور حاضر ہو کر سجدوں کی اجازت طلب کریں گے تو آپ کو اذن دیا جائے گا، پس آپ سجدہ ریز ہوں گے تو رب تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور دعا کیجیے آپ کی دعا قبول کی جائے گی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے: اے میرے رب! میری امت، میری امت! پھر سجود کی اجازت طلب کریں گے تو آپ کو اذن دیا جائے گا، آپ سجدہ ریز ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی حمد و ثنا اور بزرگی کے ایسے کلمات کشف فرمائے گا کہ خلائق میں سے کسی پر ایسا نہیں کیا گیا۔ پس وہ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے، سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور دعا کیجئے آپ کی دعا قبول کی جائے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھا کر عرض کریں گے: اے میرے رب! میری امت، میری امت! دو بار یا تین بار فرمائیں گے۔ (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کی

شفاعت فرمائیں گے جس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر ایمان ہوگا یا جَو کے برابر ایمان ہوگا یا رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا، وہی مقام محمود ہوگا۔ اسے امام ابن ابی شیبہ اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے اس حدیث کی اسناد کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ (أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، 6/308، الرقم: 31675)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: مجھے تمام لوگوں سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جبکہ ہر نبی صرف اپنی بستی کی طرف مبعوث ہوتا تھا، رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی کہ میرا دشمن ایک ماہ کی مسافت پر مجھ سے مرعوب ہو جاتا ہے، مجھے مال غنیمت سے نوازا گیا، میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی، اور مجھے شفاعت عطا کی گئی جسے میں نے اپنی امت کے لیے مؤخر کر دیا ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، 12/413، الرقم: 13522)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزوں کی وجہ سے تمام انبیاء پر فضیلت سے نوازا گیا: مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا، میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لیے ذخیرہ کر دیا، میری رعب کے ذریعے ایک ماہ آگے اور ایک ماہ پیچھے مدد فرمائی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی، اور میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، 7/154، الرقم: 6674)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: مجھے سرخ وسیاہ (تمام لوگوں) کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جبکہ پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا، ایک ماہ کی مسافت کے رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی، مجھے مال غنیمت کھلایا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی کو نہیں کھلایا گیا، میرے لئے تمام روئے زمین پاک کرنیوالی (جائے تیمّم) اور مسجد بنا دی گئی، اور ہر نبی کو اس کا طلب کیا ہوا عطا کر دیا گیا جس میں اس نے جلدی کی تھی جبکہ میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر دیا ہے، اور وہ ان شاء اللہ ہر اس شخص کو پہنچنے والی ہے جو مرتے دَم تک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ہوگا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط، 8/211، الرقم: 7435)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ تھے، میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی جبکہ ہم سے پہلے لوگ مخصوص مقامات پر نماز پڑھتے تھے، مجھے ہر سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے حالانکہ کسی بھی خاص شخص (نبی) کو اس کی قوم کی

طرف مبعوث کیا جاتا تھا، میرے آگے ایک ماہ کی مسافت کے رعب کے ذریعے مدد فرمائی گئی ہے، کوئی قوم میرے بارے میں سنتی ہے حالانکہ ان کے اور میرے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ ہوتا ہے تو وہ مجھ سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں یعنی رعب و دبدبہ کو میرا مددگار بنایا گیا، اور مجھے کہا گیا: سوال کیجیے آپ کو عطا کیا جائے گا تو میں نے اسے اپنی امت کی شفاعت کے لیے رکھ چھوڑا ہے اور وہ ہر اس شخص کو پہنچنے والی ہے جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط، 269/7، الرقم: 7471)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی ایک خادمہ ان کی خدمت سر انجام دیتی تھی جس کا نام بریرہ تھا۔ ایک شخص نے اس سے مل کر کہا: اپنے بالوں کی چھوٹی زلفوں کو ڈھانپ کر رکھا کر کیونکہ تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہرگز کسی چیز کا کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی تو آپ چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے اپنے سرخ رخساروں کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ (راوی فرماتے ہیں) ہم گروہ انصار آپ کے جلال کو چادر مبارک کے گھسیٹنے اور رخسار مبارک کے سرخ ہونے سے پہچانتے تھے لہٰذا ہم اپنا اسلحہ اٹھا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! آپ جو چاہیں ہمیں حکم فرمائیں، پس اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں ہمارے والدین اور اولاد کے بارے میں کوئی حکم بھی فرمائیں گے تو ہم آپ کے ارشاد کو ان کے بارے میں ضرور کر گزریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر رونق افروز ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پوچھا: میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (ایسا ہی ہے)! لیکن میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن مناف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور (مجھے اس پر) فخر نہیں، سب سے پہلے مجھ ہی سے زمین شق ہو گی اور فخر نہیں، سب سے پہلے میرے ہی سر سے خاک جھاڑی جائے گی اور مجھے فخر نہیں اور میں ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ میرا رشتہ نفع نہیں پہنچائے گا؟ ایسا نہیں ہے جیسا انہوں نے گمان کیا، بے شک میں ضرور شفاعت کروں گا اور یہاں تک شفاعت کروں گا کہ جس کی میں شفاعت کروں گا وہ بھی شفاعت کر سکے گا اور اس کی شفاعت بھی قبول کی جائے گی یہاں تک کہ ابلیس بھی میری شفاعت میں رغبت رکھے گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط، 202/5، الرقم: 5082)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت پر گامزن رہنے اور اطاعت کی مخالفت کے سبب اہل قبلہ میں سے لوگ جہنم میں داخل ہوں گے جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مجھے اذن شفاعت دیا جائے گا تو میں اللہ جل جلالہ کی حالت سجدہ میں تعریف کروں گا جیسے میں اس کی قیام میں تعریف کروں گا... (اور راوی نے حدیث ذکر کی اسکا آخری حصہ اس طرح ہے) پس مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر

اٹھائیے، اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام منذری اور ہیثمی نے اس کی اِسناد کو حسن کہا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الصغیر، 1/80، الرقم:103)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے بدتر لوگوں کے لئے بہترین ہوں۔ آپ کے ہم نشینوں میں سے کسی شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ان کے بہترین لوگوں کے لئے کیسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بدترین لوگوں کو اللہ تعالیٰ میری شفاعت سے جنت میں داخل فرمائے گا اور ان کے بہترین کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے سبب جنت میں داخل فرمائے گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 8/97، الرقم:7483)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث صور میں روایت ہے کہ لوگوں کے پل صراط کے پار ہو جانے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جب اہل جنت کو جنت کی طرف اور اہل جہنم کو جہنم کی طرف پہنچایا جائے گا۔ وہ کہیں گے: کون ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت کرے گا کہ وہ ہمیں جنت میں داخل فرمائے؟ راوی فرماتے ہیں: پس وہ کہیں گے: تمہارے باپ آدم علیہ السلام سے بڑھ کر کون شخص اس کا زیادہ حق دار ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی اور سب سے پہلے ان سے کلام کیا۔ پس آدم علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے یہ طلب کیا جائے گا تو وہ انکار کریں گے اور فرمائیں گے: تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے یہ طلب کیا جائے گا تو وہ اپنا (بظاہر) گناہ یاد کر کے عرض کریں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں، لیکن تم ابراہیم علیہ السلام کو لازمی پکڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیل بنایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے یہ مطالبہ کیا جائے گا تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں، لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کو لازمی پکڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قریب کر کے سرگوشی کی ہے اور ان پر تورات اتاری ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں لیکن تم اللہ کی روح اور اس کے کلمہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے پاس لازمی جاؤ۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے یہ مطالبہ کیا جائے گا تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں لیکن میں تمہاری رہنمائی کروں گا تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لازمی جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے پاس آئیں گے، میرے لئے اپنے رب کے ہاں تین شفاعتیں ہیں جن کا اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: میں جنت کی طرف آؤں گا اور دروازے کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا تو اسے میرے لئے کھول دیا جائے گا۔ پس مجھے سلام کیا جائے گا اور مرحبا کہا جائے گا تو میں جنت میں داخل ہوں گا۔ جب میں اس میں داخل ہوں گا تو اپنے رب کو عرش پر دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اس وقت تک سجدہ میں رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ

چاہے گا کہ میں سجدہ میں رہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی حمد اور بڑائی کرنے کا ایسے کلمات سے اذن دے گا کہ مخلوق میں سے کسی کو ایسا اذن نہیں دیا گیا، بعد ازاں وہ فرمائے گا: اپنا سر اٹھایئے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم! شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عرض کروں گا: اے میرے رب! جو میرے امتی جہنم میں گر گئے ہیں (ان کی بخشش چاہتا ہوں)؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم جاؤ جس کی تم صورت پہچانو اس کو جہنم سے نکال لو، پس ان کو نکال لیا جائے گا حتی کہ ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم جاؤ پس جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو، پھر فرمائے گا: دو تہائی دینار کے برابر، پھر فرمائے گا: آدھے دینار کے برابر، پھر فرمائے گا: ایک قیراط (دینار کے دسویں حصے کے نصف برابر) پھر فرمائے گا: تم جاؤ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو (اس کو نکال لو) فرماتے ہیں: پس انہیں نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تم دنیا میں اپنے گھروں اور بیویوں کو اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد اپنے گھروں اور بیویوں سے زیادہ پہچان رکھنے والے نہیں ہو۔ اسے امام ابن راہویہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن راہویہ فی المسند، 1/94، الرقم: 10)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دی گئیں: میرے لئے تمام روئے زمین پاک کرنیوالی (جائے تیمم) اور مسجد بنا دی گئی جبکہ پہلے انبیاء میں سے کوئی نبی بھی مخصوص مقام کے علاوہ کسی جگہ نماز نہیں پڑھتا تھا، ایک ماہ کی مسافت تک کے رعب سے میری مدد فرمائی گئی، میرے اور مشرکوں کے درمیان ابھی ایک ماہ کا فاصلہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے، ہر نبی کو اس کی خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے جن و انس کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، انبیاء خمس مال کو جدا کر کے رکھ دیتے تھے تو آگ آ کر ان کو کھا جاتی جبکہ مجھے اسے اپنی امت کے فقراء میں تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ہر نبی کو اس کا طلب کیا ہوا عطا کر دیا گیا جبکہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لیے مؤخر کر دیا ہے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی السنن الکبری، 2/433، الرقم: 4064)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے سرخ و سیاہ (تمام لوگوں) کی طرف مبعوث کیا، رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی، میرے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا، اور میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی، اور مجھے روز قیامت میری امت کے گناہ گاروں کے لئے شفاعت عطا کی گئی ہے۔ اسے امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق الکبیر، 14/296)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں

جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی (جائے تیمم) بنا دی گئی۔۔۔ یا فرمایا: میرے لئے تمام روئے زمین پاکیزہ، پاک کرنیوالی (جائے تیمم) اور مسجد بنا دی گئی۔۔۔ تو ابو عامر سے کہا گیا کہ کیا آپ کو شک ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔۔۔ اور ایک ماہ کی مسافت کے رعب کے ذریعے میرے دشمن پر میری مدد فرمائی گئی، مجھے سرخ و سیاہ (تمام لوگوں) کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، میری امت کو مال فئی کھلایا گیا جبکہ مجھ سے پہلے کسی امت کو اسے نہیں کھلایا گیا، اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور وہ ہر اس شخص کو پہنچنے والی ہے جو مرتے دم تک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ہوگا۔ اسے امام لالکائی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ اللالکائی فی شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ، ۱/ 444، الرقم: 1449)

اللہ تعالیٰ کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز فرمانے کا بیان

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے روز لوگ گروہ در گروہ اپنے اپنے نبی کے پیچھے چلیں گے اور عرض کریں گے: اے فلاں! ہماری شفاعت فرمایئے، اے فلاں! ہماری شفاعت فرمایئے حتی کہ طلب شفاعت کا سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہو جائے گا۔ یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: التفسیر)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص (دنیا میں بھکاری بن کر) لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا تک نہ ہوگا۔ اور فرمایا: قیامت کے دن سورج (مخلوق کے) اتنا قریب ہوگا کہ (ان کا) پسینہ نصف کان تک پہنچ جائے گا۔ پس وہ اس حال میں حضرت آدم علیہ السلام سے مدد طلب کریں گے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کرنے جائیں گے۔ عبد اللہ بن جعفر نے اتنا زیادہ بیان کیا کہ مجھ سے لیث نے بیان کیا ان سے ابن ابی جعفر نے بیان کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔ آپ جائیں گے حتی کہ جنت کے دروازے کا کنڈا پکڑ لیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا اور سارے اہل محشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے۔ اسے امام بخاری، ابن مندہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الزکاۃ)

یزید الفقیر کہتے ہیں: مجھے خوارج کی رائے نے گھیر لیا تھا (کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے)۔ ہم لوگوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ حج کرنے کے لئے نکلے (اور سوچا کہ بعد میں) ہم لوگوں کے پاس (اپنے اس عقیدہ کو بیان کرنے کے لئے) جائیں گے۔ فرماتے ہیں: ہمارا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ایک ستون کے پاس بیٹھے لوگوں کو احادیث بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: اچانک انہوں نے جہنمیوں کا ذکر فرمایا تو میں نے ان سے عرض کیا: اے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ یہ کیا بیان کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو (جہنمیوں کے بارے)

فرماتا ہے: (بے شک تو جسے دوزخ میں ڈال دے تو تُو نے اسے واقعۃً رسوا کر دیا) (آل عمران، 192:3) اور ایک مقام پہ ہے (دوزخی) جب بھی اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے) (السجدۃ، 20:32) آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! فرمایا: کیا تم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام پڑھا ہے جس پر اللہ تعالیٰ انہیں فائز فرمائے گا؟ میں نے کہا: ہاں! فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ایسا مقام محمود ہے جس پر فائز ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا جہنم سے نکالے گا۔ فرماتے ہیں: پھر انہوں نے پل صراط اور لوگوں کے اس پر گزرنے کو بیان فرمایا۔ کہتے ہیں: مجھے ڈر ہے کہ شاید میں اسے یاد نہ رکھ سکوں۔ تاہم انہوں نے یہ بیان کیا کہ لوگ جہنم میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکلیں گے۔ ابو نعیم کہتے ہیں: وہ ایسے نکلیں گے جیسا کہ آبنوس کی جلی ہوئی لکڑیاں، پھر جنت کی نہر میں غسل کر کے کاغذ کی طرح سفید ہو کر نکلیں گے۔ پس ہم وہاں سے لوٹے اور ہم نے آپس میں کہا: تم پر افسوس ہو کیا یہ شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہیں؟ پس ہم میں سے ایک شخص کے سوا سبھی خوارج کے عقیدہ سے تائب ہو گئے جیسا کہ ابو نعیم نے بیان کیا ہے۔ اسے امام مسلم، ابو عوانہ، ابنِ مندہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔
(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا٥) (بنی اسرائیل، 79:17) کے بارے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مقامِ شفاعت ہے۔ اسے امام ترمذی، احمد، ابنِ ابی شیبہ اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: تفسیر القرآن)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا قائد ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا اور کوئی فخر نہیں، حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سارے لوگ اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس سے سب سے پہلے زمین شق ہو گی اور مجھے کوئی فخر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تین بار گھبرانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ ہمارے باپ ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ فرمائیں گے: مجھ سے لغزش واقع ہوئی جس کے باعث مجھے زمین پر اترنا پڑا تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، پھر وہ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو آپ فرمائیں گے: میں نے زمین پر ایک دعا مانگی جس کے باعث سارے لوگ ہلاک کر دیئے گئے تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو آپ فرمائیں گے میں نے تین مرتبہ (بظاہر) خلافِ واقعہ بات کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے ان تینوں باتوں سے دینِ الٰہی کو بچانے کے لئے حیلہ کیا، حضرت ابراہیم فرمائیں گے حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے تو

آپ فرمائیں گے: میں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا تم عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے: لوگوں نے اللہ عزوجل کے علاوہ مجھے بھی معبود بنالیا تھا تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر وہ میرے پاس آئیں گے تو میں ان کے ساتھ چلوں گا۔ ابنِ جدعان (راوی حدیث) کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا کہ میں اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا، تو کہا جائے گا: کون؟ جواب دیا جائے گا: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ وہ میرے لئے دروازہ کھولیں گے اور مجھے مرحبا کہیں گے، میں (اللہ عزوجل کے سامنے) سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء کا کچھ حصہ الہام فرمائے گا۔ مجھے کہا جائے گا: سر اٹھایئے، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی اور فرمایئے آپ کی بات مانی جائے گی۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گاo)

(بنی اسرائیل، 79:17)

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض راویوں نے بواسطہ ابونضرہ، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو مفصل روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب تفسیر القرآن)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گاo) (بنی اسرائیل، 79:17) کے بارے میں فرمایا: مقامِ محمود شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں میں سے ایک قوم کو ان کے گناہوں کے باعث عذاب دے گا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے انہیں (جہنم) سے نکال کر ایسی نہر کے پاس لایا جائے گا جسے حیات آور کہا جاتا ہے۔ پس وہ اس میں غسل کریں گے اور پھر جنت میں داخل ہو جائیں گے، انہیں (جنت میں) جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے (اس نام کے خاتمہ کا) مطالبہ کریں گے تو وہ اس نام کو ان سے ختم کر دے گا۔ اسے امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ، 1/148)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ کے فرمان (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گاo) (بنی اسرائیل، 79:17) کے بارے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور اہلِ قبلہ میں سے ایک قوم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم سے نکالے گا، یہی مقامِ محمود ہے۔ پس انہیں ایسی نہر کے پاس لایا جائے گا جسے حیات آور کہا جاتا ہے۔ پھر انہیں اس میں ڈال دیا جائے گا تو وہ اس میں ایسے اگیں گے جیسے سفید ککڑیاں اگتی ہیں، بعد ازاں وہ (اس نہر سے نکل کر) جنت میں داخل ہو جائیں گے تو انہیں (اس میں) جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے (اس نام کے خاتمے کا) مطالبہ کریں گے تو وہ اس نام کو ان سے ختم کر دے گا۔ اسے امام

ابو حنیفہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ، 1 / 152)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقام محمود شفاعت ہے۔ اسے امام احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/ 478، الرقم 10200)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گاo) (بنی اسرائیل، 17:79) کے بارے فرمایا: یہ وہ مقام ہے جس میں، میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/ 441، الرقم: 9684)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پل صراط پر کھڑا اپنی امت کے اسے عبور کرنے کا انتظار کر رہا ہوں گا کہ اس اثناء میرے پاس عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر کہیں گے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ انبیاء آپ کے پاس التجا لے کر آئے ہیں یا آپ کے پاس اکٹھے ہیں (راوی کو شک ہے) اور اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں کہ وہ تمام گروہوں کو اپنی منشاء کے مطابق الگ کر دے تا کہ انہیں پریشانی سے نجات مل جائے۔ اس دن ساری مخلوق پسینے میں ڈوبی ہوگی، مومن پر اس کا اثر ایسے ہوگا جیسے زکام (میں ہلکا پھلکا پسینہ) اور جو کافر ہوگا اس پر جیسے موت وارد ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس میں عیسیٰ سے کہوں گا: ذرا ٹھہریئے جب تک کہ میں آپ کے پاس لوٹوں۔ راوی کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے یہاں تک کہ عرش کے نیچے کھڑے ہوں گے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شرفِ باریابی حاصل ہوگا جو کسی برگزیدہ فرشتہ کو حاصل ہوا نہ کسی نبی مرسل کو۔ پھر اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو وحی فرمائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہو: اپنا سر اٹھایئے، مانگیے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس میری امت کے حق میں میری شفاعت قبول کی جائے گی کہ ہر 99 لوگوں میں سے ایک کو نکالتا جاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بار بار اپنے رب کے حضور جاؤں گا اور جب بھی اس کے حضور کھڑا ہوں گا میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کا مکمل اختیار عطا کر کے فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت اور اللہ کی مخلوق میں سے ہر اس شخص کو بھی جنت میں داخل کر دیجیے جس نے ایک دن بھی اخلاص کے ساتھ یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی پر اس کو موت آئی ہو۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ امام منذری اور ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کے اشخاص صحیح حدیث کے اشخاص ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/ 178، الرقم: 12824)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایمان والوں کو روک لیا جائے گا تو وہ اس سے غمگین ہو کر آپس میں کہیں گے: ہمیں اپنے پروردگار کے ہاں کوئی سفارشی چاہئے جو ہمیں اس سے راحت فراہم کرے۔ پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ ہمارے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے تخلیق فرمایا اور آپ کے لئے ملائکہ کو سجدہ کرایا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھلا

دیئے تو آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں۔ وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں اور اپنے درخت سے کھانے کا ذکر کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا، لیکن تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کی خطا کا ذکر کریں گے، بلکہ تم اللہ الرحمٰن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ پس وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر فائز نہیں اور اپنے (بظاہر نظر آنے والے) تین جھوٹوں کی خطا کا ذکر کریں گے۔ ان کا یہ کہنا (بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں o) (القرآن، الصافات، 37: 89) اور ان کا قول (بلکہ یہ (کام) ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہوگا) (القرآن، الانبیاء، 21:63) اور جب وہ مع اہلیہ ظالم صاحب ثروت (حکمران) کے پاس آئے تو اہلیہ سے فرمایا: تم اسے کہنا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور میں اسے بتاؤں گا کہ تو میری بہن ہے۔ (اس سبب کی وجہ سے وہ لوگوں سے فرمائیں گے) تم اس کے بندہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے اور ان کو تورات عطا کی ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے: میں اس پر فائز نہیں اور ایک شخص کو قتل کرنے کی اپنی خطا کا ذکر کریں گے، لیکن تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے، اس کے رسول، اللہ کے کلمے اور اس کی روح ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے: میں اس منصب پر نہیں، لیکن تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جن کو پہلے اور بعد کی تمام تقصیرات کی مغفرت سنا دی گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اس کے گھر میں داخلے کی اجازت چاہوں گا تو مجھے اذن دیا جائے گا۔ پس رب کو دیکھتے ہی میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اسی حالت پر رکھے گا پھر فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے، کہیے آپ کو سنا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ فرماتے ہیں: میں اپنا سر اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے کلمات سے حمد و ثنا کروں گا۔ پھر میں سفارش کروں گا تو وہ میرے لئے حد مقرر فرمائے گا لہٰذا میں انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر دوسری بار میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اذن دیا جائے گا۔ پس اس کو دیکھتے ہی میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اس حال پر رکھے گا پھر فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھایئے! کہیے آپ کو سنا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ فرماتے ہیں: میں اپنا سر اٹھا کر اپنے رب کی ان کلمات سے حمد و ثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھلائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو وہ میرے لئے حد مقرر فرمائے گا پس میں انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر تیسری بار میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ پس اس کو دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اس حال پر رکھے گا پھر

فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھایئے! کہیے آپ کو سنا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ فرماتے ہیں: میں اپنا سر اٹھا کر اپنے رب کی ان کلمات سے حمد وثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھلائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو وہ میرے لئے حد مقرر فرمائے گا پس میں انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ جہنم میں صرف وہ رہ جائے گا جسے قرآن نے روکا ہے یعنی جس نے ہمیشہ رہنا ہے۔ پھر حضرت قتادہ نے آیتِ مبارکہ تلاوت کی: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گاo) (بنی اسرائیل، 79:17) فرمایا: یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے۔ اسے امام احمد اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/244، الرقم: 13562)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے فرمان (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گاo) (القرآن، بنی اسرائیل، 79:17) کے بارے فرماتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ روزِ آخرت لوگوں کو ایک ہموار میدان میں اکٹھا فرمائے گا، جہاں پکارنے والے کی آواز سب سنیں گے اور سب نظر آتے ہوں گے، لوگ اسی طرح عریاں ہوں گے جس طرح پیدا ہوئے تھے اور سب خاموش ہوں گے اذنِ الٰہی کے بغیر کسی کو بولنے کی جرات نہیں ہوگی۔ (اللہ رب العزت) آواز دے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تیری اطاعت کے لئے مستعد ہوں، ساری بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، اور کسی شر کو تیرے آگے کوئی چارہ نہیں، جس کو تُو ہدایت سے نوازے وہی ہدایت یافتہ ہے، تیرا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے، میں تیرے ہی لئے ہوں اور میری دوڑ تیری ہی جانب ہے، تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ اور جائے نجات نہیں۔ تیری ذات بابرکات بلند اور پاک ہے، اے بیت اللہ کے رب۔ یہی مقامِ محمود ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گاo) (بنی اسرائیل، 79:17)

اسے امام حاکم، نسائی، ابنِ ابی شیبہ اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: شیخین کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 2/395، الرقم: 3384)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سطحِ زمین کو عظمتِ رحمٰن کے سبب اتنا کم کر دیا جائے گا کہ کسی بھی بشر کے لئے فقط اپنا پاؤں رکھنے کے لئے جگہ ہوگی۔ پھر سب انسانوں سے پہلے مجھے بلایا جائے گا تو میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پھر مجھے اذنِ کلام دیا جائے گا تو میں کھڑا ہو کر عرض کروں گا: اے میرے رب! یہ ہے وہ جبرئیل جس نے مجھے خبر دی، اور وہ اللہ کے دائیں طرف ہوں گے، اللہ کی قسم! میں نے جبریل کو ایسی حالت میں پہلے کبھی نہیں دیکھا، تُو نے اس کو میری طرف بھیجا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل خاموش کھڑے ہوں گے، کچھ کلام نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس نے سچ کہا، پھر مجھے اذنِ شفاعت دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا: اے

میرے رب! تیرے بندے زمین میں ہر جگہ تیری عبادت کرتے تھے یہی وہ مقام (جہاں کھڑا ہو کر میں شفاعت کروں گا)
مقامِ محمود ہو گا۔ اسے امام حاکم نے روایت کیا اور کہا ہے: شیخین کی شرط پر اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

(اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 614:4، الرقم:8701)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن سورج دس سال کی مسافت سے گرم ہو گا، پھر (آہستہ آہستہ)
وہ لوگوں کے گروہوں سے قریب ہو جائے گا، (انہوں نے پوری حدیث ذکر کی پھر) فرماتے ہیں: لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے اللہ کے نبی! آپ ہی وہ ذات ہیں جن سے اللہ نے معاملۂ تخلیق اور
نبوت کا آغاز فرمایا اور آپ کی خاطر آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہوں کو بخش دیا ہے۔ آپ ہماری حالت مشاہدہ فرما
رہے ہیں لہٰذا آپ ہی اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں، آپ فرمائیں گے: میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو آپ لوگوں
کو جمع کرتے ہوئے جنت کے دروازے تک پہنچ جائیں گے، پس آپ سونے کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھٹائیں گے تو
پوچھا جائے گا: کون ہے؟ فرمایا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اسے کھول دیا جائے گا تو آپ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدہ
ریز ہو جائیں گے۔ وہ فرمائے گا: اپنا سر اٹھایئے، سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول
کی جائے گی، پس یہی مقامِ محمود ہے۔ اسے امام طبرانی، ابنِ ابی شیبہ اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ امام منذری اور
ہیثمی نے کہا ہے: اس کی اِسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 6/247، الرقم:6117)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ شفاعت کا اِذن عطا فرمائے گا تو روح القدس جبرئیل
علیہ السلام شفاعت فرمائیں گے، پھر اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام شفاعت فرمائیں گے، پھر عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام شفاعت
فرمائیں گے۔ ابوزعراء کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کون ہو گا؟ فرماتے ہیں: پھر (عموماً) حضور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم چوتھے شفاعت فرمائیں گے، آپ اتنی کثرت سے شفاعت کریں گے کہ آپ کے بعد کوئی بھی التجا نہ کرے گا۔
یہی مقامِ محمود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا O) (القرآن، بنی
اسرائیل، 79:17)۔ اسے امام طیالسی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطیالسی فی المسند، 1/51، الرقم:389)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام اور محبت کے باعث شفاعت کے لئے عرش الٰہی پر بٹھائے جانے یا رب العالمین کے دائیں طرف قیام فرما ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس
پر سب سے پہلے زمین شق ہو گی پس مجھے جنت کے لباس میں سے ایک پوشاک پہنائی جائے گی۔ اس کے بعد میں عرش کے
دائیں جانب اعلیٰ مقام پر کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا مخلوق میں سے کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہو گا۔ اسے امام ترمذی نے روایت
کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، ابواب المناقب،)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور میری امت روز قیامت ایک ٹیلے پر جمع ہوں گے، پس میرا پروردگار مجھے سبز رنگ کا لباس فاخرہ پہنائے گا (امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں سرخ لباس کا ذکر ہے) پھر مجھے اِذن دیا جائے گا تو میں اللہ رب العزت کی منشاء کے مطابق حمد وثنا کروں گا پس یہی مقامِ محمود ہے۔اسے امام احمد، ابنِ حبان، حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔امام حاکم نے کہا ہے: شیخین کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے، اور امام ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کے اشخاص صحیح حدیث کے رجال ہیں۔(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند،3/456، الرقم15783)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تمہارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (عظیم شان وشوکت کے ساتھ) لایا جائے گا تو انہیں اللہ عزوجل کے سامنے اس کی کرسی پر بٹھایا جائے گا۔اس روایت کو امام ابنِ ابی عاصم، خلال، ابنِ جریر طبری اور آجری نے بیان کیا ہے۔

(اخرجہ ابن ابی عاصم فی السنۃ،2/365، الرقم:786)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) کے بارے میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان بٹھائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔یہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ محمود ہو گا۔اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر،12/61، الرقم:12474)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔اس حدیث کو امام خلال اور ابن جوزی نے روایت کیا ہے۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ،1/252، الرقم:295)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العزت مجھے اپنے ساتھ پلنگ (خصوصی نشست) پر بٹھائے گا۔اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب،3/58، الرقم:4159)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) کے بارے میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔

ایک روایت میں ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ایک روایت میں ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔ایک روایت میں ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ان

روایات کو امام ابنِ ابی شیبہ، ابنِ جریر طبری، آجری، سمعانی، بغوی، ابنِ جوزی اور دیگر ائمہ نے بیان کیا ہے۔
(اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، 6/305، الرقم: 31652)

حضرت ابو وائل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آیتِ مبارکہ پڑھی: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) تو فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ اس روایت کو امام ابن جوزی اور خازن نے بیان کیا ہے۔ (اخرجہ ابن الجوزی فی زاد المسیر، 5/76)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) کے بارے میں فرماتے ہیں: اللہ رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی کرسی پر بٹھائے گا۔ اسے امام سمعانی، بغوی اور خازن نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ السمعانی فی التفسیر، 3/269)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تلاوت کرتے ہوئے جب اللہ تعالیٰ کے فرمان: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) پر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل مجھے عرش پر بٹھائے گا۔ (اخرجہ الذہبی فی العلو للعلی الغفار، 1/93، الرقم: 222)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا)، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو خصوصی نشست پر فائز فرمائے گا۔ (اخرجہ السیوطی فی الدر المنثور، 5/326)

امام ابو جعفر محمد بن مصعب کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر اس لئے بٹھائے گا تاکہ ساری مخلوق اللہ کے نزدیک آپ کے مقام و مرتبہ کو دیکھے پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج اور اپنے باغات کی طرف تشریف لے جائیں گے۔ (اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/219، الرقم: 252)

سلم بن جعفر البکراوی کہتے ہیں: میں نے ابو مسعود الجریری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: جب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے (اپنی کرسی پر) بٹھائے گا پھر تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہو گا؟ انہوں نے فرمایا: تیری خرابی ہو، میں نے آج تک کوئی بھی ایسی حدیث نہیں سنی جو اس حدیث سے بڑھ کر میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی ہو جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ بٹھائے گا۔
(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/211-212، الرقم: 237-238)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بن احمد بن واصل نے کہا: جس شخص نے امام مجاہد کی بیان کردہ حدیث کو جھٹلایا وہ (باطل فرقہ جہمیہ کا معتقد) جہمی ہے۔ (اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/214، الرقم: 243)

امام ابو داود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب السنن نے فرمایا: جو شخص اس حدیث یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

عرش پر تشریف فرما ہونے کا انکار کرے وہ ہمارے نزدیک تہمت زدہ ہے۔اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا: اوّل فرقہ جہمیہ کے غیظ وغضب کے باعث اس حدیث کو بیان کرتے آرہے ہیں، یہ اس وجہ سے ہے کہ جہمیہ عرش پہ کسی بھی چیز کے ہونے کا انکار کرتے ہیں۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/214، الرقم:244)

امام ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ یحیٰی بن ابی طالب نے فرمایا: جس شخص نے اس حدیث مجاہد کو جھٹلایا اس نے درحقیقت اللہ عزوجل کو جھٹلایا اور جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو جھٹلایا اس نے درحقیقت اللہ رب العزت کا انکار کیا۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/215، الرقم:246)

امام ابو بکر بن حماد المقری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص کے پاس ان احادیث کا تذکرہ کیا گیا اور وہ خاموش رہا (اس کا چہرہ خوشی کے باعث نہ کھلا) تو وہ اسلام پر تہمت لگانے والا ہے، پس جس نے ان احادیث کو طعن کا نشانہ بنایا تو اس کی بدبختی کا عالم کیا ہوگا۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/217، الرقم:250)

امام ابو جعفر الدقیقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جس شخص نے ان احادیث کو جھٹلایا وہ ہمارے نزدیک جہمی ہے، اور اس کو جھٹلانے والے کا حکم یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/217، الرقم:250)

امام عباس الدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تہمت زدہ شخص ہی اس حدیث کو جھٹلاتا ہے۔

(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/217، الرقم:250)

امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بن راہویہ نے فرمایا: اس حدیث پر ایمان رکھنا اور اسے تسلیم کرنا ہی حق ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا: جس شخص نے اس حدیث مجاہد کو جھٹلایا وہ جہمی ہے۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/217، الرقم:250)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر تشریف فرما ہونے کا انکار کرنے والے سے امام عبد الوہاب الوراق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: درحقیقت وہ اسلام پر تہمت باندھنے والا ہے۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/217، الرقم:250)

امام ابراہیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علماء اس حدیث کو ایک سو ساٹھ (160) سال سے بیان کرتے آرہے ہیں، اور اس کو سوائے اہل بدعت کے کوئی نہیں جھٹلاتا۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/217.218، الرقم:250)

امام حمدان رحمۃ اللہ علیہ بن علی نے فرمایا: میں نے پچاس سال سے اس حدیث کو لکھ رکھا ہے، اور میں نے اہلِ بدعت کے علاوہ کسی کو اسے جھٹلاتے ہوئے نہیں دیکھا۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/218، الرقم:250)

امام ہارون رحمۃ اللہ علیہ بن معروف فرماتے ہیں: اس حدیث کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زنادقہ کی آنکھوں کو تپش دے رہا ہے۔(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/218، الرقم:250)

امام محمد بن اسماعیل السلمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے یہ وہم وگمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام حاصل نہیں ہوگا جو امام مجاہد نے کہا ہے، وہ اللہ رب العزت کا منکر ہے۔

(اخرجہ الخلال فی السنۃ، 1/218، الرقم:250)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس قول (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر تشریف فرما ہونے) کو علماء کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ (اخرجہ الذہبی فی العلو للعلی الغفار، 1/170، الرقم 461)

امام محمد بن حسین آجری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فضیلتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حدیثِ مجاہد اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیتِ مبارکہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کہ اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا، ان احادیث کو اکابر اہلِ علم و نقل نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بناء پر احسن طریقہ سے سیکھا ہے اور قبول کیا ہے اور انہوں نے ان کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے حدیثِ مجاہد کا رد کرنے والے شخص کی شدید مخالفت کی ہے اور کہا ہے: جس شخص نے حدیث مجاہد کو جھٹلایا وہ برا شخص ہے۔ (اخرجہ الآجری فی کتاب الشریعۃ، 6/1612-1613)

جب یہ بات واضح ہوگئی تو معروف علماء اور اللہ تعالیٰ کے مقبول اولیاء نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا رب اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔

اِس بات کو محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے (عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) کی تفسیر کے ذیل میں نقل کیا ہے اور اسے کئی دیگر مرفوع اور غیر مرفوع طرق سے بھی روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن تیمیۃ فی مجموع الفتاوی، 4/374)

امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قولِ مجاہد کہ اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا کے متعلق فرمایا: اس قول کی صحت کا عقلی اور نقلی دونوں طریقوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(اخرجہ العسقلانی فی فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 11/426.427)

امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آیتِ مبارکہ (عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) میں مقامِ محمود کے مختلف معانی بیان کرنے کے بعد خلاصۃً فرمایا:

ان تمام اقوال کو شفاعتِ عامہ پر منطبق کیا جا سکتا ہے، بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوائے حمد کا عطا کیا جانا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنا اور اپنے رب کی بارگاہ میں کلام کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرسی پر تشریف فرما ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب قیام فرما ہونا، یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ محمود کی صفات ہیں۔ جن پر فائز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) کے بارے میں فرماتے ہیں: کہا گیا کہ اس سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر بٹھایا جانا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرسی پر بٹھایا جانا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا کہ انہوں نے فرمایا: اللہ

تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا جب کہ حضرت مجاہد التابعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔ (اخرجہ القسطلانی فی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، 3/448)

مذکورہ روایات کی تائید میں ائمہ تفسیر کی آراء

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ اس قول کی صحت کا نقلی اور عقلی دونوں طریقوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی کوئی روایت یا قول اس چیز (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر بٹھائے جانے کا) ناممکن ہونا بیان نہیں کرتا۔ (اخرجہ ابن جریر الطبری فی جامع البیان، 15/147)

امام ابو مظفر سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ کسی اور نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے خصوصی کرسی پر بٹھائے گا، اور بعض ائمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کے دائیں جانب کھڑا فرمائے گا۔ (اخرجہ السمعانی فی تفسیرہ، 3/269)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت مجاہد التابعی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) کے متعلق بیان کیا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی کرسی پر بٹھائے گا۔ (اخرجہ البغوی فی تفسیرہ، 3/132)

قاضی ابو محمد ابنِ عطیہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے مقام محمود کے بارے میں فرمایا: طبری نے ایک فرقہ کا موقف درج کیا ہے جن میں امام مجاہد بھی ہیں، وہ کہتے ہیں: مقام محمود سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ اس بارے میں اس گروہ نے احادیث بھی روایت کی ہیں۔ نیز طبری نے متعدد اقوال سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن عطیۃ الاندلسی فی المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، 3/479)

امام ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مقامِ محمود کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روزِ قیامت عرش پر بٹھائے گا۔ حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ یہی الفاظ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد التابعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیے ہیں۔ (اخرجہ ابن الجوزی فی زاد المسیر، 5/)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے مقام محمود کے بارے میں تیسرا قول درج کرتے ہوئے فرمایا: طبری نے ایک فرقہ کا موقف درج کیا ہے جن میں امام مجاہد بھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مقامِ محمود سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اپنی مخصوص کرسی پر بٹھائے گا۔ اس بارے میں احادیث روایت کی گئی ہیں۔ طبری نے متعدد اقوال سے اس کا جواز ثابت

کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ نقاش نے امام ابو داود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب السنن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو اس حدیث یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر تشریف فرما ہونے کا انکار کرے وہ ہمارے نزدیک تہمت زدہ ہے۔ اہلِ علم آج تک اس کو روایت کرتے آرہے ہیں۔ جس نے اس کا تاویل کی بناء پر انکار کیا تو ان کے بارے میں ابو عمر اور مجاہد فرماتے ہیں: اگر کوئی امام قرآنِ مجید کی آیات کی تاویل کرے تو اہلِ علم کے ہاں دو آیات کے بارے میں قول متروک ہیں: ایک تو اس آیت مقام محمود کے بارے میں دوسرا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝) (القیامۃ، 23،22:75)۔ کی تاویل میں کہتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا انتظار کریں گے نہ کہ اُس کی نظر کا۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام تاویلات ابنِ شہاب سے حدیثِ تنزیل کی بحث میں ذکر کی گئی ہیں اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے تحت یہ قول ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ یہ تاویل ناممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عرش اور دیگر تمام اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے بذات خود قائم تھا۔ پھر اُس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا لیکن اس میں اس کی ذاتی کوئی حاجت شامل نہ تھی بلکہ یہ اپنی قدرت و حکمت کے اظہار کے لیے کیا تاکہ اس کے وجود، توحید اور کمالِ قدرت و علم کو اس کے تمام پُر حکمت افعال کے باعث پہچانا جا سکے۔ پھر اُس نے اپنے لیے عرش تخلیق کیا اور اُس پر متمکن ہوا جیسا اس نے چاہا بغیر اس کے کہ وہ عرش اُس کے ساتھ ہی خاص ہو جائے یا اُس کی جائے قرار بن جائے۔ کہا گیا ہے کہ وہ آج بھی اپنی انہی صفات کے ساتھ قائم ہے جن کے ساتھ وہ زمان و مکان کی تخلیق سے پہلے تھا۔ پس اس بناء پر یہ بات برابر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھایا جائے یا فرش پر، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء فرمانا وہ اس پر قیام و قعود، اس پر آنے جانے اور اُس سے نیچے اُترنے اور وہ تمام معاملات جو عرش سے متصل ہیں ان سے عبارت نہیں ہے، بلکہ اللہ رب العزت تو بغیر کسی کیفیت کے عرش پر حالتِ استواء میں ہے جیسا کہ اُس نے اپنے بارے میں خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صفتِ ربوبیت ثابت کرنے کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفت عبدیت سے نکالنے کے لیے ہے، بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کو دیگر مخلوق سے بلند تر کرنے کے لیے ہے۔ رہا حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا مَعَہٗ فرمانا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ بٹھائے گا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ان فرامین کے بمعنی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ. (الاعراف، 206:7)

بے شک جو (ملائکہ مقربین) تمہارے رب کے حضور میں ہیں۔

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. (التحریم، 11:66)

اے میرے رب! تو میرے لیے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا دے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (العنکبوت، 29/ 69)

اور بیشک اللہ صاحبانِ احسان کو اپنی معیت سے نوازتا ہے۔

اس طرح کی دیگر تمام آیات رتبہ، قدر و منزلت کی بلندی اور اعلیٰ درجات کی طرف اشارہ کرتی ہیں خاص کر مخصوص مقام کی طرف۔ (اخرجہ القرطبی فی الجامع لاحکام القرآن، 10/ 311، 312.)

امام خازن بیان کرتے ہیں: حضرت ابو وائل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا ہے جب کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے دوست ہیں اور تمام مخلوق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا) اور فرمایا: اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ حضرت مجاہد التابعی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی کرسی پر بٹھایا جائے گا۔ (اخرجہ الخازن فی تفسیرہ، 3/ 177.)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تفسیر بغوی اور خازن کی عبارت درج کی ہے۔
(اخرجہ القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظہری، 4/ 272.)

علامہ شوکانی مقامِ محمود کے بارے میں تیسرا قول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مقامِ محمود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اپنی کرسی پر بٹھائے گا۔ اس قول کو ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے مفسرین کے ایک گروہ سے روایت کیا ہے جن میں حضرت مجاہد التابعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ اس باب میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔ نقاش نے حضرت ابو داود رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس نے اس حدیث کا انکار کیا وہ ہمارے نزدیک تہمت زدہ ہے۔ اہلِ علم کثرت سے اس حدیث کو روایت کرتے آئے ہیں۔ (اخرجہ الشوکانی فی فتح القدیر، 3/ 252.)

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مقامِ محمود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ (اخرجہ الآلوسی فی روح المعانی، 15/ 142.)

علامہ جمال الدین قاسمی نے اپنی تفسیر محاسن التاویل میں اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا○)۔ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ہم ان کی تفسیر سے اس بحث کو من و عن درج کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: ابنِ جریر نے کہا ہے: بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جس مقامِ محمود کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں اس پر فائز فرمائے گا، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔ اس قول کو حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ واحدی نے اس کے کہنے والے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے، اس نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس روایت کو درج کیا ہے اس کی عبارت کو امام رازی نے نقل کیا ہے۔

(واحدی کہتے ہیں) یہ قول گھٹیا، متروک اور قبیح ہے، نص کتاب اس تفسیر کے فساد کا اعلان کرتی ہے اور یہ کئی وجوہات کی وجہ سے ہیں:

پہلا اعتراض: بعث (کھڑا ہونا) یہ اجلاس (بٹھانے) کی ضد ہے۔ جیسے کہتے ہیں: بعثت النازل والقاعد فانبعث میں نے آنے والے اور بیٹھنے والے کو کھڑا کیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ اسی طرح کہتے ہیں: بعث اللہ المیت اللہ نے میت کو قبر سے کھڑا کیا۔ لہٰذا بعث کی اجلاس کے ساتھ تفسیر کرنا یہ ضد کی ضد کے ساتھ تفسیر ہے جو فاسد ہے۔

دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے مقاماً محموداً فرمایا ہے نہ کہ مقعداً (اگر بٹھانا مقصود تھا تو مقعداً محموداً فرمایا جاتا)۔ مقام کھڑے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں نہ کہ بیٹھنے کی جگہ کو۔

تیسرا اعتراض: اگر اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھے ہوں تو اللہ تعالیٰ محدود اور متناہی ہو جائے گا اور جو ایسا ہوگا وہ حادث ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ حادث نہیں قدیم ہے)۔

چوتھا اعتراض: کہا جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر تشریف فرما ہونے میں کثرتِ اعزاز نہیں ہے کیونکہ یہی جاہل بیوقوف تمام اہلِ جنت کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے اور اس کے ہمراہ بیٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کے دنیا میں گزرے ہوئے احوال پوچھے گا۔ جب ان کے نزدیک یہ حال تمام مسلمانوں کو حاصل ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی تخصیص کرنا اس میں کوئی زیادہ شرف اور رتبہ نہیں۔

پانچواں اعتراض: جب یہ کہا جائے کہ بادشاہ نے فلاں شخص کو مبعوث (تقرر) کیا ہے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اسے کسی قوم کے مسائل حل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ بادشاہ نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ قول گھٹیا اور ساقط الاعتبار ہے۔ اس کی طرف وہی انسان مائل ہو سکتا ہے جو کم عقل اور بے دین ہو۔ واحدی کے اعتراضات ختم ہوئے۔ (تفسیر القاسمی المسمی محاسن التاویل، 2639/6-.2643)

کاش واحدی کو پتہ ہوتا کہ ابن جریر نے کیا لکھا ہے تاکہ اس قسم کے خطرناک تبصرہ سے باز آتا اور بزرگانِ سلف کے علمی مرتبہ اور مقام کو ملحوظ رکھ کر ادب کا راستہ اختیار کرتا۔ یہاں امام ابنِ جریر نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ مذکور نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

دونوں باتوں میں صحیح تر وہی بات ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح خبر وارد ہوئی ہے کہ اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔ پھر فرمایا: مقامِ محمود کا معنی متعین کرنے میں یہ قول اگرچہ صحیح ہے کیونکہ ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ کے صحابہ سے اور تابعین سے روایتیں نقل کر دی ہیں، پھر بھی جو مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ یہ بھی کوئی غلط بات نہیں، نہ خبر کی رو سے نہ نظر کی رو سے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی و تابعی سے اس کا محال اور ناممکن ہونا مروی نہیں ہے۔ جہت فکر و نظر سے دیکھا جائے تو تمام اہلِ اسلام نے

اس کی توجیح اور تفسیر میں تین وجوہات کی بناء پر اختلاف کیا ہے:

ان میں سے ایک جماعت نے کہا: اللہ رب العزت اپنی مخلوق سے جدا اور ممتاز ہے جیسے اشیاء کو تخلیق کرنے سے پہلے تھا۔ پھر اس نے اشیاء پیدا کیں اور وہ اُن سے مس نہیں کرتا، یہ صورت ہمیشہ سے ہے۔ جب وہ اشیاء کو پیدا کر کے انہیں چھوتا نہیں تو لازم ہے کہ وہ ان سے الگ تھلگ ہو کیونکہ جو اشیاء کو بناتا ہے یا تو ان سے مَس کرے گا یا الگ تھلگ ہوگا۔ ان علماء نے کہا: پس وہ جس طرح تھا اسی طرح ہے حالانکہ اللہ رب العزت تمام چیزوں کا بنانے والا ہے، ان علماء کے قول کے مطابق یہ کہنا صحیح نہیں کہ یوں کہا جائے: اللہ تعالیٰ اشیاء کو مس کرتا ہے۔ اُن کے نزدیک لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے الگ تھلگ ہو۔ لہٰذا ان لوگوں کے مذہب کے مطابق برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے یا زمین پر کیونکہ ان کا یہ کہنا ہے کہ اس کا عرش سے الگ ہونا اور زمین سے الگ ہونا دونوں کا مطلب ایک ہی ہے چنانچہ وہ ان دونوں سے الگ تھلگ ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی مس نہیں کرتا۔

علماء کی دوسری جماعت کا کہنا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی کوئی شے نہ تو اللہ کو مس کرتی تھی اور نہ جدا تھی، پھر اس نے مخلوق کو پیدا کر کے اپنی قدرت سے انہیں قائم کیا اور اللہ کی شان ویسی ہی ہے جیسے مخلوق پیدا کرنے سے پہلے تھی کہ نہ کوئی چیز اسے مس کرتی ہے اور نہ کوئی شے اس سے جدا ہے۔ ان لوگوں کے قول کے مطابق بھی برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے یا زمین پر کیونکہ وہ نہ اس (عرش) سے مس کرتا ہے اور نہ جدا ہے جس طرح کہ وہ نہ اس (زمین) سے مس کرتا ہے اور نہ جدا ہے۔

تیسری جماعت کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اس حال میں تھا کہ نہ کوئی شے اسے مس کرتی تھی اور نہ اس سے جدا تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنی ذات کے لئے عرش بنا کر اس کے اوپر بیٹھ گیا تو وہ اس سے مس ہو گیا جیسے اشیاء کو پیدا کرنے سے قبل نہ وہ کسی چیز کو رزق دیتا تھا اور نہ کسی چیز کو اس رزق سے محروم کرتا تھا پھر اس نے اشیاء کو پیدا کر کے کسی کو رزق دیا اور کسی کو اس رزق سے محروم کر دیا، کسی کو عطا فرما دیا اور کسی سے اپنی عطا کو روک لیا (یعنی جسے جو چاہا دیا اور جسے جو چاہا نہ دیا)۔ اِن لوگوں کا کہنا ہے: یہی حال اشیاء کو پیدا کرنے سے پہلے تھا کہ نہ کوئی چیز اُس کو مس (Touch) کرتی تھی اور نہ کوئی اس سے الگ تھی (کیونکہ تھا ہی کچھ نہیں)، پھر اس نے اشیاء کو پیدا کیا اور عرش پر بیٹھ کر اس کو مس کیا اس کے علاوہ باقی مخلوق پر نہ بیٹھا (نہ کسی کو مس کیا)۔ لہٰذا وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے مس کرے اور جس سے چاہے الگ رہے۔ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق بھی برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے یا نور کے منبر پر بٹھائے۔ ان کا کہنا ہے کہ رب کا اپنے عرش پر بیٹھنے سے تمام عرش استعمال نہیں ہوتا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بٹھانے سے نہ ان کے لئے صفتِ ربوبیت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے رب کی عبودیت سے خارج ہوتے ہیں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر بیٹھنے سے نہ تو وہ رب ہوں گے اور نہ بندگی سے نکلیں گے، اللہ تعالیٰ اپنی

جگہ خالق رہے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ مخلوق ہوں گے)۔ جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلوق سے (ارفع مرتبہ ہونے کی وجہ سے ان سے) الگ تھلگ ہونا ان کے لئے صفتِ ربوبیت کو ثابت نہیں کرتا اور نہ وہ صفت عبودیت سے باہر ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بدرجہ اولیٰ آپ سے (الوہیت میں) جدا ہے جس طرح کے اللہ موصوف ہے۔ اس قائل کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ مخلوق سے الگ تھلگ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے الگ تھلگ ہیں۔ ان علماء کا کہنا ہے کہ جب دونوں معنی الگ الگ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ثابت نہ ہوگا کہ صفتِ عبودیت سے باہر نکل کر ربوبیت میں داخل ہو جائیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عرشِ رحمٰن پر بیٹھنے سے بھی یہ خرابی پیدا نہیں ہوگی۔

اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ کسی مسلمان کی نظر میں مجاہد کا قول محال نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا بلکہ اس بات کا انکار ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔ مجھ سے عباس بن عبد العظیم نے حدیث بیان کی، ان سے یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا، انہوں نے جریری سے، انہوں نے سیف السدوسی سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن رب تعالیٰ کے حضور اللہ تعالیٰ کی کرسی پر بیٹھیں گے۔

(تفسیر ابن جریر، 147/15۔-148، تفسیر القاسمی المسمی محاسن التاویل، 2639/6۔-2643)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے ساتھ بٹھائے جانے کا انکار کیا جاتا ہے۔ سوال ہے کہ کیا تمہارے نزدیک یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے اور ساتھ نہ بٹھائے؟ اگر اس نے یہ جائز قرار دیا تو گویا اس نے اقرار کر لیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہے اللہ کے ساتھ ہوں یا اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (عرش پر) بٹھائے۔ (دو ہی باتیں ہیں) اللہ عرش سے الگ ہے یا نہ مس کرتا ہے نہ الگ ہے، قائل کون سا قول کہے گا؟ وہ انکار کرنے کے باوجود اس کے بعض میں داخل ہو جائے گا۔ اگر ہمارے بیان کردہ جماعتوں کے اقوال کو رد کرتے ہوئے کہے کہ اللہ سے ایسا جائز نہیں ہے مطلقاً انکار کرے تو اس کا مذہب سب سے علیحدہ ہو گیا کیونکہ اِن تین اقوال کے علاوہ اور کوئی قول نہیں ہے، اور مجاہد کے قول میں کوئی استحالہ نہیں۔ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ کی بات ختم ہوئی۔

(علامہ جمال الدین قاسمی کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں: آپ کا حق ہے کہ واحدی کے پانچ سوالوں کے جوابات دیں جنہوں نے حضرت مجاہد کے قول کو غلط قرار دیا ہے۔

پہلا جواب: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے لفظِ بعث کی صرف بٹھانے کی تفسیر نہیں کی بلکہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ محمود پر فائز ہونے کی تفسیر کی ہے۔ (بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی بات ہی نہیں کی۔)

دوسرا جواب: مقام کا معنی اور مفہوم مرتبہ، قدرت اور بلندی لغت میں مشہور ہیں۔

تیسرا جواب: یہ اعتراض ہم نہیں مانتے۔ اس لئے کہ جیسے اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں اسی طرح قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کی جو بھی صفات بیان کی گئی ہیں ان صفات میں وہ مخلوق کے مماثل نہیں ہے اور خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا جائز نہیں۔

چوتھا جواب: یہ اعتراض ضد بازی اور تعصب ہے۔ ہر ایک کے مشاہدے میں یہ بات ہے کہ بادشاہ اگر ایک جماعت کو اپنے پاس بلائے اور ان میں سے افسر کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے تو یہ بات قرین قیاس ہے کیونکہ بلند مقام پر فائز ہونے والا شخص اس مقام ومرتبہ کا مالک ہے کہ جس بناء پر اُسے ہر ایک پر فوقیت حاصل ہوگی۔

پانچواں جواب: اس آیت میں جس جہاں کی بات ہو رہی ہے وہ ہماری اس دنیا سے مختلف ہے۔ آخرت میں مہمات کو حل کرنے کے لئے کسی کو مقرر نہیں کیا جائے گا۔ جب کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا اور یہ اس تفسیر پر صادق آتا ہے جو حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور جس پر اکثر کی رائے ہے۔ پس تو غور کر اور انصاف کر۔ (تفسیر القاسمی المسمی محاسن التاویل، 6/2639۔-2643)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب العلو للہ العظیم میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں یہ اشعار درج کیے ہیں: ہم حدیثِ شفاعت کو احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں۔ رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھانے کی روایت تو ہم اس کا بھی انکار نہیں کرتے۔ حدیث کو اس کے اصل معنی پر قائم رکھو اور اس میں ایسی چیزیں داخل نہ کرو کہ اُس کا اصل معنی فاسد ہو جائے۔

اس کے بعد امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مذکورہ کتاب میں شیخ بغداد عبادت گزار محمد رحمۃ اللہ علیہ بن مصعب کے حالاتِ زندگی بیان کیے اور اُن سے مقامِ محمود کی یہ تفسیر بیان کی ہے: مروزی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبد اللہ الخفاف رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابنِ مصعب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا: انہوں نے اس آیت (عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) کی تلاوت کی اور فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بغداد محمد رحمۃ اللہ علیہ بن مصعب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: میں نے اُن سے احادیث نقل کی ہیں (یعنی وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کے اساتذہ میں سے ہیں)۔ وہ شخص کتنا بلند رتبہ ہوگا!

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر بیٹھنے کا مسئلہ کسی قرآن کی نص سے ثابت نہیں بلکہ اس باب میں کمزور حدیث ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیتِ مبارکہ کی تفسیر کی ہے جیسا کہ ہم نے اس کا ذکر کیا ہے بعض اہلِ کلام نے اس کا انکار کیا ہے۔ امام مروزی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر تشریف فرما ہونے کو ثابت کرنے کے لیے تحقیق کی اور اس پر ایک کتاب مرتب کی جس میں حضرت مجاہد کے اس قول۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر بٹھائے جانے۔ کو لیث بن ابی سلیم، عطاء بن السائب، ابو یحییٰ القتات اور جابر بن زید کے طرق سے

جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ جن ائمہ نے اُس زمانے میں فتوی دیا کہ قولِ مجاہد کو تسلیم کیا جائے گا اور اس کی مخالفت نہیں کی جائے گی، ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں امام ابو داود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب السنن، ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء شامل ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: جس شخص نے اس حدیث کا انکار کیا میں اُس کا منکر ہوں اور وہ شخص میرے نزدیک تہمت زدہ اور ناپسندیدہ ہے۔ میں نے اس حدیث کو محدّثین کی ایک جماعت سے سنا ہے اور میں نے کسی محدّث کو اس کا منکر نہیں پایا۔ ہمارے ہاں اس کا انکار صرف جہمیہ (باطل فرقہ کے پیروکار) کرتے ہیں۔

ہمیں ہارون بن معروف نے حدیث بیان کی، ان سے محمد بن فضیل نے بیان کی انہوں نے حضرت لیث سے اور انہوں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان۔ (عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا۔ میں نے یہ حدیث اپنے والدِ گرامی (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل) سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: میری قسمت میں نہ تھا کہ میں یہ حدیث ابنِ فضیل سے سن سکوں۔ امام مروزی، ابراہیم بن عرفہ کے طریق سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابنِ عمیر سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس قول (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر تشریف فرما ہونے) کو علماء کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے۔

امام مروزی بیان کرتے ہیں کہ امام ابو داود سجستانی نے فرمایا: ہمیں ابن ابی صفوان الثقفی نے حدیث بیان کی، انہیں یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں سلم بن جعفر نے حدیث بیان کی، اور یہ ثقہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں الجریری نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں سیف الدوسی نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت بیان کی کہ انہوں نے فرمایا: روزِ قیامت تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو امام ابنِ جریر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور اسی طرح نقاش نے اسے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، اسی طرح شیخ الشافعیہ ابنِ سریج نے اس قول کے منکر کا رد کیا ہے۔

اس قول کی تائید میں امام ابو بکر الخلال رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب السنۃ میں (ایک خواب) بیان کرتے ہیں: مجھے حسن بن صالح العطار نے، انہوں نے محمد بن علی السراج سے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا: (یارسول اللہ!) فلاں ترمذ کا رہنے والا شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عرش پر نہیں بٹھائے گا جب کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بٹھائے گا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلال بھرے چہرے کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم! ہاں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے عرش پر بٹھائے گا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

قاضی ابویعلی الفراء رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ محدّث وفقیہ ابوبکر احمد بن سلیمان النجاد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: اگر کوئی شخص اس بات پر حلف اٹھائے: اگر یہ بات غلط ہو کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائے گا تو میری بیوی کو تین طلاقیں اور وہ مجھ سے فتویٰ لینے آئے تو میں اس سے کہوں گا: تُو نے حق اور سچ بات کہی۔

(تفسیر القاسمی المسمی محاسن التاویل، 6/2639۔2643)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لیے قیامت کے دن شفاعت اختیار فرمانے کا بیان

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس اللہ کی طرف سے پیغام لے کر آنے والا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری آدھی امت کو بغیر حساب جنت میں داخل کرنے اور شفاعت کرنے کے درمیان اختیار دیا؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا کیونکہ یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہوا نہیں مرے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ، باب: ما جاء فی الشفاعۃ، 4/627)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا کہ چاہے میں (قیامت کے روز) شفاعت کا حق اختیار کروں یا میری آدھی امت بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائے؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا کیونکہ وہ عام تر اور زیادہ کفایت کرنے والی ہے۔ تمہارے خیال میں وہ پرہیز گاروں کے لئے ہوگی؟ نہیں، بلکہ وہ گناہ گاروں، خطا کاروں اور گناہوں سے آلودہ لوگوں کے لیے ہے۔ اسے امام ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجۃ فی السنن، کتاب: الزہد)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا کہ چاہے میں (قیامت کے روز) شفاعت اختیار کروں یا میری آدھی امت بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائے؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا کیونکہ وہ عام تر اور زیادہ کفایت کرنے والی ہے۔ تمہارے خیال میں وہ پرہیز گاروں کے لئے ہوگی؟ نہیں، بلکہ وہ گناہوں سے آلودہ لوگوں اور خطا کاروں کے لیے ہے۔ اسے امام احمد بن حنبل، ابنِ ابی عاصم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام منذری نے کہا ہے: اس کی اِسناد ٹھیک ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/75، الرقم 5452)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم کسی غزوہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر تھے۔ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں ہمارے ساتھ آرام کے لیے اترے، پس میں رات کے ایک حصے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتا ہوا آپ کی آرام گاہ کی طرف گیا تو میں نے آپ کو وہاں نہ پایا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتا ہوا میدان کی طرف نکل گیا تو ایک اور صحابی کو دیکھا کہ وہ بھی میری طرح آپ کی تلاش میں ہے۔ فرماتے ہیں: ہم اسی حالت میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف تشریف لاتے دیکھ کر ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ

دارالحرب میں ہیں اور ہمیں آپ کی فکر ہے لہٰذا اگر آپ کو کوئی حاجت پیش آئی تو کیوں نہ آپ نے کسی غلام کو فرمایا کہ وہ آپ کے ساتھ جاتا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ہوا کی سرسراہٹ یا شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنی اس اثناء میں میرے رب کی طرف سے آنے والا (جبرائیل وحی لے کر) آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے مجھے میری تہائی امت (بغیر حساب کے) جنت میں داخل کرنے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ تو میں نے ان کے لیے شفاعت کو اختیار فرمالیا اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ ان کے لیے زیادہ وسیع ہے۔ پھر اس نے مجھے (دوبارہ) میری آدھی امت جنت میں داخل فرمانے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ تو میں نے ان کے لیے اپنی شفاعت کو اختیار کرلیا اور میں جانتا ہوں کہ وہ ان کے لیے زیادہ وسعت کی حامل ہے۔ ان دونوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں آپ کی شفاعت کا اہل بنائے۔ آپ نے ان دونوں کے لیے دعا فرمائی پھر انہوں نے (دیگر) صحابہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ آپ کے پاس آنا شروع ہوگئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں آپ کی شفاعت سے نوازے تو آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ جب آپ کے پاس لوگوں کا کثیر جھرمٹ ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً وہ شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہے جو اس حال میں فوت ہوا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دیتا ہو۔ اسے امام احمد اور رویانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 4/415، الرقم: 19724)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ ایک رات میں بیدار ہوا تو آپ کو اپنی آرام گاہ میں نہ دیکھ کر میرے دل میں کسی ناگہانی واقعہ کے پیش آنے کا خیال آیا۔ پس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ معاذ رضی اللہ عنہ بھی میری طرح اسی لگن میں ہے۔ اسی اثناء میں ہم نے ہوا کی سرسراہٹ جیسی آواز سنی تو اپنی جگہ پر ٹھہر گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز کی سمت سے تشریف لاکر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کہاں تھا؟ اور کس حال میں تھا؟ میرے رب عزوجل کی طرف سے ایک پیغام لے کر آنے والا آیا کہ اس نے مجھے میری آدھی امت بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا ہے؟ میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اور ہر وہ شخص جو اُس حال میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی اِسناد حسن ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 4/404، الرقم: 19618)

حضرت معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (سفر کے دوران) جب کسی منزل پر پڑاؤ ڈالتے تو مہاجرین آپ کے اردگرد (کیمپ) ڈال لیتے۔ فرماتے ہیں: (اسی طرح کسی سفر کے دوران) ہم ایک

جگہ پر اترے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور ہم آپ کے ارد گرد تھے۔ فرماتے ہیں: میں اور معاذ رات کو نیند سے بیدار ہوئے تو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیکھا۔ (آپ کو اپنی جگہ پر نہ پا کر) ہم آپ کی تلاش میں نکل پڑے تو ہم نے بادلوں کی گڑگڑاہٹ جیسی آواز سنی، اس اثناء میں آپ کو تشریف لاتے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم نیند سے بیدار ہوئے تو آپ کو اپنی جگہ پر نہ دیکھ کر ہم ڈر گئے کہ شاید آپ کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آیا ہے لہٰذا ہم آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک آنے والا حالتِ نیند میں میرے پاس آیا تو اس نے مجھے میری آدھی امت کے بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جانے یا شفاعت کرنے کا اختیار دیا؟ پس میں نے ان کے لیے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ ہم نے عرض کیا: ہم آپ سے اسلام کے صدقے اور آپ کے ساتھ صحابیت کا شرف پانے کے وسیلہ سے التجا کرتے ہیں کہ آپ ہمیں جنت میں داخل فرمائیں گے۔ فرماتے ہیں: لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے بھی آپ سے ہمارے کہنے کی طرح عرض کیا اور لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی شفاعت ہر اس شخص کے لیے کروں گا جو اس حال میں فوت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی اِسناد حسن ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/232، الرقم: 22025، والہیثمی فی مجمع الزوائد، 10/368.)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (دورانِ سفر) ایک رات ہمارے ساتھ آرام کے لیے اترے تو ہم میں سے ہر شخص اپنی سواری پر سو گیا۔ فرماتے ہیں: میں بعض اونٹوں کی طرف گیا تو دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر موجود نہیں ہیں۔ پس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑا تو اس دوران دیکھا کہ معاذ بن جبل اور عبداللہ بن قیس بھی جاگ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے کہ وادی کے اوپر سے ہم نے بادل کے گڑگڑانے جیسی آواز سنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوڑی دیر یہاں ٹھہرو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے تو فرمایا: میرے رب کی طرف سے آنے والا رات کو میرے پاس آیا تو اس نے مجھے میری آدھی امت کے بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جانے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ ہم نے عرض کیا: ہم آپ سے اللہ اور صحابیت کے واسطے سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنی شفاعت سے نوازیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً تم میری شفاعت کے حق دار ہو۔ فرماتے ہیں: ہم جلدی سے (دوسرے) لوگوں کی طرف آئے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پا کر پریشان تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے بھی) فرمایا: میرے رب کی طرف سے آنے والے نے رات کو میرے پاس آ کر مجھے اپنی آدھی امت کے (بغیر حساب کے) جنت میں داخل کیے جانے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ سے اللہ اور صحابیت

کے واسطے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنی شفاعت کے حقدار بنائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت میری امت کے ہر اس فرد کے لیے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہوگا۔ اسے امام احمد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ، طبرانی اور دیگر ائمہِ حدیث نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے ظلال الجنة فی تخریج السنة میں کہا ہے: اس حدیث کی اِسناد صحیح ہے اور اس کا ہر راوی شیخین کی شرط پر ثقہ ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 6/ 28، 29، الرقم: 24002،)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (دورانِ سفر) ایک منزل پر (آرام کے لیے اترے) تو رات کے کسی حصے میں مجھے جاگ آ گئی۔ میں نے کسی چیز کو اپنے کجاوہ کے پچھلے حصہ سے بڑھ کر طویل نہ دیکھا، ہر انسان اور اس کا اونٹ زمین کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ میں لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ تک پہنچا تو آپ وہاں موجود نہ تھے، میں نے اپنا ہاتھ بستر مبارک پر رکھا تو وہ ٹھنڈا تھا۔ پس میں آپ کی تلاش میں لوگوں کے درمیان سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ پڑھتا ہوا گزرنے لگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لے گیا ہے یہاں تک کہ پورے لشکر سے باہر نکل گیا۔ اسی دوران میں نے ایک سایہ دیکھا تو میں نے آگے بڑھتے ہوئے اسے پتھر مارا۔ میں سایہ کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ وہ معاذ بن جبل اور ابوعبیدہ بن جراح تھے۔ ہم نے اپنے آگے بادل کی گڑگڑاہٹ یا ہوا میں بارش کے برسنے جیسی آواز سنی تو ہم میں سے بعض نے بعض سے کہا: لوگو! تم یہی رکے رہو یہاں تک کہ صبح ہوجائے یا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں۔ فرماتے ہیں: جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کہیں سے تشریف لاتے ہوئے) پکارا: کیا (یہاں) معاذ بن جبل، ابوعبیدہ اور عوف بن مالک ہیں؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ہماری طرف تشریف لائے تو ہم (واپس لشکر کی طرف) چلنا شروع ہو گئے نہ ہم نے آپ سے کچھ عرض کیا اور نہ آپ نے ہمیں کچھ فرمایا یہاں تک کہ آپ اپنے بچھونے پر تشریف فرما ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو مجھے کیا اختیار دیا؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے مجھے آدھی امت کے بغیر حساب جنت میں داخل کیے جانے اور شفاعت کرنے کے درمیان اختیار دیا؟ سو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں اس سے نوازے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہر مسلمان کے لیے ہے۔ اسے امام حاکم اور طبرانی نے روایت کیا۔ حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 1/ 60، 135، الرقم: 36،)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کے دوران منزل پر اترے، یہاں تک کہ رات کو میری آنکھوں سے نیند غائب ہوگئی جس کے باعث میں سو نہ سکا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت لشکر میں تمام جانور سو رہے تھے کہ (اپنی خوابگاہ) کجاوہ کی پچھلی جانب سے میرے دل میں کچھ خیال ابھرا تو میں نے اپنے

آپ سے کہا: میں ضرور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور صبح تک آپ کی حفاظت کا فریضہ انجام دوں گا۔ پس میں لوگوں کے کجاووں سے گزرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کجاوے تک پہنچا تو دیکھا کہ آپ اپنے کجاوے میں موجود نہ تھے، لہٰذا میں کجاووں کو عبور کرتا ہوا لشکر سے باہر نکل گیا تو ایک سایہ دیکھا۔ میں نے اس سایہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو وہ ابوعبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: کس چیز نے آپ کو (لشکر سے) باہر نکالا ہے؟ میں نے کہا: جس نے آپ دونوں کو نکالا ہے۔ ہم سے قریب ہی ایک باغ تھا تو ہم اس کی طرف چل پڑے کہ اچانک ہم نے اس میں سے مکھی کی بھنبھناہٹ یا ہوا کی سرسراہٹ جیسی آواز سنی۔ پس (اس میں سے) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا یہاں ابوعبیدہ بن جراح ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور معاذ بن جبل ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عوف بن مالک ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لے آئے۔ ہم آپ کے ساتھ چلنے لگے تو نہ ہم نے آپ سے کسی چیز کے بارے عرض کیا اور نہ ہی آپ نے ہم سے کچھ پوچھا یہاں تک کہ آپ اپنے کجاوہ کی طرف لوٹ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کے بارے میں ابھی مجھے میرے رب نے اختیار دیا؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ (ضرور بتلایئے)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے بغیر حساب کتاب اور عذاب کے میری تہائی امت کو جنت میں داخل کرنے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے کس کو اختیار فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شفاعت کو اختیار کیا ہے۔ ہم سب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں اپنی شفاعت کا حق دار بنا لیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: بے شک میری شفاعت ہر مسلمان کے لیے ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 18/58، الرقم: 10)

ابوکعب صاحبِ حریر سے روایت ہے کہ میں نے نضر بن انس سے سوال کیا کہ آپ مجھے ایسی حدیثِ مبارکہ بتائیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں! میں آپ کو ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو ہم کو مدینہ کی طرف سے لکھی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس حدیث کو یاد کرلو کیونکہ یہ احادیث کا خزانہ ہے۔ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے تو سارا دن (سفر میں) رہے پس جب رات ہوئی تو آپ نے (ایک جگہ) پڑاؤ ڈالا اور لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، ام انس کے شوہر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، فلاں اور فلاں چار افراد آرام فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کے ہاتھ (یعنی اگلے پاؤں) کو سر کے نیچے تکیہ بنا کر رکھ لیا، پھر آپ اور آپ کے پہلو میں موجود چاروں افراد سو گئے۔ رات کا ایک حصہ گزر جانے پر انہوں نے اپنے سروں کو اٹھا کر دیکھا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری کے پاس نہ پا کر تلاش میں نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو تشریف لاتے دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ ہمیں آپ پر فدا کرے! آپ کہاں تشریف لے

گئے تھے؟ ہم آپ کو نہ دیکھ کر تو بے چین ہو گئے تھے۔ پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا جیسا کہ تم نے دیکھا تو اپنی نیند میں بادل کی گڑگڑاہٹ جیسی آواز سننے پر بے قرار ہو کر اٹھ بیٹھا۔ (پھر میں اسی بے قراری) میں (باہر) چل پڑا تو جبرئیل سے میرا سامنا ہوا۔ اس نے عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے خاص گھڑی میں مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ آپ کو اختیار دوں۔ آپ اختیار فرمایئے چاہے آپ کی آدھی امت (بغیر حساب کے) جنت میں داخل ہو جائے اور چاہے قیامت کے دن آپ شفاعت کریں؟ پس میں نے اپنی امت کے لیے شفاعت کو اختیار کر لیا ہے۔ اس پر چاروں افراد کے گروہ نے عرض کیا: اللہ کے نبی! آپ ہمیں اپنی شفاعت کا مستحق بنا لیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے مستحق ہو۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں آگے بڑھے یہاں تک کہ دس افراد آپ سے آ ملے تو انہوں نے عرض کیا: ہمارے رحمت والے نبی کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی ایسا ہی بیان کیا جیسے لوگوں کو بتایا تھا تو انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ ہمیں آپ پر قربان کرے، آپ قیامت کے دن ہمیں بھی اپنی شفاعت کا مستحق ٹھہرائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی اس کے حقدار ہو۔ پس ان سب نے لوگوں کے ایک بڑے گروہ کی طرف آ کر لوگوں میں ندا دی: یہ ہمارے نبی رحمت والے نبی ہیں۔ آپ نے انہیں بھی جو قوم کو بیان فرمایا تھا بتایا تو انہوں نے بیک وقت پکارا: اللہ تعالیٰ ہم کو آپ پر فدا کریں آپ ہمیں بھی قیامت کے دن اپنی شفاعت سے نوازیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور ہر سننے والے کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میری شفاعت ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو مرتے دم تک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہوگا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 4/102، الرقم: 1395)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم کسی سفر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک جبرئیل نے مجھے آ کر بتایا کہ میرے رب نے مجھے دو خصلتوں میں اختیار دیا: چاہے میری آدھی امت بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے یا شفاعت کا حق اختیار کروں؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ اسے امام ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ابی عاصم فی السنۃ، 2/397، الرقم: 829)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لیے دعائے شفاعت قیامت تک کیلئے مؤخر فرمانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو ایک خاص دعائے مستجاب کا حق ہوتا ہے جو وہ کرتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان شاء اللہ اپنی اس خاص دعا کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر کے رکھوں۔ اسے امام بخاری، مسلم، مالک، احمد بن حنبل، ابن حبان اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الدعوات)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہوتی ہے جسے اس نے کیا تو قبول کر لی گئی، پس میں نے اپنی

دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دی ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔
(اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو ایک خاص دعائے مستجاب کا حق ہوتا ہے پس ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی جبکہ میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ وہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو پہنچنے والی ہے جو اس حال میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔ اسے امام مسلم، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے مقبول دعا تھی جسے اس نے اپنی امت کے حق میں کیا۔ بے شک میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اسے امام مسلم، احمد اور ابنِ حبان نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اِسناد صحیح ہے۔
(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک خاص مقبول دعا تھی جسے اس نے اپنی امت کے حق میں کیا جبکہ میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اسے امام مسلم، احمد، ابنِ حبان، ابو یعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو ایک خاص قبول کی جانے والی دعا کا حق ہوتا ہے جو وہ کرتا ہے پس اسے قبول کر کے وہی عطا کر دیا جاتا ہے، جبکہ میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اسے امام مسلم، ابنِ راہویہ اور ابنِ مندہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد حسن ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہوتی ہے جسے اس نے اپنی امت کے حق میں کیا تو اسے قبول کر لیا گیا جبکہ میں چاہتا ہوں اِن شاء اللہ اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر دوں۔ اسے امام مسلم اور احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔
(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے کہا کہ یقیناً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو ایک خاص مقبول دعا کا حق ہوتا ہے جسے وہ کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں اِن شاء اللہ اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر کے رکھوں۔ حضرت کعب نے حضرت ابو ہریرہ سے کہا: کیا آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! اسے امام مسلم، ابنِ مندہ، بیہقی اور قضاعی نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد حسن

ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک خاص دعا
تھی جسے اس نے کیا۔ یقیناً میں چاہتا ہوں اِن شاء اللہ کہ اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے ذخیرہ
کرلوں۔ اسے امام احمد، ابن راہویہ اور ابن جعد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/430، الرقم: 9553)

ابونضرہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ کے منبر پر ہمیں خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ حضور نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک خاص مقبول دعا ضرور تھی جسے اس نے پورا ہونے کا دنیا میں اصرار
کیا۔ بے شک میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اسے امام احمد اور ابو یعلی نے روایت کیا
ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/281، الرقم: 2546)

قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور کعب (الاحبار تابعی) ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ عنہ کعب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرویات بیان کرنے لگے جبکہ کعب، ابو ہریرہ کو کتبِ سابقہ سے مرویات
بیان کرنے لگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کو ایک خاص
مقبول دعا کا حق تھا، اور بے شک میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اسے
امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/275، الرقم: 7714)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو ایک خاص عطیہ
(دعائے مستجاب کی شکل میں) دیا گیا اور ہر ایک نے اس کے حصول میں جلدی کی۔ بے شک میں نے اپنے اس عطیے کو
قیامت کے دن امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر دیا ہے۔ اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور ابو یعلی نے روایت کیا
ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کی اِسناد حسن ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/20، الرقم: 11148)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات صحابہ نے (سفر میں قیام کے دوران) حضور نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنے درمیان) نہ پایا، ان کا معمول تھا کہ وہ جب کسی مقام پر پڑاؤ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو
اپنے درمیان کر لیتے تھے لہٰذا وہ اس صورتحال سے گھبرا گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے لیے ان کے علاوہ دوسرے اصحاب کو چن لیا ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی خیال میں گم تھے تو انہوں نے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھ کر بلند آواز سے تکبیر کہی، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس بات سے ڈر گئے کہ اللہ تبارک
وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہمارے علاوہ دیگر اصحاب کو چن لیا ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
نہیں! بلکہ تم دنیا اور آخرت میں میرے صحابہ ہو۔ (ہوا یہ کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھے جگا کر فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ہر
بھیجے ہوئے نبی اور رسول نے مجھ سے خاص سوال کیا اور میں نے اس کا مانگا ہوا عطا کر دیا، لہٰذا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ

بھی مجھ سے کوئی سوال کرلیں آپ کو عطا کیا جائے گا تو میں نے عرض کیا: میرا سوال قیامت کے دن امت کی شفاعت کا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شفاعت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں (قیامت کے روز) عرض کروں گا: اے میرے رب! میری شفاعت (کا سوال) جو میں نے تیرے ہاں ذخیرہ کیا ہوا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: ہاں! (مجھے یاد ہے) پس میرا رب تبارک وتعالیٰ میری بقیہ (گناہ گار) امت کو جہنم سے نکال کر جنت میں ڈال دے گا۔ اسے امام احمد، طبرانی اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/325-326، الرقم: 22771)

حضرت عبد الرحمن بن ابی عقیل ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وفدِ ثقیف میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو ہم مدینہ کے راستہ پر چلتے رہے یہاں تک کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ہمیں ان سے بڑھ کر مبغوض نہیں تھا جن کے پاس ہم داخل ہو رہے تھے۔ ہم نے گھر میں داخل ہو کر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو) سلام کیا اور بیعت کی، تو جس وقت ہم ان کے پاس سے باہر نکلے تو لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ہمیں ان سے بڑھکر محبوب نہیں تھا جن کے پاس سے ہم باہر نکلے۔ (بعد میں) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اپنے رب سے حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی بادشاہت کا سوال کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر ارشاد فرمایا: تمہارے صاحب (نبی) کا مقام اللہ کے ہاں سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بھی افضل ہے۔ اللہ نے ہر نبی کو ایک خاص دعا کے ساتھ مبعوث فرمایا تو ان میں سے کسی نے اس کے ذریعے دنیا مانگی جو اسے دیدی گئی اور ان میں سے کسی نے اپنی امت کے خلاف اس کے ساتھ دعا کی تو انہیں اس کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص دعا عطا کی تو میں نے اس کو اپنے رب کے ہاں قیامت کے دن امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اسے امام حاکم، ابنِ ابی شیبہ اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد ٹھیک ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 1/138، الرقم: 226)

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے وہ احوال دیکھے جو میرے بعد میری امت کرے گی، ان کا ایک دوسرے کو قتل کرنا اور اس امر کا حتمی و قطعی فیصلہ علمِ الٰہی میں ہو چکا ہے جیسا کہ پہلی امتوں کے متعلق عذاب کے حتمی فیصلے علمِ الٰہی میں ہو چکے تھے۔ لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ التجاء کی کہ وہ مجھے میری امت کے حق میں قیامت کے دن حق شفاعت عطا فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا (میری التجاء قبول فرمالی)۔ اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم اور ہیثمی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 6/427، الرقم: 27410)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے وہ احوال دیکھے جو میرے بعد میری امت کرے گی لہٰذا میں نے قیامت کے دن ان کے لیے شفاعت کو اختیار کیا۔ اسے امام ابو

یعلی، ابنِ مبارک اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابو یعلی فی المسند، 12/ 382،435، الرقم: 7002)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے دکھایا گیا جو میرے بعد میری امت کرے گی اور اپنا خون بہائے گی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ مجھے میری امت کے حق میں قیامت کے دن حق شفاعت عطا فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا (میری التجاء قبول کر لی)۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 23/ 222، الرقم: 410)

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے دکھایا گیا جو میرے بعد میری امت کرے گی اور ایک دوسرے کا خون بہائے گی، جس نے مجھے غمگین کر دیا اور مجھ پر گراں گزرا، اور اس امر کا حتمی و قطعی فیصلہ علم الٰہی میں ہو چکا ہے جیسا کہ پہلی امتوں کے متعلق حتمی فیصلے علم الٰہی میں ہو چکے تھے۔ لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ سے التجاء کی کہ وہ مجھے ان کے حق میں قیامت کے دن حق شفاعت عطا فرمائے، پس اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا (میری التجاء قبول فرمالی)۔ اسے امام ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ البانی نے کہا ہے: اس حدیث کی اسناد شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(اخرجہ ابن ابی عاصم فی السنۃ، 1/ 96، الرقم: 21)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور مقبول شفاعت ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ اس حدیث کو امام مسلم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الفضائل)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام لوگوں میں وہ پہلا شخص ہوں جو جنت میں شفاعت کرے گا اور تمام نبیوں سے زیادہ میرے پیروکار ہوں گے۔ اسے امام مسلم، ابو یعلی اور ابنِ مندہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الفضائل)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں جنت میں شفاعت کروں گا، انبیائے کرام میں سے کسی بھی نبی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی ہے۔ انبیاء میں بعض نبی ایسے بھی ہیں کہ ان کی امت میں سے ایک شخص کے علاوہ اور کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی۔ اسے امام مسلم، احمد، ابنِ ابی شیبہ اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد حسن ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب پہنچے تو

انہیں کچھ گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا) ان میں سے بعض نے کہا: تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اپنا خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے ہمکلام (کلیم اللہ) ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہیں۔ ایک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور اس کی روح ہے، کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، سلام کر کے فرمایا: میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا تعجب کرنا سنا۔ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، اور واقعی وہ اسی طرح ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں، بے شک وہ اسی طرح ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، واقعی وہ اسی طرح ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا، وہ بھی یقیناً اسی طرح ہیں۔ مگر سنو! اچھی طرح آگاہ ہو جاؤ کہ (میری شان یہ ہے) میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور (اس پر) کوئی فخر نہیں، میں قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کی) حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی اور کوئی فخر نہیں، سب سے پہلے میں ہی جنت کا کنڈا کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اسے میری لئے کھول دے گا پس وہ مجھے اس میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقیر و غریب مومن ہوں گے اور کوئی فخر نہیں، میں اوّلین و آخرین میں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں لیکن کوئی فخر نہیں کرتا۔ اسے امام ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ساری اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں، سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی، میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ اسے امام ابو داود، احمد، ابن ابی شیبہ، ابن ابی عاصم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے ظلال الجنۃ میں کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے اشخاص ثقہ ہیں۔ (اخرجہ ابو داود فی السنن، کتاب: السنۃ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ساری اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی اور کوئی فخر نہیں، میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت مقبول ہوگی اور کوئی فخر نہیں، اور قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کی) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور کوئی فخر نہیں۔ اسے امام ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، کتاب: الزہد)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل سے کنانہ کو چنا، کنانہ سے قریش کو چنا، قریش سے بنی ہاشم کو چنا، مجھے بنی ہاشم سے چنا، پس میں ساری اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں، سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی، میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور

سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ اسے امام ابنِ حبان نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن حبان فی الصحیح، 14/392، الرقم: 6475)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ساری اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں، سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی، میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی، میرے ہاتھ میں (اللہ تعالیٰ کی) حمد کا جھنڈا ہوگا جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام لوگ ہوں گے۔

اسے امام ابنِ حبان، ابو یعلی اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے ظلال الجنۃ میں کہا ہے: اس کی اِسناد صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ ابن حبان فی الصحیح، 14/398، الرقم: 6478)

حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہوگی اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں۔ اسے امام ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، 7/258، الرقم: 35859)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے پہلے میں ہی اپنی قبر سے باہر نکلوں گا، جب سب لوگ بارگاہ ایزدی میں اکٹھے ہوں گے تو میں ان کا پیشوا ہوں گا، جب سب لوگ خاموش ہوں گے تو میں ہی ان کا خطیب ہوں گا، اور جب سب (حساب و کتاب سے) رکے ہوئے ہوں گے تو میں ہی ان کی شفاعت کروں گا، اور جب سب لوگ مایوس ہوں گے تو میں ہی ان کو نجات کی خوش خبری دوں گا۔ بزرگی اور جنت کی چابیاں اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گی، میں اپنے رب کے نزدیک سب اولادِ آدم علیہ السلام سے زیادہ مکرم و معزز ہوں، اس روز ہزار خدام میرے اردگرد گھوم رہے ہوں گے ایسا معلوم ہوگا کہ وہ (گرد و غبار سے محفوظ) سفید (خوبصورت) انڈے ہیں یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اسے امام دارمی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الدارمی فی السنن، 1/39، الرقم: 48)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور کوئی فخر نہیں کرتا، میں تمام انبیاء سے آخری ہوں اور کوئی فخر نہیں، میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی مگر کوئی فخر نہیں۔ اسے امام دارمی، طبرانی اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الدارمی فی السنن، 1/40، الرقم: 49)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم انبیاء کرام کا تذکرہ کر رہے تھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کروں گا اور میرے تمام نبیوں سے زیادہ پیروکار ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انبیائے کرام میں سے کسی کو اس حال میں بھی لائے گا کہ ان کی امت میں سے ایک شخص کے علاوہ

کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی ہوگی۔ اسے امام ابوعوانہ، ابنِ مندہ اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابوعوانہ فی المسند، 1/102، الرقم: 326)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے طویل حدیث مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دنیا اور آخرت میں ساری اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں، سب سے پہلے مجھ سے اور میری امت سے زمین شق ہوگی اور کوئی فخر نہیں، میرے ہاتھ میں قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کی) حمد کا جھنڈا ہوگا جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے تمام انبیاء ہوں گے، قیامت کے دن میرے ہاتھ میں جنت کی کنجیاں ہوں گی اور کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن مجھ ہی سے شفاعت کا آغاز کیا جائے گا اور کوئی فخر نہیں، اور میں ہی سب سے پہلا ہوں جو قیامت کے دن مخلوق کو جنت کی طرف لے کر جائے گا اور کوئی فخر نہیں اور میں اُن کا پیشوا ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے ہوگی۔ اسے امام اسماعیل اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ اسماعیل الاصبہانی فی دلائل النبوۃ، 1/65، الرقم: 25)

اخلاص سے کلمہ پڑھنے والے ہر شخص کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! قیامت کے روز آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میرا گمان یہی تھا کہ اس بارے میں تم سے پہلے مجھ سے کوئی نہ پوچھے گا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم حدیث پر بہت حریص ہو۔ قیامت کے روز میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ خوش نصیب شخص وہ ہوگا جس نے خلوصِ دل و جاں سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا ہوگا۔ اس حدیث کو امام بخاری، احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: العلم،)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے روز میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: یا رب! جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو اسے جنت میں داخل فرما دے، پس وہ داخل ہو جائیں گے۔ پھر میں عرض کروں گا: اسے بھی جنت میں داخل فرما دے جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گویا کہ میں (اب بھی اشارہ کرتے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: التوحید)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہشام (راوی) نے کہا: (دوزخی کو) دوزخ سے نکالا جائے گا، شعبہ (راوی) فرماتے ہیں (اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائے گا) تم اس شخص کو آگ سے نکالو جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو اور اس کے دل میں جَو کے دانے کے وزن برابر بھلائی ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکالو جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر خیر ہو، اس کو بھی جہنم سے نکالو جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی ہو۔ اور شعبہ نے (روایت کرتے ہوئے یہ بھی) کہا: جس کے دل میں ہلکا سا ذرہ برابر

بھلائی ہو۔ امام ترمذی کہتے ہیں: اس باب میں حضرات جابر، ابوسعید اور عمران بن حصین سے بھی روایات ہیں۔ امام ترمذی، احمد اور ابو عوانہ نے اس حدیث کو روایت کیا۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ جہنم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ ایمان میں سے ایک قوم اپنے گناہوں کے باعث جہنم میں داخل ہوگی تو مشرکین ان سے کہیں گے: تمہیں تمہارے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں دیا کہ ہمیں اور تمہیں ایک ہی جگہ عذاب دیا جا رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر غضب فرمائے گا اور (داروغۂ جہنم) مالک کو حکم دے گا کہ دوزخ میں ایسے کسی شخص کو نہ چھوڑے جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو۔ انہیں اس حال میں جہنم سے نکالا جائے گا کہ چہرے کے سوا (ان کے پورے جسم) جل کر سیاہ کوئلے کی مانند ہو چکے ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلگوں نہیں ہوں گی، پس انہیں نہر حیات پر لایا جائے گا تو وہ اس میں نہائیں گے، ان سے ہر قسم کی کمزوری اور تکلیف دور کر دی جائے گی پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

فرشتے ان سے کہیں گے: تمہیں مبارک ہو، تم اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ، پس انہیں (جنت میں) جہنمی کہہ کر بلایا جائے گا، پھر (کچھ عرصہ بعد) وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو وہ ان سے اس نام کو ختم فرما دے گا سو انہیں اس نام سے کبھی بھی نہیں بلایا جائے گا۔ جب وہ آگ سے نکلیں گے تو کافر کہیں گے: کاش ہم مسلمان ہوتے! اسی کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (کفار (آخرت میں مومنوں پر اللہ کی رحمت کے مناظر دیکھ کر) بار بار آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے o) (القرآن، الحجر، 2:15)۔ اسے امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ، 1/156.)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں تشریف لا کر ارشاد فرمایا: تمہارے رب نے مجھے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والے اور میری امت کے لئے اپنے پاس محفوظ شدہ حق کے درمیان اختیار دیا؟ اس پر آپ کے بعض صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کا رب اسے چھپا کر رکھے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حجرہ مبارک میں) داخل ہو گئے پھر اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا: میرے رب عزوجل نے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار (کا جنت میں جانے) کا اضافہ فرمایا ہے اور محفوظ شدہ حق اس کے پاس ہے۔ ابورُہم (راوی نے) پوچھا: ابوایوب! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ذخیرہ شدہ حق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے اسے اپنی زبانوں کا نشانہ بناتے ہوئے کہا: تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خفیہ حق کے بارے میں کیا غرض ہے؟ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس شخص کو چھوڑ دو، میں تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محفوظ شدہ حق کے بارے میں بتاتا ہوں جیسا کہ مجھے اپنے اس خیال پر پورا یقین ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محفوظ حق یہ ہے کہ وہ (اپنے رب سے) فرمائیں گے: اے میرے رب! جس شخص نے یہ گواہی دی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں، وہ واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اس حال میں کہ اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کر رہی ہو، تو اسے جنت میں داخل فرما۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/413، الرقم:23505، والہیثمی فی مجمع الزوائد، 10/375.)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: آپ کے رب نے آپ کو شفاعت کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! مجھے یقین تھا کہ میری امت میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے اس بارے میں سوال کرو گے کیونکہ میں نے علم کے حصول پر تمہاری حرص کو دیکھا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! جنت کے دروازوں پر (اپنے امتیوں کو جنت میں داخل ہونے کے لیے) ایک دوسرے کو دھکیلتے وقت مجھے اپنی شفاعت کے پورا کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ پریشان نہ کرے گی۔ اور (یاد رکھو کہ) میری شفاعت اس کے لیے ہے جس نے خلوص کے ساتھ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ اس حال میں کہا ہو کہ اس کا دل اس کی زبان کی تصدیق کرتا ہو اور اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرتی ہو۔ اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد قابل تحسین ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/307، الرقم:8070)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ابنِ دارہ سے روایت ہے کہ ہم جنت البقیع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو ہم نے ان کو فرماتے ہوئے سنا: میں لوگوں میں سب سے زیادہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارے جانتا ہوں۔ لوگوں نے ان کے گرد ہجوم کر لیا اور کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ بیان کریں؟ انہوں نے کہا کہ (قیامت کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) فرمائیں گے: اے اللہ تو ہر اس مسلمان بندے کو بخش دے جو تجھ سے اس حال میں ملا کہ (زندگی میں) مجھ پر ایمان رکھا رہا (اور) تیرے ساتھ شرک سے بچا رہا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد حسن ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/454، الرقم:9852)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب کی طرف سے آنے والے (جبرئیل فرشتہ) نے مجھے میری آدھی امت کے جنت میں داخل ہونے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا؟ تو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا۔ ہم نے عرض کیا: ہم آپ کو اللہ اور صحابیت کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنی شفاعت کا ضرور حقدار بنائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان میں سے ہو۔ پھر ہم چل پڑے تو ایک یا دو آدمی آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا ہمیں بتلایا تھا ویسا ہی انہیں بھی بتلایا تو وہ بھی آپ کو اللہ اور صحابیت کا واسطہ دینے لگیں کہ انہیں بھی اپنی شفاعت کا مستحق بنائیں؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو۔ یہاں تک کہ لوگوں کا ایک ہجوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ہو گیا اور وہ سبھی یہی کہنے لگے: آپ ہمیں بھی اپنی شفاعت کا حق دار بنائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ یقیناً وہ میرے ہر اس امتی کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ

ٹھہراتا ہو۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد صحیح ہے اور اس کے رجال شیخین کے ثقہ رجال ہیں۔
(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 6/23، الرقم: 23977)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو سونے کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور اس کا کنڈا چاندی کا ہے۔ سب سے بڑا نور (اللہ تعالیٰ) میرا استقبال فرمائے گا تو میں سجدے میں گر جاؤں گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء کرنے کے لیے ایسے کلمات اِلقاء کیے جائیں گے جو اس نے مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کیے۔ پھر مجھے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھایئے، مانگیے آپ کو عطا کیا جائے گا، کہیے سنا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پس میں عرض کروں گا: میری امت! کہا جائے گا: جس کے دل میں جَو کے برابر ایمان ہو اس کا آپ کو (دوزخ سے نکالنے کا) اختیار ہے۔ فرماتے ہیں: پھر دوسری بار میں سجدہ ریز ہوں گا تو ایسے ہی کلمات القاء کیے جائیں گے اور اس طرح فرمایا جائے گا تو میں عرض کروں گا: میری امت! پھر مجھے کہا جائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو آپ کو اس پر بھی اختیار ہے۔ میں تیسری بار سجدہ ریز ہوں گا تو ایسے ہی فرمایا جائے گا تو میں سر اٹھا کر عرض کروں گا: میری امت! پھر کہا جائے گا: آپ کو اس پر بھی اختیار ہے جس نے اِخلاص سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے۔ اسے امام ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابو یعلی فی المسند، 7/158، 164، الرقم: 4130، 4137)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے لوگوں کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب دیا جائے گا تو وہ جب تک اللہ چاہے گا دوزخ میں رہیں گے۔ پھر مشرک ان کو طعنہ دیتے ہوئے کہیں گے: تم اپنے ایمان اور تصدیق کے باعث ہماری مخالفت کرتے تھے ہم نہیں دیکھ رہے کہ اس عمل نے تمہیں کوئی نفع دیا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ ہر توحید پرست کو (آگ سے) نکال لے گا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی (کفار (آخرت میں مومنوں پر اللہ کی رحمت کے مناظر دیکھ کر) بار بار آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے o) (القرآن، الحجر، 15:2)۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 5/223، الرقم: 5146)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) میں دوزخ کے پاس آ کر اس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو میرے لیے اسے کھول دیا جائے گا۔ میں اس میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد کروں گا جو مجھ سے پہلے کسی نے کبھی نہیں کی ہوگی اور نہ میرے بعد ایسی کوئی اس کی حمد کرے گا۔ پھر میں اخلاص سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والوں کو دوزخ سے نکال لوں گا۔ پس قریش کے چند لوگ میرے پاس آ کر مجھے اپنا نسب بتائیں گے تو میں ان کے نسب پہچانوں گا لیکن ان کے چہرے نہ پہچانوں گا اور انہیں جہنم میں چھوڑ دوں گا (کیونکہ وہ کفار یا منافقین قریش ہوں گے)۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 4/503، الرقم: 3857)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی

گواہی دینے والوں میں سے کچھ لوگ اپنے گناہوں کے باعث دوزخ میں داخل ہوں گے تو لات اور عزیٰ کے ماننے والے ان سے کہیں گے: تمہیں تمہارے کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نے کوئی فائدہ نہیں دیا کہ تم آگ میں ہمارے ساتھ ہو؟ پس اللہ تعالیٰ کفار پر غصے کا اظہار فرماتے ہوئے ان (اہل ایمان) کو دوزخ سے نکال کر نہر حیات میں داخل فرمائے گا تو وہ اپنے جلنے کے نشان سے اس طرح چھٹکارہ پالیں گے جس طرح چاند اپنے گرہن سے چھٹکارا پاتا ہے۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں وہاں جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔ ایک شخص نے کہا: اے انس! آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا بیان کرتے ہوئے سنا تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لیا۔ ہاں! میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط، 209/7)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن فرشتوں سے) فرمائے گا: تم دوزخ سے اس شخص کو نکال دو جس کے دل میں جَو کے برابر ایمان ہو۔ پھر فرمائے گا: اس شخص کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو، پھر فرمائے گا: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں اس شخص کو جو مجھ پر دن اور رات کی کسی گھڑی میں ایمان لایا تھا، ایمان نہ لانے والے شخص کی طرح کبھی نہ کروں گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الطبرانی فی المعجم الصغیر، 114/2، الرقم: 875)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے رب کے ہاں شفاعت کرتا رہوں گا اور وہ میری شفاعت قبول فرماتا رہے گا یہاں تک کہ میں عرض کروں گا: میرے رب! میری شفاعت اس کے حق میں بھی قبول فرما جس نے صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو۔ پس وہ فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کام آپ کا نہیں ہے یہ کام میرا ہے۔ یاد رکھیے مجھے اپنی عزت کی قسم، اپنے حلم کی قسم، اور اپنی رحمت کی قسم! میں کسی بھی ایسے شخص کو آگ میں نہیں چھوڑوں گا۔ یا فرمایا: کسی بھی ایسے بندے کو جس نے صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی کہا ہو۔ اس حدیث کو امام ابو یعلی اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه ابو یعلی فی المسند، 172/5، الرقم: 2786)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے لوگوں کا دوزخ سے نکلنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شفاعت کے ذریعے کچھ لوگ دوزخ سے نکلیں گے گویا کہ وہ ثعاریر ہیں۔ میں (یعنی حماد راوی) نے عمرو بن دینار سے پوچھا کہ ثعاریر کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: سفید ککڑیاں جن کے منہ جھڑ گئے ہوں۔ میں نے عمرو بن دینار سے پوچھا: ابو محمد! کیا آپ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: دوزخ سے لوگ شفاعت کے سبب نکلیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (اخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الرقاق)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم سے نکلے گی، پس وہ جنت میں داخل ہوں گے تو (وہاں) انہیں جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔ اسے امام بخاری، ابوداؤد، احمد، ابن ابی عاصم اور رویانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الرقاق)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم جہنم سے اس حال میں نکلے گی کہ عذاب جہنم کے باعث ان کی جلد سیاہ ہوگی، پس وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اہلِ جنت انہیں جہنمی کہہ کر پکاریں گے۔ اسے امام بخاری، احمد، ابویعلی اور ابنِ مندہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الرقاق)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ میں رہنے والے دوزخی نہ اس میں مریں گے اور نہ جئیں گے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جنہیں دوزخ میں ان کے گناہوں اور غلطیوں کی وجہ سے ڈالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کر دے گا یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے تو ان کی شفاعت کا حکم ہوگا۔ پس انہیں گروہ در گروہ نکال کر جنت کی نہروں پر پھیلا دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا: جنت والو! ان پر پانی ڈالو تو وہ اس پانی سے اس طرح تر و تازہ ہو کر اٹھیں گے جیسے پانی کے بہاؤ سے آنے والی مٹی میں دانہ سرسبز و شاداب ہو کر نکلتا ہے۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیہات میں بھی رہے ہیں۔ اسے امام مسلم، ابنِ ماجہ، احمد، ابنِ حبان اور ابویعلی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

عمرو سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے کانوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائے گا۔ اسے امام مسلم، احمد، ابنِ حبان اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اِسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ایک قوم ضرور میری شفاعت کے سبب جہنم سے نکلے گی، پس انہیں جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ جہنم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہلِ ایمان میں سے ایک قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذریعے دوزخ سے نکلے گی۔ یزید (راوی حدیث) کہتے ہیں: میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں فرماتا ہے: (اور وہ آگ سے نہیں نکل سکیں گے) (البقرۃ، 2:167)، حضرت جابر نے فرمایا: اس سے قبل تو پڑھ، (بے شک جو لوگ کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں) (المائدۃ، 5:36)، یہ آیت صرف کفار کے بارے میں ہے (کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ان کے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا)۔ اسے امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابونعیم الاصبہانی فی مسند الامام ابی حنیفۃ، 1/260)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے ایک قوم کو عذاب میں مبتلا کرے گا، پھر انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نکالے گا حتی کہ جہنم میں کوئی بھی (مومنین میں سے) باقی نہ رہے گا مگر جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے ○) یہاں تک فرمایا۔۔۔سو (اب) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں (یعنی کافروں کو) کوئی نفع نہیں پہنچائے گی ○) اسے امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ، 1 / 166)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم اس حال میں جہنم سے نکلے گی کہ آگ نے ان کو جلایا ہوگا، پس انہیں جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔ اسے امام احمد اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی نے ظلال الجنۃ میں کہا ہے: اس کی سند حسن ہے اور اس کے رِجال ثقہ ہیں۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/ 391، الرقم: 23323)

طلق بن حبیب روایت کرتے ہیں کہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ سخت شفاعت کو جھٹلانے والا تھا یہاں تک کہ میں حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ملا۔ میں نے انہیں ہر وہ آیت پڑھ کر سنائی جس میں اللہ رب العزت نے اہلِ جہنم کا (جہنم میں) ہمیشہ رہنے کا ذکر کیا ہے تو انہوں نے فرمایا: اے طلق! کیا تم مجھ سے زیادہ قرآن مجید پڑھے ہو اور مجھ سے زیادہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جانتے ہو کہ میں اس کے آگے سر تسلیم خم کروں؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں! بلکہ آپ مجھ سے زیادہ قرآن مجید پڑھے ہیں اور مجھ سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جانتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: جن آیات کی تُو نے تلاوت کی ہیں ان کے اہل، مشرکین ہیں، البتہ دوسرے وہ لوگ جنہوں نے گناہ کیا تو انہیں ان کے سبب عذاب دیا جائے گا پھر انہیں آگ سے نکال لیا جائے گا، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو کہ وہ آگ سے نکلیں گے۔ ہم وہی پڑھتے ہیں جو تم پڑھتے ہو۔ اسے امام احمد، معمر بن راشد اور ابن الجعد نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/ 330، الرقم: 14534)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن جملہ مخلوقات میں سب سے پہلے میری زمین شق ہوگی اور مجھے کوئی فخر نہیں، حمد کا جھنڈا مجھے تھمایا جائے گا اور مجھے فخر نہیں، قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور مجھے فخر نہیں اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور میں یہ بات بھی بطور فخر نہیں کہتا۔

میں جنت کے دروازے کے پاس آکر اس کی کنڈی پکڑ لوں گا تو فرشتے پوچھیں گے: یہ کون ہیں؟ میں کہوں گا: میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ وہ میرے لئے دروازہ کھولیں گے تو میں اندر داخل ہوں گا۔ اللہ جبار میرا استقبال فرمائے گا تو میں

سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھائیے اور گفتگو کیجئے آپ سے سنا جائے گا، اور کہیے آپ کی بات قبول کی جائے گی اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنی امت کے پاس چلے جائیے اور جس کے دل میں جَو کے دانہ برابر ایمان پائیں اس کو جنت میں داخل کیجئے۔ میں آ کر جس کے دل میں اس طرح ایمان پاؤں گا اس کو جنت میں داخل کروں گا۔

پھر اچانک دیکھوں گا کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے جلوہ افروز ہیں تو میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھائیے اور گفتگو کیجئے آپ سے سنا جائے گا، اور کہیے آپ کی بات قبول کی جائے گی اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنی امت کے پاس چلے جائیے اور جس کے دل میں آدھے جَو دانہ کے برابر ایمان پائیں اس کو جنت میں داخل کیجئے۔ پس میں جاؤں گا اور جس کے دل میں اتنی مقدار میں ایمان پاؤں گا ان کو جنت میں داخل کروں گا۔

پھر اچانک دیکھوں گا کہ اللہ رب العزت میرے سامنے جلوہ افروز ہیں تو میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھائیے اور گفتگو کیجئے آپ سے سنا جائے گا، اور کہیے آپ کی بات قبول کی جائے گی اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنی امت کے پاس چلے جائیے اور جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر ایمان موجود ہو اس کو جنت میں داخل کیجئے، پس میں جاؤں گا اور جن کے دل میں ایمان کی اتنی مقدار پاؤں گا انہیں جنت میں داخل کروں گا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کے حساب سے فارغ ہو جائے گا اور میری امت میں سے باقی جو لوگ بچ جائیں گے وہ دوزخیوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ دوزخی لوگ انہیں طعنہ دیں گے: تمہیں اس چیز نے کوئی فائدہ نہیں دیا کہ تم اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے؟ اس پر اللہ رب العزت فرمائے گا: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ان کو ضرور جہنم کی آگ سے نجات دوں گا۔ پس ان کی طرف فرشتہ بھیجے گا تو وہ اس حال میں اس سے نکلیں گے کہ بری طرح جھلس گئے ہوں گے، پھر وہ نہر حیات میں داخل ہوں گے تو اس میں سے اس طرح نکلیں گے جس طرح پانی کے کنارے دانہ اُگتا ہے۔ ان کے ماتھے کے درمیان لکھ دیا جائے گا یہ عُتَقَاءُ اللّٰہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔ وہ فرشتہ ان کو لے جائے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔ اہلِ جنت ان کو کہیں گے: یہ لوگ جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ عُتَقَاءُ الْجَبَّار اللہ تعالیٰ جبّار کے آزاد کردہ ہیں۔ اسے امام احمد، دارمی، مروزی اور ابنِ مندہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد جیّد ہے۔

(الدارمی فی السنن، 1/41، الرقم: 52)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم جہنم سے نکلے گی، پس انہیں جنت میں جہنمی کہہ کر پکارا جائے گا۔ وہ اللہ سے عرض کریں گے کہ ان سے یہ نام مٹا دے تو اللہ ان سے (اس نام کو) مٹا دے گا۔ پس جب وہ دوزخ سے نکلیں گے تو (نہرِ حیات میں نہا کر) اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جیسے پرندے کے نئے پَر اُگتے ہیں۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 346/5، الرقم: 5507)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ شفاعت کا معاملہ جاری رہے گا، اور وہ دوزخ سے نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ابلیسوں کا ابلیس بھی اس سے بہرہ ور ہونے کی خواہش کرے گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 215/10، الرقم: 10513)

کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابو داؤد، احمد، ابنِ حبان اور دیگر محدّثین نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور ابنِ کثیر نے اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ محمد بن علی الباقر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے محمد! جو کبیرہ گناہوں والے نہیں ہوں گے ان کی شفاعت کا کیا حال ہوگا؟ اسے امام ترمذی، حاکم اور ابو داؤد طیالسی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ اسے امام ابنِ ماجہ، ابنِ حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجۃ فی السنن، کتاب: الزہد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: (اور وہ (اس کے حضور) سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے (کرتے ہیں) جس سے وہ خوش ہو گیا ہو. اور وہ اس کی ہیبت و جلال سے خائف رہتے ہیں٥) (القرآن، الانبیاء، 28:21) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ اسے امام حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 414/2، الرقم: 3442)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 75/5، الرقم: 4713)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہگاروں کے لئے بنائی گئی ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 9/77، الرقم: 9177)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: (بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے) (النساء، 4:48) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے اپنی دعائے شفاعت اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ذخیرہ کی ہوئی ہے۔ (یہ فرمان سننے کے بعد) ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم اپنے ان بہت سے خیالوں سے باز آ گئے جو ہمارے دلوں میں آتے رہتے تھے۔ اس کے بعد ہم اُن کی بخشش کے بارے میں بات کرتے تھے اور پُر امید ہو گئے تھے۔

اسے امام ابو یعلی، طبرانی اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اور البانی نے ظلال الجنۃ میں اس حدیث کو صحیح اور حسن لکھا ہے۔ (اخرجہ ابو یعلی فی المسند، 10/186، الرقم: 5813)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہگاروں کے لئے ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نیکیوں میں سبقت لے جانے والا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا، میانہ رو (جس کی نہ زیادہ نیکیاں اور نہ زیادہ گناہ ہوں) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا، اور (گناہ کر کے) اپنی جان پر ظلم کرنے والے اور اصحابِ اعراف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 11/189، الرقم: 11454)

حضرت کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شفاعت کیا ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہگاروں کے لئے ہے۔ اسے امام آجری نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الآجری فی الشریعۃ: 338)

حضرت ابو دَرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے گناہگاروں کے لئے ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگرچہ وہ بدکاری کرے یا چوری کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! خواہ وہ بدکاری کرے یا چوری کرے اگرچہ ابو درداء کی ناک خاک آلود ہو۔ اسے امام خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد، 1/416، الرقم: 417)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری

امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا: جابر! یہ آپ کیا بیان کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں محمد (الباقر)! (غور سے سنیں) جس کی نیکیاں زیادہ ہوئیں تو وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوئیں تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا پھر وہ جنت میں داخل ہوگا، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت صرف اس کے لئے ہوگی جس نے (کثیر گناہوں کے باعث) اپنی جان کو ہلاک کر دیا اور اپنی کمر کو بوجھل کر لیا۔ اسے امام ہندی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الهندي في كنز العمال، 14/631، الرقم: 39751)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ خاصہ گناہگاروں اور خطا کاروں کے لئے ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عامۃ المسلمین کے لئے شفاعت عامہ کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حقِ شفاعت اور (بغیر حساب) میری نصف امت کے جنت میں داخل کئے جانے کا اختیار دیا گیا؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا کیونکہ یہ زیادہ عام اور زیادہ کفایت کرنے والی ہے، تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ متقین کے لئے ہے؟ نہیں! بلکہ وہ تو گناہگاروں، خطا کاروں اور معصیت میں آلودہ لوگوں کے لئے ہے۔ اس حدیث کو امام ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد صحیح ہے۔ (اخرجه ابن ماجه في السنن، كتاب: الزهد)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ میرے رب نے رات کو مجھے کیا اختیار دیا؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے مجھے اختیار دیا کہ میری آدھی امت (بغیر حساب) جنت میں داخل ہو جائے یا میں شفاعت کروں؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس کا مستحق بنا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہر مسلمان کے لئے ہے۔ اس حدیث کو امام ابنِ ماجہ، حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: امام مسلم کی شرائط پر یہ حدیث صحیح ہے۔ (اخرجه ابن ماجه في السنن، كتاب: الزهد)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حقِ شفاعت اور (بغیر حساب) میری نصف امت کے جنت میں داخل ہونے کے درمیان اختیار دیا گیا؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا کیونکہ یہ زیادہ عام اور زیادہ کفایت کرنے والی ہے، تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ متقین کے لئے ہے؟ نہیں! بلکہ وہ تو معصیت میں آلودہ لوگوں اور خطا کاروں کے لئے ہے۔ اسے امام احمد اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ امام منذری نے کہا ہے: اس کی اِسناد ٹھیک ہے۔ (اخرجه احمد بن حنبل في المسند، 2/75، الرقم: 5452)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن روئے زمین کے جملہ درختوں اور مٹی کے ڈھیلوں کی مقدار کے برابر اپنی امت کے افراد کی شفاعت

کروں گا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه احمد بن حنبل في المسند، 5/347، الرقم 22943)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے نصیحت کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: عملِ صالح کیا کرو اور (اتنے قرب کی وجہ سے بے عمل مجھ پر) امید لگا کر نہ رکھو، بے شک میری شفاعت امت کے ہلاک ہونے والوں کے لئے ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الطبراني في المعجم الكبير، 23/369، الرقم: 872)

عبدالرحمٰن بن ابی رافع سے روایت ہے کہ حضرت ام ہانی بنتِ ابی طالب رضی اللہ عنہا آراستہ ہو کر ایسے نکلی کہ ان کے کانوں کے زیورات نمایاں ہو رہے تھے۔ عمر بن خطاب نے انہیں دیکھ کر کہا: تو جان لے کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے کچھ فائدہ نہ دیں گے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس قوم کا کیا انجام ہوگا جو یہ گمان کرتی ہے کہ میری شفاعت میرے اہلِ بیت کو فائدہ نہیں دے گی حالانکہ میری شفاعت توحا اور حکم قبیلوں تک پہنچے گی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے اشخاص ثقہ ہیں۔ (اخرجه الطبراني في المعجم الكبير، 24/434، الرقم: 1060)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے عبدالواحد نصری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی نے بیان کیا کہ میں تمہارے دادا عبدالواحد بن عبداللہ بن بسر کے پاس سے گزرا جبکہ وہ ان دنوں حمص کے امیر تھے تو انہوں نے مجھے فرمایا: اے ابو عمرو! میں تجھے ایسی حدیث بیان نہ کروں جس سے تو خوش ہو؟ اللہ کی قسم! اکثر اوقات حاکموں نے اسے چھپایا ہے، میں نے کہا: کیوں نہیں! بیان فرمائیں، انہوں نے فرمایا: مجھ سے میرے والد عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ہم ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (خوشی سے) چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ تشریف لائے تو ہم (ادباً وتعظیماً) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے رخ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، آپ کے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ہمیں خوشی ہو رہی ہے۔ پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جبرئیل نے ابھی مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت کا حق عطا کیا ہے، یہ میری امت کے گناہگاروں اور گناہ سے بوجھل افراد کے لئے ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الطبراني في المعجم الاوسط، 5/304، الرقم: 5382)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے سب سے بہتر آدمی میں ہوں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! امت کے اچھے لوگوں کے لئے آپ کیسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے گنہگار لوگوں کو اللہ تعالیٰ میری شفاعت سے جنت میں داخل کرے گا، جبکہ میری امت کے اچھے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (الهيثمي في مجمع الزوائد، 10/377)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ فرماتے ہوئے سنا: درختوں اور پتھروں کی مقدار سے زیادہ، ہم نے (بغیر سمجھے تائید کرتے ہوئے) عرض کیا: جی ہاں! (ایسے ہی ہے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بے شک میری شفاعت پتھروں اور درختوں کی مقدار سے بھی زیادہ ہوگی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 4/246، الرقم: 4100)

حضرت اُنیس انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میں قیامت کے دن ضرور روئے زمین کے تمام پتھروں اور مٹی کے ڈھیلوں کی مقدار کے برابر شفاعت کروں گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 5/295، الرقم: 5360)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کے دوران راستہ میں قیام کیا۔ رات کا ایک حصہ گزرنے پر میری آنکھوں سے نیند غائب ہوگئی جس کے باعث میں سو نہ سکا تو اٹھ کھڑا ہوا، اس وقت لشکر میں کوئی بھی ایسا جانور نہ تھا جو سو نہ گیا ہو، کجاوہ کے پچھلے حصہ کی جانب سے (کچھ گڑ بڑ ہونے کا) میرے ذہن میں خیال آیا تو میں نے اپنے آپ سے کہا: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا تاکہ ان کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے سکوں یہاں تک کہ صبح ہو جائے، پس میں کجاووں کے درمیان سے گزرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کجاوے تک پہنچا تو آپ اپنے کجاوے پر موجود نہ تھے۔ لہٰذا میں کجاووں کو عبور کرتا ہوا لشکر سے باہر نکل گیا تو اچانک میں نے کسی چیز کا سایہ دیکھا، میں نے اس کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو وہ ابوعبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل تھے، انہوں نے مجھ سے کہا: کس چیز نے تمہیں (اس وقت لشکر سے) نکالا ہے؟ میں نے کہا: جس نے تمہیں نکالا ہے، ہم سے تھوڑا ہی دور ایک باغ تھا، ہم اس باغ کی طرف بڑھنے لگے، اس دوران ہم نے اس میں مکھیوں کے بھنبھنانے یا ہلکی سی ہوا چلنے جیسی آواز سنی، پس (ہمیں اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہاں ابوعبیدہ بن جراح ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور معاذ بن جبل بھی ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: عوف بن مالک بھی ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں موجود ہے، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لے آئے تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے نہ ہم نے آپ سے کچھ عرض کیا اور نہ آپ نے ہمیں کچھ ارشاد فرمایا، یہاں تک کہ آپ اپنی سواری کی طرف لوٹ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ میرے رب نے ابھی مجھے کیا اختیار دیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے مجھے یہ اختیار دیا ہے کہ میری تہائی امت بغیر حساب کتاب اور عذاب کے جنت میں داخل ہو جائے یا میں شفاعت کروں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے کیا اختیار فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا، ہم تمام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں آپ کی شفاعت میں شامل فرما لیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا: بے

شک میری شفاعت ہر مسلمان کے لئے ہے۔

اسے امام طبرانی اور معمر نے روایت کیا ہے۔ امام منذری نے کہا ہے: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، جس کی اسانید میں سے ایک ٹھیک ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 18/58، الرقم: 107)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! تو مجھے ان میں شامل کر جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی، انہوں نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ مؤمنین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مستغنی کر دے گا، لیکن وہ شفاعت خاص طور پر مؤمن اور مسلمان گناہگاروں کے لئے ہے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی الاعتقاد، 1/203)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حقِ شفاعت اور (بغیر حساب) میری نصف امت کے جنت میں داخل ہونے کے درمیان اختیار دیا گیا؟ پس میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا کیونکہ یہ زیادہ عام اور زیادہ کفایت کرنے والی ہے، تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ مؤمنین متقین کے لئے ہے؟ نہیں بلکہ وہ تو گناہگاروں، معصیت میں آلودہ لوگوں اور خطا کاروں کے لئے ہے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ البیہقی فی الاعتقاد، 1/.203)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل نے رات کو میرے پاس حاضر ہو کر مجھے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت کا حق عطا کیا ہے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ بنی ہاشم کے لئے خاص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں. ہم نے عرض کیا: کیا یہ قریش میں ہی عام ہے؟ فرمایا: نہیں. ہم نے عرض کیا: کیا یہ آپ کی ساری امت کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا: یہ میری امت کے گناہگاروں اور گناہ سے بوجھل افراد کے لئے ہے۔ اسے امام ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ابی عاصم فی السنۃ، 2/392، الرقم: 823)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے سب سے بہتر شخص میں ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: آپ ان کے اچھے لوگوں کے لئے کیسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے اچھے لوگ اپنے اصلاح اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے جبکہ ان کے گنہگار لوگ میری شفاعت کے سبب جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام ابونعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 10/219)

حضرت اَسماء بنتِ عُمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ مجھے قیامت کے روز ان (عام) لوگوں میں شامل فرمائے جن کی آپ شفاعت فرمائیں گے؟ پس حضور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تب تو آگ تمہیں خراش پہنچائے گی کیونکہ میری شفاعتِ عامہ ہر اس ہلاک ہونے والے امتی کے لئے ہے جسے آگ ضرر پہنچائے گی (جبکہ تم صالحہ، متقیہ اور خود شفاعت کرنے والوں میں سے ہو)۔ اسے امام ابنِ عبد البر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن عبد البر فی التمہید، 19/ 67، الرقم: 173)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے روز انبیاء علیہم السلام کو حقِ شفاعت دلانے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے شفاعت طلب کرنے کا بیان

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن سب انبیاء کا امام ہوں گا اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرنے والا اور ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا حق دلانے والا ہوں گا، یہ بات بطور فخر نہیں کہہ رہا۔ اسے امام ترمذی، ابنِ ماجہ، احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے، ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت کے دن میری (خصوصی) شفاعت فرمائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہی ایسا کرنے والا ہوں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا، میں نے عرض کیا: اگر آپ وہاں نہ ملیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میزان کے پاس ڈھونڈنا، میں نے عرض کیا: اگر وہاں بھی نہ ملیں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھ کو حوضِ کوثر پر تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ اسے امام ترمذی، احمد اور بخاری نے تاریخ کبیر میں روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ والرقائق)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص نے داخل ہو کر نماز میں ایسی قرات کی جس کا میں نے انکار کیا، پھر ایک دوسرے شخص نے داخل ہو کر اپنے ساتھی سے الگ لہجہ میں قرات کی۔ پس ہم سب نماز سے فراغت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چلے گئے تو میں نے عرض کیا: اس شخص نے ایسی قرات کی جس کا میں نے انکار کیا اور پھر ایک دوسرے شخص نے داخل ہو کر اپنے ساتھی سے الگ لہجہ میں قرات کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو قرات کرنے کا حکم فرمایا: انہوں نے قرات کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تحسین فرمائی، جس سے میرے دل میں اسلام کی ایسی تکذیب اتری کہ کبھی زمانہ جاہلیت میں بھی ایسی نہ تھی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس (باطنی) حال کو ملاحظہ فرما کر میرے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینہ سے شرابور ہو گیا (اور مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی) گویا کہ میں خشیت سے اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے اُبی! مجھے حکم دیا گیا کہ قرآن ایک حرف (لغت) پر پڑھوں تو میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میری امت پر آسانی فرمایئے، پھر مجھے دو حرفوں پر پڑھنے کا حکم دیا گیا تو میں نے

دوبارہ عرض کیا کہ میری امت پر آسانی فرمایئے، پس مجھے تیسری بار سات حروف (لغات) پر قرآن پڑھنے کا حکم ہوا، (اس کے ساتھ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا) امت کے لیے ہر بار دعا کرنے کے عوض ہم سے کچھ طلب کرلو۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ! میری امت کی مغفرت فرما! اے اللہ! میری امت کی مغفرت فرما اور تیسری بار کی دعا میں نے اس دن کے لیے محفوظ کرلی ہے جس دن تمام مخلوق یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف متوجہ ہوں گے۔ اسے امام مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: صلاۃ المسافرین)

بنو مخزوم کے مولیٰ زیاد بن ابی زیاد فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام مرد یا عورت سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خادم سے فرمایا کرتے تھے: کیا تمہیں کوئی حاجت درپیش ہے؟ وہ فرماتے ہیں: یہاں تک کہ ایک روز اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایک حاجت ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری حاجت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میری حاجت یہ ہے کہ آپ روزِ قیامت میری شفاعتِ خاصہ فرمائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس نے تمہاری اس بات کی طرف رہنمائی کی ہے؟ اس نے عرض کیا: میرے رب نے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! پس تو کثرتِ سجود سے میری مدد کر (کہ اس کی حقدار بن)۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد صحیح ہے، رجال ثقہ ہیں اور شیخین کے رجال ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 500/3، الرقم 16076)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں احمد ہوں، محمد ہوں، میں حاشر ہوں کہ لوگ روزِ محشر میرے بعد اُٹھائے جائیں گے اور میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا۔ پس جب روزِ قیامت ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں سب رسولوں کا امام ہوں گا اور ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا حق دلانے والا ہوں گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد حسن ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 44/4، الرقم: 3570)

حضرت مصعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے ایک غلام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں آپ کی بارگاہ میں سوالی بن کر حاضر ہوا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا سوال ہے؟ اس نے عرض کیا: میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے ان لوگوں میں شامل فرمالیں جن کی آپ یومِ قیامت شفاعت فرمائیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے؟ یا (فرمایا) کس نے تمہیں یہ سکھلایا ہے؟ یا (فرمایا) کس نے تمہاری اس بات کی طرف رہنمائی کی ہے؟ اس نے عرض کیا: صرف میرے دل نے مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جن کی روزِ قیامت میں شفاعت کروں گا تو وہ غلام (خوشی کے عالم میں) کندھے اُچک کر جانے لگا کہ اپنے گھر والوں کو یہ خبر سنائے، پس جب وہ مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس غلام کو میرے پاس واپس لاؤ، جب وہ اسے واپس لائے اس حال میں کہ وہ غمگین اور ڈر رہا تھا کہ شاید (حکم

میں) کچھ ترمیم ہو چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنی جان پر کثرتِ سجود لازم کر کے میری مدد کر (تاکہ شفاعت خاصہ کا حقدار بن سکے)۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رُواۃ صحیح حدیث کے رجال ہیں۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 20/365، الرقم: 851)

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے: انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر درج ذیل اشعار عرض کیے:

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں اور آپ ہر غائب (کی خبر پہنچانے میں) امانت دار ہیں۔ اور اے پاک بزرگ لوگوں کے بیٹے! بے شک آپ رسولوں میں سے وسیلہ ہونے کے اعتبار سے اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔ اے چلنے والوں میں سے بہترین! پس آپ ہمیں ہر وہ حکم کیجیے جو آپ کے پاس آئے اگرچہ وہ (امور شدید ہوں جو) پیشانیوں کو سفید کرنے والے ہوں۔ سو آپ اس دن میرے سفارشی ہو جائیں جس میں آپ کے سوا کوئی بھی ایسا شفاعت کرنے والا نہیں جو سواد بن قارب کو فائدہ دے۔) اسے امام حاکم، طبرانی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 3/705، الرقم: 6558)

حضرت مازن بن غضوبہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو کر آئے تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

(یارسول اللہ! میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اس حال میں کہ میری سواری عمان سے عرج تک کے صحرا و میدان قطع کرتی آئی ہے۔ تاکہ آپ میرے لئے شفاعت کریں، اے وہ بہترین ذات جو کنکریوں پر چلنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ سو میرا رب مجھے بخش دے تاکہ میں کامیاب واپس لوٹوں۔) اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 20/338، الرقم: 799)

حضرت فاطمہ بنتِ حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ مجھے آپ کی شفاعت کا اہل بنائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کثرتِ سجود سے میری مدد کر۔ اسے عبد اللہ بن مبارک نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن المبارک فی الزہد، 1/455، الرقم: 1287)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے گمان ہے کہ ابراہیم ضرور میری شفاعت میں رغبت رکھیں گے۔ اسے امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، 4/377، الرقم: 7096)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری نبیوں میں مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے ایک خوبصورت مکان تعمیر کیا اور اُسے مکمل زیب و زینت سے سجایا لیکن مکان کے کسی حصے

میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کا مکان دیکھنے آتے اور اس کی خوبصورتی کی داد دیتے اور کہتے جاتے: کاش یہ اینٹ کی جگہ پُر کر دی جاتی؟ پس میں ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرنے والا اور ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا حق دلانے والا ہوں اور یہ بات بطور فخر نہیں کہہ رہا۔ اسے امام مقدسی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ المقدسی فی الاحادیث المختارۃ، 3/392، الرقم: 1191)

اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن شفاعت کے ذریعے راضی کرنے کا بیان

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم سے حضرت ابرہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت فرمائی (اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا ہے پس جس نے میری پیروی کی تو وہ میرا ہے) (ابراہیم، 36:14) اور وہ آیت پڑھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے ((اے اللہ!) اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہےo) (المائدۃ، 118:5) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھا کر عرض کی: اے اللہ! میری امت! میری امت! اور آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبرئیل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے (کہ ان پر اس قدر گریہ کیوں طاری ہے؟) ان سے پوچھنا کہ کیوں آنسو بہا رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا تھا اسے اس کی خبر دی حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا: جبریل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کی امت کی بخشش کے معاملہ میں ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔ اس حدیث کو امام مسلم، نسائی اور ابو عوانہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہماری نظروں سے اوجھل رہے، آپ تشریف نہ لائے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ آج حجرہ مبارک سے باہر نہ نکلیں گے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہم نے سمجھا کہ آپ وصال فرما گئے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ انور اٹھا کر ارشاد فرمایا: میرے رب تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے بارے مشورہ طلب کیا کہ میں ان سے کیا معاملہ کروں؟ تو میں نے عرض کیا: میرے رب! جیسا تو چاہے، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں. اس نے دوبارہ مجھ سے مشورہ طلب کیا تو میں نے اسی طرح عرض کیا۔ پس اس نے فرمایا: یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں تجھے تیری امت کے بارے غمگین نہیں کروں گا اور اس نے مجھے خوشخبری سنائی کہ میرے ستر ہزار امتی جن میں سے ہر ہزار کے ساتھ 70 ہزار ہوں گے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کی اِسناد حسن ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/393، الرقم: 23336)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) تمام انبیاء کے لئے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے وہ ان پر بیٹھیں گے، اور میرا منبر خالی رہے گا میں اس پر نہ بیٹھوں گا بلکہ اپنے رب کریم کے حضور کھڑا رہوں گا اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد (کہیں بے یار و مددگار) رہ جائے۔ پس میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیری کیا مرضی ہے، تیری امت کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں عرض کروں گا: میرے رب! ان کا حساب جلدی فرما دے۔ بس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب ہوگا، ان میں سے کچھ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں گے، اور کچھ میری شفاعت سے۔ میں شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میں ان کی رہائی کا پروانہ بھی حاصل کرلوں گا جنہیں دوزخ میں بھیجا جا چکا ہوگا، حتی کہ مالک داروغۂ جہنم عرض کرے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنی امت میں سے کوئی بھی آگ میں باقی نہیں چھوڑا جس پر اللہ رب العزت ناراض ہو۔ اسے امام حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 1/135، الرقم: 220)

حرب بن سریج بزاز سے روایت ہے کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: میں آپ پر قربان! آپ کا اس شفاعت کے بارے کیا خیال ہے جس کے بارے میں اہلِ عراق تذکرہ کرتے ہیں، کیا یہ حق ہے؟ انہوں نے فرمایا: کون سی شفاعت؟ میں نے عرض کیا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت! انہوں نے فرمایا: اللہ رب العزت کی قسم! حق ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھ سے میرے چچا محمد بن علی بن حنفیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا: انہوں نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا حتی کہ میرا رب مجھے ندا دے کر پوچھے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ راضی ہوگئے؟ میں عرض کروں گا: ہاں! میں راضی ہوگیا۔ اسے امام طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 3/44، الرقم: 2084)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں قیامت کے روز سب سے پہلے اپنی امت میں سے اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا، پھر مرتبہ بمرتبہ قریب ترین قریشی کی، پھر انصار کی، پھر اس کی جو یمن میں سے مجھ پر ایمان لایا اور میری اتباع کی، پھر باقی عرب، پھر تمام عجم کے مؤمنین کی اور میں جس کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ (مؤمنین میں سے) بلند رتبہ والے ہوں گے۔ اسے امام طبرانی اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 12/421، الرقم 13550)

حضرت عبد الملک بن عباد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میں سب سے پہلے اپنی امت میں سے اہلِ مدینہ کی شفاعت کروں گا، پھر اہلِ مکہ اور پھر اہلِ طائف کی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاسط، 2/230، الرقم: 1827)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سب سے پہلے اپنی امت میں سے اہلِ مدینہ کی شفاعت کروں گا، پھر اہلِ مکہ کی اور پھر اہلِ طائف کی۔ اسے امام مقدسی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ المقدسی فی الاحادیث المختارة، 9/187، الرقم: 167)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میں سب سے پہلے اہلِ مدینہ کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ البخاری فی التاریخ الکبیر، 5/404، رقم: 1306)

محمد بن عبادہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سب سے پہلے اہلِ مدینہ کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی التاریخ الکبیر، 5/414، رقم: 1348)

اذان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے والوں کے لئے شفاعت کا بیان

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اذان سن کر یوں دعا مانگے گا: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ (اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ وسیلہ اور فضیلت مرحمت فرما اور انہیں اس مقامِ محمود پر فائز فرما جس کا تُو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔) ایسا کہنے والے کے لئے قیامت کے روز میری شفاعت واجب ہوگی۔ اسے امام بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الاذان)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب تم مؤذن کو (اذان دیتے ہوئے سنو) تو جیسے وہ کہے تم کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، پس جس شخص نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس بار رحمت بھیجے گا۔ پھر تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو، وہ جنت میں ایسا مقام ہے جس پر صرف ایک اللہ کا خاص بندہ فائز ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ میں ہی وہ شخص ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ طلب کیا اسے شفاعت حاصل ہوگی۔ اسے امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الصلاة)

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور یہ کہے: اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اے اللہ! ان کو قیامت کے دن اپنے قربِ خاص میں جگہ عطا فرما) اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: ان کی اسانید اچھی ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 4/108، الرقم: 16991)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے لیے مقامِ وسیلہ کا سوال کیا کر. جو مؤمن بھی دنیا میں اس کا میرے لیے سوال کرے گا میں قیامت کے روز ضرور اس کے حق میں گواہ یا شفیع (شفاعت کرنے والا) ہوں گا۔ اسے امام ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، 6/76، الرقم: 29590)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے لیے مقامِ وسیلہ کا سوال کیا کرو۔ جو بندہ بھی دنیا میں میرے لیے اس کا سوال کرے گا میں قیامت کے دن ضرور اس کے حق میں گواہ یا شفیع (شفاعت کرنے والا) ہوں گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 1/199، الرقم: 633)

عبداللہ بن ضمرہ سلولی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اذان سنتے تو یہ پڑھتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ، وَاجْعَلْنَا فِي شَفَاعَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! تو اپنے بندے اور رسول پر درود بھیج، اور ہمیں قیامت کے دن ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرما) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اذان کے وقت یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن میری شفاعت سے نوازے گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 4/79، الرقم: 3662)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اذان سن کر کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَبَلِّغْهُ دَرَجَةَ الْوَسِيْلَةِ عِنْدَكَ وَاجْعَلْنَا فِي شَفَاعَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اے اللہ! تو ان پر درود بھیج اور انہیں اپنے ہاں مقامِ وسیلہ پر فائز فرما اور ہمیں قیامت کے دن ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرما) اس کے لیے لازمی شفاعت ہوگی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 12/85، الرقم: 12554)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی مسلمان جب نماز کے لیے اذان سنتے ہوئے تکبیر کہتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، پھر وہ کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَاجْعَلْهُ فِي الْاَعْلَيْنَ دَرَجَتَهُ، وَفِي الْمُصْطَفِيْنَ مَحَبَّتَهُ، وَفِي الْمُقَرَّبِيْنَ ذِكْرَهُ (اے اللہ! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، دونوں عالموں کی بلندیوں میں ان کو درجہ عطا فرما، چنے ہوئے بندوں میں ان کی محبت پیدا فرما اور مقربین میں ان کے ذکر کو عام فرما)

قیامت کے دن اس کے لیے لازمی شفاعت ہوگی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کے رُواۃ کی توثیق کی گئی ہے۔
(اخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، 10/41، الرقم: 9790)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد ان کلمات کے ساتھ دعا کی، قیامت کے دن میں اس کی شفاعت ضرور کروں گا (وہ کلمات یہ ہیں): اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ، وَاجْعَلْهُ فِي الْمُصْطَفِيْنَ مَحَبَّتَهُ، وَفِي الْعَالَمِيْنَ دَرَجَتَهُ، وَفِي الْمُقَرَّبِيْنَ ذِكْرَ دَارِهِ (اے اللہ! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما، اور چنے ہوئے بندوں میں ان کی محبت پیدا فرما، اور تمام جہانوں میں ان کو بلند درجہ عطا فرما، اور مقربین میں ان کے گھر کے ذکر کو عام فرما)۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔
(اخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، 8/237، الرقم: 7926)

ایوب اور جعفر جعفی فرماتے ہیں: جس شخص نے اقامت کے وقت کہا: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَعْطِ سَيِّدَنَا مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَارْفَعْ لَهُ الدَّرَجَاتِ (اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ عطا فرما اور ان کے درجات بلند فرما) ایسا کہنے والے کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت لازم ہوگی۔ اسے امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے۔
(اخرجه عبد الرزاق فی المصنف، 1/496، الرقم: 1911)

امام حکم فرماتے ہیں: جس شخص نے منادی کو نماز کی اقامت کہتے ہوئے سن کر کہا: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اَعْطِ مُحَمَّدًا سُؤْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا طلب کیا ہوا روزِ قیامت عطا فرما) ایسا کہنے والا ان میں شمار ہوگا جن کی شفاعت کی جائے گی۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه ابن ابی شيبة فی المصنف، 6/97، الرقم: 29771)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: جب تو مؤذن کو (اذان دیتا) سنے تو جو وہ کہتا ہے تو بھی کہہ، پس جس وقت وہ کہے: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ تو تُو کہہ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، جس وقت وہ (اقامت میں) کہے: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، تو کہہ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اَعْطِ مُحَمَّدًا سُؤْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا طلب کیا ہوا روزِ قیامت عطا فرما) ہر ایسا کہنے والے کو اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں داخل فرمائے گا۔ اسے امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔
(اخرجه ابن ابی شيبة فی المصنف، 1/206، الرقم: 2365)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پڑھا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ، وَتَرَحَّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ

وَآلِ إِبْرَاهِيْمَ (اے اللہ! تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود بھیج جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر درود بھیجا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر برکت کا نزول فرما جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت فرمائی، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر رحمت فرما جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت فرمائی۔) میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ البخاری فی الادب المفرد: 223، الرقم: 641)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر میری قبر کے نزدیک درود پڑھا، اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جو اسے مجھ تک پہنچا دیتا ہے، اور اس درود کے سبب کے وہ اس شخص کی دنیا اور آخرت کے معاملہ (کی اصلاح) کے لیے کافی ہوتا ہے اور میں (قیامت کے دن) اس کے حق میں گواہ یا شفیع ہوں گا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، 2/218، الرقم: 1583)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، پس جس نے ایسا کیا، میں اس کے لیے گواہی دوں گا یا شفاعت کروں گا۔ اسے امام عجلونی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ العجلونی فی کشف الخفاء، 1/190، الرقم: 501)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر صبح اور شام کے وقت دس دس بار درود پڑھا، قیامت کے دن اسے میری شفاعت حاصل ہوگی۔

اسے امام منذری نے روایت کیا ہے۔ امام منذری اور ہیثمی نے کہا ہے: اسے طبرانی نے دو اسنادوں کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں سے ایک ٹھیک ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ المنذری فی الترغیب والترہیب، 1/261، الرقم: 987)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنتے تو پڑھتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَعْطِهِ سُؤْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج، اور انہیں قیامت کے دن ان کا طلب کیا ہوا عطا فرما). آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اردگرد (صحابہ سے بھی یہی پڑھنا) سنتے تھے اور پسند فرماتے تھے کہ وہ بھی جب مؤذن کو اذان دیتا ہوا سنیں تو ایسا ہی پڑھیں. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مؤذن کو سن کر ایسا ہی کہا تو قیامت کے دن اسے لازمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو گی۔ اسے امام منذری نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ المنذری فی الترغیب والترہیب، 1/116، الرقم: 398)

مدینہ طیبہ کے مصائب برداشت کرنے کے باعث شفاعتِ نبوی نصیب ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے جو کوئی

بھی مدینہ طیبہ کی سختی اور شدت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، احمد اور ابنِ حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔
(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الحج)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مدینہ طیبہ کی بھوک پیاس اور سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اس حدیث کو امام مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الحج)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مدینہ کے دونوں سیاہ پتھریلے کناروں کی درمیانی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں نہ اس کے کانٹے دار درختوں کو کاٹا جائے نہ اس کے شکار کو قتل کیا جائے۔ اور فرمایا: کاش اہلِ مدینہ جانتے کہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے، جو کوئی مدینہ سے اعراض کر کے اسے چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس سے بہتر کو مدینہ میں سکونت عطا کرے گا، اور جو کوئی بھی اس کی بھوک، سختی اور مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام مسلم اور عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الحج)

ابو سعید مولیٰ مہری سے روایت ہے کہ جنگِ حرہ کے زمانہ میں اس نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر مدینہ سے چلے جانے کے بارے مشورہ کیا اور ان سے مدینہ کی مہنگائی اور اپنے کثرتِ عیال کی شکایت کی اور یہ بھی بتایا کہ اب وہ مدینہ کی مشکلات پر مزید صبر نہیں کرسکتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے! میں تمہیں یہاں سے چلے جانے کے بارے میں نہیں کہوں گا کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو کوئی بھی اس کی بھوک پیاس اور سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اسے امام مسلم، احمد، نسائی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الحج)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام یحنس سے روایت ہے کہ وہ فتنہ کے دَور میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی اثناء میں ان کی ایک لونڈی نے ان کے پاس آ کر سلام کر کے کہا: ابو عبد الرحمٰن! میں (مدینہ سے) جانا چاہتی ہوں، ہم پر حالات تنگ ہو گئے ہیں تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: بے سمجھ (خاموشی سے) یہاں بیٹھی رہ کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو کوئی بھی اس کی بھوک پیاس اور مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام مسلم، مالک، احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الحج)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کی ایک لونڈی نے ان کے پاس آ کر کہا: ہم پر حالات تنگ ہو

گئے ہیں اس لیے میں عراق جانا چاہتی ہوں. آپ نے فرمایا: کیا شام تو نہیں جانا جو زمین محشر ہے؟ نادان صبر کرکے یہاں رہو کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو کوئی بھی اس کی تنگی و مشقت اور بھوک پیاس پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شہر اور بڑے بڑے علاقے فتح ہو جائیں گے تو لوگ اپنے بھائیوں سے کہیں گے: چلو (مدینہ سے نکل کر فلاں) زرخیز اور ترقی یافتہ علاقہ میں چلیں، کاش وہ جانتے کہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے۔ جو کوئی اس کی بھوک پیاس، تنگی اور مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/338، الرقم: 8458)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اپنے خاندانوں اور قبائل کو یہ کہتے ہوئے (مدینہ سے) بھگا لے جائیں گے کہ بھلائی کی طرف چلو، خیر اور ترقی کی طرف چلو، کاش وہ جانتے کہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! جو کوئی اس کی بھوک پیاس، تنگی اور مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! بے شک یہ اپنے رہنے والوں (میں سے بد) کو اس طرح علیحدہ کر دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کا کھوٹ علیحدہ کر دیتی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! جو کوئی مدینہ سے منہ پھیر کر نکلے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کو مدینہ میں سکونت عطا کرے گا۔ اسے امام احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/439، الرقم: 9670)

ابو سعید مولیٰ مہری سے روایت ہے کہ میرے بھائی کی (مدینہ میں) وفات ہوئی تو میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: ابو سعید! میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اور اس نے اپنا اہل و عیال چھوڑا ہے جبکہ میرے بھی اہل و عیال ہیں اور میرے پاس مال نہیں ہے، لہٰذا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے اور اپنے بھائی کے خاندان سمیت کسی اور علاقے میں چلا جاؤں جس سے ہماری معاشی صورتحال بہتر ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے! یہاں سے نہ جاؤ کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے مدینہ کی بھوک پیاس اور مشقت پر صبر کیا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/29، الرقم: 11264)

صاحب المصاحف عبد اللہ بن مسلم طویل سے روایت ہے کہ بنو سعد بن لیث کا ایک شخص کلاب بن تلید، سعید بن مسیب

کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران نافع بن جبیر بن مطعم بن عدی کا قاصد آ کر کہنے لگا: آپ کی خالہ کا بیٹا آپ کو سلام کہتے ہوئے پوچھ رہا ہے: آپ مجھے اس حدیث کے بارے میں بتلائیے جو آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مجھے بیان کی تھی؟ سعید بن مسیب نے فرمایا: تم اسے بتلانا کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے مدینہ کی بھوک پیاس اور مشقت پر صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام احمد، نسائی اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 6/369، الرقم: 27085)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی مدینہ سے اعراض کر کے نکلے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کو مدینہ میں سکونت عطا کرے گا، اور جو کوئی اس کی سختی اور مشقت پر صبر کرے گا یہاں تک کہ وہاں وفات پا جائے تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام نسائی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ النسائی فی السنن الکبری، 2/486، الرقم: 4279)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں مہنگائی کی بدولت سخت تنگی ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوتے ہوئے) فرمایا: تم صبر کرو اور خوشخبری سناؤ کہ میں نے تمہارے ناپ تول کے پیمانوں میں برکت کی دعا کی ہے۔ تم مل کر کھاؤ اور جدا جدا نہ ہوا کرو کیونکہ ایک شخص کا کھانا دو کو کفایت کرے گا اور دو کا کھانا چار کے لیے، چار کا کھانا پانچ اور چھ اشخاص کو کافی ہوگا اور یقیناً جماعت میں برکت ہے۔ جس نے مدینہ کی بھوک پیاس اور مشقت و سختی پر صبر کیا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا، اور جو کوئی مدینہ سے منہ موڑ کے نکلے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کو مدینہ میں سکونت عطا کرے گا، اور جس نے اس کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ اُسے (دوزخ میں) اس طرح پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

اسے امام بزار نے روایت کیا ہے۔ امام منذری نے کہا ہے: اس کی اسناد جید ہے، اور امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔ (اخرجہ البزار فی المسند، 1/240، الرقم: 127)

حضرت ابو اُسید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ (کو دفناتے وقت ان) کی قبر پر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ صحابہ اونی چادر سے ان کا چہرہ ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اس کو ان کے قدموں پر کرتے تو چہرہ ننگا رہ جاتا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اس چادر کو ان کے چہرے پر ڈال دو اور ان کے پاؤں اس درخت کے پتوں سے ڈھانپ دو۔ بیان کرتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر اٹھایا تو آپ کے صحابہ یہ (کسمپرسی کی حالت) دیکھ کر رونے لگے اسوقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ وہ مدینہ سے دوسروں علاقوں کی طرف نکلیں گے تو وہاں انہیں کھانا پینا، لباس اور سواری یا فرمایا: سواریاں میسر ہوں گی تو

وہ اپنے خاندان والوں کو لکھیں گے کہ ہمارے پاس آ جاؤ، تم تو اخروٹ والی خشک و بنجر سرزمین میں ہو، کاش وہ جانتے کہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے۔ جو کوئی بھی اس کی بھوک پیاس اور مشقت و سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام منذری اور ہیثمی نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 19/265، الرقم: 587)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام افلح سے روایت ہے کہ اس کا گزر حضرت زید بن ثابت اور ابو ایوب رضی اللہ عنہما کے پاس سے ہوا جبکہ وہ جنازہ گاہ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے تو ان میں سے ایک نے دوسرے اپنے ساتھی سے کہا: آپ کو وہ حدیث یاد ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس میں ہمیں بیان فرمائی جس میں ہم موجود تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! مدینہ کے متعلق، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا اور آپ گمان کرتے: عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں زمینی فتوحات ہوں گی تو لوگ آسودہ حالی، عیش و عشرت اور معاشی خوشحالی کی تلاش میں ان کی طرف نکل کھڑے ہوں گے۔ وہ حج کرنے والے یا عمرہ کرنے والے بھائیوں کے پاس سے گزریں گے تو انہیں کہیں گے: کس چیز نے تم کو سختی و مشقت اور بھوک پیاس کی شدت میں رکھا ہوا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس (ان میں سے بعض) جانے والے اور بعض وہیں رہنے والے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ کئی بار فرمایا۔ اور (فرمایا) مدینہ ان کے لئے بہتر ہے، جو کوئی بھی اس کی بھوک پیاس اور مشقت پر صبر کرتے ہوئے ثابت قدم رہے گا یہاں تک کہ وفات پا جائے تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 4/153، الرقم: 3985، والہیثمی فی مجمع الزوائد۔)

ابو قزعہ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مکہ یا مدینہ حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا، وہ اسی زمین سے اٹھایا جائے گا۔ ابو بکر قتّاب فرماتے ہیں: اسی طرح میری کتاب میں لکھا ہوا ہے، اور میں نے دوسرے نسخہ میں لکھا ہوا دیکھا کہ قیامت کے دن (وہ شخص) امن پانے والوں میں سے اٹھایا جائے گا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدینہ میں سکونت اختیار کی اور اس کی بھوک پیاس اور مشقت پر صبر کیا تو قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی، 2/61، الرقم: 756)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کرنے اور دیگر اسباب کے باعث شفاعتِ نبوی کا بیان

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے یہاں ہی مرنا چاہیے کیونکہ میں یہاں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام ترمذی، احمد اور ابنِ حبان نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب)

حضرت صفیہ بنت ابی عبید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مدینہ منورہ میں فوت ہونے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے یہاں ہی مرنا چاہیے کیونکہ میں اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام نسائی، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ النسائی فی السنن الکبری، 2/488، الرقم: 4285)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو گئی۔ اسے امام دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الدارقطنی فی السنن، 2/278، الرقم: 194)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی بھی زیارت کرنے والا میرے پاس آتا ہے اور اسے میری زیارت کے سوا کوئی اور حاجت نہیں ہوتی تو مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کے لئے شفاعت کروں۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 12/291، الرقم: 13149)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے میری قبر کی زیارت کی، یا فرمایا: جس نے میری زیارت کی تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن پانے والوں میں سے اٹھائے گا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی السنن الکبری، 5/245، الرقم: 10053)

حضرت صمیتہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے یہاں ہی مرنا چاہیے، پس جو مدینہ میں فوت ہوا میں اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 24/331، الرقم: 823)

حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھے تو اسے یہاں ہی مرنا چاہیے، پس جو بھی مدینہ میں فوت ہوا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام طبرانی، ابنِ ابی عاصم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 24/294، الرقم: 747)

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ایک یتیم صحابیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھے تو اسے یہاں ہی مرنا چاہیے کیونکہ جو بھی مدینہ میں فوت ہوا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام طبرانی اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ امام منذری نے اس کی اِسناد کو حسن لکھا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 24/332، الرقم: 825)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہوگیا وہ میری شفاعت کا ضرور مستحق ہوگا اور وہ قیامت کے دن امن پانے والوں میں سے ہوگا۔ اسے امام طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 6/240، الرقم: 6104)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان (وہ انہیں پورے پورے اجر عطا فرمائے گا اور (پھر) اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا) (النساء، 4:173) کے بارے (تفسیر کرتے ہوئے) فرمایا: ان کے اجر کے باعث وہ انہیں جنت میں داخل کرے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا، وہ فضل شفاعت ہے۔ شفاعت کا مستحق وہ ہوگا جس نے دنیا میں نیکی کی ہوگی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 10/201، الرقم: 10462)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خلوصِ نیت سے مدینہ منورہ حاضر ہو کر میری زیارت کا شرف حاصل کیا، میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہ ہوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، 3/489)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری قبر کے نزدیک مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو مجھے اس کا درود پہنچاتا ہے اور یہ درود اس کے دنیا و آخرت کے معاملات کو کفایت کر جاتا ہے اور میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، 3/489، الرقم: 4156)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے جسے یاد کر لینے کے بعد آدمی فقیہ بن جاتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرا امتی دین کے متعلق چالیس حدیثیں یاد کر لے، اللہ تعالیٰ اسے (قبر سے) فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (ابن عبد البر فی جامع بیان العلم وفضلہ، 1/43، 44)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کی کوئی حاجت پوری کی، میں (روزِ قیامت) میزان کے قریب کھڑا ہوں گا پس اگر وہ نیکیوں کی طرف جھک گیا (تو ٹھیک) ورنہ میں اس کی شفاعت کروں گا۔ اسے امام ابو نعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 6/353)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے مبعوث کیے جانے سے لے کر قیامت کے دن تک ان دو شخصوں میں سے ہر ایک کے لئے شفاعت کروں گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا تعلق قائم کر رکھا ہو۔ اسے امام ابو نعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 1/368)

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت میں اس کے لئے ہے جس نے میرے اہلِ بیت سے محبت کی، اور وہ (یعنی میرے اہلِ بیت) میرا گروہ ہے۔ اسے امام خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد، 2/146، الرقم: 563)

جنت میں بغیر حساب داخل ہونے والے لوگوں کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دم صرف نظرِ بد یا زہریلے جانور کے کاٹنے سے (کیا جاتا) ہے۔ میں نے اس کا ذکر سعید بن جبیر سے کیا تو انہوں نے کہا: ہم سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر سابقہ امتیں پیش کی گئیں تو ایک ایک اور دو دو نبی گزرنے لگے جن کے ساتھ ایک جماعت تھی اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا یہاں تک کہ ایک جمِ غفیر میرے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ یہ میری امت ہے؟ کہا گیا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ کہا گیا: آپ آسمان کے کنارے کی طرف دیکھیں تو میں نے اچانک دیکھا کہ ایک جمِ غفیر نے افق کو گھیرا ہوا ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: ادھر دیکھئے اور ادھر آسمان کے کناروں کی طرف بھی دیکھئے تو دیکھا کہ اس جمِ غفیر نے ہر طرف سے آسمان کو گھیرا ہوا ہے۔ کہا گیا: یہ آپ کی امت ہے! ان میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور مزید وضاحت نہ فرمائی۔ لوگ باہم بات چیت کرتے ہوئے کہنے لگے: (بغیر حساب جنت میں جانے والے) وہ لوگ ہم ہی ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی اتباع کی، پس وہ ہم ہی ہیں یا ہماری اولاد ہے جو اسلام پر پیدا ہوئی کیونکہ ہم تو دورِ جاہلیت میں پیدا ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے تشریف لا کر فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کرائیں گے، نہ بدفالی لیں گے، نہ داغ لگوا کر علاج کرائیں گے اور اپنے رب پر توکل کریں گے۔ عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ اس بارے میں تجھ پر پہل لے گیا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابنِ کثیر اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الطب)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد (بغیر حساب و عذاب کے) جنت میں داخل ہوں گے، (راوی کو دونوں میں سے ایک کا شک ہے) یہ ایک دوسرے کو (نسبت کی وجہ سے باہم) تھامے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ ان کا پہلا (قیادت کرنے والا) اور آخری شخص جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اس حدیث کو امام

بخاری، مسلم، احمد بن حنبل اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الرقاق)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کے ستر ہزار افراد کا گروہ (بغیر حساب کے) جنت میں داخل ہوگا جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عکاشہ بن محصن نے اپنی اون کی چادر کو بلند کرتے ہوئے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اس کو ان میں شامل فرمالے، پھر ایک انصاری شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل کرلے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا ہے۔ اسے امام بخاری، مسلم، احمد اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الرقاق)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر سابقہ امتیں پیش کی گئیں تو ایک نبی گزرنے لگے جن کے ساتھ کثیر تعداد تھی، کسی نبی کے ساتھ گروہ تھا، کسی نبی کے ساتھ دس افراد تھے، اور کسی نبی کے ساتھ پانچ افراد تھے، اور کوئی نبی اکیلا ہی تھا، اسی دوران میں نے ایک جمِ غفیر دیکھا تو پوچھا: جبرئیل! یہ میری امت ہے؟ اس نے کہا: نہیں! بلکہ آپ آسمان کے کنارے کی طرف دیکھیں تو میں نے عظیم جمِ غفیر دیکھا۔ اس نے کہا: یہ آپ کی امت ہے؟ ان میں سے پہلے ستر ہزار افراد بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگوا کر علاج کراتے تھے، نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کراتے تھے، نہ بدشگونی لیتے تھے اور اپنے رب پر کاملاً توکل کرتے تھے۔ پس عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اسے ان میں شامل فرمالے، پھر ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ اس پر تجھ سے پہل لے گیا ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الرقاق)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے تو ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اس کو ان میں شامل فرمالے، پھر ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا ہے۔ اسے امام مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگوا کر علاج کرائیں گے، نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کرائیں گے اور اپنے رب پر کامل توکل کریں گے۔ عکاشہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اُن میں سے ہے۔ فرماتے ہیں: ایک اور شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل فرمالے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ اس معاملے میں تجھ پر سبقت لے گیا ہے۔ اسے امام مسلم، طبرانی اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما (سے طویل حدیث روایت ہے) فرماتے ہیں: پھر قیامت کے دن مومنین نجات پائیں گے تو سب سے پہلے ایسی جماعت نجات پائے گی جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے، وہ ستر ہزار افراد ہوں گے جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ پھر (وہ مومن نجات پائیں گے) جو ان سے متصل ہوں گے (اور جن کے چہرے) آسمان کے ستاروں کی مانند چمکتے ہوں گے پھر اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا۔ اسے امام مسلم، احمد اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) جمع ہونے کے مقام پر مجھے سابقہ امتیں دکھائی جائیں گی تو میری امت میرے پاس حاضر ہونے میں تاخیر کرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جب میں اپنے امتیوں کو دیکھوں گا تو مجھے ان کی کثرت اور تعداد پر تعجب ہوگا کہ انہوں نے پہاڑوں اور وادیوں کو بھرا ہوگا۔ اللہ مجھ سے پوچھے گا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ راضی ہیں؟ میں عرض کروں گا: جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ کی خاطر ان میں وہ ستر ہزار امتی بھی شامل ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ بدشگونی لیتے ہیں، نہ داغ لگوا کر علاج کراتے ہیں اور اپنے رب پر کاملاً توکل کرتے ہیں۔ پس عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی، پھر ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل فرمالے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ اس معاملے میں تجھ پر سبقت لے گیا ہے۔ اسے امام احمد، ابن حبان، طیالسی، حاکم اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/454، الرقم: 4339)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نے ایک رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے باتیں کیں، پھر جب دن کے پہلے وقت میں ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کو مجھ پر (خواب میں) تمام انبیاء اپنی امتوں سمیت پیش کیے گئے تو بعض نبی اپنے تین امتیوں کے ساتھ جا رہے تھے، کسی کے ساتھ ایک جماعت تھی، کسی کے ساتھ دس افراد تھے اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام قوم بنی اسرائیل کے ایک بڑے گروہ کے ساتھ میرے پاس سے گزرے جس سے مجھے تعجب ہوا۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ مجھ سے کہا گیا: یہ آپ کے بھائی موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے کہا: میری امت کہاں ہے؟ مجھ سے کہا گیا: اپنے دائیں طرف دیکھیں تو میں نے ایک وادی دیکھی جو انسانوں کے چہروں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پھر مجھ سے کہا گیا: اپنے بائیں طرف دیکھیں تو میں نے دیکھا کہ آسمان کے کنارہ تک ساری جگہ انسانوں کے چہروں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ مجھے کہا گیا: کیا آپ (اتنی کثیر امت ہونے پر) راضی ہیں؟ میں نے کہا: میں راضی ہوں میرے رب! میں راضی ہوں میرے رب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھ سے کہا گیا: ان کے ساتھ (آپ کے) ستر ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے صحابہ سے) فرمایا: میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، اگر تم استطاعت رکھتے ہو کہ ان ستر ہزار میں سے ہوں تو ایسا کرو، اگر تم نے (اعمال میں) کمی کی تو وادی والوں میں سے ہو گے اور اگر (ان کے مقابلہ میں بھی) کمی ہوئی تو اہلِ افق میں سے ہو گے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا آپ نے لوگوں کی اصلاح کر دی جس سے وہ مضطرب ہو گئے۔ عکاشہ بن محصن نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں کہ وہ مجھے ان ستر (ہزار) میں سے بنا دے تو آپ نے اس کے لیے دعا کی، ایک اور شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے بھی دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان (ستر ہزار) میں سے بنا دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے۔ اس نے عرض کیا: پھر ان کے بارے میں کچھ ہمیں بتائیں؟ (صحابہ کہتے ہیں) ہم نے کہا: تمہارے خیال میں، وہ ستر ہزار کون ہیں؟ کیا وہ ہیں؟ جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے مرتے دم تک شرک نہیں کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگوا کر علاج کرائیں گے اور نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کرائیں گے اور نہ بدشگونی کریں گے اور اپنے رب پر توکل کریں گے۔ اسے امام احمد، بزار، طبرانی، حاکم اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1 / 401، الرقم: 3806)

حضرت رِفاعہ جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم (کسی سفر میں) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے تو ہم کدید یا قدید کے مقام پر تھے کہ لوگ اپنے اہل وعیال کے پاس جانے کے لئے اجازت طلب کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے رسول کے ساتھ ملے ہوئے (ایمان کے) درخت کا کنارہ انہیں دوسرے (کفر ونفاق کے) کنارے سے زیادہ مبغوض ہے۔ (راوی فرماتے ہیں:) اس بات پر ہم نے ہر ایک کو آنسو بہاتے دیکھا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا: اب اس کے بعد جو بھی آپ سے اجازت طلب کرے گا وہ بیوقوف وجاہل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کے بعد اسی وقت فرمایا: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں جو بندہ اس حال میں مرے گا کہ صدقِ دل سے اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ

کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں پھر رہِ حق کی طرف رہنمائی کرے تو اسے جنت کی راہ پر چلایا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزید) فرمایا: میرے رب عزوجل نے مجھ سے میری امت کے 70 ہزار افراد کو بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک تم اور تمہارے نیک ماں باپ، تمہاری نیک بیویاں اور تمہاری نیک اولاد جنت میں اپنے گھروں میں آباد نہ ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول کر کے فرماتا ہے: میں اپنے بندوں میں سے کسی سے بھی اپنے سوا سوال نہیں کرتا، کون ہے مجھ سے بخشش طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں، کون ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اسے عطا کروں، یہاں تک کہ صبح روشن ہو جاتی ہے۔ اسے امام احمد، طبرانی، ابو داود طیالسی اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ اس کی اِسناد صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 4/16، الرقم: 16215)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے 70 ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان میں شامل فرما لے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اسے ان میں شامل فرما لے، سارے لوگ خاموش ہو گئے، پھر ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: کاش ہم بھی عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بھی ان میں شامل فرما لے؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ اور اس کا ساتھی اس پر تم سے پہل لے گیا ہے۔ ہاں اگر تم مجھ سے کہتے اور میں (ہاں) کر دیتا تو (پھر بغیر حساب کے تمہارا جنت میں داخل ہونا) لازمی ہو جاتا۔

(اخرجہ الہیثمی فی مجمع الزوائد، 10/407، والعسقلانی فی فتح الباری، 11/412)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے 70 ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ ہیں جو نہ داغ لگوا کر علاج کرائیں گے، نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کرائیں گے، نہ بدشگونی لیں گے اور اپنے رب پر توکل کریں گے۔ (اخرجہ الہیثمی فی مجمع الزوائد، 10/408)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سب سے آخر پر آئے ہیں قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ میری امت میں سب سے پہلے ستر ہزار افراد کا گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کا کوئی حساب نہ ہوگا اور ان میں سے ہر شخص کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔ پھر ان سے متصل جنت میں داخل ہونے والوں کے چہرے آسمان کے روشن ترین ستارے کی طرح ہوں گے پھر اسی طرح ان کے بعد دیگر منازل و مراتب ہوں گے۔ اسے امام احمد، ابنِ راہویہ اور عبد اللہ بن مبارک نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/504، الرقم: 10548)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار افراد جنت میں داخل فرمائے گا جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ میں نے زیادہ چاہا تو اس نے ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار اضافہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! اگر وہ میری امت کے مہاجر (گناہوں کو ترک کرنے والوں سے پورے) نہ ہوئے؟ اس نے فرمایا: تب میں ان کو تیرے لئے گنواروں سے مکمل کروں گا۔ اسے امام احمد اور ابنِ مندہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/359، الرقم: 8707)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہماری نظروں سے اوجھل رہے، آپ تشریف نہ لائے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ آج حجرہ مبارک سے باہر نہ نکلیں گے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہم نے سمجھا کہ آپ وصال فرما گئے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ انور اٹھا کر ارشاد فرمایا: میرے رب تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے بارے مشورہ طلب کیا کہ میں ان سے کیا معاملہ کروں؟ تو میں نے عرض کیا: میرے رب! جیسا تو چاہے، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں. اس نے دوبارہ مجھ سے مشورہ طلب کیا تو میں نے اسی طرح عرض کیا۔ پس اس نے فرمایا: یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں تجھے تیری امت کے بارے غمگین نہیں کروں گا اور اس نے مجھے خوشخبری سنائی کہ میرے ستر ہزار امتی جن میں سے ہر ہزار کے ساتھ 70 ہزار ہوں گے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام احمد بن حنبل، ابنِ کثیر اور ہیثمی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کی اِسناد حسن ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/393، الرقم: 23336)

امام شریح رحمۃ اللہ علیہ عن عبید بیان کرتے ہیں: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حمص میں بیمار ہوئے اس وقت وہاں کا گورنر عبداللہ بن قُرط تھا تو وہ آپ کی عیادت کے لئے نہ آیا، کلاعیین میں سے ایک شخص نے آپ کی عیادت کی تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: کیا تمہیں لکھنا آتا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! لکھوایئے، اس نے لکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان کی طرف سے گورنر عبداللہ بن قرط کے نام، اَمَّا بَعْد: اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا کوئی آزاد کردہ غلام تیرے پاس موجود ہوتا تو (تعظیم کرتے ہوئے) تُو اس کی عیادت کو جاتا (لیکن ہمیں بھولا ہوا ہے جبکہ اغیار کا تجھے اتنا خیال ہے)، پھر اس نے خط کو لپیٹ دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: کیا تم یہ پیغام اسے پہنچاؤ گے؟ اس نے کہا: جی ہاں! وہ شخص خط لے کر چلا گیا اور اس نے اسے ابنِ قرط کے حوالے کر دیا، جب اس نے یہ خط پڑھا تو ڈر کے مارے کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے کیا کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟ وہ فوراً عیادت کے لئے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر واپس آنے لگا تو حضرت ثوبان نے اسے چادر سے پکڑ کر فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ میں تمہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ سناتا ہوں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔اسے امام احمد، ابن کثیر اور ہیثمی نے روایت کیا ہے۔امام ابن کثیر نے کہا ہے: اس حدیث کی اسناد کے تمام رجال شامی حمصی ثقہ ہیں، لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔ (اخرجه احمد بن حنبل فی المسند، 280/5، الرقم: 22471)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد سے حساب نہیں لیا جائے گا نیز ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار ہوں گے (جن سے حساب نہیں لیا جائے گا)۔اسے امام طبرانی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔

(اخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، 92/2، الرقم: 1413)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ 70 ہزار کو داخل کرے گا نیز اللہ تعالیٰ اپنے چلوؤں میں سے تین چلو (اپنی حسب شان جہنمیوں سے بھر کر) بھی جنت میں ڈالے گا۔اس حدیث کو امام ترمذی، ابنِ ماجہ، احمد، ابنِ ابی شیبہ، ابنِ ابی عاصم اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ (اخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: صفة القيامة والرقائق والورع)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ یزید بن اخنس سلمی نے عرض کیا: اللہ رب العزت کی قسم! یہ تو آپ کی امت میں شہد کی مکھیوں میں سے (ایک قسم) سفید سرخی مائل مکھیوں کی تعداد تک ہے۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب عزوجل نے مجھ سے 70 ہزار میں سے ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار کو داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے (یعنی ان ہزار خوش بختوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ معیت اختیار کرنے والوں میں سے 70 افراد کو لے کر جنت میں جائے گا) اور میرے لئے اس نے مزید تین چلوؤں کا اضافہ فرمایا ہے (اپنی حسبِ شان تین چلّو میری امت کے جہنمیوں کے نکال کر جنت میں داخل کرے گا)۔

اسے امام احمد، طبرانی، ابنِ ابی عاصم اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔اس کی اِسناد قوی ہے اور اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔ (اخرجه احمد بن حنبل فی المسند، 250/5، الرقم 22156)

حضرت عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میری امت کے 70 ہزار افراد کو بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔پھر ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار کو داخل فرمائے گا (طبرانی کی روایت کے الفاظ ہیں: پھر ہر ہزار ستر ہزار کی شفاعت کرے گا)، پھر اپنی ہتھیلی سے تین لپ مزید ڈالے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر تکبیر کہی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: ان کے پہلے

ستر ہزار افراد کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ ان کے آباء واجداد، امہات اور قبائل کے حق میں قبول فرمائے گا اور مجھے امید ہے کہ میری امت کو دوسری ہتھیلیوں سے قریب ترین رکھے گا۔ اسے امام ابن حبان، طبرانی اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ حافظ ضیاء الدین ابو عبد اللہ المقدسی نے اپنی کتاب صفۃ الجنۃ میں لکھا ہے۔ میں اس اسناد پر کوئی علت نہیں جانتا۔ (اخرجہ ابن حبان فی الصحیح، 16/232، الرقم: 7247)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی امت کے لئے شفاعت کا سوال کیا تو اس نے فرمایا: آپ کی خاطر (آپ کی امت میں سے) ستر ہزار بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: میرے لیے اضافہ فرمائیں، فرمایا: آپ کی خاطر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار داخل ہوں گے، میں نے عرض کیا: میرے لیے مزید اضافہ فرمائیں، فرمایا: پس آپ کی خاطر اتنے اتنے اور بھی (بغیر حساب چلو بھر کر جنت میں داخل کروں گا)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہمارے لیے اتنا کافی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو بکر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: عمر! (تمہیں معلوم تو ہے کہ) ہم سارے اللہ تعالیٰ کے چلوؤں میں سے ایک چلو ہیں (وہ چاہے تو ہتھیلی کی ایک لپ سے ہم سب کو جنت میں داخل کر دے)۔ (اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، 6/318، الرقم: 31739)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ستر ہزار افراد ایسے عطا کیے گئے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کے دل ایک شخص کے دل کے مطابق ہوں گے۔ میں نے اپنے رب عزوجل سے زیادہ چاہا تو اس نے (اپنے اہل قربت خاص کی سنگت اختیار کرنے والوں کا خیال رکھتے ہوئے ان میں سے) ہر ایک کے ساتھ مزید 70 ہزار کا میرے لئے اضافہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ مقام دیہات کے رہنے والوں کو حاصل ہوگا اور ننگے پاؤں چلنے والے صحرائی باشندوں کو پہنچے گا۔ اسے امام احمد، ابو یعلی اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/6، الرقم: 22)

حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پروردگار عزوجل نے مجھے ایسے 70 ہزار امتی عطا فرمائے ہیں جو بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس سے زیادہ نہیں چاہا؟ فرمایا: میں نے اس سے زیادہ چاہا تو اس نے مجھے ہر فرد کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: کیا آپ نے اس سے زیادہ نہیں چاہا؟ فرمایا: میں نے اس سے زیادہ چاہا تو اس نے مجھے اتنا اور عطا فرمایا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر دکھائی)۔ اسے امام احمد، بزار اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/197، الرقم: 1706)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پاس تین دن تک صرف فرض نمازوں کے علاوہ تشریف فرما نہ ہوئے تو آپ سے اس بارے میں عرض کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پروردگار عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے 70 ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے ان تین دنوں میں اپنے رب سے مزید کا سوال کیا تو میں نے اسے عطا فرمانے والا، عظمت و بزرگی والا اور بہت کرم کرنے والا پایا۔ پس اس نے مجھے اس ستر ہزار کے ہر فرد کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمائے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! کیا میری امت اس عدد تک پہنچ جائے گی؟ اس نے فرمایا: میں تیری خاطر اس عدد کو گنواروں سے پورا کروں گا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، 1/252، الرقم: 268)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص کے ساتھ مزید 70 ہزار افراد ہوں گے۔ انہوں نے (دوبارہ) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں. آپ صلی اللہ علیہ وسلم ریت کے ٹیلہ پر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے لپ بھری (اور اضافہ فرما دیا)۔ انہوں نے (پھر) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لو اور اپنے ہاتھوں سے پھر لپ بھری۔ انہوں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی رحمت سے دور فرمائے جو اس کے بعد بھی جہنم میں داخل ہو۔ اسے امام ابو یعلی، مقدسی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے۔ (اخرجہ ابو یعلی فی المسند، 6/417، الرقم: 3783)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ایک لاکھ امتیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لئے اضافہ فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اتنا اور، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اور زیادہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو اتنا اور، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا. حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: حضور کچھ اور زیادہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا اور لے لو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: ابو بکر! بس کیجئے، انہوں نے کہا کہ اے ابن خطاب تجھے اور ہمیں اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک ہاتھ سے تمام انسانوں کو جنت میں داخل فرما دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔ اس حدیث کو امام احمد، طبرانی، ابو نعیم اصبہانی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔

(الطبرانی فی المعجم الاوسط، 8/364، الرقم: 8884)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے میرے 3 لاکھ امتیوں کو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عمیر! بس کیجئے، تو عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابنِ خطاب! ہمیں اور آپ کو کیا ہے، اور آپ کا کیا حرج ہے اگر اللہ تعالیٰ ہم (سب کو بلا حساب) جنت میں داخل فرما دیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یقیناً اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اپنی مخلوق کو ایک ہی چلو سے یا ایک ہی لپ سے جنت میں داخل فرما دے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔ اسے امام طبرانی اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، 17/64، الرقم: 123)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ عزوجل نے مجھ سے میری امت کے 4 لاکھ افراد کو (بغیر حساب وعذاب کے) جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح بھی ہے اور آپ نے اپنی ہتھیلی کو اکٹھا کیا (اور لپ ڈال دی)۔ انہوں نے (دوبارہ) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اور اضافہ فرمائیں. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور اس طرح بھی ہے (پہلی طرح ہی کیا)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوبکر! بس کیجئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عمر! مجھے چھوڑ دو، آپ کو کیا پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو (بلا حساب) جنت میں داخل فرما دیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اپنی مخلوق کو ایک ہی لپ سے جنت میں داخل فرما دے۔ پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔ اسے امام احمد، معمر بن راشد، طبرانی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کی اسناد حسن ہے۔ (معمر بن راشد فی الجامع، 11/286)

حضرت ابو سعید حبرانی انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے رب عزوجل نے مجھ سے میری امت کے 70 ہزار افراد کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور ہر ہزار 70 ہزار کی شفاعت کرے گا، پھر وہ میری خاطر اپنی ہتھیلی سے تین چلو بھی (جنت میں) ڈالے گا۔ قیس فرماتے ہیں: میں نے ابو سعید کو گریبان سے پکڑ کر کھینچتے (ہوئے کہا:) کیا تم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا؟ انہوں نے کہا: ہاں اپنے کانوں سے سنا اور مجھے یاد بھی ہے۔ ابو سعید کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شمار کیا تو چالیس کروڑ اور نو لاکھ تک تعداد پہنچ گئی۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ عدد اِن شاء اللہ میری امت کے مہاجروں کو گھیر لے گا اور اللہ تعالیٰ یہ گنتی ہمارے کچھ دیہاتیوں سے بھی پوری فرمائے گا۔ اسے امام ابنِ ابی عاصم اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجه ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی، 5/298، الرقم: 2825)

انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالحین کے شفاعت کرنے کا بیان

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ستر

ہزار یا سات لاکھ افراد (بغیر حساب وعذاب کے) جنت میں داخل ہوں گے، (راوی کو دونوں میں سے ایک کا شک ہے) یہ ایک دوسرے کو (نسبت کی وجہ سے باہم) تھامے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ ان کا پہلا (قیادت کرنے والا) اور آخری شخص جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب الرقاق)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیثِ مبارکہ مروی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنین کا اپنے مؤمن بھائیوں کی شفاعت کرنے کے باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم مجھ سے حق کا مطالبہ کرنے میں جو تمہارے لئے واضح ہو چکا ہے آج اس قدر سخت نہیں ہو جس قدر شدت کے ساتھ مومن اس روز اللہ سے مطالبہ کریں گے جس وقت وہ دیکھیں گے کہ وہ نجات پا گئے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے حق میں مطالبہ کرتے ہوئے وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! (یہ) ہمارے بھائی (جن کو تو نے دوزخ میں ڈال دیا ہے ہماری سنگت اختیار کیے ہوئے تھے یہ) ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں دینار کے وزن کے برابر ایمان پاؤ اسے (دوزخ سے) نکال لو اور اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو آگ پر حرام کر دیگا، پس وہ ان کے پاس آئیں گے جبکہ بعض قدموں تک اور بعض پنڈلیوں تک آگ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے چنانچہ وہ جن کو پہچانیں گے انہیں نکال لیں گے۔ پھر واپس لوٹیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان پاؤ اسے بھی نکال لو، پس وہ جسے پہچانیں گے نکال لیں گے۔ پھر وہ واپس لوٹیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان پاؤ اسے بھی نکال لو چنانچہ وہ جسے پہچانیں گے نکال لیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جسے یقین نہ آتا ہو وہ یہ آیت پڑھ لے: (بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دوگنا کر دیتا ہے) (النساء، 4:40)، (تو صحبتِ صالحین بھی عظیم نیکی ہے۔) پس انبیاء، فرشتے اور مؤمنین شفاعت کریں گے تو خالق و مالک جبار فرمائے گا: میری شفاعت باقی ہے پھر وہ دوزخ سے (جہنمیوں کو) قبضہ بھر کر نکالے گا جو جل کر کوئلے کی طرح ہو چکے ہوں گے اور انہیں نہرِ حیات میں ڈال دیا جائے گا جو جنت کے کناروں پر ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح تر و تازہ ہو کر نکلیں گے جیسے سیلابی جگہ سے دانہ اُگتا ہے جن کو تم نے کسی پتھر یا درخت کے پاس دیکھا ہوگا۔ جو ان میں سے سورج کی طرف ہوتا ہے سبز اور جو سایہ میں ہوتا ہے سفید رہتا ہے گویا وہ موتیوں کی مانند نکلیں گے اور ان کی گردنوں میں مہریں لگا دی جائیں گی تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اہلِ جنت کہیں گے: یہ رحمان کے آزاد کردہ ہیں کہ اس نے ان کو بغیر عمل کیے اور بغیر کسی بھلائی کو آگے بھیجنے کے جنت میں داخل کر دیا۔ پس ان (جہنم سے آزاد ہونے والوں) سے کہا جائے گا: جو کچھ تم نے دیکھا وہ بھی تمہارا ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہے۔ اسے امام بخاری، احمد، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: التوحید)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کو جو جہنم میں پڑے ہوں گے جہنم سے چھڑانے کے لیے (بطور ناز) اللہ تعالیٰ سے ایسا جھگڑا کریں گے جیسا جھگڑا کوئی شخص (دنیا میں) اپنا حق مانگنے کے لیے بھی نہیں کرتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: اے ہمارے رب! یہ لوگ (ہماری سنگت اختیار کیے ہوئے تھے کہ) ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا: جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو، ان لوگوں کی صورتیں آگ پر حرام کر دی جائے گی۔ پھر جنتی مسلمان کثیر تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے جن میں سے بعض کو نصف پنڈلیوں تک اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے جلا ڈالا ہوگا۔ وہ پھر عرض کریں گے: یا اللہ! اب ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں بچا جن کو جہنم سے نکال لانے کا تو نے حکم دیا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پھر جاؤ اور جس کے دل میں دینار کے برابر بھی نیکی ہے اس کو جہنم سے نکال لاؤ، پھر وہ کثیر تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے: یا اللہ! جن لوگوں کو تو نے جہنم سے نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی نیکی ہو اس کو جہنم سے نکال لاؤ، وہ پھر جائیں گے اور کثیر تعداد میں لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: اے ہمارے رب! جن لوگوں کو تو نے دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا: جس شخص کے دل میں تم کو ذرہ برابر بھی نیکی ملے اس کو بھی جہنم سے نکال لاؤ، وہ جائیں گے اور جہنم سے بہت بڑی تعداد میں خلقِ خدا کو نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: اے اللہ! اب دوزخ میں نیکی کا ایک ذرہ بھی نہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر تم میری اس بیان کردہ حدیث کی تصدیق نہیں کرتے تو قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھو: (بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دوگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے بڑا درجہ عطا فرماتا ہےo) (النساء، 4:40). اسے امام مسلم، طیالسی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الایمان)

عبد اللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ ایلیاء کے مقام پر میں ایک گروہ کے ساتھ تھا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کے ایک شخص (عثمان یا اویس قرنی) کی شفاعت کے سبب بنو تمیم کے افراد سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ شخص آپ کے علاوہ کوئی اور ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میرے علاوہ. راوی کہتے ہیں: پس جب وہ چلے گئے تو میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتلایا: یہ ابنِ ابی الجدعا ہے۔ اسے امام ترمذی، ابنِ ماجہ، احمد، دارمی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ والرقائق)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے پاس
شہید کے لئے چھ انعام ہیں: خون بہتے ہی اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے۔ عذاب قبر اور
قیامت کی گھبراہٹ وخوف سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے سر پر یاقوت سے بنا ہوا عزت وعظمت والا تاج رکھا جاتا ہے جس
کے بعض موتی دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ 72 حور عین (جو سیاہ چشم اور موٹی آنکھوں والی ہیں) کو اس کی زوجیت
میں دیا جاتا ہے۔ اس کے 70 رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ اسے امام ابن ماجہ، ترمذی اور احمد
نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: فضائل الجہاد)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن عفان دو
قبیلوں ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ اسے امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ والرقائق)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ایک امتی لوگوں کے
ایک گروہ کی شفاعت کرے گا، ان میں سے کوئی کسی قبیلہ کی شفاعت کرے گا، ان میں سے کوئی کسی جماعت کی شفاعت
کرے گا اور ان میں سے کوئی ایک شخص کی شفاعت کرے گا یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام
ترمذی، احمد، ابو یعلی، ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کی اسناد حسن ہے۔

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ والرقائق)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی حق کا
مطالبہ کرنے میں اس قدر سخت نہیں ہے جس قدر شدت کے ساتھ مومن اس روز اللہ سے اپنے ان بھائیوں کے بارے میں
مطالبہ کریں گے جو دوزخ میں داخل کر دیے جائیں گے۔ وہ اپنے بھائیوں کے حق میں مطالبہ کرتے ہوئے عرض کریں گے:
اے ہمارے رب! (یہ) ہمارے بھائی ہیں (انہوں نے ہماری معیت اختیار کی ہوئی تھی)، یہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے
تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے اور تو نے انہیں دوزخ میں داخل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
فرمائے گا: جاؤ ان میں سے جن کو تم پہچانتے ہو اس کو نکال لو، پس وہ ان کے پاس آئیں گے تو ان میں سے بعض کو نصف
پنڈلیوں تک اور بعض کو ٹخنوں تک آگ پہنچی ہوگی چنانچہ وہ انہیں نکال لیں گے۔ وہ پھر عرض کریں گے: اے ہمارے رب!
جن کے بارے میں تو نے ہمیں حکم دیا ہم نے انہیں نکال لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ رب العزت فرمائے گا: جس کے دل
میں دینار کے وزن برابر ایمان پاؤ اسے (دوزخ سے) نکال لو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں نصف دینار کے
برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لو، پھر وہ واپس لوٹیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان پاؤ اسے
بھی نکال لو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جسے یقین نہ آتا ہو وہ یہ آیت پڑھ لے: (بے شک اللہ اس بات

کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔۔۔ اخیر آیت تک) (النساء، 48:4)۔ اسے امام نسائی، ابنِ ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ النسائی فی السنن، کتاب الایمان)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے: انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔ اسے امام ابنِ ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، کتاب الزہد)

عبداللہ بن قیس فرماتے ہیں: میں ایک رات ابو بردہ کے پاس تھا کہ ہمارے پاس حضرت حارث بن اقیش آئے۔ حارث نے اسی رات ہمیں بیان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ایک امتی کی شفاعت کے سبب قبیلہ مضر سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور بے شک ایک ایسا امتی بھی ہوگا (جو اپنے گناہوں کے سبب) دوزخ کے لئے اتنا بڑا ہو جائے گا کہ اس کا ایک کونہ محسوس ہوگا۔ اسے امام ابنِ ماجہ، احمد، ابنِ ابی شیبہ، ابو یعلی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث امام مسلم کی شرائط پر صحیح الاسناد ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، کتاب الزہد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگ صفیں بنائیں گے (ابنِ نمیر نے کہا یعنی کہ اہلِ جنت) تو دوزخیوں میں سے ایک شخص جنتیوں میں سے ایک شخص کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا: اے فلاں! تجھے یاد ہے کہ ایک دن تو نے پانی مانگا تھا اور میں نے تجھے پانی پلایا تھا؟ (راوی فرماتے ہیں:) پس وہ جنتی اس دوزخی کے لئے شفاعت کرے گا۔ ایک اور آدمی دوسرے آدمی کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: تجھے یاد ہے کہ میں نے ایک دن تجھے وضو کرایا تھا؟ چنانچہ وہ اس کے لئے شفاعت کرے گا۔ ایک اور آدمی کہے گا: اے فلاں: تجھے یاد ہے کہ ایک دن تو نے مجھے اس اس کام کے لئے بھیجا تھا چنانچہ میں تیری خاطر چلا گیا تھا؟ پس وہ اس کے لئے شفاعت کرے گا۔ اسے امام ابنِ ماجہ، ابو یعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، کتاب: الادب)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جہنم کے پل پر لوگوں کو ڈالا جائے گا جبکہ اس پر کانٹے اور نوکیلے لوہے کے ٹکڑے پڑے ہوں گے جو لوگوں کو اچکیں گے۔ فرماتے ہیں: بعض لوگ بجلی کی طرح اس سے گزر جائیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض عالی نسل تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض دوڑتے ہوئے، بعض چلتے ہوئے، بعض سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور بعض رینگتے ہوئے گزریں گے۔ اہلِ جہنم نہ اس میں مریں گے اور نہ جئیں گے اور وہ لوگ جنہیں ان کے گناہوں کے سبب پکڑا جائے گا جب انہیں جلایا جائے گا تو وہ کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دے گا تو انہیں جماعتوں کی شکل میں لاکر نہر پر ڈال دیا جائے گا۔ پس وہ (وہاں سے) ایسے تروتازہ نکلیں گے جیسے سیلابی جگہ سے سرسبز و شاداب دانہ نکلتا ہے۔ اسے امام احمد، ابنِ حبان، نسائی، حاکم اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 25/3، الرقم 11200)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنتی اور جہنمی لوگوں میں امتیاز

ہو جائے گا اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد رسلِ عظام کھڑے ہو کر شفاعت فرمائیں گے۔ پس (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: جاؤ اور جس جس کو تم پہچانتے ہو اس کو جہنم سے نکال لو تو وہ ایسے لوگوں کو نکال لیں گے جو جل کر کوئلے کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ پھر انہیں نہرِ حیات میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر فرمایا: ان کے جلے ہوئے جسموں کو نہر کے کنارے ڈال دیا جائے گا۔ جس کے بعد وہ سفید ککڑیوں کی طرح سفید تر و تازہ ہو کر نکلیں گے۔ اس کے بعد انبیاء دوبارہ شفاعت فرمائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں رتی برابر ایمان پاؤ تو اسے بھی جہنم سے نکال لو تو وہ جلدی سے نکال لیں گے۔ پھر شفاعت کریں گے تو انہیں کہا جائے گا: جاؤ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان پاؤ تو اسے بھی نکال لو۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اب میں اپنے علم اور رحمت سے نکالتا ہوں پس اللہ تعالیٰ ان کے نکالے ہوئے افراد سے کئی گنا زیادہ لوگوں کو نکال لے گا اور پھر کئی گنا اور۔ ان کی گردنوں پر لکھ دیا جائے گا عتقاءُ اللہ یعنی اللہ کے آزاد کردہ لوگ۔ پھر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اس میں انہیں جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا۔ اسے امام احمد اور ابنِ حبان نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم کی شرائط پر اس حدیث کی اِسناد صحیح ہے اور اس کے رِجال ثقہ ہیں۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 325/3)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ پل صراط پر چلیں گے تو پل صراط کا کنارہ ان کو پتنگوں کے آگ میں گرنے کی طرح اس میں گرائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے گا نجات دے گا۔ پھر فرشتوں، نبیوں، اور شہداء کو اجازت دی جائے گی کہ وہ شفاعت کریں. پس وہ شفاعت کریں گے اور (دوزخیوں) کو نکالیں گے، پھر وہ شفاعت کریں گے اور (دوزخیوں) کو نکالیں گے، پھر وہ شفاعت کریں گے اور (دوزخیوں) کو نکالیں گے۔ عفان نے اس میں اضافہ کیا ہے: وہ شفاعت کریں گے اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو بھی (دوزخ سے) نکال لیں گے۔

اسے امام احمد، بزار، طبرانی اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کے اشخاص صحیح حدیث کے اشخاص ہیں۔ (والبزار فی المسند، 123/9، الرقم: 3671)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام شفاعت کریں گے۔ ابو زعراء کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کون ہے، پھر فرماتے ہیں: آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چوتھے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرمائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی بھی شفاعت نہیں کرے گا اور یہی وہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ مقام محمود ہے جو اس نے آپ سے کیا۔ اسے امام نسائی، ابنِ ابی شیبہ، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ النسائی فی السنن الکبری، 382/6، الرقم: 11296)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ جنت ان لوگوں کو جنہیں دنیا میں پہچانتے تھے جنت میں نہیں دیکھیں گے تو انبیاء کرام کے پاس آ کر ان کے بارے عرض کریں گے۔ پس وہ ان کی شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔ انہیں کہا جائے گا: آزاد کردہ لوگ، اور وہ سارے آزاد ہوں گے پھر ان پر آبِ حیات انڈیلا جائے گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 3/243، الرقم 3044)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (طویل حدیثِ مبارکہ ذکر کی جس میں چاشت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تبسم فرمانے کی وجہ پوچھی گئی تھی) فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (قیامت کے احوال ذکر کرتے ہوئے) فرمایا: کہا جائے گا: صدیقین کو بلاؤ تو وہ شفاعت کریں گے۔ پھر کہا جائے گا: انبیاء کو بلاؤ تو کوئی نبی ایسے آئے گا کہ ان کے ساتھ (اپنے امتیوں کی) ایک جماعت ہوگی، کسی نبی کے ساتھ پانچ چھ افراد ہوں گے اور ایسے نبی بھی ہوں گے جن کے ساتھ ایک بھی امتی نہیں ہوگا۔ پھر کہا جائے گا: شہداء کو بلاؤ پس وہ جس کی چاہیں گے شفاعت کریں گے۔ جب شہداء شفاعت کر لیں گے تو اللہ رب العزت فرمائے گا: میں ارحم الراحمین ہوں میری جنت میں ہر وہ شخص داخل ہو جائے جس نے میرے ساتھ کسی قسم کا کوئی شرک نہ کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جہنم میں دیکھو کیا تم کسی ایسے شخص کو پاتے ہو جس نے کبھی کوئی نیک عمل کیا ہو؟ پس وہ جہنم میں ایک شخص کو پا لیں گے تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا تو نے کبھی کوئی نیک عمل کیا؟ وہ کہے گا: نہیں! سوائے یہ کہ میں لوگوں کے ساتھ بیع (خرید و فروخت میں) نرمی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کے ساتھ اس طرح نرمی کرو جس طرح یہ میرے بندوں کے ساتھ نرمی کیا کرتا تھا۔ پھر وہ دوزخ سے ایک اور آدمی کو نکالیں گے تو وہ اس سے پوچھے گا: کیا تو نے زندگی میں کوئی عملِ خیر کیا تھا؟ وہ کہے گا: نہیں سوائے اس کے کہ میں نے اپنے بیٹے کو حکماً وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، پھر سرمہ کی طرح پیس لینا اور سمندر کے پاس لے جا کر مجھے تیز ہوا میں اڑا دینا، خدا کی قسم! اللہ رب العالمین مجھے کبھی بھی سزا نہیں دے سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا تھا؟ وہ کہے گا: تیرے خوف کی وجہ سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سب سے بڑے بادشاہ کے ملک کو دیکھو، تیرے لئے اس کے برابر اور مزید اس طرح کے دس اور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ عرض کرے گا: یا اللہ تو میرے ساتھ مذاق کیوں کر رہا ہے حالانکہ تو بادشاہ کائنات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی وجہ تھی جس کی وجہ سے میں بوقتِ چاشت مسکرایا۔ اسے امام احمد بن حنبل، ابن حبان اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ احمد فی المسند، 1/ 54، رقم: 15، اسنادہ حسن)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کی ایک قوم جنہیں

دوزخ میں عذاب دیا گیا ہوگا اللہ کی رحمت اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے ضرور جنت میں داخل ہوگی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 10/214، الرقم:10509)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ایک شخص جو کہ نبی نہیں ہوگا، کی شفاعت کے سبب دو قبیلوں ربیعہ اور مضر یا ان دونوں میں سے ایک کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ربیعہ مضر کی طرح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: امام احمد کے رجال اور طبرانی کی اسانید میں سے ایک کے رجال صحیح حدیث کے (بلند درجہ) رجال ہیں سوائے عبدالرحمان بن میسرہ کے، وہ ثقہ ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/257، الرقم:22215)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ایک امتی کی شفاعت کے سبب سے قبیلہ مضر کی تعداد سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، ایک شخص اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا اور کوئی اپنے عمل کے حسب حال شفاعت کرے گا۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں سوائے ابو غالب کے اسے کئی محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے لیکن اس میں تھوڑا سا ضعف ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 8/275، الرقم:8059، والہیثمی فی مجمع الزوائد، 10/382)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ایک امتی ایک گروہ کی شفاعت کرے گا تو وہ اس کی شفاعت کے سبب سے جنت میں داخل ہوں گے، ایک شخص کسی قبیلہ کی شفاعت کرے گا تو وہ اس کی شفاعت کے سبب سے جنت میں داخل ہوں گے، ایک شخص کسی دوسرے شخص اور اس کے گھر والوں کی شفاعت کرے گا تو وہ اس کی شفاعت کے سبب سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/63، الرقم:11605)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں پر ان کے بارے احسان جتائے گا جنہوں نے (دنیا میں) کبھی کوئی بھلائی کی ہوگی۔ پس وہ لوگوں کو جہنم میں جلنے کے بعد شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کے سبب اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/400، الرقم:9201)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے یہ لوگ شفاعت کریں گے: انبیاء کرام، شہداء اور مؤذن۔ اسے امام بزار نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ البزار فی المسند، 2/27، الرقم:372)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جہنم میں سے جو اس کے مستحق ہوں گے وہ نہ اس میں مریں گے اور نہ جئیں گے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازنا چاہے گا ان کو جہنم میں موت دیدے گا۔ جب شفاعت کرنے والے ان کے پاس جائیں گے تو انسان اپنے مددگاروں کو بلائے گا۔ پس وہ ان کو بکھیر دے گا یا فرمایا: وہ جنت کی نہرِ حیات میں (نہا کر) اُگیں گے، پس وہ (اس میں سے) ایسے نکلیں گے جیسے سیلابی جگہ سے سرسبز دانہ نکلتا ہے۔ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم درخت کو نہیں دیکھتے کہ سبز ہوتا ہے پھر زرد ہوتا ہے، یا فرمایا: زرد ہوتا ہے پھر سبز ہوتا ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا: گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دیہات میں رہ رہے ہیں۔ اسے امام احمد اور عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم کی شرط پر اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/5، الرقم 11016)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل جنت میں سے ایک شخص دوزخیوں پر جھانکے گا تو اہلِ جہنم میں سے ایک شخص اسے کہے گا: اے فلاں! کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! میں تجھے نہیں پہچانتا، تمہارا بھلا ہو تو کون ہے؟ وہ کہے گا: میں وہی ہوں دنیا میں تو میرے پاس گزرا تو تُو نے مجھ سے پانی مانگا تھا اور میں نے تجھے پانی پلایا تھا۔ (اس صلے میں) اپنے رب کے ہاں میرے لئے شفاعت کرو۔ راوی فرماتے ہیں: وہ شخص اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والوں میں جا کر عرض کرے گا: یا رب! میں جہنم والوں کے پاس گیا تو ان میں سے ایک شخص نے مجھے بلا کر کہا: اے فلاں! کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں تجھے نہیں پہچانتا تُو کون ہے؟ اس نے کہا: میں وہی ہوں تو نے دنیا میں میرے پاس سے گزرنے پر مجھ سے پانی مانگا تھا سو میں نے تجھے پانی پلایا تھا۔ پس اپنے رب کے ہاں میرے لئے شفاعت کرو۔ اے میرے رب! تو میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا اور اسے دوزخ سے نکالے گا۔ اسے امام ابو یعلی، منذری اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابو یعلی فی المسند، 6/210، الرقم 3490)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو شخص کسی بیابان میں سے گزرے جن میں سے ایک عبادت گزار تھا اور دوسرا گناہ گار تھا۔ راستے میں عبادت گزار کو اتنی پیاس لگی کہ وہ وہیں گر گیا۔ اس کا ساتھی اس کی طرف دیکھنے لگا اور اس کے پاس برتن میں کچھ پانی تھا۔ اس نے اپنے پیاس سے چلاتے ہوئے ساتھی کو دیکھ کر کہا: اللہ رب العزت کی قسم! اگر یہ صالح بندہ میرے پاس پانی ہونے کے باوجود پیاسا فوت ہو گیا تو میں اللہ کی طرف سے کبھی بھی بھلائی نہیں پا سکوں گا اور اگر میں نے اسے اپنا پانی پلایا تو ضرور میں مر جاؤں گا۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے پختہ ارادہ کر کے اس پر اپنے پانی سے چھینٹے مارے اور باقی بچا ہوا پانی اسے پلا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عابد اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ دونوں نے صحرا عبور کر لیا۔

فرمایا: قیامت کے دن اس گنہگار کو حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا تو اسے جہنم میں بھیجنے کا حکم دیدیا جائے گا۔ فرشتے اس کو لے کر جا رہے ہوں گے تو وہ اسی عبادت گزار شخص کو دیکھ کر کہے گا: اے فلاں! کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ پوچھے گا: تُو کون ہے؟ وہ کہے گا: میں وہی فلاں شخص ہوں جس نے بیابان میں اپنی جان پر تجھے ترجیح دی۔ وہ کہے گا: کیوں نہیں! میں تجھے پہچانتا ہوں۔ فرمایا: وہ فرشتوں سے کہے گا: رک جاؤ، تو اسے روک دیا جائے گا۔ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرے گا: اے میرے رب! تو میری نسبت اس کا حال پہچانتا ہے کہ کیسے اس نے اپنی جان پر مجھے ترجیح دی؟ یارب! تو اسے میرے اختیار میں دیدے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: وہ تیرے اختیار میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص آئے گا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں لے جائے گا۔ صلت راوی کہتے ہیں کہ میں نے جعفر سے کہا: کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے روایت کیا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔

اسے امام ابویعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں سوائے ابوظلال القسملی کے اسے ابنِ حبان اور دیگر نے ثقہ قرار دیا ہے جبکہ بعض نے ضعیف شمار کیا ہے۔

(اخرجہ ابویعلی فی المسند، 7/215، الرقم: 4212)

عطیہ عوفی سے روایت ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑ کر کہا: آپ قیامت کے دن شفاعت کے لئے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے لئے شفاعت ہوگی؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں سے جس کسی نے بھی اسلام قبول کیا ہے اس کے لئے شفاعت ہوگی۔ اسے امام احمد اور ابونعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی فضائل الصحابۃ، 2/944)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کی صفیں بنائے گا تو دوزخیوں کی بھی صفیں بنی ہوں گی۔ پس اہلِ جہنم کی صفوں میں سے ایک شخص اہلِ جنت کی صفوں میں ایک شخص کو دیکھ کر کہے گا: اے فلاں! تُو یاد کر ایک دن میں نے دنیا میں تیرے ساتھ نیکی کی تھی؟ فرماتے ہیں: وہ عرض کرے گا: یا اللہ! واقعی اس نے دنیا میں میرے ساتھ نیکی کی تھی۔ اسے کہا جائے گا: اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، 6/125، الرقم: 7687،)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمنین سے اچھی طرح جان پہچان رکھو کیونکہ ہر مؤمن قیامت کے دن اللہ کے ہاں شفاعت کرے گا۔ اسے امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، 1/81، الرقم: 251)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: قیامت کے دن کسی شخص کو

کہا جائے گا: اٹھ کر شفاعت کرو تو وہ اپنے قبیلہ کی شفاعت کرے گا۔ کسی دوسرے سے کہا جائے گا: اٹھ کر شفاعت کرو تو وہ اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ پھر کسی اور سے کہا جائے گا: اٹھ کر شفاعت کرو تو وہ اپنے عمل کے موافق ایک یا دو اشخاص کی شفاعت کرے گا۔ اسے امام ابونعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 7، 105)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص دو یا تین آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔

اس امام منذری اور ہیثمی نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: اسے امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔ (اخرجہ المنذری فی الترغیب والترہیب، 4/241، الرقم: 5514)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کی شفاعت سے میری امت کے ستر ہزار وہ لوگ جنت میں جائیں گے جن پر دوزخ لازم ہو چکی ہوگی۔ اسے امام ابن عساکر اور مناوی نے روایت کیا ہے۔

ابنِ عساکر کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ قیامت کے روز) لازماً میری امت کے ان ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا جن پر دوزخ لازم ہو چکی ہوگی تو اللہ تعالیٰ انہیں (اس کی شفاعت کے سبب) جنت میں داخل فرمائے گا۔ اسے امام ابنِ عساکر اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق الکبیر، 39/122، 123)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن پانچ شفاعت کریں گے: قرآن، رشتہ، امانت، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت۔ اِسے امام علاؤ الدین ہندی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الہندی فی کنز العمال، 14/390، الرقم: 39041)

اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ننانوے حصے اپنے اولیاء کے لئے قیامت کے دن کے لئے محفوظ کر لیے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے ہیں جن میں سے اس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور ایک حصہ زمین پر نازل کیا۔ ساری مخلوق جو ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے یہ اسی ایک حصے کی وجہ سے ہے، یہاں تک کہ گھوڑا جو اپنے بچے کے اوپر سے اپنا کھر اٹھاتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچے وہ بھی اسی ایک حصے کے باعث ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الادب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں اس نے ان میں سے ایک رحمت جن، انس، حیوانات اور حشرات الارض کے درمیان نازل کی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت و رحم کرتے ہیں، اور اسی سے وحشی جانور اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ننانوے

رحمتیں (اپنے پاس) محفوظ رکھی ہیں، جن کے سبب قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: التوبۃ)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک اعرابی نے (کہیں سے) آ کر اپنے اونٹ کو بٹھایا پھر اسے ٹانگ سے باندھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے چلا گیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے اپنے اونٹ کے پاس آ کر اس کی رسی کو کھولا۔ پھر اس پر سوار ہو کر دعا کرنے لگا: یا اللہ! تو مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر صحابہ سے) فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ اس نے کیا کہا؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں (یا رسول اللہ!) ہم نے سنا ہے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُس اعرابی سے) فرمایا: تُو نے (اللہ کی رحمت کو) تنگ کر دیا ہے، اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اللہ تعالیٰ نے کل سو رحمتوں کو تخلیق کیا جن میں سے اللہ نے ایک رحمت (زمین پر) اتاری، مخلوقات میں سے جن وانس اور بہائم (ورندے) اسی کی وجہ سے باہم شفقت و مہربانی کرتے ہیں جبکہ ننانوے رحمتیں اس کے پاس ہیں۔ اب تم کیا کہتے ہو کہ یہ زیادہ گمراہ ہے (جسے رحمتِ الٰہی کی وسعت کا علم نہیں) یا اس کا اونٹ (جو اس کے ماتحت ہے)۔

اس حدیث کو امام احمد، رویانی، حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی اِسناد صحیح ہے اور شیخین نے اسے تخریج نہیں کیا۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 4/312، الرقم: 18821)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سو رحمتوں کو پیدا کیا، ان میں سے ایک رحمت کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، اسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں قیامت کے دن تک کے لئے مؤخر کر رکھی ہیں۔ اسے امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/439، الرقم: 23771)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سو رحمتوں کو پیدا کیا جن میں سے ایک رحمت کو اس نے ساری مخلوق کے درمیان تقسیم کر دیا اور ننانوے کو قیامت کے دن تک کے لئے محفوظ کر لیا۔ اسے امام طبرانی اور ہیثمی نے روایت کیا ہے۔ نیز ہیثمی نے کہا ہے: اسے امام طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے، ان دونوں کی اسناد حسن ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 11/374، الرقم: 12047)

حضرت معاویہ بن حَیدَہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سو رحمتوں کو تخلیق کیا، پس ایک رحمت مخلوق کے درمیان تقسیم کر دی جس کے باعث وہ باہم رحم کرتے ہیں جبکہ ننانوے رحمتوں کو اپنے اولیاء (کی شفاعت) کے لئے محفوظ کر لیا۔ اسے امام طبرانی، تمام الرازی، ابنِ عساکر اور ہیثمی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 19/417، الرقم: 1006)

امام محمد بن سیرین وخلاس دونوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے ایک رحمت کو اہلِ دنیا کے درمیان تقسیم کر دیا پس وہ ان کی اموات تک انہیں اپنے احاطہ میں لیے رہے گی جبکہ ننانوے رحمتوں کو اس نے اپنے اولیاء کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ دنیا پر تقسیم کی جانے والی رحمت اور باقی ننانوے کو اپنے قبضہ میں لینے والا ہے پھر قیامت کے دن وہ ان سو رحمتوں کی اپنے اولیاء پر تکمیل کرے گا۔

اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے، اور کہا ہے: شیخین کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے اور انہوں نے اس لفظ کے ساتھ اسے بیان نہیں کیا۔ شیخین نے اس مفہوم میں دو احادیث پر اتفاق کیا ہے ایک حدیثِ زہری جو حمید بن عبد الرحمٰن کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، دوسری سلیمان تیمی کی حدیث جو ابو عثمان کے واسطے سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مختصراً مروی ہے۔ امام مسلم نے عبد الملک بن ابی سلیمان کی سند سے عطاء بن ابی رباح کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث درج کی ہے جو ان دونوں حدیثوں سے کامل ترین ہے۔ مذکور بالا حدیث کی شاہد ہم حدیثِ عوف بھی بیان کریں گے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک، 1/123، الرقم: 185)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: امام رَوح نے کہا، ہم سے عوف نے بیان کیا، انہوں نے خلاس بن عمرو سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح حدیث روایت کی۔ اسے امام احمد نے بیان کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/514، الرقم: 10682)

امام احمد تیسرے طریق سے بیان کرتے ہیں: رَوح نے کہا، ہم سے عوف نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/514، الرقم: 10683)

اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (4/176، الرقم: 1634) میں کہا ہے: یہ صحیح اَسانید ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک متصل ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سو رحمتوں کا مالک ہے، اس نے (ان میں سے) ایک رحمت کو جمیع اہلِ زمین کے درمیان تقسیم کر دیا جو ان کی اموات تک انہیں اپنے احاطہ میں لیے رہے گی جبکہ اس نے باقی ننانوے رحمتوں کو اپنے اولیاء کے لئے ذخیرہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اہلِ دنیا پر تقسیم ہونے والی رحمت اور (باقی) ننانوے رحمتوں کو اپنے قبضے میں کرنے والا ہے پھر وہ قیامت کے دن اپنے اولیاء پر ان سو رحمتوں کی تکمیل کرے گا (اور ان رحمتوں کے باعث انہیں اعلیٰ وارفع مقامات اور حقِ شفاعت سے نوازے گا)۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/514، الرقم: 10680) البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (4/176، الرقم:

1634) میں کہا ہے: یہ مرسل حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے رب نے اپنی رحمت کو سو اجزاء میں تقسیم کیا پھر ان میں سے ایک جزو کو زمین پر اتارا۔ یہی وہ جزوِ رحمت ہے جس کی وجہ سے انسان، پرندے اور درندے باہم شفقت و رحمت کرتے ہیں، باقی ننانوے رحمتیں اس کے پاس قیامت کے دن اپنے بندوں کے لئے محفوظ ہیں۔ امام ہیثمی اور ہندی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الہیثمی فی مجمع الزوائد، 10/385)

جنت میں بغیر حساب داخل ہونے والے اولیاء اللہ میں سے ہر ایک ہزار اپنے ساتھ ستر ہزار لے کر جائیں گے

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ (ان کی سنگت اختیار کرنے والوں میں سے) 70 ہزار کو داخل کرے گا نیز اللہ تعالیٰ اپنے چلوؤں میں سے تین چلو (اپنی حسبِ شان جہنمیوں سے بھر کر) بھی جنت میں ڈالے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ، احمد، ابنِ ابی شیبہ اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔

(اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ القیامۃ والرقائق والورع)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ یزید بن اَخنس سلمی نے عرض کیا: اللہ رب العزت کی قسم! یہ تو آپ کی امت میں شہد کی مکھیوں میں سے (ایک قسم) سفید سرخی مائل مکھیوں کی تعداد تک ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب عزوجل نے مجھ سے 70 ہزار میں سے ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار کو داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے (یعنی ان ہزار خوش بختوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ معیت اختیار کرنے والوں میں سے 70 افراد کو لے کر جنت میں جائے گا) اور میرے لئے اس نے مزید تین چلوؤں کا اضافہ فرمایا ہے (اپنی حسبِ شان تین چلو میری امت کے جہنمیوں کے نکال کر جنت میں داخل کرے گا)۔ اسے امام احمد، طبرانی، ابنِ ابی عاصم اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد قوی ہے اور اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/250، الرقم 22156)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار افراد جنت میں داخل فرمائے گا جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ میں نے زیادہ چاہا تو اس نے ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار اضافہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! اگر وہ میری امت کے مہاجر (گناہوں کو ترک کرنے والوں سے پورے) نہ ہوئے؟ اس نے فرمایا: تب میں ان کو تیرے لئے گنواروں سے مکمل کروں گا۔ اسے امام احمد اور ابنِ مندہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی

اسناد صحیح ہے۔(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/359، الرقم:8707)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہماری نظروں سے اوجھل رہے، آپ تشریف نہ لائے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ آج حجرہ مبارک سے باہر نہ نکلیں گے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہم نے سمجھا کہ آپ وصال فرما گئے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ انور اٹھا کر ارشاد فرمایا: میرے رب تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے بارے مشورہ طلب کیا کہ میں ان سے کیا معاملہ کروں؟ تو میں نے عرض کیا: اے میرے رب! جیسا تو چاہے، وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ اس نے دوبارہ مجھ سے مشورہ طلب کیا تو میں نے اسی طرح عرض کیا۔ پس اس نے فرمایا: یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں تجھے تیری امت کے بارے غمگین نہیں کروں گا اور اس نے مجھے خوشخبری سنائی کہ میرے ستر ہزار امتی جن میں سے ہر ہزار کے ساتھ 70 ہزار ہوں گے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام احمد اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کی اِسناد حسن ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/393، الرقم 23336)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد سے حساب نہیں لیا جائے گا نیز ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار ہوں گے (جن سے حساب نہیں لیا جائے گا)۔ اسے امام طبرانی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 2/92، الرقم:1413)

امام شریح بن عبید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حمص میں بیمار ہوئے اس وقت وہاں کا گورنر عبداللہ بن قُرط تھا تو وہ آپ کی عیادت کے لئے نہ آیا، کلاعیین میں سے ایک شخص نے آپ کی عیادت کی تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: کیا تمہیں لکھنا آتا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! لکھوایئے، اس نے لکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان کی طرف سے گورنر عبداللہ بن قرط کے نام، اَمّا بَعد: اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا کوئی آزاد کردہ غلام تیرے پاس موجود ہوتا تو (تعظیم کرتے ہوئے) تُو اس کی عیادت کو جاتا (لیکن ہمیں بھولا ہوا ہے جبکہ اغیار کا تجھے اتنا خیال ہے)، پھر اس نے خط کو لپیٹ دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: کیا تم یہ پیغام اسے پہنچاؤ گے؟ اس نے کہا: جی ہاں! وہ شخص خط لے کر چلا گیا اور اس نے اسے ابنِ قرط کے حوالے کر دیا، جب اس نے یہ خط پڑھا تو ڈر کے مارے کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے کیا کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟ وہ فوراً عیادت کے لئے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر واپس آنے لگا تو حضرت ثوبان نے اسے چادر سے پکڑ کر فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ میں تمہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ سناتا ہوں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔

اسے امام احمد، ابنِ کثیر اور ہیثمی نے روایت کیا ہے۔ امام ابنِ کثیر نے کہا ہے: اس حدیث کی اسناد کے تمام رجال شامی

حمصی ثقہ ہیں، لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/280، الرقم: 22471)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی امت کے لئے شفاعت کا سوال کیا تو اس نے فرمایا: آپ کی خاطر (آپ کی امت میں سے) ستر ہزار بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: میرے لیے اضافہ فرمائیں، فرمایا: آپ کی خاطر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار داخل ہوں گے، میں نے عرض کیا: میرے لیے مزید اضافہ فرمائیں، فرمایا: پس آپ کی خاطر اتنے اتنے اور بھی (بغیر حساب چلو بھر کر جنت میں داخل کروں گا)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہمارے لیے اتنا کافی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو بکر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: عمر! (تمہیں معلوم تو ہے کہ) ہم سارے اللہ تعالیٰ کے چلوؤں میں سے ایک چلو ہیں (وہ چاہے تو ہتھیلی کی ایک لپ سے ہم سب کو جنت میں داخل کر دے)۔ اسے امام ابن ابی شیبہ، ہناد اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔(اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، 6/318، الرقم: 31739)

حضرت عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میری امت کے 70 ہزار افراد کو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر ہر ہزار کے ساتھ مزید 70 ہزار کو داخل فرمائے گا (طبرانی کی روایت کے الفاظ ہیں: پھر ہر ہزار ستر ہزار کی شفاعت کرے گا)، پھر اپنی ہتھیلی سے تین لپ مزید ڈالے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر تکبیر کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: ان کے پہلے ستر ہزار افراد کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ ان کے آباء واجداد، امہات اور قبائل کے حق میں قبول فرمائے گا اور مجھے امید ہے کہ میری امت کو دوسری ہتھیلیوں سے قریب ترین رکھے گا۔

اسے امام ابنِ حبان، طبرانی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ امام ابنِ کثیر نے کہا ہے کہ حافظ ضیاء الدین ابو عبد اللہ المقدسی نے اپنی کتاب صفۃ الجنۃ میں لکھا ہے: میں اس اِسناد پر کوئی علت نہیں جانتا۔

(اخرجہ ابن حبان فی الصحیح، 16/232، الرقم: 7247)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں تشریف لا کر ارشاد فرمایا: تمہارے رب نے مجھے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والے اور میری امت کے لئے اپنے پاس محفوظ شدہ حق کے درمیان اختیار دیا؟ اس پر آپ کے بعض صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کا رب اسے چھپا کر رکھے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حجرہ مبارک میں) داخل ہو گئے پھر اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا: میرے رب عزوجل نے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار (کا جنت میں جانے) کا اضافہ فرمایا ہے اور محفوظ شدہ حق اس کے پاس ہے۔ ابو رُہم (راوی نے) پوچھا: ابو ایوب! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ذخیرہ شدہ حق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے اسے اپنی زبانوں کا نشانہ بناتے ہوئے کہا: تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خفیہ حق کے

بارے میں کیا غرض ہے؟ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس شخص کو چھوڑ دو، میں تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محفوظ شدہ حق کے بارے میں بتاتا ہوں جیسا کہ مجھے اپنے اس خیال پر پورا یقین ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محفوظ حق یہ ہے کہ وہ (اپنے رب سے) فرمائیں گے: اے میرے رب! جس شخص نے یہ گواہی دی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اس حال میں کہ اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کر رہی ہو، تُو اسے جنت میں داخل فرما۔ اسے امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/413، الرقم: 23505، والہیثمی فی مجمع الزوائد، 10/375)

حضرت ابوسعید حبرانی انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے رب عزوجل نے مجھ سے میری امت کے 70 ہزار افراد کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور ہر ہزار 70 ہزار کی شفاعت کرے گا، پھر وہ میری خاطر اپنی ہتھیلی سے تین چلّو بھی (جنت میں) ڈالے گا۔ قیس فرماتے ہیں: میں نے ابوسعید کو گریبان سے پکڑ کر کھینچتے (ہوئے کہا:) کیا تم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا؟ انہوں کہا: ہاں اپنے کانوں سے سنا اور مجھے یاد بھی ہے۔ ابوسعید کہتے ہیں: انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے شمار کیا تو چالیس کروڑ اور نو لاکھ تک تعداد پہنچ گئی۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ عدد اِن شاء اللہ میری امت کے مہاجروں کو گھیر لے گا اور اللہ تعالیٰ یہ گنتی ہمارے کچھ دیہاتیوں سے بھی پوری فرمائے گا۔ اسے امام ابنِ ابی عاصم اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی، 5/298، الرقم: 2825)

جنت میں بغیر حساب داخل ہونے والا ہر ایک ولی کامل اپنے ساتھ ستر ہزار لوگوں کو لیکر جائے گا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ستر ہزار افراد ایسے عطا کیے گئے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کے دل ایک شخص کے دل کے مطابق ہوں گے۔ میں نے اپنے رب عزوجل سے زیادہ چاہا تو اس نے (اپنے ان مقربانِ خاص کی سنگت اختیار کرنے والوں کا خیال رکھتے ہوئے ان میں سے) ہر ایک کے ساتھ مزید 70 ہزار کا میرے لئے اضافہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ (مقام) دیہات کے رہنے والوں کو حاصل ہوگا اور ننگے پاؤں چلنے والے صحرائی باشندے اس پر فائز ہوں گے۔ اسے امام احمد بن حنبل، ابویعلی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/6، الرقم: 22)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پروردگار عزوجل نے مجھے ایسے 70 ہزار امتی عطا فرمائے ہیں جو بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے اس سے زیادہ نہیں چاہا؟ فرمایا: میں نے اس سے زیادہ چاہا تو اس نے مجھے ہر فرد کے

ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: کیا آپ نے اس سے زیادہ نہیں چاہا؟ فرمایا: میں نے اس سے زیادہ چاہا تو اس نے مجھے اتنا اور عطا فرمایا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر ڈالی)۔ اسے امام احمد، بزار اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 1/197، الرقم: 1706)

عبداللہ بن قیس فرماتے ہیں: میں ایک رات ابو بردہ کے پاس تھا کہ ہمارے پاس حضرت حارث بن اقیشث آئے۔ حارث نے اسی رات ہمیں بیان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ایک امتی کی شفاعت کے سبب قبیلہ مضر سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور بے شک ایک ایسا امتی بھی ہوگا (جو اپنے گناہوں کے سبب) دوزخ کے لئے اتنا بڑا ہو جائے گا کہ اس کا ایک کونہ محسوس ہوگا۔ اسے امام ابنِ ماجہ، احمد، ابنِ ابی شیبہ، ابو یعلی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث امام مسلم کی شرائط پر صحیح الاسناد ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، کتاب: الزہد)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ایک شخص جو کہ نبی نہیں ہوگا، کی شفاعت کے سبب دو قبیلوں ربیعہ اور مضر یا ان دونوں میں سے ایک کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ربیعہ مضر کی طرح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: امام احمد کے رجال اور طبرانی کی اسانید میں سے ایک کے رجال صحیح حدیث کے (بلند درجہ) رجال ہیں سوائے عبد الرحمان بن میسرہ کے، وہ ثقہ ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/257، الرقم: 22215)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص کے ساتھ مزید 70 ہزار افراد ہوں گے۔ انہوں نے (دوبارہ) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ریت کے ٹیلہ پر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے لپ بھری (اور اس میں اضافہ کر دیا)۔ انہوں نے (پھر) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے اضافہ فرمائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لو اور اپنے ہاتھوں سے پھر لپ بھری۔ انہوں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! اللہ اسے اپنی رحمت سے دور فرمائے جو اس کے بعد بھی جہنم میں داخل ہو۔ اسے امام ابو یعلی، مقدسی اور ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے۔ (اخرجہ ابو یعلی فی المسند، 6/417، الرقم: 3783)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پاس تین دن تک صرف فرض نمازوں کے علاوہ تشریف فرما نہ ہوئے تو آپ سے اس بارے میں عرض کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پروردگار عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے 70 ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے ان

تین دنوں میں اپنے رب سے مزید کا سوال کیا تو میں نے اسے عطا فرمانے والا، عظمت و بزرگی والا اور بہت کرم کرنے والا
پایا۔ پس اس نے مجھے اس ستر ہزار کے ہر فرد کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمائے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے میرے
پروردگار! کیا میری امت اس عدد تک پہنچ جائے گی؟ اس نے فرمایا: میں تیری خاطر اس عدد کی گنواروں سے تکمیل کروں
گا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، 1/252، الرقم: 268)

حضرت عامر بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک فرض نمازوں کے لیے
تشریف نہ لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں عرض کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو
عظمت و بزرگی والا اور بہت کرم کرنے والا پایا، اس نے مجھے ہر ایک کے ساتھ ایسے ستر ہزار امتی عطا فرمائے ہیں جو بغیر حساب
جنت میں داخل ہوں گے، (یاد رکھو) ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار افراد ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: میری امت اس عدد تک پہنچنے کی
اہل نہیں ہوگی یا اس گنتی کی تکمیل نہیں کر سکے گی؟ اس نے فرمایا: میں تیری خاطر اس عدد کو گنواروں سے پورا کروں گا۔ اسے امام
مقدسی اور ابنِ عبد البر نے روایت کیا ہے، اس کی اسناد حسن ہے۔ (اخرجہ المقدسی فی الاحادیث المختارہ، 8/207، الرقم: 243)

اگر ستر ہزار پہلے اور بعد میں ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار افراد جنت میں داخل ہوں تو یہ کل گنتی انچاس لاکھ ستر ہزار بنتی
ہے۔ اگر ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار داخل ہوں تو پھر یہ کل عدد چار ارب نوے کروڑ ستر ہزار بنتا ہے۔ پھر اس
پر مزید ربِ کریم کے تین چلّو بھی ہیں جن کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید یہی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ عدد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت کو گھیر لے گا۔
ایسے اعظم اور اکرم رسول پر اربوں درود و سلام ہوں جن کی عظمت و محبت میں اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ پر اس قدر بخشش کی برسات
فرمائے گا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن عفان (رضی اللہ
عنہ) کی شفاعت سے میری امت کے ستر ہزار وہ لوگ جنت میں جائیں گے جن پر دوزخ لازم ہو چکی ہوگی۔ اسے امام ابنِ
عساکر اور مناوی نے روایت کیا ہے۔

ابنِ عساکر کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ قیامت
کے روز) لازماً میری امت کے ان ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا جن پر دوزخ لازم ہو چکی ہوگی تو اللہ تعالیٰ انہیں (اس
کی شفاعت کے سبب) جنت میں داخل فرمائے گا۔ اسے امام ابنِ عساکر اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(8: اخرجہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق الکبیر، 39/122، 123)

اولاد کا اپنے والدین کے حق میں شفاعت کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان (گناہ گار) کے

تین بچے فوت ہوں گے تو آگ اس کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے چھوئے گی۔

اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے: اس باب میں حضرات عمر، معاذ، کعب بن مالک، عتبہ بن عبد، ام سلیم، جابر، ابو ذر، عبد اللہ بن مسعود، ابو ثعلبہ اشجعی، عقبہ بن عامر، ابو سعید خدری اور قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: ابو ثعلبہ اشجعی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی حدیث روایت کی ہے اور وہ خشنی نہیں ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث حسن صحیح ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الایمان والنذور)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مرد حضرات آپ کی احادیث سے مستفید ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ بذاتِ خود ہمارے لئے ایک دن مقرر فرمائیں کہ ہم اس دن آپ کے پاس حاضر ہوں تو آپ اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلایا ہے ہمیں تعلیم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں فلاں دن، فلاں فلاں جگہ خواتین اکٹھی ہو جائیں. جب وہ اس جگہ جمع ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس تشریف لا کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلایا تھا اس کی تعلیم دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی عورت بھی اپنے تین بچے آگے بھیجے گی وہ اس کے لیے آگ سے حجاب بن جائیں گے۔ ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر دو ہوں؟ اس نے دو بار سوال دہرایا. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ دو ہوں، اگر چہ دو ہوں، اگر چہ دو ہوں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس کسی کے بھی تین بچے نابالغ فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ان بچوں پر اپنے فضلِ رحمت کے باعث جنت میں داخل فرمائے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الجنائز)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض خواتین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مرد حضرات ہم پر غالب آ گئے ہیں لہٰذا آپ بذاتِ خود ہمارے لئے ایک دن مقرر فرمائیں. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمایا، جس میں آپ نے ان کے پاس تشریف لا کر انہیں وعظ و نصیحت فرمائی اور احکام بیان کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مجلس میں تھے کہ آپ نے ان سے فرمایا: تم میں سے جو کوئی عورت بھی اپنے تین بچوں کو آگے بھیجے گی وہ اس کے لیے آگ سے رکاوٹ ہوں گے۔ اس پر ایک عورت نے عرض کیا: اگر دو ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ دو ہوں۔ اسے امام بخاری، نسائی، احمد اور ابنِ حبان نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری خواتین سے فرمایا: تم میں سے جس کسی کے تین بچے فوت ہوں گے تو وہ ضرور اسے جنت میں داخل کریں گے۔ ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا: یا

رسول اللہ! اگر دو ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ دو ہی ہوں۔ اسے امام مسلم، احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد قوی ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: البر والصلۃ)

ابو حسان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے دو بیٹے وفات پا گئے ہیں، کیا آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کرتے ہیں جو ہمارے فوت شدگان کے بارے میں ہمیں ٹھنڈک پہنچائے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنت کے کیڑے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے باپ یا والدین کو ملتے ہی اس کے دامن یا ہاتھ کو تھام لے گا جیسے میں اپنے اس کپڑے کے دامن کو پکڑتا ہوں. وہ اس کو پکڑے رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے باپ کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اسے امام مسلم، احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: البر والصلۃ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تین نابالغ بچوں کو آگے بھیجا وہ اس کو دوزخ سے بچانے میں مضبوط قلعہ ہوں گے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے دو بھیجے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ دو ہوں. سید القراء اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے ایک آگے بھیجا ہے؟ فرمایا: اگر چہ ایک ہو لیکن یہ فائدہ پہلے صدمہ کے وقت صبر کرنے سے حاصل ہوگا۔ اسے امام ترمذی، ابنِ ماجہ، احمد، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: الجنائز)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے جس شخص کے دو (کم سن فوت شدہ بچے) پیش رَو ہو گئے، وہ اس شخص کو جنت میں لے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جس شخص کا ایک پیش رو ہو؟ فرمایا: اے صاحبۂ خیرات! اس کو وہ ایک پیش رو ہی لے جائیگا۔ عرض کیا: جس کا کوئی پیش رو نہ ہو؟ فرمایا: جس کا کوئی نہیں ہوگا اس کا میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ اسے امام ترمذی، احمد، ابو یعلی، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: الجنائز)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو مسلمان والدین میں سے کسی کے بھی تین بچے نابالغ فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان بچوں پر اپنی رحمت کے فضل کے سبب والدین کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان بچوں سے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ عرض کریں گے: (ہم اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے) یہاں تک کہ ہمارے والدین داخل ہو جائیں؟ پس ان سے کہا جائے گا: تم اور تمہارے والدین جنت میں داخل ہو جائیں۔ اسے امام نسائی، احمد، ابو یعلی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ شیخین کی شرائط پر اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ النسائی فی السنن، کتاب: الجنائز)

صعصعہ بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انہیں کہا: آپ مجھ سے کوئی حدیث بیان کریں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان ماں باپ کے تین بچے نابالغ فوت ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان بچوں پر اپنے فضلِ رحمت کے سبب والدین کو بخش دیتا ہے۔

اسے امام نسائی، احمد، ابن حبان، ابنِ ابی شیبہ، بزار اور ابوعوانہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ النسائی فی السنن، کتاب: الجنائز)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناتمام بچہ (5 یا 6 ماہ کا ساقط بچہ) جب اپنے ماں باپ کو جہنم میں داخل کیے جاتے ہوئے دیکھے گا تو اپنے رب سے جھگڑا کرے گا۔ کہا جائے گا: اے اپنے رب سے جھگڑنے والے ناتمام بچے! اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دے۔ وہ اپنے ماں باپ کو اپنی ناف سے باندھ کر گھسیٹ کے جنت میں لے جائے گا۔ اسے امام ابنِ ماجہ، ابنِ ابی شیبہ، بزار اور ابویعلی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ النسائی فی السنن، کتاب: الجنائز)

حضرت ابونضر سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس کسی کے تین بچے فوت ہو گئے تو وہ ان کو (آگ سے) روکتے ہوئے ان کے لیے جہنم کی ڈھال بن جائیں گے۔ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر دو ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ دو ہوں۔ اسے امام مالک اور ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مالک فی الموطا، 1/235، الرقم: 557)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس کے تین بچے فوت ہو گئے تو وہ ان کو (جہنم سے) رکاوٹ بناتے ہوئے جنت میں داخل ہو گا۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ؟ اگر دو ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ دو ہوں. محمود راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر تم ایک کہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرماتے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ رب العزت کی قسم! مجھے اس پر یقین ہے۔ اسے امام احمد بن حنبل، بیہقی اور بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/306، الرقم: 14285)

شرحبیل بن شفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن بچوں سے کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ عرض کریں گے: اے رب! (ہم اس میں داخل نہیں ہوں گے) یہاں تک کہ ہمارے باپ اور مائیں داخل ہوں. وہ آئیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں ان (بچوں) کو کچھ طلب کرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا؟ (فرمائے گا) تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عرض کریں گے: اے رب! ہمارے باپ اور ہماری مائیں؟ تو اللہ فرمائے گا: تم اور تمہارے ماں باپ جنت میں داخل

ہو جائیں۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (والہیثمی فی مجمع الزوائد، 3/ 11)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کی اولادیں قیامت کے دن عرش تلے ہوں گی۔ جو بارہ سال تک نہ پہنچا ہو وہ شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور جو تیرہ سال کو پہنچ گیا ہو تو اس پر احکام لاگو ہو گئے اور اس سے مؤاخذہ ہو گا۔ اسے امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، 2/245، الرقم: 3154)

نمازیوں کا مسلمان میت کے حق میں شفاعت کرنے کا بیان

کریب مولیٰ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیٹا قُدَید یا عُسفان کے مقام پر فوت ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: کریب! دیکھو کیا لوگ اس کے جنازہ پر اکٹھے ہو گئے ہیں؟ کہتے ہیں کہ میں نے باہر نکل کر دیکھا تو لوگ اس پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں خبر دی تو انہوں نے فرمایا: کیا چالیس تک تعداد ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! انہوں نے فرمایا: تم اس کی میت کو (نمازِ جنازہ کے لئے) نکالو کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کوئی بھی مسلمان جب مرتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے والے 40 افراد جب اس پر نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔ اسے امام مسلم، ابنِ ماجہ، احمد، ابنِ حبان اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الجنائز)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی بھی میت پر جب 100 مسلمان اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہوئے اس کے لیے شفاعت کرتے ہیں تو اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ اسے امام مسلم، ابوداؤد طیالسی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: الجنائز)

علی بن شماخ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں مروان کے پاس موجود تھا تو اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے جنازہ پر کیسے نماز پڑھتے ہوئے سنا؟ انہوں نے فرمایا: اس کے باوجود تو نے پوچھا؟ اس نے کہا: ہاں. راوی کا بیان ہے کہ اس (سوال کرنے) سے پہلے دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی تھی. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے): اے اللہ! تو اس کا رب ہے، تو نے اس کو پیدا کیا، تو نے اس کو اسلام کی ہدایت دی، تو نے اس کی روح قبض فرمائی اور تو اس کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔ ہم اس کی شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں پس تو اس کو بخش دے۔ اسے امام ابو داؤد، ابنِ ابی شیبہ، ابنِ راہویہ اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابوداود فی السنن، کتاب: الجنائز)

ابو بکار حکم بن فروخ فرماتے ہیں۔: ہمیں ابو ملیح نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی تو ہم نے گمان کیا کہ انہوں نے تکبیر کہہ دی ہے۔ انہوں نے ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا: اپنی صفوں کو قائم کرو اور اپنی شفاعت کو خوبصورت بناؤ. ابو ملیح نے یہ بھی کہا:

مجھ سے سلیط کے بیٹے عبد اللہ نے بیان کیا کہ اس نے امہات المومنین میں سے کسی ایک سے روایت کیا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دیتے ہوئے فرمایا: کسی بھی میت پر جب لوگوں کی ایک امت نماز پڑھتی ہے تو اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ میں نے ابو ملیح سے امت کے بارے پوچھا؟ تو انہوں نے فرمایا: چالیس افراد کی جماعت۔ اسے امام نسائی، احمد، ابنِ ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ النسائی فی السنن، کتاب: الجنائز)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہوتا ہے اور ہر اوقیہ زمین و آسمان کے درمیان ہر چیز سے بہتر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً کسی شخص کا جنت میں درجہ بلند کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا: یہ کیسے ہوا؟ کہا جائے گا: تیرے بیٹے کا تیرے لیے مغفرت طلب کرنے کی وجہ سے۔ اسے امام ابنِ ماجہ اور ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، کتاب: الادب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میت پر 100 مسلمان افراد نماز پڑھیں تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اسے امام ابنِ ماجہ، ابنِ ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، کتاب: الجنائز)

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ شامی کو شرفِ صحابیت حاصل ہے، ان سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس کوئی جنازہ لایا جاتا اور اس کے ساتھ تھوڑے افراد ہوتے تو وہ انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے پھر اس پر نماز پڑھتے۔ فرماتے: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کسی بھی میت پر (اس کی نمازِ جنازہ کے لئے) جب مسلمانوں کی تین صفیں بنتی ہیں تو اس پر (جنت یا مغفرت) واجب ہو جاتی ہے۔ اسے امام ابنِ ماجہ، ابنِ ابی شیبہ، ابنِ ابی عاصم اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 2/509، الرقم 10610)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں کسی صالح بندہ کا رتبہ بلند فرمائے گا تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ رتبہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ تو وہ فرمائے گا: تیرے بیٹے کا تیرے لیے مغفرت طلب کرنے کی وجہ سے۔ اسے امام احمد، بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 2/251، الرقم: 1894)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن پہاڑ کے برابر نیکیاں کسی شخص کے پیچھے چلیں گی تو وہ عرض کرے گا: یہ کیسے (مجھے حاصل ہوئیں)؟ تو کہا جائے گا: تیرے بیٹے کا تیرے لیے بخشش طلب کرنے کی وجہ سے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی مسلمان شخص کی

میت پر جب مسلمانوں کی تین صفیں اس کے لیے مغفرت طلب کرتے ہوئے نماز پڑھتی ہیں تو اس کے لیے (جنت) واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ جب کسی ایسے جنازہ پر نماز پڑھتے، جس کے پڑھنے والے کم ہوتے تو ان کی تین صفیں بناتے پھر اس پر نماز پڑھتے۔ (یہ الفاظ جریر بن حازم سے روایت کردہ حدیث کے ہیں) اور یزید بن ہارون کی روایت میں ہے کہ (ایسا کرنے سے) میت کو بخش دیا جاتا ہے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی السنن الکبری، 4 / 30)

قرآن مجید، رمضان المبارک اور دیگر اسباب کے باعث شفاعت کے عطا کیے جانے کا بیان

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن قرآن اور قرآن والے جو اس پر عمل کرتے تھے لائے جائیں گے۔ قرآن کے آگے سورۃ بقرۃ اور آل عمران ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے تین مثالیں بیان فرمائیں جن کو میں اس کے بعد نہیں بھولا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا کہ وہ دو بادل، یا دو سیاہ سائے ہیں جن کے درمیان روشنی ہے، یا صف باندھے اڑتے ہوئے پرندوں کی دو ٹولیاں ہیں۔ وہ دونوں اپنے پڑھنے والوں (کی بخشش) کے لیے جھگڑا کریں گی۔ اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، احمد، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: صلاۃ المسافرین)

حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن مجید پڑھا کرو کہ یہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ تم دو روشن سورتیں بقرۃ اور آلِ عمران پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن دو بادلوں یا دو سائبانوں یا صف باندھے اڑتے ہوئے پرندوں کی دو ٹولیوں کی طرح آ کر اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔ تم سورۃ بقرۃ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا باعثِ برکت اور ترک کرنا حسرت ہے اور اہلِ باطل اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ معاویہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اہلِ باطل سے مراد جادوگر ہیں۔ اسے امام مسلم، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: صلاۃ المسافرین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن میں تیس آیتوں والی ایسی سورت ہے جو کسی شخص کے لئے یہاں تک شفاعت کرے گی کہ اسے بخش دیا جائے گا اور وہ سورۃ (الملک) تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداود، ابنِ ماجہ اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: فضائل القرآن)

کثیر بن قیس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ایک شخص مدینہ منورہ سے دمشق میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا: میرے بھائی! تو کس لئے آیا ہے؟ اس نے کہا: ایک حدیث کے لئے جسے آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تو کسی حاجت کے لئے آیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! پوچھا: کیا تو تجارت کی غرض سے آیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! اس نے کہا: میں صرف اس حدیث کی طلب میں حاضر ہوا ہوں.

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص طلب علم کے راستے پر چلا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلاتا ہے، فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے اپنے پَر بچھاتے ہیں اور طالب علم کے لئے آسمان و زمین کی تمام مخلوق حتی کہ پانی کی مچھلیاں بھی مغفرت طلب کرتی ہیں، عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسے ہی ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر ہے، یقیناً علماء، انبیاء کرام کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں تو جس نے اس میں سے لیا وافر حصہ لیا۔ اسے امام ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: العلم)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس طرح قرآن پڑھا کہ اس پر حاوی ہو گیا، پس اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا. اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے خاندان سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ اسے امام ترمذی، احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب فضائل القرآن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں داخل ہونے والوں میں سے دو اشخاص کی بہت شدید چیخوں کی آواز آئے گی تو رب ذوالجلال فرمائے گا ان دونوں کو نکالو. جب انہیں نکالا جائے گا تو وہ ان سے پوچھے گا: کس چیز کے لیے تمہاری شدید چیخیں بلند ہوئی ہیں؟ وہ عرض کریں گے: ہم نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ تو ہم پر رحم فرمائے۔ وہ فرمائے گا: میری رحمت تم دونوں کے لئے یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو جہنم میں ڈال دو جہاں تم پہلے تھے۔ جب وہ دونوں جائیں گے تو ان میں سے ایک اپنے آپ کو ڈال دے گا تو اللہ اس پر آگ کو ٹھنڈک اور سلامتی والا بنا دے گا۔ جبکہ دوسرا کھڑا رہے گا اور اپنے آپ کو اس میں نہیں ڈالے گا تو پروردگار عزوجل فرمائے گا: تمہیں کس چیز نے اپنے آپ کو (جہنم میں دوبارہ) ڈالنے سے روکا جیسا تمہارے ساتھی نے کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے بھرپور امید ہے کہ تو مجھے اس میں سے نکالنے کے بعد دوبارہ نہیں لوٹائے گا۔ پس اس کا رب فرمائے گا: تمہارے لئے تمہاری امید ہے۔ لہٰذا وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اسے امام ترمذی اور ابن مبارک نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: صفۃ جہنم)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کو حفظ کر لیا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور وہ اس کی شفاعت اس کے خاندان کے اُن دس افراد کے حق میں قبول فرمائے گا جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ اسے امام ابن ماجہ، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ فی السنن، المقدمۃ، باب: فضل من تعلم القرآن وعلمہ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزے اور قرآن مجید

قیامت کے دن بندے کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزے عرض کریں گے: اے رب! میں نے اسے دن کے وقت کھانے اور شہوت کرنے سے روکے رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما. قرآن عرض کرے گا: میں نے اسے رات کے وقت نیند سے بیدار رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اسے امام احمد بن حنبل، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے نیز امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 174/2، الرقم:6626)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ قرآن شفاعت کرنے والا، شفاعت قبول کیے جانے والا اور سچ بولنے والا جھگڑالو ہے۔ اسے امام عبد الرزاق اور ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ عبد الرزاق فی المصنف، 373/3، الرقم:6011)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن سیکھو بے شک یہ قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ سورۃ بقرۃ اور آلِ عمران سیکھو. یہ دونوں روشن سورتیں سیکھو کیونکہ یہ قیامت کے دن دو بادلوں یا دو سائبانوں یا صف باندھے قطار کی شکل میں اڑتے ہوئے پرندوں کی دو ٹولیوں کی طرح آ کر اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔ تم سورۃ بقرۃ سیکھو کیونکہ اس کا تعلیم حاصل کرنا باعثِ برکت اور ترک کرنا حسرت ہے اور جادوگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اسے امام احمد، عبد الرزاق اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 251/5، الرقم:22257)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن پڑھا کرو، نہ تم اس کے ذریعہ کھاؤ، نہ اس کے سبب کثرت سے مال طلب کرو، نہ تم اس میں خیانت کرو اور نہ اس سے جفا کرو. قرآن سیکھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گا۔ دونوں روشن سورتیں بقرۃ اور آلِ عمران سیکھو کیونکہ وہ قیامت کے دن دو بادلوں یا دو سائبانوں یا پرندوں کی دو جماعتوں کی طرح آ کر اپنے پڑھنے والوں کے لئے شفاعت کریں گی۔ تم سورۃ بقرۃ سیکھو کیونکہ اس کا سیکھنا باعثِ برکت، اس کا ترک کرنا حسرت ہے اور جادوگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 344/8، الرقم:8823)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کیا کرو اور اس کی کسی چیز کو نہ جھٹلاؤ. جس چیز کا تمہیں اس میں شبہ ہو تو اس کے بارے اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو وہ تمہیں خبر دیں گے۔ تم تورات اور انجیل پر ایمان لاؤ اور فرقان (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ کیونکہ اس میں (ہر شے کا) بیان ہے اور یہ شفاعت کرنے والا، شفاعت قبول کیے جانے والا، جھگڑالو اور تصدیق کرنے والا ہے۔ اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک علی الصحیحین، 669/3، الرقم: 6471)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن پر عمل کیا کرو، اس کے حلال کو حلال جانو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو، اس کی پیروی کرو اور اس کی کسی بات کا انکار نہ کرو۔ اس میں جس چیز کا تمہیں شبہ ہو تو اس کو اللہ (یعنی قرآن) اور میرے بعد اولوالامر کی طرف لوٹا دو تا کہ وہ تمہیں (اس شے کی حقیقت کی) خبر دیں. تم تورات، انجیل، زبور اور نبیوں کو جو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا تھا پر ایمان لاؤ۔ قرآن اور اس میں جو بیان ہے، اس پر عمل کرنے کی سعی کرو کیونکہ وہ شفاعت کرنے والا، شفاعت قبول کیے جانے والا اور جھگڑالو تصدیق کرنے والا ہے۔ خبردار قیامت کے دن ہر آیت کا نور ہوگا۔ بے شک مجھے سورۃ بقرۃ ذکرِ اوّل سے عطا کی گئی ہے، طٰہٰ، طواسین اور حوامیم مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں اور سورۃ فاتحہ عرش کے نیچے سے عطا کی گئی ہے۔ اس حدیث کو امام حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک علی الصحیحین، 1/757، الرقم: 2087)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک قرآن شفاعت کرنے والا، شفاعت قبول کیے جانے والا اور جھگڑالو تصدیق کرنے والا ہے۔ پس جس نے اس کو مقدم رکھا تو وہ اسے جنت کی طرف لے جائے گا اور جس نے اسے پسِ پشت ڈالا وہ اسے جہنم کی طرف ہانک لے جائے گا۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ عبدالرزاق فی المصنف، 3/372، الرقم: 6010)

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گا تو اسے جنت کی طرف لے جائے گا اور جس کے خلاف گواہی دے گا تو اسے جہنم کی طرف لے جائے گا۔ اس حدیث کو امام دارمی اور ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الدارمی فی السنن، 2/525، الرقم: 3325)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن اپنے پڑھنے والے کے لئے شفاعت کرتے ہوئے آئے گا تو عرض کرے گا: اے رب! ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل پر اجرت ملتی ہے، میں نے اسے لذت اور نیند سے روکے رکھا لہٰذا تو اسے عزت وتکریم سے نواز. کہا جائے گا: (اے قرآن پڑھنے والے) تو اپنا دایاں ہاتھ پھیلا تو اسے اللہ کی رضا سے بھر دیا جائے گا پھر کہا جائے گا: اپنا بایاں ہاتھ پھیلا تو اسے بھی اللہ کی رضا سے بھر دیا جائے گا، اسے لباسِ تکریم پہنایا جائے گا، اسے شاندار زیور سے آراستہ کیا جائے گا اور اس کے سر پر معزز تاج رکھا جائے گا۔ اس حدیث کو امام دارمی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الدارمی فی السنن، 2/523، الرقم: 3312)

ابو صالح سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: تم قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن بہت اچھی شفاعت کرنے والا ہے۔ وہ قیامت کے دن کہے گا: اے پروردگار! تو اسے شاندار زیور سے آراستہ کر تو اسے شاندار زیور سے آراستہ کیا جائے گا، (پھر کہے گا) اے پروردگار! تو اسے لباسِ تکریم سے نواز تو اسے لباسِ تکریم پہنایا جائے گا، (پھر کہے گا) اے پروردگار! تو اسے معزز تاج پہنا، (پھر کہے گا) اے پروردگار! تو اس سے راضی ہو جا

کیونکہ تیری رضا سے بڑھ کر کوئی شے نہیں۔ اس حدیث کو امام دارمی اور ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الدارمی فی السنن، 2/522، الرقم 3311)

فضالہ بن عبید اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما دونوں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے حساب سے فارغ ہو جائے گا تو دو آدمی بچ جائیں گے جنہیں جہنم کی طرف لے جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ ان میں سے ایک شخص مڑ کر دیکھے گا تو ربِ جبار فرمائے گا: اسے لوٹاؤ! فرشتے اسے واپس لائیں گے تو وہ اس سے فرمائے گا: تم نے مڑ کر کیوں دیکھا؟ وہ عرض کرے گا: مجھے امید تھی کہ تو مجھے جنت میں داخل کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے جنت میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا تو وہ کہے گا: میرے اللہ عزوجل نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے کہ اگر میں اہلِ جنت کو اس میں سے کھلاؤں تو بھی میرے پاس کم نہ ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے بیان کیا تو آپ کا چہرۂ انور خوشی سے تمتما رہا تھا۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 5/329، الرقم: 22793)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن شفاعت کرنے والا، شفاعت قبول کیے جانے والا اور جھگڑالو، تصدیق کرنے والا ہے۔ پس جس نے اس کو امام بنا کر رکھا تو وہ اسے جنت کی طرف لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈالا تو وہ اسے جہنم کی طرف لے جائے گا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان، 2/351، الرقم 2010)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن میں تیس آیتوں والی ایسی سورت ہے جو کسی شخص کے لئے شفاعت کرے گی تو اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے گی اور وہ سورت تبارک (سورۃ الملک) ہے۔ اس حدیث کو امام عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ عبد بن حمید فی المسند، 1/421، الرقم: 1445)

حضرت مسیب رحمۃ اللہ علیہ بن رافع نے روایت کرتے ہوئے فرمایا: قرآن قیامت کے دن شفاعت کرنے والا، اطاعت کیے جانے والا اور جھگڑالو، تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا۔ وہ اپنے ساتھی کی شفاعت کرتے ہوئے عرض کرے گا: اے رب! تُو اسے جزا دے کیونکہ یہ مجھ پر عمل کرتا تھا، میرے ساتھ جاگتا تھا اور میرے ساتھ قیام کرتا تھا لہٰذا تُو اسے جزا دے، کہا جائے گا: اسے شاندار زیور سے آراستہ کیا جائے۔ وہ (پھر) عرض کرے گا: اے رب! تُو اسے جزا دے کیونکہ یہ مجھ پر عمل کرتا تھا، میرے ساتھ جاگتا تھا اور میرے ساتھ قیام کرتا تھا لہٰذا تُو اسے جزا دے تو کہا جائے گا: اسے معزز تاج پہنایا جائے۔ وہ (پھر) عرض کرے گا: اے رب! تُو اسے جزا دے کیونکہ یہ مجھ پر عمل کرتا تھا، میرے ساتھ جاگتا تھا اور میرے ساتھ قیام کرتا تھا۔ فرماتے ہیں پس کہا جائے گا: اسے میری ایسی رضا حاصل ہوگی جس کے بعد کوئی ناراضگی نہیں۔ انہوں نے

فرمایا: پس قرآن کی شفاعت اس انتہا تک پہنچے گی۔ اسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ سعید بن منصور فی السنن، 1/65، الرقم: 12)

حضرت عبد اللہ بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان 40 سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین بلائیں دور فرماتا ہے: پاگل پن، کوڑھ اور برص کے سفید داغ۔ جب وہ 50 سال کو پہنچتا ہے تو اس کے پہلے اور بعد کے گناہ بخش دیتا ہے اور وہ زمین میں اللہ کا قیدی ہوتا ہے اور قیامت کے دن اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی شخص کو جب اسلام میں 40 سال تک عمر دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین قسم کی بلائیں دور فرماتا ہے: پاگل پن، کوڑھ اور سفید داغ۔ پھر جب وہ 50 سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر حساب نرم فرماتا ہے۔ پھر جب وہ 60 سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایسے رجوع فرماتا ہے جیسے وہ پسند کرتا ہے۔ پھر جب وہ 70 سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور اہلِ آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ 80 سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں قبول فرماتا ہے اور اس کی برائیوں سے درگزر کرتا ہے۔ جب وہ 90 سال کو پہنچتا ہے تو اس کے پہلے اور بعد کے گناہ بخش دیتا ہے، اسے زمین میں اللہ کے قیدی کا نام دیا جاتا ہے اور وہ اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔

اسے امام احمد اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے کہا ہے: امام بزار نے اس حدیث کو دو اسانید سے روایت کیا ہے ان میں سے ایک کے رجال ثقہ ہیں۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند، 3/217، الرقم: 13279)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ عمر کے 40 سال مکمل کر لیتا ہے اور 50 ویں سال میں داخل ہوتا ہے تو وہ تین قسم کی بلاؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے: پاگل پن، کوڑھ اور سفید داغ۔ پھر جب وہ 50 سال کو پہنچتا ہے تو اس کا آسان حساب لیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ 60 سال کو پہنچتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتا ہے۔ 70 ویں سال کے شخص سے فرشتے محبت کرتے ہیں۔ 80 ویں سال کے شخص کی نیکیاں قبول کی جاتی ہیں اور اس کی برائیوں سے درگزر کیا جاتا ہے۔ 90 ویں سال کے بندہ کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور وہ اپنے گھر والوں میں سے 170 افراد کی شفاعت کرے گا اور آسمانِ دنیا کے فرشتے اسے زمین میں اللہ کا قیدی لکھ لیتے ہیں۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ البیہقی فی الزہد الکبیر، 2/245، الرقم: 643)

شفاعت سے محروم کرنے والے اسباب کا بیان

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عرب سے دھوکہ کیا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے میری محبت نصیب ہوگی۔ اس حدیث کو امام ترمذی، احمد، ابنِ ابی

شیبہ، بزار اور عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو ہرگز میری شفاعت حاصل نہیں ہوگی: ظالم حکمران اور دین کی حدوں سے نکلنے والا ہر شخص۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام منذری اور ہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کے رُواۃ ثقہ ہیں۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 281/8، الرقم: 8079)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو ہرگز میری شفاعت نہیں پہنچے گی: ظالم جابر حکمران اور دین میں غلو کرنے والا شخص، ان کے خلاف گواہی دی جائے گی اور ان سے بیزاری اختیار کی جائے گی۔ اسے امام طبرانی اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، 213/20، الرقم: 495)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہیں ہوگی: مرجئہ اور قدریہ۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، 174/2، الرقم: 1625)

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ بن مسیب روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب خراسان کے علاقے فتح ہو گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس تشریف لا کر کہا: امیرالمؤمنین! آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی عظیم فتح عطا کی ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں کیوں نہ روؤں، اللہ رب العزت کی قسم! کیا میں اس کی چاہت رکھوں جبکہ ہمارے اور ان کے درمیان آگ کا سمندر ہے۔ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب خراسان کے علاقوں میں عباس کی اولاد فتح کے جھنڈے گاڑے ہوئے آئے گی تو وہ اپنے ساتھ اسلام کی بربادی کا پیغام لے کر آئے گی، جو اس کے جھنڈے تلے ہوا قیامت کے دن اس کو میری شفاعت نہیں پہنچے گی۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی مسند الشامیین، 203/2، الرقم: 1190)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے شفاعت کو جھٹلایا قیامت کے دن وہ اسے حاصل نہیں ہوگی۔ اسے امام قضاعی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ القضاعی فی مسند الشہاب، 248/1، الرقم: 399)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت حق ہے۔ پس جو شخص اس پر یقین نہیں رکھتا وہ شفاعت کا اہل بھی نہیں ہوگا (یعنی شفاعت سے محروم رہے گا)۔ اسے امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، 57/3، الرقم: 4154)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جس نے شفاعت کو جھٹلایا تو اس کا اس میں کوئی

حصہ نہیں۔ اسے امام ہناد اور آجری نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الهنادفی الزہد، 1/143، الرقم:189)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہیں ہوگی: مرجہ اور قدریہ۔ اسے امام ابنِ ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ ابن ابی عاصم فی السنۃ، 2/461، الرقم:946)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہیں ہوگی: مرجہ اور قدریہ۔ اسے امام ابونعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 9/254.)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے میری طرح زندگی بسر کرے، میری طرح وصال پائے، جنتِ عدن اس کا ٹھکانہ ہو جسے میرے رب نے سنوارا ہے پس وہ میری بعد علی کو دوست رکھے اور اس کے دوست کو بھی دوست رکھے اور میرے بعد ائمہ کی اقتداء کرے کیونکہ وہ میرا کنبہ ہے جنہیں میری خلقت پر پیدا کیا گیا ہے (اور انہیں) علم وفہم عطا کیا گیا ہے۔ میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو اُن کی فضیلت کا انکار کریں گے اور اُن کے درمیان میرے رشتے کو کاٹیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں میری شفاعت نصیب نہیں کرے گا۔ اسے امام ابونعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 1/86)

حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب اہلِ جنت جنت میں اور اہلِ جہنم جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! شفاعت کیجئے! پس آپ اپنی امت کے ان افراد کو نکال لیجئے جن سے آپ محبت رکھتے ہیں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملا ہو کہ میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہتا ہو۔ اسے امام ابونعیم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 7/236)

اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری شفاعت ہر آدمی کے لئے جائز ہوگی مگر جو میرے صحابہ کا گستاخ ہوگا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ اسے امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔ (اخرجہ الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 7/236)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے سب سے بہتر شخص ہوں. عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! امت کے اچھے لوگوں کے لئے آپ کیسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے اچھے لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور میری امت کے برے لوگ میری شفاعت کا انتظار کر رہے ہوں گے، خبردار! سن لو کہ وہ قیامت کے دن میری ساری امت کے

لئے ہے سوائے اس شخص کے جو میرے صحابہ کی تنقیص کرے۔اسے امام علاؤالدین ہندی نے روایت کیا ہے۔

(اخرجہ الہندی فی کنز العمال،14/413،الرقم 39111)

حوض کے معنی ومفہوم کا بیان

حوض کے معنی: لغت میں "حوض کے معنی ہیں "پانی جمع ہونا اور بہنا۔اسی لئے جو گندا خون عورتوں کو ہر مہینہ آتا ہے۔" حیض" کہلاتا ہے اور یہ لفظ بھی "حوض" ہی سے مشتق ہے یہاں حوض سے وہ "حوض" (نہر) مراد ہے جو قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہوگا اور جس کی صفات وخصوصیات اس باب میں نقل ہونے والی احادیث سے معلوم ہوں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو حوض ہوں گے۔ایک حوض تو میدان محشر میں پل صراط سے پہلے عطا ہوگا اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا اور دونوں کا نام کوثر ہوگا۔واضح رہے کہ عربی میں " کوثر" کے معنی ہیں خیر کثیر یعنی بیشمار بھلائیاں اور نعمتیں! پھر زیادہ صحیح یہ ہے کہ میدان حشر میں جو حوض عطا ہوگا وہ "میزان" کے مرحلہ سے پہلے ہی ہوگا پس لوگ اپنی قبروں سے پیاس کی حالت میں نکلیں گے اور پہلے حوض پر آئیں گے۔

اس کے بعد میزان (یعنی اعمال کے تولے جانے) کا مرحلہ پیش آئے گا۔اسی طرح میدان حشر میں ہر پیغمبر کا اپنا حوض ہوگا جس پر اس کی امت آئے گی چنانچہ اس وقت تمام پیغمبر آپس میں فخر کا اظہار کریں گے کہ دیکھیں کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

حوض کوثر کے کناروں پر موتیوں کے گنبد ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"میں (معراج کی رات میں) جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا! جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے میں نے پوچھا کہ جبرائیل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ حوض کوثر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مثل مشک تیز خوشبودار تھی۔(بخاری،مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر140)

مجوف" کے معنی ہیں کھوکھلا! مجوف موتی کے گنبدے سے مراد یہ ہے کہ حوض کوثر کے دونوں کناروں پر جو گنبد اور قبے ہیں وہ اینٹ پتھر اور چونے گارے جیسی چیزوں سے تعمیر شدہ نہیں ہیں بلکہ ہر گنبد دراصل ایک بہت بڑا موتی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور جس میں نشست ورہائش کی جملہ آسائشیں موجود ہیں" جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔"کے ذریعہ آیت کریمہ انا اعطینك الکوثر کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر میں بہت سے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت کریمہ میں" کوثر" سے مراد" خیر کثیر یعنی بیشمار بھلائیاں اور نعمتوں کی کثرت" ہے جو پروردگار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے، اس میں نبوت ورسالت، قرآن کریم اور علم وحکمت کی نعمتیں بھی شامل ہیں اور امت کی

کثرت اور وہ تمام مراتب عالیہ بھی شامل ہیں جن میں ایک بہت بڑی نعمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں مقام محمود، لوائے محمود اور مذکورہ حوض کا عطا کیا جانا ہے۔ اس اعتبار سے اس بارہ میں کوئی منافات نہیں ہے کہ " کوثر" سے مراد " حوض کوثر" ہے یا " خیر کثیر " مراد ہونے کی صورت میں بشمول حوض کوثر، تمام ہی نعمتیں اور بھلائیاں اس میں شامل ہو جائیں گی اس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو " کوثر" عطا کیا ہے اسی میں کی ایک چیز یہ " حوض کوثر" ہے! بعض مفسرین نے " کوثر" کی مراد " اولاد اور علماء امت " لکھا ہے، لیکن یہ قول بھی " خیر کثیر " کے قول کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں (یعنی اولاد اور علماء امت) بھی " خیر کثیر " ہی میں داخل ہیں۔

جنت اور دوزخ کے فنا نہ ہونے کا بیان

الْجنَّة وَالنَّار لَا تفنيان

وَالْمقصاص فِيمَا بَين الْخُصُوم بِالْحسَنَاتِ يَوْم الْقِيَامَة حق وَإِن لم تكن لَهُم الْحَسَنَات فَطرح السَّيِّئَات عَلَيْهِم حق جَائِز وَالْجنَّة وَالنَّار مخلوقتان لَا تفنيان ابدا وَلَا يفنى عِقَاب الله تَعَالَى وثوابه سرمدا وَالله تَعَالَى يهدى من يَشَاء فضلا مِنْهُ ويضل من يَشَاء عدلا مِنْهُ واضلاله خذلانه وَتَفْسِير الخذلان ان لَا يوفق العَبْد اِلَى مَا يرضاه وَهُوَ عدل مِنْهُ وَكَذَا عُقُوبَة المخذول على الْمعْصِيَة

اور قیامت کے دن نیکیوں کے ساتھ بدلہ دینا جھگڑنے والوں کے درمیان حق ہے۔ اور ان اگر ان کے پاس نیکیوں نہ ہوئیں تو دوسروں کے گناہ ڈالے جانا حق جائز ہے۔

اور جنت اور دوزخ دونوں مخلوق ہیں جو کبھی بھی فنا نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اور ثواب ختم نہ ہونے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔ اور وہ گمراہ کر دیتا ہے جس وہ چاہتا ہے یہ اس کا عدل ہے۔ اور اس کا گمراہ کرنا رسوا کرنا ہے۔ اور خذلان کا معنی یہ ہے کہ وہ بندے کو توفیق نہیں دیتا جس چیز کو وہ پسند کرتا ہے۔ اور یہ بھی اس کا عدل ہے۔ اور اسی طرح رسوائی والے شخص کو سزا دینا بھی اس کا عدل ہے۔

آخرت کے حساب وقصاص کا بیان

حساب " کے معنی ہیں گنتا، شمار کرنا! اور یہاں سے مراد ہے قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کو گننا اور ان کا حساب کرنا! واضح رہے کہ حق تعالیٰ کی علیم وخبیر ذات کو سب کچھ معلوم ہے اور بندہ اس دنیا میں جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس پر روشن وعیاں ہے لیکن قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کا حساب اس لئے ہوگا تا کہ ان پر حجت قائم ہو اور تمام مخلوق پر روشن ہو جائے کہ دنیا میں کس نے کیا کیا ہے اور کون کس درجہ کا آدمی ہے! پس قیامت کے دن کا یہ حساب قرآن مجید اور صحیح

احادیث سے ثابت ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

"قصاص" کے معنی بدلہ ومکافات کے ہیں یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی کرنا! مثلا اگر کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی قتل کرنا اور اگر کسی شخص نے کسی شخص کو زخمی کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی زخمی کرنا قصاص کہلاتا ہے قیامت کے دن، جان کا بدلہ جان، زخم اور تکلیف ہوگا اور دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا کہ خواہ اس کو آزردہ کیا ہو اور خواہ کوئی بھی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچائی ہو اور وہ چیونٹی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا اگرچہ وہ مکلف نہ ہو چنانچہ تمام حیوانات کو بھی قیامت کے دن اسی لئے اٹھایا جائے گا تا کہ ان کو بھی ایک دوسرے کا بدلہ دلوایا جا سکے مثلا اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ بکری کو مارا ہوگا تو اس دن اس کو قصاص یعنی بدلہ دینا ہوگا۔ "میزان" اس چیز سے تعبیر ہے جس کے ذریعہ بندوں کے اعمال کی مقدار وحیثیت جانی جا سکے اور جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ چیز میزان یعنی ترازو ہی کی شکل میں ہوگی جس کے دو پلے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی اور دونوں پلوں کے درمیان مشرق ومغرب جیسا فاصلہ ہوگا اس میزان کے ذریعہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے یعنی ایک پلے میں نیکیوں کے اعمال نامے اور دوسرے پلے میں برائیوں کے اعمال نامے رکھے جائیں گے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حسنات یعنی نیک اعمال کو اچھی صورتوں میں اور سیأت یعنی برے عمل کو بری صورتوں میں ڈھال دیا جائے گا اور ان دونوں کو تولا جائے گا لیکن بعض روایتوں میں پہلا قول ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں جو نصوص ہیں ان کا ظاہری مفہوم اسی پر دلالت کرتا ہے۔

آسان اور سخت حساب کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا وہ تباہ ہو جائے گا (یعنی جو بھی شخص سخت حساب اور دارو گیر سے دوچار ہوگا اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں ہوگا نیز یہاں "تباہ ہونے" سے مراد عذاب میں مبتلا ہونا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (جب میں نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشاد ایک کلیہ کے طور پر سنا تو میرے ذہن میں اشکال پیدا ہوا اور اسی اشکال کو دور کرنے کے لئے) میں نے عرض کیا کہ " کیا اللہ تعالیٰ نے اہل نجات کے حق میں یہ نہیں فرمایا کہ (فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيْرًا) (84۔الانشقاق:8) یعنی (جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا" پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو " (اور جب حساب آسان ہوگا تو اس کے تباہ ہونے کے کیا معنی ہوں گے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے اس اشکال کو دور کرنے کے لئے) فرمایا۔ "یہ آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا (یعنی جس کو سخت باز پرس اور دارو گیر سے گزرنا پڑے گا) اور وہ یقینا تباہ ہوگا۔ "(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 123)

آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ پس قریب

ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو۔" تو آسان حساب ہونے سے مراد ہے کہ اس کے اچھے اور برے اعمال اس کو بتلا دیئے جائیں گے مثلاً اس سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ کیا ہے، وہ کیا ہے اور برے اعمال پر مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جس شخص کے حساب میں دار و گیر اور باز پرس کا دخل ہو جائے گا، اس سے ایک ایک چیز اور ہر چھوٹے بڑے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس پر محاسبہ و مواخذہ کی سخت کاروائی نافذ کی جائے گی تو اس شخص کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں ہوگا پس وہ تباہ ہو جائے گا اور حقیقت میں حساب یہی ہے۔ اس بات کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کلیہ کو ظاہر کرتا ہے کہ جو بھی شخص حساب کے مرحلہ سے گزرے گا وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن قرآن کی مذکورہ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گزرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا اس سے گویا قرآن کی آیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے؟ لہٰذا اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں "حساب" سے مراد صرف عرض ہے یعنی ان لوگوں کے سامنے (کہ جن کو نجات یافتہ قرار دینا مقصود ہوگا ان کے اعمال کی فہرست کھول کر رکھ دی جائے گی، چنانچہ انہوں نے جو برے اعمال کئے ہوں گے وہ ان کا اعتراف و اقرار کریں گے اور حق تعالیٰ اپنا فضل و کرم ظاہر کرتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے گا اس کے برخلاف حدیث میں "حساب" سے مراد واقعی محاسبہ و مواخذہ اور دار و گیر ہے جس کو "حساب میں مناقشہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس محاسبہ و دار و گیر کی بنیاد اظہار عدل ہوگا۔

بزار وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے یہ تین اچھی باتیں ہوں گی اس سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا (اور وہ تین اچھی باتیں یہ ہیں کہ تم اس شخص کو (اخلاقی جسمانی اور مالی مدد پہنچاؤ جو تمہیں اپنی مدد سے محروم رکھے تم اس شخص کے ساتھ درگزر کا معاملہ کرو جو تمہارے اوپر ظلم کرے اور تم اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تمہارا مقاطعہ کرے۔

جنت اور دوزخ اور شکوے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت و دوزخ نے آپس میں بحث و تکرار کی چنانچہ دوزخ نے تو یہ کہا کہ مجھے سرکش و متکبر اور ظالموں کے لئے چھانٹا گیا ہے اور جنت نے یہ کہا کہ میں اپنے بارے میں کیا کہوں میرے اندر بھی تو وہی لوگ داخل ہوں گے جو ضعیف و کمزور ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں اور جو بھولے بھالے اور فریب میں آجانے والے ہیں۔ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت کے اظہار کا ذریعہ اور میرے کرم کی آماجگاہ کے علاوہ اپنے بندوں سے جس کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہتا ہوں اس کے لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں۔ اور دوزخ سے فرمایا تو میرے عذاب کا محل و مظہر ہونے کے علاوہ کچھ نہیں میں اپنے بندوں میں سے جس کو عذاب

دینا چاہتا ہوں اس لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں اور میں تم دونوں ہی کو لوگوں سے بھر دوں گا البتہ دوزخ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوگا کہ وہ اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک کہ اس پر اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں نہ رکھ دے گا، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ رکھ دے گا تو دوزخ پکار اٹھے گی کہ بس، بس، بس، اس وقت دوزخ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھر جائے گی اور اس کے حصوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا جائے گا (پس وہ سمٹ جائے گی) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا رہا جنت کا معاملہ تو (اس کے بھرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ نئے لوگ پیدا کر دے گا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 258)

جنت ودوزخ نے آپس میں بحث وتکرار کی" کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے گویا اپنے اپنے بارے میں ایک طرح کا شکوہ شکایت کیا دوزخ کا کہنا اگر یہ تھا کہ سرکش وظالم لوگوں کے لئے مجھے ہی کیوں مخصوص کیا گیا تو جنت نے یہ کہا کہ میرا معاملہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے میرے اندر بھی تو انہی لوگوں کو داخل کیا جائے گا دنیا میں جن کی کوئی شان وشوکت نہیں ہے اور کمزور جسم لاغر بدن خستہ حال ومفلس اور لوگوں کی نظروں میں بے وقعت ہیں ان دونوں کا شکوہ سن کر اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کیا کہ تم میں سے کسی کا بھی اس کے علاوہ کوئی معاملہ نہیں کہ تم دونوں کو محض میری مشیت اور مصلحت کے نتیجہ میں وجود میں لایا گیا ہے کہ میں نے ایک کو اپنی رحمت اور لطف وکرم کا اور دوسری کو اپنے قہر وغضب کا محل ومظہر بنایا پس مؤمن اور کافر کی طرح تم دونوں بھی، یعنی جنت ودوزخ دراصل خدائی جمال وجلال کے مظاہر کا نقطہ کمال ہو اور تم دونوں میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے جس سے دوسرے کے مقابلہ پر اس کی فضیلت وبرتری ظاہر ہو اگرچہ اتنی بات ضرور ہے کہ دوزخ کے معاملات کا تعلق عدل وانصاف سے جڑا ہوا ہے اور جنت کے معاملات "فضل وکرم" سے تعلق رکھتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں" یعنی وہ لوگ جو اگرچہ اپنے عقیدہ وعمل اور اخلاق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر ومنزلت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں یعنی علماء وصلحاء اور ارباب باطن کی نظروں میں بھی انہیں قدر ومنزلت ہی حاصل ہوتی ہے۔

لیکن ظاہری طور پر ان کے کمزور وضعیف خستہ حال اور غریب ونادار ہونے کی وجہ سے اکثر دنیا والے ان کو حقیر وکمتر اور ناقابل اعتناء سمجھتے ہیں نیز میرے اندر وہی لوگ داخل ہوں گے جو کمزور وضعیف ہیں میں جو حصر ہے اس سے مراد اکثر واغلب" ہے کہ جنت میں زیادہ تر لوگ اسی زمرہ کے ہوں گے، ورنہ جنت میں جانے والے تو انبیاء ورسول بھی ہوں گے اور سلاطین وامراء بھی! یا یہ کہا جائے کہ ضعفاء (ضعیف وکمزور) سے مراد وہ بندے ہیں جو پروردگار کے سامنے بھی ذلت وفروتنی ظاہر کرتے ہیں، مخلوق کے ساتھ بھی تو تواضع وانکساری کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور خود اپنی نظر میں بھی اپنے کو گرائے رکھتے ہیں۔ "جو بھولے بھالے اور فریب میں آ جانے والے ہیں۔" یعنی وہ لوگ فکر آخرت میں سرگرداں رہنے کی وجہ سے دنیاوی امور سے غافل اور دنیاوی معاملات میں ناتجربہ کار رہتے ہیں اس لئے دنیا ان کو بڑی آسانی کے ساتھ بیوقوف بنا دیتے ہیں اپنے مکر وفریب کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔

اسی اعتبار سے ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ اہل جنت کی اکثریت دنیاوی امور سے نابلند اور نادان) لوگوں پر مشتمل ہوگی ان کے مقابلہ پر کافر ومنافق دنیاوی معاملات میں بڑے چالاک اور مکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کے معاملات کو سب کچھ سمجھ کر اپنے فکر وعمل کی پوری توانائی ادھر ہی لگائے رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون وہ دوزخ اس وقت تک نہیں بھرے گی۔۔۔۔۔۔الخ۔یعنی جتنے لوگوں کا دوزخ میں جانا مقدر ہوگا ان سب کے دوزخ میں پہنچ جانے کے بعد بھی جب دوزخ کا پیٹ نہیں بھرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مزید دوزخیوں کا مطالبہ کرے گی، قرآن کریم میں ہے یوم نقول لجھنم ھل امتلئت وتقول ھل من مزید لیکن اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ بھرنے کے لئے یہ نہیں کرے گا کہ بے گناہ لوگوں کو جہنم میں بھردے یا جو گناہ گار بخشے جانے والے ہوں گے انہیں کو دوزخ کے سپرد کردے یا نئے لوگ اس لئے پیدا کرے کہ ان کو دوزخ کا پیٹ بھرنے کے کام میں لایا جائے، بلکہ یہ کرے گا کہ اپنا پیر دوزخ پر رکھ دے گا جس سے دوزخ کے تمام اطراف ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گی اور دوزخ کا پیٹ سمٹ کر وہاں موجود لوگوں سے بھر جائے گا، یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا تو اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کا پیٹ بھرنے کے لئے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کرے گا جس کو صورتا ظلم سے تعبیر کیا جاسکتا ہو، ورنہ اصل بات یہ ہے اگر پروردگار بے گناہ لوگوں ہی کو دوزخ میں ڈال کر اس کا پیٹ بھرے تو حقیقت میں اس کو ظلم نہیں کہیں گے کیونکہ اپنی ملکیت میں کسی طرح کے بھی تصرف کو ظلم قرار نہیں دیا جاتا مگر اللہ تعالیٰ صورۃ ظلم بھی نہیں کرے گا اس ضمن میں یہ ذکر کردینا بھی ضروری ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف "پاؤں" کی نسبت متشابہات میں سے ہے جیسا کہ اس کے لئے ہاتھ آنکھ اور چہرے کے ذکر کو متشابہات میں شمار کیا جاتا ہے اور متشابہات کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ بس یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس سے جو کچھ مراد ہے وہی درست اور حق ہے اس کی حقیقت وکیفیت کی جستجو میں نہ پڑا جائے یہی سب سے بہتر راستہ ہے اور اسی کو سلف نے اختیار کیا ہے۔

تاہم متاخرین ارباب طویل میں سے بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے "پیر" سے مراد اس کی مخلوق میں سے کسی کا پیر ہے، اس کے علاوہ بعض لوگوں نے کچھ اور ایسی تاویلیں بھی کی ہیں جو ذات اقدس تعالیٰ کی شان کے مطابق ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان کو یہاں ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔ جنت کو بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نئے لوگ پیدا کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جمع کر کے جنت میں داخل کردے گا جنہوں نے کبھی کوئی عمل نہیں کیا ہوگا اور جنت کے مستحق نہیں ہوں گے پس یہ رب کریم کی شان رحمت کا اظہار ہوگا کہ وہ دوزخ کو بھرنے کے لئے بے گناہ لوگوں کو تو اس میں نہیں ڈالے گا لیکن بہشت کو بھرنے کے لئے بے عمل لوگوں کو اس میں داخل کردے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو بنایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ ذرا جنت کی طرف نگاہ اٹھا کر تو دیکھو، (میں نے کتنی

اچھی اور کس قدر نازک اور دیدہ زیب چیز بنائی ہے چنانچہ وہ گئے اور جنت کو اور اس کی ان تمام چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے بنائی ہیں دیکھا، پھر واپس آ کر عرض کیا کہ پرودگار تیری عزت کی قسم (تو نے اتنی اعلیٰ اور نفیس جنت بنائی ہے اور اس کو ایسی ایسی نعمتوں اور خوبیوں سے معمور کیا ہے کہ) جو کوئی بھی اس کے بارے میں سنے گا وہ اس میں داخلہ کی یقیناً خواہش کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے جنت کے چاروں طرف ان چیزوں کا احاطہ قائم کر دیا، جو نفس کو ناگوار ہیں اور فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام جا کر جنت کو دوبارہ دیکھ آؤ چنانچہ وہ گئے اور جنت کو اس اضافہ کے ساتھ جو چاروں طرف احاطہ کی صورت میں ہوا تھا) دیکھ کر واپس آئے اور عرض کیا کہ پروردگار! تیری عزت کی قسم مجھے یہ خدشہ ہے کہ اب شاید ہی کوئی جنت میں داخل ہونے کی خواہش کرے (کیونکہ اس کے گرد مکروہات نفس کا جو احاطہ قائم کر دیا گیا ہے اس کو عبور کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو مارنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ انسان خواہشات نفس کو مار کر جنت تک پہنچنا دشوار سمجھے گا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ بنائی تو حکم دیا کہ جبرائیل علیہ السلام! جاؤ دوزخ کو دیکھ کر آؤ کہ میں نے کتنی ہولناک اور بری چیز بنائی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس جبرائیل گئے اور دوزخ کو دیکھ کر واپس آئے تو عرض کیا کہ پروردگار! تیری عزت وجلال کی قسم جو کوئی بھی دوزخ کے بارے میں سنے گا وہ ڈر کے مارے اس سے دور رہے گا اور اس میں جانے کی خواہش نہ کرے گا، تب اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے چاروں طرف خواہشات اور لذات دنیا کا احاطہ قائم کر دیا اور جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جبرائیل! جاؤ دوزخ کو دوبارہ دیکھ کر آؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ حضرت جبرائیل گئے اور دوزخ کو اس احاطہ کے اضافہ کے ساتھ دیکھ کر واپس آئے اور عرض کیا کہ پروردگار! تیری عزت وجلال کی قسم، مجھے خدشہ ہے کہ اب شاید ہی کوئی باقی بچے جو دوزخ میں نہ جائے کیونکہ جن خواہشات نفس اور لذات دنیا کا احاطہ دوزخ کے چاروں طرف کر دیا گیا ہے وہ اس قدر دلفریب اور اتنی زیادہ مزیدار ہیں کہ نفس طبیعت کی پیروی کرنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو ان خواہشات ولذات کی طرف نہ لپکے اور اس کے نتیجہ میں دوزخ میں نہ جانا پڑے۔

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 260)

مکارہ اصل میں مکرہ کی جمع ہے جس کی معنی ہیں مکروہ یعنی ناپسندیدہ ودشوار چیز یہاں مکارہ سے مراد وہ شرعی امور ہیں جن کا انسان کو مکلف قرار دیا گیا ہے کہ فلاں فلاں کو اختیار کیا جائے اور فلاں فلاں سے اجتناب کیا جائے پس جنت کے چاروں طرف مکارہ کا احاطہ قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے کی تکلیف ومشقت اٹھائی جائے گی نفس کی خواہشات اور اس کی تمناؤں کو ختم نہ کر دیا جائے گا اس وقت تک جنت میں داخل ہونا ناممکن ہوگا۔

عذاب قبر کا بیان

عَذَابُ الْقَبْرِ

وَلَا يجوزُ ان نقُول اِن الشَّيطَان يسلب الْإِيمَان من العَبْد الْمُؤمن قهرا وجبرا وَلَكِن نقُول العَبْد يدع الْإِيمَان فَحِينَئِذٍ يسلبه مِنْهُ الشَّيطَان

وسؤال مُنكر وَنَكِير حق كَائِن فِي الْقَبْر واعادة الرّوح اِلَى الْجَسَد فِي قَبره حق وضغطة الْقَبْر وعذابه حق كَائِن للْكفَّار كلهم ولبعض عصاة الْمُؤمنِينَ حق جَائِز وكل شَيْء ذكره الْعلمَاء بِالْفَارِسِيَّةِ من صِفَات الله عز اسْمه فَجَائِز القَوْل بِهِ سوى الْيَد بِالْفَارِسِيَّةِ وَيجوز ان يُقَال (بروىء خد) اَى عز وَجل بِلَا تَشْبِيه وَلَا كَيْفيَّة

ترجمہ

اور ہمارے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ہم کہیں کہ بے شیطان بندہ مؤمن سے زبردستی یا زیادتی کرتے ہوئے اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔لیکن ہم یہ کہیں گے کہ بندہ ایمان کو چھوڑ بیٹھتا ہے پس اس طرح شیطان اس سے چھین لیتا ہے۔

قبر میں منکر نکیروں کا سوال کرنا حق ہے اور روح جسم کی طرف لوٹ کر آنا قبر میں یہ بھی حق ہے۔اور قبر کی سختی اور عذاب جو تمام کفار اور بعض گناہگار مؤمنوں کو بھی ہوگا۔اور ہر وہ چیز جس کا ذکر علماء نے فارسی زبان میں کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے تو وہ جائز ہے جبکہ ید یعنی ہاتھ کا اطلاق فارسی زبان میں درست نہیں ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے ، بروئے خدا یعنی جب اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی تشبیہ اور کیفیت کہ کہا جائے۔

ائمہ سلف کا مذہب

مرنے کے بعد میت یا تو نعمتوں میں اور یا پھر عذاب میں ہوتی ہے۔جو کہ روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے روح بدن سے جدا ہونے کے بعد یا تو نعمتوں میں اور یا عذاب میں ہوتی اور بعض اوقات بدن کے ساتھ ملتی ہے تو بدن کے ساتھ عذاب اور نعمت میں شریک ہوتی اور پھر قیامت کے دن روحوں کو جسموں میں لوٹایا جائے گا تو وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف نکل کھڑے ہوں گے جسموں کا دوبارہ اٹھنا اس میں مسلمان اور یہودی اور عیسائی سب متفق ہیں۔

(الروح (ص/ 51-52)

علماء اس کی مثال اس طرح دیتے ہیں کہ انسان خواب میں بعض اوقات یہ دیکھتا ہے کہ یہ کہیں گیا اور اس نے سفر کیا یہ پھر اسے سعادت ملی ہے حالانکہ وہ سویا ہوا ہے اور بعض اوقات وہ غم وحزن اور افسوس محسوس کرتا ہے حالانکہ وہ اپنی جگہ پر دنیا میں ہی موجود ہے تو برزخی زندگی بدرجہ اولی مختلف ہوگی جو کہ اس زندگی سے مکمل طور پر مختلف ہے اور اسی طرح آخرت کی زندگی میں بھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:اگر یہ کہا جائے کہ میت کو قبر میں اپنی حالت پر ہی دیکھتے ہیں تو پھر کس طرح اس سے

سوال کیا جاتا اور اسے بٹھایا اور لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے اور اس پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے بلکہ اس کی مثال اور نظیر عام طور پر نیند میں ہے کیونکہ سویا ہوا شخص بعض اوقات کسی چیز پر لذت اور یا پھر تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کرتے اور اسی طرح بیدار شخص جب کچھ سوچ رہا ہوتا یا پھر سنتا ہے تو اس کی لذت اور یا تکلیف محسوس کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص اس کا مشاہدہ نہیں کرتا اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام آتے اور انہیں وحی کی خبر دیتے تھے لیکن حاضرین کو اس کا ادراک نہیں ہوتا تھا تو یہ سب کچھ واضح اور ظاہر ہے۔ (شرح مسلم/2017/1)

امام بخاری اور عذاب قبر

فتح الباری شرح صحیح البخاری از احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی کے مطابق

لم يتعرض المصنف في الترجمة لكون عذاب القبر يقع على الروح فقط، او عليها وعلى الجسد، وفيه خلاف شهير عند المتكلمين، وكانه تركه لان الادلة التي يرضاها ليست قاطعة في احد الامرين، فلم يتقلد الحكم في ذلك، واكتفى باثبات وجوده، خلافًا لمن نفاه مطلقًا من الخوارج، وبعض المعتزلة، كضرار بن عمرو وبشر المريسيّ ومن وافقهما. وخالفهما في ذلك اكثر المعتزلة، وجميع اهل السُّنّة وغيرهم، واكثروا من الاحتجاج له. وذهب بعض المعتزلة كالجبائيّ الى انه يقع على الكفار دون المؤمنين، وبعض الاحاديث الآتية عليهم ايضًا.

مصنف امام بخاری نے یہاں ترجمہ میں اس پر زور نہیں دیا (یا ظاہر نہیں کیا) کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے یا روح پر اور جسم (دونوں) پر ہوتا ہے اور اس کے خلاف متکلمین میں بہت کچھ مشہور ہے اور گویا کہ (قصداً) انہوں نے ترک کیا کیونکہ دلائل جس سے راضی ہوں وہ قطعی نہیں تھے پس انہوں نے اس پر حکم نہیں باندھا اور صرف اثبات وجود (عذاب قبر) پر ہی اکتفاء کیا ہے یہ خلاف ہے اس نفی مطلق کے جو خوارج اور بعض المعتزلۃ نے کی ہے جیسے ضرار بن عمرو اور بشر المریسی اور وہ جنہوں نے ان کی دونوں کی موافقت کی اور اس کی (عذاب قبر کے انکار کی) اکثر المعتزلۃ اور اہل سنت نے مخالفت کی اور اس سے الاحتجاج لینے والوں کی اکثریت ہے اور بعض المعتزلۃ جیسے الجبائی کہتے ہیں یہ (صرف) کفار کو ہوگا مومنوں پر نہیں اور بعض احادیث سے اس پر اخذ کیا ہے یہ اقوال ثابت کرتے ہیں کہ تمام المعتزلۃ عذاب قبر کے انکاری نہیں تھے بلکہ ایک دو ہی افراد تھے۔

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَاَنَّ اللّٰہَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ (الحج)

"اور بے شک اللہ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں (قیامت کے دن) اٹھائے گا"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے مفہوم کو ایک باب قائم کر کے اس طرح واضح کرتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں کا بیان ۔۔۔ اقبرہ، اقبرت الرجل، اقبرہ کے معنی ہیں میں نے اس کے لئے قبر بنائی۔ قبرتہ کے معنی ہیں میں نے اس کو قبر میں دفن کیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز)

اقبرہ کا مطلب ہے "اس کو قبر میں رکھوادیا" اقبر، اقبار سے جس کے معنی قبر میں رکھنے اور رکھوانے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، ضمیر واحد مذکر غائب ہے۔ (لغات القرآن ج 1 ص 183)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ وہ قبر کا وجود زمین ہی میں مانتے ہیں اور کسی برزخی قبر سے وہ واقف نہیں ہیں۔ پس فاقبرہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے (دوسرے انسانوں کے توسط سے) قبر عطا کی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے قرض کی تحریر لکھوانے والے کاتب کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے قرض کی تحریر لکھوانے میں انکار نہیں کرنا چاہیے: (کما علمه الله) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنا سکھایا ہے۔ (البقرہ 282) اب جس طرح اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے لکھنا نہیں سکھایا بلکہ دیگر انسانوں کے ذریعے لکھنا سکھایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے انسانوں کے ذریعے قبر عطا کی ہے۔ قرآن کریم اپنی وضاحت خود کرتا ہے۔ اور قرآن کی آیات کی تشریح و وضاحت، قرآن کی دوسری آیات پر یا احادیث نبویہ کرتی ہیں۔ اور قرآن کریم کی آیات سے واضح ہو چکا ہے کہ قبر اس معروف قبر کو کہتے ہیں کہ جو زمین میں بنائی جاتی ہے۔

شَرْحُ صَحِيحِ مُسْلِمِ لِلْقَاضِي عِيَاضِ الْمُسَمَّى إِكْمَالُ الْمُعْلِمِ بِفَوَائِدِ مُسْلِمِ از قاضی عیاض بن موسٰی (المتوفی: 544ھ) کے مطابق

وان مذهب اهل السنة تصحيح هذه الاحاديث وامرارها على وجهها؛ لصحة طرقها، وقبول السلف لها. خلافًا لجميع الخوارج، ومعظم المعتزلة، وبعض المرجئة؛ اذ لا استحالة فيها ولا رد للعقل، ولكن المعذب الجسد بعينه بعد صرف الروح اليه او الى جزء منه، خلافاً لمحمد بن جرير (3) وعبد الله بن كرام (4) ومن قال بقولهما؛ من انه لا يشترط الحياة؛ اذ لا يصح الحس والالم واللذة الا من حي .

اور اہل سنت کا مذہب ان احادیث کی تصحیح ہے اور اس کو ظاہر پر منظور کرتے ہیں اس سے صحیح طرق کی وجہ سے اور سلف کے قبول کی وجہ سے اور خلاف ہے یہ تمام خوارج اور المعتزلۃ کے بڑوں اور المرجئۃ کے کیونکہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں اور عقل کا رد نہیں ہے بلکہ جسد جیسا ہے اس کی طرف روح لانے پر یا اس کے اجزاء پر عذاب ہے اور یہ خلاف ہے امام طبری اور عبداللہ بن کرام کے اور وہ جس نے اس جیسا قول کہا کہ عذاب کی شرط زندگی نہیں ہے

کیونکہ اگر حس صحیح نہیں تو الم ولذت تو نہیں ہے سوائے زندہ کے لئے

کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں العینی لکھتے ہیں۔

وَقَالَ الصَّالِحِي من الْمُعْتَزِلَة وَابْن جرير الطَّبَرِيّ وَطَائِفَة من الْمُتَكَلِّمين يجوز التعذيب على الْمَوْتَى من غير احْيَاء وَهَذَا خُرُوج عَن الْمَعْقُول لِأَن الجماد لَا حس لَهُ فَكيف يتَصَوَّر تعذيبه

اور (ابوحسین محمد بن مسلم) الصَّالحی (مصنف کتاب الْادراک) نے المُعْتَزِلَۃ میں سے اور امام طبری نے اور متکلمین کے ایک گروہ نے جائز کیا ہے کہ بغیر زندگی کے مردوں پر عذاب ہو اور یہ عقل سے عاری بات ہے کیونکہ جمادات میں حس نہیں ہوتی تو پھر عذاب کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

علامہ عینی کے قول سے ثابت ہے جسد بلا روح پر عذاب المُعْتَزِلَۃ کا عقیدہ تھا جس کو غیر مقلدین اختیار کر چکے ہیں۔

کتاب التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ از القرطبی (المتوفی: 671ھ) کے مطابق

وقال الاكثرون من المعتزلة: لا يجوز تسمية ملائكة الله تعالى بمنكر ونكير، وانما المنكر ما يبدو من تلجلجله اذا سئل، وتقريع الملكين له هو النكير، وقال صالح: عذاب القبر جائز، وانه يجرى على الموتى من غير رد الارواح الى الاجساد، وان الميت يجوز ان يالم ويحس ويعلم. وهذا مذهب جماعة من الكرامية. وقال بعض المعتزلة: ان الله يعذب الموتى في قبورهم، ويحدث فيهم الآلام وهم لا يشعرون، فاذا حشروا وجدوا تلك الآلام. وزعموا ان سبيل المعذبين من الموتى، كسبيل السكران او المغشى عليه، لو ضربوا لم يجدوا الآلام، فاذا عاد اليهم العقل وجدوا تلك الآلام، واما الباقون من المعتزلة. مثل ضرار بن عمرو وبشر المريسي ويحيىٰ بن كامل وغيرهم، فانهم انكروا عذاب القبر اصلاً، وقالوا: ان من مات فهو ميت في قبره الى يوم البعث وهذه اقوال كلها فاسدة تردها الاخبار الثابتة وفي التنزيل: (النار يعرضون عليها غدواً وعشياً) . وسياتي من الاخبار مزيد بيان، وبالله التوفيق والعصمة والله اعلم.

اور المعتزلۃ میں سے اکثر کا کہنا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو منکر نکیر نہیں کہنا چاہیے اور صالح نے کہا عذاب قبر جائز ہے اور یہ مردوں پر ہوتا ہے روحیں لوٹائے بغیر اور میت کے لئے جائز ہے کہ وہ الم کا احساس کرے اور جانتی ہو اور یہ مذہب کرامیہ کی ایک جماعت کا ہے اور بعض المعتزلۃ نے کہا اللہ مردوں کو قبروں میں عذاب کرتا ہے اور ان پر الم اتا ہے اور وہ اس کا شعور نہیں کرتے لیکن جب حشر ہو گا ان کو اس کا احساس ہو گا اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ مردوں میں عذاب پانے والے ایک بے ہوش اور غشی والے شخص کی طرح ہیں اس پر ضرب لگاؤ تو اس کو

احساس نہیں ہوتا لیکن جب عقل اتی ہے تو اس کو احساس ہوتا ہے اور المعتزلہ میں باقی کہتے ہیں مثلا ضرار اور بشر اور یحییٰ اور دیگر یہ وہ ہیں جنہوں نے اصلا عذاب کا انکار کیا ہے اور کہتے ہیں جو مراد میت ہے اپنی قبر میں قیامت تک کے لئے اور یہ تمام اقوال فاسد ہیں جو رد ہوتے ہیں ثابت خبروں سے اور قرآن میں ہے ال فرعون اگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔

قرطبی کے بقول بعض المعتزلہ اور کرامیہ کا عقیدہ ایک تھا کہ میت بلا روح عذاب سہتی ہے جو آج کل کے غیر مقلدین کا عقیدہ ہے۔

الاعلام بفوائد عمدۃ الاحکام ابن الملقن الشافعی المصری (المتوفی: 804ھ) کے مطابق

وقال بعضهم: عذاب القبر جائز وانه يجرى على (الموتى) من غير رد ارواحهم الى اجسادهم وان الميت يجوز ان يالم ويحس وهذا مذهب جماعة من الكرامية . وقال بعض المعتزلة: ان الله يعذب (الموتى) في قبورهم ويحدث فيهم الآلام وهم لا يشعرون فاذا حُشروا وجدو تلك الآلام، كالسكران والمغشى عليه، لو ضربوا لم يجدوا المًا فاذا عاد عقلهم اليهم وجدوا تلك الآلام . واما الباقون سنن المعتزلة مثل ضرار بن (عمرو) وبشر المريسى ويحيىٰ بن ابى كامل وغيرهم: فانهم انكروا عذاب القبر اصلًا . وهذه اقوال كلها فاسدة تردها الاحاديث الثابتة، والله الموفق . والى الانكار ايضًا ذهبت الخوارج وبعض المرجئة. ثم المعذب عند اهل السنة: الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه (او) الى جزء منه، وخالف في ذلك محمد بن (حزم) وابن كرام وطائفة، فقالوا: لا يشترط اعادة الروح، وهو فاسد توضحه الرواية السالفة (سمع صوت انسانين يعذبان) فان الصوت.لا يكون (الّا) من جسم حي اجوف .

اور بعض کہتے ہیں عذاب قبر جائز ہے اور یہ مردوں کو ہوتا ہے روح لوٹائے بغیر اور یہ میت کے لئے جائز ہے کہ احساس الم کرے اور یہ کرامیہ کی جماعت کا مذہب ہے اور بعض المعتزلہ کہتے ہیں اللہ مردوں کو قبروں میں عذاب کرتا ہے اور ان پر الم ہوتا ہے لیکن ان کو اسکا شعور نہیں ہے پس جب حشر ہو گا ان کو یہ الم مل جائے گا (مردوں کی کیفیت ایسی ہے) جیسے غشی ہوتی ہے کہ ان کو مارو تو ان کو الم نہیں ملتا پس جب عقل واپس اتی ہے ان کو الم ملتا ہے۔ اور باقی المعتزلہ مثلا ضرار بن (عمرو) وبشر المریسی ویحییٰ بن ابی کامل وغیرہم تو یہ سب اصلا عذاب کا انکار کرتے ہیں اور یہ تمام اقوال فاسد ہیں جن کا رد ثابت حدیثوں سے ہوتا ہے اللہ توفیق دینے والا ہے اور اسی انکار کی طرف خوارج اور بعض المرجئہ کا مذہب ہے۔ پھر معذب اہل سنت کے نزدیک جسد اور اس کے جیسا ہے روح لوٹانے پر یا اجزاء پر اور اس کی مخالفت کی ہے ابن حزم نے ابن کرام نے اور ایک گروہ نے اور کہا کہ اعادہ

روح اس کی شرط نہیں ہے اور یہ فاسد ہے ان کی وضاحت ہوتی ہے پچھلی حدیثوں سے (دو انسانوں کی آواز کی جن کو عذاب ہو رہا تھا) کیونکہ آواز نہیں ہے الا جسم زندہ ہو (مٹی سے) خالی ہو۔

ابن ملقن کے بقول عذاب اہل سنت میں حی یا زندہ کے لئے ہے جس کے جسم میں مٹی نہ ہو اور کرامیہ کا مذھب ہے کہ یہ لاش کو بلا روح ہوتا ہے۔

امام الاشعری (المتوفی: 324ھ) اپنی کتاب مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین میں مسلمانوں کے اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

واختلفوا في عذاب القبر: فمنهم من نفاه وهم المعتزلة والخوارج، ومنهم من اثبته وهم اكثر اهل الاسلام، ومنهم من زعم ان الله ينعم الارواح ويؤلمها فاما الاجساد التي في قبورهم فلا يصل ذلك اليها وهي في القبور

اور عذاب القبر میں انہوں نے اختلاف کیا: پس ان میں سے بعض نے نفی کی اور یہ المعتزلۃ اور الخوارج ہیں اور ان میں سے کچھ نے اثبات کیا ہے اور یہ اکثر اہل اسلام ہیں اور ان میں سے بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ صرف روح کو ہوتا ہے اور جسموں کو جو قبروں میں ہیں ان تک نہیں پہنچتا۔

کتاب ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری از المؤلف: احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القسطلانی القتیبی المصری، ابو العباس، شہاب الدین (المتوفی: 923) کے مطابق بھی بعض ۹۲۳ھ میں کہہ رہے تھے کہ یہ صرف روح کا سننا ہے۔

اما بآذان رؤوسهم، كما هو قول الجمهور، او بآذان الروح فقط، والمعتمد قول الجمهور، لانه: لو كان العذاب على الروح فقط، لم يكن للقبر بذلك اختصاص، وقد قال قتادة، كما عند المؤلف في غزوة بدر: احياهم الله تعالى حتى اسمعهم توبيخًا او نقمة.

اور سروں میں موجود کان ہیں وہ سنتے ہیں یہ جمہور کہتے ہیں یا پھر فقط روح کے کان ہیں اور معتمد جمہور کا قول ہے کیونکہ عذاب اگر صرف روح کو ہو تو قبر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور قتادہ نے غزوہ بدر کے لئے کہا کہ ان مشرکین کو زندہ کیا توبیخ کے لئے۔

یعنی قسطلانی نے ایک معجزہ کو معمول سمجھ لیا جبکہ امت میں صرف روح پر عذاب کی رائے بھی چلی آ رہی ہے۔

لہذا اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے جس کا ذکر سلف کرتے ہیں لیکن یہ قول کہ یہ صرف جسد کو بلا روح ہوتا ہے عبد اللہ بن کرام کے فرقہ کرامیہ اور المُعْتَزِلَة میں الصالحی کا تھا۔

خوارج اور غیر مقلدین

ابو جابر دامانوی نے خوارج کے انکار عذاب قبر کا حوالہ دیا ہے۔ اطلاع کے طور پر عرض ہے کہ اس میں خوارج مختلف

الخیال ہیں اکثر کی رائے میں عذاب کفار و منافق پر ہوتا ہے ایمان والوں کے لئے وہ اس کو جزم سے بیان نہیں کرتے۔
یہاں ہم ایک خارجی عالم ناصر بن ابی مبہان الاباضی المتوفی ۱۲۶۳ کی رائے پیش کرتے ہیں

ان الله قادر ان يخلق له نوع حياة، يجوز بها ما يدرك الالم والتنعيم، من غير اعادة الروح اليه لئلا يحتاج الى نزع حياة جديدة، ويجوز باعادة الحياة دون اعادة الروح .

اور بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایک نوع کی حیات (مردوں میں) پیدا کر دے جس سے ان کو الم و راحت کا ادرک ہو بغیر روح لوٹائے کیونکہ اس کو اس نئی حیات کی ضرورت ہے اور جائز ہے کہ حیات کا لوٹنا ہو بغیر اعادۃ روح کے۔ (قاموس شریعہ)

سات باتیں جنکی وجہ سے فرقے گمراہ ہوئے

الامام الحافظ قوام السنہ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانی لکھتے ہیں:
بعض علمائے کرام کا کہنا ہے کہ بنیادی باتیں سات ہیں، جن کی وجہ سے فرقے گمراہی کا شکار ہوئے ہیں:
ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے مؤقف۔۔ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے مؤقف۔۔ افعالِ باری تعالیٰ کے بارے مؤقف۔۔ (گناہوں پر) وعید کے بارے میں مؤقف۔۔ ایمان کے بارے میں مؤقف۔۔ قرآن کریم کے بارے میں مؤقف اور۔۔ امامت کے بارے میں مؤقف چنانچہ اہل تشبیہ ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جہمی صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں، قدری افعالِ باری تعالیٰ کے بارے میں، خارجی (گناہوں پر وعید) کے بارے میں، مرجی ایمان کے بارے میں، معتزلی قرآن کے بارے میں اور رافضی امامت کے بارے میں گمراہ ہو گئے ہیں۔
اہل تشبیہ اللہ تعالیٰ کی مثال مانتے ہیں، جہمی اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار کرتے ہیں، قدری خیر و شر دونوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں مانتے، خارجی یہ دعویٰ کرتے ہیں مسلمان کبیرہ گناہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، مرجی کہتے ہیں کہ عمل ایمان میں داخل نہیں اور کبیرہ گناہ کا مرتکب (عین) مؤمن ہوتا ہے، نیز ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی، رافضی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے، وہ قیامت سے پہلے دنیا میں تشریف لائیں گے، جبکہ ناجی (نجات پانے والا) گروہ اہل سنت والجماعت، اصحاب الحدیث ہیں اور وہی سوادِ اعظم ہیں۔
اہل السنّت والجماعت کے ناجی گروہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ کوئی بھی اس بات میں شک نہیں کرتا کہ ناجی گروہ اللہ کے دین پر کاربند ہوگا اور اللہ کا دین وہ ہے جو قرآن میں نازل ہوا اور سنتِ رسول نے اس کو توضیح و تشریح کی، اہل سنت کہتے ہیں:
اللہ تعالیٰ ایک ہے

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ)

(اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے)، موجودات میں سے کوئی بھی چیز کسی بھی طرح سے اس کے ساتھ شریک

نہیں، کیونکہ اگر کوئی اس کا شریک ہوتو جس میں وہ شریک ہے، اس میں اس کا ہم مثل ہوگا، اللہ تعالیٰ کا صرف وہ نام رکھا جائے گا، جو اس نے خود اپنی کتاب میں اپنے لیے رکھا ہے یا اس کے رسول نے اس کا نام رکھا ہے اور امت نے اس پر اجماع کیا ہو (یعنی وہ متشابہات میں سے نہ ہو) یا امت نے اس نام پر اجماع کیا ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو صرف اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے گا جو اس نے خود یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے یا اس پر مسلمانوں نے اجماع کیا ہو۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت اس کے علاوہ بیان کرے، وہ گمراہ ہے، ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قدرت والا، علم والا، زندہ، سننے والا، دیکھنے والا، کلام کرنے والا، زندگی دینے والا اور موت دینے والا ہے، نیز اس کے لئے قدرت، علم، حیات، سمع، بصر، کلام، ارادہ وغیرہ صفات ہیں، وہ ان تمام صفات کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف ہے، اس کی کوئی صفت حادث نہیں، تمام فرقے اگرچہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین پر کاربند ہیں، لیکن انہوں نے دین میں بدعات نکالی ہوئی ہیں اور وہ فتنہ وتاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، جبکہ اہل سنت والجماعت نے کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اجماع سے تجاوز نہیں کیا، نہ ہی انہوں نے فتنہ وتاویل کی تلاش میں متشابہات کی پیروی کی ہے، انہوں نے تو صرف صحابہ وتابعین اور بعد والے مسلمانوں کے اجماع کی قولاً وفعلاً پیروی کی ہے۔

جن (عقائد) کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہے اور ان کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں، نہ ہی امت کا ان پر اجماع ہے، وہ بدعت ہیں اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق ہیں:

من احدث فی امرنا ما لیس منہ، فھو رد

جس نے ہمارے امر (دین) میں وہ چیز نکالی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

جن (عقائد) کے بارے میں مسلمانوں نے اختلاف کیا ہے (یعنی وہ متشابہات میں سے ہیں) اور ان کی اصل کتاب وسنت میں موجود ہے، ان پر ایمان واجب ہے اور اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اور اس کے بارے میں وہی کہا جائے گا، جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران)

(اس کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور علم میں رسوخ رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے)، ہم کسی (متشابہ) چیز کی تاویل میں نہیں پڑتے اور رہے وہ مسائل اجتہادیہ اور فروع دینیہ جن میں مسلمانوں کا اختلاف ہوگیا ہے تو ان کی وجہ سے انسان بدعتی نہیں ہوتا، نہ ہی اس پر مذمت ووعید کی جائے گی۔ (ابو القاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۳۵ھ) کا شمار اہلسنت کے عظیم آئمہ میں ہوتا ہے، آپ کے یہ فرامین الحجۃ فی بیان المحجۃ سے لئے گئے ہیں۔

لفظ خدا کے اطلاق کا بیان

لفظ خدا کی تحقیق پر بات چل رہی ہے۔ ویسے تو ہونا تو یہی چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کو پکارنے کے لیے لفظِ اللہ استعمال کریں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ لفظِ خدا مفہوم کے اعتبار سے لفظِ اللہ کی ترجمانی کرتا ہے۔ تو اگر کوئی شخص اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کو پکارے تو بے شک وہ سنتا ہے اور جانتا ہے۔ اسی طرح چوں کہ عربی میں لفظ رب استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں صاحب اور مالک کے ہیں اسی طرح فارسی زبان میں لفظ خدا کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ جس طرح لفظ رب کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ پر نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح لفظ خدا جب بھی مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کو خدا کہنا جائز نہیں۔ غیاث اللغات میں ہے:

خدا بالضم بمعنی مالک وصاحب۔ چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذاتِ باری تعالیٰ اطلاق نکنند، مگر در صورتیکہ بچیزے مضاف شود، چوں کہ خدا، ودہ خدا۔ ٹھیک یہی مفہوم اور یہی استعمال عربی میں لفظ رب کا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تو حق تعالیٰ شانہ کا ذاتی نام ہے۔ جس کا نہ کوئی ترجمہ ہوسکتا ہے نہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے اسمائے الٰہیہ صفاتی نام ہیں جن کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہوسکتا ہے۔ اور ہوتا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے کسی بابرکت نام کا ترجمہ غیر عربی میں کردیا جائے۔ اور اہل زبان اس کو استعمال کرنے لگیں تو اس کے جائز نہ ہونے اور اس کے استعمال کے ممنوع ہونے کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اور جب لفظ خدا صاحب اور مالک کے معنی میں ہے۔ اور لفظ رب کے مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے تو آپ ہی بتایئے کہ اس میں مجوسیت یا عجمیت کا کیا دخل ہوا۔ کیا انگریزی میں لفظ رب کا کوئی ترجمہ نہیں کیا جائیگا؟ اور کیا اس ترجمہ کا استعمال یہودیت یا نصرانیت بن جائے گا؟

بعض لوگوں اس بحث پر اس طرح بھی تبصرہ کیا ہے ملاحظہ ہو۔

زبیر علی زئی سے جب یہی سوال کیا گیا کہ اللہ کو خدا کہنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے اس سوال کے جواب میں قرآن کی آیت دلیل کے طور پر بیان کی جس کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رنگ اور زبان کے فرق کے ساتھ پیدا کیا ہے، پس اسی طرح کچھ لوگ اپنی زبان میں اللہ کو خدا کہتے ہیں اور کچھ لوگ اپنی زبان میں God کہہ کر پکارتے ہیں، میرے خیال سے یہ ایک معقول جواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ان کے جواب میں کسی شخص نے اس طرح تبصرہ کردیا ہے یہ بھی ملاحظہ ہو)

میرے خیال میں زبیر علی زئی کا موقف صحیح نہیں ہے اور وہ غلطی پر ہیں۔

اللہ دراصل معبود برحق کا نام ہے اور اسم اعظم ہے اور اس کو اسی زبان میں بیان کرنا ضروری ہے۔ "یہ کہنا کہ اللہ نے انسانوں کو رنگ اور زبان کے فرق کے ساتھ پیدا کیا ہے پس اسی طرح کچھ لوگ اپنی زبان میں اللہ کو خدا کہتے ہیں اور کچھ لوگ اپنی زبان میں God کہہ کر پکارتے ہیں" تو پھر عبادات میں بھی ہر کوئی اللہ کو اپنی زبان کے مطابق جو مرضی چاہے پکار لے۔ جب کہ سب جانتے ہیں کہ ایسا جائز نہیں۔ ہر شخص کسی بھی علاقے، رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ عبادات،

(یعنی نماز، اذان حج، مسنون دعایں) عربی زبان میں ہی مانگنی ضروری ہیں ورنہ وہ اس کے لئے قابل قبول نہیں۔ خدا مجوسی زبان کا لفظ ہے اور مجوسیوں کا معبود ہی ہے۔ اگر خدا کہنا جائز ہے تو پھر دعا وغیرہ میں بھگوان، یا GOD کہنا بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیا کوئی بھارتی مسلمان اللہ رب العزت سے ان الفاظ میں دعا کرے۔ "اے بھگوان مجھے شانتی دے۔ مجھ پر رحم کر" چاہے وہ حقیقت میں اللہ سے ہی مانگ رہا ہو تو کیا یہ صحیح طرز عمل ہوگا۔ تو پھر مجوسیوں کی زبان میں "اللہ" کو خدا کہنا کیسے صحیح ہے؟؟۔ ویسے بھی خدا کہنے میں غیر مسلم سے مشابہت لازم آتی ہے جو حرام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ان الفاظ میں اللہ کو خدا پکارنا اتنا عام ہو چکا ہے کہ اس کو ناجائز نہیں سمجھا جاتا۔

کیا اللہ کو خُدا کہنا منع ہے؟

ہمارے ایک مخلص دوست نے ہمیں اس موضوع سے متعلق اپنا ایک ذاتی مضمون بھیجا جس کو ہم من وعن ذکر کر رہے ہیں اور قارئین اس کو بھی ملاحظہ کریں۔

محترم قارئین السلام علیکم اس آرٹیکل کو بغور پڑھنے کی استدعا ہے انشاءَ اللہ بہت نافع ہوگا ہو سکتا ہے کبھی آپ کیساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ آپ نے کسی کو خُدا حافظ کہا ہو یا آپ کوئی ایسا شعر گنگنا رہے ہوں جس میں لفظ خُدا کا استعمال ہوا ہو اور کسی نے آپ کو پکڑ کر جھنجوڑ دیا ہو کہ بھائی کیا کرتے ہو اللہ کو خُدا کہتے ہو حالانکہ خُدا تو فارسی کا لفظ ہے اور فارسی تو جناب آتش پرستوں کی بھی زُبان ہے لہٰذا توبہ کرو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تُمہارا خاتمہ بھی آتش پرستوں کیساتھ ہو! عوام الناس جب اِس طرح کی باتیں سُنتے ہیں تو سہم سے جاتے ہیں اور کہتے ہوں گے کہ بھئی اپنا ایمان تو خطرے میں تھا اللہ بھلا کرے صاحب کا جنکی بدولت آتش پرستوں کیساتھ خاتمہ ہونے سے بچ گئے۔

بے شک اللہ کہنا لکھنا ہی سب سے افضل ہے کہ یہ اسم ذات ہے کوئی صفتی اسم اِلٰہی اس کا مُتبادل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر صفتی نام میں کسی ایک مخصوص صفت کا ذکر ہوتا ہے لیکن اسم اللہ تمام صِفات کا مظہر ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ ہر صفتی اسم اِک خوشنما پھول ہے تو اسم اللہ تمام پھولوں کا حسین گُلدستہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اللہ کریم کو خُدا عزوجل کہنا منع ہے۔

میں نے جب اِس طرح کی کئی ایک پوسٹ کو نیٹ پر پڑھا تو مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ اس تحریر کو لکھنے کا مقصد چاہے جو بھی رہا ہو لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اس کالم میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ سے لے کر شیخ سعدی علیہ الرحمہ تک اور برصغیر کے ہزاروں علماء کی ذات کو نشانہ بنایا گیا ہے لہٰذا سب سے پہلے دارالافتاء حیدرآباد فون کیا اور فتویٰ معلوم کیا۔ اس کے بعد دارالافتاء کنزالایمان کراچی، پھر دارالافتاء نور العرفان کراچی۔

اسکے بعد مفتی محمد یعقوب سعیدی صاحب سے گفتگو کی اس کے بعد بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء کے مفتی عبداللہ شوکت سے بھی ٹیلیفون پر گفتگو کی اور سبھی سے ایک ہی سوال دریافت کیا کہ جناب آپ اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ اللہ کریم کو خدا کہہ کر پکارنا جائز ہے یا ناجائز۔

اور مجھے ہر جگہ سے ایک ہی جواب ملا کہ بالکل جائز ہے اور سبھی علماء نے کہا کہ علماء اُمت کا اس پر اجماع بھی ہے لیکن بعض شر پسند عناصر مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کے لئے ایسا پروپیگنڈہ کرتے ہیں جو قابل مذمت ہے۔

اور علامہ غلام رسول سعیدی تبیان القران جلد 3 صفحہ 361 پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے کہ ایسے نام سے اللہ کو پکارنا جو اُس کی شان کے زیبا نہ ہو منع ہے جیسے اللہ کے ساتھ میاں کا اضافہ کے یہ لفظ انسانوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یا اللہ کیساتھ سائیں کا اضافہ کہ سائیں فقیر کو بھی کہتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق ممنوع ہے جبکہ ایسے الفاظ سے اللہ کو پکارنا جو اُس کی شان کے مطابق ہیں جیسے فارسی میں خدا اور ترکی میں تنکری کہ ان کے معنی میں ابہام نہیں جائز ہیں

محترم قارئین اب آتے ہیں اُس حدیث کی جانب جس کو یار لوگ بڑی ڈھٹائی کیساتھ اپنے حق میں پیش کیا کرتے ہیں مفہوم کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ اُنہی میں سے ہوگا قیامت میں اُس کے ساتھ حشر ہوگا۔ (سنن ابوداؤد)۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (علیہ الرحمہ) فتاوٰی رضویہ جلد صفحہ 622 پر ارشاد فرماتے ہیں بحرالرائق و درمختار و ردالمختار وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ "بد مذہبوں سے مشابہت اُسی اَمر میں ممنوع ہے جو فی نفسہ شرعاً مذموم یا اس قوم کا شعار خاص یا خود فاعل کو ان سے مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو ورنہ زنہار وجہ ممانعت نہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت نے تشبیہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے جسے آپ جلد نمبر اکیس تا چوبیس میں دیکھ سکتے ہیں جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ جس فعل کو کفار مذہب کا حصہ سمجھ کر رسماً ادا کرتے ہوں مثلاً سینے پر زنار باندھنا یا صلیب لٹکانا یا بغل وغیرہ کے بال بڑھانا، مونچھوں کا بہت زیادہ بڑھانا جس سے کسی بد مذہب کی مُشابہت پیدا ہو یہ مشابہت ممنوع اور حرام ہے یا یہ کہ کُفار سے مُحبت کی بنا پر اُنکی نقالی کرے۔ نا کہ کسی زبان کے استعمال سے مشابہت لازم آئے گی۔

لیکن محترم قارئین اِن لوگوں نے ایک ایسے مسئلے کو اپنی جانب سے متنازع بنا دیا جو کہ مسئلہ تھا ہی نہیں اور جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع بھی ہے۔

اعتراضات

(۱) اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب ایسے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے تو یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کو خُدا کہہ سکتے ہیں تو رام اور وشنو کہہ کر کیوں نہیں پکارتے؟

جواباً عرض ہے کہ رام کے ایک معنی، نہایت فرماں بردار، بھی ہیں اور وشنو کے معنی ہندوؤں کے ہاں چار ہاتھوں والا رب، بھی ہیں اور یقیناً یہ دونوں معنی مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ خدا کے لغوی معنی کیا ہیں تو خدا کے لغوی معنی وہی ہیں جو اللہ کی شان کے مطابق ہیں یعنی مالک، آقا،

باکمال،معبود،اوررب۔

(2)دوسرااعتراض یہ ہوتا ہے کہ عرب شریف میں نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دورِمُبارک سے لےکر آج تک اللہ عزوجل کوخُدانہیں کہا جاتا۔

جواب:

توبھائی عربی اسقدروسیع زُبان ہے کہ عربی کے چھ لاکھ الفاظ وہ ہیں جوآج متروک ہوچکے ہیں صرف اِسی بات سے اِس زُبان کی وُسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ عرب شریف میں فارسی نہیں بولی جاتی تو بھائی اُنہیں کیا ضرورت ہے کہ ایسی وسیع زُبان کے ہوتے ہوئے جہاں صرف ایک جانور کے عربی میں بیس تیس تک نام ہوتے ہیں وہ فارسی کا استعمال کریں جبکہ اُردوعربی کے مُقابلے میں ایک محدودالفاظ رکھنے والی زُبان ہےاورلفظ خُداکوفارسی سے شعری ضرورت کے پیش نظرلیا گیا ہے ناکہ مجوسیوں کی اتباع کی خاطرلہٰذادانشمندی کا تقاضہ ہے اپنی ضرورتوں کوسمجھا جائے۔

اعتراض(3)فارسی کا استعمال آتش پرست کرتے رہے ہیں لہٰذا فارسی سے گُریزازبس ضروری ہے؟

جواب مؤدبانہ عرض ہے کہ نبی آخرالزماں خَتم المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے قبل مشرکین عرب عربی زُبان کا استعمال کیا کرتے تھےتو کیا ہمارے کریم آقاعلیہ السلام نے اس زُبان سے بیزاری کا اظہار کیا؟ جواب ہوگاقطعی نہیں کیا اللہ کریم نے ناپسند فرمایا؟ بالکل نہیں بلکہ اللہ کریم کا کلام اِسی زُبان میں نازل ہوا۔معلوم ہُوا کہ زُبان توصرف رابطہ کا ذریعہ ہے ناکہ مذہب کی پہچان!اورآپ کووہ کروڑوں مسلمان کیوں نظرنہیں آتے جوفارسی زُبان استعمال کرتے ہیں۔

اعتراض(4)اصل میں لفظ خُدافارسی زبان کالفظ ہے آتش پرستوں کے دوالٰہ تھےاُن میں ایک کا نام خُدائے یزدان اوردوسرے کا نام خُدائے اہرمن تھا اُردومیں معنی ہوگا کہ اچھائی کاخُدااوربُرائی کاخُدا۔

جواب، یہی عقیدہ تو مشرکین عرب کا بھی تھا اور وہ بھی اپنے بیشُمار معبودوں کو اِلٰہ کہتے تھے جسکاذکر جابجا قران مجید فُرقان حمید میں موجود ہے حوالے کے لئے دوآیات سورہ الحجراورسورہ النحل سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

جواللہ کے ساتھ دوسرامعبودٹھہراتے ہیں تواب جان جائیں گے۔(سورۃ الحجرآیت 96)

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ

اوراللہ نے فرمایادوخدانہ ٹھہراؤوہ توایک ہی معبود ہے تومجھی سے ڈرو۔(سورہ النحل آیت 51)

اب دیکھیئے کہ مشرکین عرب بھی اپنے بیشُمارخداؤں کو الٰہ کہتے تھےتو اللہ کریم نے لفظ اِلٰہ کہنے پر پابندی نہیں لگائی بلکہ اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے یہ تعلیم دی کہ الٰہ صرف ایک ہےاوروہ اللہ کریم کی یکتااوربےمثال ذات ہے اسی طرح ہم یہ توکہیں گے کہ آتش پرستوں کے دوخُداکاعقیدہ باطل ہے لیکن خُداکہنے پر پابندی نہیں لگاسکتے کہ اس کے معنی

وہی ہیں جو الٰہ کے معنیٰ ہیں

اعتراض (5) کیا خُدا کہنے کی کوئی دلیل قرآن سے ثابت ہے؟

جواب جی ہاں سورہ الاسراء آیت نمبر 110 میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں

اللہ کریم نے اِس آیت میں اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے جو اللہ کریم کے ناموں میں جھگڑتے ہیں کہ سب اچھے نام اللہ کے ہیں۔ بس ہمیں بچنا ہے تو ایسے ناموں سے جو مالک حقیقی کے شایانِ شان نہ ہوں اب آیئے اس آیت مبارکہ کا پس منظر بھی دیکھتے ہیں۔

شانِ نزول: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک شب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل سجدہ کیا اور اپنے سجدہ میں یا اللہ یا رحمٰن فرماتے رہے ابو جہل نے سنا تو کہنے لگا کہ (حضرت) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں تو کئی معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہیں اور اپنے آپ دو کو پکارتے ہیں اللہ کو اور رحمٰن کو (معاذ اللہ) اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا اللہ اور رحمٰن دو نام ایک ہی معبودِ برحق کے ہیں خواہ کسی نام سے پکارو۔

یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کریم کے اچھے ناموں پر تنقید کرنا ابو جہل کا طریقہ ہے نا کہ صالحین کا۔

اعتراض (6) یہ جو علمائے کرام اللہ عزوجل کو خُدا کہنے کی اجازت دیتے ہیں یہ اِنکی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے یہ اِذن قرآن وسُنت سے نہیں دیتے؟

جواب، یہ علماءِ حق پر سراسر بُہتان ہے کیونکہ کوئی بھی عالم مفتی یا مُحدث قرآن اور سُنت کے منافی فتویٰ صادر نہیں کرتا بلکہ اِنکا ہر فتویٰ قرآن اور سُنت کی ہی روشنی میں ہوتا ہے اسی لئے اِنہیں وارثینِ انبیاء کا لقب مِلا ہے۔ اب یا تو اِن لوگوں کو فارسی زبان سے بغض تھا اُردو سے کینہ تھا یا علماء برصغیر سے بیزاری جو بنا سمجھے کروڑوں مسلمانوں کو بمعہ علماء کرام آتش پرستوں سے مُشابہت کی نوید سُنا کر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ جہنم کی نوید سُنا ڈالتے ہیں۔

محترم قارئین کرام ایک حدیث کا مفہوم ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہُ سے مروی ہے کہ رسولِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عبرت نشان ہے فرمایا کہ جس نے بغیرِ علم کے کوئی فتویٰ دیا تو اُس کا گُناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا اور جس نے جان بوجھ کر اپنے بھائی کو غلط مشورہ دیا تو اُس نے اُس کے ساتھ خیانت کی۔

(سنن ابو داود کتاب العلم باب التوقی فی الفتیا، جلد نمبر 3 صفحہ 449)

لیکن یہاں حال یہ ہے کہ ایک حدیث سُنی کتاب دیکھنے کی نوبت نہیں آتی جو یاد رہا صرف اُسی کو اپنی جانب سے قولِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بتا کر بیان کر دیا جاتا ہے یا کسی کے نظریہ سے مُتاثر ہو کر کروڑوں مسلمانوں کو کفر کے فتویٰ سے نواز دیا

جاتا ہے اور اس طرح مسلمانوں میں انتشار کی کیفیت پیدا کردی جاتی ہے جو قابل مذمت عمل ہے اللہ کریم ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ اور ایسے نیم عالم خطرہ ایمان سے بھی محفوظ رکھے میں نے تمام حقائق آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں اور تمام علماء کی رائے بھی اب یہ آپ کا فرض ہے کہ ہر ایسے شخص سے ہوشیار رہیں جو مسلمانوں میں تفرقہ بازی کا باعث ہو۔

معنى القرب والبعد

قریب اور بعید ہونے کا بیان

وَلَيْسَ قرب الله تعالىٰ وَلَا بعده من طرِيق طول الْمسافَة وقصرها وَلكِن على معنى الْكَرَامَة والهوان والمطيع قريب مِنْهُ بِلَا كَيفَ والعاصي بعيد مِنْهُ بِلَا كَيفَ والقرب والبعد والاقبال يَقع على المناجي وَكَذَلِكَ جواره فِي الْجنَّة وَالْوُقُوف بين يَدَيْهِ بِلَا كَيْفيَّة

اللہ تعالیٰ کا قرب اور بعد یہ مسافت کی کمی یا بیشی کی طرح نہیں ہے بلکہ نیک آدمی کے لئے بہ طور عزت واعزاز کے وہ قریب ہے اور گناہگار سے دور ہے یعنی ذلت ورسوائی معاصی کے لئے ہے۔ اور یہ قرب وبعد بھی بغیر کسی کیفیت کے ہے۔ اور اسکا اقبال مناجی یعنی مناجات کرنے والے کے لئے ہے اور اسی طرح اس کا جوار بھی جنت میں ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا بھی بغیر کسی کیفیت کے ہوگا۔

شرح

اگر کوئی شخص سوال کرے اَیْنَ اللّٰہُ؟ (اللہ کہاں ہے؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے: هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا مَكَانٍ کہ اللہ تعالیٰ بغیر مکان کے موجود ہے۔ یہ اہل السنت وجماعت کا موقف ونظریہ ہے جس پر دلائل عقلیہ ونقلیہ موجود ہیں:

فائدہ: هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا مَكَانٍ یہ تعبیر اہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلبہ کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالی بلا مکان موجود ہے کہہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے یا اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے سے تعبیر کردیا جاتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ:

1: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورہ بقرہ:115)

ترجمہ: مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

۲: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ (سورہ بقرہ:186)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

فائدہ: عرش بعید ہے کیونکہ ہمارے اوپر سات آسمان ہیں، ان پر کرسی ہے جو سمندر پر ہے اور اوپر عرش ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی ج2 ص145)

☆اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ .☆ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ .☆ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ .

3: يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ .(النساء:108)

ترجمہ: وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جب کہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں۔

4: إِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود:61)

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔

5: وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْ إِلَيَّ رَبِّيْ إِنَّهُ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ (سبا:50)

ترجمہ: اور اگر میں راہ پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا ہے، بہت قریب ہے۔

6: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اس کی تحقیق

(آیت) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ، کا جمہور مفسرین نے یہی مطلب قرار دیا ہے کہ قرب سے مراد قرب علمی اور احاطہ علمی ہے قرب مسافت مراد نہیں۔

لفظ ورید عربی زبان میں ہر جاندار کی وہ رگیں ہیں جن سے خون کا سیلان تمام بدن میں ہوتا ہے، طبی اصطلاح میں یہ دو قسم کی رگیں ہیں، ایک وہ جو جگر سے نکلتی ہیں اور خالص خون سارے بدن انسانی میں پہنچاتی ہیں، طبی اصطلاح میں صرف انہی رگوں کو ورید اور جمع کو اوردہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ رگیں جو حیوان کے قلب سے نکلتی ہیں اور خون کی وہ لطیف بھاپ جس کو طبی اصطلاح میں روح کہا جاتا ہے وہ اسی طرح تمام بدن انسانی میں پھیلاتی اور پہنچاتی ہیں ان کو شریان اور شرائین کہا جاتا ہے، پہلی قسم کی رگیں موٹی اور دوسری باریک ہوتی ہیں

آیت مذکورہ میں یہ ضروری نہیں کہ ورید کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق اس رگ کے لئے لیا جائے جو جگر سے نکلتی ہے، بلکہ قلب سے نکلنے والی رگ کو بھی لغت کے اعتبار سے ورید کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کا خون ہی دوران کرتا ہے اور اس جگہ چونکہ مقصود آیت کا انسان کے قلبی خیالات اور احوال سے مطلع ہونا ہے، اس لئے وہ زیادہ انسب ہے اور بہر حال خواہ ورید باصطلاح طب جگر سے نکلنے والی رگ کے معنی میں ہو یا قلب سے نکلنے والی شریان کے معنی میں، بہر دوصورت جاندار کی زندگی اس پر موقوف ہے، یہ رگیں کاٹ دی جائیں تو جاندار کی روح نکل جاتی ہے، تو خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز پر انسان کی زندگی موقوف ہے ہم اس چیز سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں یعنی اس کی ہر چیز کا علم رکھتے ہیں

اور صوفیائے کرام کے نزدیک قرب سے مراد اس جگہ صرف قرب علمی اور احاطہ علمی ہی نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا اتصال ہے، جس کی حقیقت اور کیفیت تو کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی، مگر یہ قرب واتصال بلا کیف موجود ضرور ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ، یعنی سجدہ کرو اور ہمارے قریب ہو جاؤ اور ہجرت کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق سے فرمایا اللہ معنا یعنی اللہ ہمارے ساتھ ہے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل سے فرمایا ان معی ربی یعنی میرا رب میرے ساتھ ہے اور حدیث میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو، اسی طرح حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ نفلی عبادات کے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

یہ قرب و تقرب جو عبادات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور انسان کے لئے کسب وعمل کا نتیجہ ہوتا ہے وہ صرف مومن کے لئے مخصوص ہے اور ایسے مومنین اولیاء اللہ کہلاتے ہیں جن کو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تقرب حاصل ہو یہ اتصال وقرب اس قرب کے علاوہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر انسان مومن و کافر کی جان کے ساتھ یکساں ہے، غرض مذکورہ آیا وروایات اس پر شاہد ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتصال حاصل ہے گو ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک نہ کر سکیں، مولانا رومی نے اسی کو فرمایا ہے۔

اتصالے بے مثال و بے قیاس ، ہست رب الناس را با جان ناس

یہ قرب واتصال آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ فراست ایمانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے

تفسیر مظہری میں اسی قرب واتصال کو اس آیت کا مفہوم قرار دیا ہے اور جمہور مفسرین کا قول پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اتصال سے مراد اتصال علمی اور احاطہ علمی ہے اور ابن کثیر نے ان دونوں معنی سے الگ ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی ہے کہ آیت میں لفظ نحن سے خود حق تعالیٰ کی ذات مراد نہیں بلکہ اس کے فرشتے مراد ہیں جو انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں، وہ انسان کی جان سے اتنے باخبر ہوتے ہیں کہ خود انسان بھی اپنی جان سے اتنا باخبر نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

کہ اس سے بظاہر وسوسہ پر مواخذہ ہونا مفہوم ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں جو انسان کے دل میں کھٹکتی رہتی ہیں اور محاورہ قرآنیہ میں یہ لفظ علم مواخذہ اور وعید پر دلالت کرتا ہے۔ کثرت سے ایسی آیتیں وارد ہیں اور عام محاورہ بھی اس کے موافق ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ مجھے تمہاری حالت خوب معلوم ہے۔ یعنی ٹھہرے رہو تم کو سمجھوں گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ذرا اس آیت کے اوپر نظر کرو اور سیاق وسباق کو ملا کر دیکھو اور یہ قاعدہ ہمیشہ کے لئے یاد رکھو کہ کسی آیت کی تفسیر محض اس آیت کے الفاظ کو دیکھ کر نہ کرو بلکہ سیاق وسباق کو ملا کر تفسیر کیا کرو بغیر اس کے تفسیر معتبر نہیں۔ اسی سے بہت جگہ غلطی واقع ہوتی ہے ایسے ہی یہاں بھی سیاق وسباق کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس مقام پر حق تعالیٰ کا مقصود معاد کو ثابت کرنا ہے جس کے لئے شرط ہے کمال قدرت اور کمال علم۔

قرب حق

تو اوپر کمال قدرت کا ذکر تھا کہ ہم نے آسمان کو اس طرح پیدا کیا زمین کو اس طرح بنایا اور اس میں درخت و نباتات پیدا کیے اب کمال علم کو ثابت کرتے ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم کو ان وساوس پر بھی اطلاع ہے جو قلب انسان پر گزرتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وساوس نہایت خفی چیز ہیں جب ہم کو ان کا بھی علم ہے تو ہمارا علم نہایت کامل ہے تو اس سے وعید و مواخذہ پر دلالت کہاں ہوئی؟ بلکہ محض کمال علم پر دلالت ہوئی اس لئے آگے بھی سزا کا ذکر نہیں بلکہ قرب کا ذکر ہے۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کہ ہم انسان کے رگ گردن سے زیادہ اس کے قریب ہیں یہ دلیل ہے علم کامل کی۔

رہا یہ سوال کہ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کیسے ہیں۔ یہ ایک مستقل سوال ہے سو اس کا حقیقی جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا چنانچہ بعض نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ یہاں قرب علمی مراد ہے مگر مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ یہاں قرب علمی سے زیادہ کوئی دوسرا اقرب بتلانا مقصود ہے کیونکہ حبل الورید ذی علم نہیں ہے جس سے اقرب ہونا اقربیت فی العلم پر دال ہے بلکہ یہاں قرب ذات پر دلالت مفہوم ہوتی ہے مگر اس کی کیفیت کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ حق تعالیٰ جو بندہ کے قریب ہیں۔ اس قرب سے قرب علم یا رضا مراد ہے قرب حسی مراد نہیں اس لئے کہ قرب حسی جانبین سے ہوتا ہے کیونکہ ایک شے جب کسی شے سے حسًّا قریب ہوگی تو لامحالہ وہ شے بھی اس سے قریب ہوگی اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب جانبین سے نہیں ہے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

یہاں انتم اقرب الیہ نہیں فرمایا۔ نحن اقرب الیہ فرمایا یعنی ہم بہت قریب ہیں تو معلوم ہوا کہ قرب خدا کی طرف سے ہے ہماری طرف سے نہیں پس یہاں اس قرب سے قرب علمی مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

اس آیت میں نعلم پر قرب کو مرتب فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی جیسا خدا کو علم ہے بندہ کا بندہ کو اس کا ذرہ بھر بھی نہیں باقی حقیقت کے اعتبار سے حق تعالیٰ کو بندہ سے بہت بعد ہے وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ بندہ کو اس سے کیا نسبت یہ تو اس کا تصور صحیح بھی نہیں کر سکتا۔

کیفیت سے منزہ ہیں۔ ان کا قرب بھی کیفیت سے منزہ ہے۔ مگر تقریب فہم کے لئے اتنا بتائے دیتا ہوں کہ ہم کو جو اپنی ذات سے قرب ہے یہ قرب وجود کی فرع ہے۔ اگر وجود نہ ہوتا تو نہ ہم ہوتے نہ ہم کو اپنی ذات سے قرب ہوتا اور ظاہر ہے کہ وجود میں حق تعالیٰ واسطہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہمارے اور اس تعلق کے درمیان میں واسطہ ہیں جو ہم کو اپنی جان کے ساتھ ہے تو ہم کو اول حق تعالیٰ سے تعلق ہے پھر اپنی جان کے ساتھ تعلق ہے۔ اس تقریر کے استحضار سے قرب حق کا مشاہدہ گو بہت کچھ ہو جائے گا مگر کیفیت اب بھی واضح نہ ہوگی البتہ عقلاً یہ معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ ہماری جان سے بھی زیادہ قرب و تعلق ہے اور یہی مقصود ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے معنی کہ علماء معتزلہ بندہ سے ہم قریب ہیں بدلیل وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ اسی وجہ سے نَحْنُ اَقْرَبُ فرمایا کہ ہم قریب ہیں۔ انتم اقرب الینا نہیں فرمایا۔ کہ تم ہم سے قریب ہو۔ سو اگر اس سے قرب حقیقی مراد ہوتا تو دونوں طرف سے قرب ہوتا کیونکہ یہ قرب و نسبت متکررہ سے ہے۔ اگر ایک طرف سے قرب ہوگا تو دوسری طرف سے بھی ضرور ہوگا۔ رہا قرب علمی سو اس میں یہ ضرور نہیں کہ اگر ایک طرف سے قرب ہو تو دوسری طرف سے بھی ہو تو قرب علمی خدا کی طرف سے تو ہے اس لئے کہ ان کا علم کامل ہے اور بندہ کی طرف سے نہیں۔ کیونکہ بندہ بے غافل پس بندہ تو خدا سے دور ہوا اور اللہ تعالیٰ بندہ سے قریب غرض حق تعالیٰ کو پوری معرفت ہے۔

بعثت و نشر

اذیتلقی الی آخر السورہ اور جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بعث و نشر کا ذکر فرمایا ہے ان مواقع پر استدلال میں اپنی تین صفات کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی بعثت و نشر کے لئے ضرورت ہے۔ یعنی قدرت ارادہ اور علم چنانچہ یہاں بھی اپنی قدرت اور ارادہ کا ذکر تو اس آیت میں فرمایا ہے: اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ؀ اس کے بعد اپنے علم کا ذکر فرماتے ہیں۔ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ یعنی ہمارا علم ایسا وسیع ہے کہ مواد تو مواد وساوس تک کا ہم کو علم ہے پس جو اجزاء منتشر ہو گئے ہیں ان کا ہم کو پورا علم ہے کہ کہاں کہاں موجود ہیں ان کو ہم جب چاہیں گے پھر مجتمع کر دیں گے پس یہاں جو وساوس کے علم کا ذکر ہے تو وہ اس غرض سے ہے کہ بعث و نشر کے وقوع پر دلیل قائم کی جائے اور یہ مراد نہیں کہ ان پر مثل اور اعمال کی جزا و سزا ہوگی جیسا کہ سیاق و سباق سے میں نے ثابت کر دیا ہے۔

اس پر عرض کیا گیا کہ کیا حضرت نے یہ تحقیق اپنی تفسیر بیان القرآن میں بھی لکھی ہے۔ فرمایا کہ تفسیر میں کیا کیا لکھا جانا یہ تفصیل تو یاد نہیں ہے لیکن کوئی مختصر سی عبارت بین القوسین ترجمہ میں ضرور ہوگی۔ جس سے کوئی اشکال بھی رفع ہو جائے۔ مجھے اب کہ

یاد ہے اور اس وقت کیا معلوم یہ تفسیر ذہن میں تھی یا نہیں اور یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے یہاں تو الحمد للہ الحمد للہ چشمہ ہر وقت ابل رہا ہے پھر تھوڑے سے سکوت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ حضرت بدوں اس کے کہ وہاں کوئی خدمت پیش کی جائے یہ سب تحقیقات ہیچ ہیں۔ ایک بھنسانی کا ان پڑھ دیہاتی جو معانی تو کیا الفاظ بھی نہیں جانتا لیکن حرام حلال کا اہتمام رکھتا اور پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے وہ ان صوفیہ سے افضل ہے جن میں قوت عملیہ نہیں۔ صرف حقائق و معارف ہی ہیں۔ عرض کیا گیا کہ محققین کی نماز تو غیر محققین سے افضل ہوگی فرمایا کہ ان تحقیقات کو اس افضلیت میں کچھ دخل نہیں بلکہ اس کا مدار اخلاص ہے چونکہ محقق اخلاص کی حقیقت غیر محقق سے زیادہ جانتا ہے اگر وہ اس پر عمل کرے گا تو عمل کے اعتبار سے اس کی نماز افضل ہوگی اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ پر نظر نہ ہو محض اللہ ہی مقصود ہو غیر اللہ مقصود نہ ہو نہ علماً نہ عملاً۔ اور ایک نظر تو معبود ہونے کی حیثیت سے ہوتی ہے وہ تو الحمد للہ نماز میں غیر اللہ پر کسی کو نہیں ہوتی کیونکہ نمازی کا یہ پختہ اعتقاد ہوتا ہے کہ معبود اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن دوسرے اعتبار سے نظر ہو جاتی ہے یعنی نماز کے وقت قصداً خطرے جمع کر لئے جاتے ہیں اور یہ عملاً نظر الی الغیر ہے جو ممنوع ہے کیونکہ یہ منافی خشوع ہے اور یہ درجہ ہر شخص کو ادنیٰ توجہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ناواقفی ہے لوگوں نے خشوع کو بہت مشکل سمجھ رکھا ہے حالانکہ جو درجہ اس کا مامور بہ اور ضروری ہے وہ بہت آسان ہے اور وہ وہ درجہ ہے جس کو میں نے ایک مثال سے ظاہر کیا ہے اس سے پھر رفتہ رفتہ اس میں قوت ہو جاتی ہے۔

وہ مثال یہ ہے کہ دو طرح کے حافظ ہوتے ہیں ایک پکا حافظ دوسرا کچا حافظ۔ پکا حافظ تو بلا سوچے ہوئے پڑھتا چلا جاتا ہے اس کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ ہر لفظ پر سوچے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ وہ آزادی کے ساتھ دوسری باتیں سوچتا رہتا ہے اور پڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس کو بھولنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور ایک کچا حافظ ہوتا ہے اس کو برابر اپنی توجہ ہر لفظ پر قائم رکھنی پڑتی ہے تاکہ وہ بھول نہ جائے۔ بس اتنی توجہ عبادت کے وقت کافی ہے جتنی میں نے اس مثال سے بتلا دی۔ اس سے زیادہ کاوش ہے اور اس سے کم کم ہمتی۔ پھر اس توجہ میں رفتہ رفتہ قوت بڑھ جائے گی۔ یعنی اول اول اس توجہ میں تکلف ہوگا پھر آسانی ہونے لگے گی۔ یہ مثال بھی کسی نے نہیں دی یہ اللہ کا فضل ہے کہ میرے دل میں اس نے یہ مثال ڈال دی۔ اس سے یہ بالکل صاف ہو گیا کہ ضروری استحضار کا درجہ کتنا ہے۔ بس وہ یہ درجہ ہے باوجود اس کے لوگ کہتے ہیں کہ خشوع و خضوع بڑا مشکل ہے۔ اب بتلایئے کہ جو درجہ ضروری ہے وہ یہ ہے اور یہ کیا مشکل ہے لوگ خشوع و خضوع کے انتہائی درجہ کو مشکل سمجھ کر ضرورت کے درجہ سے بھی محروم ہو گئے بس وہ مثال ہے کہ کھاؤں گھی سے نہیں جاؤں جی سے۔ کہتے ہیں کہ نماز میں ایسا استغراق ہو کہ تیر لگا ہوا نکال لیں تو خبر نہ ہو۔ جانے کہاں سے یہ درجہ گھڑ لیا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی نماز کامل اور باخشوع ہو سکتی ہے لیکن ایسا استغراق تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ میں بعض اوقات نماز میں طویل قرات کا قصد کرتا ہوں لیکن جب کسی بچہ کے رونے کی آواز نماز میں سنتا ہوں تو اس خیال سے کہ کہیں اس کی ماں جماعت میں شریک نہ ہو بڑی سورۃ کی بجائے چھوٹی سورت پڑھتا ہوں تاکہ اس کی ماں

جلدی سے فارغ ہو کر اس کو جا کر سنبھال لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
تھا۔ استفسار پر فرمایا کہ نماز میں سوائے استغراق کی کمی سے ہوتا ہے پھر فرمایا کہ اس سے تعلق ایک [illegible]
کہ بعض اوقات میرے ہی ذہن میں آئی ہوگی اس وقت لکھ دیا پھر بھول گیا غرض بجائے اس کے علوم [illegible]
حاصل کرنے کی فکر میں رہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق محبت بڑھاوے جو ان کمالات کو بڑھاتا ہے۔

وہ ضابطہ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اور نجات ہوتی ہے رابطہ سے اسی کی کوشش کرے اور اسی کو مانگے ہم جاہل سہی بدعقل سہی مگر اس حال میں بھی ہمیں خدا سے مانگنا چاہئے کیونکہ ہم چاہے جیسے بدحال ہوں شیطان سے تو زیادہ بدحال نہیں اس نے باوجود اس درجہ بدحال ہونے کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا تو ہم کیوں نہ مانگیں ہم تو الحمد للہ مومن ہیں چاہے ایمان ضعیف ہی ہو جو ولایت عامہ کے لئے بھی کافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور دیکھئے اس میں قید عملوا الصلحت کی بھی نہیں ہے۔ البتہ دوسری آیت میں ولایۃ خاصہ کا ذکر ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون اس ولایت میں تقویٰ کی بھی ضرورت ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ کی تکوینی رحمت کفار پر بھی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی حفاظت کے لئے ملائکہ متعین ہیں۔ لیکن اس کو ولایت نہیں کہتے اور یہ رحمت صرف کفار کے ساتھ یہاں دنیا میں ہے باقی وہاں آخرت میں نہیں ہوگی۔ دنیا میں اس رحمت کے عام اور آخرت میں خاص ہونے پر استطراداً ایک مناظرہ یاد آ گیا۔

جو شیطان نے ایک بڑے عارف سے یعنی غالباً حضرت عبداللہ بن سہل سے کیا تھا اور ان کو اس مناظرہ میں شیطان نے ساکت کر دیا تھا۔ اس بناء پر حضرت عبداللہ نے یہ وصیت فرمادی ہے کہ شیطان سے کبھی کوئی مناظرہ نہ کرے واقعہ یہ ہے کہ شیطان نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ آپ کیا لعنت لعنت میرے اوپر کیا کرتے ہیں خبر بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ورحمتی وسعت کل شئی اور میں بھی شی میں داخل ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ مجھ پر بھی ہوگی آپ کیا لعنت لعنت لئے پھرتے ہیں حضرت عبداللہ نے جواب دیا ہاں خبر ہے رحمت تو وسیع ہے لیکن اس میں قید بھی ہے۔ فساکتبھا للذین یتقون اس پر اس نے کہا کہ جناب قید آپ کی صفت ہی اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں اللہ تعالیٰ مقید نہیں اس پر حضرت عبداللہ بن سہل چپ ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ گو اس کا جواب تو تھا جو مجھ ناکارہ تک نے دیدیا ہے جس کو عرض کروں گا مگر انہوں نے بجائے اس کو جواب دینے کے اہل طریق کو یہ وصیت کی کہ کبھی شیطان سے مناظرہ نہ کرے حضرت عبداللہ بن سہل سے جو جواب نہ بن پڑا اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیطان نے ان کے ذہن میں تصرف کیا کیونکہ وہ بڑا صاحب تصرف ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرمایا ہے کہ دجال کا سامنا ہو جائے تو اس سے مناظرہ نہ کریں بہت لوگ اس سے مناظرہ کرنے جاویں گے اور اس کے معتقد ہو جاویں گے۔

ایک بزرگ کا یہاں تک ارشاد ہے کہ اہل باطل کے شبہات کا عوام میں ظاہر کرنا بھی مضر ہے گو ساتھ ہی انکار و بھی کر دیا

جائے کیونکہ عوام کے ذہن پہلے سے خالی ہیں خود نقل کرنا ان کے ذہن میں خواہ مخواہ شبہات کا ڈالنا ہے پھر چاہے وہ زائل ہی کردیئے جائیں کیونکہ اس صورت میں یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ شبہات پیدا ہوجانے کے بعد پھر باوجود انکار کردینے کے زائل ہی نہ ہوں۔ اسی لئے مجھے اس وقت شیطان کے اس مناظرہ کو نقل کرتے ہوئے ڈر بھی معلوم ہوا لیکن خیر یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس کو شبہ پڑ جائے بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی میرے ذہن میں القاء فرمادیا ہے۔ اس کو ذرا توجہ سے سنئے البتہ اس کے سمجھنے کے لئے درسیات کی ضرورت ہے۔ درسیات بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہیں۔ علماء کے قلوب میں یہ اللہ تعالیٰ کی الہام فرمائی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ فلسفہ اور منطق بھی جو داخل درس ہیں یہ بھی بڑے کام کی چیز ہیں گو یہ مبادی ہیں مقاصد نہیں لیکن چونکہ مقاصد کی تحصیل ان پر مبنی ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہیں گو مقاصد کے درجہ کو نہیں پہنچتے مقاصد تو بہت عالی ہیں اگر علم کلام میں اور منطق میں مہارت ہو تو قرآن وحدیث اور فقہ کے سمجھنے میں بہت سہولت ہوجاتی ہے غرض جو یہ چیزیں درس میں داخل ہیں یہ بڑے کام کی ہیں چنانچہ انہیں کی بدولت یہ اشکال بھی حل ہوا جس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے جن میں رحمت بھی ہے دو تعلق ہیں۔ ایک تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ اور وہ تعلق اتصاف کا ہے یعنی اس صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا اور ایک تعلق مخلوق کے ساتھ ہے اور وہ تعلق تصرف کا ہے یعنی مخلوق میں اس صفت کا اثر ایجاد کا ہونا۔ تو جو تعلق اتصاف کا ہے وہ تو غیر مقید ہے یعنی اس میں عموم اور اطلاق ہے یعنی وہ رحمت فی نفسہ غیر محدود ہے لیکن جو درجہ مخلوق کے ساتھ تعلق کا ہے وہ مقید ہے یعنی کسی پر رحمت فرماتے ہیں کسی پر نہیں جیسے آفتاب خود اپنی صفت نور میں تو مقید نہیں لیکن جب اس کا نور زمین پر فائض ہوتا ہے تو وہاں چونکہ حجابات بھی موجود ہیں اس لئے وہاں قیود بھی ہیں تو یہ قید ادھر نہیں ہے ادھر ہے۔

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ اپنی صفت رحمت میں بالکل مقید نہیں لیکن جب اس صفت کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے تو چونکہ اس کا مدار خاص اسباب کی ساتھ مشیت پر ہے۔ اس لئے اس سے جب یہ صفت متعلق ہوتی ہے تو اس قید کے ساتھ کہ جو اہل تقویٰ ہیں ان پر تو آخرت میں رحمت ہوتی ہے اور جو اہل تقویٰ نہیں ان پر نہیں ہوتی یہ جواب بھی سالہا سال کے بعد میری سمجھ میں آیا اور غالباً میں اس وقت امرت سر میں تھا۔ جب میں لاہور دانت بنوانے گیا تو امرت سر بھی جانا ہوا تھا۔ اور چونکہ وہاں صرف ایک دن رہنا تھا اس لئے وہاں میں نے ملنے والوں کی کوئی روک تھام نہیں کی۔ احباب نے اس کا انتظام بھی کرنا چاہا مگر میں نے روک دیا کہ اس میں لوگوں کی دل شکنی ہوگی۔ برخلاف اس کے لاہور میں پہرہ چوکی کا انتظام کیا گیا۔ کیونکہ وہ بڑا شہر تھا اور دانت بنوانے کے لئے کئی دن رہنا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہر وقت ہجوم رہتا اور جس کام کے لئے جانا ہوا تھا اس میں خلل پڑتا۔ بعض لاہور والوں نے برا بھی مانا یہاں تک کہ لوگ اخباروں میں بھی اس کی شکایت چھاپنے کو تھے غرض پنجاب میں میں ایک مسئلہ مختلف فیہ ہوگیا لاہور والے تو سمجھے کہ بڑا بدخلق ہے اور امرت سر والے سمجھے کہ بڑا خلیق ہے یاد پڑتا ہے کہ امرت سر میں میں نے یہ جواب دیا تھا وہاں اس وقت علماء کا مجمع تھا سب نے بہت پسند کیا اور یہ فیض بھی خود عبداللہ بن سہل

ہی کا تھا کیونکہ مجھے اولیاء اللہ سے محبت ہے اور اولیاء اللہ سے جو محبت ہوتی ہے تو ان سے برکات حاصل ہوتے ہیں اگر حضرت عبداللہ سے مجھے محبت نہ ہوتی تو مجھے ان کی طرف سے جواب دینے کی اتنی فکر نہ ہوتی میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی طرف سے جواب نہ ہو کیونکہ وہ ایسے نہیں تھے کہ لاجواب ہو جاویں اس ادب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جواب ذہن میں ڈال دیا ادب بڑی برکت کی چیز ہے اور بے ادبی اس طریق میں سخت وبال لاتی ہے چنانچہ حسین بن منصور پر جو بلا آئی وہ اسی قلت ادب کی وجہ سے اور گو وہ مغلوب تھے اسی لئے حضرت مولانا رومی (رحمۃ اللہ علیہ) ان کی حمایت فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

چوں قلم در دست غدارے فتاد لاجرم منصور بردارے فتاد

اور یہاں غدار سے مراد اہل فتویٰ نہیں ورنہ غداران ہوتا بلکہ خاص ایک وزیر ہے جس نے استفتاء کر کے سزا کا حکم نافذ کیا اس کا واقعہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علقمی وزیر ان کا دشمن تھا۔ اس نے خود ساختہ سوال کر کے فتویٰ حاصل کیا تھا اور اسی مغلوبیت کی وجہ سے کہ میں اگر ہوتا تو کبھی فتویٰ منصور کے خلاف نہ ہونے دیتا انا الحق کی یہ تاویل کرتا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انا علی الحق یہ تو مولانا کی تاویل ہے اور میں نے ایک اور تاویل کی ہے وہ یہ کہ عقائد کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ تو انا الحق کے معنی یہ ہوئے کہ انا ثابتۃ یعنی میں منجملہ اشیاء کے ایک شی ہوں یعنی چونکہ حقائق اشیاء ثابت ہیں میرا وجود بھی حق ثابت اور مطابق واقع کے اور موجود ہے۔ تو یہ گویا سوفسطائی کے مسلک کا رد ہے کیونکہ وہ لوگ اس عالم کو بالکل ایک عالم خیال سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقع میں کچھ ہے ہی نہیں اور یہ جو کچھ ہم کو نظر آتا ہے یہ محض وہم اور خیال ہے اور یوں تو وحدۃ الوجود والے بھی یہی کہتے ہیں مگر اس کے اور معنیٰ ہیں وہ کہتے ہیں کہ جیسا اللہ تعالیٰ کا وجود ہے ویسا ہمارا وجود نہیں ہے مگر جیسا بھی ہے وجود واقعی ہے بخلاف سوفسطائی کے کہ وہ وجود کی واقعیت ہی کی نفی کرتا ہے۔

ان ہی کے مقابلہ میں اہل حق نے اول مسئلہ عقائد کا اسی کو قرار دیا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے وجہ یہ کہ سب کا اصل الاصول مسئلہ اثبات صانع ہے اور اس کی دلیل کا مقدمہ بھی حقائق اشیاء کا ثبوت ہے کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہی نہ ہوگی تو وہ حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل کیسے بن سکے گی۔ جب مصنوع نہ ہوگا تو صانع کے وجود کو کیسے ثابت کیا جاوے گا پس ابن المنصور کے قول کا محمل یہ ہو سکتا ہے اور حق بایں معنی احادیث میں مستعمل ہے چنانچہ وارد ہے البعث حق والوزن حق یعنی یہ سب چیزیں ثابت ہیں اسی طرح انا الحق کے معنی یہ ہوئے کہ میرا وجود ثابت ہے۔ گو یہ تاویل ہی ہے مگر بعید نہیں اور اس تاویل میں اعلیٰ کے مقدر ماننے کی بھی ضرورت نہیں۔

حضرت منصور بے حد حامی ہیں۔ حضرت مولانا روم (رحمۃ اللہ علیہ) دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

گفت فرعونے انا الحق گشت پست گفت منصورے انا الحق گشت مست

قرب سے مراد قرب علمی ہے

اور خدا کا قرب یہی قرب علمی و قرب رحمت ہے اور انتم اقرب الینا۔ (تم ہماری طرف زیادہ قریب ہو) نہیں فرمایا۔ اگر

کوئی کہے کہ قرب و بعد تو امور نسبیہ مکررہ مشترکہ میں سے ہیں یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ انہیں ہم سے قرب ہو اور ہمیں ان سے بعد ہو۔

جواب یہ ہے کہ قرب حسی بالمعنے اللغوی بیشک ایسا ہی ہے اور یہاں تو قرب بمعنے توجہ کے ہے سو خدا کا قرب الی العبد من حیث التوجہ قرب عبد الی اللہ من حیث خدا کا قرب بندہ کی طرف باعتبار توجہ کے بندہ کا قرب اللہ تعالیٰ کی طرف باعتبار توجہ کے التوجہ کو مستلزم نہیں بس وہ اشکال مرتفع ہوگیا۔

قرب خداوندی کا معنیٰ

یہ کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ہم اس کی طرف شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) سے بظاہر یہ لازم آتا ہے کہ جب حق تعالیٰ ہم سے قریب ہیں تو ہم بھی ان سے قریب ہوں کیونکہ قرب و بعد امور نسبیہ متشارکہ میں سے ہیں اور امور نسبیہ کے لئے طرفین ضروری ہیں۔ تو جب ایک شے دوسری شے سے قریب ہے تو یقینا دوسری بھی اس سے قریب ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ زید تو عمرو سے قریب ہو اور عمرو اس سے قریب نہ ہو بلکہ اگر وہ اس سے قریب ہے تو یہ بھی اس سے قریب ہے اور اس بناء پر لازم آتا ہے کہ سارا جہان مقرب ہوجائے جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ یہ بات قرب حسی و قرب مکانی میں ہوا کرتی ہے کہ ایک شے کا دوسری سے قرب ہونا اس کے قرب کو بھی مستلزم ہے اور یہاں حق تعالیٰ کو بندہ سے اور بندہ کو حق تعالیٰ سے جو قرب ہوتا ہے وہ قرب مکانی حسی نہیں بلکہ قرب علمی ہے اور قرب علمی میں یہ لازم نہیں کہ اگر ایک شخص کو دوسرے سے قرب علمی حاصل ہو تو دوسرے کو بھی اس سے قرب علمی حاصل ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک کو دوسرے کا علم ہو اور دوسرے کو اس کا علم نہ ہو جیسا اوپر ایک مثال کے ضمن میں بتلایا گیا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کو تو سب بندوں سے قرب علمی حاصل ہے مگر بندوں میں سب کو خدا تعالیٰ سے قرب علمی حاصل نہیں کیونکہ بہت سے اس سے غافل ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے نحن اقرب الیہ (ہم اس سے زیادہ قریب ہیں) فرمایا ہے۔ ھو اقرب الینا۔ (وہ ہماری طرف زیادہ قریب) نہیں فرمایا۔

احادیث مبارکہ

ا: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نُخَامَةً فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّيْ بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ حِيْنَ انْصَرَفَ: اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ اَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهٖ فِي الصَّلٰوةِ۔

(صحیح البخاری ج1 ص104 باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ الخ صحیح مسلم ج1 ص207 باب النھی عن البصاق فی المسجد الخ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قبلہ (کی جانب) میں کچھ تھوک دیکھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے آگے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس کو چھیل ڈالا۔ اس کے بعد جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جب کوئی شخص نماز میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے لہٰذا

کوئی شخص نماز میں اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے۔

2: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ: بَعَثَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْیَمَنِ بِذُهَیْبَةٍ فِیْ اَدِیْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا قَالَ فَقَسَمَهَا بَیْنَ اَرْبَعَةِ نَفَرٍ بَیْنَ عُیَیْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَاَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَیْدِ الْخَیْلِ وَالرَّابِعِ اِمَّا عَلْقَمَةَ وَاِمَّا عَامِرِ بْنِ الطُّفَیْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ کُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: اَلَا تَاْمَنُوْنِیْ وَاَنَا اَمِیْنُ مَنْ فِی السَّمَاءِ یَاْتِیْنِیْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً" الحدیث

(صحیح بخاری ج 2 ص 624 باب بعث علی بن ابی طالب الخ صحیح مسلم ج 1 ص 341 باب اعطاء المؤلفۃ ومن یخاف الخ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں تھوڑا سا سونا بھیجا جس کی مٹی اس سونے سے جدا نہیں کی گئی تھی (کہ تازہ کان سے نکلا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور چوتھے علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں مجھ پر اطمینان نہیں ہے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح وشام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ عرش پر ہے اس سے باطل ہو گیا۔

3: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِهٖ خَارِجًا اِلٰی سَفَرٍ کَبَّرَ ثَلَاثًا قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ الحدیث

(صحیح مسلم ص باب استحباب الذکر اذا رکب دابۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور (سواری) کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یا اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی پرہیزگاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے

ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی لمبان کو ہم پر تھوڑا کر دے۔ یا اللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور خلیفہ ہے گھر میں۔

4: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگ زور کی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَہٗ سَمِیْعًا قَرِیْبًا وَّھُوَ مَعَکُمْ۔

(صحیح مسلم؛ ج2 ص346 باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ: اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے و غائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔

5: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ۔ (جامع الترمذی ج2 ص14 باب ماجاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ: تم زمین والوں پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے، غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ عرش پر ہے، اس سے باطل ہو گیا۔

6۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: لَوْ اَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ۔ (جامع الترمذی ج2 ص165 تفسیر سورۃ حدید)

ترجمہ: اگر تم ایک رسی زمین کے نیچے ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ پر اترے گی۔

فائدہ: رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالیٰ پر اترنا دلیل ہے کہ ذات باری تعالیٰ صرف عرش پر نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

7: عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: مَنِ اشْتَکٰی مِنْکُمْ شَیْئًا اَوِ اشْتَکَاہُ اَخٌ لَّہٗ فَلْیَقُلْ: رَبَّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُکَ اَمْرُکَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ رَحْمَۃً مِّنْ رَحْمَتِکَ وَ شِفَاءً مِنْ شِفَائِکَ عَلٰی ھٰذَا الْوَجْعِ فَیَبْرَاُ۔

(سنن ابی داؤد ج2 ص187 باب کیف الرقی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا بھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ

رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔اے اللہ! تیرا نام پاک ہے اور تیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔تو پاک لوگوں کا رب ہے۔اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتا رہے۔

8:حضرت عبداللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

فَمَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَه يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَه حَيْثُمَا كَانَ .

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج4 ص95،96 باب لا یاخذ الساعی۔شعب الایمان للبیہقی ج3 ص187 باب فی الزکوٰۃ)

ترجمہ: آدمی کے اپنے نفس کا تزکیہ کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان یہ نظریہ بنا لے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

9: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم:اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ . (المعجم الاوسط للطبرانی ج6 ص287 رقم الحدیث 8796)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو یہ نظریہ بنا لے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

10: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم:اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ:يَاابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَارَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْه؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَّه لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَه؟(صحیح مسلم ج2 ص318 باب فضل عیادۃ المریض۔صحیح ابن حبان ص189،رقم الحدیث 269)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے:اے ابن آدم!میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

عقلی دلائل کا بیان

1: اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے،خالق ازل سے ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟

2: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی لازم آئے گی اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ خالق ہیں جو کہ غیر محدود ہیں، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہوگا کیا غیر محدود، محدود میں سما سکتا ہے؟

4: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

5: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہوگا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدہ سے اللہ اکبر والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

6: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی اور جہت کو حد بندی لازم ہے اور حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

7: اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لئے مکان ہوگا اور مکان مکین کو محیط ہوتا ہے جبکہ قرآن کریم میں ہے: وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ:

شبہ: 1 اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانا جائے تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ اگر کہیں کہ نہیں تو ہر جگہ ہونے کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر کہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جواب:

1: بعض چیزوں کو اجمالاً بیان کریں تو مناسب اور ادب ہے، اگر تفصیلات بیان کریں تو خلاف ادب ہے۔ مثلاً سسر اپنے داماد کو کہے: میری بیٹی کے حقوق کا خیال رکھنا، تو اجمالاً قول ہونے کی وجہ سے یہ ادب ہے لیکن اگر وہ تمام حقوق ایک ایک کر کے گنوانا شروع کر دے تو یہ خلافِ ادب ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کا خالق اللہ ہے یہ کہنا ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک عضو کا نام لے کر یہی بات کہی جائے تو یہ خلافِ ادب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہیں یہ اجمالاً کہنا تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے درست اور ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک جگہ کا جس میں ناپسندیدہ جگہیں بھی شامل ہوں، نام لے کر کہا جائے تو یہ بے

ادبی ہونے کی وجہ سے غلط ہوگا۔لہٰذا ایسا سوال کرنا ہی غلط، نامناسب اور ناجائز ہے۔

2: یہ اعتراض تب پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو وجود بمعنی جسم کے ساتھ مانیں جیسے قرآن کریم کو بیت الخلاء میں لے کر جانا قرآن کی توہین اور بے ادبی ہے حالانکہ ہر حافظ جب بیت الخلاء جاتا ہے تو قرآن اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے لیکن بے ادبی نہیں، کیونکہ قرآن جسم سے پاک ہے ایسے ہی ہم اللہ تعالیٰ کا جسم ہی ثابت نہیں کرتے تو بے ادبی لازم نہیں آتی۔

3: رمضان المبارک کا مہینہ ہر جگہ مبارک ہے۔اگر کوئی شخص پوچھے کہ بیت الخلاء میں رمضان ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر جگہ رمضان نہیں، اگر ہے تو بیت الخلاء میں بابرکت کیسے؟ تو اس کا یہ سوال لغو ہوگا کیونکہ جب رمضان کا جسم نہیں ہے تو ہر جگہ ماننے میں کوئی بے ادبی نہ ہوگی اور یہ ہر جگہ بابرکت ہوگا۔اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا جسم ہی نہیں تو ہر جگہ ماننے میں بے ادبی بھی نہیں۔

شبہ:2 اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانیں تو اس سے حلول اور اتحاد لازم آئے گا۔

جواب: حلول اور اتحاد تب لازم آئے گا جب اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

فائدہ: دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ہر ایک کا وجود باقی رہے اتحاد کہلاتا ہے جیسے آملیٹ اور دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ایک چیز کا وجود ختم ہو جائے حلول کہلاتا ہے جیسے شربت۔

شبہ:3 جب اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر کیوں بلایا؟

جواب: ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر بلانا اگر عرش پر ہونے کی دلیل ہے تو یہودی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کوہ طور پر ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بلایا تھا۔کلامِ الٰہی تجلی الٰہی کا نام ہے چاہے اس کے ظہور کے لئے انتخاب عرش کا ہو یا کوہ طور کا ہو یا منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی زبان کا ہو۔

شبہ:4 اگر اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں تو بوقت دعا ہاتھ اوپر کیوں اٹھائے جاتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہیں لیکن بندے کے قلبی استحضار کے لئے بعض اعمال کے لئے بعض جہات کا تعین فرما دیتے ہیں۔جیسے نماز کے لئے جہتِ کعبہ کو قبلہ قرار دیا، دعا کے لئے جہتِ فوق کو قبلہ قرار دیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کے قرب الٰہی کے حصول کے لئے جہتِ ارض کو قبلہ قرار دیا اور قرآن مجید میں حکم دیا: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ)

فائدہ: ہمارا نظریہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے لگنے والی مٹی کے ذرات کعبہ سے بھی اعلیٰ ہیں۔اس پر غیر مقلد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ ذرات کعبہ سے بھی اعلیٰ ہیں تو سجدہ کعبہ کی طرف نہ کرو بلکہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے کرو۔ہم کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ افضل ہی کو قبلہ بنایا جائے۔اگر آپ کا یہی اصول ہے تو آپ کے ہاں عرش کعبۃ اللہ سے افضل ہے تو آپ نماز میں اپنا منہ عرش کی طرف کیوں نہیں کر لیتے؟؟

فائدہ: کعبہ مرکزِ عبادت ہے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرکزِ عقیدت ہے۔

آیات قرآنی کی فضیلت کا بیان

القَوْل فِي تفاضل آيات الْقُرْآن

وَالْقُرْآن منزل على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَهُوَ فِي الْمَصَاحِف مَكْتُوب وآيات الْقُرْآن فِي معنى الْكَلَام كلهَا مستوية فِي الْفَضِيلَة وَالْعَظَمَة الا ان لبعضها فَضِيلَة الذّكر وفضيلة الْمَذْكُور مثل آيَة الْكُرْسِيّ لِأَن الْمَذْكُور فِيهَا جلال الله تَعَالَى وعظمته وَصِفَاته فاجتمعت فِيهَا فضيلتان فَضِيلَة الذّكر وفضيلة الْمَذْكُور ولبعضها فَضِيلَة الذّكر فَحسب مثل قصَّة الْكفَّار وَلَيْسَ للمذكور فِيهَا فضل وهم الْكفَّار وَكَذَلِكَ الْأَسْمَاء وَالصِّفَات كلهَا مستوية فِي العظمة وَالْفضل لَا تفَاوت بَينهَا ۔

قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر نازل کیا گیا ہے اور یہ صحائف میں لکھا ہوا ہے۔اور کلام کے معنی میں قرآن کی آیات تمام کی تمام برابر ہیں فضیلت میں بھی اور عظمت میں بھی،البتہ بعض کی فضیلت کو ذکر کیا گیا ہے۔جس طرح آیت الکرسی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت اور صفات کو ذکر کیا گیا ہے۔لہٰذا اس میں دو فضیلتیں جمع گئی ہیں (۱) فضلت ذکر (۲) فضیلت مذکور۔جبکہ بعض آیات میں فقط ذکر کی فضیلت ہے۔جس طرح وہ آیات جن میں کفار کا قصہ بیان ہوا ہے۔اس میں مذکور کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے (یعنی کفار کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے) کیونکہ وہ کفار ہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات یہ تمام فضیلت اور عظمت میں برابر ہیں۔جن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

کتاب اللہ کی تعریف کا بیان

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم بان الكتاب هو القرآن المنزل على رسول الله المكتوب في دفات المصاحف المنقول الينا على الاحرف السبعة المشهورة نقلا متواترا ۔ (اصول السرخسي، المطبعة السلفية القاهرة)

جان لو! کتاب اللہ سے مراد وہ قرآن ہے جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے مصاحف کے گتوں کے درمیان لکھا گیا ہے اور ہم تک معروف احرف سبعہ کے ساتھ تواتر سے منقول ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں،و حد الكتاب ما نقل الينا بين دفتي المصحف على الاحرف السبعة المشهورة نقلا متواترا ۔ (المستصفى، دار الكتب العلمیہ)

کتاب اللہ کی تعریف یہ ہے کہ جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان معروف احرف سبعہ کے ساتھ ہم تک متواتر

منقول ہے۔

قرآن کی تعریف

ھو کلام اللہ المنزل علی رسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بواسطۃ الوحی جبریل علیہ السلام، لفظا و معنی، المعجز، المتعبد بتلاوتہ و المنقول لنا نقلا متواترا،

وہ کلام اللہ، جو الفاظ اور معنی میں، اس نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، جبریل علیہ السلام کے ذریعے نازل کیا، جو معجزہ ہے اور جس کی تلاوت کے ذریعے عبادت ہوتی ہے اور یہ ہم تک تواتر سے منقول ہے۔

قرآن پاک کا کلام اللہ ہونا عقل سے ثابت ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو تحدی کی ہے کہ وہ اس جیسی ایک سورت پیش کردیں، مگر انسان اس سے قاصر رہا ہے۔ اگرچہ یہ تحدی قیامت تک باقی رہے گی، مگر جو لوگ لغت کے ماہرین تھے یعنی اس دور کے عرب قبائل، بالخصوص قریش، وہ اس جیسے بلند معیار کا کلام نہیں لا سکے تو یہ محال ہے کہ ان کے بعد کسی کے لئے یہ ممکن ہو۔ یہ تحدی قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب و نظم کے اعتبار سے کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین،

اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور بلا لو اپنی مدد کے لئے سب کو سوائے اللہ کے، اگر تم سچے ہو۔

قریش سر توڑ کوشش کے باوجود، اس معیار کا کلام پیش کرنے سے عاجز رہے جو کہ تواتر سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بعد بھی اس تحدی کا معارضہ پیش کرنے کی کوششیں جاری رہیں، مگر سب ناکام۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آیت یا سورت کی تلاوت فرماتے تو فوراً حدیث بھی کہتے۔ جب ہم قرآن اور حدیث (متواتر) کا موازنہ کرتے ہیں تو ان میں کوئی مشابہت نہیں پاتے۔ انسان اپنے اسلوب کو جتنا چاہے بدلنے کی کوشش کرے مگر تھوڑی بہت مشابہت ہمیشہ رہے گی، جبکہ قرآن اور حدیث میں ایسی کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ یہ تمام باتیں قرآن کے معجزہ ہونے کے عقلی دلائل ہیں اور اس بات کے کہ یہ کلام قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ چونکہ یہ کتاب، پوری انسانیت کے لئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اس لئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی قطعی دلیل بھی ہے۔

قرآن مجید کے حادث ہونے کے اشکال کا جواب

الانبیاء: ۲ میں فرمایا: ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود کے مشغلہ میں

ہی سنتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نصیحت کے لئے وقتاً فوقتاً آیات نازل فرماتا رہتا ہے، قرآن مجید میں اس کے لئے ذکر محدث کا لفظ ہے۔ معتزلہ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں یہ واضح تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حادث ہے، ہم کہتے ہیں اس کا تعلق کلام لفظی کے ساتھ ہے اور کلام لفظی کو ہم بھی حادث کہتے ہیں، ہم قدیم کلام نفسی کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید کو جادو قرار دینے کا جواب

نیز کفار کہتے تھے: کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پاس جا رہے ہو، یہ کفار کا سیّدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر دوسرا اعتراض تھا، وہ کہتے تھے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے، اور یہ اعتراض بھی ان کی جہالت پر مبنی تھا۔ کیونکہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی نبوت کے ثبوت پر قرآن مجید کو پیش کیا تھا اور اس میں کوئی ملمع کاری، شعبدہ بازی اور نظر بندی نہیں تھی۔ عرب میں لوگ فصیح اور بلیغ تھے آپ نے ان کے سامنے یہ کلام پڑھا اور فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ انسان کا کلام ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آو، آپ متواتر اور مسلسل ان کو اس جیسا کلام لانے کے لیے للکارتے رہے وہ آپ کی نبوت کو باطل کرنے پر بہت حریص تھے اور فصاحت اور بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اگر وہ اس کلام کی نظیر لانے پر قادر ہوتے تو ضرور اس کی نظیر لے آتے لیکن جب وہ پیہم مطالبوں کے باوجود ایسا کلام نہیں لا سکے تو واضح ہوگیا کہ یہ قرآن عظیم آپ کا معجزہ ہے اور آپ کے دعویٰ نبوت کا صدق ظاہر ہوگیا اور یہ معلوم ہوگیا کہ یہ جادو نہیں ہے اور ان کا قرآن مجید کو جادو کہنا باطل ہے وہ صرف جان چھڑانے اور اپنے چیلوں چانٹوں کو مطمئن کرنے کے لیے قرآن مجید کو جادو کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے اور بیٹیوں کا بیان

اَبناء رَسُول اللہ وَبناته

وقاسم وطاھر وَابْرَاھِیم کَانُوا بنی رَسُول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم وَفَاطِمَة و رقیة وَزَیْنَب وَام کُلْثُوم کن جَمِیعًا بَنَات رَسُول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم۔

حضرت قاسم، طاہر اور ابراہیم سلام اللہ علیہم یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے تھے۔ اور حضرت فاطمہ، رقیہ، زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہم یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں۔

شرح

مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھی۔ بیٹوں کی تعداد میں البتہ اختلاف ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے تھے حضرت قاسم حضرت

عبداللہ حضرت ابراہیم بعضوں نے کہا چوتھے صاحبزادے حضرت طیب اور پانچویں حضرت طاہر تھے۔ بعض کہتے ہیں طیب اور طاہر ایک ہی صاحبزادے کے نام ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ہی کا نام طیب اور طاہر تھا اس طرح تین ہوئے لیکن اکثر کی تحقیق تین بیٹوں کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت ابراہیم کے سوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ اور بعثتِ نبوت سے پہلے ہی انتقال فرما گئے۔ دو سال کی عمر پائی انہیں کے نام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہوئی۔ مکہ میں ولادت ہوئی اور وہیں انتقال ہوا۔ (زرقانی ج 3 ص 24)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ کا نام حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اور حضرت قاسم کی طرح ان کی والدہ کا نام بھی حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت عبداللہ اعلان نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور ایک سال چھ ماہ آٹھ دن زندہ رہے اور طائف میں وفات پائی: امہات المومنین۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعا عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ یہ 8 ہجری کا واقعہ ہے حضرت ابورافع نے حاضر ہو کر ولادت کی خوشخبری دی اس بشارت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع کو ایک غلام عنایت فرمایا۔ ساتویں روز اس شہزادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ کیا۔ دو مینڈھے ذبح کرائے سر منڈایا بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔ بال زمین میں دفن کئے۔ ابراہیم نام رکھا۔ تقریباً سولہ ماہ زندہ رہ کر 10 ہجری میں انتقال فرمایا۔ (بنات اربع بحوالہ زادالمعاد لابن قیم)

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

نام ونسب

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی ہیں۔ بعثت نبوت سے دس سال پہلے پیدا مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت تیس برس تھی۔ ان کی ولدہ کا نام حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں

ابتدائی حالات

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو جس طرح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہی اعلان پر اسلام قبول فرمالیا۔ اسی طرح آپ کی اولاد بھی مشرف با اسلام ہوئی۔ اس وقت سیدہ زینب کی عمر دس سال تھی۔ (البدایہ والنھایہ)

نکاح

حضرت زینب کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف سے ہوا۔ حضرت ابوالعاص کا نسب چہارم پشت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ حضرت ابوالعاص مکہ کے صاحب ثروت شریف اور امانت دار انسان تھے۔ حضرت ابوالعاص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد بن یاسد ہے جو حضرت خدیجہ کی حقیقی بہن ہیں اور حضرت خدیجہ حضرت ابوالعاص کی خالہ ہیں۔ ابوالعاص حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ حضرت فاطمہ اور حضرت زینب حقیقی بہنیں ہیں اس بنا پر حضرت علی اور حضرت ابوالعاص آپس میں ہم زلف ٹھرے۔

مشرکین مکہ کے ناپاک عزائم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ ہر طرح کی تکالیف پہنچائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا اللہ کی صدا سے پورے مکہ میں انقلاب برپا کر دیا مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید تکلیف پہنچانے کے لیے حضرت ابوالعاص کو اس بات پر اکسایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب کو طلاق دے دو اور قبیلہ قریش میں سے تم جس عورت سے نکاح کرنا چاہو ہم وہ عورت پیش کر سکتے ہیں۔ جواب میں حضرت ابوالعاص نے فرمایا قال لا واللہ اذن لا افارق صاحبتی اللہ کی قسم میں اپنی بیوی سے ہرگز جدا نہیں ہوسکتا۔ (ذخائر العقبیٰ۔ البدایہ لابن کثیر)

شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام میں بھی ابوالعاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے محصورین کے لیے خوراک کی فراہمی کا بندوبست کرتے رہے۔ البدایہ۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ابوالعاص نے ہماری دامادی کی بہترین رعایت کی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت ابوالعاص نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

نبوت کے تیرھویں سال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی۔ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں اپنے سسرال کے ہاں تھیں۔ ہجرت کے بعد اسلام کا ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے مدنی زندگی میں اسلام اور کفر کے درمیان بڑی بڑی جنگیں لڑی گئی ان میں ایک مشہور جنگ غزوہ بدر کے نام سے معروف ہے اور اس جنگ بدر میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کفار کی طرف سے جنگ میں شریک ہو کر آئے۔

جنگ بدر میں جب اہل اسلام کو فتح ہوگئی تو جنگی قاعدہ کے مطابق شکست خوردہ کفار کو اہل اسلام نے قید کرلیا اور ان قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے داماد حضرت ابوالعاص بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ فیصلہ ہوا۔ جو قیدی لائے گئے ہیں ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جاے۔ اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کو چھوڑانے کے لیے فدیے اور معاوضے بھیجنے شروع کیے۔ اس ضمن میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند حضرت ابوالعاص کی رہای کے لیے اپنا وہ ہار جوان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا بھیجا مدینہ شریف میں یہ فدیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیے گے۔ اور حضت ابوالعاص کا فدیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہار کی شکل میں پیش ہوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نظر فرمائی تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا اختیار رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور اس کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہوگئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام علیہ وسلم کی اس کیفیت کے اثر میں تمام صحابہ متاثر ہوے۔

اس وقت اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا اگر تم ابوالعاص کو رہا کردو اور زینب کا ہار واپس کردو تو تم ایسا کر سکتے ہو۔ اس وقت صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپ کا ارشاد درست ہے ہم ابوالعاص کو بلا فدیہ رہا کرتے ہیں۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار واپس کرتے ہیں۔

اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نےحضرت ابوالعاص سے وعدہ لیا۔ کہ جب مکہ واپس پہنچیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہمارے ہاں مدینہ بھیج دینا۔ چناچہ حضرت ابوالعاص نے وعدہ کرلیا۔ تو انہیں بلا معاوضہ رہا کردیا گیا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی: مسند احمد بن حنبل؛ ابوداود شریف، مشکوۃ شریف؛ البدایہ والنھایہ)

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ رہا ہو کر مکہ اے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تمام احوال ذکر کیے اور مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور جو وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا وہ ایام بھی اگے تو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ روانہ کیا۔ کنانہ نے اپنی قوس اور ترکش کو بھی ساتھ لیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سواری کے اوپر کجاوہ میں تشریف فرما تھی۔ اور کنانہ اگے اگے ساتھ چل رہا تھا۔ اس دوران اہل مکہ کو اطلاع ہوگئی جب وادی ذطوی کے پاس پہنچے تو مکہ والے پیچھے سے پہنچ گے ہبار بن اسود نے ظلم کرتے ہوے نیزہ مار کر سیدہ کو اونٹ سے گرا دیا جس سے اپ زخمی ہوگئی اور حمل ساقط ہوگیا۔ کنانہ نے اپنا ترکش کھول دیا اور اندازی شروع کردی اور کہا جو بھی قریب اے گا اس کو تیروں سے پرو دیا جائے گا۔ کفار نے کہا کہ اپنے دشمن کی بیٹی کو علانیہ جانے تو لوگ ہمیں کزور سمجھیں گے۔ اس لیے انہیں چند یوم بعد رات کی تاریکی میں لے جانا۔ کنانہ نے رائے تسلیم کرلی اور چند دنوں کے بعد رات کے وقت مکہ سے باہر مدینہ سے اے ہوے صحابہ حضرت زید بن حارثہ اور ان کے پاس پہنچایا پس وہ دونوں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگے۔ (البدایہ والنھایہ۔ زرقانی)

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

مکہ مکرمہ سے قریش کا ایک قافلہ جمادی الاول ہجری میں شام کے لیے عازم سفر ہوا اور ابوالعاص بھی اس قافلہ میں شریک تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ے حضرت زید بن حارثہ کو سواروں کے ہمراہ قافلہ کے تعاقب کے لیے روانہ کیا۔ اور مقام عیص میں قافلہ ملا کچھ لوگ گرفتار ہوے اور باقی بھاگنے میں کامیاب ہوگے۔ حضرت ابوالعاص حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لاے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دے دی۔ اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سفارش پر تمام مال واسباب ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے مکہ جا کر جس جس کا مال تھا اس کے حوالہ کیا اور پوچھا کسی کا مال تو میرے ذمہ باقی نہیں۔ تو تمام لوگوں نے کہا۔ فجزاك الله خيرا فقدوجدناك وفيا كريما ۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے ہم نے تمہیں بڑا شریف اور وفادار پایا ہے صاس کے بعد قریش مکہ کے سامنے اسلام کا اعلان کیا اور مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ان کے سپرد کر دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لخت جگر نے اسلام کے لیے ہجرت کی اور تمام مصائب والام دین کے لیے برداشت کیے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر جب دربار رسالت میں ائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہوسلم فرماتے ہیں۔ ھی خیر بناتی اصیبت فی ھی افضل بناتی اصیبت فی۔ میری بیٹیوں میں زینب بہترین بیٹی ہے جس کو میری وجہ سے ستایا گیا۔ یہ افضل بیٹی ہے جس کو میری وجہ سے روکا گیا۔ (مجمع الزوائد للہیثمی: دلائل النبوہ للبیہقی)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تمام اولا د حضرت ابوالعاص بن الربیع سے ہوئی۔ ان میں ایک صاحبزادہ جس کا نام علی تھا۔ اور ایک صاحبزادی جس کا نام امامہ بنت ابوالعاص تھا اور ایک صاحبزادہ صغر سنی میں ہی فوت ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ اور جب مکہ فتح ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا تھا۔ اور یرموک کے معرکہ میں شہید ہوے۔ اور بعض کے نزدیک یہ قریب البلوغ ہو کر فوت ہوے۔ (اسد الغابہ لابن کثیر۔ الاصابہ لابن حجر عسقلانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی محبت فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ نبی کریم نماز کے لیے تشریف لائے کہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا حضور کے دوش پر سوار ہیں۔ اپ نے ایسی حالت میں نماز ادا فرمائی۔ جب رکوع جاتے تو اتار دیتے جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے۔ (بخاری شریف۔ مسلم شریف۔ مسند ابوداود طیالسی۔ ابوداود شریف۔ صحیح ابن حبان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم کی خدمت میں بیش قیمت ہار بطور ہدیہ ایا۔ اس وقت اپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تشریف فرما تھیں اور یہی حضرت امامہ صحن میں کھیل رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے پوچھا یہ ہار کیسا ہے۔ سب نے کہا کہ ایسا خوبصوت ہار تو ہم نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا دفعتها الی احب اهلی الی۔ یہ ہار میں اس کو دوں گا جو میرے اہل بیت میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قیمتی ہار خود اپنے دست مبارک سے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں پہنا دیا۔

(اسد الغابہ۔ مجمع الزوائد للہیثمی۔ الفتح ربانی، الاصابہ)

امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ عنہا سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نکاح

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے انتقال سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میرے بعد شادی کریں تو میری بڑی بہن کی بیٹی امامہ کے ساتھ کرنا۔ وہ میری اولاد کے حق میں میری قائمقام ہوگی۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وصیت کے مطابق ھ میں حضرت امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اپنی نگرانی میں ان کی شادی حضرت علی سے کردی۔ یہ نکاح مسلّم بین الفریقین ہے۔ اہلسنّت اور شیعہ حضرات اپنے اپنے مقام میں اس کو ذکر کیا کرتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے رجوع فرمائیں۔

(الاصابہ، انوار النعمانیہ)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال پر ملال

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ سے مدینہ تشریف لاتے ہوئیں تو دوران ہجرت ہبار بن اسود کے نیزہ سے زخمی ہوئی تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا وہی زخم دوبارہ تازہ ہوگیا جو ان کی وفات کا سبب بنا۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے اکابرین، صاحب قلم حضرات نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ فکانوا یرونها ماتت شهیدة

حافظ ابن کثیر نے لکھا کہ ان کو شہیدہ کے نام سے تعبیر کیا جانا چاہیئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ ہوئے اور تمام بہنیں اس حادثہ فاجعہ سے اور تمام عورتیں شدت جذبات سے رودیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدہ کی وفات کا سن کر حاضر ہوئے عورتوں کو روتا دیکھ کر آپ نے منع فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر سختی سے ٹھر جائیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: شیطانی آوازیں نکالنے سے پرہیز کریں۔ پھر فرمایا: جو آنسو آنکھوں سے بہتے ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے تو یہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کی رحمت سے ہے۔ (مشکوۃ شریف)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا اعزاز

سیدہ کے غسل کا اہتمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوا۔ حضرت ام ایمن، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہن نے غسل دیا۔

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کہ زینب کے نہلانے کا انتظام کرو پانی میں بیری کے پتے ڈال کر ابالا جائے اور اس پانی کے ساتھ غسل دیا جائے۔ اور غسل کے بعد کافور کی خوشبو لگائی جائے جب فارغ ہو جائیں تو مجھے اطلاع کرنا پس ہم نے اطلاع کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند اتار کر جسم اطہر سے عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے اس تہبند کو کفن کے ساتھ رکھ دو۔ (بخاری، مسلم)

سیدہ کا جنازہ

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا جنازہ تیار ہو گیا تو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پردہ داری سے میت کو تدفین کے لیے لے جایا گیا

سیدہ کا ایک اور اعزاز

خالق ارض و سموات نے حضرت زینب کو یہ اعزاز بھی دیا کہ ان کا جنازہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا اور روایات میں آتا ہے وصلی علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (انساب الاشراف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی قبر میں خود اترے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سیدہ کو دفنانے کے لئے حاضر ہوئے۔ ہم قبر پر پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مغموم تھے۔ ہم میں سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ قبر کی لحد بنانے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں آپ کو اطلاع کی گئی کہ قبر تیار ہو گئی ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر کے اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد باہر تشریف لائے تو آپ کا چہرہ انور کھلا ہوا تھا اور غم کے آثار کچھ کم تھے۔ اب عشاق عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ اس سے پہلے آپ کی طبیعت بہت مغموم نظر آ رہی تھی اب آپ کی طبیعت میں بشاشت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کی تنگی اور خوفناکی میرے سامنے تھی اور سیدہ زینب کی کمزوری اور ضعف بھی میرے سامنے تھا اس بات نے مجھے رنجیدہ خاطر کیا پس میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ زینب کے لئے اس حالت کو آسان فرما دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے منظور فرما لیا اور زینب کے لئے آسانی فرما دی۔ (مجمع الزوائد للہیثمی۔ کنز العمال)

میں نے بڑے اختصار کے ساتھ سیدہ زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پیدائش تا وفات لکھ دیئے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بڑی لخت جگر کے ساتھ کیسا مشفقانہ معاملہ تھا کہ زندگی میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل رہی اور وفات کے بعد تمام معاملات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوئے۔۔۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ اور یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد ہے۔ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تین برس بعد پیدا ہوئیں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً تینتیس برس تھی۔

ابتدائی حالات

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں پرورش پائی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر سات سال تھی۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ تو ان کے ساتھ آپ کی صاحبزادیوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ (طبقات ابن سعد۔ الاصابہ لابن حجر)

قبل از اسلام سیدہ کا نکاح

نبی کریم نے اپنی بیٹی حضرت رقیہ کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کیا تھا ابھی رخصتی ہونا باقی تھی۔ جب نبی کریم خاتم النبیین کے عظیم منصب پر فائز ہوئے پیغمبر اسلام کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے اور پیغام حق کے مقابلہ میں کفر اور شرک کی اشاعت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وحی کا نزول کر کے ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت فرمائی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق دے کر ان سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو تمہارا میرے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے حکم کی تعمیل کی اور دختران رسول سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کو طلاق دے دی۔

(طبقات ابن سعد۔ الاصابہ الابن حجر)

سیدہ رقیہ کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہا سے نکاح

جب ابولہب کے لڑکوں نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔

تو اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے

کردوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور ساتھ ہی رخصتی کر دی۔

(کنز العمال)

سیدہ رقیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی ہجرت حبشہ

جب کفار کے مظالم حد برداشت سے بڑھ گئے تو نبوت کے پانچویں سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کا یہ پہلا قافلہ تھا اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جوڑا خوبصورت ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

ایک عورت حبشہ سے مکہ پہنچی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہجرت کرنے والوں کے حال احوال دریافت فرمائے تو اس نے بتایا کہ اے محمد میں نے آپ کے داماد اور آپ کی بیٹی کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کیسی حالت میں دیکھا تھا؟

اس نے عرض کیا: ۔عثمان اپنی بیوی کو سواری پر سوار کیے ہوئے جا رہے تھے اور خود سواری کو پیچھے سے چلا رہے تھے۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مصاحب اور ساتھی ہو حضرت عثمان ان لوگوں میں سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔ (البدایہ لابن کثیر)

مدینہ کی طرف ہجرت

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے والے ہیں تو حضرت عثمان چند صحابہ کرام کے ساتھ مکہ آئے اسی دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا چکے تھے۔ ہجرت حبشہ کے بعد حضرت عثمان ہجرت مدینہ کے لئے تیار ہو گئے اور اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سمیت مدینہ کی طرف دوسری ہجرت فرمائی۔ (الاصابہ لابن حجر)

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد

حبشہ کے زمانہ قیام میں ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا جس کی وجہ سے حضرت عثمان کی کنیت ابو عبداللہ مشہور ہوئی۔ عبداللہ کا سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ خود پڑھی حضرت عثمان نے قبر میں اتارا۔ (اسد الغابہ)

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری

ہجری غزوہ بدر کا سال تھا حضرت رقیہ کو خسرہ کے دانے نکلے اور سخت تکلیف ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی تیاری میں مصروف تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوہ میں شرکت کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تیار ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا: رقیہ بیمار ہے آپ ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ

میں ہی مقیم رہیں آپ کے لئے بدر میں شرکت کرنے والوں کے برابر اجر ہے اور غنائم میں بھی ان کے برابر حصہ ہے۔

(بخاری)

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر میں شریک تھے۔ حضور کی عدم موجودگی میں سیدہ رقیہ کا انتقال پر ملال ہوا پھر ان کے کفن دفن کی تیاری کی گئی یہ تمام امور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیئے

غزوہ بدر کی فتح کی بشارت لے کر جب زید بن حارثہ مدینہ شریف پہنچے تو اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کرنے کے بعد دفن کرنے والے حضرات اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

چند ایام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو جنت البقیع میں قبر رقیہ پر تشریف لے گئے اور حضرت رقیہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

ایک روایت میں ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت رقیہ کی تعزیت پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کا شکر شریف بیٹیوں کا دفن ہونا بھی عزت کی بات ہے۔

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نام ونسب

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری بیٹی ہیں یہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ہیں۔ یہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

قبول اسلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نگرانی میں ہوش سنبھالا۔ اور آغوش رسالت میں پرورش پائی۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو یہ تمام بہنیں اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ اسلام لائیں۔ اسد الغابہ ج ص۔ طبقات ابن سعد ص۔

نکاح اوّل اور طلاق

اعلان نبوت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ لیکن جب اسلام کا دور آیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔ اور قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔ اور قرآن کریم میں سورہ لہب نازل ہوئی جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کی مزمت کی گئی۔ تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتیبہ سے کہا کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ تو عتیبہ نے طلاق دے دی۔

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے کچھ
افراد مکہ میں رہ گئے تھے۔ جن میں ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی بیٹی حضرت ام کلثوم اور حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابورافع اور حضرت زید بن حارثہ کو روانہ کیا۔ اور خرچ کے
لیے درہم حضرت ابوبکر صدیق نے پیش کیے۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ
پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں یعنی ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا
اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ طیبہ جا پہنچے۔ طبقات ابن سعد ج ص۔ البدایہ لابن کثیر ج۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما انا ازوج بناتی ولکن اللہ تعالیٰ یزوجھن ۔
میں اپنی بیٹیوں کو اپنی مرضی سے کسی کی تزویج میں نہیں دیتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے
ہیں۔ (المستدرک للحاکم)

جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا۔ وہ ہر وقت غم میں ڈوبے
رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غمگین دیکھا تو فرمایا
مالی اراک مھموما ؟ عثمان تمہیں کیوں غمزدہ دیکھ رہا ہوں؟
سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں۔ آقا مصیبت کا جو پہاڑ مجھ پر گرا ہے کسی اور پر نہیں گرا۔ اللہ کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی جو میرے نکاح میں تھی۔ انتقال کر فرما گئیں۔ جس سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور وہ رشتہ مصاحبت
بھی ختم ہو گیا جو میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا کہ یہ جبرائیل
میرے پاس آئے ہیں اور مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں
دوں اور جو مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے مقرر ہوا تھا اسی کے موافق ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مہر ہو۔ ابن ماجہ۔ اسد الغابہ ج
ص۔ کنز العمال ج ص۔

چنانچہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ربیع الاوّل ہجری میں ہوا۔ اور جمادی
الاخریٰ میں رخصتی ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، اسد الغابہ لابن اثیر الجزری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک منفرد اعزاز

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو لخت جگر آئیں۔ جس کی وجہ سے ان کو

ذوالنورین کہا جاتا ہے۔اسی طرح انہیں دو ہجرتیں کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ایک حبشہ ایک مدینہ کی طرف تو ذوالہجرتین کا لقب حاصل ہوا۔ابن عساکر میں ہے ہے

حضرت آدم علیہ وسلم سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی انسان ایسا نہیں گزرا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے۔

عدم اولاد

روایات کے مطابق حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بے مثال شوہر

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا: بیٹی: عثمان رضی اللہ عنہ کہاں ہیں۔حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کسی کام سے گئے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ابا جان وہ بہت اچھے اور بلند مرتبہ شوہر ثابت ہوے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹی کیوں نہ ہوں۔وہ دنیا میں تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ اسلام اور تمہارے باپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ ہیں۔ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میرے صحابہ میں سب سے زیادہ میرے اخلاق اور عادات سے مشابہ ہیں۔ (سیرت حلبیہ)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری بیٹی حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی شعبان ہجری کو انتقال فرما گئیں۔حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ ہا

چھ سال تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں۔(ات ابن سعد)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک دفعہ پھر غموں کے سمندر کے میں ڈوب گئے۔ان حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوے ارشاد فرمایا:

لو کن عشرا لزوجتهن عثمان،،

یعنی میرے پاس دس بیٹیاں بھی ہوتی تو میں یکے بعد دیگری عثمان کے نکاح میں دے دیتا،، طبقات ابن سعد، مجمع الزوائد للھیثمی۔بعض روایات میں اس سے زیادہ تعداد بھی منقول ہے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا غسل اور نماز جنازہ

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد اُن کے غُسل وکفن کے انتظامات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود

فرمائے۔سیدہ رضی اللہ عنہا کو غسل حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا،سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا،لیلیٰ بنت قائف رضی اللہ عنہا،اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے دیا۔(طبقات ابن سعد،اسد الغابہ)

جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا غسل اور کفن ہو چکا تو ان کے جنازہ کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔(طبقات ابن سعد،شرح مواھب اللدنیہ للزرقانی)

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا دفن

نماز جنازہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کو دفن کرنے کے لیے جنت البقیع میں لایا گیا۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے۔حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ قبر میں اترے،اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ،حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ،اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ قبر میں اترے اور دفن میں معاونت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دفن کے موقع پر قبر کے پاس تشریف فرما تھے۔میں نے دیکھا کہ۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے فرطِ غم کی وجہ سی آنسو جاری تھے

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ان کی والدہ کا نام بھی حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہے۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی کے بعد جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اکتالیس سال تھی مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔بعض سیرت نگاروں کے نزدیک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت جس زمانہ میں قریش کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اس وقت ہوئی۔اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال تھی۔)رجوع کر سکتے ہیں۔(طبقات ابن سعد،الاصابہ لابن حجر،الاصابہ فی تمیز الصاحبہ)

سیدہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحزادیوں میں سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ان کا اسم گرامی: فاطمہ ہے-------:اور ان کے القاب میں زہرا،بتول،زاکیہ،راضیہ،طاہرہ،بضعۃ الرسول خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پرورش

ان کی پرورش اور تربیت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

شمائل اور خصائل

حدیث شریف کی کی کتابوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان کی سیرت اور طرز طریق کو محدثین اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ:

فاقبلت فاطمه تمشی ۔ماتخطئی مشیة الرسول صلی الله علیه وسلم شیاً ۔

یعنی جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتی تھیں تو آپ رضی اللہ عنہا کی چال ڈھال اپنے والد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مشابہ ہوتی تھی۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں قیام وقعود،نشست و برخاست، عادات واطوار میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔

(مسلم شریف،الاستیعاب،حلیۃ الاولیالابی نعیم الصفہانی)

شعب ابی طالب میں محصوری

اسلم کا راستہ روکنے کے لیے کفار مکہ نےحضور صلی اللہ ولیہ وسلم کے خاندان،صحابہ کرام،ازواج رضی:اور بنات رضی:کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ صبر آزما لمحات اپنے اعزہ واقارب اور عظیم والدین کے ہمراہ صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کی۔

ہجرت

حضور نبی کریم صلی للہ علیہ وسلم ہجرت فرما کے مدینہ تشریف لے گئے۔اس وقت حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مکہ میں تھیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لانے کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا اور دو اونٹ دیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ درہم زادراہ کے لیے دیے۔یہ دونوں بنات طیبات ان کے ہمراہ مدینہ تشریف لائیں۔(البدایہ لابن کثیر)

نکاح

ماہ رجب ہجری میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے ہوا نکاح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس یا چوبیس برس اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ یا اٹھارہ برس تھی۔(تفسیر القرطبی)

اس نکاح کے گواہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔

ذخائر العبقعی المحب الطبری ۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی تیاری

نبی کریم صلی اللہ علی وسلم نے اپنی لخت جگر کی رخصتی کے لیے تمام تیاری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمائی۔سیدہ

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ اس موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اس کام میں ان کی معاون تھیں۔ کہ ہم نے وادی بطحا سے اچھی قسم کی مٹی منگوائی۔ جس سے اس مکان کو لیپا پونچا اور صاف کیا۔ پھر ہم نے اپنے ہاتھوں سے کھجور کی چھال درست کر کے دو گدے تیار کیے۔ اوع خرما اور منقی سے خوراک تیار کی اور پینے کے لیے شیریں پانی مہیا کیا۔ پھر اس مکان کے ایک کونے میں لکڑی گاڑ دی تا کہ اس پر کپڑے اور مشکیزہ لٹکایا جا سکے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ۔

فمار اینا عرسا احسن من عرس فاطمه

یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے بہتر ہم نے کوئی شادی نہیں دیکھی۔ (السنن لابن ماجہ، مسند احمد)

جہیز

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر کو جو جہیز دیا مختلف روائتوں کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک بستر مصری کپڑے کا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔۔ ایک مشکیزہ۔۔ دو مٹی کے گھڑے۔۔ ایک چکی۔۔ ایک پیالہ۔۔ دو چادریں۔ ایک جانماز۔۔۔ (مسند احمد ص 104)

فضائل سیدہ رضی اللہ عنہا بزبان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الفاطمة سيدة نساء اهل الجنة، فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ (البدایۃ)

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خواتین امت کی سردار ہے۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے تنگ کیا اس نے مجھے تنگ کیا اور جس نے مجھے تنگ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو تنگ کیا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو تنگ کیا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری تقلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم علیہ اسلام، خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت آسیہ کافی ہیں۔ (ترمذی شریف)

اولاد سیدہ رضی اللہ عنہا

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے پانچ اولادیں عطا فرمائیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ حضرت ام کلثوم ررضی اللہ عنہا۔ حضرت محسن رضی اللہ عنہا۔ حضرت محسن رضی اللہ عنہ صغر سنی میں فوت ہو گئے تھے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہجری میں ہوا۔ اور دوسری بیٹی حضرت زینب بنت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ (نسب قریش)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عبادت وشب بیداری

سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اپنی والدہ (گھر کے کام دھندوں سے فرصت پانے کے بعد) صبح سے شام تک محراب عبادت میں اللہ کے آگے گریہ وزاری کرتی، خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی حمد وثنا کرتے، دعائیں مانگتے دیکھا کرتا، یہ دعائیں وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے مانگتی تھی۔

ایثار وسخاوت

ایک دفعہ کسی نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا چالیس اونٹوں کی زکوۃ کیا ہوگی؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔تمہارے لیے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوں تو میں سارے کے سارے ہی راہ خدا میں دے دوں۔

انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اظہار غم

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت نے اضافہ کیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پریشانی عالم میں فرمانے لگیں۔ ذاکرب ابا۔ افسوس ہمارے والد کی تکلیف۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ آج کے بعد تیرے والد کو کوئی تکلیف نہیں۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتحال ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دار فانی سے دار بقا کی طرف انتقال فرما گئے۔

(اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد و بارك وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر نہایت درد وسوز کے عالم میں فرمایا تھا۔

صبت على مصائب لوانها .صبت على الايام سرن ليا ليا .

مجھ پر مصیبتوں کے اس قدر پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں کہ اگر یہی مصیبتوں کے پہاڑ دنوں پر ٹوٹے تو دن رات بن جاتے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرض الوفات اور ان کی تیمارداری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نہایت مغموم رہتی تھی اور یہ ایام انہوں نے صبر اور سکون کیساتھ پورے کیے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھائیس یا انتیس برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا بیمار ہوگیں۔ ان بیماری کے ایام میں آپ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری اور خدمات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سرانجام دیتی تھی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور چند روز بیمار

رہیں۔ پھر تین رمضان گیارہ ہجری منگل کی شب اٹھائیس یا انتیس برس کی عمر مبارک میں آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا (رضی اللہ عنہا)۔ (البدایہ والنھایہ)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غسل اور اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی خدمات

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسما بنت رضی اللہ عنہا کو وصیت کی تھی کہ آپ مجھے بعد از وفات غسل دیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ معاون ہوں۔ چنانچہ حضرت اسما بنت عمیس نے آپ رضی اللہ عنہا کے غسل کا انتظام کیا۔ اور آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا شریک تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سارے انتظام کی نگرانی فرمانے والے تھے۔ (اسد الغابہ، البدایہ والنھایہ، حلیۃ الاولیا)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھنے کا مرحلہ پیش آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس موقعہ پر موجود تھے تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا آپ رضی اللہ عنہ آگے تشریف لاکر جنازہ پڑھائیں۔ جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں آپ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جنازہ پڑھانے کے لیے پیش قدمی نہیں کرسکتا۔ نماز جنازہ پڑھانا آپ رضی اللہ عنہ ہی کا حق ہے آپ رضی اللہ عنہ تشریف لائیں اور جنازہ پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے تشریف لائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ پڑھایا۔

(طبقات ابن سعد، کنز العمال)

نماز جنازہ کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کو ہی جنت البقیع میں دفن کیا گیا، اور دفن کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما قبر میں اترے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے، اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا "یہ میرے اہل بیت ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں" اس کے بدلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک

عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔ (یہ تمام واقعات ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں۔صدق وراستی میں بھی انکا کوئی حریف نہ تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔(استیعاب ج2ص772)

میں نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے زیادہ کسی کو صاف گونہیں دیکھا۔ان کے والد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

حددرجہ حیاء دار تھیں، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کوطلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازہ پر جو پردہ کرنے کی وصیت کی تھی وہ بھی اسی بنا پر تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت کرتی تھیں۔ جب وہ خوردسال تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لاکر رکھ دی، قریش مارے خوشی کے ایکدوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جاکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کوخبر کی، وہ اگر چہ اس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔(صحیح بخاری ج1ص38،74)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جوشخص سب سے پہلے بازیاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں توں آپ کھڑے ہوجاتے ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں صلح کرادیتے تھے۔ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا، آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صلح صفائی کرادی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو حالت اور تھی۔اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دوشخصوں میں مصالحت کردی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے، حضرت فاطمہ نے شکایت کی، آپ نے فرمایا"بیٹی! تمکو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔"حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اسکا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "اب میں تمھارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا اپنے ہاتھوں سے چکی پیسنے کا بیان

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رفتار وگفتار، عادات اور فضائل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین نمونہ تھیں

وہ نہایت متقی، صابر، قانع اور دیندار خاتون تھیں۔ گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے لیکن ان کے ماتھے پر بل نہیں آتا تھا۔ گھر کے کاموں کے علاوہ عبادت بھی کثرت سے کرتی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سلطان الفقراء تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی فقر و فاقہ میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ جلیل القدر والد شہنشاہ عرب بلکہ شہنشاہ دو جہاں تھے لیکن داماد اور بیٹی پر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے۔

سرور عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کا گھریلو کام خود کرنے کا بیان

ایک دن دونوں میاں بیوی آٹھ پہر سے بھوکے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے مزدوری میں ایک درہم مل گیا۔ رات ہو چکی تھی ایک درہم کے جو کہیں سے خرید کر گھر پہنچے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہنسی خوشی اپنے نامدار خاوند کا استقبال کیا۔ جو ان سے لے کر چکی میں پیسے، روٹی پکائی اور علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دی۔ جب وہ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سیّد البشر کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب فتوحات اسلام روز بروز وسعت پذیر ہو رہی تھیں۔ مدینہ منورہ میں بکثرت مال غنیمت آنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ مال غنیمت میں کچھ لونڈیاں آئی ہیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: فاطمہ چکی پیستے پیستے تمہارے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ہیں اور چولہا پھونکتے پھونکتے تمہارے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت میں بہت سی لونڈیاں آئی ہیں جاؤ سرکار دو عالم سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں لیکن شرم و حیا حرف مدّعا زبان پر لانے میں مانع ہوئی۔ تھوڑی دیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہ کر واپس آ گئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کنیز مانگنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ پھر دونوں میاں بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تکالیف بیان کیں اور ایک لونڈی کے لئے درخواست کی۔ سرور کائنات نے فرمایا: میں تم کو کوئی قیدی خدمت کے لئے نہیں دے سکتا ابھی اصحاب صُفّہ کی خورد و نوش کا تسلی بخش انتظام مجھے کرنا ہے، میں ان لوگوں کو کیسے بھول جاؤں جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کی خاطر فقر و فاقہ اختیار کیا ہے۔

دونوں میاں بیوی خاموشی سے گھر تشریف لے گئے۔ ابن سعد رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم جس چیز کے خواہش مند تھے اس سے بہتر ایک چیز تم کو بتاتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ، الحمدللہ 33،33 بار اور اللہ اکبر 34 بار پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے بہترین خادم ثابت ہو گا۔

کرامات سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ "حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئیں جس میں ان کو

موت آ گئی، وہ بیمار تھیں اور میں تیمار دار تھی، ایک دن صبح سویرے میں نے دیکھا کہ ان کو افاقہ نظر آ رہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر کہ اے اماں! میں نہانا چاہتی ہوں میرے لئے نہانے کا پانی انڈیل دو، میں نے پانی تیار کر دیا اور جس طرح وہ تندرستی میں نہاتی تھیں ویسے ہی خوب نہائیں، پھر انہوں نے نئے کپڑے مانگے، میں نے ان کو نئے کپڑے بھی دے دیئے جو انہوں نے خود پہن کر کہا: امی اب آپ ذرا میرے لئے گھر کے بیچوں بیچ بچھونا بچھا دیجئے، میں نے یہ بھی کر دیا، بس وہ بستر پر جالیٹیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ کر کہا: اے امی جان! اب میں اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہی ہوں اور بالکل پاک ہوں، اب کوئی بلا ضرورت مجھے کھولے نہیں، اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد پورا واقعہ میں نے ان سے کہہ سنایا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب و فضائل اور تفصیلی حالات کتاب مناقب فاطمہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ احمد حسن صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مسند ابن حنبل میں حضرت ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کپڑے دینے اور ان کا بستر بچھانے والی خاتون کا نام زوجہ ابی رافع رضی اللہ عنہ ہے، ہمیں اس کرامت کے ضمن میں یہ بتانا ہے کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا جس مرض الموت میں تھیں ان کو قربِ موت کا کشفِ الہامی ہوا، چنانچہ وہ تندرستوں کی طرح نہا دھو کر نئے کپڑے بدل کر خدا سے ملنے کے لئے تیار ہو گئیں، جو ان کی کرامت ہے، کتاب اسد الغابۃ میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس طرح غسل سے آپ رضی اللہ عنہا کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ آپ کو غسل میت نہ دیا جائے؛ بلکہ ایک دوسری روایت میں حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب میں مر جاؤں تو اے اسماء! تم اور علی رضی اللہ عنہا مجھے نہلائیں اور ان کے سواء میرے غسل میں کوئی ہاتھ نہ لگائے۔

الحاصل! آپ رضی اللہ عنہا کو مرنے سے پہلے اپنی موت کا الہام ہوا جو آپ رضی اللہ عنہا کی کرامت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "رسول اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پردہ کے پیچھے سے پکار کر کہے گا: اے حاضرین! اپنی آنکھیں بند کر لو؛ اس لئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزر رہی ہیں۔

اللہ اللہ! آپ رضی اللہ عنہا کی بزرگی اور بلندء درجات کہ قیامت کے دن بھی آپ رضی اللہ عنہا کی یہ عزت ہوگی کہ آپ کی خاطر داری کے لئے الگ الگ احکام جاری ہوتے رہیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے فاطمہ! تمہاری خفگی سے اللہ تعالیٰ غضبناک ہو جاتا ہے اور تمہاری رضامندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے۔

یعنی اگر تم کسی سے ناراض ہو جاؤ اور اس پر خفاء ہو تو اللہ تعالیٰ بھی غضبناک ہو کر اس شخص پر قہر و غضب کی بجلیاں گراتا ہے؛ کیونکہ تم کسی سے ناحق ناراض نہیں ہوتی ہو، تو تمہارا غصہ اور تمہاری رضامندی سب کچھ اللہ کے واسطے ہے؛ اس لئے تم کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عزت دی ہے اور تمہارے رتبہ کو بلند کیا ہے، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رضا کو اللہ پاک کی خوشنودی اور آپ کی خفگی کو اللہ کا غضب قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ ان کا کوئی کام اللہ کے سوائے کسی دوسرے کے لئے نہیں تھا، سب لوگ اور خصوصاً عورتیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قدم بقدم چل کر اپنا رتبہ اونچا کرسکتی ہیں، بس عمل کی دیر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک طویل قصہ میں بیان کیا ہے کہ "ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے تو کافروں نے سجدہ کی حالت میں نجاست ڈال دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے لگے، میں نے ان کافروں کو سمجھایا؛ لیکن وہ سمجھنے کے بجائے الٹا برہم ہوگئے اور فساد ہونے کو ہی تھا کہ میں نے خود کو اکیلا پا کر اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیدی؛ تاکہ ان کی صغرسنی پر ہی یہ ظالم اپنی حرکتوں سے باز آجائیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگرچہ چھوٹی عمر کی لڑکی تھیں؛ لیکن انہوں نے میری گفتگو کو نہایت غور سے سنا اور پھر دوڑتی ہوئی جاکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک سجدہ کی حالت میں تھے، اس نجاست کو اٹھا کر دور پھینک دیا اور ان کافروں سے خوشامد کی کوئی بات کہے بغیر نہایت دلیری سے بات کر کے ان کو خوب خوب صلواتیں سنائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس حدیث کی جو شرح کی ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس عالی ہمتی اور قوتِ گفتار سے ان کی بزرگی اور کرامت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے بچپن کے باوجود نہایت دلیری سے دشمنوں کو گالیاں دیں اور ان ظالموں کو آپ رضی اللہ عنہا سے تعرض و مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی"۔

کوئی دشمن غصہ کی حالت میں اپنے مخالف کے بچہ کی سخت وست گفتگو اور گالیوں کو کبھی بھی یہ کہہ کر نہیں ٹالتا کہ جانے دو بچہ ہے، اس کی گالیاں ہی کیا؛ بلکہ وہ اور بھی برسرِ پیکار ہو جاتا ہے اور یہ ایک نئی لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہو جاتی ہیں، چہ جائیکہ مسلمانوں کے پکے دشمن یہ ظالم کافر جو لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے عادی تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کی گالیوں سے خاموش نہ بیٹھے؛ بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کی دلیرانہ گفتگو کے سبب اللہ نے ان ظالم کافروں کا منہ بند کر دیا۔ الحاصل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی بزرگ شخصیت تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کی بہت سی کرامتیں تھی۔

بنات اربع سے متعلق دیگر مکتبہ فکر کے موقف کا بیان

بنات اربع کے حوالے سے شیعہ کتب حدیث میں تواتر سے بہت احادیث موجود ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی تھی اس کے ثبت میں ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں۔

ثبوت از شیعہ حدیث

احمد بن محمد عن ابن ابی عمیر عن حماد عن الحلبی عن ابی عبداللہ ان اباہ حدثہ امامۃ بنت ابی العاص بن الربیع و امہا زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتزوجہا بعد علی ۔

ابی عبداللہ سے ان کے والد (الباقر رح) نے کہا کہ امامہ بنت ابی العاص جن والدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انہوں بعد میں علی رضہ سے نکاح کیا تھا) (الطوسی التھذیب الاحکام جلد ص 258)

مجلسی نے ملاذ الاخیار میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ الحلی نے تذکرۃ الفقاہ جلد 2 ص میں اسے صحیح کہا ہے۔ الخوئی نے اسے صحیح کہا ہے معجم رجال خوئی جلد 19 ص مدعیان چار بیٹیاں تین روایات کتب شیعہ سے پیش کرتے ہیں۔

روایت اول حیات القلوب علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم سے کہ قرب الاسناد میں بسند معتبر حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے طاہر قاسم، فاطمہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم، رقیہ اور زینب متولد ہوئے۔

جواب: اس روایت کی سند یوں ہے۔ روی الحمیر ی فی قرب الاسناد عن ھارون بن مسلم عن مسعدہ بن صدقۃ عن جعفر علیہ السلام عن ابیہ علیہا السلام اس سند میں ایک راوی حمیری ہے جو شارب الخمر ہے انہ کان یشرب الخمر رجال مامقانی جلد اول ص۔ یعنی وہ ہمیشہ شراب پیتا تھا۔ دوسرا راوی اس سند روایت میں مسعدہ بن صدقہ جس کا تعلق اہل سنت کی بتری جماعت سے رجال مقامانی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چچاؤں کی تعداد

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچاؤں کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد نو، بعض نے کہا کہ دس اور بعض کا قول ہے کہ گیارہ مگر صاحب مواہب لدنیہ نے ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) حارث (۲) ابوطالب (۳) زبیر (۴) حمزہ (۵) عباس (۶) ابولہب (۷) غیداق (۸) مقوم (۹) ضرار (۱۰) قثم (۱۱) عبدالکعبہ (۱۲) جحل۔

ان میں سے صرف حضرت حمزہ وحضرت عباس رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسد اللہ واسد الرسول (اللہ ورسول کا شیر) کے معزز وممتاز لقب سے سرفراز فرمایا۔ یہ ۳ھ میں جنگ اُحد کے اندر شہید ہو کر سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے اور مدینہ منورہ سے تین میل

دور خاص جنگ اُحد کے میدان میں آپ رضی اللہ عنہ کا مزار پرانوار زیارت گاہ عالم اسلام ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اوران کی اولاد کے بارے میں بہت سی بشارتیں دیں اوراچھی اچھی دعائیں بھی فرمائی ہیں۔

۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ستاسی یا اٹھاسی برس کی عمر پاکروفات پائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ (زرقانی ومدارج)

علم توحید کی اہمیت کا بیان

وَاِذا اشکل علی الِانسان شَیٌٔ من دقائق علم التَّوحِید فَاِنَّهُ یَنبَغِی لَهُ ان یعتَقد فِی الحَال مَا هُوَ الصَّوَاب عِند الله تَعالٰی الی ان یجد عَالما فیساله وَلَا یَسعهُ تاخیر الطّلب وَلَا یعذر بِالوُقُوفِ فِیهِ وَیکفر اِن وقف وَخیر المِعرَاج حق من رده فَهُوَ مُبتَدع ضال۔

جب کسی انسان پر علم توحید کی باریکیوں کو سمجھنا مشکل ہوجائے تو اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ عقیدے رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو کچھ صحیح ہے۔ حتیٰ کہ وہ جب کسی عالم کو پائے تو اس سے پوچھ لے۔ مسئلہ طلب میں تاخیر نہ کرے۔ اور مسئلہ میں تاخیر کرنے کے سبب وہ معذور نہ ہوگا۔ اگر اس نے وقف کیا تو کفر ہوگا۔ اور واقعہ معراج حق ہے جس نے اس کا انکار کیا وہ بدعتی وگمراہ ہے۔

واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن وحدیث اور سیرت کی روشنی میں

واقعہ معراج اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو چشم زدن میں بظاہر رونما ہوا لیکن حقیقت میں اس میں کتنا وقت لگا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کرایا۔ واقعہ معراج اعلان نبوت کے دسویں سال اور مدینہ ہجرت سے ایک سال پہلے مکہ میں پیش آیا۔ ماہ رجب کی ستائیسویں رات ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے: اے فرشتو! آج کی رات میری تسبیح بیان مت کرو میری حمد وتقدیس کرنا بند کردو آج کی رات میری اطاعت وبندگی چھوڑ دو اور آج کی رات جنت الفردوس کو لباس اور زیور سے آراستہ کرو۔ میری فرمانبرداری کا کلاہ اپنے سر پر باندھ لو۔ اے جبرائیل! میرا یہ پیغام میکائیل کو سنادو کہ رزق کا پیمانہ ہاتھ سے علیحدہ کردے۔ اسرافیل سے کہہ دو کہ وہ صور کو کچھ عرصہ کے لئے موقوف کردے۔ عزرائیل سے کہہ دو کہ کچھ دیر کے لئے روحوں کو قبض کرنے سے ہاتھ اٹھالے۔ رضوان سے کہہ دو کہ وہ جنت الفردوس کی درجہ بندی کرے۔ مالک سے کہہ دو کہ دوزخ کو تالہ لگادے۔ خلد بریں کی روحوں سے کہہ دو کہ آراستہ وپیراستہ ہوجائیں اور جنت کے محلوں کی چھتوں پر صف بستہ کھڑی ہوجائیں۔ مشرق سے مغرب تک جس قدر قبریں ہیں ان سے عذاب ختم کردیا جائے۔

آج کی رات (شب معراج) میرے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (معارج النبوۃ)

چشم زدن میں عالم بالا کا نقشہ بدل گیا۔ حکم ربی ہوا: اے جبرائیل! اپنے ساتھ ستر ہزار فرشتے لے جاؤ۔ حکم الٰہی سن کر جبریل امین علیہ السلام سواری لینے جنت میں جاتے ہیں اور آپ نے ایسی سواری کا انتخاب کیا جو آج تک کسی شہنشاہ کو بھی میسر نہ ہوئی ہوگی۔ میسر ہونا تو دور کی بات ہے دیکھی تک نہ ہوگی۔ اس سواری کا نام براق ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے براق پر کوئی سوار نہیں ہوا۔

ماہ رجب کی ستائیسویں شب کس قدر پر کیف رات ہے مطلع بالکل صاف ہے فضاؤں میں عجیب سی کیفیت طاری ہے۔ رات آہستہ آہستہ کیف ونشاط کی مستی میں مست ہوتی جارہی ہے۔ ستارے پوری آب وتاب کے ساتھ جھلملا رہے ہیں۔ پوری دنیا پر سکوت وخاموشی کا عالم طاری ہے۔ نصف شب گزرنے کو ہے کہ یکا یک آسمانی دنیا کا دروازہ کھلتا ہے۔ انوار وتجلیات کے جلوے سمیٹے حضرت جبرائیل علیہ السلام نورانی مخلوق کے جھرمٹ میں جنتی براق لئے آسمان کی بلندیوں سے اتر کر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے ہیں۔ جہاں ماہ نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محو خواب ہیں۔ آنکھیں بند کئے، دل بیدار لئے آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل امین ہاتھ باندھ کر کھڑے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اگر آواز دے کر جگایا گیا تو بے ادبی ہو جائے گی۔ فکر مند ہیں کہ معراج کے دولہا کو کیسے بیدار کیا جائے؟ اسی وقت حکم ربی ہوتا ہے یا جبریل قبل قدمیہ اے جبریل! میرے محبوب کے قدموں کو چوم لے تاکہ تیرے لبوں کی ٹھنڈک سے میرے محبوب کی آنکھ کھل جائے۔ اسی دن کے واسطے میں نے تجھے کافور سے پیدا کیا تھا۔ حکم سنتے ہی جبرائیل امین علیہ السلام آگے بڑھے اور اپنے کافوری ہونٹ محبوب دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ناز سے مس کر دیئے۔

یہ منظر بھی کس قدر حسین ہوگا جب جبریل امین علیہ السلام نے فخر کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو بوسہ دیا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ہونٹوں کی ٹھنڈک پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں اے جبرائیل! کیسے آنا ہوا؟ عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدائے بزرگ وبرتر کی طرف سے بلاوے کا پروانہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔

ان اللہ اشتاق الی لقائك یارسول اللہ. صلی اللہ علیہ وسلم

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلئے زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری گزرگاہوں پر مشتاق دید کا ہجوم ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ (معارج النبوۃ)

چنانچہ آپ نے سفر کی تیاری شروع کی۔ اس موقع پر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور دل کو دھویا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے میرا سینہ چاک کیا۔ سینہ

چاک کرنے کے بعد میرا دل نکالا پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے لبریز تھا۔ اس کے بعد میرے دل کو دھویا گیا پھر وہ ایمان وحکمت سے لبریز ہو گیا۔ اس قلب کو سینہ اقدس میں اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔

(بخاری شریف جلد اول صفحہ:568)

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سینہ چاک کرنے کے بعد قلب مبارک کو زم زم کے پانی سے دھویا اور سینہ مبارک میں رکھ کر سینہ بند کر دیا۔ (مسلم شریف جلد اول صفحہ:92)

حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قلب ہر قسم کی کجی سے پاک اور بے عیب ہے اور اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔ (فتح الباری جلد:13 صفحہ:610)

سینہ اقدس کے شق کیے جانے میں کئی حکمتیں ہیں۔ جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ قلب اطہر میں ایسی قوت قدسیہ شامل ہو جائے جس سے آسمانوں پر تشریف لے جانے اور عالم سماوات کا مشاہدہ کرنے بالخصوص دیدار الٰہی کرنے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہ آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر انور پر عمامہ باندھا گیا۔ علامہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شب معراج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عمامہ شریف پہنایا گیا وہ عمامہ مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے سات ہزار سال پہلے کا تیار کیا ہوا تھا۔ چالیس ہزار ملائکہ اس کی تعظیم وتکریم کے لئے اس کے اردگرد کھڑے تھے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کی ایک چادر پہنائی۔ زمرد کی نعلین مبارک پاؤں میں زیب تن فرمائی، یاقوت کا کمر بند باندھا۔ (معارج النبوۃ صفحہ:601)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: سینہ سرخ یاقوت کی مانند چمک رہا تھا، اس کی پشت پر بجلی کوندتی تھی، ٹانگیں سبز زمرد، دُم مرجان، سر اور اس کی گردن یاقوت سے بنائی گئی تھی۔ بہشتی زین اس پر کسی ہوئی تھی جس کے ساتھ سرخ یاقوت کے دو رکاب آویزاں تھے۔ اس کی پیشانی پر **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم براق پر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رکاب تھام لی۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے لگام پکڑی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے زین کو سنبھالا۔ حضرت امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات اسی ہزار فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف اور اسی ہزار بائیں طرف تھے۔ (معارج النبوۃ ص606)

فضا فرشتوں کی درود وسلام کی صداؤں سے گونج اٹھی اور آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام کی گونج میں سفر معراج کا آغاز فرماتے ہیں۔ اس واقعہ کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔

وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ (بنی اسرائیل، 17:1)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شان و شوکت سے ملائکہ کے جلوس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہ گھڑی کس قدر دلنواز تھی کہ جب مکاں سے لامکاں تک نور ہی نور پھیلا ہوا تھا، سواری بھی نور تو سوار بھی نور، باراتی بھی نور تو دولہا بھی نور، میزبان بھی نور تو مہمان بھی نور، نوریوں کی یہ نوری بارات فلک بوس پہاڑیوں، بے آب و گیاہ ریگستانوں، گھنے جنگلوں، چٹیل میدانوں، سرسبز و شاداب وادیوں، پرخطر ویرانوں پر سے سفر کرتی ہوئی وادی بطحا میں پہنچی جہاں کھجور کے بیشمار درخت ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ حضور یہاں اتر کر دو رکعت نفل ادا کیجئے یہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہے۔ نفل کی ادائیگی کے بعد پھر سفر شروع ہوتا ہے۔ راستے میں ایک سرخ ٹیلا آتا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں سرخ ٹیلے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بیت المقدس بھی آ گیا جہاں قدسیوں کا جم غفیر سلامی کے لئے موجود ہے۔ حور و غلماں خوش آمدید کہنے کے لئے اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین استقبال کے لئے بے چین و بے قرار کھڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر تشریف فرما ہوئے جسے باب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام ایک پتھر کے پاس آئے جو اس جگہ موجود تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس پتھر میں اپنی انگلی مار کر اس میں سوراخ کر دیا اور براق کو اس میں باندھ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 3، ص 7)

آفتاب نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہیں۔ صحن حرم سے فلک تک نور ہی نور چھایا ہوا ہے۔ ستارے ماند پڑ چکے ہیں، قدسی سلامی دے رہے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام اذان دے رہے ہیں، تمام انبیاء و رسل صف در صف کھڑے ہو رہے ہیں۔ جب صفیں بن چکیں تو امام الانبیاء فخر دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرمانے تشریف لاتے ہیں۔ تمام انبیاء و رسل امام الانبیاء کی اقتداء میں دو رکعت نماز ادا کر کے اپنی نیازمندی کا اعلان کرتے ہیں۔ ملائکہ اور انبیاء کرام سب کے سب سرِ تسلیم خم کئے ہوئے کھڑے ہیں۔ بیت المقدس نے آج تک ایسا دلنواز منظر اور روح پرور سماں نہیں دیکھا ہوگا۔ وہاں سے فارغ ہی عظمت و رفعت کے پرچم پھر بلند ہونے شروع ہوتے ہیں۔ درود و سلام سے فضا ایک مرتبہ پھر گونج اٹھتی ہے۔ سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نوری مخلوق کے جھرمٹ میں آسمان کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ثم عرج بی پھر مجھے اوپر لے جایا گیا۔ براق کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ جہاں نگاہ کی انتہاء ہوتی وہاں براق پہلا قدم رکھتا۔ فوراً ہی پہلا آسمان آ گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان نے پوچھا

کون ہے؟ جواب دیا جبرائیل! دربان نے پوچھا، من معک تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دربان نے کہا: مرحبا دروازے انہی کے لئے کھولے جائیں گے۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ آسمان اول پر حضرت آدم علیہ السلام نے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔ دوسرے آسمان پر پہنچے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام نے، چوتھے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام نے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ سدرہ وہ مقام ہے جہاں مخلوق کے علوم کی انتہاء ہے۔ فرشتوں نے اذن طلب کیا کہ اے اللہ تیرے محبوب تشریف لا رہے ہیں، ان کے دیدار کی ہمیں اجازت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام فرشتے سدرۃ المنتہیٰ پر جمع ہوجائیں اور جب میرے محبوب کی سواری آئے تو سب زیارت کرلیں۔ چنانچہ ملائکہ سدرہ پر جمع ہوگئے اور جمال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھنے کے لئے سدرہ کو ڈھانک لیا۔ (درمنثور، جلد 6، ص 126)

اس مقام پر حضرت جبرائیل علیہ السلام رک گئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سب کے لئے ایک جگہ مقرر ہے۔ اب اگر میں ایک بال بھی آگے بڑھوں گا تو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات میرے پروں کو جلا کر رکھ دیں گے۔ یہ میرے مقام کی انتہاء ہے۔ سبحان اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و عظمت کا اندازہ لگایئے کہ جہاں شہباز سدرہ کے بازو تھک جائیں اور روح الامین کی حد ختم ہوجائے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواز شروع ہوتی ہے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، اے جبرائیل کوئی حاجت ہو تو بتاؤ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مانگتا ہوں کہ قیامت کے دن پل صراط پر آپ کی امت کے لئے بازو پھیلا سکوں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک غلام آسانی کے ساتھ پل صراط سے گزر جائے۔ (روح البیان، جلد خامس، صفحہ: 221)

حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل امین کو چھوڑ کر تنہا انوار و تجلیات کی منازل طے کرتے گئے۔ مواہب الدنیہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش کے قریب پہنچے تو آگے حجابات ہی حجابات تھے تمام پردے اٹھا دیئے گئے۔ اس واقعہ کو قرآن مجید اس طرح بیان فرماتا ہے:

فَاسْتَوٰیO وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰیO (النجم: 7،6)

پھر اُس (جلوۂ حُسن) نے (اپنے) ظہور کا ارادہ فرمایا۔ اور وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج عالمِ مکاں کے) سب سے اونچے کنارے پر تھے (یعنی عالمِ خلق کی انتہاء پر تھے)۔ (عرفان القرآن)

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج آسمان بریں کے بلند کناروں پر پہنچے تو تجلی الٰہی متوجہ نمائش ہوئی۔ صاحب تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ فاستوی کے معنی یہ ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے افق اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر جلوہ فرمایا۔

پھر وہ مبارک گھڑی بھی آگئی کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حریم الٰہی میں پہنچے اور اپنے سر کی آنکھوں سے عین عالم بیداری میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی۔ قرآن مجید محبوب و محبّ کی اس ملاقات کا منظر ان دلکش الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ (النجم:9،8)

پھر وہ (ربّ العزّت اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے) قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہو گیا۔ پھر (جلوۂ حق اور حبیبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم میں صِرف) دو کمانوں کی مقدار فاصلہ رہ گیا یا (انتہائے قرب میں) اس سے بھی کم (ہو گیا)۔ (عرفان القرآن)

صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے قرب سے مشرف ہوئے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اپنے قرب سے نوازا۔ (روح البیان)

جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں پہنچے تو ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی. (النجم:10)

پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔ (عرفان القرآن)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وحی اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے محبوبؐ کو ارشاد فرمائی درمیان میں کوئی وسیلہ نہ تھا۔ پھر راز و نیاز کی گفتگو ہوئی۔ اسرار و رموز سے آگاہی فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پوشیدہ رکھا۔ اس گفتگو کا علم اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی. (النجم:11)

(اُن کے) دل نے اُس کے خلاف نہیں جانا جو (اُن کی) آنکھوں نے دیکھا۔

اس آیت مبارکہ میں حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور کی عظمت کا بیان ہے کہ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں نے انوار و تجلیات اور برکات الٰہی دیکھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے تو آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی یعنی آنکھ سے دیکھا اور دل نے گواہی دی اور اس دیکھنے میں شک و تردد

اور وہم نے راہ نہ پائی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے محبوب کی آنکھوں کا ذکر فرماتا ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى. (النجم:17)

اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)۔

اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں کا ذکر ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج کی رات اس مقام پر پہنچے جہاں سب کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں کہیں بھی نہیں دیکھا۔ نہ آپ کی آنکھیں بہکیں بلکہ خالق کائنات کے جلووں میں گم تھی۔ واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مزید ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى. (النجم:18)

بے شک انہوں نے (معراج کی شب) اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

اس آیت مقدسہ میں بتایا گیا ہے کہ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں ملک وملکوت کے عجائب کو ملاحظہ فرمایا اور تمام معلومات غیبیہ کا آپ کو علم حاصل ہو گیا۔ (روح البیان)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رایت ربی فی احسن صورة فوضع کفه بین کتفی فوجدت بردها...

میں نے اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا پھر اس نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ید قدرت رکھا اس سے میں نے اپنے سینہ میں ٹھنڈک پائی اور زمین و آسمان کی ہر چیز کو جان لیا۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ:28)

ایک موقع پر مزید ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے:

رایت ربی بعینی وقلبی

میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دل سے دیکھا۔ (مسلم شریف)

دیدار الٰہی کا ذکر ایک اور حدیث میں اس طرح فرمایا:

فخاطبنی ربی ورایتة بعینی بصری فاوحی.

میرے رب نے مجھ سے کلام فرمایا اور میں نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس نے میری طرف وحی فرمائی۔ (صاوی صفحہ:328)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل، موسیٰ علیہ السلام کو کلام اور حضرت

سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دیدار کا اعزاز بخشا۔ حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قائل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ قسم کھاتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

فخر دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج اللہ تعالیٰ نے تین تحفے عطا فرمائے۔ پہلا سورہ بقرہ کی آخری تین آیتیں۔ جن میں اسلامی عقائد ایمان کی تکمیل اور مصیبتوں کے ختم ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ دوسرا تحفہ یہ دیا گیا کہ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جو شرک نہ کرے گا وہ ضرور بخشا جائے گا۔ تیسرا تحفہ یہ کہ امت پر پچاس نمازیں فرض ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تینوں انعامات وتحائف کو لے کر اور جلوہ الٰہی سے سرفراز ہو کر عرش وکرسی، لوح وقلم، جنت ودوزخ، عجائب وغرائب، اسرار ورموز کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ فرمانے کے بعد جب پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم واپسی کے لئے روانہ ہوئے تو چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا، کیا عطا ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر پچاس نمازوں کی فرضیت کا ذکر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) پر خوب تجربہ کیا ہے۔ آپ کی امت یہ بار نہ اٹھا سکے گی۔ آپ واپس جائیے اور نماز میں کمی کرائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لے گئے اور دس نمازیں کم کرالیں۔ پھر ملاقات ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام نے پھر کم کرانے کے لئے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر بارگاہ الٰہی میں پہنچے دس نمازیں کم کرالیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشوروں سے بار بار مہمان عرش نے بارگاہ رب العرش میں نماز میں کمی کی التجا کی کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی نماز رہ گئی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

> اے محبوب! ہم اپنی بات بدلتے نہیں اگرچہ نمازیں تعداد میں پانچ وقت کی ہیں مگر ان کا ثواب دس گنا دیا جائے گا۔ میں آپ کی امت کو پانچ وقت کی نماز پر پچاس وقت کی نمازوں کا ثواب دوں گا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہوئے اور رات کی تاریکی میں مکہ معظمہ واپس تشریف لائے۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد سوم صفحہ:32)

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ یہ ساری کائنات جو کہ کارخانہ قدرت ہے اور اس کارخانہ عالم کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانے کے لئے بلوایا تو اس میں کتنا وقت لگا، اس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ اللہ تعالیٰ جو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے اس رب کائنات نے اس کارخانہ عالم کو یکدم بند کر دیا سوائے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان چیزوں کے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متحرک پایا۔ باقی تمام کائنات کو ٹھہرا دیا، چاند اپنی جگہ ٹھہر گیا، سورج اپنی جگہ رک گیا، حرارت اور ٹھنڈک اپنی جگہ ٹھہر گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک کی حرارت اپنی جگہ قائم رہی، حجرہ مبارک کی زنجیر ہلتے ہوئے جس جگہ پہنچی تھی وہیں رک گئی، جو سویا تھا

سوتا رہ گیا جو بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا غرض یہ کہ زمانے کی حرکت بند ہوگئی۔

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات ایک طویل سفر کرکے زمین پر تشریف لائے تو کارخانہ عالم بحکم الٰہی پھر چلنے لگا۔ ہر شے از سر نو مراحل کو طے کرنے لگی، چاند سورج اپنی منازل طے کرنے لگے، حرارت و ٹھنڈک اپنے درجات طے کرنے لگی۔ غرض یہ کہ جو جو چیزیں سکون میں آ گئی تھیں مائل بہ حرکت ہونے لگیں۔ بستر مبارک کی حرارت اپنے درجات طے کرنے لگی۔ حجرہ مبارک کی زنجیر ہلنے لگی۔ کائنات میں نہ کوئی تغیر آیا اور نہ ہی کسی کو احساس تک ہوا۔

(روح البیان، جلد 5، صفحہ 125)

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہوتے ہی اس واقعہ کا ذکر اپنی چچا زاد بہن ام ہانی سے فرمایا۔ انہوں نے عرض کی قریش سے اس کا تذکرہ نہ کیا جائے لوگ انکار کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حق بات ضرور کروں گا میرا رب سچا ہے اور جو کچھ میں نے دیکھا وہی سچ ہے۔ صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ خانہ کعبہ کے آس پاس قریش کے بڑے بڑے رؤساء جمع تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر میں بیٹھ گئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے واقعہ معراج بیان فرمایا۔ مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کو سن کر کفار و مشرکین ہنسنے لگے اور مذاق اڑانے لگے۔ ابوجہل بولا، کیا یہ بات آپ پوری قوم کے سامنے کہنے کے لئے تیار ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک۔ ابوجہل نے کفار مکہ کو بلایا اور جب تمام قبائل جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ کفار واقعہ سن کر تالیاں بجانے لگے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کا مذاق اڑانے لگے۔ ان قبائل میں شام کے تاجر بھی تھے انہوں نے بیت المقدس کو کئی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ہمیں معلوم ہے کہ آپ آج تک بیت المقدس نہیں گئے۔ بتایئے! اس کے ستون اور دروازے کتنے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ یکا یک بیت المقدس کی پوری عمارت میرے سامنے آ گئی وہ جو سوال کرتے میں جواب دیتا جاتا تھا مگر پھر بھی انہوں نے اس واقعہ کو سچا نہ مانا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ کے بارے میں جواب دے چکے تو کفار مکہ حیران ہوکر کہنے لگے مسجد اقصیٰ کا نقشہ تو آپ نے ٹھیک بتا دیا لیکن ذرا یہ بتایئے کہ مسجد اقصیٰ جاتے یا آتے ہوئے ہمارا قافلہ آپ کو راستے میں ملا ہے یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک قافلہ مقام روحاء پر گزرا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ وہ لوگ اسے تلاش کر رہے تھے اور ان کے پالان میں پانی کا بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ مجھے پیاس لگی تو میں نے پیالہ اٹھا کر اس کا پانی پی لیا۔ پھر اس کی جگہ اس کو ویسے ہی رکھ دیا جیسے وہ رکھا ہوا تھا۔ جب وہ لوگ آئیں تو ان سے دریافت کرنا کہ جب وہ اپنا گم شدہ اونٹ تلاش کرکے پالان کی طرف واپس آئے تو کیا انہوں نے اس پیالہ میں پانی پایا تھا یا نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے یہ بہت بڑی نشانی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فلاں قافلے پر بھی گزرا۔ دو آدمی مقام ذی طویٰ میں ایک اونٹ پر سوار تھے ان کا اونٹ میری وجہ سے بدک کر بھاگا اور وہ دونوں سوار گر پڑے۔ ان میں فلاں شخص کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔

جب وہ آئیں تو ان دونوں سے یہ بات پوچھ لینا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ دوسری نشانی ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اہل ایمان نے اس واقعے کی سچائی کو دل سے مانا اور اس کی تصدیق کی مگر ابوجہل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑا دوڑا گیا اور کہنے لگا: اے ابوبکر! تو نے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہتے ہیں۔ کیا یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آسمانوں کا سفر طے کر کے آ بھی گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اگر میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تو ضرور سچ فرمایا ہے کیونکہ ان کی زبان پر جھوٹ نہیں آسکتا۔ میں اپنے نبی کی سچائی پر ایمان لاتا ہوں۔ کفار بولے۔ ابوبکر تم کھلم کھلا ایسی خلاف عقل بات کیوں صحیح سمجھتے ہو؟ اس عاشق صادق نے جواب دیا: میں تو اس سے بھی زیادہ خلاف عقل بات پر یقین رکھتا ہوں۔ (یعنی باری تعالیٰ پر) اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دربار نبوت سے صدیق کا لقب ملا۔

خاندانی حالات

نسب نامہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (بخاری، ج، باب مبعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب یہ ہے:

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بن آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا نسب نامہ کلاب بن مرہ پر مل جاتا ہے اور آگے چل کر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں۔ عدنان تک آپ کا نسب نامہ صحیح سندوں کے ساتھ باتفاق مؤرخین ثابت ہے اس کے بعد ناموں میں بہت کچھ اختلاف ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی اپنا نسب نامہ بیان فرماتے تھے تو عدنان ہی تک ذکر فرماتے تھے۔

(کرمانی بحوالہ حاشیہ بخاری)

مگر اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ عدنان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

خاندانی شرافت:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاندان و نسب نجابت و شرافت میں تمام دنیا کے خاندانوں سے اشرف و اعلیٰ ہے اور

یہ وہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کفار مکہ بھی کبھی اس کا انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان نے جب وہ کفر کی حالت میں تھے بادشاہ روم ہرقل کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا اقرار کیا کہ ھوفینا ذونسب یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالی خاندان ہیں۔ (بخاری)

حالانکہ اس وقت وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے اور چاہتے تھے کہ اگر ذرا بھی کوئی گنجائش ملے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک پر کوئی عیب لگا کر بادشاہ روم کی نظروں سے آپ کا وقار گرا دیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ:

یہ ہمارے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والد ماجد ہیں۔ یہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے۔ چونکہ ان کی پیشانی میں نور محمدی اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا اس لئے حسن وخوبی کے پیکر، اور جمالِ صورت وکمال سیرت کے آئینہ دار، اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے۔ قبیلۂ قریش کی تمام حسین عورتیں ان کے حسن و جمال پر فریفتہ اوران سے شادی کی خواست گار تھیں۔ مگر عبدالمطلب ان کے لئے ایک ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حسب ونسب کی شرافت اور عفت و پارسائی میں بھی ممتاز ہو۔ عجیب اتفاق کہ ایک دن عبداللہ رضی اللہ عنہ شکار کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے تھے ملک شام کے یہودی چند علامتوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخرالزماں کے والد ماجد یہی ہیں۔ چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بارہا قتل کر ڈالنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہو کر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل وکرم سے بچالیا۔ عالم غیب سے چند ایسے سوار ناگہاں نمودار ہوئے جو اس دنیا کے لوگوں سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتے تھے، ان سواروں نے آکر یہودیوں کو مار بھگایا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بحفاظت ان کے مکان تک پہنچا دیا۔ وہب بن مناف بھی اس دن جنگل میں تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا، اس لئے ان کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بے انتہا محبت وعقیدت پیدا ہوگئی، اور گھر آ کر یہ عزم کر لیا کہ میں اپنی نورِ نظر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی سے کروں گا۔ چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انہوں نے عبدالمطلب تک پہنچا دیا۔ خدا کی شان کہ عبدالمطلب اپنے نورِ نظر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لئے جیسی دلہن کی تلاش میں تھے، وہ ساری خوبیاں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب میں موجود تھیں۔ عبدالمطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ چوبیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا اور نور محمدی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منتقل ہو کر حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر میں جلوہ گر ہو گیا اور جب حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کھجوریں لینے کے لئے مدینہ بھیجا، یا تجارت کے لئے ملک شام روانہ کیا، وہاں سے واپس لوٹتے

ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے ننہال بنوعدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں دار نابغہ میں مدفون ہوئے۔ (زرقانی علی المواہب و مدارج)

مزار مبارک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے خبر گیری کے لئے اپنے سب سے بڑے لڑکے حارث کو مدینہ بھیجا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مرحوم شوہر کا ایسا پُر درد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الٰہی! عزوجل تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ حضرت حق نے فرمایا: کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و حافظ ہوں۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ترکہ ایک لونڈی اُم ایمن جس کا نام برکہ تھا کچھ اونٹ کچھ بکریاں تھیں، یہ سب ترکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملا۔ اُم ایمن بچپن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں کھلاتیں، کپڑا پہناتیں، پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عمر اُم ایمن کی دل جوئی فرماتے رہے اپنے محبوب و متبنیٰ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا، اور ان کے شکم سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (عامہ کتب سیر)

ایمانِ والدین کریمین رضی اللہ عنہما:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ دونوں مؤمن ہیں یا نہیں؟ بعض علماء ان دونوں کو مؤمن نہیں مانتے اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور فرمایا کہ ان دونوں کو مؤمن یا کافر کہنے سے زبان کو روکنا چاہیے اور اس کا علم خدا عزوجل کے سپرد کر دینا چاہیے، مگر اہل سنت کے علماء محققین مثلاً امام جلال الدین سیوطی و علامہ ابن حجر ہیتمی و امام قرطبی و حافظ الشام ابن ناصر الدین و حافظ شمس الدین دمشقی و قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی و صاحب الاکلیل مولانا عبدالحق مہاجر مدنی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی عقیدہ اور قول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں یقیناً بلاشبہ مؤمن ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کو مؤمن نہ ماننا یہ علماء متقدمین کا مسلک ہے لیکن علماء متاخرین نے تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مؤمن ہیں اور ان حضرات کے ایمان کو ثابت کرنے میں علماء

متاخرین کے تین طریقے ہیں:

اول یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما اور آباء واجداد سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، لہٰذا مؤمن ہوئے۔ دوم یہ کہ یہ تمام حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ایسے زمانے میں وفات پا گئے جو زمانہ فترت کہلاتا ہے اور ان لوگوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوتِ ایمان پہنچی ہی نہیں لہٰذا ہرگز ہرگز ان حضرات کو کافر نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان لوگوں کو مؤمن ہی کہا جائے گا۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو زندہ فرما کر ان کی قبروں سے اٹھایا اور ان لوگوں نے کلمہ پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین رضی اللہ عنہما کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ بذاتِ خود ضعیف ہے مگر اس کی سندیں اس قدر کثیر ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور حسن کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔

اور یہ وہ علم ہے جو علماء متقدمین پر پوشیدہ رہ گیا جس کو حق تعالیٰ نے علماء متاخرین پر منکشف فرمایا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرما لیتا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں چند رسائل تصنیف کیے ہیں اور اس مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج اول)

اسی طرح خاتمۃ المفسرین حضرت شیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

امام قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حجۃ الوداع میں ہم لوگوں کو ساتھ لے کر چلے اور حجون کی گھاٹی پر گزرے تو رنج وغم میں ڈوبے ہوئے رونے لگے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اپنی اونٹنی سے اتر پڑے اور کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس تشریف لائے تو خوش خوش مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ !عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کیا بات ہے؟ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم رنج وغم میں ڈوبے ہوئے اونٹنی سے اترے اور واپس لوٹے تو شاداں وفرحاں مسکراتے ہوئے تشریف فرما ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کے لئے گیا تھا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ فرمادے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا اور وہ ایمان لائیں۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مر گیا ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بجز رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کے، کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمایا اور یہ دونوں ایمان لائے۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ماں باپ رضی اللہ عنہما کی قبروں کے پاس روئے اور ایک خشک درخت زمین میں بو دیا، اور فرمایا کہ اگر یہ درخت ہرا ہو گیا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان دونوں کا ایمان لانا ممکن ہے۔

چنانچہ وہ درخت ہرا ہو گیا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اسلام لائے اور پھر اپنی اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔

اور ان دونوں کا زندہ ہونا، اور ایمان لانا، نہ عقلاً محال ہے نہ شرعاً کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتایا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے بھی چند مردے زندہ ہوئے۔ جب یہ سب باتیں ثابت ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں بھلا کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کے زندہ ہو کر ایمان لانے سے بہت پہلے کی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا ہے (جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے چند ہی ماہ پہلے کا واقعہ ہے) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مراتب و درجات ہمیشہ بڑھتے ہی رہے تو ہو سکتا ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خداوند تعالیٰ نے یہ شرف نہیں عطا فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما مسلمان ہوں مگر بعد میں اس فضل و شرف سے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرفراز فرمادیا کہ آپ کے والدین رضی اللہ عنہما کو صاحب ایمان بنا دیا اور قاضی امام ابوبکر ابن العربی مالکی سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء واجداد جہنم میں ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں ملعون کر دے گا۔

حافظ شمس الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اپنے نعتیہ اشعار میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

حَبَا اللهُ النَّبِيَّ مَزِيْدَ فَضْلٍ عَلٰى فَضْلٍ وَّ كَانَ بِهٖ رَءُوْفًا

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فضل بالائے فضل سے بھی بڑھ کر فضیلت عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ان پر بہت مہربان ہے۔

فَاَحْيَا اُمَّهٗ وَ كَذَا اَبَاهُ لِاِيْمَانٍ بِهٖ فَضْلًا لَّطِيْفًا

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ کو حضور پر ایمان لانے کے لئے اپنے فضل لطیف سے زندہ فرمادیا۔

فَسَلِّمْ فَالْقَدِيْمُ بِهٖ قَدِيْرٌ وَّاِنْ كَانَ الْحَدِيْثُ بِهٖ ضَعِيْفًا

تو تم اس بات کو مان لو کیونکہ خداوند قدیم اس بات پر قادر ہے اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (ملتقطاً تفسیر روح البیان)

صاحب الاکلیل حضرت علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی قدس سرہ الغنی نے تحریر فرمایا کہ علامہ ابن حجر ہیتمی نے مشکوٰۃ کی شرح

میں فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا، یہاں تک کہ وہ دونوں ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ان میں سے امام قرطبی اور شام کے حافظ الحدیث ابن ناصر الدین بھی ہیں اور اس میں طعن کرنا بے محل اور بے جا ہے، کیونکہ کرامات اور خصوصیات کی شان ہی یہ ہے کہ وہ قواعد اور عادات کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کا موت کے بعد اٹھ کر ایمان لانا، یہ ایمان ان کے لئے نافع ہے حالانکہ دوسروں کے لئے یہ ایمان مفید نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما کو نسبت رسول کی وجہ سے جو کمال حاصل ہے وہ دوسروں کے لئے نہیں ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی حدیث لیت شعری ما فعل ابوای (کاش! مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) کے بارے میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف الاسناد ہے۔ (اکلیل علی مدارک التنزیل)

بہرکیف مندرجہ بالا اقتباسات جو معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں ان کو پڑھ لینے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ایمانی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والدین رضی اللہ عنہما اور تمام آباء واجداد بلکہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ ادب واحترام کا التزام رکھا جائے۔ بجز ان رشتہ داروں کے جن کا کافر اور جہنمی ہونا قرآن وحدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسے ابولہب اور اس کی بیوی حمالۃ الحطب باقی تمام قرابت والوں کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے کیونکہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت قرابت حاصل ہے ان کی بے ادبی وگستاخی یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا رسانی کا باعث ہوگا اور آپ قرآن کا فرمان پڑھ چکے کہ جو لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں، وہ دنیا وآخرت میں ملعون ہیں۔

اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک محققانہ رسالہ بھی ہے جس کا نام شمول الاسلام لاباء الکرام ہے۔ جس میں آپ نے نہایت ہی مفصل و مدلل طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء واجداد موحد ومسلم ہیں۔

قیامت کے علامات کا بیان

اَشْرَاط السَّاعَة

وَخُرُوج الدَّجَّال ویاجوج ومَاجوج وطلوع الشَّمْس من مغْرِبهَا ونزول عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام من السَّمَاء وَسَائِر عَلَامَات يَوْم الْقِيَامَة على مَا وَردت بِهِ الْأَخْبَار الصَّحِيحَة حق كَائِن وَالله تَعَالَى يهدى من يَشَاء إِلَى صِرَاط مُسْتَقِيم

قیامت کے علامات یہ ہیں کہ دجال کا خروج، یاجوج ماجوج، سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری آسمان سے ہوگی۔ اور وہ تمام علامات قیامت جو صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہیں ان کا وقوع حق ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس کو صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے۔

شرط واشراط کے معنیٰ ومفہوم کا بیان

شرط (را کے جزم کے ساتھ) کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ وابستہ کرنا یا کسی چیز کا لازم کرنا جیسا کہ یوں کہا جائے اگر ایسا ہو تو ایسا ہوگا! اس کی جمع "شروط" آتی ہے "شرط" (را کے زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں علامت یعنی وہ چیز جو کسی وقوع پذیر ہونے والی چیز کو ظاہر کرے! اس کی جمع "اشراط" ہے پس یہاں سے "اشراط" سے مراد وہ نشانیاں اور علامتیں ہیں جو قیامت کے وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کریں گی۔ ویسے لغت میں "شرط" کے معنی کسی چیز کا اول، مال کا زوال اور چھوٹا وکمتر مال" لکھے ہیں۔ "ساعۃ" شب وروز کے اجزاء میں سے کسی بھی ایک جزء کو کہتے ہیں یہ لفظ "موجودہ وقت" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ پس قیامت یا قیامت کے آنے کو ساعت اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جب اس کا وقت غیر معلوم ہے تو وہ کسی بھی وقت آسکتی ہے یہاں تک آنے والا لمحہ یہ احتمال رکھتا ہے کہ اسی وقت قیامت نہ آجائے۔

علماء نے وضاحت کی ہے کہ اشراط ساعت یعنی قیامت کی علامتوں سے مراد وہ نسبتاً چھوٹی چیزیں ہیں جو قیامت آنے سے پہلے وقوع پذیر ہوں گی اور جن کو لوگ قیامت کی علامتیں تسلیم نہیں کریں گے مثلاً لونڈی کا اپنے مالک کو جننا، فلک بوس عمارتیں بنانا اور ان پر فخر کرنا، جہل ونادانی، زنا کاری اور شراب خوری کی کثرت، مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی، امانتوں میں خیانت وبدیانتی، لڑائیوں اور فتنہ فساد کی زیادتی اور اس طرح کی دوسری برائیوں کا ذکر اس باب میں آئے گا۔ "اشراط" کی وضاحت اس معنی کے ساتھ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ بڑی علامتیں کہ جو قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی اور جن کا ذکر اگلے باب میں ہوگا، ان چھوٹی علامتوں کے علاوہ ہیں! رہی یہ بات کہ لوگ مذکورہ بالا چیزوں کو قیامت کی علامتیں تسلیم کرنے سے کیوں انکار کریں گے! تو اس کی وجہ اصل میں یہ ہوگی کہ اس طرح کی چیزیں اس دنیا میں ہمیشہ سے چلی آرہی ہیں، پس لوگ یہ سمجھتے رہیں گے کہ یہ چیزیں تو دنیا میں ہوتی رہتی ہیں، اب ان میں کیا خصوصیت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کو قیامت کی علامتیں کہا جائے۔ واضح رہے کہ مذکورہ چیزوں کا محض وجود قیامت کی علامت نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کا کثرت کے ساتھ وقوع پذیر ہونا اور ان برائیوں کا غیر معمولی طور پھیل جانا ہے، قیامت کی علامت ہے۔

قیامت کی پندرہ نشانیاں

حضرت امام مہدی کا ظہور، فتنہ دجال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور قرب قیامت کے احوال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے اور جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جانے لگے اور جب مرد

بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے اور جب مسجد میں شور وغل مچایا جانے لگے اور جب قوم وجماعت کی سرداری، اس قوم وجماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں اور جب قوم وجماعت کے لیڈر وسربراہ اس قوم وجماعت کے کمینہ اور رذیل شخص ہونے لگیں اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز وباجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانی لگیں اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو، سرخ یعنی تیز وتند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا، اور زلزلے کا، اور زمین میں دھنس جانے کا اور صورتوں کے مسخ وتبدیل ہو جانے کا اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت کی اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو، جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی، جیسے لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت ان پندرہ باتوں میں (کہ جن کا ذکر اوپر کی حدیث میں ہوا) مبتلا ہوگی تو اس پر آفتیں اور بلائیں نازل ہوں گی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پندرہ باتوں کو شمار فرمایا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں یہ بات نقل نہیں کی کہ جب علم کو دین کے علاوہ کسی دوسری غرض سے سکھایا جانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نقل کیا کہ جب آدمی اپنے دوست کے ساتھ احسان ومروت اور اپنے باپ کے ساتھ جور وجفا کرنے لگے اور جب شراب پی جانے لگے اور ریشم پہنا جائے۔

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک آنے والے چند اہم واقعات وعلامات کی طرف سرسری اور اجمالی اشارہ ہو جائے، تاکہ احادیث کے تمام اجزاء اور سارے پہلو قارئین کے سامنے آجائیں۔ قیامت کی علامات دو قسم پر ہیں:

☆ علامات صغریٰ ☆ علامات کبریٰ

امام مہدی کے ظہور تک قیامت کی علامات صغریٰ ہیں۔ امام مہدی کے ظہور کے بعد نفخ صور تک قیامت کی علامات کبریٰ ہیں اور پھر قیامت ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث میں قیامت کی علامات صغریٰ کا کچھ بیان موجود ہے اور دیگر احادیث میں بھی تفصیل ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا میں باطل نظریات عام ہو جائیں گے، عیسائیت کا بہت سارے ملکوں پر غلبہ ہو جائے گا، پھر کچھ عرصہ بعد ابوسفیان کے نام سے ایک شخص پیدا ہو جائے گا جو سادات کا قتل عام کرے گا، پھر مسلمان بادشاہ عیسائیوں کے ایک فریق سے صلح کرلے گا اور دوسرے سے لڑائی لڑے گا۔ عیسائی فرقہ بھی مسلمان بادشاہ سے مل کر عیسائیوں کے مخالف دھڑے سے لڑے گا، ان سب کو فتح حاصل ہو جائے گی۔ فتح کے بعد عیسائی نعرہ لگائیں گے کہ صلیب کی برکت سے فتح حاصل ہوگئی ہے اور مسلمان نعرہ لگادیں گے کہ اسلام وایمان کی برکت سے فتح حاصل ہوگئی ہے، چنانچہ اس بات پر خانہ جنگی شروع ہو جائے گی، جس میں مسلمانوں کا بادشاہ شہید ہو جائے گا۔ عیسائیوں کے دونوں فریق ایک ہو جائیں گے اور عیسائی حکومت خیبر تک پھیل جائے گی۔ اس وقت لوگ حضرت مہدی کی تلاش میں لگ جائیں گے۔ حضرت مہدی اس وقت مدینہ میں ہوں

گے،مگر چھپنے کی غرض سے وہاں سے مکہ آجائیں گے۔تاکہ لوگ انہیں امیر اور قائد نہ بنائیں، اس دوران کچھ لوگ مہدی ہونے کے جھوٹے دعوے کرلیں گے،تاہم مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان حضرت مہدی کو پالیں گے اور ایک جماعت حضرت مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرلے گی، آسمان سے آواز آئے گی۔ ھذا خلیفۃ اللہ المھدی فاستمعوا لہ واطیعوہ

شکل وشباہت کے اعتبار سے حضرت مہدی حضور اکرم ا کے مشابہ ہوں گے۔اس کے بعد شام، یمن اور حجاز مقدس کے ابدال اور اولیاء اللہ حضرت مہدی کے لشکر میں شامل ہوجائیں گے۔کعبہ کے پاس سے خزانے نکال کر افواج اسلامیہ پر تقسیم کیئے جائیں گے۔لشکر جرار تیار ہوجائے گا۔خروج مہدی کا سن کر خراسان سے ایک شخص اپنی فوج لے کر حضرت مہدی کی مدد کے لئے مکہ مکرمہ آجائے گا، اس شخص کا نام منصور ہوگا، یہ شخص اپنی فوج کی کمان سنبھال کر جب مکہ کی طرف چل پڑے گا تو راستے میں عیسائیوں سے جنگ ہوجائے گی، یہ شخص عیسائیوں کا صفایا کرتا ہوا آئے گا، اہل بیت اور سادات کا دشمن شخص سفیانی ایک بڑا لشکر تیار کر کے حضرت مہدی کے مقابلے پر بھیج دے گا،مگر یہ لشکر مکہ ومدینہ کے درمیان زمین میں دھنس جائے گا،صرف دو آدمی بچ جائیں گے،ایک تو سفیانی کو جا کر اطلاع کردے گا اور دوسرا حضرت مہدی کو اطلاع دے گا۔

حضرت مہدی کے ساتھ عرب وعجم کے لوگوں کے اجتماع کا سن کر عیسائی بھی شام اور روم سے لشکر جرار تیار کر کے حضرت مہدی کے مقابلے کے لئے شام میں اکٹھے ہوجائیں گے۔رومی افواج میں اس وقت اسی (۸۰) جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار لشکر ہوگا،لشکر کی مجموعی تعداد نولاکھ ساٹھ ہزار ہوگی۔

حضرت مہدی براستہ مدینہ منورہ اپنے لشکروں کے ساتھ دمشق پہنچ جائیں گے اور وہاں سرزمین شام پر عیسائیوں سے سخت جنگ شروع ہوجائے گی۔لشکر اسلام تین حصوں پر منقسم ہوجائے گا، ایک حصہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا، جس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ دوسرا حصہ شہید ہوجائے گا اور تیسرا حصہ مسلسل لڑتا ہوا چار دن کی لڑائی کے بعد عیسائیوں پر غالب آجائے گا،عیسائیوں کا قتل عام ہوجائے گا اور حضرت مہدی ان کا خوب تعاقب کریں گے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت مہدی اپنے لوگوں پر مال غنیمت تقسیم کریں گے،مگر کوئی آدمی مال غنیمت پر خوش نہیں ہوگا،کیونکہ کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا، جس کا کوئی آدمی شہید نہیں ہوا ہوگا، پورے خاندان میں سے ایک آدمی بچا ہوگا تو وہ مال غنیمت کے ساتھ کیا کرے گا؟۔ حضرت مہدی داخلی نظم ونسق سنبھال کر قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہوجائیں گے۔بحیرہ روم کے پاس بنو اسحاق کے ستر ہزار آدمی مسلمان ہوکر حضرت مہدی کے لشکر میں شامل ہوجائیں گے اور پھر کشتیوں میں سوار ہوکر شہر استنبول (جس کا پرانا نام قسطنطنیہ ہے) کو آزاد کرنے کے لئے چلے جائیں گے۔شہر کی مضبوط فصیل کے سامنے مسلمان نعرہ تکبیر بلند کردیں گے، جس کی وجہ سے فصیل ٹوٹ جائے گی اور مسلمان قسطنطنیہ شہر میں داخل ہوجائیں گے، حضرت مہدی کی خلافت کے اس وقت سات سال پورے ہوچکے ہوں گے کہ اتنے میں افواہ پھیل جائے گی کہ دجال کا خروج ہوگیا ہے۔

حضرت مہدی جلدی جلدی واپس شام کی طرف آ جائیں گے اور نو آدمیوں کو اس خبر کی تحقیق کے لیئے روانہ کر دیں گے، یہ لوگ بہترین لوگ ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں ان کو جانتا ہوں کہ کس قبیلے کے لوگ ہیں اور ان کے باپوں کے نام کیا کیا ہیں اور گھوڑوں کے رنگ کیا ہیں؟ یہ لوگ تحقیق کر لیں گے، لیکن معلوم ہو جائے گا کہ یہ افواہ تھی اور دجال کے متعلق یہ خبر غلط تھی، مگر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ اچانک دجال کا خروج ہو جائے گا۔

دجال مشرق کی جانب سے نکلے گا اور ایران کے شہر اصفہان میں آ کر نمودار ہو جائے گا۔ اصفہان کے ستر ہزار یہودی اس سے آ کر مل جائیں گے، پہلے وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا، پھر اصفہان میں آ کر خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ دجال کے ایک ہاتھ میں اس کی جنت اور دوسرے میں اس کی دوزخ ہوگی۔ تمام دنیوی اسباب سے لیس ہوگا اور استدراج سے بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔ اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا، جس کو مسلمان پڑھ لے گا، یعنی کافر لکھا ہوگا۔ اس کے پاس بڑا استدراج ہوگا، مخالفین کا دانہ پانی بند کرے گا۔ خروج دجال سے پہلے تین سال تک قحط آ چکا ہوگا، لوگ محتاج ہوں گے۔ دجال اس حالت سے خوب فائدہ اٹھائے گا، اس کے ساتھ زمین کے سارے خزانے ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے، دوستوں پر بارش برسائے گا، مخالفین پر سب کچھ بند کرے گا، دنیا کے بہت سارے ممالک پر چکر لگائے گا، صرف مکہ اور مدینہ نہیں جاسکے گا، وہاں سے فرشتے اس کو بھگا دیں گے۔ یہ پھر شام کی طرف متوجہ ہوگا، وہاں مہدی جنگی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ عصر کی اذان ہو چکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ ڈالے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی مینار پر جلوہ افروز ہو جائیں گے اور سیڑھی منگا کر نیچے آ جائیں گے اور پھر حضرت مہدی سے ملاقات ہو جائے گی۔ حضرت مہدی ان کو نماز پڑھانے کا کہیں گے اور فوجی کمان سنبھالنے کی درخواست بھی کریں گے، مگر وہ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ امامت اس امت کے ہاتھ میں ہوگی، میں صرف دجال کو مارنے کے لیئے آیا ہوں۔

جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال پر حملہ کر دیں گے اور لشکر اسلام دجال کے لشکر پر حملہ آور ہو جائے گا، شدید جنگ کے بعد دجال شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا تعاقب کریں گے اور باب لُد میں جا کر اس کو نیزہ مار کر قتل کر دیں گے، باب لُد میں آج کل اسرائیل کا ایک ایسا ایئرپورٹ ہے جو صرف دجال کے بچاؤ کے لیئے بنایا گیا ہے، وہاں جہاز تیار کھڑا ہے، تاکہ ضرورت کے وقت دجال بھاگ جائے، مگر وہاں دجال مارا جائے گا، اس کے بعد یہودیوں کا قتل عام شروع ہو جائے گا، کوئی پتھر یا درخت کسی یہودی کی پناہ نہیں دے گا، بلکہ شکایت کرے گا کہ اے مسلمان! آ جا۔ یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا بیٹھا ہے، اس کو مار دو، صرف غرقد نامی درخت شکایت نہیں کرے گا، کیونکہ یہ یہود کا وفادار درخت ہے۔ (آج کل یہودیوں نے اسرائیل کو اس درخت سے بھر دیا ہے، لیکن مسلمان اندھے نہیں ہوں گے، اگر غرقد درخت شکایت نہ بھی کرے، مسلمانوں کو آنکھوں سے یہودی نظر آئیں گے اور ان کو قتل کریں گے)

دنیا پر دجال کی چالیس دن تک حکومت رہے گی، اس میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا ایک ماہ کے برابر

ہوگا، تیسرا ایک ہفتے کے برابر ہوگا اور باقی ایام معمول کے مطابق ہوں گے، دجال ایک گدھے پر سوار ہوکر پوری دنیا کا چکر لگائے گا، ہوسکتا ہے حقیقی گدھا ہو اور ہوسکتا ہے کہ جدید دور کا کوئی جہاز ہو، اس سے پہلے تفصیل کر چکا ہوں۔ بہر حال جب دجال کا فتنہ ختم ہوجائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی دونوں مل کر ان شہروں کا دورہ کریں گے اور مصیبت رسیدہ لوگوں میں مال تقسیم کریں گے، جن شہروں میں دجال نے فساد برپا کیا تھا۔ امام مہدی کی خلافت میں عدل وانصاف ہوگا۔ حضرت مہدی کی حکومت نو سال تک رہے گی، سات سال تک عیسائیوں سے جنگیں ہوں گی اور آٹھویں سال میں دجال کا فتنہ ہوگا اور نویں سال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مل کر ملکی انتظام ٹھیک کریں گے اور سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوجائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھادیں گے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفہ بن جائیں گے۔ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوجائے گی کہ اپنے تمام مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر جاکر پناہ لے لو، اس لئے کہ میں اپنی مخلوق میں سے ایک طاقتور مخلوق ظاہر کرنے والا ہوں، جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام مسلمانوں کے ساتھ وہاں جاکر قلعہ بند ہوجائیں گے اور ادھر زمین پر یاجوج ماجوج کا خروج ہوجائے گا۔ یاجوج ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور روس کے پیچھے کوہ قاف کے پاس کاکیشیا کے ساتھ درہء داریال کے علاقوں میں سد سکندری کے پیچھے بند ہیں۔ یاجوج ماجوج زمین پر نکل کر اس کو چاٹ لیں گے، پانی ختم ہوجائے گا۔ زمین کے جانداروں کو ختم کر کے کھاجائیں گے اور پھر آسمان کی طرف پتھر پھینکیں گے اور خوش ہوجائیں گے کہ اب ہم نے آسمان والوں کو بھی ختم کردیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں پر زندگی اتنی تنگ ہوجائے گی کہ گائے کا ایک کلّہ ایک سو دینار میں فروخت ہوگا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج پر بددعا کریں گے، جس سے وہ سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں چالیس سال تک زندہ رہیں گے، پھر ان کا انتقال ہوجائے گا اور مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یمن کا ایک باشندہ آپ کا قائم مقام ہوجائے گا، جس کا نام جہجاہ ہوگا، وہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھردے گا اور پھر وفات پائے گا۔ پھر کچھ غلط بادشاہ آجائیں گے اور دنیا ایک بار پھر جہل اور کفر سے بھر جائے گی اور زمین کے دھنسنے کے واقعات شروع ہوجائیں گے۔ پھر دنیا پر چالیس دن تک دھواں چھایا رہے گا اور پھر ایک رات لمبی ہوجائے گی، لوگ پریشان ہوجائیں گے کہ صبح کیوں نہیں ہورہی ہے؟ اتنے میں سورج مغرب کی جانب سے طلوع ہوجائے گا، لوگ اسی پریشانی میں ہوں گے کہ اچانک دابۃ الارض کا خروج ہوجائے گا، دابۃ الارض کوہ صفا سے نکل کر آئے گا، یہ ایک عجیب الخلقت جانور کی شکل میں ہوگا، مسلمان کی پیشانی پر م لکھے گا اور کافر کی پیشانی پر ک لکھے گا۔ مسلمان پر عصائے موسیٰ سے سفید نورانی نشان پڑ جائے گا اور کافر پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے سیاہ نشان بن جائے گا۔ دابۃ الارض کے خروج سے نفخ صور تک ۰ سال کا عرصہ ہوگا، پھر جنوب کی طرف سے ایک ہوا چلے گی، جس سے نیک

لوگ مر جائیں گے اور بعد میں برے لوگ مر جائیں گے۔ مسلمانوں کے مر جانے سے حبشہ کے لوگ غلبہ حاصل کریں گے اور فتنہ و فساد شروع کر لیں گے، اسی دوران وہ کعبہ مشرفہ کو گرا دیں گے اور اس کے نیچے سے خزانہ لوٹ لیں گے، اس کے بعد جنوب کی طرف سے ایک بڑی آگ آ جائے گی اور لوگوں کو شام کی طرف دھکیلے گی، یہ قیامت کی بڑی بڑی علامت ہوگی۔ اس کے بعد تین چار سال تک لوگ عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے اور مکمل غافل ہو جائیں گے کہ اللہ اللہ کہنے والا دنیا میں کوئی نہیں ہوگا، پھر ایک دن جمعہ کے روز دس محرم کو لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ صور کی آواز شروع ہو جائے گی، یہ آواز بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے اور پھر دل پھٹ جائیں گے، لوگ مر جائیں گے، پھر زمین میں زلزلہ شروع ہو جائے گا اور پھر آسمان ٹوٹ پھوٹ کر گر جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے اور سمندر ابل کر جوش ماریں گے، حتیٰ کہ یہ موجودہ کائنات بالکل فنا ہو جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ قیامت کی بڑی نشانیاں تسبیح کے دانوں کی طرح ہیں، جب تسبیح ٹوٹتی ہے تو دانے بکھر جاتے ہیں۔ قیامت کی بڑی نشانیاں کونسی ہیں؟ ان میں دجال کا خروج، دنیا جب سے بنی ہے تب سے قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ نہ تو آیا ہے نہ آئے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج اور ماجوج، ان کے قبیلے کا کسی کو نہیں علم کہ کہاں ہیں اور ان کو ذوالقرنین نے اللہ کی مدد سے کہاں قید کیا تھا، تین ایسے بڑے زلزلے جس میں زمین کے تین مختلف حصے نیست و نابود ہو جائیں گے، ان میں ایک زلزلہ مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جذیرۃ العرب میں آئے گا۔ دھواں جو پوری روئے زمین پر پھیل جائے گا جسے قرآن میں الدخان کہا گیا ہے۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، یہ سب سے بڑی نشانی ہوگی اور اس کے بعد روایات کے مطابق توبہ کے در بند کر دیئے جائیں گے کیونکہ یہ ایک بالکل واضح نشانی ہوگی۔ الدابۃ پورا نام دابۃ الارض، ایک جانور جو زمین سے نکلے گا اور ہر انسان کی پیشانی پر نشان لگائے گا۔ ایک آگ جو یمن میں لگے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔

یہ نشانیاں کسی ترتیب میں نہیں اور کس ترتیب میں ظاہر ہوں گی یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ کچھ احادیث میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا پہلی نشانی کے طور پر آیا ہے اور کچھ علمائے دین دجال کے خروج کو پہلی نشانی کہتے ہیں لیکن بہر حال جو چیز روئے زمین میں سب سے پہلی تبدیلی پیدا کرے گی وہ سورج سے مغرب کا طلوع ہونا ہی ہو سکتا ہے۔ پھر دجال ہے جس کے بارے میں کئی احادیث ہیں جن کا مفہوم ہے کہ دجال چالیس روز میں دنیا کا چکر لگائے گا، احادیث کے مطابق ان چالیس دنوں میں سے ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ دجال ایک آنکھ والا ہوگا اور اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا جس کو پڑھنے کے لئے پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں اس کے لئے صرف ایمان ہونا ہی کافی ہوگا اور یہی ایمان پڑھے لکھے یا ان پڑھ یا زبانوں کے اختلاف کو ختم کر دے گا۔ مکہ اور مدینہ کے علاوہ دجال دنیا کے ہر مقام تک جائے گا۔ اس کی ایک جنت ہوگی اور ایک جہنم ہوگی جبکہ درحقیقت

اس کی جہنم جنت اور اس کی جنت جہنم ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس زمانے کو پاؤ تو آنکھیں بند کر کے اس کی آگ میں کود جانا وہاں ٹھنڈا پانی ہوگا (یہ مفہوم ہے)۔ دجال طاقتور ہوگا، ایک انتہائی طاقتور فتنہ وہ تمام لوگ جن کا ایمان کمزور ہوگا اس کی طرف کھنچے جائیں گے اور اس کے باتوں کو اڈاپٹ کریں گے ان پر عمل کریں لیکن وہ سب جھوٹ ہوگا اور جھوٹ چاہے کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن کھلتا ضرور ہے۔ دجال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا اور یہ واقعہ فلسطین میں باب لد کے مقام پر پیش آئے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز کے وقت دمشق کی ایک مسجد میں نازل ہوں گے، ان کے ہاتھ فرشتوں کے پروں پر ہوں گے، نماز کا وقت ہو چکا ہوگا اور مسلمان حضرت مہدی کی امامت میں نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہوں گے، حضرت مہدی حضرت عیسیٰ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہیں گے لیکن اللہ نے یہ فخر امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک امتی کی حیثیت سے حضرت مہدی کی امامت میں عام مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ اس کے بعد کے واقعات میں دجال سے جنگ ہے اور اس کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ امتِ مسلمہ کو لے کر طور پر روانہ ہوں گے کیونکہ یاجوج ماجوج کا خروج ہو چکا ہوگا اور ان سے مقابلہ آسان نہیں۔ وہ تعداد میں اتنے ہوں گے کہ ہر سمت سے حملہ آور ہوں گے، زمین کا سارا پانی پی جائیں گے لوگ ان سے بھاگیں گے اور پھر جب وہ سمجھیں گے کہ انہوں نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا تو تیر آسمان کی طرف کر کے چلائیں گے جو جب واپس آئیں گے تو خون آلود ہوں گے اور یاجوج ماجوج خیال کریں گے کہ انہوں نے آسمانوں پر بھی سب ختم کر دیا۔ پھر وہ مسلمانوں کا محاصرہ کریں گے اور وہ محاصرہ بہت سخت ہوگا، حضرت عیسیٰ اور مسلمان اللہ سے دعا کریں گے اور اللہ دعا قبول فرما کر یاجوج اور ماجوج پر عذاب بھیجیں گے جو کہ کیڑوں کی شکل میں ان کے جسموں میں داخل ہوگا اور ان کو مار دے گا۔ حضرت عیسیٰ اور مسلمان باہر آئیں گے لیکن روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں یاجوج و ماجوج کی لاشیں موجود نہ ہوں، وہ تعداد میں اتنے ہوں گے کہ ساری زمین ان کی لاشوں سے پُر ہوگی۔ حضرت عیسیٰ دوبارہ دعا فرمائیں گے اور اس بار اللہ تعالیٰ بارش بھیج کر پوری زمین کو صاف فرما دیں گے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ صلیب کو توڑ کر ختم کر دیں گے اور اس طرح وہ شرک جو حضرت عیسیٰ کے نام پر ہوتا رہا ختم ہو جائے گا، اس کے بعد خنزیر کا خاتمہ ہوگا اور پھر حضرت عیسیٰ جزیہ بھی ختم کریں گے، یہ وہ وقت ہوگا جب ایک بار پھر سے زمین پر عدل قائم ہو رہا ہوگا۔ جزیہ کا خاتمہ ایک طرح سے اسلامی لشکر کشی کی ان تین شرائط میں سے ایک کی کمی کی طرف بھی اشارہ ہے جو ابھی یہ ہیں:۔ نمبر ایک، اسلام قبول کر لو تو ہمارے بھائی ہو، نمبر دو، جزیہ دے دو تو لشکر کشی نہیں کی جائے گی، نمبر تین، پہلی دو شرائط قبول نہیں تو ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ حضرت عیسیٰ ان میں سے جزیہ والی شرط ختم کر دیں گے اور مشرکین کے پاس صرف دو ہی راستے ہوں گے، یا اسلام یا جنگ۔ حضرت عیسیٰ اسلام کو وہ آخری فتح دیں گے اور اس کے بعد روئے زمین پر امن پھیل جائے گا۔ اسی دور میں اسلام کے علاوہ تمام دیگر مذاہب کا خاتمہ کر دیا جائے گا، صرف اسلام باقی

رہے گا۔ مسلم کی دو احادیث ہیں، ایک میں ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین پر چالیس برس رہیں گے اور ایک میں ہے کہ سات برس تک زمین پر رہیں گے۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ چالیس برس حضرت عیسیٰ کی زمین پر مکمل زندگی کا وقت ہے جس میں سے 33 برس وہ گزار چکے ہیں اور باقی سات برس قیامت سے قبل گزاریں گے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔

اس کے بعد شام (ملک) سے ایک ایسی ہوا چلے گی جو ہر ایمان والے کی جان نکالتی جائے گی۔ کسی کے دل میں ایک ذرہ بھی ایمان کا ہوا تو اس کی موت ہو جائے گی۔ اس کے بعد مشرکین اور کافرین باقی ہوں گے اور قیامت انہی پر قائم ہوگی۔ قیامت کی چوتھی، پانویں اور چھٹی نشانیاں ہیں تین بڑے زلزلے جو زمین کے تین مختلف حصوں میں آئیں گے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزرۃ العرب میں اور ان کی شدت ایسی ہوگی کہ زمین کا وہ حصہ بالکل مٹ جائے گا۔ یوں سمجھیں کہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ مغربی امریکہ صفحۂ ہستی سے بالکل مٹ جائے۔ ساتویں نشانی، دھواں، الدخان، قرآن میں ہے آپ اس دن کے منتظر رہیں جب کہ آسمان پر ہرا دھواں ہو جائے گا، جو لوگوں کو گھیر لے گا، یہ دردناک عذاب ہے۔ ماننے والوں کے لئے یہ ایک نشانی ہوگی اور نہ ماننے والوں کے لئے دردناک عذاب۔ آٹھویں نشانی، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، یہ ایک بہت لمبی رات ہوگی، متقی و پرہیزگار رات کو تہجد کے لئے جاگیں گے، نوافل ادا کریں گے اور سو جائیں گے، پھر جاگیں گے پھر نفل پڑھیں گے اور پھر سو جائیں گے لیکن دن طلوع نہیں ہوگا، پھر سے سو کر اٹھیں گے، نفل پڑھیں گے اور سوچیں گے کہ فجر کا وقت ہونے والا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہیں ہوگا تب وہ سمجھیں گے کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ پھر سورج طلوع ہوگا لیکن سب کچھ تبدیل ہوگا کیونکہ مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے گا، توبہ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، ایک واضح نشانی پوری آب و تاب سے چمک رہی ہوگی، لوگ توبہ کرنا چاہیں گے لیکن تب بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

نویں نشانی، الدابۃ، یہ ایک جانور ہوگا جو مومن اور کافرین کو الگ الگ نشانی لگائے گا، لوگوں سے بات کرے گا، اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ کا عصا ہوگا اور ایک ہاتھ میں حضرت سلیمان کی مہر۔ حضرت موسیٰ کے عصا سے ایک مومن کے چہرے پر نشان لگائے گا اور حضرت سلیمان کی مہر سے ایک کافر کے چہرے پر۔ احادیث میں ہے کہ لوگ ساتھ کھائیں گے اور ایکدوسرے کو یا مومن یا کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دسویں نشانی، ایک زبردست آگ جو یمن سے لگے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی، لوگ آگے ہوں گے اور آگ پیچھے جو پیچھے رہ جائے گا وہ جل جائے گا۔ یمن میں کئی آتش فشاؤں کے دہانے موجود ہیں، قیاس یہی ہے کہ یہ آگ یہیں سے نکلے گی۔ میدان حشر کے بارے میں اختلاف ہے، عرفات کے میدان کو بھی کہا جاتا ہے جبکہ شام، اردن، لبنان اور فلسطین کے مقامات کی طرف بھی اشارہ ہے، یہیں بیت المقدس بھی ہے اور کئی احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام کی یعنی بیت المقدس اور فلسطین کی تعریف فرمائی ہے، مسلمانانِ عالم یہیں پر مسلسل مصروفِ جہاد ہیں، تمام بڑی جنگیں یہی پر ہوئی ہیں اور یہ دنیا کا واحد حصہ ہے جہاں روزِ اول سے جہاد

جاری ہے اور یہیں دجال اور یہودیوں کا خاتمہ بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعرضا کر رہے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود کے مشغلہ ہی میں سنتے ہیں ان کے دل کھیل کود میں ہیں، اور ظالموں نے آپس میں یہ سرگوشی کی یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پاس جارہے ہو۔ (الانبیاء: ١-3)

موت یا قیامت آنے سے پہلے نیکیاں کرنے کے متعلق احادیث

لوگوں نے دنیا میں جو کچھ بھی عمل کیے ہیں، ان کے حساب کا وقت آ پہنچا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں ان کے بدنوں ان کے کھانے پینے کی چیزوں ان کے لباس اور ان کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے جو نعمتیں ان کو عطا فرمائی ہیں ان نعمتوں کے مقابلہ میں عبادات پیش کرنے کا وقت آ پہنچا ہے، ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان نعمتوں کے بدلہ میں انہوں نے کیا عبادتیں کی ہیں، آیا جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا وہ ان کو بجالائے اور جن کاموں سے ان کو منع کیا تھا ان سے باز رہے؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے جو معاملہ کرنے والا تھا اس کی انہوں نے کوئی تیاری کی تھی یا وہ دنیا کے عیش و آرام میں منہمک رہے اور اس دن کے متعلق انہوں نے بالکل غور وفکر نہیں کیا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں سے ایک شخص ایک دیوار بنا رہا تھا، جس دن یہ سورت نازل ہوئی اس دن اس کے پاس سے ایک شخص گزرا، دیوار بنانے والے شخص نے پوچھا آج قرآن میں کیا نازل ہوا ہے، اس نے بتایا یہ آیت نازل ہوئی ہے: لوگوں کے حساب کا وقت آ گیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں، اس شخص نے اس دیوار سے اسی وقت ہاتھ جھاڑ لئے اور کہا اللہ کی قسم! جب حساب کا وقت قریب آ گیا ہے تو پھر یہ دیوار نہیں بنے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ص 177، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس سے گزرے اس وقت ہم اپنی جھونپڑی کو درست کر رہے تھے، آپ نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا یہ جھونپڑی ٹوٹ پھوٹ رہی تھی تو ہم اس کو بنا رہے ہیں، (اس خدشہ سے کہ اس کی چھت گر نہ جائے) آپ نے فرمایا، اجل سے سے بھی پہلے آنے والی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: 2335، مصنف ابن ابی شیبہ ج13 ص 218، مسند احمد ج ۲ ص 161 سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 5235، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 4160 صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 2996، شرح السنۃ رقم الحدیث: 4030)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منشاء یہ ہے کہ گھر کی مرمت اور اصلاح سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرلو، تم گھر کی اصلاح کرتے رہو اور کیا پتا گھر تیار ہونے سی پہلے موت آ جائے۔

اس معنی میں یہ حدیث ہے: حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر

نکلے تو آپ نے ایک اونچا گنبد دیکھا، آپ نے پوچھا، یہ کس کا ہے؟ آپ کے اصحاب نے کہا یہ انصار میں سے فلاں شخص کا ہے، آپ خاموش ہو گئے اور اس کو دل میں رکھ لیا حتیٰ کہ جب وہ گنبد بنانے والا شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا اور اعراض کرنے کی آثار دیکھے، اس نے اپنے اصحاب سے اس کی شکایت کی اور کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بدلا ہوا پا رہا ہوں، اس کے اصحاب نے بتایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر نکلے تو آپ نے تمہارا بنایا ہوا گنبد دیکھا تھا، وہ شخص واپس اپنے گنبد کی طرف گیا اور اس کو گرا دیا حتیٰ کہ اس کو زمین کے برابر کر دیا۔ پھر ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر نکلے تو اس گنبد کو نہیں دیکھا پوچھا وہ گنبد کہاں گیا؟ صحابہ نے کہا اس شخص نے ہم سے آپ کے منہ موڑنے کی شکایت کی تھی ہم نے اس کو اس کی خبر دی تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا تو آپ نے فرمایا ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال ہے سوا اتنی مقدار کے جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 5237، اتحاف ج۹ ص 362، کنز العمال رقم الحدیث: 20724، تاریخ کبیر ج ا ص 87 ج 9 ص 45)

اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ جب لوگ بڑی بڑی اور بلند عمارتیں بنانا شروع کر دیں گے تو ان کا دل دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی چمک دمک میں لگا رہے گا اور وہ اللہ کی عبادت کرنے اور اس کی یاد سے غافل ہو جائیں گے، انسان دنیا کی جتنی زیادہ نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا قیامت کے دن ان نعمتوں کے مقابلہ میں اتنی زیادہ عبادتیں پیش کرنی ہوں گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میری اور دنیا کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی سوار ہو وہ کسی گرم دن میں ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر قیلولہ کر کے آرام کرے اور پھر اس کو چھوڑ دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص 217، مسند احمد ج ا ص 191، سنن الترمذی رقم الحدیث: 2377، مسند ابویعلی رقم الحدیث: 4998 المستدرک ج ا ص 310 سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 4109) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو یا اس طرح جیسے کوئی شخص کوئی راستہ بعور کر رہا ہو، اور حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ جب تم شام کو پاؤ تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کو پاؤ تو شام کا انتظار نہ کرو (کیا پتا کس وقت موت آ جائے) اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے ایام کے لئے نیک عمل کر لو، اور اپنی زندگی میں موت کے لئے نیک عمل کر لو (تاکہ جب تم مرض کی وجہ سے عمل نہ کر سکو تو صحت میں کئے ہوئے عمل تم کو نفع دیں) (صحیح البخاری رقم الحدیث: 6416، سنن الترمذی رقم الحدیث: 4114، مسند احمد ج ۲ ص 24 مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص 217 صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 698 سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص 369)

اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ دنیا کی طرف میلان اور رغبت نہ کرو اور اس کو اپنے رہنے کے لئے وطن نہ بناؤ اور اپنے دل میں یہ منصوبہ بناؤ کہ تم نے یہاں پر ہمیشہ رہنا ہے اور دنیا سے صرف اتنا تعلق رکھو جتنا مسافر دوران سفر کسی جگہ سے اپنا تعلق رکھتا ہے یہ حدیث دنیا سے فراغت حاصل کرنے اور دنیا میں زھد اور بے رغبتی اور دنیا کو حقیر جاننے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے

اسی پر قناعت کرنے کی اصل ہے جس طرح مسافر راستے میں کسی جگہ دل نہیں لگاتا اور اس کو وطن پہنچنے کی لگن ہوتی ہے تم بھی دنیا میں کسی جگہ دل نہ لگاؤ اور آخرت کی لگن رکھو۔

ابن جعدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب نے حضرت خباب (رضی اللہ عنہ) کی عیادت کی اور کہا آپ کو خوش خبری ہو، اے ابوعبداللہ! آپ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس حوض پر حاضر رہوں گے۔ حضرت خباب نے کہا یہ کیسے ہوگا؟ حالانکہ یہ اس گھر کی نچلی منزل ہے اور اس کے اوپر بھی ایک منزل ہے! حالانکہ ہم سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے لئے دنیا کی رف اتنی چیز کافی ہے جتنی مسافر کے پاس سفر میں خرچ کرنے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٣ص 219 حلیۃ الاولیاء ج اص 145 مسند الحمیدی ج اص 83)

حضرت معاویہ اپنے ماموں ابو ہاشم بن عتبہ کی عیادت کرنے گئے تو وہ رو رہے تھے، حضرت معاویہ نے ان سے کہا: اے میرے ماموں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ کو درد کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے یا دنیا پر حرص کی وجہ سے رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے، لیکن نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو یہ نصیحت کی تھی اے ابو ہاشم! شاید تمہارے پاس وہ مال آئے گا جو دوسری قوموں کو دیا گیا ہے، تمہارے پاس اس مال میں سے اتنا کافی ہے کہ ایک خادم ہو اور اللہ کی راہ میں سفر کرنے کے لئے ایک سواری ہو، اور اب میں اپنا حال دیکھتا ہوں کہ میں نے مال جمع کر لیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٣ص 219، مسند احمد ج ٣ص 443)

حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) حضرت سلمان کی عیادت کرنے کے لئے گئے تو وہ رونے لگے، حضرت سعد نے کہا: اے عبداللہ! آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ حالانکہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وصال ہوا تو وہ آپ سے راضی تھے! آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کریں گے اور ان کے پاس حوض پر حاضر ہوں گے، انہوں نے کہا میں موت سے گھبرا کر نہیں رو رہا اور نہ دنیا کی حرص پر رو رہا ہوں، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو یہ نصیحت کی تھی کہ تمہارے پاس فقط اتنا مال ہونا چاہئے جتنا ایک مسافر کے پاس سفر خرچ ہوتا ہے اور اب میرے اردگرد یہ تکیے لگے ہوئے ہیں، ان کے اردگرد تکیہ تھا، ٹب تھا اور وضو کا سامان تھا، حضرت سعد نے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ ہم کو نصیحت کیجئے، جس پر ہم آپ کے بعد عمل کریں حضرت سلمان نے کہا جب تم کو کوئی پریشانی ہو، اور جب تم کوئی فیصلہ کرو اور جب تم مال تقسیم کرو تو اللہ کو یاد کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٣ص 220 المستدرک ج ٤ص 317، حلیۃ الاولیاء ج اص 195)

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اگر علماء اپنے علم کی حفاظت کرتے اور جو علم کا اہل ہو اسی کو تعلیم دیتے تو وہ اپنے زمانہ والوں کے سردار ہوتے، لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کے حصول کے لئے دنیاداروں پر خرچ کیا تو وہ دنیاداروں کی نظر میں بے وقعت ہو گئے اور میں نے تمہارے نبی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے تمام تفکرات کو صرف ایک فکر بنا دیا اللہ اس کی آخرت کی فکر کے لئے کافی ہوگا اور جس شخص نے بہت سے تفکرات میں اور دنیا کے احوال میں اپنے

آپ کو مبتلا کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ کون سی وادی میں جا گرتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص 221 سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:257)

ام الولید بنت عمر بیان کرتی ہیں کہ ایک شام کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے لوگو! تم حیا نہیں کرتے! ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز سے؟ آپ نے فرمایا تم اس چیز کو جمع کرتے ہو جن کو تم کھاتے نہیں ہو اور ان مکانوں کو بناتے اور جن میں تم رہتے نہیں ہو اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم حاصل نہیں کر سکتے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص 172، حافظ الہیثمی نے کہا کہ اس کی سند میں الوازع بن نافع متروک ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث:18043)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) روزہ دار تھے، ان کے پاس (افطار کے وقت) کھانا لایا گیا انہوں نے کہا حضرت معصب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے بہتر تھے، ان کو صرف ایک چادر میں کفن دیا گیا، اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے وہ مجھ سے افضل تھے، پھر ہم پر دنیا بہت کشادہ کر دی گئی اور ہم کو دنیا کو وہ مال و متاع ملا جو ملا، اور ہم ڈر رہے ہیں کہ ہماری نیکیوں کا اجر ہم کو دنیا میں ہی دے دیا گیا ہے، پھر انہوں نے رونا شروع کر دیا اور کھانا چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:1275، المسند الجامع رقم الحدیث:9573)

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپا آنے سے پہلے، صحت کو بیماری آنے سے پہلے، خوشحالی کو فقر آنے سے پہلے فرصت کو مشغول ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت آنے سے پہلے۔

حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک رقم الحدیث:7916)

ان احادیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور مال و دوت کو بالکل حاصل نہیں کرنا چاہئے اگر انسان کے پاس مال و دولت نہ ہو تو اس پر زکوۃ اور عشر کیسے فرض ہوگا۔ قربانی کس طرح واجب ہوگی اور حج کیونکر فرض ہوگا۔ ان احادیث کا منشا یہ ہے کہ انسان مال و دولت کے حصول میں اس طرح مستغرق نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول جائے، ... ان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مال کو خرچ کرتا رہے اور حقوق العباد کو ادا کرتا رہے تو دنیاوی مال و متاع بھی اس کے لئے باعث اجر و ثواب ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) بہت عظیم تاجر تھے ان کے پاس بہت مال تھا ایک دن وہ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس گئے اور کہا: اے میری ماں! مجھے ڈر ہے کہ مال کی کثرت کہیں مجھے ہلاک نہ کر دے، حضرت ام سلمہ نے فرمایا اے میرے بیٹے مال کو خرچ کرو۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد میں اپنے مال میں سے

چار ہزار دینار صدقہ کیے، پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے، پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے، پھر پانچ سو گھوڑے سامان لاد کر اللہ کی راہ میں دیئے، پھر دوبارہ پانچ سو اونٹنیاں اللہ کی راہ میں دیں اور ان کا عام مال تجارت کے ذریعہ سے تھا۔

زہری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے وصیت کی تھی کہ شہداء بدر میں سے جو صحابہ باقی ہیں ان میں سے ہر ایک کو چار سو دینار دیئے جائیں وہ تعداد میں سو صحابہ تھے ان میں سے ہر ایک کو چار سو دینار دیئے گئے، حضرت عثمان بھی ان میں سے تھے اور انہوں نے ایک ہزار گھوڑے اللہ کی راہ میں دینے کی وصیت کی تھی۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص 478-479، رقم: 3370 مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت)

یوم حساب اگر قریب ہے تو اب تک آ چکا ہوتا

اس آیت پر ایک یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے یوم حساب قریب ہے، حالانکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کو بھی چودہ صدیاں گزر چکی ہیں ابھی تک تو قیامت آئی نہیں، اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے اعتبار سے یوم حساب کو قریب فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ایک دن بھی ایک ہزار سال کا ہوتا ہے:

(الحج: 47) اور یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔

(۲) ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی اور حتمی ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے۔

(۳) جب کسی چیز کی میعاد کا اکثر حصہ گزر جائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے، تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے گزر جانے کے بعد قیامت آنی تھی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام اب تک گزر چکے ہیں اور اب صرف ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت رہ گئی ہے اس لئے آپ اور آپ کی امت کے لحاظ سے اب یوم حساب قریب آ چکا ہے۔ حضرت انس (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (ساتھ ساتھ) بھیجے گئے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 6504 صحیح مسلم رقم الحدیث: 2951، سنن الترمذی رقم الحدیث: 2214، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 4040-45 سنن النسائی رقم الحدیث: 1577، مسند احمد ج ۳ ص 124 سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص 206، کنز العمال رقم الحدیث: 38348 تہذیب تاریخ دمشق ج ۴ ص 199، مشکوۃ رقم الحدیث: 1407)

اللہ تعالیٰ نے موت کا وقت معین فرمایا ہے اور نہ قیامت کا وقت معین فرمایا ہے، تاکہ انسان ہر وقت گناہ سے بچتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہو اور اسی وقت موت آ جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے تاکہ اگر اس کو موت آئے تو اس وقت آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہو۔ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے یوم حساب سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے تاکہ انسان روز قیامت سے ڈرتا رہے کہ اس دن اس کا حساب لیا جائے گا۔

شرح فقہ اکبر کی سند کا بیان

الشَّرح الميسر للفقه الابسط المَنسُوب لابی حنيفة رِوَايَة ابی مُطِيع البَلخِی عَن ابی حنيفة ۔

السند الاولی:

(۱) الحسين بن علی الكاشغری، عن أبی مالك نصران بن نصر الختلی، عن أبی الحسن علی بن أحمد الفارسی، عن نصر بن يحيىٰ، عن أبی مطيع . (مقدمة كتاب العالم والتعلّم للكوثری)

السند الثانی:

(۲) محمد بن مقاتل الرازی، عن عصام بن يوسف، عن حمّاد بن أبی حنيفة، عن أبی حنيفة ۔

تمت كتاب شرح الفقه الاكبر من عقائد اهل السنة والجماعة ۔

شرح فقہ اکبر کے اختتامی کلمات ودعا کا بیان

الحمد للہ علیٰ ذٰلک! اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ آج بروز جمعرات 15 ربیع الاوّل شریف بہ 1438ھ بمطابق 15 دسمبر 2016ء کو شرح فقہ اکبر مستند دلائل وبراہین کے ساتھ اُردو زبان میں اہل علم کے سامنے موجود ہے۔ جبکہ عقائد سے متعلق تفصیلی دلائل سے متعلق ہماری کتاب ''اہل سنت وجماعت'' جس میں ابتدائے اسلام سے لے کر پندرھویں صدی تک ہر صدی کے علماء، مجتہدین، مفسرین، محدثین، اور جمہور امت مسلمہ کے عقائد کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آ جائے گی۔ اس کتاب کے ماخذ'' کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع صحابہ ہے۔ نیز یہ وضاحت عام کی گئی ہے کہ کسی قول، بات، معمول کو عقیدہ بنانے کے لئے کس قدر مستحکم دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یاد رہے نص صریح، دلیل قطعی وغیرہ سے عقائد کا ثبوت اور جعلی رسم ورواج کے سبب پرورش پانے والے باطل نظریات کی زبردست تردید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں عقائد حقہ، عقائد اہل سنت وجماعت کو سمجھنے اور انہی کے مطابق معمولات پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔

خادم عقائد اہل سنت

ابوعبدالرحمٰن محمد لیاقت علی رضوی قادری ماتریدی

بن محمد صادق

بہاولنگر پنجاب پاکستان

یوم الخمیس ربیع الاول سنہ 1438ھ

کتب عقائد اہل السنہ وغیرہ

اسم المؤلف	اسم الکتاب
هبة الله بن الحسن بن منصور اللالكائي	شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة
محمد بن عمر بن الحسين الرازى	اعتقادات فرق المسلمين والمشركين
ابوالفضل المقری ء	احاديث فى ذم الكلام واهله
عبدالباقی بن عبدالباقی بن عبدالقادر	العين والاثر فى عقائد اهل الاثر
محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی	العلو للعلى الغفار
احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	العقيدة
محمد بن احمد بن سالم بن سلیمان السفارینی	العقيدة السفارينية
احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	العقيدة رواية ابى بكر الخلال
ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	الاقتصاد فى الاعتقاد
عبداللہ بن محمد بن علی بن محمد الہروی	الاربعين فى دلائل التوحيد
محمد بن عثمان ابن ابی شیبۃ العبسی	العرش وما روى فيه
احمد بن الحسین ابوبکر البیہقی	الاسماء والصفات
محمد بن وضاح بن بزیع المروانی	البدع
احمد بن علی بن ثابت الرفاعی الحسینی	البرهان المؤيد
علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری	الفصل فى الملل والاهواء والنحل
نعیم بن حماد المروزی	الفتن
بقی بن مخلد القرطبی	ما روى الحوض والكوثر

مؤلف	کتاب
محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی	الاعلام بما فی دین النصاری من الفساد والاوهام
علی بن اسماعیل بن ابی بشر الاشعری	الابانة عن اصول الديانة
عبیداللہ بن محمد بن بطة العکبری الحنبلی	الابانة عن شريعة الفرقة الناجية
محمد بن اسحاق بن یحیٰی بن مندہ	الایمان
محمد بن یحیٰی بن ابی عمر العدلی	الایمان
ابونعیم الاصبہانی	الامامة والرد على الرافضة
الامام الباقلانی	الانصاف
ابی علی بن سینا	الاشارات والتنبیهات
علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری	المحلی
محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	الملل والنحل
عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی	حكاية المناظرة فی القرآن مع بعض اهل البدعة
ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	المنقذ من الضلال
ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	المقصد الاسنى فی شرح معانی اسماء الله الحسنى
احمد بن شعیب النسائی	النعوت الاسماء والصفات
محمد بن عبدالواحد المقدسی	النهي عن سب الاصحاب
محمد بن الحسین الآجری	الشريعة للآجری
محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	السنة
ابن حجر الہیتمی	الصواعق المحرقة على اهل الرفض
محمد علی الشوکانی	الصوارم الحداد القاطعة لعلائق ارباب الاتحاد
محمد الکلاباذی ابوبکر	التعرف لمذهب اهل التصوف
طاہر بن محمد الاسفرائینی	التبصير فی الدين وتمييز الفرقة الناجية
محمد بن علی الشوکانی	التحف فی مذاهب السلف
محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن الملطی	التنبيه والرد على اهل الاهواء والبدع
ابی محمد عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی	التوحيد لله عز وجل
مرعی بن یوسف الکرمی المقدسی	اقاويل الثقات فی تاويل الاسماء والصفات

مصنف	کتاب
ابن الحنبلی	استخراج الجدال من القرآن الکریم
نخبۃ من العلماء	کتاب اصول الایمان فی ضوء الکتاب والسنۃ
احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	اصول السنۃ
ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی	اصول السنۃ
احمد بن عبدالحلیم بن تیمیۃ الحرانی	اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان
ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی	دفع شبہ التشبیہ باکف التنزیہ
عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی	ذم التاویل
ابوحامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی	فضائح الباطنیۃ
علی بن ابی علی بن محمد بن سالم الآمدی	غایۃ المرام فی علم الکلام
احمد بن محمد بن المظفر بن المختار الرازی	کتاب حجج القرآن
شیث بن ابراہیم بن حیدرۃ	حز الغلاصم فی افحام المخاصم
لسموال بن یحییٰ بن عباس المغربی	افحام الیہود وقصۃ اسلام السموال
محمد بن ابراہیم بن سعداللہ بن جماعۃ	ایضاح الدلیل فی قطع حجج اہل التعطیل
محمد بن علی الشوکانی	ارشاد الثقات الی اتفاق الشرائع علی التوحید
احمد بن الحسین البیہقی	اثبات عذاب القبر
عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی	اثبات صفۃ العلو
حمزۃ بن محمد بن علی الکنانی	جزء البطاقۃ
محمد بن ابراہیم بن اسماعیل البخاری	خلق افعال العباد
ہبۃ اللہ بن الحسن الطبری اللالکائی	کرامات اولیاء اللہ عز وجل
ابوبکر بن ابی شیبۃ	کتاب الایمان
عضدالدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی	المواقف
عبدالملک بن عبدالملک بن یوسف	لمع الادلۃ فی قواعد اہل السنۃ والجماعۃ
عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی	لمعۃ الاعتقاد
ابوحامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی	عارج القدس فی مدراج معرفۃ النفس
الحارث بن اسد بن عبداللہ المحاسبی	مائیۃ العقل ومعناہ واختلاف الناس فیہ

عبداللہ عبدالغنی الخیاط	ما یجب ان یعرفه المسلم عن دینه
محمد بن عبداللہ بن بہادر الزرکشی	معنی لا اله الا الله
عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی	مجمل اعتقاد ائمة السلف
عمر بن عبدالرحمٰن القزوینی	مختصر شعب الایمان للبیهقی
ابوجعفر الوراق الطحاوی	متن العقیدة الطحاویة
محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیۃ	متن القصیدة النونیة
ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی	نعمة الذریعة فی نصرة الشریعة
الشہرستانی	نهایة الاقدام فی علم الکلام
ابوحامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی	قواعد العقائد
عبداللہ بن یوسف الجوینی	رسالة فی اثبات الاستواء والفوقیة
علی بن اسماعیل بن ابی بشر	رسالة الی اهل الثغر
علی بن عمر بن احمد الدارقطنی	رؤیة الله
احمد بن ابراہیم الواسطی	النصیحة فی صفات الرب جل وعلا
جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور
ابواسحاق ابراہیم بن محمد	تفسیر اسماء الله الحسنی
محمد بن الطیب بن جعفر بن القاسم الباقلانی	تمهید الاوائل وتلخیص الدلائل
ابوالحسن علی بن احمد السبتی الاموی	تنزیه الانبیاء عما نسب الیهم حثالة الاغبیاء
محمد بن الامیر الصنعانی	تطهیر الاعتقاد من ادران الالحاد
ابوحامد الغزالی	مشکاة الانوار

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خوشخبری

مسلک اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات۔۔۔

بد مذہبوں کے باطلہ عقائد اور ان کے رد۔۔۔

اہلسنت پر کیئے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل کتب و رسائل، آڈیو ویڈیو بیانات اور والپیپر حاصل کرنے کے لئے تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat